بسم الله الرحمن الرحيم

الصلوٰۃ والسلام علیک
یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم

فہرست مضامین "تفسیر نعیمی" پارہ (والمحصنت)

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

اور شوہر والی عورتیں سوا ان کے کہ مالک ہوئے جن کے تمہارے ہاتھ تحریر اللہ کی اوپر تمہارے

اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں جو تمہاری ملک میں آجاویں یہ اللہ کا نوشتہ ہے تم پر

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ

اور حلال کی گئیں تمہارے لئے وہ جو علاوہ ہیں ان کے یہ کہ تلاش کرو بدلے مالوں اپنے کے پاکدامنی

اور ان کے سوا جو رہیں تم پر حلال ہیں کہ اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو قید لاتے نہ پانی گراتے

مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَلَا

کرتے ہوئے نہ بدکاری کرتے پس وہ عورتیں کہ نفع حاصل کرو تم ان میں سے پس دو ان کو انکے مہر اور

تو جن عورتوں کو نکاح میں لانا چاہو ان کے بندھے ہوئے مہر انہیں دو اور قرار داد کے

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا

نہیں ہے گناہ اوپر تمہارے اس میں کہ آپس میں راضی ہو جاؤ بعد مقرر شدہ کے تحقیق اللہ ہے جاننے

بعد اگر تمہارے آپس میں رضا مندی ہو جاوے تو اس میں گناہ نہیں بیشک اللہ علم

حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

والا حکمت والا

و حکمت والا ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیات میں قریباً تیرہ حرام عورتوں کا ذکر کیا گیا تھا اب چودھویں حرام عورت کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں دائمی حرام عورتوں کا ذکر تھا (سوا سالی کے) جن میں سے بعض نسباً حرام تھیں اور بعض سسرالی رشتے سے بعض دودھ کے رشتے سے۔ اب عارضی حرام عورتوں کا ذکر ہے جن کی حرمت کسی وجہ سے ہو۔ جسکے اٹھ جانے سے حرمت بھی اٹھ جائے یعنی دوسرے کی منکوحہ بیوی کہ اسکے طلاق دینے کے بعد حلال ہو جاتی ہے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیات میں حرام عورتوں کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے اس آیت میں حلال عورتوں کا بھی اجمالی ذکر ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں حرام عورتوں کی حرمت کا ذکر تھا۔ اس آیت میں حلال عورتوں کے ساتھ اچھے برتاوے کا حکم دیا جا رہا ہے اور ان پر زیادتی سے منع فرمایا جا رہا ہے۔

شان نزول: سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ اوطاس میں جو کہ فتح مکہ کے دن یا اس سے بالکل متصل ہوئی ہے اسلامی لشکر اوطاس کی طرف بھیجا وہاں کے کفار مرد ڈر کے مارے پہاڑیوں اور

گھاٹیوں میں چھپ گئے' انکی بہت عورتیں گرفتار ہو کر مسلمانوں کے پاس آئیں۔ ان غازیوں نے خیال کیا کہ چونکہ انکے خاوند زندہ ہیں اور انہوں نے طلاق بھی نہیں دی ہے اس لئے شاید ان سے صحبت حرام ہو۔ یہ مسئلہ بارگاہ رسالت میں پیش ہوا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں مسلمانوں کو ایسی لونڈیوں سے جماع کی اجازت دی گئی (تفسیر خازن' روح المعانی' خزائن العرفان' تفسیر بیضاوی) سیدنا عبد اللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ فروخت شدہ لونڈی کے متعلق نازل ہوئی انکے ہاں منکوحہ لونڈی کا نکاح بیع سے ٹوٹ جاتا ہے اور خریدار کو بعد استبراء صحبت جائز ہوتی ہے۔ حضرت عطا فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اپنی مملوکہ لونڈی کے متعلق نازل ہوئی جسکا نکاح اور سے کردیا گیا ہو' انکے نزدیک مالک کو حق حاصل ہے کہ اپنی لونڈی کو اس کے خاوند سے علیحدہ کردے یعنی اسکا نکاح توڑ دے (تفسیر خازن) مگر یہ دونوں قول عامۃ المسلمین کے مذہب کے خلاف ہیں۔ حق پہلا ہی قول ہے۔ (روح المعانی)

تفسیر: **والمحصنت من النساء** واؤ عاطفہ ہے اور المحصنت گزشتہ آیت کے **امھتکم** پر معطوف ہے اور حرمت" کا نائب فاعل ہے۔ ہماری عام قراءتوں میں محصنت ص کے فتح سے ہے۔ امام کسائی کی قرات میں ص کے زیر سے ہے۔ یہاں ہی نہیں بلکہ سارے قرآن مجید میں (تفسیر بیضاوی) محصنت احصان سے بنا۔ جس کا مادہ حصن ہے بمعنی قلعہ اور حفاظت۔ رب فرماتا ہے: **ما نعتھم حصونھم من اللہ** اہل عرب کہتے ہیں تحصن زید یعنی زید نے قلعہ میں رہنا سہنا اختیار کرلیا۔ پھر یہ لفظ ہر قسم کی حفاظت پر بولا جانے لگا۔ چنانچہ زرہ کو حصینہ کہتے ہیں۔ یعنی بدن کی حفاظت کرنے والا لباس اچھے گھوڑے کو فرس حصان جو اپنے سوار کی حفاظت کرتا ہے گرنے سے بچاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا **الا قلیلا مما تحصنون** یعنی گندم محفوظ رکھو' نیز کہا جاتا ہے۔ امراۃ حصان یعنی پاک دامن عورت اپنی عصمت کی حفاظت کرے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ چار معنی میں استعمال ہوا' پاکدامنی رب فرماتا ہے: **التی احصنت فرجھا** ' آزاد عورت۔ رب فرماتا ہے: **والذین یرمون المحصنت**' مسلمان عورت' رب فرماتا ہے۔ احصن یعنی جب وہ عورتیں اسلام لے آئیں۔ خاوند والی عورت (تفسیر کبیر) ان چاروں معنی میں حفاظت کے معنی ملحوظ ہیں۔ کیونکہ آزادی کی وجہ سے غلامیت کی ذلت سے حفاظت ہو جاتی ہے۔ اسلام انسان کو محرمات سے محفوظ کردیتا ہے خاوند عورت کو بہت سی مصیبتوں سے بچالیتا ہے۔ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس نے نکاح کرلیا اس نے اپنے دو تہائی دین کی حفاظت کرلی۔

یہاں محصنت کے یہ چاروں معنی کئے گئے ہیں یعنی حرام ہیں تم پر چار سے زیادہ آزاد عورتیں۔ یا حرام ہیں تم پر مسلمان عورتیں' یا حرام ہیں تم پر خاوند والی عورتیں یا حرام ہیں تم پر پاکدامن عورتیں۔ مگر قوی تفسیر یہی ہے کہ یہاں محصنت سے مراد خاوند والی عورتیں ہیں اور معنی یہ ہیں کہ حرام ہیں تم پر وہ عورتیں جو کسی کے نکاح میں ہوں۔ اس صورت میں آیت میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ چونکہ دنیا میں انسان مرد کا نکاح نہ جن عورت سے ہو سکتا ہے نہ حوروں سے۔ اس لئے محصنات کے ساتھ نساء کا ذکر فرمایا گیا۔ نساء کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے لہذا من بیانیہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ من تبعیضیہ ہو۔ **الا ما ملکت ایمانکم** الا استثناء کا ہے اور ما سے مراد عورتیں ہیں چونکہ لونڈی عورت بعض احکام میں مثل جانور کے مانی گئی ہے' اس لئے ما فرمایا گیا جو غیر عاقلوں کیلئے آتا ہے۔ نیز جب کسی کو اسکی صفت سے بیان کیا جائے تو عاقل کیلئے بھی ما بول دیتے ہیں۔ رب فرماتا ہے: **لا تنکحوا ما نکح اباؤکم** دیکھو یہاں عورتوں کو ما سے تعبیر کیا گیا اور فرماتا ہے۔ **فلما جاء ھم ما**

عرفوا دیکھو یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ماسے تعبیر کیا گیا۔ حق یہ ہے کہ یہاں ملک یمین سے مراد ان عورتوں کی ذاتوں کا مالک ہونا ہے جسے فقہا ملک رقبہ بھی کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے یہاں ملک نکاح بھی مراد لی ہے مگر یہ ضعیف ہے یعنی جن کافرہ عورتوں کے تم مالک بن جاؤ' اس طرح کہ وہ جہاد میں تمہاری ملکیت میں آجائیں۔ وہ اگرچہ خاوند والی ہوں تمہارے لئے حلال ہیں کہ استبراء کے بعد یعنی حاملہ ہو تو حمل جننے کے بعد اور غیر حاملہ ہو تو ایک حیض کا انتظار کرنے کے بعد ان سے صحبت کر سکتے ہو۔ خیال رہے کہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک یہ تب ہو گا جب صرف عورت ہی قید ہو کر آئے خاوند نہ آئے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک گرفتار شدہ کافرہ بہرحال حلال ہے خواہ خاوند کے ساتھ گرفتار ہو یا اکیلی' خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں عورت کا قید ہونا نکاح توڑتا ہے اور ہمارے ہاں ملک کا علیحدہ ہونا اسکی پوری بحث کتب فقہ میں دیکھو **کتب اللہ علیکم** کتاب کے معنی اور اسکی تحقیق پہلے سیپارے میں کی جا چکی ہے۔ یہاں تاکید کے لئے اس طرح فرمایا گیا۔ اصل عبارت یوں تھی **کتب اللہ علیکم کتابا** : اللہ نے یہ حکم تم پر نوشتہ یا رجسٹری کر دیا۔ بعض نے فرمایا کہ اصل عبارت یوں تھی **الزمو کتاب اللہ علیکم** یعنی اللہ کے اس تحریری حکم کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ خیال رہے کہ یہ کلمہ تاکید حکم یا دوام حکم بتانے کیلئے آتا ہے۔ چونکہ حرام عورتوں سے نکاح نسل کو خراب کرتا ہے اس لئے فرمایا کہ یہ حکم رجسٹری شدہ ہے یا یہ مقصد ہے کہ اب اس میں کبھی تبدیلی نہ ہو گی۔ مذکورہ عورتوں کی حرمت تم پر دائم رہے گی لہٰذا یہ محکم فیصلہ ہے: **واحل لکم ما وراء ذلکم** احل کا مادہ حل ہے بمعنی کھلنا۔ چونکہ جائز چیز سے پابندیاں دور کر دی جاتی ہیں اس لئے اسے حلال کہتے ہیں۔ اس سے مراد عورتیں ہیں۔ وراء بمعنی علاوہ **ذالکم** سے اشارہ ان مذکورہ عورتوں کی طرف ہے جو یہاں بیان ہوئیں۔

خیال رہے کہ ان عورتوں کے علاوہ کچھ اور عورتیں بھی حرام ہیں۔ جیسے چار بیویوں کی موجودگی میں پانچویں سے نکاح۔ رب فرماتا ہے۔ **مثنی و ثلاث و ربع**۔(۱) مشرکہ عورتوں سے نکاح۔ رب فرماتا ہے **ولا تنکحوا المشرکت**۔ جس کو تین طلاقیں دی گئی ہوں اس سے نکاح قبل حلالہ' فرماتا ہے **فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ**" **لعان** والی عورت سے نکاح کے **لعان** توڑنے سے پہلے حرام ہے۔ اسی طرح پھوپھی' بھتیجی' خالہ' بھانجی کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اسی طرح جس کے نکاح میں آزاد عورت ہو اسے لونڈی سے نکاح کرنا حرام ہے۔ یونہی طلاق' وفات کی عدت میں نکاح کرنا حرام ہے۔ غرضیکہ بہت عورتیں وہ ہیں جو یہاں مذکور نہیں مگر حرام ہیں۔ اس لئے بعض علماء نے فرمایا کہ یہ جز منسوخ ہے۔ جس کی ناسخ مذکورہ آیتیں ہیں اور احادیث متواتر **المعنی** یعنی اس وقت یہی عورتیں حرام تھیں بعد میں دوسری حرام کی گئیں۔ **کتاب اللہ** سے یا سنت رسول اللہ سے۔ یہاں تفسیر کبیر نے بہت کوشش کی کہ ان مذکورہ عورتوں کو بھی اسی آیت میں داخل کیا جائے مگر آخر میں انہوں نے بھی یہی کہا کہ حق یہی ہے کہ یہ حکم اس وقت ہی تھا۔ فقیر بھی اسی کو ترجیح دیتا ہے۔ **ان تبتغوا باموالکم** یہ عبارت یا تو **احل لکم** کا بیان ہے یعنی ان عورتوں کا حلال ہونا نکاح سے ہے بغیر نکاح نہیں یا مفعول لہ' ہے لام پوشیدہ ہے۔ یعنی اس لئے حلال کی گئیں کہ ان سے نکاح کرو۔ **تبتغوا** کا مصدر ہے **ابتغاء** جو بغی سے بنا بمعنی چاہنا۔ لہٰذا **ابتغاء** کے معنی ہیں تلاش کرنا' ڈھونڈنا' چونکہ عموماً مرد ہی عورت کو نکاح کے لئے تلاش کرتے ہیں' عورتیں کم کرتی ہیں۔ نیز سنت بھی یہی ہے کہ مرد خاطب (یعنی پیغام دینے والا) ہو' عورت مخطوبہ۔ اس لئے یہاں مردوں سے خطاب کیا گیا۔ قرآن مجید

سے شیخ کی تلاش ' رزق کی تلاش ' محبوب کی تلاش ' بیوی کی تلاش ثابت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام تلاش شیخ میں ' برادران یوسف پہلے تلاش رزق میں ' پھر تلاش محبوب میں نکلے۔ یہاں بیوی کی تلاش کا ذکر ہے۔ **ان تبتغوا** میں لڑکی کے چال چلن اخلاق کی صورت کی دیکھ بھال بھی ہے۔ **باموال** میں ب **الصاق** یعنی ملانے کی ہے۔ اموال یعنی مالوں سے مراد وہ مہر ہے جو نکاح کے وقت یا اس کے بعد عورت کو دیا جائے یا وہ قیمت ہے جس سے لونڈی خریدی جائے۔ یعنی انہیں نکاح کے لئے تلاش کرو۔ اپنے مالوں کے ساتھ جو انہیں مہر میں دو۔ خیال رہے کہ اموال کو جمع فرمایا گیا کیونکہ خاوند کے ذمہ بیوی کا مہر خرچہ بعد موت کفن سب کچھ لازم ہے۔ **کم** فرما کر یہ بتایا کہ بیویوں پر اپنا مال خرچ کرو ' قرض لے کر ' بھیک مانگ کر ' عاریت لے کر خرچ نہ کرو۔ **محصنین غیر مسافحین**۔ یہ دونوں کلمے **تبتغوا** کے فاعل سے حال ہیں۔ **محصنین** ' **احصان** سے بنا جس کے چار معنی ابھی عرض کئے گئے۔ یہاں بمعنی پرہیز و عفت ہے یعنی نفس کو ان چیزوں سے محفوظ رکھنا جو ملامت یا عذاب لازم کریں۔ **مسافحین** ' **سفح** سے بنا۔ رب فرماتا ہے **اودما " مسفوحا "** عرب کہتے ہیں۔ **فلان سفاح الدماء** یعنی وہ آدمی بڑا خونریز ہے۔ اصطلاح میں سفاح کے معنی ہیں زنا۔ کیونکہ زانی بھی زنا میں صرف منی ہی بہاتا ہے۔ نسل یا اولاد کا ارادہ نہیں کرتا اس لئے زنا کو سفاح کہتے ہیں۔ اور زانی کو مسافح یعنی عورتوں کو بذریعہ مال تلاش کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم انہیں کرایہ پر رکھ لو بلکہ یہ مطلب ہے کہ مہر دے کر نکاح کرو۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان کلمات نے گذشتہ مضمون سے شبہ دور کر دیا۔ **فما استمتعم بہ منھن فاتوھن اجورھن فریضۃ "** یہاں ف تفصیل کی ہے اور ما سے مراد بیویاں ہیں یا ف **تعقیبیہ** ہے اور ما سے مراد نکاح۔ بہ میں **سببیہ** کا مرجع نکاح ہے **استمتعتم** ' متع سے بنا بمعنی نفع۔ استمتع نفع حاصل کرنا۔ بہ میں ہ کا مرجع نکاح ہے۔ **منھن** میں **من تبعیضیہ** ہے اور ھن کا مرجع ما ہے۔ یہ جملہ مبتداء ہے۔ چونکہ اس میں شرط کے معنی ہیں اس لئے اس کی خبر میں آئندہ ف آرہی ہے۔ **اتواء ایتاء** سے بنا بمعنی دے دینا اور قبضہ کرا دینا۔ **اجور** اجر کی جمع ہے۔ بمعنی مزدوری ' یہاں مراد مہر ہے۔ مہر کو اجرت اس لئے کہا گیا کہ یہ نفع حاصل کرنے کا عوض ہے۔ نہ عورت کی قیمت ہے نہ اس کے کسی عضو کی قیمت بلکہ اسے مہر اس لئے کہتے ہیں کہ یہ محبت سے دیا جاتا ہے بوجھ ہو کر نہیں۔ یعنی اس نکاح کے بعد تم جس بیوی سے نفع حاصل کرو کہ ان سے صحبت کر لو تو ان کے مہر پورے پورے دو۔ اگر مہر مقرر تھا تو مقرر شدہ دو ' اگر مقرر شدہ نہ تھا تو مہر مثل دو یعنی جو عورت کے خاندان میں مقرر ہوتا ہے۔ غرضیکہ صحبت کے بعد مہر واجب ہے۔ اگر صحبت سے قبل طلاق دے دی جائے تو مہر مقرر کا آدھا دیا جائے گا اور غیر مقرر صورت میں کپڑے کا جوڑا اس لئے فرمایا گیا **فریضۃ** یعنی بعد صحبت تم پر مہر دینا بہر حال فرض ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں استمتاع سے مراد ہے عورت سے متعہ کرنا یعنی کچھ مدت کے لئے نکاح اور اجور سے مراد ہے ان عورتوں کی طے شدہ خرچی۔ اور وہ معنی یہ کرتے ہیں کہ تم جن عورتوں سے متعہ کرو تو ان کی طے شدہ اجرت دو۔ یہ مفسرین اس آیت کو منسوخ مانتے ہیں یا تو اس آیت سے **الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم**۔ کیونکہ متعائی عورت نہ بیوی ہوتی ہے ' نہ لونڈی یا اس حدیث سے کہ حضور نے فرمایا کہ عورتوں کا متعہ اور گدھے کا گوشت قیامت تک کے لئے حرام کر دیا گیا۔

خیال رہے کہ متعہ کی حلت و حرمت دو بار ہوئی۔ جنگ خیبر سے پہلے حلال تھا۔ خیبر کے دن حرام کیا گیا پھر فتح مکہ یعنی جنگ اوطاس میں حلال ہوا۔ پھر قیامت تک کے لئے حرام کر دیا گیا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اسلام میں متعہ ہی وہ حکم ہے جو دو

بار حلال و حرام ہوا۔ خیال رہے کہ متعہ کے حرام ہونے پر ساری امت کا اجماع ہے۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس پہلے اس کی حلت کے قائل تھے' پھر سیدنا علی مرتضیٰ کے فرمان پر انہوں نے اس سے رجوع کیا مگر مجبوری کی حالت میں جائز مانتے رہے۔ جس پر بہت شور مچا اور لوگوں نے ان کی تردید میں قصیدے لکھے۔ جن میں سے دو شعر یہ ہیں۔

قد قلت للشیخ لما طال مجلسہ　　یا صاح ھل لک فی فتوی ابن عباس

ھل لک فی رخصۃ الاطراف انسۃ　　تکون مثواک حتی مصدر الناس

پھر آپ نے سیدنا عبداللہ ابن زبیر کی خلافت میں اس سے بھی رجوع کر لیا۔ بہر حال متعہ کی حرمت پر سب کا اجماع ہو چکا۔ مگر فقیر کے نزدیک یہ تفسیر نہایت ہی ضعیف ہے۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ **فما** کی ف **تعقیبیہ** سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس مذکورہ نکاح کے بعد والی کوئی چیز ہے۔ اگر اس سے مراد متعہ ہو تا تو یہاں واؤ آتا ف نہ آتی کہ متعہ اس نکاح مذکورہ کے علاوہ کوئی اور چیز اس دائمی نکاح کے بعد کی چیز نہیں' دوسرے اس لئے کہ اس آیت میں موجود ہے۔ **محصنین غیر مسافحین** اور ظاہر ہے' متاعی خاوند بھی صرف شہوت رانی اور منی بہانا ہی چاہتا ہے۔ نسل یا اولاد کی ہرگز خواہش نہیں کرتا لہٰذا وہ بھی مسافحین میں داخل ہے۔ نیز جب ایک معنی سے آیت محکم بن سکتی ہے تو بلا وجہ دوسرے غیر ظاہر معنی کر کے اسے منسوخ ماننا جائز نہیں۔ نیز اس پوری آیت میں نکاح دائمی کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس ٹکڑے میں متعہ مراد لینا آیت کی روانی کے خلاف ہے اور اس کے بہت سے وجوہ ہیں۔ چنانچہ سب مانتے ہیں کہ متعہ سے احصان حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر متاعی شخص زنا کرے تو اسے سو کوڑے لگیں گے۔ رجم نہ کیا جائے گا۔ لہٰذا حق یہی ہے کہ اس سے مراد متعہ ہرگز نہیں۔ **ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضۃ**۔ یہ مہر کے متعلق تیسرا حکم ہے۔ **تراضیتم** میں خاوند بیوی سے خطاب ہے۔ بہٖ میں ہ کا مرجع **ما** ہے۔ فریضہ سے مراد مقرر شدہ مہر ہے یعنی مہر مقرر کرنے کے لئے اگر زوجین کسی فرق کرنے پر متفق ہو جائیں۔ مثلاً عورت جس سے ایک ہفتے کے لئے نکاح ہوا تھا وہ دس دن رہنے پر راضی ہو جائے یا مرد ہفتے سے پہلے چھوڑنے پر راضی ہو جائے۔ یا متاعی عورت اجرت متعہ کم کرنے پر راضی ہو جائے یا مرد کچھ زیادہ اجرت دیدے تو گناہ نہیں۔ ان کے نزدیک یہ حکم بھی منسوخ ہے۔ مگر ابھی فقیر عرض کر چکا کہ یہ تفسیر منشاء آیت کے خلاف ہے لہٰذا اس کی تفسیر وہی ہے جو ہم نے عرض کی۔ **ان اللہ کان علیما حکیما**" بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مخلوق کا فائدہ کن احکام میں ہے اور اس کے سارے احکام حکمت پر مبنی ہیں۔ اس نے نکاح اس لئے حلال قرار دیا کہ اس سے مال' عزت' نسب وغیرہ سب محفوظ رہتے ہیں' اور ان مذکورہ عورتوں سے نکاح اس لئے حرام کیا کہ اس میں صدہا فساد ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : پہلے جملے کی چار تفسیریں ہیں۔ کیونکہ **محصنت** کے چار معنی ہیں۔ جیسا کہ ہم نے تفسیر میں عرض کیا ہم ان میں سے ایک تفسیر عرض کرتے ہیں جو نہایت قوی ہے۔ "اے مسلمانو! تم پر وہ عورتیں حرام ہیں جو کسی اور کے نکاح میں ہوں یا نکاح کی عدت میں"۔ کیونکہ ایک مرد چار عورتیں رکھ سکتا ہے مگر ایک عورت بیک وقت چند خاوند نہیں رکھ سکتی کہ اس میں نسل مخلوط ہوتی ہے۔ ہاں جو کافرہ عورتیں گرفتار ہو کر تمہارے ہاتھ لگیں اور تم ان کے مالک ہو جاؤ وہ اگرچہ خاندان والیاں ہوں جن کے خاوند اپنے گھروں میں رہ گئے ہوں' وہ تمہارے لئے حلال ہیں۔ یہ مذکورہ عورتوں کی حرمت اللہ تعالیٰ کا نوشتہ ہے۔ جس پر عمل کرنا تم پر لازم ہے۔ اس میں تبدیلی کبھی نہ ہوگی۔ ان عورتوں کے علاوہ باقی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ کہ ان

سے مہر کے عوض نکاح کرو۔ اس میں یہ خیال رکھنا کہ پاکدامن رہو۔ صرف شہوت رانی کے لئے نہ ہو۔ پھر اس نکاح کے بعد جس بیوی سے تم صحبت بھی کرلو تو اسے اس کا طے شدہ مہر اور اگر مہر مقرر نہ ہو تو مہر مثل پورا پورا دو۔ یہ بڑا ضروری فریضہ ہے کیونکہ مہر عورت کا قرض ہے۔ جو توبہ سے معاف نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر خاوند بیوی کو اس مہر مقرر سے کچھ زائد دیدے تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ ان کا آپس کا معاملہ ہے جیسے راضی ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ بڑا ہی حکمت والا ہے۔ اس نے جو حکم نافذ فرمایا ہے اس میں صدہا حکمتیں ہیں۔ لہذا اس کے احکام پر بلا چون و چرا عمل کرو۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** گمشدہ خاوند کی بیوی اس وقت تک دوسروں پر حرام ہے جب تک کہ خاوند کی موت کا ظن غالب، جو قرین یقین ہو نہ ہو جائے۔ ایسے ہی جن عورتوں کے نکاح ناجائز طور پر حکام توڑ دیتے ہیں وہ سب دوسروں پر حرام ہیں کیونکہ یہ عورتیں محصنات یعنی خاوند والیاں ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** کافروں کا نکاح اختلاف دارین کی وجہ سے ٹوٹ سکتا ہے کہ مرد تو دار الحرب میں رہے اور عورت گرفتار ہو کر دار السلام میں آجائے تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اس عورت کا مولیٰ حمل جننے یا ایک حیض آجانے کے بعد اس سے صحبت کر سکتا ہے جیسا کہ **ما ملکت** الخ سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** ان آیات میں مذکورہ عورتوں کی حرمت قطعی یقینی ہے ان کا منکر کافر ہے جیسا کہ کتاب اللہ سے معلوم ہوا۔ لہذا جو شخص ان عورتوں میں سے کسی کو حلال جانے وہ کافر ہو گا۔ **چوتھا فائدہ:** تمام چیزوں میں اصلی حالت حلال ہونا ہے۔ حرمت کسی وجہ سے آتی ہے۔ جس کے لئے دلیل درکار ہے۔ دیکھو! یہاں رب تعالیٰ نے حرام عورتوں کا ذکر تو فرمایا حلال کا ذکر نہ کیا بلکہ ان کے لئے فرمایا کہ ان کے سوا باقی تمام عورتیں حلال ہیں۔ اگر حلال ہونے کے لئے بھی دلیل خاص کی ضرورت ہوا کرتی تو قرآن کریم حلال کا ذکر بھی فرماتا۔ رب فرماتا ہے۔ **قل لا اجد فیما اوحی الی محرما" علی طاعم** الخ وہاں بھی کھانے کی چیزوں کی حلال ہونے کی دلیل کسے بنایا' حرام نہ ہونے کو۔ اس سے زمانہ موجودہ کے دیوبندی' وہابی حضرات عبرت پکڑیں، جو ہر چیز کی حلت کے لئے دلیل مانگتے ہیں اور حرام بلا دلیل کہہ دیتے ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** مناسب یہ ہے کہ پیغام نکاح مرد کی طرف سے ہو۔ یعنی مرد خاطب ہو عورت مخطوبہ جیسا کہ **ان تبتغوا**' مذکر فرمانے سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** نکاح میں مہر ضروری ہے جیسا کہ **باموالکم** سے معلوم ہوا۔ حتیٰ کہ اگر مہر کا ذکر نہ ہو' یا مہر کا انکار کر دیا گیا ہو پھر بیوی یا خاوند کا انتقال ہو جائے یا بعد صحبت و خلوت طلاق ہو جائے تو مہر مثل یعنی جو عورت کے کنبہ میں مہر بندھتا ہو وہ دینا واجب ہے۔ جیسا کہ **باموالکم** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** نکاح میں مہر مال ہی ہو سکتا ہے اور چیز نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی **باموالکم** سے معلوم ہوا۔ **مسئلہ:** امام شافعی کے ہاں مہر غیر مال بھی ہو سکتا ہے۔ یہ آیت احناف کی دلیل ہے اور ان کے ہاں مہر میں نہ کمی کی حد مقرر ہے نہ زیادتی کی۔ ایک پیسہ دھیلا بھی مہر ہو سکتا ہے۔ مگر امام اعظم کے ہاں ادنیٰ مہر دس درہم ہے زیادہ کی حد نہیں۔ امام صاحب کی دلیل وہ آیت ہے۔ **قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم** اور بہت سی احادیث ہیں۔ نیز اس میں ہاتھ بھی اسی قدر مال نہیں کہا جاتا اور یہاں فرمایا گیا **باموالکم**۔ **آٹھواں فائدہ:** وقتی نکاح یعنی متعہ اسلام میں حرام ہے جیسا کہ **محصنین** اور **غیر مسافحین** سے معلوم ہوا کیونکہ متعائی مرد صرف شہوت رانی اور نطفہ ضائع کرنے کے لئے متعہ کرتا ہے نہ اولاد اور انتظام خانہ داری کے لئے۔ لہذا وہ مسافح ہے جیسا کہ ہم نے تفسیر میں عرض کیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الا**

علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم۔ اور فرماتا ہے۔ **فمن ابتغی وراء ذالک فاولئک ھم العادون**۔ یعنی جو کوئی بیوی اور لونڈی کے سوا کوئی اور عورت تلاش کرے وہ اسلامی حد سے نکلتا ہے اور ظاہر ہے کہ متعائی بیوی نہ بیوی ہے۔ نہ لونڈی۔ لونڈی نہ ہونا تو ظاہر ہے۔ بیوی اس لئے کہ شیعہ حضرات بھی اس پر بیوی کے احکام جاری نہیں کرتے۔ چنانچہ نہ تو اس پر علیحدگی کے بعد عدت واجب کرتے ہیں صرف ایک حیض کا استبراء ضروری مانتے ہیں نہ اسے خاوند کی میراث دلواتے ہیں اگرچہ مدت متعہ میں خاوند کا انتقال ہو جائے۔ نہ اس عورت پر طلاق لازم کرتے ہیں نہ طلاق کے بعد عدت کا خرچہ حتی کہ ابو نصیر مجتہد شیعہ نے اپنی صحیح میں حضرت امام جعفر صادق سے روایت نقل کی۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ ممتوعہ عورت بیویوں میں شمار ہے کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تو ستر میں بھی شمار نہیں یعنی بیک وقت سو عورتوں سے متعہ ہو سکتا ہے۔ اگر یہ بیوی ہوتی تو چار میں یقیناً داخل ہوتی (از روح المعانی) رب فرماتا ہے۔ **مثنی و ثلث و ربع**۔ نواں فائدہ: صحبت یا خلوت کے بعد پورا مہر دینا واجب ہو جاتا ہے جیسا کہ **فما استمتعتم** الخ سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: مہر بیوی کی قیمت نہیں بلکہ اس سے نفع حاصل کرنے کا معاوضہ ہے۔ جیسا کہ **اجورھن** سے معلوم ہوا۔ گیارہواں فائدہ: مالک نکاح خاوند ہے۔ عورت یا دونوں نہیں۔ ورنہ خاوند پر مہر دینا واجب نہ ہوتا یہ فائدہ بھی **اجورھن** سے حاصل ہوا۔ اسی لئے خاوند طلاق دے سکتا ہے عورت نہیں دے سکتی۔ رب فرماتا ہے **الذی بیدہ عقدۃ النکاح**۔ بارہواں فائدہ: بیوی کا مہر ادا کرنا ایسا ضروری ہے جیسے دوسرے قرض ادا کرنا جیسا کہ **فریضۃ**" سے معلوم ہوا لہٰذا" اتنا مہر ہونا چاہئے جو ادا کیا جا سکے۔ تیرہواں فائدہ: بیوی اپنا مہر معاف بھی کر سکتی ہے اور کم بھی یونہی خاوند مہر میں زیادتی بھی کر سکتا ہے۔ جیسا کہ **تراضیتم** سے معلوم ہوا۔ چودھواں فائدہ : خاوند جو زیادتی کر دے وہ مہر میں داخل ہوگی۔ حتی کہ اگر خاوند فوت ہو جائے یا بعد خلوت طلاق دے تو مہر کی طرح یہ زیادتی بھی ادا کرنی پڑے گی۔ یہ بھی **من بعد الفریضۃ** سے معلوم ہوا۔ ہاں اگر خلوت سے پہلے طلاق ہو جائے تو اس زیادتی کا آدھا واجب ہو گا بلکہ اصل مہر کا آدھا واجب ہو گا۔ امام شافعی کے ہاں یہ زیادتی ہبہ کے حکم میں ہے۔ خیال رہے کہ اصطلاح میں حرام عورت وہ کہلاتی ہے جس سے نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہو اور اس کی صرف تین ہی صورتیں ہیں۔ نسب مسرالیت و شیر خوارگی۔ ان تینوں میں نسب کی حرمت بہت قوی ہے۔ اسی لئے ماں، بہن، بیٹی وغیرہ کے ساتھ سفر بھی جائز ہے اور خلوت بھی مگر رضائی بہنیں اور جوان ساس کے ساتھ یہ باتیں مکروہ۔ میراث ہبہ میں رجوع نہ کر سکنا۔ اس کے مال کی چوری پر ہاتھ نہ کٹنا۔ اس کے حق میں گواہی قبول نہ ہونا۔ اس کی موطوءہ بیوی حرام ہونا وغیرہ احکام اسی حرمت نسب پر مرتب ہوتے ہیں۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ خاوند والی عورت دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکتی تو چاہئے کہ بیوی والا مرد بھی دوسری عورت سے نکاح نہ کر سکے (آریہ و عام بے دین)۔ جواب: مرد کو چند بیویاں رکھنا جائز ہیں بشرطیکہ انصاف کرے اس لئے کہ قدرتی طور پر عورت کی پیدائش زیادہ ہے اور مردوں کی کم اور عموماً" جنگوں میں مرد زیادہ مارے جاتے ہیں عورتیں کم کیونکہ لڑنے والی فوجیں مردوں ہی کی ہوتی ہیں نہ کہ عورتوں کی۔ اگر مردوں پر ایک بیوی کی پابندی ہو تو زیادہ عورتیں کہاں کھپیں۔ آریوں کے ہاں مرد ایک ہی عورت سے نکاح کر سکتا ہے مگر ساتھ میں نیوگ وغیرہ کے ذریعہ بہت سی عورتوں کو استعمال کر سکتا ہے۔ عیسائیوں کے ہاں بھی چند نکاح ممنوع ہیں مگر ان کے ہاں زنا پر کوئی پابندی نہیں۔ جیسا کہ آج دیکھا جا رہا ہے بلکہ وہ تو زناکاری انبیاء کے سر تھوپتے ہیں۔ دیکھو پرانا عہد نامہ' اور ہم نے بھی اپنی کتاب "عیسائیت اور توہین انبیاء" میں اس کا ثبوت

دیا ہے۔ اسلام نے چار بیویوں کی اجازت دے کر عورتوں کی زیادتی کو ٹھکانے لگایا اور بدکاری سے انسان کو روک دیا۔ **دوسرا اعتراض:** تو پھر چاہئے کہ عورت بھی چار خاوند کر سکے اس پر پابندی کیوں ہے؟ **جواب:** اس کا جواب چوتھے پارہ میں دیا جا چکا ہے کہ یہ عمل علاوہ بے حیائی کے دنیا کے انتظام میں خلل ڈال دے گا کیونکہ بچے کی تعلیم، پرورش کا خرچہ، بیاہ شادی باپ کے ذمہ ہے۔ جب باپ ہی مقرر نہ ہو گا تو کون اس کا ذمہ دار ہو گا۔ **تیسرا اعتراض:** لونڈیوں سے بھی نکاح ہی کرنا جائز ہے۔ بغیر نکاح مولیٰ ان سے صحبت نہیں کر سکتا دیکھو یہاں **ما ملکت** کو **والمحصنت** پر معطوف کیا گیا تو جیسے **محصنات** منکوحہ چاہئے ایسے ہی لونڈی بھی منکوحہ ہی چاہئے۔ (لاہوری مرزائی) از تفسیر بیان القرآن لاہوری۔ **جواب:** یہ غلط ہے کیونکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الا علی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم** جس سے معلوم ہوا کہ بیویوں اور لونڈیوں دونوں سے صحبت جائز ہے۔ اگر اپنی لونڈی سے نکاح شرط ہوتا تو وہ بیوی میں داخل ہوتی ان پر معطوف کیوں ہوتی؟ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ سوا ان 14 عورتوں کے جو ان آیات میں مذکور ہوئیں۔ سب حلال ہیں کہ فرمایا گیا **و احل لکم ما وراء ذلکم** تو چاہئے کہ دادیوں، نانیوں ایسے ہی رضاعی بھتیجیوں، بھانجیوں وغیرہم سے نکاح جائز ہو۔ یونہی تم بہت سی عورتیں ایسی حرام مانتے ہو جو یہاں مذکور نہیں۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ دادیاں، نانیاں ماں میں داخل ہیں۔ ان کے علاوہ نہیں، یونہی بھتیجیاں، بھانجیاں بہنوں میں داخل ہیں۔ اسی لئے یہاں **وراء** فرمایا گیا۔ دوسرے وہ جو ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہ آیت عموم میں منسوخ ہے۔ جس کی ناسخ بہت سی آیات و احادیث ہیں۔ غرضیکہ کچھ عورتیں اس آیت کی دلالت سے حرام ہیں کچھ اشارہ سے، کچھ اقتضاء سے، کچھ دوسری آیات سے، کچھ احادیث سے، ہمارا ایمان سارے قرآن پر اور ساری احادیث صحیحہ پر ہے۔ **پانچواں اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ مہر صرف مال ہو سکتا ہے مگر قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مال کے علاوہ اور چیزیں بھی مہر بن سکتی ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ شعیب علیہ السلام نے جب اپنی بیٹی صفورہ کا نکاح موسیٰ علیہ السلام سے کیا تو ان کا مہر یہ تھا کہ **ان تاجرنی ثمانی حجج** آٹھ سال بکریاں چرانا، نیز حدیث شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کا نکاح ایک مرد سے قرآن کے عوض کیا۔ فرمایا **زوجتها بما معک من القران** تو تمہاری تفسیر کیونکر صحیح ہوئی؟ **جواب:** اولاً تو دین شعیب علیہ السلام اور تھا دین اسلام اور ہے۔ ان کے احکام ہم پر لازم نہیں۔ دوسرے حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی بکریاں چرانے کی شرط پر نکاح کیا تھا نہ کہ اس کے معاوضہ میں اس لئے وہاں **علی** فرمایا **ب** نہیں فرمائی گئی۔ نیز فرمایا **تاجرنی** یہ نہ فرمایا **تاجرها** ۔ اگر یہ مہر ہوتا تو آپ اپنی طرف نسبت کیوں کرتے۔ مہر بیوی کا ہوتا ہے نہ کہ سسر کا۔ سرکار کے فرمان عالی میں **ب** سببیہ ہے نہ کہ عوض کی یعنی چونکہ تجھے قرآن یاد ہے لہٰذا میں نکاح کرتا ہوں اس آیت کریمہ میں **باموالکم** فرما کر صاف بتا دیا گیا کہ نکاح بعوض مال ہی چاہئے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں نکاح کی طرح متعہ بھی جائز ہے کیونکہ یہاں **ان تبتغوا** علیحدہ ذکر ہوا۔ اور **فما استمتعتم** علیحدہ۔ بیویوں کا مہر دینا فرض ہوا اور متاعی کی عورت کی خرچی دینا واجب۔ نیز تمہاری کتابیں کہتی ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس آخر دم تک متعہ کو جائز مانتے رہے۔ نیز روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں متعہ سے منع کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور کے زمانہ میں عہد صدیقی میں متعہ مروج تھا۔ نیز متعہ بھی نکاح کی ہی ایک قسم ہے اور نکاح بھی مطلقاً حلال لہٰذا اس کی تمام اقسام حلال۔ نیز تمام سنی کتب میں موجود ہے کہ حضور کے زمانہ میں صحابہ نے متعہ کیا ہے۔

(شیعہ)۔(نوٹ) یہ شیعوں کے متعہ کے جواز میں انتہائی دلائل ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے جوابات ابھی تفسیر میں معلوم ہو چکے ہیں۔ یہ آیت ہی اعلان کر رہی ہے کہ یہاں **استمعتم** سے مراد متعہ نہیں بلکہ منکوحہ بیوی سے صحبت کرنا مراد ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ جس بیوی سے تم صحبت بھی کر لو اس کا پورا مہر دو۔ یہاں بھی اور دوسری آیات میں بھی بتایا گیا ہے کہ صرف دو ہی عورتیں حلال ہیں۔ اپنی بیویاں یا لونڈیاں۔ متائی عورت نہ بیوی ہے نہ لونڈی' دیکھو یہاں فرمایا گیا **محصنین غیر مسافحین** نکاح پاکدامنی کے لئے ہو نہ کہ محض شہوت رانی کے لئے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم**۔ اور فرمایا گیا۔ **فمن ابتغی وراء ذالک فاولئک ھم العادون**۔ متائی عورت بیوی اور لونڈی کے سواء ہے اسی لئے اس پر نکاح کے احکام وراثت طلاق عدت خرچہ ءعدت۔ احصان وغیرہ جاری نہیں حتیٰ کہ متعہ میں گواہ بھی ضروری نہیں بے شک اسلام میں دو دفعہ متعہ حلال ہوا۔ پھر ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا۔ اس زمانہ میں بعض صحابہ نے متعہ کیا ہے۔ شراب و زنا عرب سے مٹانا آسان نہ تھا کہ وہاں کے لوگ ان کے بہت عادی تھے۔ اسلام نے ان دونوں چیزوں کو نہایت آہستگی سے حرام کیا' جیسے اب شراب حرام ہے ایسے ہی متعہ بھی' یہ محض غلط ہے کہ حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں متعہ حرام کیا' ورنہ تمام صحابہ خصوصاً علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی خاموش نہ رہتے۔ ان کی مخالفت کرتے۔ تعجب ہے کہ آج علماء کرام دین کا ایک مسئلہ بھی نہیں بدلنے دیتے اور حضرات اہل بیت اتنا بڑا حکم بدلتے دیکھیں اور خاموش رہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس اولاً اس کی حلت کے قائل تھے مگر خود سیدنا علی مرتضیٰ کے فرمان پر آپ نے اس سے رجوع کیا اور فرمایا کہ متعہ ضرورت کے وقت ایسے ہی حلال ہے' جیسے جان جانے کے خطرہ پر سور اور مردار حلال ہوتا ہے۔ پھر عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں آپ نے اس سے بھی رجوع کر لیا دیکھو مسلم شریف' تفسیر کبیر' روح المعانی وغیرہ۔ **لطیفہ:** شیعہ حضرات کے ہاں متائی بچہ کا نسب باپ سے ثابت نہیں ہوتا' نہ اسے میراث ملے (تفسیر کبیر)۔ نہ متائی عورت پر عدت واجب' نہ ان میں توارث جاری حالانکہ بیوی اور اولاد کے یہ احکام قرآن سے ثابت ہیں۔ متعہ کی باقی بحث یہاں تفسیر روح المعانی اور کبیر میں دیکھو۔ لہٰذا متعہ کی عورت منکوحہ بیوی نہیں۔ خیال رہے کہ قدرت ہم کو کھانے پینے' دیکھنے' سننے کی طاقت تو پیدائش سے مرتے وقت تک دیتی ہے مگر شہوانی طاقت۔ جوان ہونے پر دیتی ہے۔ اور بڑھاپا آتے ہی چھین لیتی ہے۔ جس میں اشارۃً بتایا گیا کہ یہ طاقت صرف پانی بہانے کے لئے نہیں بلکہ اولاد حاصل کرنے گھر بسانے کے لئے ہے۔ لہٰذا جب تم کمانے بسانے والا پانے کے لائق ہو جاؤ تو یہ طاقت تم کو ملے گی اور جب یہ مقصد پورا کر چکو تو چھین لی جائے گی۔ اگر متعہ جائز ہوتا اور صرف پانی بہانا مقصود ہوتا تو یہ طاقت پیدائش سے مرتے وقت تک رہنی چاہئے تھی۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا گویا خاوند والی عورت ہے جس کے ہزار خاوند ہیں اور ایسی بے وفا ہے کہ اس نے کسی سے نہ نبھائی۔ تمام خاوندوں کو ہلاک کر دیا' کسی کے ساتھ نہ گئی' اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

دنیا کو تو کیا جانے یہ کی گانٹھ ہے حرافہ ۔۔۔ صورت دیکھو ظالم کی تو کیسی بھولی بھالی ہے

شہد دکھائے زہر پلائے قاتل ڈائن شوہر کش ۔۔۔ اس مردار پہ کیا للچایا دنیا دیکھی بھالی ہے

جنت انسانوں سے لاکھوں سال پہلے بنی مگر وہاں کی یہ نعمت مکان حور وغیرہ اپنے مستحقین کے نام سے وقف ہو چکی ہیں ان سے

پہلے ان چیزوں کو کوئی مالک بنکر استعمال نہیں کر سکتا۔ رب فرماتا ہے: لم يطمثهن انس قبلهم ولا جان دنیا سرائے جنت اصل قرار کی جگہ۔ فرمایا جارہا ہے کہ اے مسلمانو اس خاوندوں والی دنیا کے ساتھ اپنے دل کا نکاح مت کرنا اور اس سے دل نہ لگانا ہاں اگر یہ دنیا تمہاری لونڈی بنکر رہے تو تمہارے لئے حلال ہے کہ ایسی دنیا دین میں مددگار ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے۔ تمہارے واسطے یہ حلال ہے دنیا کے ساتھ محسن بن کر رہو بدکار بنکر نہ رہو اور اے مسلمانو جب تم دنیا اور نفس امارہ سے فائدہ حاصل کرو۔ تو اسے اسکی اجرت بھی دے دو۔ اس اجرت کی تفصیل حدیث شریف میں ہے۔ کہ سرکار فرماتے ہیں: تم پر تمہاری آنکھ کا حق ہے' تمہاری بیوی' اولاد کا حق ہے۔ یہ حقوق ادا کرنا اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کا ذریعہ ہے۔ ہاں اگر تم اپنی رضا سے کچھ حقوق کے ادا میں زیادتی کرو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ علم والا بھی ہے حکمت والا بھی۔ اس دنیا کو پیدا فرمانے اور اسے تمہاری لونڈی بنانے میں ہزارہا حکمتیں ہیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔ کافر کی دنیا اس کافر پر حکومت کرتی ہے اور مومن کی دنیا پر مومن حکومت کرتا ہے۔ ابو جہل کے پاس بھی دنیا تھی اور سیدنا عثمان غنی کے پاس بھی۔ مگر ابو جہل کی دنیا ابو جہل پر حکومت کرتی تھی۔ مگر جناب عثمان غنی کی دنیا پر عثمان غنی کا راج تھا۔ اور عثمان غنی پر آقا دو جہاں (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حکومت تھی جیسے ضلع پر افسر کی حکومت ہے اور افسر پر سلطان کا راج کہ ضلع بھر میں سلطان کے احکام بذریعہ حکام جاری ہوتے ہیں۔ اسی طرح عثمان غنی کی دنیا پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راج تھا۔ اس لئے فرمادیا کہ عثمان! تم جو چاہو کرو کہ تم جنتی ہو چکے۔ میٹھے تخم کو خواہ کڑوا ہی پانی دو مگر میٹھا ہی پھل دیگا۔ کڑوے تخم کو خواہ دودھ اور میٹھا پانی دو' پھل کڑوا ہی دیگا۔ آم کے درخت کو کیسا ہی پانی دو آم ہی دیگا۔ حنظل (تمہ) کے درخت کو کیسا ہی پانی دو کڑوا پھل دیگا۔ مومن کو مصیبت راحت دولت فقیری کسی قسم کا پانی دیا جائے اس میں تقویٰ اور معرفت کے ہی پھل لگیں گے۔ کافر و منافق کو قرآن و حدیث کا پانی دودھ کفر کا ہی پھل دیگا۔ حضرت امام حسین کے ایمان کو یزید نے ہزارہا مصیبتوں کا پانی دیا مگر وہاں شہادت اور صبر کے پھل ہی لگے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ

اور جو کوئی نہ رکھے تم میں سے طاقت یہ کہ نکاح کرے آزاد ایمان والی عورتوں سے پس ان سے

اور تم میں بے مقدوری کے باعث جن کے نکاح میں آزاد عورتیں ایمان والیاں نہ ہوں تو ان سے نکاح کرے

مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ

جو مالک ہیں تمہارے ہاتھ تمہاری مومنہ لونڈیوں میں سے اور اللہ بہت ہی جانتا ہے تمہارے ایمان

جو تمہارے ہاتھ کی ملکیت ہیں۔ ایمان والی کنیزیں اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے تم میں ایک

بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

کو بعض تمہارے بعض سے ہیں۔ پس نکاح کرو ان سے ساتھ اجازت انکے گھر والوں کے اور دو انکو انکے مہر

دوسرے سے ہے تو ان سے نکاح کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور حسب دستور انکے مہر انہیں

بِالۡمَعۡرُوۡفِ مُحۡصَنٰتٍ غَيۡرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ

ساتھ بھلائی کے۔ کہ پاکدامن ہوں بے کرزانیہ اور نہ بنانے والی خفیہ یار پس جب کہ

وہ قید میں آجائیں نہ مستی نکالتی نہ یار بناتی جب وہ قید میں آجائیں پھر برا کام کریں

اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَيۡنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيۡهِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ

ہوں وہ بس اگر لائے وہ بے حیائی کو تو اوپران کے آدھا ہے اس کا جو آزاد عورتوں پر ہے

تو ان پر اس کی آدھی سزا ہے جو آزاد عورتوں پر

الۡعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِىَ الۡعَنَتَ مِنۡكُمۡ ؕ وَاَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ

زا ت۔ یہ واسطے اس کے ہے جو ڈرے زنا سے تم میں سے اور یہ کہ صبر کرو تم بہتر ہے تمہارے

ہے یہ اس کے لئے جسے تم میں سے زنا کا اندیشہ ہے اور صبر کرنا تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ

غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۵﴾

لئے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

بخشنے والا مہربان ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں ان عورتوں کی تفصیل تھی جن سے نکاح حرام ہے۔ اب ان عورتوں کا بیان ہے۔ جن سے نکاح بہتر نہیں مگر جائز ہے۔ یعنی لونڈیوں سے نکاح۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں حرام و حلال عورتوں کا ذکر تھا۔ اب اس کا ذکر ہے کہ کب حلال ہیں اور کس صورت سے حلال ہیں (تفسیر کبیر) تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں آزاد عورتوں سے نکاح کا ذکر تھا جو اپنے نفس کی مختار ہوتی ہیں اور اپنے مہر پر خود قبضہ کرتی ہیں۔ اب لونڈیوں سے نکاح کا ذکر ہے۔ جنکے نکاح کی ڈور ان کے مالکوں کے ہاتھ ہوتی ہے اور جو ان کے مہروں کے مالک ہوتے ہیں۔

تفسیر: ومن لم یستطع منکم طولا من موصولہ ہے۔ مستطع استطاعت سے بنا بمعنی طاقت رکھنا۔ مگر یہاں تجرید کے طریقے پر اسکے معنی ہیں رکھنا۔ کیونکہ طاقت کیلئے لفظ علیحدہ آرہا ہے۔ من لم' میں خطاب سارے ہی مسلمانوں سے ہے۔ نہ صرف صحابہ کرام سے ' کیونکہ یہ حکم سب مسلمانوں پر جاری ہے اور نہ سارے انسانوں سے خطاب ہے۔ کیونکہ نکاح وغیرہ کے اسلامی احکام صرف مسلمانوں پر جاری ہیں۔ طولا طول سے بنا بمعنی درازی و لمبائی۔ اسکا مقابل ہے قصر بمعنی چھوٹا ہونا۔ اسی لئے دراز قد آدمی کو طویل کہتے ہیں اور پست قد کو قصیر۔ اب اصطلاح میں اسکے معنی ہوتے ہیں قدرت غنا زیادتی کیونکہ قدرت و غنا کی وجہ سے انسان وہ کام کر سکتا ہے جو غریب نہیں کر سکتا جیسے لمبا آدمی وہ چیز چھو سکتا ہے جو پست قد آدمی نہیں چھو سکتا۔ اس معنی سے رب کی صفت ہے ذی الطول یعنی حقیقی فضل اور قدرت والا۔ رب نے مالداروں کو فرمایا: اولوا الطول یعنی قوت اور مال والے۔ یہاں یا قدرت کے معنی میں ہے۔ یا زیادتی کے معنی میں ان ینکح المحصنت المؤمنت یہ عبارت طولا کی

مفعول بہ ہے اور طولا مستطع کا مفعول بہ یا مفعول مطلق تھا۔ نکاح کے لغوی معنی ہیں ملنا صحبت کو بھی نکاح کہتے ہیں اور عقد نکاح کو بھی۔ یہاں بمعنی صحبت ہے۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اسی معنی میں ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد عقد نکاح ہو۔ پہلی صورت میں یہ آیت امام اعظم کی دلیل ہوگی اور دوسری صورت میں امام شافعی کی۔ مگر انکی دلیل ضعیف سی ہی بنے گی۔ جیسا کہ ابھی ذکر کیا جائے گا۔ محصنت سے مراد یہاں آزاد عورتیں ہیں جیسا کہ پچھلی آیت میں عرض کیا گیا کہ اس کے چار معنی آتے ہیں۔ یہاں چونکہ مقابلے میں لونڈیوں کا ذکر آرہا ہے اس لئے آزادی کا معنی مقرر ہے۔ مومنات مشرکہ عورتوں کے مقابلے میں فرمایا گیا کیونکہ کتابیہ عورتوں سے مسلمان مردوں کا نکاح جائز ہے۔ یعنی اے مسلمانو! تم میں سے جس میں یہ طاقت نہ ہو کہ آزاد مومنہ بیوی سے صحبت کر سکے کیونکہ اسکے نکاح میں وہ ہے ہی نہیں۔ یا اے مسلمانو! تم میں سے جس میں یہ طاقت نہ ہو کہ وہ آزاد مومنہ عورت کو نکاح میں لا سکے۔ کیونکہ آزاد عورتوں کا مہر اور خرچ زیادہ ہوتا ہے نیز اکثر اوقات لونڈی بیوی کا خرچہ اسکے خاوند کے ذمہ نہیں ہوتا۔ مولیٰ کی وہ خدمت کرتی ہے وہ اسے خرچ دیتا ہے **فمن ما ملکت ایمانکم** یہ عبارت من کی خبر ہے چونکہ من میں شرط کے معنی تھے اس لئے خبر میں ف آئی۔ ما سے مراد عورتیں ہیں اور ایمانکم میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے نہ کہ نکاح کرنے والے سے کیونکہ خود اپنی لونڈی سے مولا نکاح نہ کرے بلکہ دوسرے کی لونڈی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ یہاں ینکح فعل پوشیدہ ہے۔ **من فتیاتکم المومنت** یہ عبارت ما کا بیان ہے۔ فتیات فتیہ کی جمع ہے جو فتیٰ کا مونث ہے بمعنی جوان۔ چونکہ غلام بڈھا ہو کر بھی عزت نہیں پاتا۔ اسلئے اسے فتیٰ کہتے ہیں۔ یعنی لڑکا جوان (روح البیان) مومنات کی قید ہمارے مذہب میں استحبابی ہے یا اس سے لغوی مومنہ مراد ہیں جو مشرکہ کی مقابل ہے۔ جس میں کتابی لونڈیاں بھی شامل ہیں۔ لہٰذا یہ آیت امام اعظم کے خلاف نہیں یعنی ایسا مجبور شخص تم مسلمانوں سے کسی کی غیر مشرکہ لونڈی سے نکاح کرے۔ کیونکہ لونڈیوں کا مہر بہت کم اور ان سے نکاح میں بہت تھوڑا خرچ ہوتا ہے۔ **واللہ اعلم بایمانکم** یہ جملہ معترضہ ہے۔ چونکہ اہل عرب لونڈیوں سے نکاح کرنے کو بہت عار جانتے تھے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ نسب آزادی پر فخر نہیں فخر ایمان پر ہے اور وہ لونڈیاں مومنات ہیں لہٰذا ان سے نفرت نہ کرو یا یہ مطلب ہے کہ انکے ظاہری ایمان پر بھروسہ کرو۔ دل کی تحقیقات نہ کرو۔ اس کا پتہ رب تعالیٰ کو ہے۔ **بعضکم من بعض** یہ جملہ یا تو پہلے جملے کا بیان ہے یا دوسرا جملہ معترضہ ہے۔ من پوشیدہ لفظ کا متعلق ہے۔ یعنی تم اور لونڈی غلام چونکہ سب مسلمان ہو اس لئے تمہارے بعض بعض سے قریب ہیں۔ کیونکہ رشتہ ایمان ہر کالے گورے عربی عجمی آزاد غلام کو ایک کر دیتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم اور لونڈی غلام آدم کی اولاد میں ہو لہٰذا سب ایک جنس ہو **فانکحوا باذن اھلھن** یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے۔ اس لئے اس پر ف جزائیہ آئی۔ انکحوا امر ہے یا وجوب کیلئے یا اباحت کیلئے۔ اذن سے مراد ہے اجازت۔ ب الصاق کیلئے ہے۔ اہل کے معنی ہیں والی۔ یہاں مراد ہے لونڈی والے۔ اسکے مالک یا مالکہ یعنی اگر تم لونڈیوں سے نکاح کرو تو انکے مالک یا انکی مالکہ کی اجازت سے نکاح کرنا۔ کیونکہ لونڈی اگرچہ بالغہ ہو اپنے نفس کی مختار نہیں اور نہ بغیر مالک کی اجازت کے اس کا نکاح درست ہے۔ **واتوھن اجورھن بالمعروف** یہ جملہ پہلے جملے پر معطوف ہے۔ اجور جمع اجر کی ہے۔ یہاں اس سے مراد یا تو اس لونڈی بیوی کا خرچہ ہے۔ کھانا کپڑا یا ان کا مہر۔ پہلی صورت میں آیت بالکل واضح ہے کیونکہ خرچہ لونڈی ہی کو دیا جائے گا۔ دوسری صورت میں یا یہ مطلب ہے کہ براہ راست مولا کو دینا خود لونڈی کو ہی دینا ہے۔ اسلئے آگے بالمعروف ارشاد ہوا یعنی جو طریقہ لونڈیوں کو مہر دینے کا مشہور ہے۔ اس طریقہ سے دو

کہ مولا کے پاس پہنچ جائے۔ یا معروف کا مطلب یہ ہے کہ بغیر ٹال مٹول کیے ہوئے انکا مہر دے دو۔ یعنی ان لونڈیوں بیویوں کا خرچہ بھلائی سے دو انہیں تنگ نہ کرو۔ یا ان کا مہر انہیں اس طرح ادا کرو جو شرعاً معتبر ہو۔ **محصنت غیر مسفحت ولا متخذات اخدان** یہ عبارت **اتوھن** کی ضمیر سے حال ہے۔ محصنت کے معنی یہاں پاک دامن جیسا کہ اگلے الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے۔ غیر مسفحت' محصنت کا ہی بیان ہے۔ مسفحت سفاح سے بنا۔ اسکے معنی پہلی آیت میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ یہاں مراد ہے علانیہ زنا' اخدان' خدن کی جمع ہے جیسے اتراب ترب کی جمع ہے۔ خدن ساتھی مصاحب کو کہا جاتا ہے اکثر اس ساتھی کو کہا جاتا ہے جو شہوت کی بنا پر خفیہ ساتھی ہو۔ یعنی تم لونڈیوں کو نکاح کرکے مہر دو۔ انہیں کرلیہ وغیرہ پر نہ لو اور یہ دیکھ لو کہ نہ تو وہ علانیہ زانیہ ہوں۔ نہ کسی خاص کو اپنا آشنا بنا کر زنا کی مرتکب ہوں۔ کیونکہ ایسی عورتیں شریفوں کے گھر کے لائق نہیں۔ یہ قیدیں بالاتفاق استحبابی ہیں۔ کیونکہ بدکار لونڈیوں سے بھی نکاح جائز ہے۔ جیسے بدکار آزاد عورتوں سے نکاح حلال کہ یہ انہیں بدکاری سے روکنے کا ذریعہ ہے۔ **فاذا احصن فان اتین بفاحشۃ** یہ جملہ علیحدہ ہے۔ جس میں لونڈیوں کے دوسرے حکم کا بیان ہے۔ یہاں احصان سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک اسلام ہے اور سیدنا عبداللہ ابن عباس و دیگر مفسرین کے نزدیک مراد نکاح ہے۔ اگر اسلام مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر تم کتابیہ کافرہ لونڈی سے نکاح کرو۔ اور پھر وہ مسلمان ہو جائے۔ پھر زنا کرے اس صورت میں یہ شرط احترازی ہے۔ کیونکہ کافرہ زانیہ کو شرعی سزا نہیں دی جاتی اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ لونڈیاں جب خاوند والی ہو جائیں اور پھر زنا کریں۔ اس صورت میں یہ شرط مبالغہ کیلئے ہے۔ کیونکہ کنواری زانیہ کو بھی زنا کی سزا دی جاتی ہے اور مقصد یہ ہوگا کہ لونڈی اگر شادی شدہ بھی ہو تو بھی اسے آدھی سزا دی جائے گی تو کنواری کو تو بدرجہ اولی آدھی ہی ہونی چاہئے غالباً" یہ دوسرے معنی قوی ہیں کیونکہ ایمان کا ذکر تو پہلے ہی ہو چکا ہے۔ فاحشہ سے یہاں مراد زنا ہے۔ یعنی اگر وہ لونڈیاں مسلمان ہو جائیں یا خاوند والی ہو کر پھر زنا کریں۔ **فعلیھن نصف ما علی المحصنت** یہ جملہ 'فان' کی جزا ہے اور شرط و جزا مل کر اذا کی جزا یہاں محصنت سے مراد آزاد عورتیں ہیں 'نہ کہ شادی شدہ' آزاد سے مراد آزاد کنواری زانیہ کی سزا ہے۔ عذاب عذب سے بنا بمعنی روکنا۔ چونکہ سزا لوگوں کو جرموں سے روکتی ہے اس لئے اسے عذاب کہا جاتا ہے۔ میٹھے پانی کو اس لئے عذب کہتے ہیں کہ وہ پیاس کو روکتا ہے۔ یعنی ان زانیہ خاوند والی لونڈیوں کو اس سزا سے آدھی سزا دی جائے گی جو کنواری آزاد زانیہ کو دی جاتی ہے کہ ان کی سزا سو کوڑے ہے۔ اس لونڈی کی سزا پچاس کوڑے۔ **ذلک لمن خشی العنت منکم۔ ذلک** سے لونڈیوں کے نکاح کی طرف اشارہ ہے۔ من سے مراد آزاد مسلمان ہیں۔ عنت کے لغوی معنی ہیں ہڈی ٹوٹ جانا اصطلاح میں ہر مشقت میں ڈالنے والی چیز کو عنت کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: **عزیز علیہ ما عنتم** یہاں اس سے مراد زنا ہے کیونکہ زنا انسان کو دینی و دنیوی مصیبتوں میں ڈال دیتا ہے قوی یہ ہے کہ لمن سے پہلے مناسب پوشیدہ ہے۔ یعنی لونڈی سے نکاح اس شخص کیلئے مناسب ہے جسے زنا میں پھنس جانے کا خطرہ ہے اس طرح کہ جوان آدمی ہو اور شہوت کا غلبہ ہو۔ **وان تصبروا خیرلکم** یہ عبارت مستقل جملہ ہے۔ تصبروا صبر سے بنا بمعنی روکنا یا رکنا۔ یہاں لونڈیوں سے نکاح کرنے سے مراد روکنا ہے اور اس میں آزاد مردوں سے خطاب ہے۔ یعنی اے جوانو! اگر تم صبر کیے رہو اور شہوت کا کتنا ہی غلبہ ہو مگر لونڈیوں سے نکاح نہ کرو تو تمہاری لئے کتنا ہی بہتر ہے' کیونکہ لونڈی سے نکاح کرنے میں بڑی خرابی یہ ہے کہ اس سے تمہاری جو اولاد پیدا ہوگی وہ لونڈی کے مولا کی غلام ہوگی اور اپنی اولاد کو دوسرے کا غلام بنانا کوئی شخص پسند نہیں کرتا۔ نیز لونڈی

اپنے مولا کی خدمت میں مشغول رہنے کی وجہ سے خاوند کی خدمت کا موقعہ کم پاتی ہے۔ جس سے خاوند کو پورا آرام نہیں ملتا اور نکاح کا منشا پورا پورا حاصل نہیں ہوتا۔ **واللہ غفور رحیم** یہ جملہ بھی مستقل ہے۔ جس کا تعلق پوری آیت سے عموما" ہے اور ان تصبروا سے خصوصا"۔ غفور' غفر کا مبالغہ ہے رحیم رحم کا مبالغہ ہے یا صفت مشبہ 'ان لفظوں کی تحقیق بارہا کی جاچکی ہے۔ یعنی لونڈیوں سے نکاح جائز کر دینا۔ اور انکے متعلق تمہیں احکام بتادینا اس لئے ہے کہ ہم تمہارے گناہ بخشنے والے اور مہربان ہیں۔ یا اے جوانو! اگر تم سے صبر نہ ہو سکے تو کوئی مضائقہ نہیں شوق سے لونڈیوں سے نکاح کرو ہم تمہیں اس پر پکڑیں گے نہیں۔ ہم تو گنہگاروں کو بخش دیا کرتے ہیں اور سیہ کاروں پر مہربانی کر دیا کرتے ہیں تم تو اس نکاح میں گنہگار بھی نہیں ہو۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! تم میں سے جس شخص میں مومنہ آزاد بیوی سے صحبت کرنے کی طاقت نہ ہو اس طرح کہ اسکے نکاح میں آزاد عورت ہو ہی نہیں تاکہ اس سے صحبت کر سکے۔ یا اے مسلمانو جس میں آزاد عورت مومنہ سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو تو ان ہی لونڈیوں سے نکاح کر لو جو اور کسی کی مملوکہ ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ مومنہ لونڈی سے نکاح کرو۔ کافرہ کے نکاح سے بچو اور مومنہ لونڈیوں سے نکاح کرنے میں نفرت نہ کرو۔ یہ تو رب ہی کو خبر ہے کہ کون قوی الایمان ہے اور کون دنیا سے ایمان پر جائے گا' خیال رکھو کہ سارے مسلمان آزاد ہوں یا غلام کنیز ہوں یا لونڈی ایک ہی جنس ہیں۔ ایک ہی آدم کی اولاد ہیں اور ایک ہی نبی کی امت ہیں۔ ہمارے ہاں بزرگی اعمال سے ہے نہ کہ حسب نسب سے۔ چنانچہ تم ان لونڈیوں سے نکاح کرو۔ انکے مالکوں سے اجازت سے اور ساتھ ہی ان کا مقرر کردہ مہر بلا حیل و حجت انکے حوالے کرو تاکہ وہ اپنے مالکوں کو دے دیں یا انکا روٹی کپڑا اور سارا خرچہ انکو دو۔ مناسب یہ ہے کہ پاکدامن لونڈیوں سے نکاح کرو۔ علانیہ زانیہ اور خفیہ یارانہ رکھنے والی لونڈیوں سے نکاح نہ کرو کیونکہ انکا آنا تمہارے گھر کی بربادی کا باعث ہوگا۔ لیکن اگر کوئی لونڈی پہلے ٹھیک تھی 'نکاح میں آنے کے بعد زنا کر بیٹھی تو اسے آزاد کنواری عورت کی سزا سے آدھی سزا دی جائیگی کہ آزاد کو سو کوڑے لگتے ہیں اسے پچاس لگائے جائیں گے۔ پھر بھی خیال رکھو کہ لونڈیوں سے نکاح کرنا اسی کیلئے مناسب ہے جسے غلبہ شہوت کی وجہ سے زنا میں پھنس جانے کا اندیشہ ہو۔ اس کے باوجود بہتر یہی ہے کہ صبر ہی کر جاؤ اور لونڈیوں سے نکاح حتی الامکان نہ کرو۔ لیکن اگر صبر نہ کر سکو تو ان سے نکاح کر لو' کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ یہ ہمارا مشورہ ہے حکم نہیں۔ ہم بڑے ہی بخشنے والے مہربان ہیں گنہگاروں کو بخش دیتے ہیں۔ یہ عمل تو گناہ بھی نہیں ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بہتر یہی ہے کہ مسلمان حتی الامکان لونڈی سے نکاح نہ کرے' آزاد عورت سے نکاح کرے کیونکہ لونڈی کا بچہ اسکے آقا کا غلام ہوگا۔ نیز لونڈی اپنے مولا کی خدمت میں مشغول رہنے کی وجہ سے خاوند کی خدمت زیادہ نہیں کر سکتی جب مولا اجازت دیگا تو خاوند کے پاس آئے گی۔ نیز لونڈیاں عام طور پر باہر نکلتی ہیں۔ مردوں سے خلط ملط رہتا ہے جسکی وجہ سے ان میں آزاد عورتوں کی سی شرم و حیا نہیں ہو سکتی۔ نیز مولا لونڈی کو فروخت کر سکتا ہے۔ بعض اماموں کے ہاں فروخت سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ مالک کا بدلنا انکے طلاق کا سبب ہے۔ **دوسرا فائدہ:** جہاں تک ہو سکے۔ مومنہ صالحہ لونڈی سے نکاح کرے۔ کافرہ اور بدکار لونڈی سے نکاح نہ کرے۔ جیسے کہ محصنت اور مومنات کی قیدوں سے معلوم ہوا۔ اگرچہ کتابیہ لونڈی سے بھی نکاح جائز ہے۔ **تیسرا فائدہ:** اپنی لونڈی سے نکاح جائز نہیں بلکہ دوسرے

کی لونڈی سے نکاح کرسکتا ہے۔ اپنی لونڈی تو بغیر نکاح ہی حلال ہے۔ جیساکہ باذن اھلھن سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: لونڈی سے نکاح اس کے مالک کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتا اگر لونڈی اپنا نکاح خود کر بھی لے تو مالک کی اجازت پر موقوف ہوجائیگا۔ یہ فائدہ بھی **باذن اھلھن** سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: اسلام میں متعہ کوئی چیز نہیں محض زنا ہے کیونکہ اگر متعہ بھی کچھ ہوتا تو ایسے مجبور آدمی کو لونڈیاں یا آزاد عورتوں سے متعہ کی اجازت دی جاتی۔ لونڈیوں سے نکاح کرنے کا حکم نہ ہوتا کیونکہ متعہ اس نکاح سے سستا بھی تھا اور آسان بھی۔ پانچواں فائدہ: لونڈیوں کا بھی مہر خاوندوں کے ذمہ واجب ہے۔ جیساکہ اجورھن کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: لونڈی بیوی کا خرچہ بھی خاوند کا ذمہ ہے جیساکہ اجورھن کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ مگر یہ جب ہے جب مولا اسے خاوند کی خدمت کی عام اجازت دے دے۔ اپنی خدمت میں نہ رکھے۔ آٹھواں فائدہ: زانیہ لونڈی کی سزا آزاد عورت زانیہ سے آدھی ہے یعنی پچاس کوڑے جیساکہ نصف ما سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: زانیہ لونڈی اگرچہ خاوند والی ہو رجم یعنی سنگسار نہیں کی جائے گی کیونکہ لونڈی کی سزا آدھی ہے اور رجم آدھا نہیں ہوسکتا۔ دسواں فائدہ: خوف زنا کی صورت میں نکاح فرض ہے اگر قدرت ہو اور عام حالات میں نکاح سنت ہے اور نامرد پر نکاح حرام کہ وہ بیوی کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ یہ مسئلہ لمن خشی سے حاصل ہوا۔ مسئلہ: امام اعظم کے نزدیک اگر کسی شخص میں آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت ہو مگر اس نے نکاح نہ کیا ہو تو وہ لونڈی سے نکاح کرسکتا ہے۔ نیز اگر زنا کا خوف نہ ہو جب بھی لونڈی سے نکاح جائز ہے نیز مومنہ لونڈی سے بھی نکاح جائز ہے اور کافرہ کتابیہ سے بھی۔ امام شافعی کے ہاں لونڈی سے نکاح کرنے کی تین شرطیں ہیں۔ دو مرد میں ایک عورت میں۔ مرد میں شرطیں یہ ہیں کہ اس میں آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اسے زنا کا سخت اندیشہ ہو۔ لونڈی میں شرط یہ ہے کہ مومنہ ہو۔ مسئلہ: جس شخص کے نکاح میں آزاد عورت ہو وہ بالاجماع لونڈی سے نکاح نہیں کرسکتا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس کو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت ہو وہ لونڈی سے نکاح نہیں کرسکتا۔ پھر امام اعظمؒ نے اسکے خلاف فتویٰ کیوں دیا ہے۔ (شافعی) جواب: یہ آیت امام اعظم کے خلاف نہیں اس لئے کہ انکے نزدیک نکاح کے معنی صحبت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص آزاد بیوی سے صحبت نہ کرسکے کہ اس طرح کہ اس کے نکاح میں آزاد عورت ہو ہی نہیں۔ وہ لونڈی سے نکاح کرسکتا ہے۔ اور اگر یہاں نکاح اصطلاحی معنی میں ہو تب بھی انکے خلاف نہیں کیونکہ امام اعظم کے ہاں مفہوم مخالف سے مسئلہ ثابت نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی کہے کہ اگر تم میرے پاس آئے تو میں تم کو روپیہ دوں گا۔ اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اگر تم نہ آئے تو نہیں دوں گا۔ بلکہ اس سے خاموشی رہتی ہے لہذا اس کے معنی یہ نہیں۔ کہ طاقت ہو تو لونڈی سے نکاح جائز نہیں۔ مثلاً رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم پر سفر کی حالت میں نماز قصر کرنے میں گناہ نہیں اگر تمہیں کفار سے ڈر ہو۔ یا فرماتا ہے: **لا تکرھو فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا** یعنی اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو۔ اگر وہ بچنا چاہیں۔ اسکا مطلب یہ نہیں کہ اگر وہ زنا سے نہ بچنا چاہیں۔ تو مجبور کرو۔ ایسے ہی یہاں بھی ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: **واحل لکم ما وراء ذلکم** جس سے معلوم ہوا کہ حرام عورتوں کے سوا تمام عورتیں حلال ہیں آزاد ہوں یا لونڈیاں۔ لہذا یہ آیت امام صاحب کے بالکل موافق ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف مومنہ لونڈی سے نکاح جائز ہے کیونکہ فرمایا گیا من **فتیٰتکم المومنات** پھر امام اعظم نے اسکے خلاف فتویٰ کیوں دیا اور کتابیہ لونڈی سے نکاح جائز کیوں

فرمایا (شافعی) **جواب:** اسکے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہاں پاکدامن کی بھی قید ہے کہ فرمایا گیا ہے۔ محصنت پھر آپ نے فاسقہ لونڈی سے نکاح جائز کیوں مانا۔ جواب تحقیقی وہ ہی ہے جو ابھی گزرا کہ ایک چیز کا ذکر دوسرے کی نفی نہیں کرتا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: **ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق** فقیری کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو اور فرماتا ہے: **لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ** سود دوگنا تگنا نہ کھاؤ۔ ان آیتوں سے یہ لازم نہیں آتا کہ فقیری کے خوف کے سوا اولاد کا قتل جائز ہو یا سوایا ڈیوڑھا سود کھانا جائز ہو۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ لونڈیوں کا مہر انہی کو دیا جائے۔ نہ کہ انکے مولاؤں کو پھر تم لوگ یہ کیوں کہتے ہو کہ لونڈی کا مہر اس کا مولا لے گا (امام مالک) **جواب:** یہاں اجور سے مراد خرچہ ہے اور وہ لونڈی بیوی کو ہی ملتا ہے۔ اور اگر بمعنی مہر بھی ہو۔ تب بھی مولا کو دینا مراد ہے۔ کیونکہ مولا کو دینا گویا لونڈی کو ہی دینا ہے۔ کیونکہ لونڈی غلام کسی چیز کے مالک نہیں ہو سکتے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **عبدا مملوکا لا یقدر علی شئی** اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ غلام اور اسکے قبضے کی چیز اسکے مولا کی ہوتی ہے (تفسیر کبیر) **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ شادی شدہ لونڈی اگر زنا کرے تو اسے پچاس کوڑے لگیں گے تو چاہئے کہ اگر کنواری لونڈی زنا کرے تو اسے بالکل سزا نہ دی جائے کیونکہ رب نے فرمایا **فان اتین بفاحشۃ** **جواب:** آیت کا مقصد یہ ہے کہ جب لونڈی نکاح کے بعد زنا کرے۔ جب بھی اسکی سزا پچاس کوڑے ہیں' رجم نہیں۔ یا یہ مقصد ہے کہ جب لونڈی نکاح کے بعد زنا کرے پچاس کوڑے کھائے گی۔ تو اگر کنواری ہو کر زنا کرے تب سو کوڑے کیسے کھا سکتی ہے۔ (تفسیر روح المعانی) **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے لازم آتا ہے کہ زنا کی سزا سنگسار کرنا نہیں ہے۔ ورنہ چاہئے کہ منکوحہ لونڈی زانیہ کو آدھا سنگسار کیا جائے۔ حالانکہ سنگساری کا آدھا ہو سکتا نہیں (خوارج) **نوٹ:** خارجی رجم کے قائل نہیں۔ انکے ہاں ہر زانی کو کوڑے لگائے جائیں گے۔ کنواری ہو یا شادی شدہ۔ اس زمانے کے منکرین حدیث اور آزاد خیال نیچری بھی یہی کہتے ہیں۔ **جواب:** شادی شدہ زانیہ کو سنگسار کرنے کی بہت احادیث ہیں۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ مجھے رجم کا اتنا یقین ہے کہ اگر کتاب اللہ میں زیادتی جائز ہوتی تو میں قرآن شریف میں رجم کا لکھ دیتا۔ اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ زانیہ لونڈی کی سزا بے زنا نکاح سے سخت نہیں ہو جاتی بلکہ جو پہلے تھی وہی رہتی ہے یعنی پچاس کوڑے۔ آزاد عورت کی سزا نکاح سے سخت ہو جاتی ہے۔ ہمارا ایمان قرآن پر بھی ہے اور حدیث پر بھی۔ حدیث کا منکر نہ پانچ نمازیں قرآن سے دکھا سکتا ہے نہ زکوۃ کی مقدار **چھٹا اعتراض:** جب کتابیہ اور فاسقہ لونڈی سے بھی نکاح جائز ہے تو اس آیت میں مومنہ اور صالحہ کی قید کیوں لگائی گئی۔ **جواب:** بیان استحباب کیلئے کہ بہتر یہی ہے کہ اگر لونڈی سے نکاح کرنا پڑ بھی جائے تو مومنہ صالحہ سے کرے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ مومن کا دل عبادت کیلئے فارغ ہو۔ فراغت کا بڑا ذریعہ نکاح ہے۔ اگر انسان بے نکاح رہے تو اس کا بہت سا وقت کھانا پکانے' برتن دھونے' گھر صاف کرنے میں خرچ ہو جائیگا۔ اور انسان علم و عمل کیلئے موقع نہ پائے گا۔ نیک عورت اللہ کی بڑی نعمت ہے کہ وہ مرد کی دنیا ٹھیک کر دیتی ہے اور دین بھی۔ ابو سلیمان درانی فرماتے ہیں کہ نیک بیوی دنیا نہیں ہے وہ تو تم کو آخرت کیلئے فارغ کر دیتی ہے۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے مجبور لوگوں کو لونڈیوں سے نکاح کی بھی اجازت دے دی اور اسی حکمت سے لونڈیوں میں مومنہ اور صالحہ ہونے کی قید لگائی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جہاں تک ہو

سکے لونڈی سے نکاح نہ کرو۔ کیونکہ لونڈی کے پیٹ کی اولاد غلام ہوتی ہے یونہی اپنے دل کا نکاح نفس امارہ سے نہ کرو۔ ورنہ تمہارے نیک اعمال دنیا کے غلام ہوں گے کیونکہ نفس امارہ دنیا کی لونڈی ہے بلکہ بعض تو فرماتے ہیں کہ دل کا نکاح دلیل سے نہ کرو اور عشق کا نکاح عقل سے نہ کرو کہ عقل اور دلیل دونوں لونڈیاں ہیں' راہ محبت میں دل کو عقل سے آزاد رکھو۔ ہاں ضرورت کے وقت پر جائز بھی ہے۔

بہتر ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

افسوس ہے ان لوگوں پر جو دنیا اور دنیاداروں کے غلام و لونڈیاں بنے ہوئے ہیں' اور اگر تم کو لونڈی نفس امارہ سے نکاح کرنا پڑ جائے تو اسکے حقوق زوجیت ادا کرتے رہو۔

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ

ارادہ کرتا ہے اللہ کہ بیان کرے واسطے تمہارے اور ہدایت دے تم کو طریقوں کے ان لوگوں کے اور توبہ ڈالے

اللہ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تمہارے لیے بیان کر دے اور تمہیں اگلوں کی روشیں بتا دے اور تم پر اپنی رحمت سے رجوع

عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللّٰهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ

تم پر اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اور اللہ ارادہ کرتا ہے کہ توبہ ڈالے تم پر اور ارادہ کرتے

فرمادے اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور اللہ تم پر اپنی رحمت سے رجوع فرمانا چاہتا ہے اور

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ﴿٢٧﴾ يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ

ہیں وہ لوگ جو اتباع کرتے ہیں خواہشات کی یہ کہ ٹیڑھے ہو جاؤ تم بڑا ٹیڑھا ہونا ارادہ کرتا ہے اللہ یہ

جو اپنے مزوں کے پیچھے پڑے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھی راہ سے الگ ہو جاؤ اللہ چاہتا

يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾

کہ ہلکا کرے تم میں سے اور پیدا کیا گیا انسان کمزور

ہے کہ تم پر تخفیف کرے اور آدمی کمزور بنایا گیا

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں حرام و حلال عورتوں کا تفصیلی بیان تھا۔ اب اسکی حکمتوں کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں نکاح کے کچھ احکام بتائے گئے تھے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ نکاح کی پابندیاں صرف تم پر ہی نہیں ہیں پچھلی امتوں پر بھی تھیں لہٰذا ان پابندیوں کو تم بخوشی قبول کرو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں نکاح کے شرعی احکام بیان ہوئے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ انسان چونکہ کمزور ہے کہ ہدایت کی خفیہ راہوں پر خود اطلاع نہیں پا سکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ذریعے اسے یہ ہدایتیں بخشیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں حرام و حلال عورتوں کا ذکر تھا۔ اب اس پر سے کفار کے اعتراضات کو دفع فرمایا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ کفار تمہیں بہکانا چاہتے

ہیں۔ تم انکی باتوں میں نہ آنا۔

شان نزول: یہود اپنی علاتی بہنوں اور بھتیجیوں اور بھانجیوں سے نکاح جائز سمجھتے ہیں۔ جب اسلام نے ان عورتوں کو حرام کیا۔ تو بولے کہ اسلام میں خالہ پھوپھی حرام ہے مگر انکی بیٹیاں حلال۔ ایسے ہی بھائی' بہن حرام ہیں' چاہیے کہ ان کی بیٹیاں حلال ہوں۔ تم عجیب لوگ ہو کہ پھوپھی خالہ کے احکام بھائی' بہن پر جاری نہیں کرتے۔ انکی تردید میں یہ آیتیں اتریں۔ (تفسیر مدارک۔ خازن۔ تفسیر کبیر۔ تفسیر روح المعانی۔ روح المعانی وغیرہ)

تفسیر: **یرید اللہ لیبین لکم** یہ جملہ علیحدہ ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یرید کا مفعول پوشیدہ ہے۔ یعنی اظہار الاحکام اور لتبین کا لام تعلیلیہ ہے جو بیان کرنے کی حکمت بتا رہا ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ امر اور ارادہ کے بعد جو لام آتا ہے وہ اسکے قائم مقام ہوتا ہے جیسے قرآن کریم میں ہے۔ **یریدون لیطفئوا** اور رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وامرنا لنسلم**' روح المعانی نے فرمایا کہ اس لام کا نام لام تکملہ ہے۔ اس صورت میں **لیبین** یرید کا مفعول ہے۔ **یبین** کا معنی ہیں: خوب بیان کرنا۔ **لکم** میں لام نفع کا ہے اور خطاب سارے ہی مسلمانوں سے ہے۔ یعنی اے مسلمانو! یہ احکام تفصیل وار اس لئے بیان کئے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے احکام کا ظاہر کرنا تاکہ خوب بیان کرے' یا اللہ تعالیٰ بیان کرنا چاہتا ہے۔ یہ سب تمہارے نفع کیلئے ہے۔ **ویھدیکم سنن الذین من قبلکم** یہ جملہ **لیبین** پر موقوف ہے اور یرید کا مفعول ہے۔ یا اسکی علت۔ سنن سنتوں کی جمع ہے بمعنی طریقہ و راستہ۔ الذین سے مراد پچھلے انبیاء کرام اور انکی امتیں ہیں۔ چونکہ وہ سب پہلے گزر چکے ہیں۔ اس لئے فرمایا گیا **من قبلکم** یعنی رب تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تم کو گزشتہ انبیاء کرام کے طریقوں کی ہدایت دے تاکہ تم انکے راستے پر چلو اور قیامت میں انکے ٹولے میں رہو۔ **ویتوب علیکم** یہ جملہ یھدیکم پر معطوف ہے۔ یتوب توب سے بنا بمعنی رجوع کرنا۔ اگر اسکا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو معنی ہوتے ہیں۔ عذاب سے ثواب کی طرح رجوع کرنا۔ اور اگر اسکا فاعل بندے ہوں تو معنی ہوں گے گناہ سے نیکی کی طرف رجوع کرنا۔ یہاں پہلے معنی میں ہے۔ یعنی رب چاہتا ہے کہ تمہیں توبہ کی توفیق دے یا تم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع کرے۔ **واللہ علیم حکیم** یہ جملہ گزشتہ رحمتوں کی حکمت ہے۔ یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ خبردار بھی ہے۔ حکمت والا بھی ہے۔ اسلئے اسکے سارے احکام میں حکمتیں ہوتی ہیں **واللہ یرید ان یتوب علیکم** بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ مضمون گزشتہ کی تکرار ہے۔ مبالغہ اور تاکید کیلئے۔ بعض نے فرمایا یہ علیحدہ مضمون ہے۔ وہاں توبہ سے مراد تھا' رجوع و رحمت اور یہاں توبہ سے مراد ہے' ایسے اعمال جو رحمت کا باعث ہوں۔ لہٰذا آیت میں تکرار نہیں۔ **ویرید الذین یتبعون الشھوت** یہاں الذین سے مراد یہی یہود ہیں جو اسلامی احکام پر اعتراض کرتے تھے۔ چونکہ بہنوں بھتیجیوں سے نکاح کرنا توریت شریف کا حکم نہ تھا۔ محض انکی نفسانی خواہشات تھیں۔ اس لئے فرمایا گیا کہ یہ لوگ خواہشات کی اتباع کرتے ہیں۔ **ان تمیلوا میلا عظیما** یہ عبارت یرید کا مفعول ہے۔ میلان کے معنی ہیں جھکنا۔ یعنی سیدھے راستے سے علیحدہ ہو کر ٹیڑھے راستہ پر پڑ جانا۔ چونکہ نکاح میں غلط روی نسل خراب کر دیتی ہے۔ اس لئے اسے میل عظیم فرمایا۔ یعنی یہود جو ہمیشہ نفسانی خواہشات کے پیچھے پھرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی انکی طرح غلط نکاح کر کے حرامکاری میں مبتلا رہو' اور اپنی نسل کو خراب کر لو۔ **یرید اللہ ان یخفف عنکم** یہ اس تفصیلی بیان کی تیسری حکمت ہے۔ تخفیف کے معنی ہیں ہلکا کرنا۔ تشدید کا مقابل۔ اس سے مراد یا تو لونڈیوں کے ساتھ نکاح کی اجازت دینا ہے۔

یا سارے اسلامی احکام۔ کیونکہ یہ دوسرے دینوں کے مقابلے میں آسان ہیں کہ اسلامی توبہ نماز روزہ حج زکوۃ سب آسان فرما دیئے۔ یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اے مسلمانو! تم میں سے پچھلی امتوں کی سختیاں دور کرے اور تمہارے احکام آسان کرے۔ **وخلق الانسان ضعیفا** : انسان سے مراد نوع انسان ہے۔ ضعیف مضعف سے بنا۔ بمقابلہ قوت و طاقت‘ یہاں ضعف سے مراد یا تو عورتوں کے بغیر صبر نہ کر سکنا ہے۔ یا کمزوری ہوا ارادہ یا پیدائشی کمزوری مراد ہے کیونکہ اس کی پیدائش کمزور پانی سے ہے۔ یعنی انسان اکثر مخلوق۔ جن‘ فرشتے‘ پہاڑ وغیرہ کے مقابل کمزور پیدا کیا گیا۔ اسلئے اسکے واسطے احکام آسان ہی چاہئیں۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! حرام عورتوں کی تفصیل بیان فرمانے میں ہماری بہت سی حکمتیں ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ نکاح ہی انسان اور جانوروں کے فرق کا ذریعہ ہے۔ اسی سے نسل کا بقا اور عالم کا نظام قائم ہے۔ اس لئے رب چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے یہ چیز خوب اچھی طرح بیان فرمائے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ تم سے پچھلی امتوں پر بھی نکاح کے احکام جاری تھے۔ انکے لئے بعض عورتیں حلال تھیں بعض حرام۔ رب تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہیں بھی انہیں کے طریقے پر چلائے۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ صحیح نکاح سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ رب چاہتا ہے کہ تمہیں تقویٰ و طہارت نصیب فرمائے اور تم پر اپنی رحمت متوجہ کرے۔ خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کرنا چاہتا ہے۔ مگر شہوت پرست لوگ تمہیں اپنی طرح شہوتوں میں پھنسانا چاہتے ہیں اور تمہیں سیدھے راستے سے ہٹا کر ٹیڑھے راستے پر چلانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا انکی پیروی نہ کرو ہمارے احکام مانو‘ اللہ جانتا ہے کہ انسان کمزور ہے کہ مرد عورت کے بغیر اور عورت کے مرد بغیر گزارہ نہیں کر سکتی۔ اس لئے تم پر لونڈیاں بھی حلال کر دیں اور تمہارے لئے احکام ہلکے کر دیئے۔ نیز رب تعالیٰ جانتا ہے کہ تم کمزور ہو اور تمہارا علم محدود ہے۔ شریعت کے احکام خود نہیں نکال سکتے‘ اسلئے رب نے تم پر آسانی کی اور تمہیں احکام شرعیہ بتا دیئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ عورتوں میں بھلائی نہیں مگر انکے بغیر صبر بھی نہیں۔ لئیم مردان پر غالب رہتا ہے اور کریم مرد پر یہ غالب آجاتی ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تم کریم مرد ہو۔ بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ سورہ نساء میں آٹھ آیتیں وہ ہیں جو مسلمانوں کیلئے دنیا بھرے بہتر ہیں۔ تین آیتیں تو یہ ہیں اور چوتھی **ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ** پانچویں **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ** چھٹی آیت **ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ** ساتویں **ومن یعمل سوء او یظلم نفسہ** آٹھویں **ما یفعل اللہ بعذ ابکم** (تفسیر کبیر و روح المعانی)

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: قرآن مجید میں حرام عورتیں‘ میراث کے احکام کچھ تفصیل سے بیان فرمائے گئے ہیں۔ نماز زکوۃ کے احکام میں بہت ہی اجمال رکھا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح و میراث بہت اہم احکام ہیں۔ ان دونوں میں مسلمانوں کو بہت احتیاط چاہئیے‘ جس عورت کے حلال ہونے میں شک ہو اس سے بھی نکاح نہ کریں مثلاً جس لڑکی کے متعلق ایک عورت بھی کہہ دے کہ یہ تمہاری رضاعی بہن ہے۔ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ بہتر ہے کہ اس سے نکاح نہ کریں۔ دوسرا فائدہ: ساری شریعتوں میں نکاح پر پابندیاں رہیں۔ کسی دین میں اس پر کھلی اجازت نہ دی گئی۔ آدم علیہ السلام کے دین میں صرف بہن سے نکاح کی اجازت تھی۔ اس پر بھی کئی پابندیاں تھیں۔ جس دین میں نکاح پر پابندی ہی کوئی نہ ہو۔ ہر عورت سے نکاح کرنے کی اجازت ہو۔ اس دین میں انسان اور جانور میں کوئی فرق نہ

ہوا۔ جیساکہ **یہدیکم** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** گزشتہ شریعتوں کے احکام جو قرآن یا حدیث میں مذکور ہو جائیں وہ ہمارے لئے بھی لازم العمل ہے۔ یہ بھی سنن ہدیکم سے معلوم ہوا۔ بجز ان احکام کے جو پچھلی امتوں پر بطور عذاب نازل ہوئے تھے۔ **چوتھا فائدہ:** نکاح میں صرف شہوت رانی مقصود نہ ہو بلکہ اپنی عصمت کی حفاظت اور نیک اولاد کا حاصل کرنا مقصود ہو جیساکہ **یتبعون الشھوت** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے احکام میں صدہا حکمتیں ہیں۔ اگرچہ ہماری عقل میں نہ آئیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ عورتوں کی حرمت زکوٰۃ کی مقداریں نماز کی رکعتیں۔ میراث کے حصے۔ عقل سے معلوم نہیں ہو سکتے۔ اس میں نقل کی ضرورت ہے۔ **چھٹا فائدہ:** شریعت کے احکام ہمیشہ قابل عمل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کبھی طاقت سے زیادہ بوجھ بندوں پر نہیں ڈالا۔ خصوصاً اسلام میں تو احکام بہت ہی آسان رکھے گئے۔ جیساکہ **ان یخفف عنکم** سے معلوم ہوا۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ شریعت کا بوجھ انسان نہیں اٹھا سکتا۔ شریعت ایک لعنت ہے۔ جس سے ہمیں مسیح نے چھڑایا دیکھو کتاب گلیتون باب تین آیت تیرہ مگر یہ محض غلط ہے۔ اگر شریعت لعنت تھی تو اللہ نے اسکے جاری کرنے کیلئے نبی کیوں بھیجے اور اگر شریعت بری چیز ہے تو عیسائیوں کو چاہئے کہ زنا چوری، قتل ڈکیتی سب کچھ کیا کریں کیونکہ اس سے ممانعت شریعت کے ہی احکام ہیں۔ اسکی تحقیق کیلئے ہماری کتاب انجیل اور قرآن وغیرہ کا مطالعہ کرو۔

پہلا اعتراض: ان آیات میں دو جگہ 'یتوب علیکم' کیوں آیا۔ اس تکرار سے کیا فائدہ؟ **جواب:** تکرار تاکید کیلئے ہوتی ہے۔ یہاں تو تکرار ہے بھی نہیں۔ کیونکہ پہلے یتوب میں گناہوں سے بچنے کی توفیق مراد ہے اور دوسرے یتوب سے نیک اعمال کی توفیق دینا مراد ہے۔ لہٰذا آیت میں تکرار نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہمیں پچھلی شریعتوں کے احکام پر بھی عمل کرنا چاہئے۔ حالانکہ اسلام ان دینوں کا ناسخ ہے۔ تمام پچھلی شریعتیں منسوخ ہیں 'منسوخ پر عمل کیا؟ **جواب:** پچھلی شریعتوں کے جو احکام قرآن یا حدیث میں بغیر تردید منقول ہو گئے۔ وہ ہماری شریعت کے مسئلے بن گئے۔ اب ہم ان پر اس لئے عمل کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دین کے مسئلے ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ چاہتا ہے کہ ہم نیک بنیں تاکہ ہم پر رحمتیں آئیں۔ مگر پھر بھی بہت سے انسان نیک نہیں بنتے کیونکہ شیطان انکو بہکاتا ہے۔ تو کیا شیطان خدا پر غالب ہے کہ رب کا چاہا تو نہیں ہوتا۔ شیطان کا چاہا ہوتا ہے۔ **جواب:** اسکے چند جواب ہیں: ایک یہ کہ یہاں خطاب صحابہ کرام سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انکی توبہ و ہدایت کا ارادہ کیا۔ وہ حضرات ہدایت پر بھی رہے اور توبہ کرتے رہے (روح البیان) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں ارادے سے مراد پسند فرمانا ہے۔ نہ کہ مشیت اور چاہنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ تم توبہ کرو۔ ورنہ یہ بات ناممکن ہے کہ رب تعالیٰ کچھ کرنا چاہے اور وہ نہ ہو۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ حالانکہ بعض انسان فرشتوں سے بھی زیادہ طاقتور تھے۔ ہمارے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) معراج میں وہاں پہنچے جہاں جبریل بھی نہ پہنچ سکے۔ موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ملک الموت کے تھپڑ مارا تو وہ اس کی تاب نہ لا سکے۔ نیز سارے انسان مچھر چیونٹی وغیرہ سے زیادہ طاقتور ہیں۔ پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** یہاں نوع انسانی کی کمزوری کا ذکر ہے نہ کہ تمام افراد کی کمزوری کا۔ انبیاء کی طاقت روحانی ہوتی ہے۔ آیت کا منشاء یہ ہے کہ انسان فطری طور پر ضعیف و کمزور ہے کہ بغیر عورت صبر نہیں کر سکتا اور احکام کا مکلف ہے اور انہیں عقل سے معلوم نہیں کر سکتا۔ خیال رہے کہ انسان بعض صفات میں چیونٹی اور مچھر سے بھی کمزور ہے۔ چیونٹی مٹھائی کی خوشبو وہاں سے پالیتی ہے اور ایسی جگہ پہنچ جاتی ہے جہاں انسان مجبور ہے۔ یہ تو رب تعالیٰ کی

قدرت ہے کہ کمزور سے بڑے بھاری کام کرالیتا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** سارے نبی ولی انسان ہیں اور انسان کمزور ہے۔ یہ دونوں باتیں قرآن مجید سے ثابت ہیں۔ لہذا کرامات اولیاء معجزات انبیاء من گھڑت کہانیاں ہیں۔ معراج، شق القمر وغیرہ سب غلط ہیں اس آیت کے خلاف ہیں۔ **جواب:** انسان میں تین چیزیں ہیں۔ جسمانیت نورانیت یعنی عقل روحانیت یعنی قرب الٰہی۔ انسان جسمانیت میں کمزور ہے۔ مگر نورانیت میں اسکا یہ حال ہے کہ بذریعہ لاؤڈ اسپیکر ریڈیو اپنی جسمانی کمزور آواز کو دنیا میں پہنچا دیتا ہے۔ دوربین ٹیلیفون راکٹ کے ذریعہ بہت طاقت کے کام کرالیتا ہے، اگر اس کی جسمانیت کے ساتھ روحانیت مکس ہو جائے تو معراج و شق القمر کر سکتا ہے۔ یہاں جسمانیت کا کمزوری کر ذکر ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ پر چار خصوصی احسانوں کا یہاں ذکر فرمایا۔ رب تک پہنچانیوالا راستہ بتا دینا جسکا ذکر فرمایا **لیبین لکم** میں۔ دوسرے ہدایت دینا یعنی اس راستہ کو بیان کے بعد عیاں کر دینا اور اس پر چلنے کی توفیق دینا جسکا ذکر ہوا **ویھدیکم** میں، تیسرے توبہ یعنی اپنے تک رجوع کرنے کی ہمت دینا۔ چوتھے **تخفیف** یعنی اپنے تک پہنچنا آسان فرما دینا۔ یہ چاروں نعمتیں اس لئے ہیں کہ امت اگرچہ گنہگار ہے مگر احمد مختار اسکی کشتی کے کھیون ہار ہیں۔ دیکھو ابراہیم علیہ السلام رب کی طرف گئے کہ فرمایا **انی ذاھب الی ربی** موسیٰ علیہ السلام بھی رب تک گئے فرماتا ہے وجاء موسیٰ لمیقاتنا مگر محبوب خود نہ گئے بلکہ بلائے گئے کہ فرمایا **سبحان الذی اسری بعبدہ** یہ تھی مدد اور **تخفیف** اسکی تجلی انکی امت پر پڑی۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنی استعداد کے مطابق ہر وقت منزلیں طے کریں۔ جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ راہ خدا کتاب و سنت سے گھری ہوئی ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں۔ خالق تک پہنچنے کیلئے صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ نبی کی اتباع ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ انسان کا ضعف اس کے کمال اور نیک بختی کا بھی ذریعہ ہے اور اسکے نقصان اور بد بختی کا بھی سبب ہے۔ کیونکہ انسان اپنے ضعف کی وجہ سے ایک حال پر ٹھہرتا نہیں۔ کبھی اس پر حیوانیت غالب آتی ہے تو کھاتا پیتا ہے اور غافل ہو جاتا ہے اور کبھی اس پر فرشتے کی صفت غالب آتی ہے تو رب کی تسبیح اور حمد کرتا ہے۔ یہ کمزوری ہی اسے کمال تک پہنچاتی ہے حدیث قدسی ہے۔ رب فرماتا ہے۔ میں بادشاہ ہوں زندہ ہوں کبھی نہ مروں گا۔ اے میرے بندے! میری اطاعت کر۔ میں تجھے ایسا فرشتہ بنادوں گا کہ پھر تجھے کبھی موت نہ آئے گی (روح البیان) صوفیاء کے نزدیک خواہش تین قسم کی ہے: خواہش نفسانی۔ خواہش ایمانی، خواہش رحمانی۔ خواہش نفسانی دنیاوی عزت دولت شہرت میں محدود ہے۔ اس نفسانی خواہش کو شہوت کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ مذکورہ چیزوں میں ہی ہوتی ہے اس لئے شہوات جمع ارشاد ہوا۔ نیز جیسے آنکھ میں بصارت، کان میں قوت سامعہ ہے۔ ایسے ہی دل میں رب نے میلان کی قوت رکھی ہے۔ میلان چار قسم کا ہے۔ میل الی الدنیا میل الی الآخرت میل الی اللہ اور میل الی الرسول۔ اچھے میلان والوں کے پاس رہو تاکہ تم کو میل الی اللہ نصیب ہو۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے نہ کھاؤ اپنے مال اپنے درمیان غلط طریقے سے مگر یہ کہ ہو تجارت
اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ ہو سودا تمہاری باہمی

تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

رضا مندی سے تمہارے آپس کی اور نہ قتل کرو جانوں اپنی کو یقیناً اللہ ہے تم پر مہربان

رضا مندی کا اور اپنی جانیں قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا وَكَانَ ذٰلِكَ

اور جو کرے گا یہ زیادتی اور ظلم تو عنقریب پہنچائیں گے ہم اسے آگ میں اور ہے یہ

اور جو ظلم زیادتی سے ایسا کرے گا ہم اسے آگ میں داخل کریں گے اور یہ

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اللہ پر آسان

اللہ کو آسان ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کے ذریعے عورتوں میں تصرف کرنے کا ذکر فرمایا تھا۔ اب مالوں کی کیفیت کا ذکر ہے۔ چونکہ جان مال سے اعلیٰ ہے اس لئے نکاح کا ذکر پہلے ہوا اور مال کا ذکر بعد میں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں حکم دیا گیا تھا کہ مالوں کے عوض نکاح کرو یعنی عورتوں کے مہر اور خرچے ادا کرو۔ اب ارشاد ہو رہا ہے ان کاموں کیلئے مال حلال حاصل کرو۔ نکاح مہر اور دیگر خرچوں کیلئے حرام کمائیاں کرنے کی کوشش نہ کرو۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ رب تعالیٰ تمہیں ہدایت دینا چاہتا ہے اور شہوت پرست کفار تمہیں بہکانا چاہتے ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ کفار مال کمانے میں حلال حرام کا فرق نہیں کرتے۔ جس ذریعے سے آجائے حاصل کرتے ہیں۔ مسلمانو! تم ایسا نہ کرو چوتھا تعلق: پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ انسان کمزور بنایا گیا ہے کہ ہر چیز کا اثر جلد لے لیتا ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ حرام کمائیوں سے بچو ورنہ تمہارے دل سیاہ ہو جائیں گے۔ کیونکہ تم کمزور ہو حلال روزی کھاؤ تاکہ تمہارے دلوں میں نور پیدا ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ ہر قسم کا مال کھانے والا آدمی کتے سے بدتر ہے کہ کتا سونگھ کر منہ ڈالتا ہے اور یہ شخص بغیر تحقیق ہر چیز کھا لیتا ہے۔

تفسیر: **یا ایھا الذین امنوا** چونکہ مالی معاملات میں حرام سے بچنا بہت مشکل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ مشکل احکام سناتے وقت پہلے مسلمانوں کو خطاب اور پھر حکم سناتا ہے۔ نیز اعمال سے ایمان مقدم ہے۔ نیز حرام کمائیوں سے بچنے کا حکم صرف مسلمانوں کو ہے۔ کفار ان احکام کے مخاطب نہیں ہوتے۔ ان وجوہ سے پہلے مسلمانوں کو پیارے خطاب سے پکارا تاکہ اس خطاب کی لذت سے مسلمانوں پر یہ بھاری احکام آسان ہو جائیں۔ **لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل** اگرچہ حرام مال کا استعمال مطلقاً حرام ہے۔ مگر چونکہ کھانا مال کا اصل مقصود ہوتا ہے اس لئے یہاں کھانے کی ممانعت فرمائی۔ اموال جمع فرما کر اس طرف اشارہ کیا کہ ہر قسم کے حرام مال سے بچو۔ روٹی 'کپڑا' مکان' جائیداد' جانور وغیرہ جو بھی حرام ذریعے سے حاصل ہوں' ان

سے بچو' کم سے مراد یا تو اپنی قوم کے مال ہیں۔ یا خود اپنے مملوکہ مال بینکم سے مراد ہے مسلمانوں کے اپنے معاملات۔ یہ قید اس لئے لگائی کہ بعض صورتوں میں کفار کے مال لینا حلال ہوتے ہیں مسلمان کے مال حرام۔ اگر ہم آپس میں لڑیں اور ایک دوسرے کا مال لوٹ لیں تو یہ لڑائی بھی حرام ہے۔ اور مال بھی۔ مال 'مالکوں کو واپس کئے جائیں۔ لیکن اگر کفار پر اسلامی جہاد ہو اور مال غنیمت حاصل ہو تو یہ جہاد بھی عبادت ہے اور مال بھی حلال اس لئے یہاں بینکم فرمایا۔ یونہی بعض فاسد عقد کفار حربی سے جائز ہیں۔ مسلمان سے حرام جیسے حربی کفار سے سود لینا کہ وہ در حقیقت سود ہی نہیں بلکہ حربی کا فر اپنی خوشی سے مال دے رہا ہے۔ بہر حال بینکم میں بڑی حکمت ہے۔ بالباطل میں ب یا استعانت کی ہے یا الصاق کی 'باطل بطلان سے بنا بمعنی فنا و زائل ہونا' سرکار فرماتے ہیں کہ اللہ کے سوا ہر چیز باطل یعنی فانی ہے اسکا مقابل حق ہے بمعنی ثابت اور غیر زائل۔ یہاں ناجائز و حرام ذریعے مراد ہیں۔ کیونکہ حرام کمائی میں برکت نہیں ہوتی۔ یعنی جلد فنا ہو جاتی ہے۔ اس لئے وہ باطل ہے۔ کبھی باطل بمعنی بیکار و عبث آتا ہے۔ رب فرماتا ہے: **ربنا ما خلقت هذا باطلا** یہاں باطل کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ کمائی کا ہر ناجائز ذریعہ باطل ہے اور اس ذریعہ سے حاصل کیا ہوا مال حرام ہے جیسے جوا' سود' چوری' ڈکیتی' کم تول' ظلم' مالی جرمانے وغیرہ۔ حرام پیشوں کی اجرتیں جیسے گا کر' ناچ کر' جھوٹی گواہی دیکر' جھوٹی وکالت کر کے کمانا وغیرہ کہ یہ سب کمائیاں حرام ہیں۔ اس آیت کی یہ تفصیل بہت قوی ہے اور یہی امام باقر سے مروی ہے امام حسن فرماتے ہیں کہ بلا عوض مال حاصل کرنا باطل ہے۔ انکے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے۔ اسکی ناسخ سورہ نور کی وہ آیتیں ہیں: **ولا على انفسكم ان تا كلوا من بيوتكم** الخ سیدنا ابن مسعود فرماتے ہیں۔ کہ یہ آیت محکم ہے قیامت تک منسوخ نہیں ہو سکتی۔ یعنی اپنی مسلم قوم کے مال آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ' بعض علماء اس آیت کے معنی یہ کرتے ہیں کہ اپنے مال ناجائز چیزوں میں استعمال نہ کرو۔ جیسے ناچ گانا' سینما وغیرہ (تفسیر کبیر) بہر حال اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں: ایک تفسیر میں منسوخ ہے' اور دو میں محکم ہے۔ **الا ان تكون تجارة عن تراض منكم** یہ الا' بمعنی لکن ہے۔ اور یہ عبارت مستثنیٰ منقطع ہے۔ ہماری قراۃ میں تجارۃ منصوب ہے کیونکہ تکون ناقصہ ہے اور اسکا اسم پوشیدہ' تراض ایک دوسرے کی رضامندی کو کہتے ہیں یعنی اگر مال حاصل کرنے کا ذریعہ آپس کی تجارت ہو جو فریقین کی رضامندی سے واقع ہو تو وہ مال حلال ہے۔ خیال رہے کہ اگرچہ ملازمت میراث ہدیہ وغیرہ سے جو مال حاصل ہو وہ بھی حلال ہے مگر چونکہ عموماً" تجارت ہی سے مال حاصل کیا جاتا ہے اور اس میں بڑی برکتیں ہیں اس لئے خصوصیت سے تجارت ہی کا ذکر ہوا۔ اور چونکہ جبری بیع شرعاً" ناجائز ہے۔ اس لئے اس تجارت میں رضامندی کی قید لگائی گئی۔

ولا تقتلوا انفسكم اس جملے کے بہت سے معنی ہیں۔ ایک یہ کہ اے مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ مومن ایک جان کی طرح ہیں۔ دوسرے یہ کہ خود کشی کر کے اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ تیسرے یہ کہ حرام مال لے کر اور گناہ کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ چوتھے یہ کہ مال کی ہوس میں تجارت کیلئے دشمن کے ملک میں نہ جاؤ کہ وہاں جان کا خطرہ ہے۔ پانچویں یہ کہ اپنے کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ یعنی ایسی غیر ضروری کام نہ کرو جس میں ہلاکت غالب ہو۔ چھٹے یہ کہ ایسا کام نہ کرو جس سے قتل کئے جاؤ جیسے زنا' ڈکیتی اور کسی کو مار ڈالنا۔ ساتویں یہ کہ تجارت میں دھوکہ بازی کر کے اپنے کو ہلاک نہ کرو کہ اس سے تمہارا اعتبار اٹھ جائے گا اور تمہاری تجارت تباہ ہو جائے گی۔ تجارت کی تباہی قوم کی ہلاکت ہے۔ حضرت علی کی قرات میں لا تقتلوا' ت کی شدت ہے۔ سبحان اللہ! حفاظت مال و حفاظت جان کیسے اچھے احکام ارشاد فرمائے۔ **ان الله كان**

م رحیما یہ عبارت گزشتہ احکام کی علت ہے۔ یعنی یہ احکام اس لئے دیئے کہ اللہ تم پر بہت مہربان ہے۔ بنی اسرائیل کی طرح
ں قتل کرا کر توبہ قبول نہیں فرماتا بلکہ تمہارے لئے توبہ کے احکام آسان رکھے ہیں۔ **ومن یفعل ذلک عد ونا وظلما**
لہ مستقل ہے۔ من سے مراد مسلمان ہیں کیونکہ پہلے سے انہی کا ذکر ہو رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ من سے مراد سارے انسان
ں مومن یا کافر کیونکہ آخرت میں کفار کو بھی گناہوں کا عذاب ہوگا۔ من کے عموم سے پتہ لگ رہا ہے کہ متقی پرہیزگار پر بھی
ں ودرستی معاملات و عبادات تقویٰ کے دو بازو یا اسلام کی گاڑی کے دو پہیئے ہیں **یفعل** کے اطلاق میں بتایا گیا ہے کہ یہ جرم
بار کرنا بھی سزا کا باعث ہے۔ ذلک سے اشارہ یا قتل نفس کی طرف ہے یا حرام کمائیوں سے مال حاصل کرنے کی طرف یا اب
جو ممانعتیں فرمائی گئیں۔ ان کی طرف۔ عدوان اور ظلم کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں۔ بعض نے فرمایا یہ دونوں فاعل کے
میں ہیں اور یفعل کے فاعل سے حال ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ دونوں تمیز ہیں۔ یعنی جو کوئی یہ مذکورہ کام حد سے بڑھ کر یا ظلم
کریگا۔ **فسوف نصلیہ نارا** یہ جملہ من کی خبر ہے چونکہ اس میں شرط کے معنی تھے لہٰذا یہاں ف آئی اور چونکہ اس قسم
وگ مرتے ہی عذاب پاتے ہیں۔ اس لئے سوف ارشاد فرمایا گیا بمعنی قریب **نصلی** کا مادہ صلو ہے۔ وصل کا مقلوب یا بمعنی

م کرنا و تپانا یعنی ہم اسے عنقریب آگ میں داخل کریں گے یا آگ میں جلائیں گے۔ خیال رہے کہ بعض صورتوں میں
ن کا قتل بھی جائز ہوتا ہے جیسے قاتل کو پھانسی دینا یا زانی کو سنگسار کرنا۔ یونہی کبھی مسلمان کا مال جبراً لیا جاتا ہے جیسے قتل خطائی
اس لئے یہاں ظلم اور عدوان کی قید لگائی۔ **وکان ذلک علی اللہ یسیرا** کان دوام کیلئے ہے۔ ذلک سے اشارہ مذکورہ
ب کی طرف ہے۔ یسیر یسر سے بنا بمعنی آسانی اسکا مقابل عسر بمعنی تنگی و اشکال یعنی یہ عذاب دینا رب تعالیٰ کو بہت آسان
۔ اسکو کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

صہ ء تفسیر: اے مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ جیسے جوا، چوری، قتل، ناچ، گانا وغیرہ
ہ ذریعہ حاصل کیا ہوا مال تم ہرگز نہ کھاؤ۔ لیکن اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کرو، اسکے ذریعہ جو مال حاصل ہو وہ
رے لئے حلال ہے اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرو یا تم خودکشی نہ کرو یا ایسے جرم نہ کرو جس سے قتل کر دیئے جاؤ جیسے زنا،
ں، ناحق خون یا مال کی ہوس میں ایسے ملک میں تجارت کرنے نہ جاؤ، جہاں تمہاری جان کا خطرہ ہو یا گناہ و معصیت کرکے حرام
ھا کر اپنے کو قتل و ہلاک و مستحق عذاب نہ کرو یا اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم پر بڑا مہربان ہے اس لئے تم کو
ت سے بچنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ پچھلی امتوں کو بعض گناہوں سے توبہ کرانے کیلئے قتل کرا دیا جاتا تھا دیکھو بنی اسرائیل کو گائے
ں سے توبہ کرنے کیلئے قتل ہونا پڑا جو کوئی ایسی حرکتیں ظلماً اور حد سے بڑھتے ہوئے کریگا رب تعالیٰ اسے دوزخ کی آگ میں
ں فرمائیگا۔ خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ پر مجرم کو سزا دینا نہایت آسان ہے کوئی اسکی سزا سے نہ بچ سکتا ہے نہ دوسرے کو بچا سکتا ہے
سزا سے بچنے کی ایک ہی تدبیر ہے وہ کیا؟ اسکا حکم ماننا۔

ے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حرام کام کی اجرت حرام ہے جیسے تصویر سازی، جھوٹی
ی ناجائز وکالت، داڑھی مونڈنے کی اجرت کہ یہ سب کام حرام ہیں تو انکی اجرتیں بھی حرام کہ یہ مال باطل طریقے سے
ل کئے ہوئے ہیں۔ اس سے بہت سے مسئلے معلوم ہوئے۔ دوسرا فائدہ: حرام مال کسی قسم کا ہو روپیہ، پیسہ، غلہ، کپڑا،

مکان، جانور اسکا استعمال حرام ہے۔ جیسا کہ **اموالکم** کو جمع کرنے سے معلوم ہوا۔ لہٰذا حرام پیسہ سے خریدی ہوئی بھینس کا دودھ، دہی، گھی، لسی وغیرہ سب ہی حرام ہوگی۔ **تیسرا فائدہ:** حرام ذریعہ سے حاصل کیا ہوا مال بذات خود حرام نہیں ہوتا بلکہ اسکا استعمال جرم ہوتا ہے لہٰذا سور کتے کی حرمت اور گانے بجانے کی پیسہ کی حرمت میں فرق ہے۔ یہ فائدہ **اموالکم** کی اضافت سے معلوم ہوا۔ یا بالباطل کی ب سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** بہت سی آمدنیاں وہ ہیں جو مسلمان سے کی جائیں تو حرام ہیں۔ اگر کافر سے کی جائیں تو حلال جیسے مال غنیمت یا کافر حربی جو سود کہہ کر مسلمان کو منافع دے یہ کافر سے حلال ہے مسلمان سے حرام جیسا کہ بینکم سے معلوم ہوا **پانچواں فائدہ:** تجارت بہت ہی اعلیٰ پیشہ ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے تمام حلال کمائیوں سے تجارت کا خصوصیت سے ذکر فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے، فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ رزق کے نو حصے تجارت میں ہیں۔ باقی ایک حصہ دوسری کمائیوں میں (روح المعانی) سچا دیانتدار تاجر قیامت میں نبیوں صدیقوں صالحین کے ساتھ ہوگا۔ سچا تاجر تہجور ہے اور بے ایمان تاجر فاجر ہے۔ **چھٹا فائدہ:** جبری بیع درست نہیں لہٰذا حکومتیں جنکا مال ظلماً نیلام کرتی ہیں انکا خریدنا حرام ہے جیسا کہ عن تراض سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** مالی جرمانے حرام ہیں کہ یہ بھی باطل ذریعہ سے مسلمان کا مال لینا ہے نیز جرمانہ سے مالدار لوگ جرم پر دلیر ہوں گے اور حکومت جرموں کو پسند کریگی کہ یہ اس کی آمدنی کا ذریعہ ہوگا۔ یہ مسئلہ بھی بالباطل سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** خودکشی کرنا بھوک ہڑتال سے مرنا حرام ہے جیسا کہ لا تقتلوا کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** مسلمان کو بلاوجہ قتل کرنے والا دوزخی ہے اور یہ عمل سخت جرم ہے جیسا کہ لا تقتلوا کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** دشمن کے ملک میں تجارت کیلئے جانا ممنوع ہے جبکہ وہاں جان کا خطرہ ہو جیسا کہ لا تقتلوا کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **گیارہواں فائدہ:** اپنا مال حرام جگہ خرچ کرنا یا فضول اڑانا حرام ہے جیسا کہ لا تقتلوا کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ لہٰذا سینما، آتشبازی، گانے بجانے والوں کو انعام کے طور مال دینا حرام ہے۔ **بارہواں فائدہ:** غیر ضروری خطرناک کام کرنا منع ہے۔ ابوداؤد و احمد نے حضرت عمرو بن عاص سے روایت کی کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات السلاسل کے سال ایک کام کیلئے بھیجا۔ رات سرد تھی مجھے احتلام ہوگیا۔ مجھے خطرہ ہوا کہ اگر غسل کیا تو ہلاک ہو جاؤں گا چنانچہ میں نے تیمم کرلیا اور اپنے ساتھیوں کو فجر کی نماز پڑھادی۔ جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو واقعہ جو پیش آیا عرض کیا۔ فرمایا: تم نے ایسا کیوں کیا۔ میں نے یہ آیت پڑھی اور عرض کیا کہ اس رات غسل کرنا اپنے کو قتل کرنا تھا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے (روح المعانی) **تیرہواں فائدہ:** جائز صورت میں مسلمان کا قتل بھی جائز ہے اس کا مال لینا بھی جیسے حکومت کے فرمان پر قاتل کو پھانسی دینا۔ دیوالیہ مقروض کا مال نیلام کرنا یہ فائدہ عدوانا و ظلماً سے حاصل ہوا۔ **چودہواں فائدہ:** گنہگار مسلمان دوزخ میں جاسکتا ہے اگرچہ آخر کار اسکی نجات ہو جائے گی جیسا کہ نصلیہ نارا سے معلوم ہوا۔ دوزخ میں ہمیشگی صرف کفار کو ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حرام کمائی کا مال کھانا حرام ہے تو کیا پہننا یا اور کاموں میں خرچ کرنا حلال ہے؟ **جواب:** اسکا جواب تفسیر میں گزر گیا۔ کہ مال کا اصل مقصد ہے کھانا۔ باقی اور استعمالات کھانے کے تابع ہیں۔ جب کھانا ہی حرام ہوگیا۔ تو دوسرے استعمال بھی حرام ہوئے۔ ہماری زبان میں بھی سود لینے والے کو سود خور کہا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ سود کے مال سے پہنتا بھی ہے۔ ایسے ہی حرام کمائی والے کو حرام خور کہتے ہیں۔ وظیفہ لینے والے کو وظیفہ خور کہا جاتا ہے۔ ہم نے فلاں کا

ک کھایا ہے۔ اسکے ہمخوار ہیں۔ غرضیکہ کھانا بمعنی لینا یا استعمال کرنا بہت مستعمل ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت میں خصوصیت سے مسلمانوں کو کیوں مخاطب کیا گیا۔ کیا کفار دوسروں کا مال باطل ذریعہ سے کھا سکتے ہیں۔ کیا انہیں مسلمانوں سے سود لینا یا انہیں لوٹنا جائز ہے۔ **جواب:** اسلئے کہ بہت سی ناجائز آمدنیاں مسلمانوں کو حرام ہیں۔ کفار انکے مکلف نہیں وہ آپس میں ایک دوسرے سے سود کا لین دین کر سکتے ہیں۔ یوں ہی آپس میں شراب و سود کی تجارت کر کے مال کما سکتے ہیں۔ حکومت اسلامیہ ان سے انہیں منع نہیں کریگی۔ ہاں مسلمانوں سے وہ نہ سود لے سکتے ہیں نہ شراب و سود کی تجارت کر سکتے ہیں۔ رہا چوری ڈکیتی قتل وغیرہ اسکا تعلق ملکی انتظامات سے بھی ہے کہ ان سے ملک خراب ہوتا ہے۔ لہذا یہ حرکتیں وہ بھی نہیں کر سکتے لہذا کافر چور کا ہاتھ کٹے گا اور قاتل کافر کو قتل کیا جائے گا۔ باطل عقود اور ہیں۔ بغاوت و فساد کچھ اور انہیں آپس میں باطل عقود کی اجازت ہوگی نہ کہ قتل و چوری و فساد کی۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں بینکم فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ باطل و ناجائز طریقہ سے صرف مسلمانوں کا مال نہ کھانا چاہیے تو کیا کافر کا مال ناجائز طور سے مسلمان کھا سکتے ہیں۔ کیا ہم ان کی چوری ڈکیتی کر سکتے ہیں۔ **جواب:** چوری ڈکیتی باطل عقد نہیں بلکہ ملکی فساد ہے ان کی کسی کو کسی طرح اجازت نہیں۔ رہے باطل عقود ان میں تفصیل ہے کافر ذمی جو اسلامی ملک میں رعایا بنکر رہتے ہوں یا کافر جو ہمارے ملک میں کچھ روز کیلئے آئے ہوں انکے ساتھ کسی قسم کا ناجائز عقد درست نہیں۔ رہے حربی کفار جن سے اسلامی جنگ ہو ان کیساتھ بعض باطل عقود درست ہیں جیسے مسلمان کافر حربی سے اگر سود لے تو وہ سود نہ بنے گا حلال ہوگا۔ جیسا کہ کتب فقہ میں مسطور ہے۔ بحالت جنگ انکا مال بطور غنیمت لینا درست ہے۔ اگر کسی مسلمان نے حربی کافر سے کسی مال شرط لگائی اور جیت گیا تو شرط لگانا حرام تھا مگر یہ جیتا ہوا مال اسے حلال ہوگا جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے روم کی فتحمندی کی شرط پر ایک کافر سے سو اونٹ کی بازی لگائی تھی۔ جو آپ جیت گئے اور سو اونٹ لئے جیسا کہ الم غلبت الروم کی تفسیر میں مذکور ہے چونکہ اس وقت حضرت صدیق اکبر کا سچا ہو جانا وحی الٰہی سے معلوم ہو تا تھا۔ اسلئے وہ شرط لگانا بھی درست تھا۔ ہمارے لئے شرط لگانا حرام ہے کہ اس میں ہار جانے کا اندیشہ ہے ان وجوہ سے بینکم فرمایا گیا۔ بہر حال یہ فرمان بالکل درست ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف تجارت کے ذریعہ مال کمانا حلال ہے تو کیا باقی کمائیاں حرام ہیں۔ جیسے نوکری' کرایہ' ہبہ' میراث۔ الا حصر کیلئے آتا ہے۔ **جواب:** اسکا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ بعض مفسرین نے اس آیت کو منسوخ مانا ہے۔ اسکی ناسخ وہ آیت ہے۔ **ان تاکلوا من بیوتکم او بیوت اباتکم** مگر حق یہ ہے کہ آیت محکم ہے اور صرف تجارت کا ذکر اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ یہ اعلیٰ درجہ کی کمائی ہے ورنہ اور حلال کمائیوں سے حاصل کیا ہوا مال حلال ہے اور یہاں الا حرف استثناء نہیں ہے بلکہ بمعنی لکن ہے لہذا حصر کا سوال پیدا نہیں ہوتا لہذا آیت کریمہ واضح ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں اپنی جان قتل کرنے سے کیوں منع فرمایا اپنے کو تو کوئی بھی نہیں قتل کرتا (آریہ) **جواب:** حضرت جی تم کو دن رات خودکشی کرتے ہوئے لوگ نظر نہیں آتے لوگ معمولی پریشانیوں پر خودکشی کر لیتے ہیں اور تمہارے بڑے بڑے مہاتما مرن برت رکھنے کے عادی ہیں کہ حکومت فلاں کام کرے ورنہ ہم فاقہ سے اپنی جان دے دیں گے۔ یہاں ان چیزوں سے منع فرمایا گیا نیز اس جملہ کی اور بھی پانچ 'چھ تفسیریں ہیں جو تفسیر میں عرض کی گئیں۔ **چھٹا اعتراض:** تجارت میں' منکم کی قید کیوں لگائی گئی۔ کیا کفار سے تجارت کرنا حرام ہے۔ **جواب:** اولاً تو احناف کے ہاں مفہوم مخالف معتبر نہیں کہ ایک چیز کے ذکر سے اسکا مخالف حرام نہیں ہو جاتا۔ دوسرے یہاں منکم سے مراد خرید ار و فروشندہ ہیں یعنی تجارت ایسی ہو جس

سے دونوں فریق راضی ہوں۔ یہ قید جبری تجارت اور جرمانہ کرکے جبراً مال فروخت کردینے کی حرمت کیلئے ہے۔ لہذا یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کفار سے جائز تجارت درست ہے **ساتواں اعتراض:** اس آیت میں ظلم و زیادتی کی قید کیوں لگائی گئی۔ کیا قتل و مال چھیننا بھی جائز ہوتے ہیں۔ **جواب:** ہاں جائز بھی ہوتے ہیں۔ زانی' قاتل' ڈاکو' باغی کو حکومت کا قتل کرنا برحق ہے جس میں کوئی گناہ نہیں بلکہ اکثر ثواب ہے۔ اسی طرح قتل سے دیت یعنی خون بہا لینا درست ہے۔ بہرحال قتل اور مال جبراً وصول کرنا بھی درست بھی ہوتا ہے۔ اس لئے یہ قید احترازی ہے۔ محض اتفاقی نہیں۔ اس قید سے بہت سے مسائل حل ہوتے ہیں۔ **آٹھواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ تجارت فروشندہ و خریدار کی رضامندی سے چاہئے کہ فرمایا گیا عن تراض منکم' تو حاکم وقت دیوالیہ کا مال بغیر اسکی رضا کے نیلام کرکے اسکے قرض خواہوں کو کیوں دے دیتا ہے۔ **جواب:** اسلئے کہ دیوالیہ مقروض کا مال درحقیقت اسکے قرض خواہوں کا مال ہے اسلئے اس مال کی زکوۃ مقروض پر نہیں لہذا حاکم اس مال کو بلا اجازت فروخت کر سکتا ہے۔ **نواں اعتراض:** جب بغیر مالک کی اجازت اسکا مال فروخت نہیں کرسکتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سائل صحابی کا کمبل پیالہ انکی بغیر اجازت کیوں نیلام فرمادیا تھا۔ **جواب:** اسلئے کہ حضور ہر مسلمان کے مولیٰ و مالک ہیں۔ **النبی اولی بالمومنین** الخ جب غلام کا مولیٰ اور چھوٹے بچے کا مال اس کا والد فروخت کر سکتا ہے تو امتی کا مال نبی بھی فروخت کرسکتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اے مسلمانو! ہم نے جو تم کو مال بخشے ہیں وہ باطل نیت اور برے ارادے سے نہ کھاؤ۔ بلکہ اچھی نیت سے کھاؤ۔ گناہ و غفلت اور محض تن پروری نفسانی خواہش پوری کرنے کیلئے کھانا باطل ہے۔ اس سے بچو۔ اس کھانے سے تجارت کرو' روزانہ نیک اعمال کا اضافہ کرو۔ ایسے تاجروں کو رب کی روزی کھانا مبارک ہے۔ رب کی روزی کھا کر رب کی اطاعت گویا تجارت ہے۔ گناہ کرکے اپنے کو قتل نہ کرو۔ کافر و مجرم اپنے نفس کا قاتل ہے۔ وہ ایک قسم کی خودکشی کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔ اس لئے اس نے ایسے احکام نافذ فرمائے جو تمہارے لئے دنیا و آخرت میں کار آمد ہیں۔ جو شخص اپنے پر زیادتی و ظلم کرے گا وہ دوزخ اور فراق یار کی نار میں داخل کیا جائیگا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر انسان تاجر ہے کسی کا گاہک ہے کسی کی دوکان کا خریدار رب رحمان جیسے سودے' ایسے خریدار' اللہ تعالیٰ ہماری دوکان زندگی کے سودے اچھے کرے۔ آمین

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ

اگر بچ رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے

اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے

مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

داخل کریں گے ہم تم کو اچھی جگہ

اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں مسلمانوں کا مال ناجائز طور پر کھانے اور خود کشی یا مسلمان کو قتل کرنے سے روکا گیا تھا۔ اب بڑے گناہوں سے بچنے کے فوائد کا ذکر ہے کہ گناہ کبیرہ سے بچنے سے چھوٹے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم مسلمانوں پر بہت مہربان ہے۔ اب اس مہربانی کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو تو تمہارے چھوٹے گناہ معاف فرمائیں گے۔ یہ ہمارا خاص رحم و کرم ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ مجرم کو عذاب دینا رب تعالیٰ پر آسان ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے۔ مجرم کو بخش دینا بھی ہم پر آسان ہے۔ یعنی قدرت الٰہی کا ایک رخ پچھلی آیات میں دکھایا گیا تھا۔ اب اس کا دوسرا رخ دکھایا جا رہا ہے۔

تفسیر: **ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنه** ان حرف شرط ہے جو شک کے موقعہ پر استعمال ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ شک سے پاک ہے۔ یہ شک ہماری طرف سے ہمارے لئے ہوتا ہے۔ تجتنبوا کا مادہ جنب ہے بمعنی کنارہ و پہلو اجتناب کے معنی ہیں۔ پہلو یا کنارہ اختیار کرنا۔ یعنی علیحدہ ہو جانا اسلئے ناپاک آدمی کو جنبی کہتے ہیں کہ وہ مسجد سے علیحدہ رہتا ہے۔ بے تعلق آدمی کو اجنبی کہا جاتا ہے کہ وہ علیحدہ رہتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: **فبصرت عن جنب وھم لا یشعرون** یعنی موسیٰ علیہ السلام کی بہن مریم نے دور سے دیکھا۔ اب اصطلاح میں بچنے اور پرہیز کرنے کو اجتناب کہا جاتا ہے کبائر کبیرہ کی جمع ہے بمعنی بڑا گناہ۔ اسی کا مقابل ہے صغیرہ۔ اس میں گفتگو ہے کہ گناہ کبیرہ کسے کہتے ہیں اور وہ کتنے ہیں۔ (1) اس میں چند قول ہیں ہر گناہ کبیرہ ہے کہ اس میں رب تعالیٰ اور اسکے رسول کی نافرمانی ہے مگر یہ قول قرآن کریم کی آیات اور احادیث کے خلاف ہے۔ کتاب و سنت گناہ کی دو قسمیں کر رہی ہیں۔ (2) جس گناہ پر دنیاوی سزا اخروی عذاب مقرر ہو مذکور ہو وہ گناہ کبیرہ ورنہ صغیرہ۔ سزا خواہ قرآن کریم میں مقرر کی گئی ہو یا حدیث پاک میں جیسے شرک و کفر کہ اس پر اخروی عذاب کی وعید ہے اور زنا کہ اس پر دنیاوی سزا بھی مقرر ہے۔ (3) جس گناہ پر شرعاً حد مقرر ہو وہ کبیرہ ورنہ صغیرہ۔ (4) جو گناہ مرتکب کی دینی لاپرواہی پر دلالت کرے وہ کبیرہ ہے اس کے علاوہ صغیرہ۔ (5) ہر حرام بعینہ جرم ہے وگناہ کبیرہ ہے۔ حرام لغیرہ گناہ صغیرہ۔ (6) جس گناہ کو کتاب اللہ نے لفظ حرام کہہ کر ممنوع قرار دیا ہو۔ وہ گناہ کبیرہ ہے۔ اس کے علاوہ صغیرہ۔ (7) جو گناہ ہمیشہ کیا جائے وہ کبیرہ ہے۔ جس سے توبہ کر لی جائے وہ صغیرہ۔ (8) گناہ کبیرہ پروردگار نے مخفی رکھے ہیں جیسے شب قدر اور نماز وسطیٰ اور جمعہ میں قبولیت کی ساعت تاکہ مسلمان ہر گناہ کو کبیرہ سمجھ کے اس سے بچے۔ گناہ کبیرہ تین یا سات یا ساٹھ یا اسی ہیں۔ جیسا کہ مختلف احادیث میں وارد ہے۔ چنانچہ مسلم بخاری میں ہے کہ سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔ شرک، جادو کرنا، حرام نفس کا قتل، یتیم کا مال، سود کھانا، جہاد میں بزدلی سے بھاگ جانا، پاکدامن مومنہ عورت کو زنا کی تہمت لگانا۔ بعض روایات میں ہے کہ ماں باپ کی نافرمانی کرنا، جھوٹی قسم کھانا، سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ گناہ کبیرہ ستر ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن جبیر فرماتے ہیں کہ گناہ کبیرہ سات سو تک ہیں۔ **لا کبیرۃ مع الاستغفار ولا صغیرۃ مع الاصرار** یعنی توبہ کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ کبیرہ نہیں اور ہمیشگی ہو جائے تو کوئی گناہ صغیرہ نہیں۔ صغیرہ اور کبیرہ اضافی چیزیں ہیں مطلق گناہ کبیرہ شرک ہے اور مطلق گناہ صغیرہ برے خیالات انکے درمیان ہر گناہ اپنے نیچے کے لحاظ سے کبیرہ ہے اوپر کے لحاظ سے صغیرہ۔ گناہ کا صغیرہ کبیرہ ہونا کرنے والے کے لحاظ سے ہے۔ ایک ہی گناہ

ہم جیسے گناہگاروں کیلئے صغیرہ ہے اور متقی پرہیزگاروں کیلئے کبیرہ۔ جس پر انہیں عتاب الٰہی ہو جاتا ہے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین بلکہ حضرات انبیاء کرام و خاص اولیاء عظام کی خطاؤں پر بھی پکڑ ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ہمارے لئے خطا گناہ ہی نہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

لا یحقر الرجل الرفیع دقیقتہ — فی السھو فیھا للوضیع معاذر
فکبائر الرجل الصغیر صغائر — و صغائر الرجل الکبیر کبائر

یعنی کوئی بلند مرتبہ آدمی اپنے کو حقیر نہ کرے۔ بڑے آدمیوں کے گناہ صغیرہ بھی بڑے ہوتے ہیں اور چھوٹے آدمیوں کے گناہ کبیرہ بھی چھوٹے۔ سید ابن فارض فرماتے ہیں۔

ولوخطرت لی فی سواک لساعتہ — علی خاطری سھوا حکمت بر دتی

یعنی اگر کبھی میرے دل میں بھول کر بھی دوسرے کا خیال آجائے تو میں اپنے مرتد ہونے کا حکم دے دوں۔ (روح المعانی و کبیر) **ما تنھون عنہ** ما سے مراد گناہ ہیں۔ **تنھون** نہی سے بنا بمعنی ممانعت۔ منع کرنا اس میں خطاب مسلمانوں سے ہے۔ عنہ کی ضمیر ما کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ما مع اپنے جملے کے کبائر کا مضاف الیہ ہے یعنی اے مسلمانو! اگر تم ان گناہوں میں سے بڑے گناہوں سے بچے رہے۔ جس سے تمہیں منع کیا جا رہا ہے تو **نکفر عنکم سیاتکم** یہ جملہ ان کی جزا ہے۔ **نکفر** تکفیر سے بنا جس کا مادہ کفر ہے بمعنی چھپانا یا مٹانا۔ اس سے ہے کفارہ یہاں یا بخشنا مراد ہے یا گناہ کی عادت چھڑا دینا مراد۔ پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔ سیئات سیئتہ کی جمع ہے جس کا مادہ ہے۔ سوء سیئتہ ہر ناپسند چیز ہے یہاں مراد گناہ صغیرہ ہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے کبائر کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہ اسکے مقابلہ میں ہے۔ **وند خلکم مد خلا کریما** یہ جملہ نکفر پر معطوف ہے۔ اور ان کی دوسری جزا مدخل یا اسم مفعول بمعنی ظرف ہے یا مصدر میمی ہے۔ عربی میں کرم اگر خدا تعالیٰ کی صفت میں آئے تو اسکے معنی ہوتے ہیں احسان و انعام اور اگر انسان کی صفت میں آجائے تو معنی ہوتے ہیں اچھے اخلاق اور اعمال۔ کبھی ہر ممتاز چیز کو کریم کہہ دیتے ہیں۔ (غیاث) رب فرماتا ہے: **من کل زوج کریم** اور فرماتا ہے: **وزروع و مقام کریم** اور فرماتا ہے: **انہ لقران کریم** اور فرماتا ہے: **وقل لھما قولا کریما** لہٰذا یہاں کریم سے مراد اعلیٰ اور عزت والی ہے یعنی تو ہم تمہارے گناہ صغیرہ مٹا دیں گے اور معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت والی اعلیٰ جگہ یعنی جنت میں داخل کریں گے۔

خلاصہء تفسیر: اے مسلمانو! جس کام سے تم کو منع کیا جائے وہ گناہ ہے خواہ ہم منع فرمائیں یا ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پھر گناہ دو قسم کے ہیں: صغیرہ و کبیرہ یعنی چھوٹے اور بڑے۔ ہم تم سے وعدہ فرماتے ہیں کہ اگر تم کبیرہ گناہ سے بچتے رہو یا اس طرح کہ کرو ہی نہیں یا اس طرح کہ اگر تم سے وہ صادر ہو جائیں تو ان پر قائم نہ رہو بلکہ توبہ کر لو یا اسطرح کہ ان کا کفارہ ادا کر دو تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ معاف فرما دیں گے یا اسطرح کہ جو چھوٹے گناہ تم کر چکے ہو انہیں بخش دیں گے یا اسطرح کہ تم کو ان سے بچنے کی توفیق دیں گے۔ صرف گناہ بخشنے پر ہی بس نہیں بلکہ تم کو اعلیٰ مقام یعنی جنت میں داخل فرمائیں گے یا تو مرتے ہی یا بعد قیامت اور جنت کے ایسے مقام میں جگہ دیں گے جو تمہارے وہم و خیال سے وراء ہے۔ خیال رہے کہ جسم کو ناپاک کرنے والی صدہا چیزیں ہیں۔ نیز ناپاک جسم کی پاکی کے بہت ذریعہ ہیں۔ ایسے ہی دل کو ناپاک کرنے والی صدہا چیزیں ہیں۔ کفر، شرک، بغض وعناد و حسد غصہ وغیرہ پھر ناپاک دل کو پاک کرنے والی بہت سے چیزیں ہیں۔ توبہ، نیک اعمال مقبول کی نگاہ کرم۔ کبیرہ گناہوں

سے پرہیز۔ ان تمام پاکیوں کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ یہاں آخری طہارت یعنی گناہ کبیرہ سے بچنے کا ذکر ہے۔ مرنے کے بعد شفاعت اور رحمت رب تعالیٰ پاک کریگی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** شریعت میں گناہ وہ ہے جسکو اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمائیں۔ حرمت کیلئے نہی ضروری ہے۔ جیسا کہ ما تنھون سے معلوم ہوا جس سے کتاب و سنت میں ممانعت نہ آئی ہو۔ حلال و جائز ہے مگر فی زمانہ دیوبندی و اہلحدیث کہتے ہیں کہ جو کام اگلے تین زمانوں میں نہ ہوا وہ حرام ہے۔ یہ لوگ اباحت اور استحباب کیلئے قطعی دلیل مانگتے ہیں اور چیز کو بلا دلیل حرام کہہ دیتے ہیں۔ یہ قرآن شریف کے بھی خلاف ہیں۔ اور احادیث شریفہ کے بھی رب فرماتا ہے **قل لا اجد فیما اوحی الی محرما** یعنی فرمادوائے محبوب کہ میں اپنی وحی میں ان مذکورہ جانوروں کے سوا اور جانوروں کو حرام نہیں پاتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ کسی چیز کی حرمت کی دلیل نہ ملنا اسکے حلال ہونے کی دلیل ہے۔ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا جس سے خاموشی رہی اسکی معافی ہے۔ مشکوٰۃ شریف کتاب الاطعمہ۔ **دوسرا فائدہ:** چیزوں میں اصلی حالت حلال ہوتا ہے۔ حرمت ایک عارضی چیز ہے جو ممانعت سے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں فرمایا گیا ہے کہ جن سے منع کیا جاتا ہے ان سے بچو۔ اسکی تحقیق کیلئے ہماری کتاب جاءالحق حصہ اول ملاحظہ فرمایئے۔ **تیسرا فائدہ:** گناہ دو قسم کے ہیں۔ صغیرہ اور کبیرہ جیسا کہ کبائر کو ما کی طرف مضاف کرنے سے معلوم ہوا۔ جو ہر گناہ کو کبیرہ مانے وہ اس آیت کا انکاری ہے۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے گناہوں کی معافی کے بہت ذرائع مقرر فرمادیئے ہیں۔ توبہ' نیک اعمال کرنا' رب فرماتا ہے۔ **ان الحسنات یذھبن السیات** کبیرہ گناہوں سے بچنا جیسا کہ **ان تجتنبوا** سے معلوم ہوا **پانچواں فائدہ:** گناہ صغیرہ کی معافی کیلئے توبہ شرط نہیں جیسا کہ **نکفر** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا **چھٹا فائدہ:** بڑے گناہوں سے بچنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ چھوٹے گناہوں سے بچنے کی توفیق بھی عطا فرماتا ہے۔ کہ ایسے انسان کی طبیعت خود بخود گناہوں سے متنفر ہو جاتی ہے جیسا کہ نکفر کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** اپنے گناہوں کا کفارہ اپنی ہی نیکیاں ہو سکتی ہیں: جیسا کہ ان تجتنبوا کی شرط سے معلوم ہوا۔ یہ بات بالکل قرین قیاس ہے۔ عیسائیوں کا مذہب یہ ہے کہ سارے عیسائیوں کے گناہ کے کفارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی یعنی جناب مسیح کی سولی عیسائیوں کے گناہ کا کفارہ بن گئی۔ بعض بیوقوف مسلمان بھی عیسائیوں کی دیکھا دیکھی کہنے لگے کہ حضرت امام حسین کی شہادت سارے محبان حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گناہوں کا کفارہ ہو گئی ہے۔ یہ قول اسلام کے خلاف تو ہے ہی' عقل سلیم کے بھی خلاف ہے کہ کسی بے قصور کو بلاوجہ قتل کرادینا اور قصوروالوں کو سزا نہ دینا عدل و انصاف خداوندی کے خلاف ہے نیز رب تعالیٰ کو یونہی کفارہ کرانا تھا تو اپنے بیٹے کو سولی کیلئے کیوں منتخب کیا۔ کوئی اور انسان منتخب کرلینا چاہیئے تھا۔ نیز اگر خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں سے ایسی ہی محبت تھی کہ انکے گناہوں کے کفارہ کیلئے اپنے بیٹے کو سولی چڑھادیا تو چاہیئے تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سب سے پہلے انسان بنایا ہوتا۔ تاکہ سارے انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا۔ ہزاروں سال پہلے کے گناہگاروں کا کفارہ کیسے ادا ہوا۔ اگر نہیں ہوا تو کیوں۔ ان سے خدا نے محبت کیوں نہ کی۔ نیز اس عقیدے سے انسان میں گناہ پر دلیری پیدا ہوگی کہ جب گناہ معاف ہو چکے تو اب گناہ سے بچنے کی کیا ضرورت۔ اسی لئے عیسائی

کہتے ہیں کہ شریعت ایک لعنت ہے جس سے عیسیٰ علیہ السلام ہم کو نجات دے گئے۔ **آٹھواں فائدہ:** گناہوں کی معافی کیلئے جنت کا داخلہ لازم نہیں۔ دیکھو یہاں نکفر کے بعد ندخلکم کو علیحدہ بیان کیا۔ دیکھو متقی جنات کے صغیرہ گناہوں کی معافی ہوگی مگر انہیں جنت میں داخلہ نہ ملے گا۔

اعتراضات: **پہلا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ والے کی معافی کبھی نہ ہو کیونکہ جب اس سے بچنا صغیرہ گناہوں کی معافی کیلئے شرط ہے تو انکی معافی کی کوئی صورت ہی نہ رہی۔ مگر حدیث شریف میں آتا ہے کہ میری شفاعت گناہ کبیرہ والوں کیلئے بھی ہوگی نیز قرآن شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک نہ بخشے گا۔ باقی جسے چاہے بخش دیگا۔ آیات میں بھی تعارض ہے اور آیت و حدیث میں بھی۔ **جواب:** اولاً تو مخالف مفہوم سے مسائل ثابت نہیں ہوتے جیسا کہ پچھلی آیت میں عرض کیا جاچکا ہے۔ لہٰذا اس آیت میں یہ تو بتایا گیا کہ گناہ کبیرہ سے بچنے والوں کے گناہ صغیرہ معاف ہوں گے لیکن اسکے مخالف کا ذکر نہیں' اس سے خاموشی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر موقوف ہے۔ اور اگر مان بھی لیا جائے تب اسکا وعدہ ہے اس کا وعید نہیں۔ چاہے گا تو ایسے فاسق کو سزا دے کر جنت میں بھیجے گا یا معاف فرما کر۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ سے بچنے والے گناہ صغیرہ سے بھی پاک و صاف ہو جاتے ہیں۔ پھر انہیں شفاعت کی کیا ضرورت رہی۔ لہٰذا حضور کی شفاعت کے سب محتاج نہ ہوئے۔ **جواب:** حضور کی شفاعت بہت سی قسم کی ہے۔ گناہگاروں کیلئے گناہوں کی معافی کی شفاعت ہوگی۔ نیکوکاروں کیلئے نیکیاں قبول ہونے کی شفاعت ہوگی۔ مقبولوں کیلئے بلندی درجات کی شفاعت ہوگی۔ غرض کہ از حضرات انبیاء کرام تاہم جیسے گناہگار' سب کو حضور کی شفاعت کی ضرورت ہے۔ اسلئے آپ کا نام رحمۃ للعالمین ہے۔

ما و شما تو کیا کہ خلیل و ذبیح کو — کل دیکھنا کہ ان سے توقع نظر کی ہے
وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا — ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

عالم اجسام میں ہوا' پانی' دھوپ کی ہر جاندار کو ضرورت ہے۔ عالم ارواح میں انکی شفاعت کی ہر ایک کو حاجت ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ صغیرہ کی معافی کا ذریعہ گناہ کبیرہ سے بچنا ہے ہم جیسے گناہگار جن سے ہزاروں گناہ سرزد ہو چکے ہیں انکی معافی کا کیا ذریعہ۔ **جواب:** ہمارے لئے ذریعہ توبہ ہے ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ کبیرہ گناہ سے بچنے کے دو معنی ہیں: نہ کرنا یا کئے ہوؤں سے توبہ کرلینا۔ حدیث شریف میں ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: گناہ کبیرہ بہت ہیں مگر انکے اسباب تین ہیں: ایک اتباع ہوی کہ اس سے شبہات شہوات' لذات' تنعمات' ترک طاعات' قذف محصنات وغیرہ گناہ پیدا ہوتے ہیں۔ رب فرماتا ہے: **ولا تتبع الهوی فیضلک عن سبیل اللہ۔**

غبار ہوی چشم عقلت بدوخت! — سموم ہوس کشت و عمرت بسوخت

دوسرے حب دنیا کہ یہ قتل' ظلم' غضب' لوٹ مار' چوری' سود خوری' یتیموں کا مال کھانا' زکوٰۃ نہ دینا' جھوٹی قسم کھانا' حرام کو حلال کرلینا سب کا سرچشمہ ہے۔ رب فرماتا ہے: **ومن كان يريد حرث الدنيا نؤته منها وماله في الاخرة من نصيب۔** تیسرے غیر اللہ پر نظر کہ اس سے شرک نفاق ریاکاری وغیرہ جیسے گناہ پیدا ہوتے ہیں۔

ترجمہ زندان ست برصا حبدلاں ہر کجا بوئے ز وصل یار نیست

یعنی زندان عاشق محتاج را تنگ تر از صحبت اغیار نیست

بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ ہمارا سب سے بڑا گناہ ہمارا اپنا ہونا ہے جو اپنے ہونے سے آزاد ہو گیا اس کے سارے گناہ بخش دیئے گئے۔ (روح البیان) مولانا فرماتے ہیں۔

محوی باید نہ نحو ایں جا بداں! گر تو محوی بے خطر در آب راں

آب دریا مردہ را بر سر نہد چوں رود زندہ ز دریا کے رہد

یعنی دریا معرفت میں علم نحو لے کر نہ آؤ۔ بلکہ فنا و محو لے کر آؤ۔ زندہ دریا میں غوطے کھاتا ہے۔ مردہ کو دریا کا پانی سر پر اٹھاتا ہے۔ اب پڑھو یہ آیت کریمہ کہ اگر تم گناہ کبیرہ سے بچو گے تو صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا
اور نہ تمنا کرو اس کی کہ بزرگی دی اللہ نے اس سے تمہارے بعض کو بعض پر واسطے مردوں کے حصہ ہے اس سے
اور اس کی آرزو نہ کرو جس سے اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی مردوں کے لئے ان
اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ
جو وہ کمائیں اور واسطے عورتوں کے حصہ ہے اس سے جو وہ کمائیں اور مانگو اللہ سے اس کے فضل سے بیشک
کی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی کمائی سے اور اللہ سے اس کا فضل
اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾
اللہ ہے ہر چیز کا جاننے والا
مانگو بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ ایک دوسرے کا مال باطل طریق سے نہ کھاؤ۔ اب ترقی فرماتے ہوئے ارشاد ہو رہا ہے کہ کسی کے مال وغیرہ کے متعلق باطل و غلط خیال بھی نہ کرو۔ باطل طریق پر کھانا ظاہری عیب تھا جس کو حکومت بھی روک سکتی ہے مگر باطل خیالات ایک اندرونی عیب ہے جسے خوف خدا اور عشق رسول ہی روک سکتے ہیں۔ نیز ظاہر کا علاج آسان ہے مگر دل کا علاج مشکل اس لئے آسان کا ذکر پہلے فرمایا مشکل کا ذکر بعد میں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ناجائز طریقہ سے کسی کا مال یا جان لینے سے منع فرمایا گیا تھا اب اس چیز سے روکا جا رہا ہے جس سے یہ بیماریاں یعنی مال مارنا اور قتل پھیلتے ہیں۔ یعنی حسد گویا ان جرموں کے سرچشمہ کو اب بند فرمایا جا رہا ہے۔ تیسرا

تعلق: پچھلی آیات میں قتل و غارت وغیرہ سے منع فرمایا گیا تھا اب وہ چیز بتائی جارہی ہے جس سے ان احکام پر عمل آسان ہو جائے یعنی حسد و رشک کا چھوڑنا کیونکہ ننانوے فیصدی قتل و غارت حسد و رشک سے ہوتے ہیں۔ گویا پہلے تقویٰ کا حکم دیا گیا تھا۔ اب تقویٰ کے منبع و چشمہ کا ذکر جس سے نفس و دل پاک ہوتے ہیں یعنی حسد' کینہ رشک سے بچنا شریعت کے بعد طریقت کی تعلیم ہے۔ پانچواں تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو گے تو ہم تمہارے صغیرہ گناہ معاف فرمادیں گے۔ اب بطور مثال فرمایا جارہا ہے اگر تم حسد و کینہ و بغض جیسے نفسانی کبیرہ گناہوں سے بچو گے تو ہم تم کو دوسرے چھوٹے چھوٹے نفسانی عیوب سے بچالیں گے۔

شان نزول: اس آیتہ کریمہ کے نزول کے متعلق چار روایات ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مرد جہاد کر کے بڑے درجات حاصل کر لیتے ہیں۔ میراث میں بھی ان کا حصہ' عورتوں سے دوگنا ہے' کاش ہم عورت نہ ہوتے مرد ہوتے۔ تب یہ آیتہ کریمہ نازل ہوئی۔ یہ مجاہد کی روایت ہے۔ دوسرے یہ کہ جب میراث کی آیتیں نازل ہوئیں تو مرد بولے کہ جیسے دنیا میں ہمارے حصے عورتوں سے دوگنے ہیں۔ ایسے ہی آخرت میں ہمارے ثواب عورتوں سے دوگنے ہوں گے۔ اس پر عورتیں بولیں جیسے دنیا میں ہمارے حصے مردوں سے آدھے تھے۔ ایسے ہی آخرت میں ہمارے گناہوں کی سزا مردوں سے آدھی ہوگی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ قول امام سدی کا ہے۔ تیسرے یہ کہ جب میراث کی آیتیں نازل ہوئیں جن میں مردوں کے حصے عورتوں سے دوگنے مقرر فرمائے گئے تو عورتوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مرد قوی ہیں کما سکتے ہیں' کمزوروں کا حصہ زیادہ چاہئے۔ تب یہ آیتہ کریمہ نازل ہوئی۔ چوتھے یہ کہ ایک بی بی صاحبہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں کہ عورتوں مردوں کا رب ایک' رسول ایک' دادا حضرت آدم ایک' ماں بی بی حوا ایک۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن کریم میں مردوں کا ذکر تو جگہ جگہ آیا ہے مگر عورتوں کا ذکر نہیں آیا۔ نیز اس کی کیا وجہ ہے کہ مردوں کو جہاد میں شرکت کی کھلی اجازت ہے عورتوں کو نہیں جس سے وہ غازی و شہید بنتے ہیں عورتیں نہیں بنتیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حاملہ عورت کو دن بھر روزہ' رات بھر نمازیں پڑھنے کا ثواب نوماہ تک ملتا رہتا ہے اور جننے کی تکالیف میں اسے بے حساب ثواب ملتا ہے اور جب بچہ کو دودھ پلاتی ہے تو اسے ہر چسکی پر ایک جان بچانے کا ثواب ملتا ہے۔ تب یہ آیتہ کریمہ نازل ہوئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق فرمائی گئی۔ (تفسیر کبیر۔ روح المعانی۔ خازن۔ بیضاوی۔ تفسیر روح البیان۔ تفسیر صاوی علی الجلالین وغیرھا)۔

تفسیر: **ولا تتمنوا** ۔ اس کا مصدر تمنی ہے مادہ منی' معنی اندازہ لگانا۔ اصطلاح میں آرزو کرنے کو تمنا کہتے ہیں کیونکہ آرزو کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اپنی حیثیت کا اندازہ خود لگا کر سوچتا ہے کہ فلاں کمال و دولت میرے مال و دولت سے زیادہ ہے۔ میری حیثیت میری دولت سے زیادہ ہے سوچ بچار سے آپس میں عداوت رب تعالیٰ کی ناشکری' کبھی اس پر اعتراض ہوتے ہیں۔ اس تمنا کی دو صورتیں ہوتی ایک حسد یعنی دوسرے کی نعمت کا زوال اور اپنے لئے حصول چاہنا۔ دوسرے رشک یعنی صرف اپنے لئے حصول چاہنا دوسرے کا زوال نہ چاہنا۔ حسد تو بہرحال حرام ہے خواہ دنیاوی نعمتوں پر ہو یا اخروی پر رشک و غبطہ دنیاوی نعمتوں پر ممنوع ہے دینی نعمتوں پر درست۔ اگرچہ یہ آیت کریمہ چند عورتوں کی عرض و معروض پر نازل ہوئی مگر

چونکہ مرد افضل ہے عورت ماتحت اس لئے یہاں بھی اور دوسرے خطابات میں بھی مردوں سے ہی خطاب فرمایا گیا کہ مردوں کے سنبھل جانے سے ان شاء اللہ عورتیں بھی سنبھل جائیں گی۔ **ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض۔** یہ عبارت **لا تتمنوا** کا مفعول بہ ہے۔ حق یہ ہے کہ ما سے مراد تمام ربانی نعمتیں ہیں' نفسانی ہوں یا جسمانی' داخلی ہوں یا خارجی' دنیاوی ہوں یا اخروی' علمی ہوں یا عملی۔ جیسے ذکاوت اور عقل و تدبر یا پاک دامنی معرفت الٰہی وغیرہ یا تندرستی حسن لمبی عمر یا دولت' عزت' شہرت' اولاد' سلطنت وغیرہ یا مرد و عورت ہونا غرضیکہ ایک لفظ ما میں تمام نعمتیں داخل ہیں۔ **فضل' تفضیل** سے بنا جس کا مادہ فضل بمعنی زیادہ ہے بہ' کا مرجع ما ہے۔ **بعضکم** میں خطاب مسلمانوں سے ہے یعنی اس نعمت کی آرزو یا حسد نہ کرو جس میں رب تعالیٰ نے بعض مومنوں کو بعض پر زیادتی و فوقیت دی ہے۔ اس نے کسی کو اپنے کرم سے محروم نہیں فرمایا۔ کیونکہ **للرجال نصیب مما اکتسبوا۔ للرجال** میں لام نفع کا ہے۔ **ما' ملکیت** کا الرجال سے مراد مومن مرد ہیں کیونکہ کفار کے اعمال کا ثواب نہیں۔ للرجال کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ نصیب سے مراد ثواب آخرت یا ثواب دنیا یا دونوں ثوابوں کا حصہ ہے۔ **مما** میں من ابتدائیہ ہے یا سببیہ۔ اکتساب کے معنی ہیں' خوب کمائی کرنا اس کا مادہ کسب بمعنی کمائی ہے' یعنی مردوں کو اپنے اعمال کے ثواب سے حصہ ملے گا ان کے اعمال کا حصہ عورتیں نہیں لے سکتیں۔ **و للنساء نصیب مما اکتسبن** اس جملہ کی بھی وہی تفسیر ہے جو ابھی عرض کی گئی۔ یعنی عورتوں کو اپنے کمائے اعمال کے ثواب کا حصہ ملے گا۔ اس میں مرد شریک نہیں ہو سکتے۔ خیال رہے کہ بعض نیکیاں صرف مرد کر سکتے ہیں جیسے جہاد میں عموماً جنگ کرنا' نماز کی امامت' قاضی یا بادشاہ ہونا' بعض نیکیاں صرف عورتیں کر سکتی ہیں۔ جیسے خاوند کی اطاعت نیک صالح بچے جننا۔ بچوں کی پرورش غازیوں کے پیچھے گھروں کے انتظام وغیرہ مرد اپنی کمائی کا نفع پائیں گے عورتیں اپنی کمائی کا فائدہ اٹھاویں گی۔ **و سئلوا اللہ من فضلہ** یہ جملہ گزشتہ۔ ممانعت **ولا تتمنوا** پر معطوف ہے۔ اسئلوا اگرچہ مذکر مخاطب ہے مگر خطاب مردوں عورتوں دونوں ہی سے ہے۔ جیسے **اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ** وغیرہ۔ دوسرے احکام کی آیات میں ہے یہاں فضل سے مراد زیادتی ہی ہے مگر زیادتی وہ جو رب تعالیٰ اپنی مہربانی سے اعمال کی جزا کے علاوہ عطا فرمائے۔ **من** تبعیضیہ ہے کیونکہ رب تعالیٰ جسے جو بھی دے اس کی مہربانی کا حصہ ہی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ فضلہ یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ حضور نور اللہ بھی ہیں' ذکر اللہ بھی۔ فضل اللہ بھی جو ہماری بغیر کوشش و محنت اللہ نے ہم کو بخشا یعنی اے مسلمان مرد و عورت بجائے ایک دوسرے پر حسد کرنے کے اللہ تعالیٰ سے اس کی مہربانی مانگا کرو۔ خیال رہے کہ دیگر عبادات کی طرح دعاء فضل بھی ایک عبادت ہے۔ مگر دوسری عبادتوں میں وقت' نوعیت وغیرہ کی قید ہے۔ دعا وہ عبادت ہے جس میں کوئی پابندی نہیں۔ ہر وقت مانگے' ہر شخص مانگے' ہر طرح مانگے' زبان سے' اعضاء سے' آنکھ سے' آنسوؤں سے۔ ننھا بچہ کچھ نہیں جانتا مگر رو کر مانگنا' ماں کو بلانا ضرور جانتا ہے' رو کر مانگنا بڑا پرانا سبق۔ **ان اللہ کان بکل شیء علیما**" یہاں کان دوام و استمرار کے لئے ہے۔ اس جملہ کے دو مقصد ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ بعض بندوں کو بعض پر فضیلت دینا بڑا با حکمتوں پر مبنی ہے۔ رب نے جسے جو دیا ہے علم و حکمت سے دیا ہے۔ اس پر اعتراض نہ کرو یا تم دعائیں مانگا کرو۔ ۲ اگر تمہاری کوئی دعا قبول نہ ہو تو دل تنگ نہ ہو۔ رب تعالیٰ علیم و حکیم ہے وہ اپنے بندوں کی مصلحتیں خوب جانتا ہے اگر تمہاری کوئی دعا قبول نہ فرمائے تو اس میں اس کی کوئی حکمت ضرور ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانو! اللہ تعالٰی نے جو بعض بندوں کو بعض پر دینی ' دنیاوی ' جسمانی ' روحانی ' داخلی ' خارجی بزرگیاں دی ہیں ان میں ایک دوسرے پر حسد یا ناجائز آرزو نہ کرو۔ رب تعالٰی پر اعتراض نہ کرو کسی کو امیر کیا کسی کو غریب ' کسی کو مرد بنایا ' کسی کو عورت ' کسی کو نیک بخت کیا ' کسی کو بدبخت ' کسی کو عالم یا ولی بنایا ' کسی کو ان کا تبع۔ یہ اس کی مہربانی ہے۔ زمین ' زمان ' مکین ' تارے ' چاند ' سورج وغیرہ سب میں فرق مراتب ہے تو انسانوں میں بھی ہونا چاہئے۔ مردوں کے لئے ان کے سے اعمال و درجات ہیں عورتوں کے لئے ان کے لائق اعمال درجات ہیں۔ مرد غازی ' سلطان ' قاضی بننے کیلئے ہیں تو عورتیں غازی سلطان قاضی جننے کے لئے۔ مرد شمع محفل ہیں تو عورتیں چراغ خانہ۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنے اعمال کا عوض پورا پورا ملے گا۔ اللہ کے بندو حسد ' کینہ ' بغض اور رب پر اعتراض نہ کرو بلکہ ہمیشہ اللہ تعالٰی سے اس کی مہربانی مانگو۔ اگر وہ مہربانی فرمادے تو تھوڑے عمل پر زیادہ ثواب دیدے۔ یہ عقیدہ رکھو کہ اللہ تعالٰی علیم ہے ' حکیم ہے۔ اس نے جو جسے دیا حکمت سے دیا۔ سب بندوں کو یکساں نہ کیا۔ حکمت سے ہی کیا لہٰذا اس کی عطا پر راضی رہو اونٹ کو لمبی گردن عطا کی تو ہاتھی کو سونڈ بخشی۔ غرضیکہ اس کی عطا میں لاکھوں حکمتیں ہیں۔ ان حکمتوں میں غور کرکے اس کی حمد کرو نہ کہ اس پر اعتراض۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اللہ تعالٰی نے اپنی مخلوق خصوصاً انسانوں میں یکسانیت نہ رکھی۔ دیکھو زمین جو بظاہر یکساں معلوم ہوتی ہے اس میں کہیں تیل ہے ' کہیں سونے چاندی کی کانیں ' کہیں پہاڑ ' کہیں غار ' کوئی زمین بنجر ' کوئی قابل کاشت ' کوئی لالہ زار تو انسان سب یکساں کیسے ہو سکتے ہیں۔ آسمان کے تارے رنگ برنگے چھوٹے بڑے ہیں تو انسان بھی رنگ برنگا ' چھوٹا بڑا ہونا چاہئے۔ جمعہ ہفتہ کے دنوں سے بڑا۔ رمضان دوسرے مہینوں سے افضل تو حضرات انبیاء و اولیاء دوسرے انسانوں بلکہ ملائکہ سے افضل جو نبی غیر نبی کو یکساں کہے اور اولیاء اللہ سے دعوئی ہمسری کرے۔ وہ اس آیت کا انکاری ہے۔ یہ فائدہ فضل اللہ ' سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: کسی مسلمان پر حسد کرنا سخت جرم ہے۔ شیطان حسد میں ہی مارا گیا۔ حسد وہ آگ ہے جو انسان کی نیکیاں جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ دیکھو شیطان کی عبادتیں حسد سے برباد ہوئیں۔ یہ فائدہ **لا تتمنوا** الخ سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: مسلمان پر حسد ' کینہ ' بغض کرنا حرام ہے۔ کفار پر حسد ان سے بغض تو عبادت ہے۔ ان پر جہاد کرنا بھی عبادت ہے۔ یہ فائدہ **بعضکم** سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ مسلمان پر حسد حرام۔ حضرات اولیاء اللہ پر حسد سخت حرام اور پیغمبر پر حسد کفر ہے۔ جس سے تمام نیکیاں برباد ہوتی ہیں۔ شیطان نے پیغمبر پر حسد کیا تھا۔ چوتھا فائدہ: رب نے جسے جو دیا کرم و فضل سے دیا ' کسی کا اس پر حق یا دعوئی نہیں جیسا کہ **فضل** کے ایک معنی سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: مرد و عورت یکساں نہیں رب تعالٰی نے انہیں مختلف مقاصد کے لئے پیدا فرمایا۔ یہ دونوں زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں جو ان دونوں کو برابر کرنا چاہتا ہے وہ قدرت کا مقابلہ کرتا ہے۔ اگر دونوں پہیے گاڑی کے ایک طرف لگا دیئے جائیں تو گاڑی چل نہیں سکتی ' یہ فائدہ دو جگہ **نصیب** نکرہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: نیک خاوند کی بیوی اور نیک بیوی کا خاوند نیک اعمال سے مستغنی نہیں۔ ہر ایک کو عمل کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ **للرجال** اور **للنساء** سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: ہر شخص رب تعالٰی کا فضل ضرور مانگے۔ جیسا کہ **و سئلوا اللہ من فضلہ** سے معلوم ہوا۔ بلکہ علماء تو فرماتے ہیں کہ دوسری دعاؤں سے فضل کی دعا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ رب تعالٰی ہم پر خود ہم سے زیادہ مہربان ہے۔ ہم اپنے لئے بری چیز مانگ

لیتے ہیں کیونکہ بے سمجھ ہیں۔ مگر رب تعالیٰ جو اپنے فضل سے ہم کو دے گا وہ ہمارے لئے بہتری ہوگی۔ **آٹھواں فائدہ:** کبھی دعا قبول نہ ہونے پر ملول نہ ہو بلکہ سمجھے کہ اس قبول نہ ہونے میں رب کی کوئی حکمت ہے۔ بے وقوف بیمار میٹھی دوائیں مانگنے لگ جاتا ہے مگر مہربان طبیب کڑوی دوا پلاتا ہے کیونکہ اسی میں اس کی شفا ہے۔ یہ فائدہ علماء سے معلوم ہوا۔ **مسئلہ:** کسی کی نعمت پر حسد کرنا حرام ہے خواہ دینی نعمت ہو یا دنیاوی' مگر غبطہ یعنی رشک یہ دینی نعمت پر جائز ہے دنیاوی نعمت پر حرام جیسے کوئی کہے خدایا مجھے فلاں کی طرح علم و عمل کی توفیق دے یا مال دے تاکہ تیری راہ میں خرچ کروں۔ **نواں فائدہ:** کسی پر حسد یا تو رب کی ناشکری ہے یا اس کی تقسیم پر اعتراض' اس لئے اس سے سخت منع فرمایا گیا۔

پہلا اعتراض: تمہارے بیان کئے ہوئے شان نزول سے معلوم ہوا کہ عورتوں پر جہاد نہیں اس پر تو حضرت ام سلمہ نے رشک کیا تھا۔ مگر احادیث و تواریخ کہتی ہیں کہ زمانہ نبوی میں عورتیں جہادوں میں شرکت کرتی تھیں۔ پھر یہ شان نزول کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** عورتوں کو جہاد میں شریک کرنا سخت مجبوری کی حالت میں ہوتا تھا جبکہ غازی مردوں کی کمی تھی' پھر بھی عورتیں جنگ نہ کرتی تھیں بلکہ زخمیوں کی مرہم پٹی' غازیوں کی خدمت' کھانا پکانا وغیرہ کرتی تھیں۔ اس بناء پر عورتوں کو رشک ہوا۔ اسی لئے حدیث پاک میں ہے کہ عورتوں کا جہاد حج ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت نے مسلمانوں کو ترقی سے روک دیا کیونکہ اس میں فرمایا گیا کہ تم دوسروں کی نعمت کی تمنا بھی نہ کرو' حالانکہ انسان کو چاہئے کہ دوسروں کے برابر بلکہ ان سے بڑھنے کی کوشش کرے۔ اگر اس آیت پر عمل ہو تو ترقی ہی ختم (آریہ و بعض بے دین)۔ **جواب:** آیت کریمہ نے دوسروں پر حسد کرنے سے روکا ہے نہ کہ ترقی کرنے سے قرآن فرماتا ہے۔ **فاستبقوا الخیرات** اور فرماتا ہے۔ **و سابقوا الی مغفرۃ من ربکم۔** مغفرت کی طرف ایک دوسرے پر سبقت کرو۔ حسد بری ہے' ترقی کی کوششیں اچھی۔ حضرات صحابہ کرام آپس میں ایک دوسرے پر نیکیوں میں آگے نکل جانا چاہتے تھے۔ خصوصاً" حضرت عمر جناب صدیق پر بڑھ جانے کی ہمیشہ کوشش فرماتے تھے مگر بڑھ نہ سکتے تھے۔ حضور فرماتے ہیں کہ جو کسی کو نیکیاں کرتے دیکھے اور تمنا کرے کہ میں بھی ایسی نیکی کرتا تو حشر میں دونوں ساتھ اٹھیں گے' یا یہاں ان صفات کی تمنا کرنا مراد ہے جو رب تعالیٰ نے دوسرے کے ساتھ خاص کر دی ہوں جیسے نبوت' ولایت' تفضیل یا میراث میں دوگنا حصہ۔ غیر اہل کو اس کی تمنا کرنا حرام یہ ناممکن کی تمنا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** **للرجال** اور **للنساء** کے لام سے معلوم ہوا کہ کسی کو دوسرے کے اعمال سے فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اپنی کرنی اپنی بھرنی ہے' مردوں کو اپنی کمائی کام آئے گی۔ عورتوں کو اپنی لہذا ایصال ثواب ختم وغیرہ محض بیکار ہے۔ **جواب:** اس کا جواب تیسرے پارے کی تفسیر **لھا ما کسبت و علیھا ما اکتسبت** کی تفسیر میں ہی تفصیل سے گزر گیا کہ ان جیسی آیات میں لام ملکیت کا ہے اور کسب سے مراد بدنی فرائض ہیں یعنی کوئی کسی کی طرف سے فرض نماز یا فرض روزہ ادا نہیں کر سکتا۔ اور بھی اس کے بہت جواب ہیں۔ اگر کسی کے اعمال کسی کو کام نہیں آسکتے تو مسلمانوں کے چھوٹے بچے یا دیوانہ پاگل مسلمان کیونکر بخشے جائیں گے' ان کے پاس نیکیاں کہاں ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **والحقنا بھم ذریتھم۔** **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ سوا رب تعالیٰ کے فضل کے اور کوئی چیز رب سے نہ مانگنا چاہئے۔ حالانکہ احادیث میں بہت دعائیں منقول ہیں۔ **جواب:** آیت کریمہ میں دوسری دعاؤں سے ممانعت نہیں فرمائی گئی نہ کوئی کلمہ حصر کا ہے بلکہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ دعائیں اپنی طرف سے مقرر نہ

کرو کہ ہم کو وہی چیز دے کہ اگر وہ چیز نہ ملے تو رب پر ناراض ہو جانا یا مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص بجائے دوسروں پر حسد کرنے کے رب سے اپنے اور دوسروں کے لئے رب کا فضل مانگے۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کی دینی یا دنیاوی نعمت کی تمنا کرنا بھی منع ہے مگر حدیث شریف میں ہے کہ نیکی کی تمنا اچھی چیز ہے کہ اس تمنا پر نیکی کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ عالم یا سخی مالدار کو دیکھ کر تمنا کرنا کہ اگر میرے پاس بھی علم کی دولت ہوتی تو میں بھی یہ کرتا۔ اس پر اس کو عالم یا سخی کا ثواب ملتا ہے لہذا حدیث و قرآن میں تعارض ہے۔ جواب: اس کا جواب ابھی گزر گیا کہ حسد یا رب کی شکایت یا ناشکری کی تمنا بری ہے۔ وہی یہاں مراد ہے اس سے منع فرمایا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: عالم کا نظام عالم کی چیزوں میں فرق مراتب سے ہے۔ اگر سب برابر کر دیئے جائیں تو دنیا تباہ ہو جائے۔ اگر آسمان پر سارے تارے سورج بنا دیئے جائیں تو دنیا کی ہلاکت یقینی ہے۔ اگر تمام روئے زمین پیداوار اور خزانوں وغیرہ میں یکساں ہو جائے تو نظام دنیا ختم ہو جائے۔ اسی طرح عالم روحانیات میں فرق مراتب ہے۔ عالم اجزاء کی فنا ہے۔ رب تعالیٰ نے انسانوں کی استعدادیں مختلف بنائی ہیں۔ ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق نعمت عطا ہوئی ہے۔ کوئی کم استعداد والا بڑی عطا کی تمنا نہ کرے کہ یہ ناممکن کی تمنا ہے۔ اسی لئے یہاں تمنا فرمایا گیا جو ناممکن کی بھی ہو جاتی ہے امید نہ فرمایا کیونکہ امید صرف ممکن چیز کی ہی ہوتی ہے لہذا مردوں یعنی کاملین واصلین کو ان کا حصہ ہے اور عورتوں یعنی ناقصین کے لئے ان کا حصہ ہے۔ صوفیاء کے ہاں مرد وہ ہے جو یار تک پہنچ جائے عورت وہ جو وہاں تک نہ پہنچ سکے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل یعنی بقدر استعداد صفائی تزکیہ مانگو' اللہ تعالیٰ تمہاری استعداد و قابلیت کو خوب جانتا ہے۔ مانگو ملے گا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں طلب کردی بجد آید نظر	جد خطا نہ کند جنس آمد خبر
چوں در معنی زنی بازت کنند	پر فکرت زن کہ شہبازت کنند
چوں زچاہے می کنی ہر روز خاک	عاقبت اندر رسی در آب پاک
گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے	عاقبت زاں در بروں آید سرے
در طلب زن دائما تو ہر دو دست	کہ طلب در راہ نیکو رہبر است

دروازہ بجاؤ کھلے گا۔ کنوئیں کی مٹی نکالے جاؤ کبھی پانی بھی مل جائے گا۔ سچی طلب کے ساتھ یہ راستہ طے کرو کہ طلب اچھا رہبر ہے۔ کسی کی کوشش اللہ تعالیٰ رائیگاں نہیں کرتا (از روح البیان) ہر شخص ہر وقت ہر طرح اللہ سے اس کا فضل و مہربانی مانگے۔ اس کا عدل نہ مانگے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْأَقْرَبُوْنَ ۗ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ

اور واسطے ہر ایک کے بنائے ہم نے ولی اس میں سے جو چھوڑ گئیں ماں باپ اور زیادہ قریبی رشتہ دار اور وہ لوگ کہ بندھ چکیں جن

اور ہم نے سب کے لئے مال کے مستحق بنائے ہیں جو کچھ چھوڑ جائیں ماں باپ اور قرابت والے اور جن سے تمہارا حلف بندھ

أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٣٣﴾

قسمیں تمہاری ہیں انہیں دو ان کو حصہ اُن کا بے شک اللہ ہے اوپر ہر چیز کے گواہ

چکا ہیں ان کا حصہ دو بے شک ہر چیز اللہ کے سامنے ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ تمام مردوں' عورتوں کو اپنی کمائی کا ہی حصہ ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ بعض صورتوں میں دوسرے کی کمائی سے بھی حصہ مل جاتا ہے۔ یعنی میراث یا عقد موالات کے ذریعہ غرضیکہ حصہ ملنے کی ایک صورت کا ذکر پہلے ہوا تھا اپنی کمائی اور دوسری صورت کا ذکر اب ہے۔ دوسرے کی وراثت یا موالات۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ رب تعالیٰ نے بعض بندوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اب اس فضیلت کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ میراث کے حصوں کے مستحق لوگ بعض' بعض سے زیادہ پاتے ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے لہٰذا جو جس کو دیا جان کر دیا۔ اب اسی کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم نے بعض مسلمانوں کو بعض کا وارث بنایا۔ پھر وارثوں کے حصوں میں فرق کیا۔ یہ سب کچھ اپنے علم کے مطابق کیا اس پر اعتراض نہ کرو۔

شان نزول : حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو دعوت اسلام دی۔ انہوں نے قبول اسلام سے انکار کر دیا۔ حضرت صدیق نے قسم کھائی کہ میں اپنے مال کا ایک حبہ بھی عبدالرحمٰن کو نہ دوں گا نہ جیتے جی نہ بعد وفات بطور میراث پھر اللہ کے فضل و کرم سے عبدالرحمٰن مسلمان ہو گئے۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں جناب صدیق اکبر کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو اپنی کمائی سے ان کا حصہ میراث دیں۔ (تفسیر خازن)

تفسیر : **و لکل جعلنا موالی مما ترک الولدان والاقربون۔** **لکل** متعلق مقدم ہے' **جعلنا** کا کل کا مضاف الیہ پوشیدہ ہے۔ مسلم' یا مال' یا قوم یا انسان' یا ترکہ (معانی) **جعلنا** جعل سے مشتق ہے' بمعنی بنانا یا پیدا کرنا۔ پہلے معنی پر دو مفعول چاہتا ہے۔ دوسرے معنی پر ایک مفعول یہاں پہلے معنی میں ہے اور پہلا مفعول پوشیدہ اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے معنی یعنی پیدا کرنے کے معنی میں ہو۔ **موالی** مولیٰ کی جمع ہے۔ مولیٰ یا ولی بمعنی قرب سے بنایا۔ بمعنی تصرف سے بنا مولیٰ یعنی قریبی عزیز یا والی وارث تصرف کرنے والا۔ خیال رہے کہ مولیٰ کے چھ معنی ہیں۔ غلام آزاد کرنے والا مالک' آزاد کردہ غلام' حلیف' چچازاد بھائی' مددگار۔ **بان اللہ مولی الذین امنوا و ان الکافرین لا مولی لہم۔** عصبہ وارث (تفسیر کبیر) یہاں آخری چھٹے معنی میں ہے۔ یعنی ہم نے ہر مسلمان یا ہر مال یا ہر قوم یا ہر ترکہ کے لئے وارث مقرر فرمائے جو اس کے مال کے وارث ہوتے ہیں۔ **مما ترک الولدان والاقربون۔** مما سے پہلے ایک مختصری عبارت پوشیدہ ہے۔ **یرث یا یاخذ یا یملکہ۔** مما کا من تبعیضیہ ہے کیونکہ ہر وارث کو میت کا بعض مال ملتا ہے۔ یا سارا مال میراث میں نہیں بٹتا۔ پہلے کفن دفن پھر ادائے قرض۔ پھر اداء وصیت' پھر تقسیم ہوتی ہے۔ اس لئے من تبعیضیہ ارشاد ہوا۔ ما سے مراد وہ مال ہے جو میت کا مملوکہ ہو۔ جو میت کے پاس امانت یا غصب وغیرہ کا مال ہے وہ مراد نہیں کیونکہ وہ میت کی ملک نہیں نہ اس میں میراث جاری ہو۔ وہ

سارا مال اصل مالک کو واپس کر دیا جائے۔ اگر مالک نہ ملے تو اس کے نام پر خیرات کر دیا جائے۔ ترک سے مراد بعد وفات چھوڑ جانا ہے۔ **الولد ان والا قربون** یا تو موالی کا بیان ہے یا ترک کا فاعل' پہلی صورت میں **والدان** اور **اقربون** وارث ہوں گے۔ دوسری صورت میں موروث والدان سے سگی ماں سگا باپ مراد ہے۔ سوتیلے ماں باپ کو میراث نہیں ملتی نیز دادا نانا بھی اس سے خارج ہیں کہ وہ مجازاً "والدین ہو سکتے ہیں۔ **حقیقتہ**" نہیں یہ لوگ **والا قربون** میں داخل ہیں۔ یعنی لیں گے یہ وارث اس مال سے جو ان کے ماں باپ یا دوسرے قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا یا۔ ہم نے ہر قوم کے لئے وارث یعنی ماں باپ اور نزدیک ترین قرابت دار مقرر فرمائے جو میت کے چھوڑے مال سے میراث لیتے ہیں (خازن' کبیر' روح البیان و معانی وغیرہ)۔ **والذین عقدت ایمانکم** حق یہ ہے کہ یہ جملہ علیحدہ مستقل ہے اور **الذین** اسم موصول ہے۔ **عقدت ایمانکم** صلہ موصول صلہ سے مل کر مبتداء ہے اور **فاتوھم** الخ۔ اس کی خبر اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں۔ بعض تفسیروں سے یہ حکم منسوخ ہے اور بعض سے یہ **محکم۔ الذین** سے مراد یا تو مولیٰ موالات ہے کہ لاوارث شخص کسی اجنبی کو اپنا ولی دوست بنائے اور اس سے کہہ دے کہ میرے بعد میرا سارا مال تیرا ہے۔ یہ مولیٰ اس کا وارث ہوگا۔ کیونکہ اس کا اور کوئی وارث نہیں اسے شریعت میں مولیٰ موالات کہتے ہیں۔ عقدت' عقد سے بنا' معنی اکٹھا کرنا۔ سمیٹنا' اصطلاح میں منعقد کرنے کو عقد کہتے ہیں۔ اس کا استعمال بہت وسیع ہے۔ عقد بیع' عقد اجارہ' عقد ہبہ' عقد عہد یعنی معاہدہ کر لینا۔ یہاں آخری معنی میں ہے۔ ایمان یمین کی جمع ہے' معنی پختگی و مضبوطی داہنے ہاتھ کو اس لئے یمین کہتے ہیں کہ وہ بمقابلہ بائیں ہاتھ کے مضبوط ہوتا ہے۔ قسم کو یمین اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے کلام پختہ کیا جاتا ہے۔ یہاں یا تو داہنے ہاتھ کے معنی میں ہے کیونکہ معاہدہ کرتے وقت داہنا ہاتھ ملایا جاتا ہے یا قسم کے معنی میں ہے یعنی وہ لوگ جن سے تمہارا حلف کا عقد بندھ چکا یعنی تم ان سے معاہدہ کر چکے' اپنا مولیٰ موالات مقرر کر چکے۔ **فاتوھم نصیبھم** یہ **الذین** کی خبر ہے چونکہ **الذین** مبتداء میں شرط کے معنی ملحوظ تھے' اس لئے خبر پر ف جزائیہ آئی۔ **اتوا** میں خطاب انہی معاہدہ کرنے والوں سے ہے۔ **ھم** کا مرجع وہی لوگ ہیں جن سے معاہدہ ہوا یعنی مولیٰ موالات' **نصیبھم** سے مراد یہی مال ہے جسے یہ معاہدہ کرنے والا چھوڑ جائے۔ اگرچہ اسے مال دینا بعد کے لوگوں کا کام ہے مگر چونکہ وہ دینا اس معاہدہ کی بقا پر موقوف ہے لہٰذا دینے کا فاعل اس معاہدہ کرنے والے کو بتایا گیا یا یہ مطلب ہے کہ اس معاہدہ کے بعد تم اس معاہد کو محروم کرنے کی کوشش نہ کرو' انہیں لے لینے دو۔ یعنی جن لوگوں سے تم نے عقد موالات کیا ہے انہیں ان کا حصہ ضرور دو۔ اس تفسیر سے یہ آیت کریمہ محکم ہے منسوخ نہیں۔ جن مفسرین نے اسے منسوخ مانا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس سے عقد مواخات مراد ہے جو شروع اسلام میں مہاجرین و انصار کے درمیان کیا جاتا تھا جس کی بناء پر مہاجرین و انصاری وارث ہوتے تھے۔ ان کے رشتہ دار وارث نہ ہوتے تھے' وہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ اس آیت سے منسوخ ہے **و اولوا الارحام بعضھم اولی ببعض'** بعض نے فرمایا کہ اس سے زمانہ جاہلیت کا حلف مراد ہے کہ ایک شخص کسی سے کہتا تھا کہ میرا خون تیرا خون' میری جان تیری جان' میرا مال تیرا مال' تو میری دیت دیدے میں تیری' تو میرا وارث میں تیرا۔ پھر بعد موت اس حلیف کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملتا تھا۔ یہ حکم اس حدیث سے منسوخ ہے۔ لاحلف فی السلام یا آیات میراث سے منسوخ غرضیکہ اس جملہ کی چھ تفسیریں ہیں۔ جن میں سے تین تفسیریں ہم نے عرض کر دیں۔ پہلی تفسیر نہایت قوی ہے اور آیت غیر منسوخ ہے۔ **ان اللہ کان علی کل شیء شھیدا**"۔ میراث و موالات کے حکم کو اس عبارت پر ختم فرمایا تاکہ لوگ اس کے جاری کرنے میں کوتاہی نہ کریں یہاں کل

شیء ء سے مراد ہر موجود چیز ہے۔ شہید یا شہود معنی حاضری سے بنا یا شہادت معنی گواہی سے یا مشاہدہ سے یعنی اللہ ہر چیز پر حاضر ہے یا ہر چیز پر گواہ ہے یا ہر چیز دیکھ رہا ہے۔ اگر تم نے تقسیم میراث وغیرہ میں ناجائز حرکت کی تو ہم دیکھ رہے ہیں تم کو سخت سزا دیں گے۔ چونکہ تقسیم میراث سے اصل حقوق کے حقوق وابستہ ہیں اس لئے اس طریقہ سے دھمکایا گیا۔

خلاصہ ء تفسیر : اس آیت کریمہ کی چھ تفسیریں ہو سکتی ہیں۔ جیسا کہ اشارۃ" تفسیر میں عرض کیا گیا ہم صرف ایک تفسیر عرض کرتے ہیں۔ اے مسلمانو! ہم نے ہر شخص یا ہر قوم یا ہر مال کے لئے وارث مقرر کئے ہیں جو اپنے ماں باپ اور دیگر قریبی رشتہ داروں کے چھوڑے ہوئے مال سے میراث لیں گے۔ اور اے مسلمانو! تم میں سے جو غیر معلوم النسب لاوارث کسی سے حلفیہ عقد موالات باندھ لے اور اس سے کہہ دے کہ میرے بعد میرے مال کا تو وارث ہے تو لازم ہے کہ حسب وعدہ اس کا حصہ اسے ضرور دیدے یا اس طرح کہ اس کے بعد مسلمان اسے اس میت کا متروکہ مال دے دیں یا اس طرح کہ یہ خود کسی صورت سے اسے محروم کرنے کی کوشش نہ کرے اپنے عہد پر قائم رہے۔ خیال رکھو تقسیم میراث کا مسئلہ نہایت ہی نازک و اہم ہے۔ جس سے بہت سے حقوق العباد وابستہ ہیں۔ اس میں کسی قسم کی گڑ بڑ نہ کرنا۔ یاد رکھو کہ ہم ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ تمہارے تمام حالات خصوصاً" تقسیم میراث ہماری نظر میں ہے۔ اگر تم نے اس میں کمی بیشی کی یا کسی کو ناحق محروم کیا تو تم کو سخت سزا دیں گے۔ خیال رہے کہ اسلامی میراث جاری ہونے میں تین شرطیں وارث میں ہونی چاہئیں اور دو شرطیں مال میں اور ایک شرط مورث میں۔ وارث اپنے مورث کا قاتل نہ ہو' غلام نہ ہو' کافر نہ ہو' مال میراث میت کا مملوکہ بھی ہو اور متروکہ بھی۔ مورث اپنے وارث کا رشتہ دار ہو۔ رشتہ مسرال میں صرف زوجین ہیں اور دودھ کے رشتہ میں کوئی وارث نہیں۔ رشتہ نسب میں بہت تفصیل ہے والدین سب سے مقدم پھر دوسرے رشتہ دار اس آیتہ کریمہ میں ان سب کی طرف اشارہ موجود ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: میراث کے احکام تمام دینوں میں رہے صرف اسلام کی خصوصیت نہیں۔ اگرچہ طریقہ تقسیم میں کچھ فرق ہو جیسا کہ و لکل کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: مسائل میراث قیاس سے ثابت نہیں ہو سکتے اس کے لئے قرآن یا حدیث کا جزئیہ ملنا ضروری ہے۔ جیسا کہ جعلنا سے معلوم ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی رب ہی کا فرمان ہے۔ تیسرا فائدہ: میت کا سارا متروکہ مال میراث میں تقسیم نہ ہو گا بلکہ اس مال سے پہلے کفن دفن پھر اداء قرض۔ پھر اجراء وصیت ہو گا' پھر تقسیم میراث جیسا کہ مما کے من تبعیضیہ سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: کسی ذی فرض وارث کا حصہ کل مال نہیں ہو سکتا ہے بلکہ بعض مال میں ہو گا۔ یہ بھی مما کے من سے معلوم ہوا۔ بعض صورتوں میں ضرورۃ" رد ہو کر کل مال ایک وارث کو دے دیا جاتا ہے۔ یہ اس کا حصہ نہیں بلکہ ضرورت پوری کرنے کے لئے ہے۔ پانچواں فائدہ: میراث میں صرف وہ مال تقسیم ہو سکے گا جو میت پس مرگ چھوڑ جائے۔ ہر شخص زندگی میں اپنے مال کا پورا پورا مالک ہے۔ جس طرح چاہے تصرف کرے جیسا کہ ترک سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: میت کے صرف اپنے مملوکہ مقبوضہ متروکہ مال میں میراث جاری ہو گی۔ امانت' قرض' غصب وغیرہ غیر مملوکہ مال میں میراث جاری نہ ہو گی' بلکہ یہ سارا مال اس کے مالک یا اس کے وارثوں کو واپس کیا جائے گا۔ اگر پتہ نہ لگے تو اس کے نام پر صدقہ کر دیا جائے گا۔ یہ فائدہ

بھی ترک سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: ماں باپ اور اولاد یعنی بیٹا بیٹی کبھی محجوب و محروم نہیں ہو سکتے انہیں ضرور میراث ملے گی جیساکہ **الوالدان** فرمانے سے معلوم ہوا کہ ان کا ذکر مستقل طور پر علیحدہ فرمایا گیا۔ اگرچہ **اقربون** میں یہ بھی داخل تھے۔ آٹھواں فائدہ: سوتیلے ماں باپ کو میراث نہیں مل سکتی کیونکہ اس بچہ کے جننے والے نہیں جیساکہ **الوالدان** سے معلوم ہوا۔ اس لئے یہاں ابوان نہ فرمایا کہ سوتیلے ماں باپ کو بھی اب و ام کہہ دیا جاتا ہے۔ نواں فائدہ: چچا کے ہوتے یتیم پوتا پوتی خالہ کے ہوتے یتیم نواسا نواسی میراث نہیں پاسکتے جیساکہ **الاقربون** تفضیل کا صیغہ فرمانے سے معلوم ہوا کیونکہ دادا اپنے بیٹے کا قریب تر عزیز ہے مگر پوتے کا بعید عزیز اور اس آیت کی رو سے اقرب یعنی قریب تر کی میراث ملتی ہے نہ کہ بعید عزیز کی۔ اس لئے الوالدان کو خصوصیت سے علیحدہ بیان فرمایا اور **والدان** فرمایا امہات یا آباء نہ فرمایا کہ آباء و امہات میں دادیاں نانیاں نانا سب داخل ہوتے ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **حرمت علیکم امھتکم**۔ دیکھو امہات میں مائیں' دادیاں نانیاں سب داخل ہیں ان سب سے نکاح حرام ہے۔ دسواں فائدہ: مولیٰ موالات جس کے معنی ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے وہ بھی میراث پاسکتا ہے۔ بشرطیکہ دوسرے عزیز قرابت دار موجود نہ ہوں جیساکہ **والذین عقدت** الخ سے معلوم ہوا۔ مسئلہ: جس نو مسلم کا کوئی وارث نہ ہو۔ مولیٰ موالات بھی نہ ہو۔ اس کا مال احناف کے ہاں اس کو ملے گا جس کے ہاتھ پر یہ مسلمان ہوا ہو مگر شوافع کے ہاں اس کی بستی والوں میں تقسیم کیا جائے گا (احکام القرآن' تفسیر کبیر)۔ گیارہواں فائدہ: میراث کی تقسیم بہت اہم ہے اس میں بہت احتیاط چاہیے۔ جیساکہ شہیداً کی تفسیر سے معلوم ہوا نہ غیر مستحق کو دیا جائے نہ مستحق کو چھوڑا جائے۔ بارہواں فائدہ: قرآن مجید کے عام احکام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا داخل ہونا ضروری نہیں دیکھو لکل **جعلنا** میں میراث کا حکم عام ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے علیحدہ ہیں۔ آپ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ آپ کا مولیٰ یعنی وارث کوئی نہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ میراث کے احکام صرف قرآن سے ثابت ہونے چاہئیں اس کے لئے حدیث معتبر نہیں۔ دیکھو رب نے فرمایا۔ **و لکل جعلنا موالی** وارث ہم نے خود مقرر فرمائے پھر تم احادیث سے میراث کے حصے کیوں ثابت کرتے ہو (چکڑالوی)۔ جواب: فرمان حدیث فرمان قرآن ہے' احکام رسول' احکام الٰہی ہیں۔ **جعلنا** ان دونوں کو شامل ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **و من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** اس کی تفصیل ہماری کتاب ایک اسلام میں دیکھو۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ چچا کے ہوتے ہوئے یتیم پوتا پوتی بھی وارث ہوں گے کیونکہ **الوالدان** میں ماں باپ' دادا دادی سب داخل ہیں یعنی جو بھی ماں باپ یا دادا دادی چھوڑیں ان کے وارث بیٹے پوتے سب ہیں دیکھو **حرمت علیکم امھاتکم** میں مائیں دادیاں سب داخل ہیں۔ سب ہی سے نکاح حرام ہے (چکڑالوی)۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر نانا نانی بھی والدین میں داخل ہونے چاہئیں اور بیٹے بیٹی کے ہوتے ہوئے یتیم نواسے نواسی کو بھی میراث ملنی چاہیے مگر آپ اس کے قائل نہیں۔ آپ صرف یتیم پوتے پر مہربان ہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ قرآن کریم میں والدین صرف سگے ماں باپ کو کہا جاتا ہے۔ جس میں نہ سوتیلے ماں باپ داخل ہوتے ہیں نہ دادا دادی نہ نانا نانی۔ رب فرماتا ہے۔ **والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین**۔ مائیں اپنی اولاد کو کامل دو سال

دودھ پلائیں - یہ دودھ پلانا نہ سوتیلی ماں باپ کے ذمہ ہے نہ دادی نانی کے ذمہ - مگر لفظ اب و ام میں یہ تمام داخل ہوتے ہیں بلکہ ان لفظوں میں دودھ کی ماں - نبی پاک کی ازواج تک داخل ہو جاتی ہیں - فرماتا ہے - **امھا تکم التی ارضعنکم** دیکھو یہاں دودھ والی کو بھی ماں فرمایا گیا اور فرماتا ہے - **و ازواجہ امھا تھم** یہاں حضور کی ازواج کو مسلمانوں کی مائیں فرمایا گیا - فرماتا ہے **حرمت علیکم امھتکم** یہاں ماں' دادی' نانی سب کو امہات فرمایا یہ اب اور والد میں فرق ہے - یہاں چونکہ والدان فرمایا گیا ہے لہذا اس میں صرف سگے ماں باپ داخل ہیں - دادا' نانا' اقربون میں داخل کئے گئے - **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کی میراث بھی تقسیم ہونی چاہئے - پھر فاطمہ زہرا کو حضور کی میراث کیوں نہ ملی دیکھو ارشاد ہوا - **و لکل جعلنا موالی** - ہم نے ہر ایک کے لئے وارث مقرر کئے' ہر ایک میں نبی بھی شامل ہیں - (شیعہ) - **جواب:** اس کے بھی دو جواب ہیں - ایک الزامی دوسرا تحقیقی - **جواب الزامی** تو یہ ہے کہ یہ اعتراض ہم پر نہیں بلکہ جناب علی مرتضیٰ پر ہے کہ ان سرکار نے نہ تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر اس مسئلہ میں اعتراض کیا نہ اپنے زمانہ خلافت میں حضور کی میراث تقسیم کی کیا ان کے سامنے یہ آیت نہ تھی؟ کیا آپ قرآن مجید کو ان سے زیادہ سمجھتے ہیں - نیز باغ فدک وغیرہ پر تو پیچھے سوال ہوگا - پہلا سوال یہ ہوگا کہ پھر روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ناجائز ہو گیا کیونکہ پھر تو حضور کے متروکہ مکان آپ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ زہرا ازواج پاک و حضرت عباس وغیرہ کے مملوک تھے - ان مملوکہ مکانوں میں حضور کو دفن کر کے انہیں موقوفہ کیوں کر دیا گیا اور جناب علی یہ سب کچھ دیکھتے رہے کفن دفن میں شریک رہے مگر کوئی اعتراض نہ فرمایا - **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ قرآن مجید کے احکام میں خصوصیات ضرور ہوتی ہیں - دیکھو نماز کے حکم سے بچے دیوانہ ناپاک عورت خارج ہیں - زکوٰۃ کے حکم سے غرباء مساکین خارج ہیں جمعہ کے حکم سے بیمار اور دیہاتی لوگ خارج ہیں - ایسے ہی میراث کے حکم سے حضرات انبیاء کرام بحکم قرآن و حدیث خارج ہیں - رب فرماتا ہے - ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا - مگر حضرت آدم و عیسیٰ علیہما السلام اس قاعدے سے علیحدہ ہیں - حضرات انبیاء کرام کا مال میراث میں نہیں تقسیم ہوتا ان کے اعمال و کمال تقسیم ہوتے ہیں - رب فرماتا ہے - **و ورث سلیمن داود و قال یایھا الناس علمنا منطق الطیر** - دیکھو حضرت سلیمان کو جناب داؤد علیہ السلام کی میراث علم ملا - ورنہ آپ کے گیارہ بیٹے اور بھی تھے ان کا ذکر کیوں نہ ہوا' اگر میراث مال تقسیم ہوتی تو بارہ بیٹوں کو برابر ملتی -

تفسیر صوفیانہ : عوام کا مال میراث میں تقسیم ہوتا ہے - خواص کے اعمال مقربین کے کمال تقسیم ہوتے ہیں - محبوبین کے احوال' مال کی میراث جسمانی رشتہ سے ملتی ہے مگر اعمال و کمال و احوال کی میراث روحانی و جنانی رشتہ سے ملتی ہے - ماں باپ تو جسمانی والدین ہیں اور حضرات اولیاء و انبیاء روحانی والدین - فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے ہر مال و اعمال کمال و احوال والوں کے لئے ان کے وارثین پیدا فرما دیئے ہیں جو اپنے جسمانی' روحانی' جنانی آباء و اجداد و اقارب کے چھوڑتے ہوئے مال و کمال و احوال سے حصہ لیتے ہیں - اے حضرات اولیاء تم اپنے کمالات صرف روحانی اولاد اپنے مریدوں ہی کو نہ دو - بلکہ جن غیر مریدوں سے تم نے عقد موالات جوڑا ہے - انہیں بھی اپنے کمال سے کچھ حصہ دے دو کہ تم اللہ کی رحمتوں کے خزانہ ہو - تمہارے ہاں اللہ کی رحمتوں کے ڈپو کھلے ہوئے ہیں تم سے کوئی محروم نہ جائے - غنی کے مال میں بھکاریوں' فقیروں کا حصہ ہے - تمہارے کمال و

احوال میں بھی قریبی بعیدی لوگوں کا حصہ چاہیے۔ اسی لئے بزرگان دین اپنی قبر کے زائرین کو محروم نہیں لوٹاتے انہیں بھی کچھ نہ کچھ دے ہی دیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا۔

ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اٹھتے ہوں گے — اب تو غنی کے در پر بستر جما دیئے ہیں

حضرت مولانا روم فرماتے ہیں۔

عارفانکہ جام حق نوشیدہ اند — رازہا دانستہ و پوشیدہ اند
ہر کرا اسرار کار آموختند — مہر کردند و دہانش دوختند
ہر لبش قفل است در دل رازہا — لب خموش و دل پر از آوازہا
گوش آں کش نوشد اسرار جلال — کوچو سوسن صد زبان افتد لال
تانگوئی سر سلطان راز کس — تانریزی قند را پیش مگس
درخور دریا نہ شد جز مرغ آب — فہم کن واللہ اعلم بالصواب

غرضیکہ مورثین بھی مختلف ہیں‘ وارثین بھی مختلف‘ اگر وارثین کمال بننا ہے تو محبوبین سے رشتہ غلامی جوڑو۔ یہ لوگ کبھی نہیں دیتے ہیں۔ وارثت مال قرابت سے ملتی ہے اور وراثت کمال قرب سے‘ قرابت جسمانی رشتہ کا نام ہے اور قرب رشتہ روحانی ہے‘ قرابت تو موت سے ختم ہو جاتی ہے مگر قرب موت سے ختم نہیں ہوتا۔ قرب جانوروں‘ پتھروں‘ لکڑیوں کو بھی پہنچ جاتا ہے۔ اصحاب کہف کا کتا قرب اولیاء سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اچھوں سے قرب پیدا کرو۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَہُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ

مرد حاکم ہیں اوپر عورتوں کے اس لئے کہ بزرگی دی اللہ نے ان کے بعض کو اوپر بعض کے اور اس لئے کہ

مرد افسر ہیں عورتوں پر اس لئے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس لئے

اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِہِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ ؕ

خرچ کیا مردوں نے اپنے مالوں سے تو نیک بیبیاں اطاعت والی حفاظت کرنے والی ہیں غیب میں اس لئے

کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کئے تو نیک بخت ادب والیاں ہیں خاوند کے پیچھے حفاظت رکھتی ہیں

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَہُنَّ فَعِظُوْہُنَّ وَاہْجُرُوْہُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْ

کہ حفاظت کی اللہ نے اور وہ بیویاں کہ خوف کرتے ہو تم ان کی نافرمانی کا تو نصیحت کرو انہیں اور چھوڑ دو انہیں خوابگاہوں

جس طرح اللہ نے حفاظت کا حکم دیا اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور ان سے الگ سوؤ اور

ہُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْہِنَّ سَبِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا ﴿۳۴﴾

میں اور مارو انکو پس اگر اطاعت کرلیں وہ تمہاری تو نہ تلاش کرو ان پر راستہ بیشک اللہ ہے بڑائی بلندی والا

انہیں مارو پھر اگر وہ تمہارے حکم میں آ جائیں تو ان پر زیادتی نہ کرو بے شک اللہ بڑا بلند ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ نے بعض بندوں کو بعض پر بزرگی دی ہے۔ اب اس بزرگی کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ مردوں کو عورتوں پر بزرگی دی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اے بندو! تم دوسروں کی بزرگی دیکھ کر حسد نہ کرو' اب اس آیت میں اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ جس کو رب نے بزرگی دی اس میں کوئی حکمت ہے لہٰذا نہ حسد کرو۔ نہ رب تعالیٰ پر اعتراض کرو۔ دیکھو ہم نے مردوں کو عورتوں سے افضل کیا تو اس کی وجوہ یہ ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم نے ہر قوم' ہر شخص کے وارث مقرر فرمائے' اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ وارث یکساں نہیں۔ بعض' بعض سے افضل اور زیادہ میراث کے مستحق ہیں' دیکھو عموماً" مرد عورت سے زیادہ میراث پاتا ہے۔

شان نزول : سعد ابن ربیع جو انصار کے نقیب تھے۔ ایک بار ان کی بیوی حبیبہ بنت زید ابن زہیر نے کچھ ان کی نافرمانی کی۔ انہوں نے ناراض ہو کر ایک طمانچہ مار دیا۔ حبیبہ کے والد زید ابن زہیر اپنی ان بیٹی کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ میں نے اپنی محبوبہ بچی سعد کے نکاح میں دی۔ انہوں نے اس کے طمانچہ مارا ہے۔ قصاص دلوایا جائے۔ حضور نے قصاص لینے کی اجازت دیدی کہ حبیبہ بھی اپنے خاوند کو تھپڑ کے بدلہ تھپڑ مار لیں۔ یہ اس ارادے سے چلیں کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضور نے انہیں واپس بلا کر یہ آیت سنائی اور فرمایا کہ بیوی خاوند سے تھپڑ وغیرہ کا قصاص نہیں لے سکتی۔ یہ بھی فرمایا کہ ہم نے کچھ چاہا تھا رب تعالیٰ نے کچھ اور چاہا اللہ تعالیٰ کا چاہا ہمارے چاہے سے افضل ہے۔ (تفسیر خازن' بیضاوی' روح البیان' معانی تفسیر کبیر وغیرہ) بعض روایات میں ہے کہ سعد کی بیوی محمد ابن مسلمہ کی بیٹی تھیں۔ بعض روایات میں ہے کہ آیت کریمہ جمیلہ بنت عبداللہ ابن ابی کے متعلق نازل ہوئی جو ثابت ابن قیس کی بیٹی تھیں۔ مگر ان روایات میں کچھ تعارض نہیں یہ واقعات بیک وقت ہوئے ہوں گے۔ ان پر آیت کریمہ نازل ہوئی لہٰذا تمام روایات درست ہیں۔

تفسیر : **الرجال قومون علی النساء**۔ خیال رہے کہ **الرجال** اور **النساء** میں الف لام جنسی ہے نہ کہ استغراقی رجال رجل کی جمع ہے' بمعنی مرد اگرچہ قرآن مجید میں جنات مردوں کو بھی رجال فرمایا گیا ہے۔ **کانوا یعوذون برجال من الجن**۔ مگر مطلق رجال انسان مردوں کو کہا جاتا ہے جنات مردوں کے لئے ساتھ میں۔ **من الجن** فرمایا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **الا رجالا" نوحی الیھم** حالانکہ نبی ہمیشہ مرد انسان ہوئے کوئی جن میں نہیں ہوا۔ لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ یہاں انسان مرد مراد ہیں۔ خیال رہے کہ ذکر و انثی یعنی نر مادہ ہر چیز میں ہیں حتی کہ جانوروں' درختوں اور پتھروں میں بھی رب فرماتا ہے۔ **و من کل شیء خلقنا زوجین** مگر رجل و امراۃ یعنی مرد و عورت صرف جن و انس میں ہیں۔ رجل یعنی مرد امرء یعنی عورت سے افضل ہے۔ مگر ہر ذکر یعنی نر اپنی مادہ سے افضل نہیں۔ بعض جانوروں میں مادہ نر سے افضل ہے جیسے اونٹنی اور بھینس اونٹ اور بھینسے سے افضل ہے۔ اس لئے یہاں **الرجال** ارشاد ہوا۔ **قومون** قوام کی جمع ہے۔ اور قیام قوام کا مبالغہ ہے۔ قیام بمعنی انتظام یا روزی مہیا کرنا اس لئے منتظم اور سردار کو قیم کہا جاتا ہے۔ یعنی قوم کے کاموں کا منتظم۔ النساء یا تو امراۃ کی جمع ہے خلاف قیاس اور یا اس کا کوئی واحد ہے ہی نہیں۔ یعنی مرد عورتوں کے منتظم امور' محافظ' افسر یا حاکم ہیں۔ ضروری ہے کہ

الرجال سے مراد خاوند ہوں اور النساء سے مراد بیویاں۔ کیونکہ خاوند ہی اپنی بیویوں کے حاکم ہوتے ہیں نہ کہ بیٹے ماؤں کے ' نہ بھائی اپنی بہنوں کے ' نہ اجنبی لوگ اجنبی عورتوں کے۔ اگلے مضمون سے یہی معلوم ہو رہا ہے ' **بما فضل اللہ بعضہم علی بعض** رب نے خاوندوں کی سرداری کی دو وجہ بیان فرمائیں۔ ایک وہبی و عطائی ' دوسری کسبی۔ عطائی وجہ کا ذکر اس عبارت میں ہے۔ کسبی وجہ کا ذکر اگلی عبارت میں۔ لہذا ب سببیہ ہے اور جار مجرور قوامون کے متعلق چونکہ وہبی و عطائی فضیلت کسبی فضیلت سے اعلیٰ۔ نیز وہبی فضیلت تمام خاوندوں کو حاصل ہے مگر کسبی فضیلت بعض خاوندوں کو حاصل نہیں ہوتی۔ جیسے لونڈی 'بیوی کا خرچہ و مہر غلام خاوند کے مولیٰ کے ذمہ ہوتا ہے۔ بعض سسر گھر داماد رکھ کر سارا خرچہ زوجین کا خود اٹھاتے ہیں۔ جیسے حضرت شعیب علیہ السلام۔ ان وجوہ سے وہبی فضیلت کا ذکر پہلے فرمایا۔ ما یا تو موصولہ ہے یا مصدریہ فضل تفضیل سے بنا بمعنی زیادتی ' بنا بزرگی ' بنا یہاں زیادتی سے مراد زیادتی درجات ہیں۔ **بعضہم** کی ضمیر کا مرجع مرد عورتیں دونوں ہیں۔ جن کا ذکر ابھی ہو چکا ' چونکہ مرد اشرف ہیں اس لئے تغلیبا" مذکر ضمیر لائی گئی۔ بعضہم سے مراد مرد ہیں اور علی بعض سے مراد عورتیں یعنی مردوں کی سرداری کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے قدرتی طور پر مردوں کو عورتوں پر بزرگی بخشی کہ خاوند کو بیوی کا حاکم سردار بنایا چنانچہ امامت صغریٰ نماز کی امامت امامتہ الکبریٰ خلافت اذان خطبہ 'جمعہ تکبیرات ' تشریق نبوت ' قضا ' جہاد کمال عقل کمال دین مردوں کو بخشے۔ مرد کو طلاق کا حق دیا۔ مرد کی میراث عموما" عورتوں سے دوگنا رکھی۔ مرد کو چار بیویوں کی اجازت دی۔ بشرطیکہ عدل رکھیں۔ بچہ کا نسب مرد سے جاری فرمایا وغیرہ وغیرہ۔ داڑھی 'عمامہ ' اچکن وغیرہ مردوں کے لئے زینت قرار دیا۔ یہ وہ بزرگیاں ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ فضل ' ماضی فرمانے سے معلوم ہوا کہ مردوں کو عورتوں پر بزرگی ازل میں دی جا چکی ہے۔ یہ تفضیل کا مطلق قانون آسمان زمین کی پیدائش سے پہلے بن چکا ہے اور فضل باب تفعیل نے بتایا کہ مردوں کو عورتوں پر بہت قسم کی صدہا بزرگیاں عطا ہوئی ہیں۔ **و بما انفقوا من اموالہم** یہ مردوں کی افضلیت کی دوسری وجہ ہے جو کسبی ہے۔ اور یہ عبارت **بما فضل اللہ** پر معطوف ہے۔ **انفقوا** انفاق سے بنا جس کا مادہ نفقہ بمعنی خرچہ ہے۔ اس خرچہ سے مراد یا مہر ہے جو مرد کے ذمہ ہوتا ہے۔ یا بیوی کا روٹی ' کپڑا اور دیگر ضروریات جو مرد کے ذمہ ہیں اس لئے اموال جمع فرمایا گیا' کیونکہ مرد عورت کو ہر قسم کا مال دیتا ہے۔ کھانا ' کپڑا ' مکان بلکہ بیماری میں دوا ' پھر بعد موت کفن دفن مرد ہی کرتا ہے۔ یعنی مرد بیوی کے اس لئے بھی افضل کہ یہ اپنے مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں۔ **انفقوا** ماضی دوام و استمرار کے لئے ہے کیونکہ مرد ہمیشہ خرچ کرتا ہی رہتا ہے۔ **فالصلحت قنتت حفظت للغیب** مردوں کی دو وجہ افضیلت بیان فرما کر ارشاد ہوا کہ بیویاں دو قسم کی ہیں صالحات اور ناشزات چونکہ صالحہ بیوی ناشزہ نافرمان بیوی سے افضل ہے ' اس لئے پہلے اس کا ذکر فرمایا اس میں ف تفصیل کی ہے صالحات سے مراد یا نیک کار بیویاں ہیں یا نیک بخت بیویاں ' نیک کار و نیک بخت عورتیں بہت سی قسم و مختلف درجہ والی ہیں اس کی طرف اشارہ فرمانے کے لئے جمع کا صیغہ ارشاد ہوا۔ قانتات قنوت سے بنا بمعنی اطاعت ' رب فرماتا ہے **و قوموا للہ قانتین** اور فرماتا ہے **یمریم اقنتی لربک** یہاں ظاہر یہ ہے کہ قنوت سے مراد اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے۔ بعض نے فرمایا کہ **صالحات** میں اللہ کی اطاعت کا ذکر ہے اور قانتات میں خاوند کی اطاعت کا تذکرہ ہے خاوند کی موجودگی میں اور حافظات سے خاوند کی غیر موجودگی میں اطاعت کا ذکر ہے مگر پہلی توجیہ قوی ہے (از تفسیر کبیر) اور ممکن ہے کہ صالحات صلاحیت سے بنا ہو

بمعنی لیاقت و قابلیت یعنی مسلمان صالحین کے گھروں میں رہنے ان کے نکاح میں آنے کے لائق وہ بیویاں ہیں جو خاوند کی مطیع وغیرہ ہوں۔ **حفظت للغیب** میں **حافظات** کا مفعول پوشیدہ ہے اپنی عصمت یا خاوند کا مال اس کی عزت اس کی اولاد وغیرہ للغیب میں لام یا تعدیہ کا ہے یا بمعنی فی یا بمعنی حافظات کا مفعول ہے یعنی نیک بخت بیویاں وہ ہیں جو خاوند کی اطاعت کریں اور اس کے پس پشت اپنی پاکدامنی یا خاوند کے مال اولاد و عہد وغیرہ کی حفاظت کریں یا خاوند کے چھپے اسرار کی حفاظت کریں (تفسیر کبیر و معانی و خازن)۔ **بما حفظ اللہ** ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت حافظات کے متعلق ہے ما یا موصولہ ہے یا مصدریہ حفظ کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی اس کے شکریہ میں وہ عورتیں یہ نیکیاں کرتی ہیں کہ اللہ تعالٰی نے ان کی یا ان کے حقوق کی بہت حفاظت فرمائی کہ ان پر پردہ فرض فرما کر انہیں ناجائز نگاہوں سے بچالیا ان کا مہر' خرچہ' خاوند کے ذمہ مقرر فرما کر انہیں کمانے کی مشقت سے بچالیا ان کے بہت سے حقوق خاوندوں کے ذمہ کر دیئے یا انہیں عصمت کی توفیق دے کر ان کی حفاظت فرما دی یا اس طرح خاوند کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں جیسے رب تعالٰی نے انہیں حکم دیا' آخری توجیہ کی طرف حضرت مترجم قدس سرہ کا ترجمہ مشیر ہے۔ یہاں تک تو فرمانبردار نیک بخت بیویوں کا ذکر ہوا اب نافرمان بیوی کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ **والتی تخافون نشوزھن۔ تخافون** میں خطاب خاوندوں سے ہے جیسے کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے۔ **نشوز** کے معنی ہیں اٹھنا۔ رب فرماتا ہے۔ **و اذا قیل انشزوا فا نشزوا** زوجہ کی نافرمانی کو نشوز اس لئے کہتے ہیں کہ وہ مرد کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی ہے یا نشز کے معنی ہیں بلند جگہ زوجہ کی نافرمانی کو نشوز اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے کو خاوند کی برابر اونچا سمجھنے لگتی ہے۔ اس لئے اس کی اطاعت نہیں کرتی۔ مقابلہ کرتی ہے۔ یعنی اے خاوندو جب تمہیں علامات سے پتہ لگے کہ بیوی نافرمان ہوتی جا رہی ہے تو **فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن۔** ف جزائیہ ہے عظوا وعظ سے بنا بمعنی نصیحت کرنا ہجرا وہجر سے بنا بمعنی چھوڑ دینا مضاجع جمع ہے مضجع کی بمعنی خوابگاہ بستر چارپائی وغیرہ۔ ضرب یعنی مار میں قید یہ ہے کہ سخت تکلیف دہ مار نہ مارے بعض نے فرمایا رومال کا کوڑا بنا کر مارے۔ بعض نے کہا مسواک سے مارے' بعض نے فرمایا کہ تیلی سے مارے مگر تین سے زیادہ نہ مارے منہ پر چھڑی نہ مارے اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ مارنے میں جلدی نہ کرے پہلے نصیحت کرے۔ جب اس سے کام نہ چلے تو اسے گھر سے نہ نکالے بلکہ گھر ہی میں رکھ کر اس کا بائیکاٹ کر دے۔ بول چال بند کر دے۔ اگر اس پر بھی درست نہ ہو تو آخری حربہ مارے۔ بعض نے فرمایا کہ تھوڑے قصور پر نصیحت کرو' بڑے قصور پر ترک کلام اور بالکل نافرمانی پر سزا مگر یہ سزا اصلاح کے لئے ہو نہ کہ عداوت کی بنا پر۔ خیال رہے کہ قرآن کریم نے جہاں ایذاء کی مار کا حکم دیا ہے وہاں مارنے کے آلہ اور مارنے کی حد بتادی ہے کہ کنوارے زانی کو سو کوڑے مارو' یا عفیفہ عورت کو زنا کی تہمت لگانے پر اسی کوڑے مارو۔ اور اصلاح کی مار کی اجازت دی ہے وہاں یہ دونوں چیزیں نہ بتائیں کہ کس چیز سے مارو اور کتنا مارو یہاں ان بیویوں کو مارنے کا حکم نہیں بلکہ اجازت ہے اور مار بھی ایذا کی نہیں اصلاح کی ہے' اس لئے کوڑے وغیرہ کا ذکر نہیں' تعداد مقرر نہیں۔ **فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا** " ف تعقیبیہ ہے **لا تبغوا** بغی یبغی سے بنا بمعنی ڈھونڈھنا تلاش کرنا چاہنا' سبیل سے مراد ہے مار پیٹ کا بہانہ یعنی اگر ان مذکورہ تین علاجوں میں سے کسی ذریعہ وہ نافرمانی چھوڑ دیں' اطاعت کرلیں تو خواہ مخواہ ان پر ظلم کرنے کے بہانے نہ ڈھونڈھو بلکہ ان کے حقوق ادا کرو۔ **ان اللہ کان علیا " کبیرا "** ۔ یہ جملہ خاوندوں کو

سمجھانے کے لئے ہے۔ علی علو سے بنا بمعنی بلندی مراتب۔ کبیر کبر سے بنا بمعنی بڑائی درجات یا کبیر علیا کی صفت ہے۔ یعنی تم اللہ تعالیٰ کے ہزارہا گناہ کرتے ہو رب تعالیٰ تم پر قادر بھی ہے تمہارے عیوب سے خبردار بھی مگر پھر بھی وہ تم پر کرم نوازی فرماتا ہے۔ تمہارے عیب چھپاتا ہے۔ تو تم بھی اپنی خطاکار بیویوں کو معاف دو۔

خلاصہ ء تفسیر : مرد یا خاوند عورتوں یا بیویوں کے افسر حاکم مقرر کئے گئے ہیں بیویاں ان کی ماتحت اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر بزرگی دی ہے کہ نبوت خلافت قضاء حدود میں گواہی' جہاد وغیرہ مردوں کو ہی بخشے انہیں کامل عقل' کامل دین بنایا' عورتوں کی عقل' ناقص رکھی' دین بھی کہ مالی معاملات میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر قرار دی' عورتیں بحالت حیض و نفاس نماز' تلاوت قرآن' روزے وغیرہ سے محروم' مرد یہ کام ہمیشہ کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مردوں نے عورتوں پر مال خرچ کئے ہیں' کہ عورت کا مہر' خرچہ' کفن' دفن' خاوند کے ذمہ ہے۔ مرد کا مہر خرچہ وغیرہ عورت کے ذمہ نہیں' اور قاعدہ ہے کہ خرچ دینے والا خرچ لینے والا کا حاکم ہوتا ہے' پس نیک کار نیک بخت بیویاں اپنے رب کی مطیع ہوتی ہیں خاوند کی پس پشت حفاظت کرتی ہیں کہ اپنی عصمت خاوند کا مال اولاد وغیرہ ضائع نہیں کرتیں۔ کیونکہ وہ سمجھتی ہیں کہ رب تعالیٰ نے ہر طرح ان کی حفاظت فرمائی ان پر پردہ فرض فرما کر ان کی عزت و عصمت محفوظ کر دی خاوند کے ذمہ ان کا خرچہ وغیرہ مقرر فرما کر انہیں در بدر پھرنے سے بچایا کہ کمائیں مرد کھائیں اور خرچ کریں عورتیں۔ ان کے متعلق خاوندوں کو بہت ہدایتیں فرما دیں اس شکریہ میں ہماری اطاعت خاوندوں کی فرمانبرداری کرتی ہیں۔ جن بیویوں کی نافرمانی کا تم کو خطرہ ہو تو فوراً" طلاق کا ارادہ نہ کرلو' بلکہ اولاً" انہیں سمجھاؤ اس پر بھی باز نہ آئیں تو انہیں گھر میں رکھتے ہوئے ان سے کلام سلام' پیار محبت وغیرہ چھوڑ دو' اس پر بھی باز نہ آئیں تو انہیں اصلاح کی غرض سے معمولی مار مارو مگر اطاعت کر لینے پر ان پر سختی کے لئے بہانے نہ تلاش کرو' بلکہ محبت و پیار سے برتاؤ کرو یہ جان لو کہ تم عورتوں کے حاکم ہو' اللہ تعالیٰ تمہارا حاکم تم پر قابو رکھنے والا ہے۔ جب وہ تمہاری خطائیں بخشتا ہے تو تم بھی اپنی ماتحتوں کے جرم بخشو۔ خیال رہے کسبی نعمت سے عطائی نعمت بہت افضل ہے۔ کنوئیں' نہر' دریا کے پانی سے بارش کا پانی بہت مفید۔ چراغ و بجلی سے سورج اعلیٰ ہے۔ فرشتے ساجد بنے اور حضرت آدم مسجود' حالانکہ فرشتے اس وقت لاکھوں سال کے عابد تھے۔ اور حضرت آدم نے ابھی ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا' ہم ہزار سال عبادت کرکے اس صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے جو ایک نظر حضور کو دیکھ کر فوت ہو گئے۔ شیطان عطائی و کسبی فضیلت کا فرق نہ کرنے کی وجہ سے مردود ہوا۔ وہ یہی کہتا رہا کہ میں ان سے افضل ہوں کہ لاکھوں سال کا عابد ہوں۔ اس لئے **بما فضل اللہ** پہلے ارشاد ہوا' جو عطائی بزرگی ہے۔ اور **بما انفقوا** بعد میں فرمایا گیا جو کسبی فضیلت ہے۔ آج جو لوگ اپنے اعمال ظاہری پر نازاں ہو کر حضرات انبیاء سے ہمسری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کی مت ماری گئی ہے۔ اس حماقت سے شیطان لعنتی ہوا تھا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** خاوند حاکم ہے' بیوی اس کی ماتحت' خاوند گھر کا بادشاہ ہے' بیوی اس کی وزیر۔ جیسا کہ **الرجال قوامون** سے معلوم ہوا۔ لہٰذا جو عورت و مرد کو برابر کہے یا عورت کو مرد سے افضل مانے وہ قرآن کا مقابلہ کرتا ہے آج یورپین اقوام نے عورت و مرد میں برابری کی ہے مگر انہیں جو مصیبتیں بھگتنا پڑ رہی ہیں۔ اسے خود ہی سہتے ہیں کہ سالانہ لاکھوں طلاقیں ہوتی ہیں۔ بات بات پر طلاق' گھر صحیح معنی میں آباد نہیں۔ ملک میں دو برابر کے حاکم نہ

چاہئیں' آسمان پر سورج ایک درخت کی جڑ ایک انسان کا دل 'ایک۔ تو چاہئے کہ گھر کا حاکم اعلیٰ بھی ایک ہی ہو۔ دوسرا فائدہ: خاوند بیوی کی مار کا قصاص نہیں 'بیوی بدلہ میں اسے سزا نہیں دے سکتی۔ جیسا کہ آیت کریمہ کے شان نزول سے معلوم ہوا۔ اگر بڑا غلطی سے بھی چھوٹے کو سزا دیدے تب بھی چھوٹا بدلہ نہیں لے سکتا۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون سے درجہ میں بڑے تھے آپ نے غلطی سے حضرت ہارون کی ڈاڑھی پکڑ کر اپنی طرف کھینچا بعد میں اپنی غلطی کا اقرار کیا۔ مگر بدلہ نہ دلوایا گیا۔ دیکھو قرآن مجید۔ تیسرا فائدہ: بیوی پر خاوند کا حق بہت ہی زیادہ ہے۔ دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ خاوند کے حق کا ذکر فرمایا کہ فرمایا **قنتت حافظات للغیب**' لہٰذا نیک بی بی وہ ہے جو اللہ کی عبادت کرے 'خاوند کی اطاعت بھی۔ چوتھا فائدہ: بیوی کا خرچہ خاوند کے ذمہ ہے جیسا کہ **بما انفقوا** سے معلوم ہوا۔ اب عورتوں سے نوکری کرا کر خود کھانا یا بیویوں کو ان کے خرچہ کا خود انہیں ذمہ دار بنانا فطرت کے بھی خلاف ہے۔ قانون اسلامی کے بھی مخالف آج کل یہ وبا بہت پھیلی ہوئی ہے اس لئے عورتوں کو بی اے وغیرہ بنایا جاتا ہے کہ کل بعد شادی خود نوکری کریں اور کھائیں۔ مشہور ہے کہ عورت کی کمائی میں برکت نہیں' مرد کے خرچ کرنے میں رحمت نہیں' مرد کمانے کے لئے ہے عورت خرچ کرنے کے لئے۔ پانچواں فائدہ: خرچ دینے والا' خرچ لینے والے سے افضل ہوتا ہے' یہ بھی **بما انفقوا** سے معلوم ہوا۔ نوکر سے آقا افضل ہے کیونکہ وہ اس سے تنخواہ لیتا ہے' آج جو لوگ عورت و مرد کی برابر کے قائل ہیں انہیں چاہئے کہ وہ بیویوں سے بھی خاوندوں کو مہر دلوایا کریں۔ لطیفہ: حضرت امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ خاوند کی طرف سے خرچ نہ مل سکنے پر حاکم فسخ نکاح کر سکتا ہے۔ وہ **بما انفقوا** سے یہ مسئلہ ثابت کرتے ہیں کیونکہ جب خاوند نے خرچ نہ دیا تو وہ عورت پر قوام نہ رہا اس لئے طلاق کا مالک بھی نہ رہا (تفسیر روح المعانی) مگر یہ استدلال بہت ہی کمزور ہے۔ کیونکہ مہر نہ دینے پر ان کے ہاں بھی نکاح فسخ نہیں ہو سکتا حالانکہ مہر و نفقہ دونوں ہی خاوند پر لازم ہیں۔ امام اعظم کے ہاں خرچ نہ ملنے پر فسخ نکاح نہیں ہو سکتا۔ خیال رہے کہ بیوی کو خرچہ نہ ملنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ خاوند خرچہ نہ دے سکے۔ غریبی یا غائب ہونے کی وجہ سے 'دوسرے یہ کہ دے سکتا ہو مگر نہ دے۔ ظلماً اسے فقہ میں تعنت فی النفقہ کہتے ہیں۔ امام مالک کے ہاں متعنت کی زوجہ بھی حاکم سے فسخ نکاح کرا سکتی ہے آج کل ہمارے علماء احناف بھی ضرورت کے وقت متعنت فی النفقہ کی عورت کو فسخ نکاح کا حق دے دیتے ہیں۔ دیکھو کتاب الحیلۃ الناجزہ مصنفہ مولانا اشرف علی تھانوی و کتاب مجموعہ فتاویٰ مصنفہ مولانا عبد الحفیظ صاحب مفتی آگرہ۔ مسئلہ: بعض ائمہ کے نزدیک خاوند بیوی کو مجور التصرف کر سکتا ہے۔ اس طرح کہ عورت بغیر خاوند کی اجازت کوئی مالی معاملہ بیع شراء وغیرہ اپنے مال میں بھی نہ کر سکے وہ یہ مسئلہ بھی **بما انفقوا** سے ثابت کرتے ہیں (روح المعانی)۔ چھٹا فائدہ: عورتوں پر اجنبی مردوں سے پردہ کرنا ضروری ہے جیسا کہ **بما حفظ اللہ** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: عورت کو بلا مجبوری گھر سے نکلنا ممنوع ہے جیسا کہ **بما حفظ اللہ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و قرن فی بیوتکن** اے بیویو! اپنے گھروں میں رہا کرو۔ آٹھواں فائدہ: عورتوں کے حقوق کا ادا کرنا اسلام کا اہم ترین فریضہ ہے جس کی پرسش رب تعالیٰ ضرور فرمائے گا۔ جیسا کہ **بما حفظ اللہ** کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: نافرمان عورت کو طلاق دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ حتی الامکان اس کی سخت مزاجی پر صبر کرے کہ اس پر بڑا اجر ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ

عورت کی پیدائش پسلی کے ٹیڑھے حصے سے ہے۔ یہ ٹیڑھی ہی رہے گی سیدھی نہ ہو سکے گی۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں ان کی اصلاح کی تین صورتیں بیان فرمائیں 'نصیحت کرنا' بائیکاٹ کرنا' مارنا مگر طلاق کا حکم نہ دیا۔ حتی الامکان بیوی سے نباہ کرنا چاہیے۔ دسواں فائدہ: بائیکاٹ یعنی کلام سلام بند کرنا بہترین اصلاح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب ابن مالک وغیرہم کے مکمل بائیکاٹ کا حکم دیا تھا جو پچاس دن رہا' مار پیٹ شور غل اچھی چیز نہیں خاموشی سے وہ کام نکلتے ہیں جو شور سے نہیں نکلتے۔ یہ فائدہ **واھجروھن** سے حاصل ہوا۔ گیارھواں فائدہ: نافرمان عورت کو گھر سے نہ نکالو کہ اس سے وہ آوارہ ہو جائے گی' بلکہ گھر میں رکھ کر اس کی اصلاح کرو جیسا کہ **فی المضاجع** سے معلوم ہوا۔ بارھواں فائدہ: نافرمانی پر بیوی کو خاوند مار سکتا ہے مگر اصلاح کی مار مارے نہ کہ ایذاء کی مار جیسے شاگرد کو استاد یا اولاد کو ماں باپ مارتے ہیں اصلاح کے لئے۔ یہ فائدہ **واضربوھن** سے حاصل ہوا۔ روح المعانی نے فرمایا کہ چار قصوروں پر خاوند بیوی کو مار سکتا ہے۔ خاوند عورت کی زینت چاہے وہ نہ کرے' خاوند اسے اپنے پاس بلائے وہ بلا وجہ نہ آئے۔ عورت نماز وغیرہ بلا عذر ترک کرے خلاف شرع کرے۔ عورت بغیر خاوند کی اجازت گھر سے باہر پھرے۔ تیرھواں فائدہ: بلا قصور بیوی کو مارنا سخت ممنوع ہے۔ جس کی پکڑ رب کے ہاں ضرور ہو گی۔ جیسا کہ **لا تبغوا** الخ سے معلوم ہوا۔ چودھواں فائدہ: مسلمان کو چاہئے کہ اخلاق اللہ اختیار کرے' مجرموں کو معاف دینا' قصوروالوں سے درگزر کرنا' توبہ کرنے پر گذشتہ خطاؤں کو یاد نہ کرنا۔ جیسا کہ **ان اللہ کان علیا کبیرا** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ غرض کہ یہ آیت کریمہ تدبیر منزل کی جامع آیت ہے اس پر عمل کرنے سے ہمارے گھر جنت کا نمونہ بن سکتے ہیں افسوس کہ قرآن کی تعلیم ہوتے ہوئے مسلمان خوار ہیں۔

وہ معزز تھے زمانہ میں مسلماں ہو کر اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

پہلا اعتراض: مردوں کو' حاکم عورتوں کو' محکوم قرار دینا ظلم ہے۔ مرد و عورت دونوں اللہ کے بندے ہیں۔ برابر ہونے چاہئیں۔ (موجودہ آزاد خیال)۔ جواب: جسم کے اعضاء برابر نہیں' آسمان کے تارے یکساں نہیں' درخت میں جزو شاخیں برابر نہیں۔ ملک میں بادشاہ اور رعایا برابر نہیں' امیر و غریب برابر نہیں' پھر عورت و مرد برابر کیسے ہو سکتے ہیں' فرق مراتب پر دنیا قائم ہے۔ عورت کو مرد کا وزیر بنایا گیا ہے' اس میں اس کی عزت ہے اسے ذلیل نہیں کیا گیا۔ قرآن مجید میں سورہ النساء تو ہے مگر الرجال نہیں اسلام نے عورت کو بہت ہی عزت دی جو اس کے لائق تھی۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اسلام میں مرد عورتوں سے افضل ہیں۔ تو کیا ہم جیسے گنہگار مرد حضرت عائشہ صدیقہ و حضرت فاطمہ جیسی عورتوں سے افضل ہیں۔ جواب: یہاں مردوں سے مراد خاوند ہیں عورتوں سے مراد بیویاں ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ و فاطمہ زہرہ جیسی ہستیوں کا تقابل اپنی ذات سے نہ کرو بلکہ کہو حضرت فاطمہ زہرہ سے حضرت علی مرتضیٰ افضل ہیں کہ ان کے خاوند ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل اور اگر یہاں رجال بمعنی مرد ہی ہوں تب بھی الرجال میں الف لام استغراقی نہیں بلکہ جنسی ہے لہذا آیتہ کے معنی یہ نہیں کہ سارے مرد ساری عورتوں سے افضل ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ماہیت مرد جولیت ماہیت عورتیت یعنی نسوانیت سے اعلیٰ و افضل ہے ماہیت و حقیقت کی افضلیت اور ہے افراد کی افضلیت کچھ اور مگر پہلا جواب قوی ہے۔ کیونکہ آیتہ کریمہ کے اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں خاوند اور بیوی کا ذکر ہے۔ مہر وغیرہ خاوند ہی دیتا

ہے۔ لہٰذا آیت کریمہ بالکل واضح ہے۔ **تیسرا اعتراض:** حضرت آسیہ مومنہ بیوی تھیں اور فرعون کافر ان کا خاوند۔ تو کہا جا سکتا ہے کہ فرعون کافر بی بی آسیہ سے افضل تھا۔ اب بھی بعض بیویاں صالحہ ہوتی ہیں اور خاوند فاسق و بدکار۔ **جواب:** خاوند اگرچہ فاسق بلکہ کافر ہو' بیوی اگرچہ مومنہ صالحہ ہو مگر دنیاوی احکام میں خاوند حاکم ہے۔ بیوی محکومہ' بیوی پر خاوند کے ہر جائز احکام ماننا لازم ہیں۔ ہماری شریعت میں تو کافر مرد کی عورت مومنہ ہو سکتی ہی نہیں اگر مرد کافر ہو جائے تو اس کی مومنہ بیوی اس کے نکاح سے خارج ہو جائے گی۔ جن شریعتوں میں کافر و مومن کے نکاح درست تھے ان میں بھی خاوند حاکم تھا بیوی محکومہ تھی رہی اخروی فضیلت یہ مومنہ بیوی کو حاصل ہے نہ کہ کافر خاوند کو یہاں قرآن کریم میں دنیاوی برتری کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی لئے قوامون فرمایا۔ **چوتھا اعتراض:** اللہ تعالٰی نے خاوند کو بیوی پر بزرگی کیوں دی۔ اس کے برعکس بیوی کو خاوند پر عظمت دی ہوتی اور خاوند کا خرچہ بیوی کے ذمہ رکھا ہوتا۔ **جواب:** اس لئے کہ مرد اصل ہے عورت شاخ آدم علیہ السلام کی پسلی سے بیوی حوا پیدا ہوئیں اور اصل اپنی فرع سے افضل ہونی چاہئے۔ نیز عورتوں پر ماہوار اور سالانہ ایسے عوارض وارد ہوتے ہیں کہ اس وقت وہ کسی محنت و کاروبار کے لائق نہیں ہوتی ماہواری بیماری' بچہ کی پیدائش پر نفاس پھر بچہ کی پرورش اسے دودھ دینا وغیرہ عورت کو دوسرے کاموں کے لائق نہیں رہنے دیتے اگر مرد کا خرچ بیوی کے ذمہ ہوتا تو بہت سی دشواریاں ہو جاتیں۔ نیز بچہ کی جانی پرورش تو ماں کے ذمہ ہوتی ہے اگر مالی پرورش بھی اس کے ذمہ ہوتی باپ بالکل آزاد رہتا تو عورت پر ظلم ہوتا۔ اس لئے رب نے جانی پرورش ماں پر مالی پرورش باپ پر رکھی۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں عورتوں کی اصلاح کے لئے تین طریقہ کیوں مقرر فرمائے۔ نصیحت' بائیکاٹ دو چیزیں کیوں چھوڑ دیں جن کا آج مسلمانوں میں عام رواج ہے یعنی گالیاں دینا اور اسے گھر سے نکال کر خرچہ بند کر لینا انہیں اجاڑ کر رکھ دینا۔ **جواب:** اس لئے کہ قرآن کریم تمام جہان کی دائمی ہدایت کے لئے آیا۔ عورتیں تین ہی قسم کی ہیں۔ نہایت شریف جو صرف نصیحت سے مان جاتی ہیں۔ درمیانی طبقہ کی جن پر صرف زبانی نصیحت کارگر نہیں ہوتی۔ ہاں ترک تعلق و بائیکاٹ سے اثر لیتی ہیں۔ ادنیٰ طبقہ کی جن پر یہ دونوں طریقہ اثر نہیں کرتے۔ پہلی قسم کی عورتوں کے لئے صرف زبانی نصیحت ہے دوسرے طبقہ کے لئے بائیکاٹ کی اور تیسرے طبقہ کے لئے کچھ مار پیٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی نو بیویاں رہیں آپس میں سوکنوں میں کچھ رنجش بھی کبھی کبھی ہو جاتی تھی مگر آپ نے کبھی کسی بیوی صاحبہ کو نہ مارا ان پر بہت ہی مہربانی فرمائی بلکہ فرمایا کہ جو لوگ اپنی عورتوں کو مارتے پیٹتے رہتے ہیں۔ وہ اچھے نہیں مگر انہیں گالیاں دینا۔ اس میں اپنی زبان گندی ہوتی ہے۔ شور مچتا ہے تو محلہ میں اپنے گھر کی بدنامی ہوتی ہے اور بیوی بھی گالیاں سن کر زبان دراز ہوتی ہے اور انہیں گھر سے نکال کر اجاڑ دینے میں ان کی حق تلفی ہے۔ روزی جانور کی بھی بند نہ کرنی چاہئے۔ یہ مذکورہ تین طریقہ اصلاح کے لئے بہت مفید ہیں۔ **چھٹا اعتراض:** بیویوں کو مارنا ان پر ظلم ہے پھر اس کی اجازت کیوں دی گئی۔ (عیسائی)۔ **جواب:** ظلم نہیں بلکہ ان کی اصلاح ہے۔ جیسے کبھی اپنے بچوں کو شاگردوں کو مارنا اصلاح ہے۔ اس لئے یہاں فرمایا گیا کہ اگر وہ اطاعت کرنے لگ جائیں تو ان پر مار پیٹ کی راہ نہ ڈھونڈ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **فان ضربوا هن ضربا غیر مبرح ضرورة** "بیویوں کو مارو مگر سخت اور زیادہ تکلیف دہ مار نہ لگاؤ۔ نافرمان عورت کو ایک دم طلاق دے دینے سے بہتر یہ ہے کہ آہستگی سے اس کی اصلاح کر دی جائے گھر نہ بگڑنے دیا جائے۔ آج یورپ میں جو بات بات پر طلاقیں ہو رہی ہیں اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے

ملک میں خاوندوں کو عورتوں کی اصلاح کی اجازت نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : انسان چند قسم کے ہیں۔ رحمان والے' نفسانی خواہشات والے' شیطان والے یعنی ابرار فجار کفار یا یوں کہو کہ دیانتدار اور دنیادار پہلی قسم کے لوگ مرد یعنی بہادر ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ عورتیں یعنی بزدل ہیں فرمایا جارہا ہے کہ مردو بہادر لوگ ان بزدلوں کے افسر ہیں یہ ان کے ماتحت۔ لولا" تو اس لئے کہ اللہ نے انہیں بزرگی دی ہے۔ دوسرے اس لئے کہ یہ لوگ ہمیشہ روحانی فیوض و برکات ان پر خرچ کرتے رہتے ہیں۔ دنیاداروں میں نیک وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کریں اور اپنے پیشوا روحانی کی اطاعت بھی کہ ان کی اطاعت دونوں جہان کی سعادت کا ذریعہ ہے اے ہمارے مقبول بندو اگر تم کو اپنے دنیادار ماتحتوں سے نافرمانی کا اندیشہ ہو تو تم ان کی اصلاح کے تین طریقہ اختیار کرو۔ پہلے زبانی نصیحت' اگر اس سے کام نہ چلے تو ان سے ظاہری طور پر ترک تعلق اگر اس پر بھی ان کی اصلاح نہ ہو تو ان کی مار توڑ کرو۔ مریدین باصفا کو چاہئے کہ شیخ کی گرمی پر تحمل کریں اور سمجھیں کہ اس میں کوئی مصلحت ہے زبان طعن دراز نہ کریں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو

اور اے گروہ مشائخ اگر تمہارے خدام مرید باز آجائیں تو انہیں معافی دیدو۔ رب تعالیٰ تم کو بھی معافی دیتا ہی رہتا ہے۔ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسے اس سے گناہ ہوا ہی نہیں۔ خیال رہے: کہ مشائخ کا اپنے مریدین سے عارضی بائیکاٹ کرنا حدیث کعب سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس دن ان سے کلام نہ فرمایا۔ یہ بائیکاٹ ان کی اصلاح کا بہترین ذریعہ بنا جس کا ذکر سورہ توبہ میں ہے اور مشائخ کا اپنے مریدوں کو مارنا پیٹنا اسلامی سزاؤں سے ماخوذ ہے۔ زانی پر کوڑے' چور کے ہاتھ کاٹنا اصلاح کا تیسرا درجہ ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِہِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَہْلِہٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَہْلِہَا

اور اگر ڈرو تم جھگڑے سے ان زوجین کے درمیان تو بھیجو ایک پنچ خاوند کے گھر والوں سے اور ایک پنچ بیوی کے

اور اگر تم کو میاں بیوی کے جھگڑے کا خوف ہو تو ایک پنچ مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک پنچ عورت والوں کی

اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَہُمَا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ﴿۳۵﴾

گھر والوں سے اگر ارادہ کریں وہ دونوں اتفاق کا تو موافقت کرے گا اللہ درمیان انکے بے شک اللہ ہے جاننے والا خبردار

طرف سے کریں۔ وہ دونوں اتفاق کرانا چاہیں گے تو اللہ ان میں میل کردے گا۔ بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں زوجین کے معمولی جھگڑوں کو آپس میں طے کرلینے کے طریقے ارشاد ہوئے کہ خاوند نصیحت' بائیکاٹ' معمولی مار پیٹ سے عورت کو درست کرے۔ اب دوسروں کے ذریعہ زوجین کے بڑے اختلاف کو دور کرنے کا طریقہ ارشاد ہو رہا ہے۔ چونکہ معمولی اختلافات دن رات ہوتے

رہتے ہیں۔ بڑے اختلاف کبھی کبھی لہذا پہلے معمولی جھگڑوں کا ذکر فرمایا گیا۔ اب بعد میں بڑے جھگڑوں کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کا مقصد یہ تھا کہ بیوی کی نافرمانی پر طلاق کا ارادہ نہ کرو بلکہ اصلاح کی کوشش کرو۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اگر تم اس کوشش میں ناکام رہ جاؤ، تمہاری نصیحت، بائیکاٹ، مارپیٹ بھی کارگر نہ ہو تب بھی طلاق کی طرف نہ دوڑو بلکہ عزیز رشتہ داروں کو بیچ میں ڈال کر حالات درست کرلو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ رب تعالیٰ بڑا بلند ہے۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ باوجودیکہ تم بست پست اور چھوٹے ہو اور رب بڑی شان والا ہے مگر اس کے باوجود وہ تم کو چھوڑتا نہیں۔ یا براہ راست یا اپنے مقبول بندوں کی معرفت ہمارے گناہ بخشتا رہتا ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ تم بھی حتی الامکان اپنی قصوروار بیوی کو چھوڑو مت براہ راست درست نہ ہو تو کسی کی معرفت درست کرلو اور ویسے نہ تعلق کو جلدی ختم نہ کرو۔ خیال رہے کہ معمولی گناہوں پر توبہ کا حکم ہے اور بڑے گناہوں پر توبہ کے ساتھ کفارہ یا مقبول بندوں کے توسل کی ضرورت ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل کے ایک خاص گناہ کی توبہ قبول نہ فرمائی۔ اچھوں کے وسیلہ کا حکم دیا **وادخلوا الباب سجدا "وقولوا حطة**۔ آدم علیہ السلام نے گندم کھا کر تین سو سال توبہ کی قبول نہ ہوئی۔ حضور کے توسل سے قبول ہوئی۔ **فتلقی ادم من ربه کلمت**۔

تفسیر: **وان خفتم شقاق بينهما**۔ یا تو خفتم میں خطاب عام مسلمانوں سے ہے یا حکام سے، یا خود زوجین سے یا زوجین کے عزیز رشتہ داروں سے آخری چوتھا احتمال زیادہ قوی ہے۔ خوف سے مراد یا تو ڈر ہے یا ڈر کی بات محسوس کرنا۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ خفتم بمعنی علمتم ہے۔ اس صورت میں آیت بالکل واضح ہے۔ شقاق شق سے بنا۔ شق کے معنی جانب و کنارہ بھی ہیں۔ مشقت یا ناگواری بھی بانس کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا بھی۔ مخالفت و اختلاف کو شق یا شقاق اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے ہر فریق دوسرے کنارہ پر ہوتا ہے۔ یا ایسی باتیں کرتا ہے جو دوسروں پر گراں گزرے اسے مشقت میں ڈالے یا پھٹ کر اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ اصل میں **شقاقا " بينهما** تھا اس طرح کہ شقاق، خفتم کا مفعول بہ تھا اور بینہما شقاق کا ظرف مگر شقاق کو بینہما کی طرف مضاف کردیا جیسے **مکر الیل والنهار** میں یا **صوم اليوم** میں۔ **وابعثوا حكما " من اهله وحكما " من اهلها**۔ جتنے احتمالات خفتم کے مخاطب میں تھے۔ اتنے ہی احتمال ابعثو کے مخاطب میں ہوں گے۔ کہ یا سارے مسلمان مراد ہیں یا حکام یا خود زوجین یا عزیز رشتہ دار۔ بھیجنے سے مراد بلانا۔ جمع کرنا زوجین کے پاس بھیجنا یا کسی تیسری جگہ بھیجنا جہاں میاں بیوی جمع ہو سکیں۔ حکم حکم سے بنا بمعنی فیصلہ کرنا۔ حاکم عام فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ حکم خاص فیصلہ کرنے والے کو جسے اردو میں پنچ کہتے ہیں۔ یہاں حکم فرما کر اشارۃً فرمایا کہ حتی الامکان زوجین کے جھگڑے حکام کے پاس کچہری میں نہ لے جاؤ کہ وہاں کھلی عدالت میں ان کے حالات پیش ہوں گے تو اس میں ان زوجین کی بدنامی بھی ہوگی اور راز افشائی بھی۔ بلکہ حکم کے پاس بھی زوجین نہ جائیں زوجین کے پاس حکم جائیں۔ اہل سے مراد خاص قریبی رشتہ دار ہیں جو عموماً وجہ اختلاف جانتے ہیں۔ نیز زوجین کو ان سے اپنے جھگڑے پیش کرنے میں جھجک نہیں ہوتی اور دونوں کے عزیز و قرابت دار پر حکم بھیجنے میں طرفداری کا الزام بھی نہیں لگ سکتا یعنی اے مسلمانو کے حکام یا اے زوجین یا اے زوجین کے عزیزو! اگر تم زوجین کا ایسا جھگڑا محسوس کرو جسے وہ آپس میں طے نہیں کرسکتے تو بھی نہ تو زوج جلدی طلاق دے نہ بیوی جلدی خلع کرے۔ نہ فوراً کچہری بھاگیں نہ عام مجلسوں میں اپنے جھگڑے پیش کریں بلکہ ایک پنچ خاوند کے عزیزوں میں سے اور دوسرا پنچ بیوی کے

قرابت داروں میں سے یا زوجین کے گھر یا کسی اور تیسری جگہ بھیج دو۔ پنچ مرد ہو عادل ہو ثقہ ہو سیاست دان ہو مصلحت سے واقف اور زوجین کا خیر خواہ ہو۔ (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ)۔ **ان یریدا اصلاحا" یوفق اللہ بینھما** ۔ یریدا اور بینھما کی ضمیریں یا تو دونوں حکموں کی طرف لوٹتی ہیں۔ یا میاں بیوی کی طرف یا پہلی حکمین کی طرف دوسری زوجین کی طرف یا اس کے برعکس پہلی زوجین کی طرف۔ دوسری حکمین کی طرف لہذا اس جملہ کی چار تفسیریں ہو سکتی ہیں (صاوی) اصلاح سے مراد فساد کا مقابل ہے یعنی درستی یا اتفاق زوجین۔ توفیق کے معنی ہوتے ہیں اسباب خیر جمع فرمادینا مگر یہاں مراد ہے دونوں میاں بیوی کو متفق کر دینا۔ یعنی دونوں پنچ اخلاص کے ساتھ اصلاح کی کوشش کریں تو اللہ تعالٰی ان دونوں پنچوں کو متفق کردے گا جس سے وہ متفقہ طور پر فریقین کے لئے قابل قبول فیصلہ کر سکیں گے یا اگر دونوں بہ نیت خیر اصلاح کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالٰی زوجین میں اتفاق پیدا فرمادے گا۔ ان کی نیت خیر کا اثر زوجین پر پڑے گا یا اگر زوجین کی نیت میں فساد نہ ہوا مائل بہ اصلاح ہوئے تو اللہ تعالٰی پنچوں کے ذریعہ ان زوجین میں اتفاق دیدے گا یا اگر زوجین بہ نیت خیر اصلاح کی خواہش کریں گے تو اللہ تعالٰی ان پنچوں کو کسی اچھے فیصلہ پر متفق فرمادے گا (تفسیر صاوی)۔ **ان اللہ کان علیما" خبیرا"** ۔ اس جملہ میں پنچوں اور میاں بیوی کو اخلاص و ارادہ اصلاح کی ترغیب ہے۔ علم سے مراد ہے ظاہری چیزوں کا علم خبر سے مراد ہے باطنی حالات پر اطلاع یا اس کے برعکس یا علم سے مراد ہے۔ کلیات کا علم اور خبر سے مراد ہے جزئیات پر اطلاع یا علم سے مراد ہے دونوں پنچوں کی کوشش کا علم خبر سے مراد ہے دونوں میاں بیوی کی نیت کا جاننا یعنی اے پنچو یا اے میاں بیوی! اپنی نیت و کوشش خیر کرو اللہ تعالٰی تمہارے قول کو جانتا ہے احوال سے خبردار ہے۔ ظاہر و باطن کی درستی کرو۔

خلاصہ ء تفسیر: تفسیر میں پتہ چل گیا کہ اس آیت کی چند تفسیریں ہو سکتی ہیں مگر ہم صرف ایک تفسیر عرض کرتے ہیں اے میاں بیوی کے عزیز رشتہ دارو اگر تم زوجین میں بہت زیادہ اختلاف محسوس کرو جو اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ خاوند کی کوشش سے دور نہیں ہو سکتا تو دو پنچوں کو اصلاح کیلئے بیچ میں ڈالو جن میں سے ایک خاوند کا عزیز ہو دوسرا بیوی کا قریبی رشتہ دار انہیں زوجین کے پاس بھیجو۔ اگر یہ پنچ انکی اصلاح کا تہ دل سے ارادہ کرلیں اور یہ طے کرلیں کہ ہم نے دو جدا سروں کو جوڑنا ہی ہے تو اللہ تعالٰی اپنے فضل و کرم سے ان زوجین کے دل جوڑ سکے گا انہیں صلح کرلینے کی توفیق بخشے گا۔ اے پنچو اور اے زوجین اپنی نیت خیر کرو اللہ تعالٰی تمہارے ظاہر و باطن اقوال و احوال کو بخوبی جانتا ہے اس سے ڈرتے رہو۔ خیال رہے کہ جھگڑے یا جنگ و جدائی کی تین قسمیں ہیں۔ اختلاف رائے کا مسئلہ و جنگ اسے اختلاف کہتے ہیں جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام سے جھگڑا یا حضرت سارہ و ہاجرہ کا اختلاف۔ ذاتی عداوت کا جھگڑا جیسے عام جھگڑے و فساد اسے خلاف کہتے ہیں۔ مذہبی جھگڑے و جنگ جیسے مسلمانوں کا کفار سے لڑنا اسے جہاد کہتے ہیں۔ پہلی قسم یعنی اختلاف نہ کفر ہے نہ فسق بلکہ غلطی ہے اسکا حکم ہے پنچوں کا بیچ میں پڑکر صلح کرادینا وہ ہی یہاں مراد ہے۔ دیکھو یہاں رب نے خاوند و بیوی کو فاسق نہ فرمایا بلکہ صلح کا حکم دیا۔ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ **وان طائفتن من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما** دوسری قسم کا جھگڑا فسق ہے۔ حضور فرماتے ہیں قاتل مقتول دونوں دوزخی رب فرماتا ہے: **ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جھنم** اور تیسرے قسم کے جھگڑے و جنگ کا نام جہاد ہے جو عبادت ہے۔ حضرات صحابہ کرام کی آپس کی جنگیں پہلی قسم کی ہیں یعنی اختلاف۔ اسی لئے

امیر معاویہ و حضرت علی کی اور امام حسن و امیر معاویہ کی آخر میں صلح ہو گئی لہٰذا وہ سب متقی ہیں کوئی ان میں فاسق نہیں۔ وہاں اختلاف رائے یہ تھا کہ امیر معاویہ و حضرت عائشہ کی رائے تھی کہ خون عثمان کا قصاص مقدم ہے۔ حضرت علی کی رائے تھی کہ استحکام خلافت مقدم ہے۔ جب برادران یوسف علیہ السلام ہدایت کے تارے ہیں باوجود اس اختلاف کے تو حضور کے صحابہ بھی تارے ہیں۔ اگرچہ آپس میں اختلاف کریں۔ **نوٹ ضروری** جنگ صفین وغیرہ کے بعد حضرت علی نے جناب ابو موسیٰ اشعری کو اور حضرت امیر معاویہ نے عمرو ابن عاص کو اپنا پنچ مقرر کر دیا جو ان دونوں حضرات میں صلح کرا دیں۔ ان دونوں پنچوں نے بیچ میں پڑ کر صلح کی کوشش کی جو کامیاب نہ ہو سکی اور حال یہ ہو گیا۔ خلافت کی تقسیم کر دی گئی۔ عراق وغیرہ حضرت علی کو اور شام وغیرہ امیر معاویہ کو دیدیا۔ حضرت علی کا دار الخلافہ کوفہ مقرر ہو گیا اور امیر معاویہ کا دار الخلافہ دمشق اس پنچ مقرر کرنے پر جناب علی کی فوج میں سے پچیس ہزار سپاہی وغیرہ سے آپ سے علیحدہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ علی و معاویہ دونوں مشرک ہو گئے کہ انہوں نے خدا کے سواء کو حاکم یا حکم مان لیا رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الحکم الا للّٰہ** حکم تو اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ جناب علی رضی اللہ عنہ نے خیر امت سیدنا عبد اللہ ابن عباس کو انکی نصائش کیلئے بھیجا چنانچہ آپ ان خوارج کے پاس تشریف لے گئے ان لوگوں نے یہ ہی اعتراض پیش کیا۔ حضرت ابن عباس نے جواب میں یہ ہی آیت کریمہ پیش فرما کر فرمایا کہ جب میاں بیوی کو جھگڑا چکانے کیلئے دو حکم پنچ بنانا شرک نہیں تو اتنے بڑے معاملہ کو سلجھانے کیلئے بھی پنچ مقرر کرنا شرک نہیں ہو سکتا، حضرت علی و معاویہ کا یہ عمل بالکل درست اور اس آیت کے ماتحت ہے اس اعلیٰ جواب پر بیس ہزار نے توبہ کر لی پانچ ہزار اپنی ضد پر قائم رہے انہیں سے حضرت علی کی جنگ ہوئی جس میں یہ سارے تیغ حیدری سے مارے گئے پانچ بچے (از روح المعانی وغیرہ) ان ہی کو خوارج کہا جاتا ہے ان ہی کی ذریت نے آج مسلمانوں میں فتنہ و فساد کی آگ لگا دی ہے، یہی لوگ بات بات پر مسلمانوں کو مشرک و بدعتی کہتے ہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** لڑے ہوئے میاں بیوی میں صلح کرا دینا بہترین عبادت ہے اس کار خیر میں جو لوگ کوشش کریں گے سب کو ثواب ملے گا، جیسا کہ **وان خفتم** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ اسی طرح مسلمانوں میں صلح کرانا بہترین عمل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے صلح کرانے والے کو ہرا بھرا رہنے کی دعائیں دی ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** صلح کرانے کیلئے پنچ مقرر کر دینا اعلیٰ چیز ہے۔ **تیسرا فائدہ:** غیر خدا کو حاکم یا حکم یا پنچ بنانا شرک و کفر نہیں بلکہ رب تعالیٰ کا حکم ہے۔ حضرات صحابہ نے اس پر عمل فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے کہنے پر سعد ابن معاذ کا پنچ مقرر فرمایا تھا، جنہوں نے بنی قریظہ کے قتل کا فیصلہ فرمایا۔ **چوتھا فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ پنچ صرف ایک نہ ہو بلکہ دو ہوں فریقین کی طرف سے ایک ایک تاکہ پنچ میں طرفداری کا الزام نہ ہو جیسا کہ دو جگہ حکما" فرمانے سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ میاں بیوی کے پنچ انکے خاص عزیز ہوں جو انکے واقعات سے خبردار ہوں اور جن سے میاں بیوی اپنے خیالات کھل کر کہہ سکیں اجنبی پنچوں سے یہ فائدہ نہ ہو گا۔ امام مالک کے ہاں یہ واجب ہے کہ دونوں پنچ عزیز و اقارب ہوں (روح المعانی) **چھٹا فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ میاں بیوی کے جھگڑے عدالت میں پیش نہ ہوں کہ عدالتیں کھلی ہوتی ہیں اور انکے درمیان کبھی راز ہوتے ہیں۔ جنکا اظہار مناسب نہیں، دیکھو رب نے یہاں پنچ مقرر کرنے کا حکم دیا۔ حکام کے پاس جانے کا حکم نہ دیا۔

ساتواں فائدہ: بہتر یہ ہے کہ پنچ میاں بیوی کو اپنے گھر نہ بلائیں۔ بلکہ خود انکے گھر جائیں' یا کسی تیسری جگہ یہ تمام جمع ہوں' جیسا کہ فابعثوا کی تفسیروں سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** ان پنچوں کو صلح کرانے کا تو حق ہو گا۔ مگر صلح نہ ہو سکنے کی صورت میں طلاق واقع کردینے کا حق نہ ہو گا' جیسا کہ ان یریدا سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** غیر خدا کو حکم یا حاکم بنانا شرک یا گناہ نہیں بلکہ حکم قرآنی ہے اور سنت رسول و سنت صحابہ ہے یوں ہی غیر خدا سے فریاد کرنا اور چاہنا انہیں مشکل کشا حاجت روا سمجھنا ان سے مدد لینا سنت انبیاء ہے' یوسف علیہ السلام کی قمیض یعقوب علیہ السلام کیلئے مشکل کشا ہوئی' حضرت ایوب علیہ السلام کے پاؤں کا دھون انکے لئے شفا ہوا' آب زمزم جو جناب اسماعیل علیہ السلام کے پاؤں کا پانی ہے۔ تاقیامت دافع امراض ہے اسکی مکمل بحث ہماری کتاب علم القرآن میں ملاحظہ فرماؤ۔ **دسواں فائدہ:** اگر بندوں کی نیت خیر ہو تو امداد الٰہی ضرور دستگیری کرتی ہے تجربہ ہے جیسا کہ یوفق اللہ بینھما سے معلوم ہوا۔ **گیارہواں فائدہ:** عربی میں اہل قرابتداروں کو بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ یہاں اہلہ اور اہلہا میں مراد ہے۔ **مسئلہ:** امام مالک کے ہاں خاوند کا حکم طلاق دے سکتا ہے اور بیوی کا حکم خلع کر سکتا ہے۔ اگرچہ ان زوجین نے انہیں اس کا اختیار نہ دیا ہو' مگر دیگر آئمہ کے ہاں ان پنچوں کو اسکا حق نہیں (خازن' روح المعانی وغیرہ)

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ پنچ دو چاہئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی پنچ حضرت سعد ابن معاذ کو کیوں قبول فرمالیا۔ اس آیت و حدیث میں توافق کیسے ہو۔ **جواب:** دو پنچ مقرر کرنا اس صورت میں ہے کہ فریقین ایک پنچ پر راضی نہ ہوں اگر ایک پر ہی متفق ہو جائیں۔ تو کوئی حرج نہیں۔ وہاں بنی قریظہ نے ہی حضرت سعد کا نام پیش کیا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی پنچایت پر پہلے ہی راضی تھے' اگر ایک ہی شخص دونوں میاں بیوی کے اہل یعنی عزیزوں میں سے ہو تو وہ اکیلا ہی حکم بن سکتا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں پنچ کیلئے یہ قید کیوں لگائی کہ وہ بیوی خاوند کے عزیزوں میں سے ہو' کیا غیر شخص پنچ نہیں بن سکتا' روایات سے ثابت ہے کہ زمانہ مرتضوی میں میاں بیوی حضرت علی کو حکم بناتے تھے انہوں نے اس آیت پر عمل کیوں نہ کیا۔ **جواب:** یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں چونکہ عزیز قرابتدار ہمدرد و خیر خواہ بھی ہوتے ہیں زوجین کے اندرونی حالات سے خبردار بھی اور زوجین کو انکے سامنے اپنی شکایات پیش کرنے میں کوئی حجاب بھی نہ ہو گا' اسلئے انکے ذریعہ اصلاح کا کام بخوبی انجام پائیگا' ان وجوہ سے بہتر یہی ہے کہ دونوں پنچ فریقین کے قریبی ہوں ورنہ اجنبی شخص بھی حکم بن سکتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الحکم الا للہ** حکم نہیں ہے مگر اللہ کا۔ پھر یہاں میاں بیوی کو حکم بنانے کا حکم کیوں دیا گیا' خدا کے سوا کسی کا حکم نہیں ہونا چاہئے (وہابی خوارج) **نوٹ ضروری:** یہ ہی وہ شبہ ہے جسکی وجہ سے لوگ خارجی بن گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشرک کہنے لگے' **جواب:** آیت کریمہ **ان الحکم الا للہ** میں حکم سے مراد تکوینی حکم ہے۔ یعنی جلانا' مارنا' بیمار کرنا' شفا دینا وغیرہ اور یہاں اس آیت میں حکم سے مراد فیصلہ کرنا صلح کرانا وغیرہ ہے' لہٰذا آیات میں تعارض نہیں مگر یہ جواب ضعیف ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو تکوینی احکام میں بھی اختیار بخشا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں باذن پروردگار مردے زندہ کر سکتا ہوں کوڑھے اندھوں کو شفا دے سکتا ہوں حضرت مریم کے ہاتھ لگانے سے کھجور کا خشک درخت پل بھر میں ہرا اور پھلدار ہو گیا (قرآن کریم) لہٰذا اس سوال کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ ان جیسی

حصر کی آیتوں میں ذاتی صفات مراد ہیں کہ مستقل طور پر بالذات حکم رب تعالیٰ کا ہے' رب کی عطا سے اور بھی حاکم ہیں' دیکھو رب فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سمیع و بصیر ہے' پھر فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو سمیع و بصیر بنایا فرماتا ہے میرے سوا کسی کو وکیل نہ بناؤ **الا تتخذوا من دونی وکیلا** یا فرماتا ہے کہ میرے سوا تمہارا مددگار کوئی نہیں **وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر** مگر دوسرے مقام پر قرآن کریم فرماتا ہے کہ تمہارے مددگار اللہ رسول اور متقی مومن ہیں مطلب یہ ہی ہے کہ ذاتی طور پر بالاستقلال مددگار کوئی نہیں عطائی طور پر ہمارے بنانے سے مددگار ہمارے بندے ہیں' خیال رہے کہ بندے اور رب میں فرق بے نیازی کا ہے' بندہ نیاز مند ہے' رب بے نیاز ہے' اللہ الصمد۔ بندہ رب کا محتاج رہتے ہوئے رب کے سے کام کرنے لگتا ہے' مگر رب کی عطا سے وہ عطا نہ فرمائے' بندہ کچھ نہیں پاور سے کنکشن ہو جانے پر بلب' پنکھے' مشین بہت کام دیتے ہیں۔ یہ کنکشن ٹوٹ جائے تو کوئی کچھ بھی نہیں' شیشہ کا رخ سورج کی طرف کر دیا تو شیشہ سورج کے سے کام کرنے لگ گیا۔ روشنی' شعاعیں گرمی سب کچھ شیشہ میں پیدا ہو گئیں' مگر نہ سورج شیشہ میں آ گیا نہ شیشہ سورج میں پہنچ گیا' نہ شیشہ سورج بن گیا ہوا یہ کہ سورج نے شیشے میں تجلی ڈال دی' اگر یہ جواب خیال میں رکھا گیا تو انشاء اللہ وہابیوں کے اس قسم کے تمام سوالات کا جواب معلوم ہو جائیگا' اسکی تحقیق کیلئے ہماری کتاب رسالہ نور اور جاء الحق حصہ اول کا مطالعہ فرمائیں۔

تفسیر صوفیانہ: ان آیات سے پتہ لگا کہ اختلاف پیدا ہو جانے پر اولاً تو میاں بیوی خود ہی جھگڑے مٹالیں اگر جھگڑا خود نہ مٹ سکے تو ایسے حکم کو بیچ میں ڈالیں' جو دونوں میاں بیوی سے تعلق رکھتے ہوں۔ جنکی بات فریقین مانتے ہوں۔ بلا تشبیہ بطور تمثیل بندہ رب تعالیٰ کو ہمیشہ راضی رکھنے کی کوشش کرے اگر کبھی قصور ہو جائے تو توبہ کفارہ وغیرہ دے کر خود ہی اس کو راضی کر لے' لیکن اگر قصور اتنا سنگین ہے کہ توبہ سے بھی معافی ملنے کی امید نہیں اور توبہ قبول نہیں تو کسی ایسے مقبول بندے کا دروازہ کھٹکھٹاؤ جنکی رب مانتا ہو انشاء اللہ ان کے بیچ میں پڑ جانے سے رب تعالیٰ معافی دیگا وہاں وسیلہ بہت ہی کام آتا ہے' خود فرماتا ہے **وابتغوا الیہ الوسیلۃ** یہاں وسیلہ سے مراد نبی ولی کا وسیلہ ہے نہ کہ اپنے اعمال کا وسیلہ کیونکہ نیک اعمال کا ذکر تو پہلے ہو چکا یہ ہی قیامت میں ہو گا کہ وہاں سب سے پہلے شفیع کی تلاش ہو گی اسکے بعد کچھ اور اس آیت کریمہ نے وسیلہ کے مسئلہ کو حل کر دیا' مگر وسیلہ چاہئے وہ جو من اھلہ بھی ہو یعنی اھل اللہ کا وسیلہ ڈھونڈو' دشمن کو وسیلہ نہ بناؤ اور من اھلہا بھی یعنی خلقت سے بھی تعلق رکھتا ہو لہذا فرشتے ہمارا وسیلہ نہیں بن سکتے کہ وہ اہل اللہ تو ہیں مگر اہل الدنیا نہیں من اھلہ ہیں' من اھلہا نہیں اور کفار و فساق بت وغیرہ وسیلہ نہیں کہ وہ اہل الدنیا تو ہیں اھل اللہ نہیں یعنی اھلہا ہیں مگر اھلہ نہیں' کفار بتوں اور اللہ کے دشمنوں کو وسیلہ بناتے ہیں تم اللہ کے مقبولوں کا توسل اختیار کرو۔

رب روٹھے گر میل دے گر روٹھے نہیں جوڑ
جیکا وہ نر کوڑ ہیں جو جائیں گو کو اور

صوفیاء فرماتے ہیں کہ خدا رسی کیلئے رسول کا وسیلہ درکار ہے اور رسول رسی کیلئے ولی و پیر کا وسیلہ ضروری ہے' پیر شیخ خدا تک نہیں پہنچا سکتے' تانگہ والا گجرات سے کراچی تک نہیں پہنچا سکتا وہ تو ریل تک پہنچا دیگا۔ پھر ریل کراچی پہنچا دیگی۔ **لطیفہ:** ایک عورت ہمیشہ اپنے خاوند سے مار کھاتی تھی اسکی سہیلیوں نے اس مار کی وجہ پوچھی وہ بولی کہ جب میں ہانڈی میں دال یا گوشت پکانے لگتی ہوں تو مرچ مصالحہ گھی وغیرہ سب کچھ ڈال دیتی ہوں' دال یا گوشت ڈالنا بھول جاتی ہوں' جب خاوند کے

آگے وہ مصالحہ پہنچاہے تو وہ پیالہ پھینک دیتا ہے اور مجھے مارتا ہے' سہیلیوں نے کہا اگر تیری یہ حرکت ہے تو ہمیشہ مار ہی کھائے گی۔ مرچ مصالحہ کم بھی ہو تا مگر دال یا گوشت ہو تا۔ تو وہ سالن کہلاتا' لیکن اگر دال ہی نہیں تو مصالحہ سارا بیکار ہے' شیطان کے سجدوں' عبادتوں کا مصالحہ بہت کافی تھا مگر ادب پیغمبر اور توسل رسول کا وسیلہ نہ تھا دیکھو کیسی مار پڑ رہی ہے فرعونی جادوگروں کے پاس عبادت کا مرچ مصالحہ کم تھا مگر توسل کلیم اللہ کی دال تھی تو بیڑا پار لگ گیا آج بھی بے ادبوں کے پاس علم' عبادات کا مصالحہ تو کافی ہے مگر حضور کے ادب کی دال گوشت نہیں جس کا انجام مار کھانا ہی ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى
اور عبادت کرو اللہ کی اور نہ شریک بناؤ اس کا کسی چیز کو اور ماں باپ سے بھلائی کرو اور قرابت داروں
اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو اور رشتہ داروں
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ
اور یتیموں اور غریبوں اور پڑوسی قریب والے اور پڑوسی دور والے اور کروٹ کے ساتھی
اور یتیموں اور فریبوں اور پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے اور کروٹ کے ساتھی
وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا
اور مسافروں اور انکے ساتھ کہ مالک ہیں ہاتھ تمہارے بیشک اللہ نہیں پسند فرماتا جو ہو اترانے والا
اور راہ گیر اور اپنے باندی غلام سے۔ بیشک اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترانے والا بڑائی
فَخُوْرَا ۝۳۶ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ
شیخی خور۔ جو کنجوسی کریں آپ اور اوروں کو مشورہ دیں کنجوسی کا اور چھپائیں وہ
مارنے والا جو آپ بخل کریں اور اوروں کو بخل کے لئے کہیں اور اللہ نے جو انہیں اپنے
مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۳۷
جو دیا انہیں اللہ نے اپنے فضل سے اور تیار کیا ہم نے کافروں کے واسطے عذاب اہانت والا
فضل سے دیا ہے اسے چھپائیں اور کافروں کے لئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے میاں بیوی کو اپنے خانگی معاملات درست رکھنے کا حکم دیا۔ اب اس آیت میں ہر ایک کو اپنے اخلاق سنبھالنے کا حکم دیا جا رہا ہے گویا تدبیر منزل کے بعد سیاست مدنی کا حکم ہے (تفسیر کبیر) **دوسرا تعلق:** انسانی رشتہ دو قسم کے ہیں۔ اختیاری جسے انسان ختم کر سکتا ہے جیسے

زوجیت غیر اختیاری جنہیں انسان ختم نہیں کر سکتا' جیسے ماں باپ وغیرہ سے رشتہ' اختیاری رشتہ کے متعلق ہدایات پچھلی آیات میں دی گئیں اب غیر اختیاری رشتہ کے برتاؤ کے متعلق اس آیت میں ہدایات جاری فرمائی جا رہی ہیں۔ **تیسرا تعلق:** انسان کے رشتہ تین قسم کے ہیں' بعض رشتوں میں مرد سردار ہوتا ہے' جیسے خاوند یا والد وغیرہ بعض میں ماتحت جیسے بیٹا' پوتا' بعض میں برابر جیسے بھائی یا پڑوسی وغیرہ' سرداری والے رشتہ کے حقوق کا ذکر پچھلی آیات میں فرمایا گیا۔ آخری دو قسم کے رشتوں کے حقوق کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** حقوق دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض وہ جنکا مطالبہ قاضی کے ہاں ہو سکتا ہے' جیسے زوجہ کا خرچہ وغیرہ بعض وہ جنکا مطالبہ حاکم کے ہاں نہیں ہو سکتا' جیسے والدین کا خرچہ وغیرہ پہلے قسم کے حقوق کا اجمالی ذکر پچھلی آیت میں تھا' دوسرے قسم کے حقوق کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔

شان نزول: کردم ابن زید' اسامہ ابن حبیب' نافع ابن ابی نافع' بحری ابن عمرو' **حیی** ابن اخطب رفاع زید ابن تابوت' یہ لوگ انصار کے پرانے دوستوں میں سے تھے' جب انصار نے اسلام قبول کر لیا تو یہ لوگ پچھلی دوستی کی بنا پر کبھی کبھی ان سے ملنے آتے ادھر ادھر کی باتیں کر کے کہتے کہ حتی الامکان اپنے مال خرچ نہ کرو' سنبھال کر رکھو نہ معلوم کل کیا واقعات درپیش ہوں اور تم بغیر مال کے مصیبت میں پڑ جاؤ' مقصد تھا انصار کو مہاجرین کی خدمت سے روکنا اور اسلامی زکوٰۃ و صدقات اور خرچ جہاد سے باز رکھنا ان بہکانے والوں کی تردید میں دوسری آیت **الذین یبخلون** الخ نازل ہوئی (ابن اسحاق' ابن جریر' ابن منذر عن ابن عباس' تفسیر روح المعانی' و روح البیان) بعض نے فرمایا کہ علماء یہود حضور صلی اللہ و سلم کی نعت والی توریت کی آیات بیان کرنے میں بخل کرتے تھے نہ تو لوگوں کو خود سناتے نہ اپنے ماتحت پادریوں کو سنانے دیتے انکی تردید میں یہ ہی آیت **الذین یبخلون** نازل ہوئی' پہلی صورت میں بخل سے مراد مالی بخل ہوگا۔ دوسری صورت میں علمی بخل ہو سکتا ہے کہ دونوں ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہو۔ (روح المعانی)

تفسیر: **واعبدوا اللہ** چونکہ عبادات معاملات سے افضل ہیں کہ عبادت کا تعلق رب تعالیٰ سے ہے' معاملات کا تعلق مخلوق سے نیز معاملات مرتے ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر بعض عبادات قبر و حشر میں بھی ہوں گی' جیسے تلاوت قرآن حمد الٰہی نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیز عبادات تقریباً" ہر مسلمان پر ہیں۔ معاملات بعض پر نہیں جیسے تارک الدنیا آدمی ان وجوہ سے عبادات کا ذکر پہلے فرمایا گیا اور معاملات کا بعد میں۔ اعبدوا عبادت سے بنا عبادت کی تحقیق اسکی تقسیم ایاک نعبد اور سورہ بقر کی تفسیر میں بارہا ہو چکی یہاں اتنا سمجھ لو کہ انتہائی عجز و نیاز کا نام عبادت ہے کہ عابد اپنے کو معبود کا بندہ سمجھ کر اور معبود کو اپنا خالق یا خالق کی مثل سمجھ کر اس کے سامنے بندگی کرے یہ عبادت ہے' لہٰذا قلبی' بدنی' مالی اور بدنی مالی کا مجموعہ تمام عبادات اس میں داخل ہیں۔ اور کسی کو اپنے سے بڑا سمجھ کر اسکی فرمانبرداری کرنا اطاعت ہے' کسی کے نقش قدم پر چلنا اتباع لہٰذا عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہو سکتی ہے' غیر خدا کی عبادت شرک ہے اطاعت اللہ رسول عالم سلطان سب کی ہو سکتی ہے' اتباع اللہ تعالیٰ کی ناممکن ہے شرعی اتباع صرف رسول یا قرآن کی ہو سکتی ہے' اسی لئے قرآن مجید میں عبادت کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے' اور اطاعت کے ساتھ اللہ رسول اور علماء وغیرہ کا بھی۔ فرماتا ہے۔ **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم** اور اتباع کے ساتھ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یا قرآن کا **فاتبعونی** یا **واتبعوا النور الذی انزل**

معد خلاصہ یہ ہے کہ عبادت میں اپنی عبدیت اور معبود کی الوہیت کا اعتقاد ضروری ہے' رب کو سجدہ عبادت ہے مگر فرشتوں کا حضرت آدم کو سجدہ عبادت نہ تھا' اسی طرح حضرت یعقوب کا جناب یوسف علیہما السلام کو سجدہ عبادت نہ تھا' تعظیم تھی۔ کام ایک ہے' مگر اختلاف بہت سے احکام میں۔ فرق' ہمارے اسلام میں کسی بندے کو سجدہ عبادت کا شرک ہے' سجدہ تعظیمی کرنا حرام ہے شرک نہیں' یہاں عبادت سے مراد اگر دلی عبادت یعنی ایمان لانا ہے تو غیر مسلموں سے خطاب ہے۔ اور اگر ایمان پر قائم رہنا مراد ہے تو مخاطب مسلمان ہیں' اور اگر جسمانی مالی عبادات مراد ہوں' جیسے نماز' زکوۃ وغیرہ تو بھی مخاطب صرف مسلمان ہوں گے' کیونکہ کفار پر یہ عبادات فرض نہیں۔ **ولا تشرکوا بہ شیئا** کفر عام ہے' شرک خاص کہ کسی اسلامی عقیدے کا انکار کفر ہے' مگر کسی چیز کو خدا کے مثل سمجھنا شرک ہے۔ کفر کا مقابل ایمان ہے شرک کا مقابل توحید مدار نجات صرف توحید نہیں بلکہ ایمان ہے یہاں شرک سے ممانعت فرمائی گئی ہے' تشرکوا اشراک سے بنا' جسکا مادہ شرک ہے' معنی حصہ ام لم شرک فی السموت' اصطلاح شریعت میں کسی کو الوہیت میں اللہ تعالیٰ کا حصہ دار یا مثل سمجھنا شرک ہے خواہ اس طرح کہ کسی کو خدا تعالیٰ کی طرح مستقل خالق مانے جیسے مجوسی دو مستقل خالق مانتے ہیں خالق خیر جسے یزدان کہتے ہیں اور خالق شر جسے اہرمن کہتے ہیں یا کسی کو اللہ کا بندہ سمجھ کر اسکو الوہیت میں دخیل مانے خدا کا دخیل مانے جیسے عیسائی جناب عیسیٰ اور یہودی حضرت عزیر کو یا مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کا بندہ مانتے ہوئے خدا کا بیٹا یا بیٹیاں مانتے تھے' یا جیسے عام مشرکین اپنے جھوٹے معبودوں کو خدا کا بندہ مانتے ہوئے' خدا تعالیٰ کو انکا محتاج و دست نگر سمجھتے ہیں کہتے ہیں۔ کہ اکیلا خدا اتنے بڑے عالم کے سارے کام نہیں کر سکتا یا خدا تعالیٰ عالم کو پیدا کر کے تھک گیا' اب اس میں دوسرے کاموں کی طاقت نہ رہی دوسرے کام ہمارے یہ معبود چلا رہے ہیں یہ شرک ہے ان ہی کی تردید میں رب فرماتا ہے **لم یتخذ ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل** اور فرماتا ہے **وما مسنا من لغوب** ہم کو تھکن نہ پہنچی غرض کہ شرک میں عقیدہ مساوات ضروری ہے' خواہ پوری پوری برابری مانی جائے یا کسی وصف الٰہی میں رب فرماتا ہے کہ کفار اپنے سے قیامت میں کہیں گے' **اذ نسویکم برب العلمین** ہم بڑی غلطی میں تھے کہ تم کو رب کے برابر جانتے تھے' مومن' فرشتوں' نبیوں' ولیوں کو عالم کا منتظم مانتا ہے وہ مومن ہے کہ انہیں بہ حکم پروردگار مانتا ہے' محض خالص بندہ سمجھ کر رب کو غنی بے نیاز اور ان بندوں کو رب کا نیازمند جان کر مشرک اپنے بتوں کو عالم میں دخیل مانتے ہیں مگر رب کو انکا حاجت مند جانکر انہیں الوہیت میں دخیل مان کر لہٰذا مومن مومن ہے مشرک مشرک۔ بہ کا مرجع رب تعالیٰ ہے اور شیئا سے مراد ساری چیزیں ہیں' بے جان ہوں' جیسے چاند' سورج' بت وغیرہ یا جاندار جیسے فرشتے' نبی یا پوپ وغیرہ یہاں بھی یا خطاب مسلمانوں سے ہے یا کفار و مشرکین سے جیسے کہ اعبدوا اللہ میں عرض کیا گیا' یعنی اے مسلمانو یا اے کفار یا اے تمام لوگو اللہ کی عبادت کرو' کسی چیز کو اسکا ساجھی شریک نہ ٹھیراؤ' عبادت کے حکم کے ساتھ شرک کی ممانعت اسلئے کی گئی کہ صحیح عبادت توحید کے عقیدے کے ساتھ ہی ہو سکتی ہے' کیونکہ اگر چند معبود مانے جائیں تو کسی کیلئے بھی انتہائی عجز نہ ہو سکے گا **وبالوالدین احسانا** چونکہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق ہے اور ماں باپ خلق کا ذریعہ نیز تمام مخلوق و قرابتداروں میں ماں باپ کا حق سب سے زیادہ ہے' کہ تمام نسبی رشتے ماں باپ کے ذریعے سے ہیں' نیز ماں باپ ہماری بیکسی کے وقت کے محسن ہیں' اسلئے اپنی عبادت کے ساتھ ماں باپ سے سلوک کا حکم دیا بالوالدین سے پہلے احسنوا فعل پوشیدہ ہے والدین سے مراد سگے ماں باپ ہیں سوتیلے ماں باپ یوں ہی دادا دادی' نانا نانی' چچا وغیرہ اس سے خارج ہیں' کیونکہ قرآن مجید کی اصطلاح

میں عموماً والدین سگے ماں باپ کو فرمایا جاتا ہے اور لفظ آباؤ وامہات مطلقاً ارشاد ہوتا ہے۔ جس میں سگے سوتیلے ماں باپ یوں ہی دادا دادی نانا نانی وغیرہ شامل ہوتے ہیں، فرماتا ہے **حرمت علیکم امھاتکم** اس میں سارے مذکورین داخل ہیں اور فرماتا ہے **والوالدات یرضعن اولادھن** اس میں صرف سگی مائیں مراد ہیں، احسان سے مراد ہے بھلائی یا اچھا سلوک خواہ بدنی بھلائی ہو یا مالی علماء فرماتے ہیں کہ ماں باپ کے ساتھ سلوک یہ ہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں سے انکی خدمت کرے، انکے سامنے چلا کر نہ بولے ان سے سختی سے گفتگو نہ کرے انکا ہر جائز حکم مانے، بقدر طاقت ان پر مال خرچ کرے، کبھی انہیں مارنے پیٹنے کا ارادہ بھی نہ کرے ماں باپ کی وفات کے بعد انکے قرض ادا کرے، انکے وعدے پورے کرے، انکی جاری کردہ جائز رسوم جاری رکھے، انکے دوستوں، عزیزوں کو انکی جگہ سمجھے، انہیں ہمیشہ صدقہ وخیرات ختم وغیرہ کا ثواب پہنچاتا رہے، حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم تو بی بی خدیجہ کے انتقال کے بعد انکی طرف سے قربانی کرکے انکی سہیلیوں میں تقسیم فرماتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت حنظلہ ابن عامر راہب مسلمان ہو چکے تھے انکا باپ عامر مشرک تھا، حضرت حنظلہ نے اسے قتل کرنا چاہا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمادیا (تفسیر کبیر) **وبذی القربی** یہ عبارت والدین پر معطوف ہے قربیٰ مصدر ہے، بمعنی قرابت یہاں قرابت سے مراد ماں باپ کے سوا دوسرے رشتہ دار ہیں جیسے دادا دادی، نانا نانی، چچا، ماموں، خالہ اور انکی اولاد، ماں باپ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس لئے وہ اس میں داخل نہیں تمام رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا بہت اہم دینی کام ہے **والیتمی والمساکین** یتمی یتیم کی جمع ہے، بمعنی اکیلا انسانوں میں وہ نابالغ بچہ یتیم ہے، جسکا باپ فوت ہو چکا ہو، حرامی بچہ یتیم نہیں کہ اسکا جائز باپ کوئی ہے ہی نہیں، جانوروں میں بے ماں کا بچہ یتیم ہے، موتی یتیم وہ ہے جو سیپ میں اکیلا ہو، مساکین سے مراد مطلق غریب وفقیر ہے نہ وہ جو فقیر کا مقابل ہو۔ یہاں ہر یتیم وفقیر مراد ہے خواہ رشتہ دار ہو یا اجنبی، **والجار ذی القربی** جار جوار سے بنا، بمعنی امان۔ پڑوس میں رہنے والا یعنی جار پڑوسی ہے، قربیٰ سے مراد مکانی قرب ہے، نہ کہ رشتہ کا قرب کہ اسکا ذکر تو پہلے ہو چکا یا دین وایمان کا، قرب مراد ہے یعنی قریب کا پڑوسی جس کا گھر تم سے ملا ہوا ہو یا مسلمان پڑوسی، **الجار الجنب** یہاں جنب کے معنی ہیں پہلو صاحب جنب سے مراد ہے کروٹ یا پہلو کا ساتھی اس سے مراد یا سفر کا ساتھی ہے یا پیشہ کا ساتھی یا تعلیم یا مدرسہ یا مسجد کا ساتھی یا ہمنشین یا بیوی ہے کہ بیوی اپنے بستر کی ساتھی ہے، غرض کہ اس میں بہت سی قسم کے ساتھی مراد ہو سکتے ہیں، حتی کہ بچپن کا ساتھی بھی اس میں داخل ہے، **ابن السبیل** اس لفظ کی تحقیق بارہا کی جاچکی ہے کہ ابن سبیل وہ مسافر ہے جو راہ طے راہ کر رہا ہو، مسافر ہر پردیسی آدمی ہے خواہ راہ گزر میں ہو یا کہیں ٹھہرا ہو اپنے وطن سے کم یا زیادہ لہٰذا ابن السبیل مسافر سے خاص تر ہے یہاں وہ شخص مراد ہے جو سفر کر رہا ہو اور بے توشہ رہ جائے، اسکے ساتھ احسان، یا یہ ہے کہ اسے منزل مقصود تک پہنچا دیا جائے کہ اپنی سواری میں سوار کرے یا ریل وغیرہ میں بٹھادے یا اسے زاد راہ توشہ پیسہ دیدے یا راہ بتادے، **وما ملکت ایمانکم** حق یہ ہے کہ اس سے مراد لونڈی، غلام، مملوکہ جانور ہیں ان میں سے ہر ایک سے وہ سلوک کرے جو اسکے لائق ہے۔ (تفسیر کبیر) چنانچہ مملوکہ لونڈی، غلام کو کھانا کپڑا بقدر حاجت دے انہیں ظلماً نہ مارے ان سے طاقت سے زیادہ کام نہ لے اگر کوئی بھاری کام ان سے کرالے تو خود بھی کام میں مدد دے انہیں گالیاں طعن وغیرہ نہ دے جانوروں سے سلوک یہ ہے کہ انکے چارہ پانی کا خیال رکھے خوب شکم سیر کھلادے۔ بلا وجہ نہ مارے، بقدر طاقت کام لے جب منزل پر پہنچے تو پہلے اس پر سے بوجھ اتار دے پھر اور کوئی کام کرے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اونٹوں نے فریادیں کی ہیں اور انکی فریاد رسی حضور نے کی

ہے۔ **ان اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا۔** مختال خیل یا خیال سے بنا اس سے ہے خیلاء مختال وہ شخص ہے جو اپنے خیال میں دوسروں سے بڑا ہو یعنی اپنے کو بڑا سمجھنے والا یعنی اپنے کو دوسروں سے ذاتی طور پر بڑا جاننے والا۔ فخور فخر سے بنا یعنی بیرونی چیزوں میں اپنے کو دوسروں سے بڑا سمجھے اپنے کو بڑا عالم' بڑا بہادر' بڑا عالی خاندان سمجھنے والا مختال ہے اور اپنے کو بڑا مالدار بڑا جتھہ دار سمجھنے والا فخور یا عملی طور پر اپنی بڑائی ظاہر کرنیوالا مختال ہے اور زبان سے اپنے کو بڑا کہنے والا فخور یا بہرحال اپنے کو بڑا دوسروں کو چھوٹا یا ذلیل جاننا اختیال و فخر ہے' یعنی اللہ تعالیٰ ایسے متکبروں کو ناپسند فرماتا ہے جو اپنے گھمنڈ و غرور کی وجہ سے اپنے پڑوسیوں' غلاموں' نوکروں وغیرھم کے حقوق ادا نہ کریں' چونکہ فخر و تکبر انسان کو مذکورہ بالا نیکیوں سے روکتے ہیں اس لئے آخر میں انکی برائی کا ذکر فرمایا' خیال رہے کہ جہاد میں کفار کے مقابل شیخی و فخر کرنا عبادت ہے کہ یہ بھی جہاد ہے' مسلمان بھائی کے مقابل فخر و شیخی حرام ہے اور نبی کے مقابل تکبر وغیرہ کفر ہے' اسی فخر سے شیطان مردود ہوا' یہاں آخری دو قسم کا فخر مراد ہے' ان ہی اقسام کی برائی بیان ہو رہی ہے' لہٰذا یہ آیت اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں جہاد کے فخر کو اچھا فرمایا گیا' **الذین یبخلون ویامرون الناس بالبخل** یہ جملہ یا تو مستقل ہے الذین مع صلہ کے مبتدا اور اسکی خبر پوشیدہ ہے یا من کان کا بدل یا اسکی صفت چونکہ من' معنی میں جمع تھا اس لئے اس کا بدل یا صفت جمع لائی گئی یا الذین مبتداء پوشیدہ کی خبر ہے' بخل مال کا بھی ہوتا ہے علم کا بھی۔ ضرورت کے وقت مال خرچ نہ کرنا مالی بخل ہے' اور حاجتمند سے علم چھپانا علمی بخل ہے' یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں' اگر یہ آیت علماء یہود کے متعلق ہے تو بخل سے مراد علمی بخل ہے اور اگر ان لوگوں کے متعلق ہے جو مسلمانوں کو صدقہ و خیرات سے روکتے تھے تو مالی بخل مراد ہے' بخل' امساک ایسے ہی سخاوت وجود میں فرق پہلے بیان ہو چکا اس سے مراد یا پادریوں کے ماتحت لوگ ہیں یا جماعت انصار۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو متکبر شیخی خورے ہوں اور خود بھی مالی یا علمی یا دینی کنجوس ہوں اپنے ماتحت علماء کو یا جماعت انصار کو یا دوسروں کو بخل و کنجوسی کا حکم یا مشورہ دیں' **ویکتمون ما اتھم اللہ من فضلہ** یہ جملہ یامرون پر معطوف ہے کتم' اخفاء' اور ستر تینوں کے معنی چھپانا ہے' مگر کتم میں مبالغہ ہے' یعنی بالکل چھپانا کہ کسی کو ہوا نہ لگے اکثر یہ لفظ ناحق چھپانے پر بولا جاتا ہے' چور سے مال نااھل سے علم کے اسرار چھپانا کتم نہیں ما سے مراد یا مال ہے یا علم یا دین یا ان سب کو عام فضل' معنی مہربانی بغیر استحقاق کسی کو کچھ دینا' یعنی انہیں اللہ نے جو مال یا علم محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرمایا اسے لوگوں سے ناحق چھپاتے ہیں کہ لوگوں کو توریت و انجیل نہیں سکھاتے اور توریت کی وہ آیات جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے ان کا کسی سے تذکرہ نہیں کرتے **واعتدنا للکفرین عذابا مھینا** اعتدنا کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں' چونکہ کفار مال کے بخیل بھی تھے' علم دین کے بخیل بھی اسلئے ان دونوں بخیلوں کو لفظ کافرین سے تعبیر فرمایا عذاب عذب سے بنا' معنی روکنا اسلئے میٹھے پانی کو عذب کہتے ہیں کہ وہ پیاس روک دیتا ہے' سزا کو اسلئے عذاب کہا جاتا ہے اس سے جرم رکتے ہیں' مھینا اہانتہ سے بنا' معنی ذلت و خواری رسوائی دینا یعنی ہم نے اس قسم کے یا تمام کافروں کیلئے خواری والا عذاب تیار کر رکھا ہے لہٰذا اس قسم کی حرکتوں سے بچو تاکہ عذاب سے امان میں رہو۔

خلاصہ ء تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دس باتوں کا حکم دیا اور پانچ باتوں کی برائی بیان فرما کر ان سے روکا' چنانچہ اللہ کی عبادت' ماں باپ سے سلوک' قرابتداروں' یتیموں' مسکینوں' قریب کے پڑوسیوں' دور کے پڑوسیوں' ہر قسم کے ساتھیوں' مسافروں' لونڈی غلاموں بلکہ جانوروں سے اچھے برتاؤں کا حکم دیا اور تکبر' شیخی' کنجوسی کا مشورہ دینا' اللہ کی نعمتیں

چھپانا ان سے منع فرمایا چنانچہ فرمایا اے مسلمانو یا اے سارے بندو اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی عبادت کرو جانی جسمانی مالی اس کا شریک کسی کو نہ بناؤ اور اپنے ماں باپ سے ہر قسم کی بھلائی کرو بدنی مالی احترام والی اور ہر قسم کی قرابتداروں یتیموں مسکینوں قریبی پڑوسیوں دور کے پڑوسیوں مدرسہ یا پیشہ یا سفر یا تعلیم یا بچپن کے ساتھیوں یا اپنی بیویوں مسافروں راہگذاروں اپنی لونڈی غلاموں نوکروں مملوک جانوروں سے اچھا سلوک کرو یہ صفات رب تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔ یقین کرو کہ اللہ ایسے لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو متکبر شیخی خورے ہوں خود بھی بخل کرتے ہیں لوگوں کو بھی کنجوسی کے مشورے دیں اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو چھپائیں اس قسم کے لوگ پکے کافر ہیں اور ہم نے کفار کیلئے سخت ذلت و رسوائی کا عذاب مقرر کر دیا ہے اگر ان عذابوں سے بچنا ہے تو اسکی فرمانبرداری کرو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ہر شخص پر اللہ کی عبادت ضروری ہے کہ کوئی شخص اسکی عبادت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا خواہ کسی درجہ کا انسان ہو جیسا کہ اعبدوا کے عموم سے معلوم ہوا حتیٰ کہ کافر پر فرض ہے کہ ایمان لائے اور اللہ کی عبادت کرے۔

زندگی آمد برائے بندگی زندگی بے بندگی شرمندگی

دوسرا فائدہ: ہر شخص پر اسکی حیثیت کے لائق عبادت لازم ہے فقیر صرف بدنی عبادات کرے امیر مالی بھی کرے جیسا کہ اعبدو کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ **تیسرا تعلق:** ماں باپ کی خدمت بڑا ہی اہم ضروری کام ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد اسکا حکم دیا اور تمام اہل قرابت کے حق سے پہلے انکے حقوق بیان فرمائے خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت جگہ ماں باپ سے سلوک کا حکم دیا ایک یہاں اور دوسری **وقضی ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا** تیسری ان اشکرلی ولوالدیک ان تینوں جگہ میں اپنی عبادت و شکر کے ساتھ ماں باپ سے سلوک کا ذکر فرمایا۔ **چوتھا فائدہ:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے دیکھو رب تعالیٰ کا حکم ہے ماں باپ دونوں کے ساتھ سلوک کرو مگر عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **وبرا بوالدتی** اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنیوالا ہوں اگر آپ کا باپ بھی ہوتا تو بوالدی فرماتے۔ اگر باپ فوت بھی ہو جائے تب بھی اس سے بھلائی کی جائے جیسا کہ تفسیر سے معلوم ہوا **پانچواں فائدہ:** ماں باپ اگرچہ کافر ہوں مگر ان سے سلوک کرنا انکی ہر جائز بات ماننا چاہئے: جیسا کہ والدین کے اطلاق سے معلوم ہوا **چھٹا فائدہ:** والدین میں دادا دادی نانا نانی چچا وغیرہ داخل نہیں ہوتے بلکہ یہ لوگ اقربون یا ذی القربیٰ میں داخل ہوتے ہیں دیکھو یہاں ان لوگوں کو ذی القربیٰ میں داخل کیا گیا لہٰذا مما ترک الوالدان والاقربون میں والدین سے مراد صرف سگے ماں باپ ہیں۔ اور اقربون میں دادا وغیرہ داخل ہیں لہٰذا بیٹے کے ہوتے پوتا پوتی محروم ہوگا جیسا کہ چوتھے پارہ میں عرض کیا گیا **ساتواں فائدہ:** پڑوسی اگرچہ کافر و مشرک ہو مگر اس سے بھی اچھا سلوک کرنا چاہئے جیسا کہ والجار کے اطلاق سے معلوم ہوا چنانچہ ابو نعیم اور بزاز نے بروایت حضرت جابر مرفوعا روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی تین قسم کے ہیں ایک وہ جن کے تین حق ہیں پڑوسیت قرابت اسلام دوسرے وہ جنکے دو حق ہیں پڑوسیت اسلام تیسرے وہ جن کا ایک حق ہے صرف پڑوسیت کا جیسے مشرک یا اہل کتاب پڑوسی بخاری نے کتاب الادب میں حضرت ابن عمر سے روایت فرمایا کہ انکے ہاں بکری ذبح کی گئی تو آپ نے

اپنے غلام سے فرمایا کہ ہمارے یہودی پڑوسی کو بھی گوشت دے آؤ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مجھے جبریل نے پڑوسی کے متعلق اس قدر تاکید کی کہ میں نے تو گمان کیا کہ اسے وارث بنادیا جائیگا۔ آٹھواں فائدہ: قریب کے پڑوسی کا بمقابلہ دور کے پڑوسی کے زیادہ حق ہے' دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے جارذی القربی کا ذکر' جار جنب سے پہلے فرمایا۔ نواں فائدہ: ساتھی کا بھی حق ہے' خواہ سبق کا ساتھی ہو یا سفر کا یا پیشہ کا یا بچپن کا یا گھر کا' حضرت صدیق اکبر تو حضور کے گھر' سفر' قبر' بچپن' جوانی اور بڑھاپے کے ساتھی ہیں۔ اور دینے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' بُجھ لو کہ حضور پر انکے کتنے حقوق ہیں' اور حضور نے جو تمام جہان کے داتا ہیں انہیں کیا کچھ دیا ہو گا' علماء فرماتے ہیں ایک مسجد میں نماز پڑھنے والے مسلمان بھی اس میں داخل ہیں' انکے بھی حقوق ہیں کہ وہ نماز کے ساتھی ہیں۔ دسواں فائدہ: مہمان کا بھی تم پر حق ہے کہ وہ بھی ابن سبیل یعنی مسافر میں داخل ہے' مہمان وہ ہے جو ہم سے ملنے آئے' جو اپنے کام کیلئے ہمارے پاس آیا وہ ہمارا مہمان نہیں جیسے حاکم کے پاس مقدمہ والے یا مفتی کے پاس مسئلہ پوچھنے والے۔ گیارہواں فائدہ: لونڈی' غلام' نوکر چاکر' مملوکہ جانوروں کا بھی ہم پر حق ہے انکا حق مارنے پر بھی قیامت میں پکڑ ہو گی' حدیث شریف میں ہے کہ ایک عورت اسلئے دوزخ میں گئی کہ اس نے بلی پالی ہوئی تھی۔ اسے باندھ دیا نہ کھانے کو دیا نہ چھوڑا حتی کہ وہ بھوکی مر گئی' دوسری حدیث میں ہے کہ ایک رنڈی اسلئے بخش دی گئی کہ اس نے پیاس سے مرتے ہوئے کتے کو پانی پلا کر اسکی جان بچائی' افسوس ہے کہ اب مسلمان مسلمان بھائی کا حق ادا نہیں کرتے' اسلام نے جانوروں کے حقوق مقرر فرمائے ہیں۔ بارہواں فائدہ: اللہ کی نعمت کا چرچا کرنا شکر ہے۔ اسکی نعمت چھپانا کفران اور ناشکری ہے۔ ناشکری سے رب تعالیٰ بہت ناراض ہے' جیسا کہ و ۔یکتمون سے معلوم ہوا' لہٰذا مسلمان کو چاہئے کہ اپنی صورت سیرت سے اپنا اسلام ظاہر کرے کہ اسلام بھی اللہ کی نعمت ہے اسے ظاہر کرو۔ تیرہواں فائدہ: اللہ تعالیٰ گناہگار مسلمان کو اگر سزا بھی دیگا تو اسے رسوا و ذلیل نہ کریگا' جیسا کہ للکفرین کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا۔ چودہواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعت کی آیات چھپانا' یا حضور کے فضائل بیان نہ کرنا' یا بیان کرنے میں کوتاہی کرنا' انتہائی درجہ کا بخل ہے' جیسا کہ یبخلون کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا' اس سے وہ وہابی عبرت پکڑیں' جو کبھی نعت شریف بیان کرنا جانتے ہی نہیں۔ یہ علماء سوء کے وارث ہمیشہ **انما انا بشر مثلکم** ہی بیان کرتے ہیں۔ ؎

ذکر رو کے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے ۔۔۔ پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

فضائل کی روایات کو ہر طرح ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں' جہاں نقص کا بہانہ ہے۔ وہ آنکھ بند کر کے مان لیتے ہیں۔

پہلا اعتراض: آج کل مسلمان ولیوں نبیوں کو پوجتے ہیں' انکی قبروں پر چڑھاوے' قبریں چومنا قبروں پر چادریں چڑھانا' انکا احترام کرنا' یہ انکی عبادت ہے۔ کفار و مشرکین بتوں کو پوجتے تھے' یہ قبروں کو رب نے حکم دیا ہے کہ صرف اللہ کو پوجو (وہابی دیوبندی) جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر چڑھاوا چڑھانا' چومنا' ادب کرنا عبادت ہے' تو کعبہ معظمہ پر غلاف چڑھانا کعبہ کی عبادت ہوئی' مقام ابراہیم پتھر پر غلاف چڑھانا اس پتھر کی عبادت ہوئی' سنگ اسود' علماء دیوبند کے ہاتھ چومنا یہ سب عبادتیں ہوئیں' سب غیر اللہ کے پجاری ہوئے' جواب تحقیقی یہ ہے کہ عبادت ہر وقت وہ تعظیم ہے جو کسی کو الہ یا الٰہ کی مثل مان کر کی جاوے جب تک کہ یہ عقیدہ نہ ہو تب تک کوئی تعظیم عبادت نہیں ہوتی'

اسکی تحقیق ابھی تفسیر میں کر دی گئی۔ اور اس تفسیر کے پہلے پارے اور جاء الحق جلد اول میں کی جا چکی ہے عبادت میں اپنی عبدیت اور دوسرے کی معبودیت کا عقیدہ ضروری ہے' **دوسرا اعتراض:** خدا وہ ہے جسے علم غیب ہو' جو مدبر عالم ہو جو فریاد رسی کرے' جو مشکل کشائی کرے' جو بیٹا دے جو شفا دے' جو دور سے سنے دیکھے اسے دور سے پکارا جائے' آجکل مسلمان ولیوں' نبیوں کو علم غیب وغیرہ مانتے ہیں' ان سے فریادیں کرتے ہیں یہ سب مشرک ہیں' ان سے پناہ مانگنا شفا مانگنا شرک ہے۔ (دیوبندی وہابی) **جواب:** اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی' جواب الزامی تو یہ ہے کہ اس صورت میں لازم ہو گا کہ آدم علیہ السلام' سلیمان علیہ السلام' یوسف علیہ السلام اور حضرت جبرئیل وغیرہ تمام حضرات خدا ہو جائیں کہ رب نے حضرت آدم و عیسیٰ کو علم غیب بخشا حضرت سلیمان نے تین میل دور سے چیونٹی کی آواز سن لی' سمجھ لی' حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض نے شفا دی' عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ باذن الٰہی میں مردے زندہ کرتا ہوں کوڑھے' اندھوں کو شفا دیتا ہوں یہ صفات ہرگز مدار الوہیت نہیں کہ رب تعالیٰ نے بندوں کو بخشے ہیں' **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ مدار الوہیت غنا اور بے نیازی ہے اللہ وہ ہے جو بے نیاز ہو غنی ہو خود فرماتا ہے اللہ الصمد اور فرماتا ہے واللہ غنی عن العالمین بندہ وہ ہے جو نیاز مند اور رب کا حاجتمند ہو فرماتا ہے واللہ الغنی وانتم الفقراء علم غیب' شفاء امراض فریاد رسی وغیرہ رب تعالیٰ کی ذاتی صفات ہیں کسی کی دی ہوئی نہیں' بعض بندوں کو یہ صفتیں ملی مگر وہ عطائی ہیں یعنی رب تعالیٰ کی دی ہوئی' اسکے قبضہ میں لہٰذا ان صفات میں رب تعالیٰ غنی ہے وہ اللہ ہے بندہ نیاز مند ہے وہ الٰہ نہیں بے نیازی و نیاز مندی ہی بندہ اور اللہ میں فرق کا باعث ہے' خالقیت' مالکیت' ازلی ابدی ہونا' سب بے نیازی میں آگیا۔ **تیسرا اعتراض:** پھر تو مشرکین عرب بھی مشرک نہ رہے' کیونکہ وہ اپنے بتوں اور جھوٹے معبودوں کو رب کا بندہ ہی مانتے تھے' رب سے بے نیاز نہ مانتے تھے' اپنے تلبیہ میں کہتے تھے کہ لاشریک لک الا شریکا واحدا ھو عبدک خدایا تیرا کوئی شریک نہیں سوا ایک شریک کے جو وہ بھی تیرا بندہ ہی ہے' خود قرآن مجید فرماتا ہے کہ اگر تم ان مشرکوں سے پوچھو کہ آسمان زمین کس نے پیدا کئے تو کہیں گے اللہ نے اگر تم پوچھو کہ بارش کون برساتا ہے روزی کون دیتا ہے تو کہیں گے اللہ۔ جب وہ لوگ آسمان زمین کا خالق مالک مدبر امر روزی رساں صرف خدا کو مانتے تھے' تو پھر مشرک کیوں ہوئے صرف اس وجہ سے کہ وہ اپنے بتوں کو غیب دان فریاد رس وغیرہ مانتے تھے بعطاء الٰہی یہی تم انبیاء و اولیاء کیلئے عقیدہ رکھتے ہو' لہٰذا تم بھی ان ہی کی طرح مشرک ہو۔ **نوٹ:** موجودہ وہابی دیوبندیوں کا یہ انتہائی اعتراض ہے' اس پر مولوی مودودی وغیرہ نے بہت زور دیا ہے۔ **جواب:** مشرکین عرب اپنے بتوں کو خدا کی مثل مانتے تھے اس لئے مشرک تھے' چنانچہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے' اولاد باپ کی مثل ہوتی ہے' بعض بتوں کو مستقل خالق بے نیاز مانتے تھے جیسے مجوسی بعض مشرکین اپنے بتوں کو خدا کا بندہ مملوک مقبوض مان کر پھر انہیں خدا کی مثل مانتے تھے کہ پیدا ہونے میں یہ بت خدا کے محتاج ہیں اور دنیاوی انتظام میں خدا ان کا محتاج حاجتمندی میں یہ بت اور خدا برابر ہیں' خدا سے برابری کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ بندے کو اونچا کر کے خدا تک پہنچا دیا جائے دوسرے یہ کہ خدا کو نیچا کر کے بندوں کی صف میں داخل کر دیا جائے' یہ مشرک خدا کو بتوں کا محتاج مان کر اسے بندوں کے برابر کر دیتے ہیں۔ لہٰذا مشرک تھے بہر حال بے نیازی خدا کی صفت ہے نیاز مندی بندے کی صفت فرق الوہیت و بندگی اسی سے ہے۔ **چوتھا اعتراض:** ذی القربیٰ میں ماں باپ بھی داخل تھے پھر ماں باپ کا ذکر علیحدہ کیوں کیا۔ **جواب:** اسکا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ ماں باپ تمام قرابتداروں سے افضل اکمل ہیں کہ تمام کے رشتہ ماں باپ کے ذریعہ سے ہیں کہ انکی اولاد ہماری بھائی

بمن 'انکے باپ دادے ہمارے اصول ہیں انکے بھائی ہمارے چچا' ماموں وغیرہ نیز انکے حقوق تمام رشتہ داروں سے زیادہ ہیں' اسلئے انکا ذکر خصوصیت سے علیحدہ کیا گیا۔ **پانچواں اعتراض:** مساکین میں تو یتیم بھی شامل تھے پھر انکا ذکر علیحدہ کیوں فرمایا۔ **جواب:** اسلئے کہ یہ یتیم مسکین بھی ہے' اور بے کس بھی بے زور بھی اسلئے یہ ہی زیادہ امداد کا مستحق ہے' یہ علیحدہ ذکر فرمانا بھی خصوصیت کے اظہار کیلئے ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ ہم نے کفار کیلئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے' تو کیا مذکورہ حقوق ادا نہ کرنیوالا کافر نہیں ہے تو یہاں کافروں کا ذکر بے کار ہوا۔ **جواب:** اس جملہ سے متصل لوگوں کو بخل کا حکم دینا مذکور ہوا اور واقعی جو زکوۃ وغیرہ کو برا جانتے لوگوں کو اس سے روکے وہ کافر ہے' نیز اللہ کا فضل چھپانے کا ذکر ہوا اور جو شخص حضور کی نعت چھپائے انکار کرے وہ کافر ہے یہ ہر حال میں عبارت گزشتہ مضمون کے بالکل مناسب ہے۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت میں تکبر شیخی کی برائی بیان ہوئی تو کیا اچھا لباس اچھا مکان بنانا حرام ہے کہ اس میں بھی شیخی عملی ہے۔ **جواب:** ہرگز نہیں بلکہ اگر یہ رب تعالیٰ کی نعت ظاہر کرنے کیلئے ہو تو عبادت اور باعث ثواب ہے' بلکہ دوسرے مسلمان بھائی کو ذلیل جاننا حق کا انکار کرنا یہ ہے' شیخی وہ ہی یہاں مرلو ہے' جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

تفسیر صوفیانہ: نفس امارہ کی پیروی نفس کی عبادت ہے' جو خدا سے غافل کروے اسے ماننا شرک ہے حتی کہ اگر تیری ذلت تجھے رب سے غافل کر دے تو اسکا ماننا بھی شرک انا کی فنا توحید ہے۔

نقد ہستی محو کن در لا الہ — تابہ بینی دار ملک بادشاہ
غیر حق ہر ذرہ کاں مقصود تست — تیغ لا بر کش کہ آں معبود تست
لا کہ عرش و فرش راپرے درو — از فنا سوئے بقاء رہ می برد
لا ترا از تو رہائی مے دہد — باخدایت آشنائی مے دہد
چوں تو خود را از میاں برداشتی — قصر ایماں را درے افراشتی

عابد معبود سے واصل اسی وقت ہو سکتا ہے' جب اپنی ہستی کا پردہ بھی چاک کر دے لا کی تلوار سے ہر غیر اللہ کو ذبح کر دے حتی کہ جنت حاصل کرنے دوزخ سے بچنے کیلئے بھی رب کی عبادت کرنا شرک خفی ہے کہ تو پھر جنت دوزخ کا پجاری ہے' عبدیت سے آگے بڑھو عبودیت تک پہنچو جہاں خوف دنیا و عقبیٰ ختم ہو' تسلیم و رضا تیرا شغل ہو' جب عابد اپنے معبود سے واصل ہو گا تو صفات الٰہی سے موصوف ہو جائے گا' اور اللہ کی صفت احسان بھی ہے اب یہ شخص ماں باپ رشتہ داروں' پڑوسیوں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں سے اس طرح احسان کریگا کہ خود صفت احسان کا مظہر اتم ہو گا' اسلئے رب نے پہلے عبادت یا عبودیت کا حکم دیا شرک سے منع فرمایا پھر احسان کی تاکید کی' بخل' تکبر' شیخی وغیرہ نفس کے عیوب ہیں' رب تعالیٰ نہ تو نفس کو پسند فرماتا ہے نہ نفس کے عیوب سے راضی ہے۔ جب بندہ انا کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے تو اس سے نفسانی عیوب خود ہی دور ہو جاتے ہیں' ماں باپ وغیرہ سے احسان بھی اسلئے کرو کہ یہ رب کا فرمان ہے جب بندہ بندے سے محبت کرتا ہے اللہ کیلئے' تو یہ محبت و خدمت اللہ کی عبادت ہوتی ہے' اللہ کیلئے ملنا' اللہ کیلئے الگ ہونا بڑا کمال ہے' مولانا جلال الدین اتحاد اولیاء کے متعلق مختلف مقامات پر فرماتے ہیں۔۔۔

چوں از ایشاں مجتمع بینی دو یار ہم یکے باشند وہم شش صد ہزار
برمثال موجہا اعداد شاں در عدد آوردہ باشد بادشاں
تفرقہ در روح حیوانی بود نفس واحد روح انسانی بود
مومناں معدود لیک ایماں یکے جسم شاں معدود لیکن جاں یکے

مومن موج دریا کی طرح ہیں تعداد میں لاکھوں مگر ایمان و روح میں ایک اللہ تعالیٰ ہمیں اس قال کو حال بناوے آمین یہ آیت اخلاق ظاہری باطنی کی بہت جامع ہے۔ (از روح البیان)

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ

اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں مال اپنے دکھانے کے لئے لوگوں کو اور نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور نہ آخری

اور جو اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کو خرچ کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے اللہ اور نہ قیامت پر اور

الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ۝ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا

دن پر اور وہ جو ہو شیطان اس کا ساتھی پس وہ برا ہے ساتھی اور کیا ہے جو ان پر ہوتا اگر ایمان

جس کا مصاحب شیطان ہوا تو کتنا برا مصاحب ہے اور ان کا کیا نقصان تھا اگر ایمان لے آتے

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۝

لے آتے اللہ اور آخری دن پر اور خرچ کرتے اس سے جو دیا انہیں اللہ نے اور ہے اللہ ان کو جاننے والا

اللہ اور قیامت پر اور اللہ کے دیئے میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے اور اللہ ان کو جانتا ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے کئی طرح تعلق ہے' **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مال نہ خرچ کرنے والوں یعنی کنجوسوں کی برائیاں فرمائی گئی تھیں' اب بیجا خرچ کرنے والوں یعنی ریاکاروں کی برائیاں بیان ہو رہی ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد تھا کہ کنجوس لوگ اچھی جگہ خرچ نہیں کرتے اب فرمایا جا رہا ہے کہ کنجوسی کی وجہ سے بچا ہوا مال ناجائز جگہ خرچ کرتے ہیں' وہ مال انکے کام نہیں آتا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں منافقین' کفار کے بخل کا ذکر تھا اب اسکی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ شیطان انکا ساتھی ہو چکا' جنکا ساتھی شیطان ہو جائے وہ اچھا کام کیسے کریں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں حکم تھا کہ ماں باپ اہل قرابت وغیرہ پر خرچ کرو اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ خرچ دکھاوے کیلئے نہ ہو' اللہ کو راضی کرنے کیلئے ہو یعنی پہلے ایک نیکی کا حکم تھا اب اخلاص کا تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے۔

شان نزول: منافقین مدینہ مسلمانوں کو زکوٰۃ و صدقات سے ڈراتے تھے کہ تم فقیر ہو جاؤ گے' اپنا مال آڑے وقت کیلئے بچا کے رکھو مگر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں کبھی کبھی مال پیش کرتے تھے' تاکہ ہم پر نفاق کا الزام نہ آجائے لوگ ہم کو مسلمان ہی جانیں انکے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی امام واحدی کا یہی قول ہے' بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مشرکین مکہ

اور منافقین مدینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اسلام سے لوگوں کو پھیرنے اور نام و نمود کے موقعوں پر بے دریغ مال خرچ کرتے تھے مگر اسلامی کاموں پر خرچ کرنے سے گھبراتے تھے انکے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر: **والذین ینفقون اموالھم رئاء الناس۔ الذین** یا تو الذین یبخلون پر معطوف ہے اور لا یحب کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصبی میں ہے یا للکفرین پر معطوف ہے اور جری حالت میں ہے یعنی کفار و ریا کاروں کیلئے سخت عذاب ہم نے تیار کیا ہے یا الذین مبتداء ہے جسکی خبر پوشیدہ ہے تب یہ حالت رفعی میں ہو گا لہٰذا اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ الذین سے مراد ریاکار منافقین و کفار ہیں جیسے کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے۔ ینفقون مضارع فرما کر بتایا گیا کہ یہ لوگ ناجائز نیت سے ناجائز مقامات پر خرچ کرتے ہی رہتے ہیں اموال جمع فرما کر اشارہ کیا کہ یہ بد نصیب ریاء کیلئے ہر قسم کے مال خرچ کرتے ہیں روٹی کپڑا پیسہ وغیرہ ریاء راٰی سے بنا بمعنی دیکھنا باب مفاعلت کا مصدر ہے متعدی ہے۔ یعنی دکھانا یہاں ینفقون کا مفعول لہ ہے الناس سے مراد عام لوگ ہیں مسلمان ہوں یا کفار اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں کیونکہ حضور کو دکھانا انہیں راضی کرنے کیلئے نیکیاں کرنا ریاء نہیں عین عبادت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ۔ لوگوں کو دکھانے دکھانے کیلئے نیکی کرنا ریاء ہے۔ حضور کو دکھانے کیلئے کرنا اعلیٰ درجہ کا اخلاص **ولا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر** یہ عبارت **ینفقون** پر معطوف ہے اور الذین کا صلہ۔ ارکان ایمان بہت ہیں مگر وہ تمام اللہ اور قیامت کے درمیان ہیں گویا کناروں کا ذکر فرمایا اور تمام ایمانیات مراد لئے۔ خیال رہے: کہ منافقین مذہباً یہود تھے۔ جو اللہ تعالیٰ کو بھی مانتے تھے اور قیامت کو بھی مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر تھے اس لئے انکا اللہ اور قیامت کو ماننا مثل نہ ماننے کے قرار دیا گیا یعنی یہ لوگ صحیح طور پر اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔ کیونکہ اے محبوب تمہارے منکر ہیں۔ **ومن یکن الشیطن لہ قرینا فساء قرینا** یہ عبارت الذین مذکورہ کی خبر نہیں ورنہ اس پر واؤ نہ آتا ف آتا اسکی خبر پوشیدہ ہے۔ فقرینہ شیطان اسکا ساتھی شیطان ہے۔ یہ جملہ علیحدہ ہے ظاہر یہ ہے کہ یہاں شیطان سے مراد ابلیس ہے۔ جو تمام شیاطین کا سورث اعلیٰ ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ ہی شیطان ہو جو ہر انسان کے ساتھ رہتا ہے۔ جسے قرین کہا جاتا ہے۔ مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے رب فرماتا ہے۔ ومن یعش عن ذکر الرحمن نقیض لہ شیطانا فہولہ قرین۔ ممکن ہے کہ اس شیطان سے مراد برے ساتھی ہوں۔ جو اگرچہ انسان ہیں مگر در حقیقت شیطان ہیں کہ اسے بہکاتے رہتے ہیں (تفسیر روح المعانی) قرین قرن سے بنا ہے بمعنی جمع ہونا یا کسی جگہ میں جمع ہونا۔ یا کسی کام میں۔ یا کسی وصف میں۔ اصطلاح میں ساتھی اور دوست کو قرین کہتے ہیں۔ یہاں یہ ہی مراد ہے ابلیس ایسے لوگوں کا دنیا میں ساتھی و دوست ہے یا ہر کافر کا قرین شیطان اسکے ساتھ زنجیر میں باندھ کر دوزخ میں پھینکا جائے گا۔ اسی طرح اس آیت میں اشارہ ہے یعنی ایسے ریاء کاروں کا دنیا و آخرت میں شیطان ساتھی ہے۔ اور جسکا ساتھی شیطان ہو جائے وہ یقیناً برا ساتھی ہے۔ **وما ذا علیھم لو امنوا باللہ والیوم الاخر۔** ان منافقین کی ریاکاری کا ذکر فرما کر انکی حماقت و بیوقوفی کا ذکر جا رہا ہے کہ اگر وہ لوگ یہ ہی مال ایمان لا کر اللہ کیلئے خرچ کرتے تو انکا بگڑتا کچھ نہیں نفع ہی نفع پاتے استفہامیہ ہے۔ جسکا مقصد پوچھنا نہیں۔ بلکہ انکی حماقت کا اظہار ہے ذا بمعنی الذی ہے۔ اسم موصول اس سے مراد نقصان و بال یا تکلیف ہے۔ اسلئے بعد میں علی ارشاد ہوا کہ علیٰ نقصان کیلئے آتا ہے لو آمنو کی وہ ہی تحقیق ہے۔ جو ابھی عرض کی گئی کہ اس سے مراد اللہ اور یوم آخر کو بواسطہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماننا ہے' خیال رہے کہ پچھلی آیت میں ایمان کا ذکر آخر میں تھا کیونکہ وہاں منافقین کے خرچ قبول نہ ہونے کی علت بیان کرنے کیلئے آیا تھا یہاں اسکا ذکر پہلے فرمایا کیونکہ یہ ترغیب کیلئے ہے' لہٰذا یہاں پہلے ہی ذکر مناسب تھا یعنی اگر یہ منافقین و کفار صحیح طور پر ایمان لے آتے تو انکا حرج کیا تھا' نفع ہی نفع تھا۔ **وانفقوا مما رزقهم الله** یہ عبارت آمنوا پر معطوف ہے چونکہ اعمال ایمان کے بعد ہیں اسلئے ان کا ذکر ایمان کے بعد ہوا۔ انفق کے معنی اور مما رزق کی تحقیق پارہ الم میں ہو چکی کہ انفاق سے مراد اللہ کی رضا کیلئے اچھی جگہ خرچ کرنا ہے من ان سے معلوم ہوا کہ بعض مال خیرات کرنا چاہئے رزق میں اس طرف اشارہ ہے کہ طیب و حلال مال سے خیرات کرے' یعنی یہ لوگ ایمان لاکر اللہ کے دیئے میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے **وكان الله بهم عليما** یہ جملہ خبریہ ہے۔ جس میں ڈرانا بھی ہے' خوشخبری بھی ہم کا مرجع وہ منافقین و کفار ہیں' جنکا ذکر ابھی ہوا' اور اس سے مراد انکی ذات' صفات' حالات' افعال' اخلاص' ریا' وغیرہ سب ہی ہیں' **كان دوام** و استمرار کیلئے ہے' علیم علم کا مبالغہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ تھا اور ہے اور رہے گا ان کے تمام حالات کا پورا پورا جاننے والا لہٰذا اگر ریاء کریں گے تو ہمارے علم میں ہے' اخلاص سے خیرات کریں گے' تو ہم جانتے ہیں' پہلی صورت میں انکو عذاب دیں گے دوسری صورت میں ثواب جو شخص یقین کرلے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہر حال سے خبردار ہے۔ وہ۔ معاذ اللہ تعالیٰ گناہ کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جو منافقین و کفار اپنے ہر قسم کے مال' روپیہ' پیسہ' غلہ' کپڑا وغیرہ صرف لوگوں کے دکھاوے اور اپنی ناموری کیلئے خرچ کرتے ہیں' خواہ اچھی جگہ جیسے صدقہ و خیرات وغیرہ یا بری جگہ جیسے اسلام سے روکنے اور آپکے مقابلے کیلئے انکا حال یہ ہے کہ نہ وہ اللہ کو مانتے ہیں' نہ قیامت کو کیونکہ آپکے انکاری ہیں آپکا انکاری اللہ تعالیٰ اور قیامت بلکہ سارے ایمانیات کا منکر ہے ایسے لوگوں کا ساتھی شیطان ہے۔ جو ہر وقت انکے ساتھ رہتا ہے' ان سے برے کام کراتا ہے اچھے کاموں سے روکتا ہے' یقین فرماؤ کہ جس کا ساتھی شیطان ہو جائے وہ بہت نقصان میں ہے' کیونکہ برا ساتھی رب کا عذاب ہے' ان بد نصیبوں کا کیا حرج تھا' اگر یہ صحیح معنی سے اللہ تعالیٰ یوم قیامت اور تمام ایمانیات پر ایمان لے آتے اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے ہماری راہ میں اچھی جگہ خیرات کرتے اس میں انکا نفع ہی نفع تھا اللہ تعالیٰ انکے ہر حال کو جانتا ہے ان کی موجودہ ریاء کاری سے بھی خبردار ہے' اور اگر اخلاص اختیار کرلیں تو اسکو بھی جانتا ہے' اب انکی مرضی ہے چاہے ریاء کرکے دنیا و آخرت میں اپنا نقصان کرلیں یا اخلاص و ایمان اختیار کرکے اپنا سب کچھ بنالیں نقصان یا نفع ان ہی کا ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ریاء کار کے نیک اعمال کا ثواب بالکل نہیں ثواب کیلئے اخلاص شرط ہے' گھنا ہوا دانہ نہیں اگتا' اسکی کاشت بیکار ہے' ریاء کاری کے اعمال کی کاشت سے ثواب کی پیداوار نہیں ہوتی۔ دوسرا فائدہ: ریاکاری منافقوں کا کام ہے ریاء کار عملی منافق ہے۔ مسئلہ: ریاء دو قسم کی ہے' اصل عمل میں ریاء' حسن عمل میں ریا' اصل عمل میں ریا یہ ہے کہ بغیر دکھلاوے کے عمل ہی نہ کرے کوئی دیکھے تو نماز پڑھ لے ورنہ نہیں' حسن عمل میں ریاء یہ ہے کہ لوگوں سامنے اچھی طرح عمل کرے۔ اکیلے میں معمولی طرح۔ پہلی ریا زیادہ بری ہے تیسرا فائدہ: کو دکھانے اور اپنی ناموری کیلئے نیکیاں کرنا برا ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھانے انہیں خوش کرنے کیلئے نیکیاں کرنا اچھا ہے' زیادہ قابل قبول ہے' جیسا کہ للناس کی تفسیر سے معلوم ہوا' اسی طرح اللہ والوں کو راضی کرنے یا لوگوں کو رغبت دینے کیلئے صدقہ و

خیرات کرنا بہت اچھا ہے' علانیہ طور پر چ کو جانا لوگوں کے سامنے چندہ دینا اچھا ہے کہ یہ تبلیغ ہے نہ کہ ریاء اس سے ہم لوگ عبرت پکڑیں جو آج اکثر مسلمان حکام کو راضی کرنے بیاہ شادی کی حرام رسوم نام و نمود کیلئے ہزار ہا روپیہ خرچ کر دیتے ہیں' اللہ کی راہ میں خیرات کرنے سے گھبراتے ہیں۔ چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے خدا تعالیٰ اور قیامت کو ماننا ایمان نہیں' دیکھو رب نے ان منافقوں کو بے ایمان فرمایا جو خدا تعالیٰ کو بھی مانتے تھے قیامت کو بھی۔ جمال کبریا' آئینہ مصطفوی میں دیکھو شیطان تمام ایمانیات کا اقراری تھا صرف نبی کا انکاری تھا بے ایمان رہا اس سے آجکل کے توحید والے عبرت پکڑیں پانچواں فائدہ: جو شیطان کو خوش کرے شیطان اسکے ساتھ رہتا ہے' حتیٰ کہ اسکے ساتھ کھاتا پیتا ہے عورت سے صحبت کرتا ہے اس لئے ہر کام کے اول بسم اللہ پڑھنا چاہئے' تاکہ شیطان دور رہے یہ فائدہ قرین کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: شیطان ہر جگہ حاضر و ناظر ہے کہ اکیلا ہے مگر تمام ریاکاروں کے ساتھ رہتا ہے' جیسا کہ شیطان کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا رب تعالیٰ فرماتا ہے' انہ لکم ھوو قبیلہ' من حیث لا ترونھم جب یماری ایسی طاقتور ہے تو دوا اس سے زیادہ طاقتور چاہئے۔ ساتواں فائدہ: جس پر اللہ تعالیٰ خاص کرم کرتا ہے اسے اچھے یار نصیب کرتا ہے' جس پر غضب و قہر ہوتا ہے اسے برے ساتھی میسر ہوتے ہیں اچھے ساتھی اللہ کی رحمت کی علامت ہیں برے ساتھی اسکے غضب کی نشانی۔ آٹھواں فائدہ: حضور کے سارے صحابہ اچھے ہیں کیونکہ یہ حضور کی صحبت کیلئے منتخب ہوئے اگر یہ لوگ برے ہوتے تو رب تعالیٰ انہیں حضور کے ساتھ نہ رکھتا کہ حضور اللہ کے محبوب ہیں اور یہ حضرات محبوب کی ہمراہی کیلئے چنے ہوئے۔ نواں فائدہ: مسلمان کو ہر مال میں سے اللہ کی راہ میں خیرات کرنا چاہئے' جیسا کہ اموالہم جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: چاہئے یہ کہ حلال و طیب مال سے خیرات کرے جیسا کہ مما رزقھم اللہ کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ گیارہواں فائدہ: چاہئے یہ کہ سارا مال خیرات نہ کرے بلکہ بعض مال خیرات کرے بعض اپنے لئے رکھے جیسا کہ مما کے من تبعیضیہ سے معلوم ہوا۔ بارہواں فائدہ: اس آیت کریمہ میں مذہب جبریہ کا نہایت نفیس رد ہے وہ لوگ انسان کو مجبور محض مانتے ہیں انکا عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے رب کے ارادہ سے ہو رہا ہے' انسان کا کچھ اختیار نہیں' یہاں اس آیت میں ارشاد ہوا کہ اگر منافقین و کفار ایمان لے آتے تو انکا کیا حرج تھا یہ گفتگو با اختیار سے کی جاتی ہے' مجبور محض سے نہیں کی جاتی' مثلاً کسی کالے آدمی سے نہیں کہا جاتا کہ اگر تو گورا ہو جاتا تو تیرا کیا حرج تھا ہاں فاسق و بدکار سے کہا جاتا ہے کہ اگر تو نیک ہو جاتا تو تیرا کیا حرج تھا اس سے معلوم ہوا کہ انسان کافر و مومن بننے میں مختار ہے پتھروں کی طرح مجبور نہیں اس اختیار پر سزا جزا ہے' محض مجبور کو نہ سزا دی جاتی ہے نہ جزا۔

پہلا اعتراض: اگر اعمال کا دکھانا منافقوں کا عیب ہے تو اسلام میں بعض نیکیوں کا اظہار ضروری کیوں ہے دیکھو نماز جمعہ' نماز عید' حج وغیرہ علانیہ کرنا ضروری ہے اخلاص کیلئے خفیہ ہونا ضروری ہے کسی شاعر نے کہا ہے:۔

گر عبادت مے کنی بہر خدا خفیہ کن گر فاش کردی شد ریا

جواب: ہر اظہار کو ریا نہیں کہتے بلکہ اپنی ناموری و عزت افزائی کیلئے دکھلاوا کرنے کو ریا کہا جاتا ہے' وہی یہاں مراد ہے' اسی کی ممانعت ہے' دوسروں کو رغبت دینے اپنے کو الزام سے بچانے کیلئے نیکیوں کا اظہار اچھا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان تبدوا الصدقات فنعما ھی** دوسرا اعتراض: یہ آیت منافقوں اور یہود وغیرہ کفار کے متعلق نازل ہوئی یہ دونوں فریق اللہ اور

قیامت دونوں پر ایمان رکھتے تھے اور اگر کفار مکہ کے متعلق بھی ہو تو وہ بھی اللہ کو مانتے تھے قیامت کے انکاری نہ تھے اسلئے تو وہ حجاج کی خدمت' بیت اللہ کی حفاظت کرتے تھے تاکہ قیامت میں اس کا بدلہ ملے قیامت کا منکر نیک اعمال کیوں کریگا' مگر قرآن کریم نے انکے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** اسکے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ دونوں گروہ اللہ تعالیٰ کو صحیح طریقہ سے نہیں مانتے تھے' مثلاً یہود تو اس کیلئے اولاد ثابت کرتے تھے کہ عزیر علیہ السلام کو رب کا بیٹا کہتے تھے اور مشرکین عرب رب کیلئے بیٹیاں اور شریک مانتے تھے' قیامت کے متعلق بھی انکے عقیدے بہت غلط تھے اسلئے انکا اس طرح ماننا نہ ماننے کی طرح تھا' دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرکے خدا تعالیٰ کو ماننا ایمان نہیں جیسے شیطان کو آپ مومن نہیں کہہ سکتے' لہٰذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے جسے قرین کہا جاتا ہے' مگر اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار و منافقین کے ساتھ ہی شیطان رہتا ہے' تو حدیث و قرآن میں موافقت کیسے ہوگی۔ **جواب:** حدیث شریف میں جو قرین کی خبر دی گئی ہے وہاں قرین بمعنی صاحب ساتھی ہے' یہاں قرین سے مراد مصاحب و دوست ہے مسلمان اپنے شیطان کو دشمن سمجھ کر اس سے بچنے کی تدبیریں کرتا رہتا ہے کفار اسے دوست سمجھ کر اسکی ہر بات مانتے ہیں' لہٰذا حدیث قرآن میں کوئی تعارض نہیں' کہ حدیث میں جسم کا ساتھی مراد ہے اور یہاں آیت میں دل کا ساتھی۔ اور اگر یہاں شیطان سے مراد ابلیس ہو تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں کہ ابلیس مومن سے بیزار بلکہ بعض سے مایوس ہو جاتا ہے' کفار کا دوست بن کر انکے ساتھ رہتا ہے ان سے حرام کام کراتا رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: مخلص مومن' بہادر اور آخر بین ہے' ریاء کار منافق بزدل اور ظاہر بین۔ منافق دنیا پر قناعت کر بیٹھتا ہے اور آخرت کی بڑی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے' اس لئے وہ خیرات بھی کرتا ہے تو دنیا کیلئے۔ یہاں ان ہی بزدلوں کی بزدلی کا ذکر ہے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ ریاکار کی عبادات ایسی ہیں جیسے کوئی شخص ٹھیکریاں تھیلے میں بھر کر بازار جائے' لوگ اسکا بھرا تھیلا دیکھ کر اسے مالدار سمجھیں مگر کسی دوکان سے سودا نہ مل سکے اسے سواء لوگوں کی تعریف کے کچھ میسر نہ ہو بازار قیامت میں ریاء کے اعمال سے مغفرت کا سودا نہ ملے گا' حضرت حامد لفاف فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اسے تین چیزوں سے محروم رکھتا ہے علم دیتا ہے عمل کی توفیق سے محروم رکھتا ہے۔ صالحین کی صحبت دیتا ہے ان کے ادب سے محروم رکھتا ہے۔ عبادات دیتا ہے' مگر اخلاص سے محروم رکھتا ہے یہ سب محرومیاں فساد نیت کی وجہ سے ہیں' ریاء زیادہ مہلک بیماری ہے جسکا علاج بہت مشکل ہے' بلکہ بعض صورتوں میں ناممکن ہوتا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کی بڑی نعمت اچھے ساتھی کا میسر ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کا سخت عذاب دنیا میں برے یار کی صحبت ہے دیکھو ریاکاروں کے متعلق ارشاد ہوا کہ انکا مصاحب شیطان ہے اور قیامت میں ہوگا' جب صحبت کا یہ اثر ہے تو مومن کو چاہئے کہ اچھی صحبت اختیار کرے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ	وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ
بے شک اللہ نہیں ظلم کرتا ذرہ برابر	اور اگر ہو نیکی تو دوگنی کرلیتا اس کو اور دیتا ہے
اللہ ایک ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتا	اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دونی کرتا ہے اور اپنے پاس

لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا
پاس سے اپنے ثواب بڑا
سے بڑا ثواب دیتا ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ ریا کارو کفار کی نیکیاں برباد ہیں' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس بربادی میں رب تعالیٰ کا ظلم نہیں بلکہ خود انکا اپنا قصور ہے نہ وہ ریاء' کفر کرتے نہ اعمال برباد ہوتے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اگر یہ ریا کارو کفار ایمان لے آتے تو اس میں انکا حرج نہ تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ حرج تو کیا ہوتا بالکل نفع ہی نفع تھا نہیں بہت اجر ملتا یعنی پہلے ایمان کے مضر نہ ہونے کا ذکر تھا اب ایمان کے مفید ہونے کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد تھا کہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے' اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ رحیم و کریم ہے معمولی نیکی پر بڑا اجر و ثواب دیتا ہے رب کے علم و کرم ایسے اوصاف ہیں' جس سے گنہگاروں کے بیڑے پار لگتے ہیں۔

تفسیر: **ان اللہ لا یظلم** چونکہ بعض بے دین اس مضمون کے پہلے بھی منکر تھے اور اب بھی منکر ہیں رب تعالیٰ کو ظلم پر قادر مانتے ہیں' اسی لئے یہ آیت کریمہ ان سے شروع فرمائی گئی ان دفع شک کیلئے آتا ہے' ظلم کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ ظلم کے معنی ہیں دوسرے کی ملکیت میں بغیر اسکی اجازت تصرف کرنا یا کسی چیز کو غیر محل میں استعمال کرنا مگر یہاں اس سے مراد صورۃ "ظلم ہے یعنی مجرم کو قانون سے زیادہ سزا دے دینا اور نیک کار کو بلاوجہ جرمانہ دینا یا بغیر قصور کسی کو دوزخ میں ڈال دینا ان تینوں چیزوں سے رب تعالیٰ پاک ہے اگرچہ یہ چیزیں رب کیلئے ظلم نہیں کہ ہر شخص اسکی ملک ہے جسے جو چاہے دے جو چاہے نہ دے مگر یہ صورۃ "ظلم ہے رب اس سے بھی پاک ہے (تفسیر کبیر و روح المعانی و روح البیان وغیرہ) لا یظلم کا مفعول پوشیدہ ہے' جس سے عموم کا فائدہ حاصل ہوا یعنی رب تعالیٰ اپنی کسی مخلوق جن' انس' جانور' فرشتہ وغیرہ پر ظلم نہیں فرماتا۔ ممکن ہے کہ اس سے مراد صرف جن و انس ہوں یا فقط انسان یعنی کسی انسان پر ظلم نہیں کرتا کیونکہ اگلا مضمون اسکی تائید کر رہا ہے' نیکیوں کا جرمانہ انسان کیلئے ہی ہے' مثقال ذرۃ' مثقال ثقل سے بنا بمعنی وزن یا بوجھ مثقال اسم آلہ ہے یعنی وزن کرنے کا آلہ' باٹ یا کٹہ جس سے چیز تولی جائے مگر اصطلاح میں ایک خاص وزن کو بھی مثقال کہتے ہیں جو چوبیس قیراط کی برابر ہے یعنی ساڑھے چار ماشہ اور مطلقاً مقدار کو بھی کہتے ہیں' یہاں اس آخری معنی میں ہے (روح) ذرۃ ذر سے بنا جسکے معنی ہیں چھڑکنا بکھیرنا اصطلاح میں اسکے کئی معنی ہیں' چیونٹی کے چھوٹے بچے جن میں سے سو کا وزن ایک جو کے دانہ کی برابر ہوتا ہے' سرخ چھوٹی چیونٹیاں۔ وہ چیزیں جو کسی مکان میں سورج کی کرن پڑنے تو اڑتی نظر آئیں جسے عربی میں ھباء کہا جاتا ہے' چیونٹی کا سر' رائی کے دانہ کا ٹکڑا کسی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے ذرہ کے معنی پوچھے تو آپ نے اپنا ہاتھ مٹی پر لگایا پھر اس میں پھونک ماری اور فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک چیز ذرہ ہے۔ (تفسیر کبیر و روح) غرضیکہ اس سے نہایت حقیر و کم چیز مراد ہے اور مقصود ہے بالکل کی نفی یعنی اللہ تعالیٰ ذرہ کی مقدار برابر بھی کسی پر ظلم نہیں فرماتا یعنی بالکل ظلم نہیں کرتا **وان تک حسنۃ یضعفھا** یہ نیا جملہ ہے بعض قراءتوں میں حسنۃ ت کے پیش سے اس صورت میں تک تامہ ہوگا۔ ہماری قراءۃ میں حسنۃ ت کے زبر سے ہے تک ناقصہ ہے اسکا اسم

ھی ضمیر ہے جو مثقال کی طرف لوٹتی ہے اگرچہ مثقال خود مذکر ہے لیکن چونکہ اسکا مضاف الیہ مونث ہے اور خبر بھی مونث اس لئے اسکی طرف ضمیر مونث لوٹ گئی' خیال رہے کہ تک اصل میں تکون تھا ان شرطیہ کی وجہ سے نون ساکن ہوا۔ تو واو گر گیا' پھر تخفیف کیلئے نون بھی گرا دیا گیا' قرآن مجید میں ان تک بھی آیا اور ان تکن بھی رب فرماتا ہے **ان یکن غنیا او فقیرا** یضاعف ضعف سے بنا بمعنی چند در چند حسنۃ سے مراد یا تو مطلقاً نیکی ہے یا معمولی سی نیکی خواہ بدنی ہو یا مالی' زیادتی سے یہاں زیادتی کیفیت مراد ہے یعنی اگر کسی کے پاس ذرہ برابر بھی نیکی ہوگی تو رب تعالیٰ اسے صدہا گنا زیادہ فرمادیگا' یہ اسکی کریمی ہے **ویئوت من لدنہ اجرا عظیما** یہ جملہ یضاعف پر معطوف ہے اور ان کی دوسری جزاء لدن اور عند دونوں کے معنی ہیں پاس نزدیک مگر عند عام ہے اور لدن خاص چنانچہ اگر آپکا روپیہ کسی دوسری جگہ میں ہو تو آپ کہہ سکتے ہیں عندی کذا مگر لدن وہاں ہی کہا جائیگا' جب روپیہ اپنے پاس اور قبضہ میں ہو (تفسیر کبیر) یئوت کا مفعول پوشیدہ ہے ضمیر نیک کار کی طرف راجع ہے یعنی رب تعالیٰ نیک کار کو جزاء کے علاوہ اپنی طرف سے بہت بڑا ثواب بھی دیگا جو اسکے کسی عمل کی عوض نہ ہوگا' دیدار الٰہی' جنت میں محبت الٰہی معرفت الٰہی وغیرہ اسے اجر فرمانا مجازاً ہے (روح المعانی و کبیر وغیرہ)۔

خلاصہء تفسیر: اے لوگو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں فرماتا کہ کسی کو بغیر قصور یا قصور سے زیادہ سزا دے یا نیک کار کو جزاء نہ دے یا اسکی نیکیوں سے کم دے یہ ہو ہی نہیں سکتا وہ تو ایسا کریم ہے کہ اگر کسی انسان کے پاس ذرہ برابر بھی نیکی ہوگی اسے رب تعالیٰ ان گنت زیادہ فرمادیگا' اس زیادتی کی کیفیت بندوں کے گمان سے وراء ہے اس پر بس نہیں وہ تو اپنے کرم سے اسکے علاوہ اور بہت بڑا ثواب بخشے گا اپنا دیدار اپنا ذوق و شوق و محبت بھی عطا کرے گا' ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت میں ایک شخص کے سامنے ننانوے دفتر اسکے گناہوں کے پھیلائے جائیں گے' ہر دفتر تاحد نظر ہوگا رب تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ کیا تو ان گناہوں میں سے کسی کا انکار کرتا ہے' کیا تجھ پر کاتبین اعمال فرشتوں نے ظلم کیا ہے کہ تیرے بغیر کئے گناہ لکھ دیئے بندہ عرض کریگا' نہیں یا رب پھر فرمائے گا کیا تجھے ان گناہوں کے متعلق کوئی عذر یا معذرت ہے عرض کریگا کچھ نہیں فرمائے گا تیری ایک نیکی بھی ہمارے پاس ہے تجھ پر ظلم نہ ہوگا چنانچہ ایک پرچہ لایا جائے گا' جس میں کلمہ طیبہ اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ لکھا ہوگا' حکم ہوگا جا ان دفتروں کا اس پرچہ سے وزن کرالے بندہ عرض کریگا' مولیٰ اس پرچہ کی ان دفتروں کے مقابلہ میں کیا حقیقت ہے فرمایا جائیگا' تجھ پر ظلم نہ ہوگا' وزن کرا چنانچہ نیکیوں کے پلہ میں یہ پرچہ گناہوں کے پلہ میں وہ دفتر رکھے جائیں گے' پرچہ بھاری ہوگا وہ دفتر ہلکے اور بندہ بخش دیا جائیگا' کیوں نہ ہو کہ یہ تھے اسکے کام اور وہ تھا اللہ رسول کا نام۔

دل عبث خوف سے پتہ سا اڑا جاتا ہے　　پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا

یہاں تفسیر خازن نے بخشش' شفاعت کی اور بہت سی احادیث نقل فرمائیں بہرحال اللہ تعالیٰ کا کرم عنایت اور اس آیت کا ظہور ان شاء اللہ قیامت میں آنکھوں دیکھا جائے گا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کسی شخص کی معمولی نیکی بھی رب تعالیٰ ضائع نہیں فرماتا کہ اسے رب نے ظلم قرار دیا ہے اور ظلم سے اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ جیسا کہ لا یظلم کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ

تعالیٰ کسی بندے کو بغیر جرم دوزخ میں نہیں بھیجے گا لہٰذا کفار کے ناسمجھ فوت شدہ بچے اور وہ جنکی عمر جنون میں گزری دوزخ میں نہیں ڈالے جائیں گے کیونکہ اسے رب نے ظلم قرار دیا اور وہ کریم ظلم سے پاک ہے۔ **تیسرا فائدہ:** کسی مجرم کو جرم سے زیادہ سزا نہ دی جائے گی کہ اسے بھی ظلم قرار دیا گیا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** کسی کی نیکیاں بلاوجہ ضبط نہ فرمائی جائیں گی کہ اسے بھی رب نے ظلم قرار دیا اور وعدہ فرمالیا کہ اللہ تعالیٰ کسی قسم کا ظلم نہ کرے گا۔ **پانچواں فائدہ:** انسان' جانور' فرشتے' جنات غرض کسی بندے پر ظلم نہ ہوگا جیسا کہ لا یظلم کے اطلاق اور مظلوم کے پوشیدہ رکھنے سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** مومن دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہ سکتا ضرور جنت میں جائے گا کیونکہ کلمہ پر مرنا بھی نیکی ہے اور کوئی نیکی رب ضائع نہ فرمائے گا۔ جیسا کہ یضاعفہا سے معلوم ہوا (کبیر) **ساتواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کسی نیک کار کو بقدر نیکی ہی ثواب نہ دیگا بلکہ بہت زیادہ عطا فرمائے گا جیسا کہ یضاعفہا کے وعدے سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** رب تعالیٰ نیک کاروں کو صرف انکے اعمال کی جزا ہی نہ دیگا بلکہ اپنے فضل سے اور بہت کچھ دیگا جو کسی عمل کی جزا نہ ہوگی جیسا کہ **ویؤت من لدنہ** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** وہ عطیہ خاص تمام ثوابوں سے بڑھ چڑھ کر ہوگا کیونکہ یہاں اسے عظیم فرمایا گیا چنانچہ مسلم شریف میں وارد ہے کہ جنتیوں سے فرمایا جائیگا کہ ہم تم کو ان تمام نعمتوں سے بڑھ چڑھ کر نعمت دیں گے عرض کریں گے مولیٰ ان نعمتوں سے بڑھ کر کونسی نعمت ہوگی فرمائیگا کہ تم سے راضی رہوں گا کبھی ناراض نہ ہونگا (تفسیر خازن) **دسواں فائدہ:** گناہوں کی طرح نیکیاں بھی صغیرہ و کبیرہ ہوتی ہیں جیسا کہ **وان تک حسنۃ** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ظلم کر سکتا تو ہے مگر کرے گا نہیں کیونکہ اس نے ظلم نہ کرنے سے اپنی تعریف فرمائی اور تعریف جب ہی ہو سکتی ہے کہ برائی کر سکے مگر کرے نہیں دیکھو ہم نامرد کی تعریف نہیں کرتے کہ وہ زنا نہیں کرتا یا دیوار کی تعریف نہیں کرتے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی لہٰذا رب تعالیٰ ظلم پر قادر ہے۔ (معتزلہ) **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں: ایک الزامی۔ دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی صفت یہ بھی ہے کہ **لا تاخذہ سنۃ ولا نوم** اسے اونگھ و نیند نہیں آتی یا اسے موت نہیں آتی تو چاہئے کہ وہ سونے مرنے پر بھی قادر رہو۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ کسی عیب کا اس تک نہ پہنچ سکنا اسکے اعلیٰ درجہ کا کمال ہے۔ (تفسیر کبیر)۔

نوٹ ضروری۔ یہ اعتراض و جواب تفسیر کبیر نے ذکر کیا اس سے موجودہ اسماعیلی دیوبندی فرقہ کو سبق لینا چاہئے کہ انکے امام اسماعیل دہلوی نے رب تعالیٰ کیلئے جھوٹ ممکن مانا اور اسکی یہ ہی دلیل دی جو معتزلہ نے امکان ظلم کیلئے دلیل دی ہے معلوم ہوا کہ دیوبندی اس مسئلہ میں فرقہ ضالہ معتزلہ کے شاگرد ہیں دیکھو رسالہ یکروزی مصنفہ اسمٰعیل دہلوی۔ **دوسرا اعتراض:** جب رب تعالیٰ ذرہ بھر بھی ظلم کرتا تو کفار کی نیکیاں برباد کیوں کر دیتا ہے انہیں انکا ثواب کیوں نہ دیگا (آریہ) **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ کفار کی نیکیاں دراصل نیکیاں ہی نہیں کیونکہ نیکی کیلئے ایمان شرط ہے بغیر ایمان کوئی عمل نیک نہیں ہوتا پھر انہیں ثواب کس چیز کا دیا جائے بغیر وضو نماز نہیں ہوتی بغیر ایمان نیکی نہیں ہوتی گھنا ہوا دانہ پودا نہیں اگاتا۔ زہریلا کھانا نفع نہیں پہنچاتا نشاستہ نکلا ہوا گندم کا دانہ روٹی پکانے کے لائق نہیں۔ دوسرے یہ کہ کفار کی نیکیوں کا بدلہ دنیا کی نعمتیں ہیں وہ یہاں اللہ کی نعمتیں کھا پی لیتے ہیں۔ دنیا میں عیش و آرام کر لیتے ہیں یہ بدلہ مل گیا۔ **تیسرا اعتراض:** دنیا میں جن

قوموں پر عذاب آیا اس عذاب میں چھوٹے بچے جانور بھی ہلاک کر دیئے گئے۔ انہوں نے کیا قصور کیا تھا انکو بغیر جرم ہلاک کرنا ظلم ہے حالانکہ یہاں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔ **جواب:** دنیاوی عذاب مجرم کفار کیلئے عذاب ہوتے ہیں بے قصور انسانوں کیلئے رحمت الٰہی کا ذریعہ کہ اسکے عوض انہیں آخرت میں اچھے بدلے دے دیئے جاتے ہیں۔ رہے جانور تو انکا وجود انسانوں کیلئے تھا۔ جب انسان ہی نہ رہے۔ تو ان سامانوں کی کیا ضرورت تھی اسلئے وہ ختم کر دیئے جاتے ہیں لہٰذا یہ ہلاکت ان کیلئے بھی عذاب نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** دنیا میں چھوٹے ناسمجھ بچوں اور دیوانوں پر بیماریاں تکالیف کیوں آتی ہیں۔ انہوں نے کونسا قصور کیا ہے بغیر قصور انہیں تکلیف دینا ظلم ہے (آریہ) **جواب:** دنیا کی تکالیف عذاب نہیں یہ ملکی انتظام ہے نظام عالم اس سے قائم ہے کہ بعض امیر ہوں بعض غریب بعض آرام سے ہوں بعض تکلیف میں پنڈت جی تم جو اپنے بچوں کو اسکول بھیجتے ہو ان پر پابندی شب بیداری کی قید لگاتے ہو انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے یہ پابندیاں سختیاں عذاب نہیں آئندہ ترقی کا ذریعہ دنیا کی ہر تکلیف کو عذاب سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت میں جو فرمایا گیا کہ نیک کار کو رب تعالیٰ اپنے پاس سے بڑا اجر دیگا۔ اس سے کیا مراد ہے نیکیوں کا اجر تو یضٰعفہا میں آچکا کہ اگر یہ عطیہ بغیر عمل ہے تو اسے اجر کیوں کہا گیا۔ نوٹ: اس اعتراض کو تفسیر کبیر نے بڑی اہمیت دی۔ **جواب:** اسکے چند جواب ہیں ایک یہ کہ حسنۃ سے مراد تھے جسمانی یا مالی نیک اعمال۔ اسکے بارے میں فرمایا گیا یضٰعفہا اور اس جملہ سے مراد ہے بندے کے ایمان اخلاص عشق رسول خوف خدا کا اجر یہ نہایت ہی عظیم الشان ہوگا۔ دوسرے یہ کہ یضٰعفہا سے مراد نیکی کی جنس کا ثواب اور اس جملہ سے مراد ہے اس کے علاوہ غیر جنسی ثواب۔ تیسرے یہ کہ یضٰعفہا سے مراد تھا ثواب اعمال اور اس جملہ میں مراد ہے خاص عطیہ ربانی جو کسی عمل کی جزا نہیں اسے اجر فرمانا مجازاً ہے کہ وہ لوگ اس عطیہ کے مستحق اپنے نیک اعمال و ایمان کی وجہ سے ہوئے اگر کافر رہتے تو جنت میں نہ آتے جب جنت میں پہنچتے ہی نہیں تو دیدار الٰہی کیسے کرتے اسکے اور بھی جوابات ہیں مگر اس میں کفایت ہے۔ **چھٹا اعتراض:** جب خدا تعالیٰ چھوٹی سی نیکی کو برباد نہیں کریگا تو ہزارہا بندوں کے اعمال ضبط کیوں فرمائے گا۔ رب فرماتا ہے **اولئک الذین حبطت اعمالہم** یہ ضبطی بھی تو ظلم ہے۔ **جواب:** ضبطی اعمال بندوں کے اپنے قصور سے ہوگی نہ کہ رب تعالیٰ کے ظلم سے دنیا میں ایسے گناہ نہ کرو جن سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں غرضیکہ وہ تو کریم ہے خطاکار ہیں تو ہم۔ **ساتواں اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام نیک و بد مخلوق کو دوزخ میں ڈال دے تب بھی وہ ظالم نہیں اب اس آیت کا مطلب کیا ہوا کہ اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا۔ **جواب:** حدیث شریف میں ظلم سے مراد ہے غیر کی ملک میں بغیر اسکی اجازت تصرف کرنا چونکہ سب کا خدا تعالیٰ ہی مالک ہے کوئی دوسرا مالک ہے ہی نہیں لہٰذا اسکی کوئی سزا اس معنی سے ظلم نہیں ہو سکتی اور یہاں آیت میں ظلم سے مراد ہے کسی کو بلا قصور سزا دے دینا یا نیک کار کو بلاوجہ ثواب سے محروم کر دینا لہٰذا آیت و حدیث دونوں درست ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے دنیاوی کھانوں میں مختلف لذتیں ہیں اور یہاں کی چیزوں میں مختلف خوشبوئیں ایسے ہی اعمال صالحہ عشق و معرفت میں عجیب لذتیں ہیں خاص لوگ تو ان لذتوں کو دنیا ہی میں محسوس کر لیتے ہیں عام مسلمان آخرت میں محسوس کریں گے۔ حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ اگر آٹھوں دروازہ جنت میرے لئے کھول دیئے جائیں اور وہاں کی تمام نعمتیں مجھے دے دی جائیں تو ان میں وہ مزہ نہ ہوگا جو بوقت سحر رونے آنسو بہانے، عشق الٰہی میں سرد آہیں بھرنے میں ہے مالک ابن دینار

فرماتے ہیں کہ لوگ دنیا سے چلے جاتے ہیں اور سب سے زیادہ مزیدار چیز کو نہیں چکھتے لوگوں نے پوچھا وہ کیا چیز ہے فرمایا معرفت الٰہی یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم نیک کاروں کو انکے اعمال کی جزا بھی دیں گے اور اپنی طرف سے خاص عطا بھی یعنی انکے اعمال کی لذت بھی یہ لذت تمام نعمتوں سے اعلیٰ ہوگی۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اے خنک آنرا کہ ذات خود شناخت   اندر امن سرمدی قصرے بساخت!
دفع کن از مغز و از بینی زکام   تاکہ ریح اللہ در آید از مشام!
ہیچ مگذار از تپ و صفرا اثر   تا بیابی در جہاں طعم شکر!

مبارک ہے وہ بندہ جو اپنے کو پہچان لے اور دنیا میں رہ کر دائمی سرائے میں محل بنالے اپنی مغز و ناک سے زکام دور کرو تاکہ اللہ کی خوشبو پاؤ بخار صفرا دور کرو تاکہ اس شکر کی لذت پاؤ۔

پس چو آہن گرچہ تیرہ ہیکلی   صیقلی کن صیقلی کن صیقلی!

تاریک دل پر اللہ کے ذکر سے پاش کرو تاکہ دل صاف ہو اور اس میں یار کے جلوے نظر آئیں۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾
کیا کریں گے یہ لوگ جب لائیں گے ہم ہر جماعت سے ایک گواہ اور لائیں گے ہم آپ کو ان پر گواہ
تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ و نگہبان
يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ
اس روز آرزو کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور نافرمانی کی رسول کی کاش برابر کر دی جاتی
اس دن تمنا کریں گے وہ جنہوں نے کفر کیا کاش انہیں مٹی میں دبا کر زمین برابر کر دی جائے
وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿٤٢﴾
ان کے ساتھ زمین اور نہ چھپائیں گے اللہ سے کوئی بات
اور کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے کئی طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ رب تعالیٰ آخرت میں کسی پر ظلم نہ کریگا نیک کاروں کو بدلہ اچھا اور اپنا اعلیٰ فضل دیگا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ سب کچھ حضرات انبیاء کی گواہی سے ہوگا تاکہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے غرضیکہ پچھلی آیت میں ظلم کی نفی تھی اب اسی کے سمجھا دینے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ ریاکار کفار عذاب دیئے جائیں گے مخلص دیندار ثواب۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان میں چھانٹ حضرات انبیاء کرام کی گواہی سے ہوگی گویا پہلے مختلف جزاؤں کا ذکر ہوا اب انکے مستحقین کی چھانٹ کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کے ہر حال کو جانتا ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس نے اپنے بعض مقبولوں

کو اپنے اس علم کا مظہر بنایا ہے کہ وہ بھی بہ عطاء الٰہی ہر بندے کے حالات سے خبردار ہیں گویا حمد الٰہی پہلے ہوئی نعت مصطفوی اب ہو رہی ہے چونکہ حمد و نعت سے ہی ایمان میسر ہوتا ہے اسلئے حمد کے بعد نعت کا ذکر ہوا۔

حدیث: بخاری، ترمذی، نسائی، احمد، ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ ہم کو قرآن سناؤ میں نے عرض کیا کہ حضور پر تو قرآن نازل ہوا ہے میں یہ جرات کیسے کروں فرمایا ہم چاہتے ہیں کہ دوسرے سے قرآن سنیں۔ چنانچہ میں نے سورۂ نساء شروع کی جب میں اس آیت **فکیف اذا جئنا** پر پہنچا تو فرمایا بس کرو میں نے دیکھا کہ حضور کی مبارک آنکھوں سے اشک رواں ہیں جب وہ شاہد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن کے ہول سے رو رہے ہیں تو مشہود علیہم کا کیا حال ہونا چاہئے (روح المعانی وغیرہ) غرضیکہ یہ آیت کریمہ حضور کی نعت عظیم ہے اور ہم لوگوں کیلئے ہیبت عظیم۔

تفسیر: **فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید**۔ فکیف میں ف تو فصیحہ ہے اور کیف یا مبتداء پوشیدہ کی خبر ہے یا خبر پوشیدہ کی مبتداء تب تو پیش کے محل میں ہے یا مفعول فعل پوشیدہ کا مفعول ہے اس صورت میں نصب کی جگہ میں ہے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ پہلی دو صورتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے یعنی ان کفار و منافقین کا کیسا حال ہوگا یا اس وقت یہ کیا کریں گے **اذا جئنا**، یوشہد یکون یا یصنعون کا ظرف ہے جئنا سے مراد عدالت الٰہیہ میں پیش کرنا ہے۔ کل امت سے مراد از آدم علیہ السلام تا عیسیٰ علیہ السلام سارے نبیوں کی ساری امتیں ہیں خواہ امت دعوت ہوں یا امت اجابت لہٰذا اس کلمہ میں سارے انسان شامل ہو گئے کیونکہ سب انسانوں کی طرف انبیاء بھیجے گئے کوئی جماعت نبوت سے خالی نہ رہی رب فرماتا ہے **وان من امۃ الا خلا فیہا نذیر**: شہید اور شاہد کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے کہ شاہد عام ہے ہر قسم کے گواہ کو شاہد کہا جاتا ہے۔ شہید خاص ہے کہ ہر حال کی ہر طرح گواہی دینے والے کو شہید کہتے ہیں یہاں شہید سے مراد امت کے نبی ہیں خواہ ایک امت کے ایک ہی نبی ہوں یا چند جیسے بنی اسرائیل پر زمانہ موسوی میں موسیٰ علیہ السلام بھی نبی تھے اور ہارون علیہ السلام بھی اس جگہ شہید سے مراد کاتب اعمال فرشتے یا اعمال نامے یا ان کے ہاتھ پاؤں یا زمین و زمان مراد نہیں صرف نبی مراد ہیں جیسا کہ من امۃ سے معلوم ہو رہا ہے کیونکہ یہ چیزیں اس امت میں سے نہیں یعنی کیسی حالت ہوگی یا کیسی بنے گی یا یہ لوگ کیسا کریں گے۔ جب ہم قیامت میں ہر امت میں سے اسکے نبی کو اس امت کے موافق و مخالف گواہی دینے کیلئے اپنی عدالت میں حاضر کریں گے **وجئنا بک علی ھؤلاء شہیدا**۔ جئنا بک کے وہی معنی ہیں جو ابھی جئنا میں عرض کئے گئے۔ عدالت الٰہیہ میں پیش فرمانا حاضر کرنا۔ بک میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے ھؤلاء کے متعلق بعض نے فرمایا حضور کی ساری امت مراد ہے بعض نے فرمایا کہ گزشتہ سارے انبیاء کرام مراد ہیں جنکا ذکر شہید میں ہوا۔ چونکہ وہاں شہید سے مراد ساری امتوں کے سارے نبی تھے لہٰذا اسکی طرف ھؤلاء جمع سے اشارہ درست ہوا۔ مگر پہلی توجیہ بہت ضعیف ہے کہ اس صورت میں یہ عبارت مکرر ہو جائے گی دوسری توجیہ بھی قوی نہیں۔ تیسری و چوتھی توجیہ قوی ہے کیونکہ قرآن کریم کی دوسری آیت اسکی تائید کر رہی ہے رب فرماتا ہے **لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا** تیسری توجیہ میں شہادت بلاواسطہ مراد ہے چوتھی توجیہ میں گواہی بالواسطہ یعنی اے محبوب ہم آپ کو ان انبیاء کرام یا آپ کو اپنی امت پر گواہ بنا کر لائیں

گے یومئذ یود الذین کفروا وعصوا الرسول یہ نیا جملہ ہے جو پچھلے جملہ کی تفصیل کر رہا ہے کہ پہلے میں بطور اجمال فرمایا گیا تھا کہ اس دن کیسی آفت ہوگی اب فرمایا جا رہا ہے کہ ایسی آفت ہوگی کہ کفار یہ آرزو کریں گے۔ یود وُدّ سے بنا بمعنی محبت کرنا چاہنا تمنا یا آرزو کرنا اس سے ہے ودود اور مودودیہاں آخری معنی مراد ہیں تمنا کرنا تمنا بھی وہ جو پوری نہ ہو سکے۔ الذین کفروا سے یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر مراد ہیں یا گزشتہ امتوں کے منکر مراد ہیں یا سارے ہی کفار مراد ہیں کفر سے ہر قسم کا کفر مراد ہے خواہ الوہیت الٰہیہ کا انکار ہو یا توحید کا انکار یا رسالت کا انکار غرضیکہ ہر بد عقیدگی اس میں شامل ہے عصوا سے ہر بد عمل مراد ہے یا بد عقیدگی مراد دوسری صورت میں یہ کفروا کا بیان ہے پہلی صورت میں علیحدہ چیز کا تذکرہ یعنی اس دن سارے کفار خواہ کسی قسم کے ہوں۔ جنہوں نے بد عقیدگی اور بد عقیدگی کے ساتھ بد عملی اختیار کی اپنے نبی کی نافرمانی کی وہ تمنا و آرزو کریں گے۔ خیال رہے کہ یہاں اللہ کی نافرمانی کا ذکر نہیں ہوا صرف رسول کی نافرمانی کا ذکر ہوا کیونکہ دنیاوی یا اخروی عذاب صرف رسول کی نافرمانی سے ہوتا ہے رب فرماتا ہے وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا نیز اللہ کی نافرمانی رسول کی نافرمانی کی ضمن میں ہوتی ہے۔ جیسے رب کی اطاعت رسول کی اطاعت کے ضمن میں ہے ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ کیونکہ حضور کی معرفت ہی رب کے احکام بندوں تک پہنچتے ہیں اور بغیر احکام پہنچے احکام کی اطاعت یا نافرمانی ممکن نہیں۔ نیز جو کوئی بغیر نبی کے رب کی اطاعت کرے۔ صدقہ خیرات کرے وہ نافرمانی ہی ہے فرمانبرداری رب رسول کی معرفت ہو سکتی ہے ان وجوہ سے یہاں صرف رسول فرمایا گیا لو تسوی بہم الارض یہ عبارت یود کا مفعول ہے لو یا تو مصدریہ ہے اور تسوی بمعنی تسویت۔ یا بمعنی کاش کے زمین برابر کرنے سے مراد یا تو انہیں مٹی بنا کر زمین سے ملا دیا جانا ہے یا انہیں دوبارہ موت دیکر زمین میں دفن کر دیا جانا ہے یا انکا قیامت میں زندہ نہ ہونا ہمیشہ مردہ رہنا یا ان کا پیدا ہی نہ ہونا مٹی ہی رہنا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ دوسرے احتمال کی طرف مشیر ہے یعنی تمنا کریں گے کہ کاش کہ جانوروں کی طرح ہم بھی مٹی کر کے پیوند زمین کر دیئے جاتے یا مٹی ہو جانے اور زمین سے ہموار ہو جانے کی آرزو کریں گے ولا یکتمون اللہ حدیثا یہ عبارت یود پر معطوف ہے۔ یکتمون کتم سے بنا بمعنی چھپانا لفظ اللہ سے پہلے من پوشیدہ ہے اس من پوشیدہ کی وجہ سے اللہ منصوب ہے۔ حدیثا یکتمون کا مفعول ہے۔ حدیث سے مراد تمام اقوال، اعمال، احوال ہیں یعنی کفار و بدکار اللہ تعالیٰ سے اپنا کوئی قول فعل عمل حال نہ چھپا سکیں گے یا نہ چھپائیں گے بلکہ ہر چیز کا صاف صاف اقرار کر لیں گے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آج تو کفار و منافقین ہر قسم کی چالاکی و مکاری کر رہے ہیں کل قیامت میں یہ کیا کریں گے جبکہ کیفیت یہ ہوگی کہ تمام انبیاء کرام اپنی اپنی امت کے موافق و مخالف ہر بات کی گواہی دیں گے ان امتوں کے کفار انبیاء کرام کی تبلیغ اور اپنی بدکاریوں کا انکار کریں گے تو تمہاری امت ان نبیوں کے حق میں گواہی دیگی کہ خدایا یہ سارے نبی سچے ہیں یہ کفار جھوٹے ان حضرات نے اپنی امتوں کو تبلیغ علی وجہ الکمال کی تھی ان مردودوں نے قبول نہ کی تب کفار اعتراض کریں گے کہ یہ امت تو ہمارے زمانوں میں موجود تھی ہی نہیں بغیر دیکھے بھالے گواہی کیسے دے رہی ہے۔ تب آپکی امت عرض کریگی کہ خدایا ہم اپنے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سب واقعات سن کر گواہی دے رہے ہیں ہم سے ان سرکار نے فرمایا تھا کہ تمام انبیاء نے تبلیغیں کیں امتوں نے سرکشی کی تب تمہاری امت کی گواہی اور صفائی کیلئے تم کو عدالت الٰہیہ میں بلایا جائے گا

تم اپنی امت کی گواہی کی تصدیق کرو گے بالواسطہ ان نبیوں کے حق میں گواہی دو گے اور اپنی امت کی توثیق کرو گے کہ یہ امت مقبول الشہادۃ ہے نیک ہے صالح ہے تمہاری گواہی سے ان انبیاء کرام کی ڈگری ہوگی اور انکی قوموں کی شکست۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام اپنی گواہی کیلئے اپنی امت کو صالحین کو پیش نہ فرمائیں گے بلکہ اس امت کے پیش کریں گے یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اس امت پر اور اسکا یہ انتخاب ہے اس گواہی سے حالت یہ ہوگی کہ تمام وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں کفر کیا اپنے رسول کی نافرمانی کی یہ تمنا کریں گے کہ جیسے جانوروں کو ایک دوسرے سے ظلم کا بدلہ دلوا کر مٹی کر دیا گیا۔ وہ دوزخ سے بچ گئے ایسے ہم کو مٹی کر کے پیوند زمین کر دیا جاتا کہ ہم عذاب سے بچ جاتے وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اپنا کفر و بدکاریاں چھپانے کی کوشش تو بہت کریں گے مگر چھپا نہ سکیں گے اس گواہی سے سب کچھ عیاں ہو جائے گا۔ خیال رہے کہ ان آیتوں کی چھ سات تفسیریں ہو سکتی ہیں جیسا کہ تفسیر میں اشارۃً عرض کیا گیا ہم نے صرف ایک تفسیر کا خلاصہ بیان کیا جو بہت قوی ہے اور دوسری آیات سے اسکی تائید ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: تمام انبیائے کرام اپنی امت کے ظاہری و باطنی اعمال پر مطلع و خبردار ہوتے ہیں بغیر علم کے گواہی کیسی یہ فائدہ شہید سے حاصل ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم** میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے بچاتے ہو۔ دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام انبیاء کرام کی گواہ ہے جیسا کہ یہاں تفسیر سے دوسری جگہ آیت قرآنی سے ثابت ہے **لتکونوا شهداء علی الناس** اور مدعی کو گواہ پیارا ہوتا ہے کہ اسکے مقدمہ کا فیصلہ گواہ پر ہوتا ہے لہٰذا یہ امت محبوب الانبیاء ہے ہم کو چاہئے کہ اعمال اچھے اختیار کریں تاکہ کل حضرات انبیاء کی گواہی دے سکیں فاسق قابل گواہی نہیں ہوتے رب فرماتا ہے **ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا** تیسرا فائدہ: اس امت کی گواہی ان انبیاء کرام کے حق میں سن کر ہوگی نہ کہ دیکھ کر جیسا کہ ان امتوں کے اعتراض سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ نے تمام انبیاء کرام اور انکی امتوں کے حالات تفصیل وار اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمائے ہیں اور آپکی گواہی اپنی امت کی طرح سمعی نہ ہوگی بلکہ عینی ہوگی اگر آپ کی گواہی بھی محض سنی سنائی ہوتی تو جو اعتراض اس امت کی گواہی پر ہوا تھا آپ کی گواہی پر بھی ہوتا نیز آپ کی گواہی کی پھر ضرورت کیا ہوتی۔ جیسے ہمارا خواب و خیال گزشتہ و آئندہ چیزوں کو دیکھ لیتا ہے ایسے ہی حضور کی نگاہ اگلی پچھلی باتوں کو ملاحظہ کرتی ہے۔۔۔

اے فروغت صبح آثار و دہور چشم تو بینندۂ ما فی الصدور

رب تعالیٰ فرماتا ہے الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل اور فرماتا ہے **الم تر کیف فعل ربک بعاد** حالانکہ قوم عاد اور اصحاب فیل کے واقعات حضور سے پہلے کے ہیں۔ پانچواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ساری امت کے ہر ایک حال کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما رہے ہیں اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں اپنی امت کی تائید کے ساتھ اسکی توثیق بھی فرمائیں گے۔ جیسا کہ علی هؤلاء سے معلوم ہوا۔ لوگوں کے ایمان کی نبض پر حضور کا ہاتھ ہے اسکی تحقیق وکذلک جعلناکم امۃ وسطا میں کی جا چکی ہے۔ چھٹا فائدہ: قیامت میں کفار بھی حضور کے علم غیب و حاضر و ناظر کے قائل ہوں گے اسلئے وہ حضور کی

گواہی پر یہ جرح نہ کر سکیں گے کہ حضور بغیر مشاہدہ گواہی کیسے دے رہے ہیں اب جو حضور کے ان اوصاف کا منکر ہو وہ ان کفار سے بدتر ہے۔ **ساتواں فائدہ:** کفار شرعی احکام پر عمل نہ کرنے پر بھی سزا پائیں گے ان پر فرض ہے کہ ایمان لا کر احکام شرعیہ پر عمل کریں جیسا کہ عصوا الرسول کی تفسیر سے معلوم ہوا کیونکہ بد عقیدگی تو کفروا میں مذکور ہو چکی اب عصوا الرسول میں انکی بد عملی ہی مراد ہے (تفسیر کبیر و روح المعانی) **آٹھواں فائدہ:** قیامت میں کفار اپنے گناہ چھپانا چاہیں گے مگر چھپا نہ سکیں گے حضور کی گواہی سب کے خفیہ راز ظاہر کر دے گی جیسا کہ ولا یکتمون کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** جانوروں کیلئے دوزخ و جنت کی سزا و جزاء نہیں بلکہ انہیں مٹی کر دیا جائے گا جیسا کہ **لو تسوی بھم** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ رب تعالٰی فرماتا ہے **ویقول الکافر یلیتنی کنت ترابا** **دسواں فائدہ:** دوزخ کی سزا کی اصل وجہ نافرمانی رسول ہے اسکے بغیر سزا نہیں جیسا کہ عصوا الرسول سے معلوم ہوا اسلئے علماء فرماتے ہیں کہ جس شخص تک کسی نبی کی نبوت نہ پہنچی ہو اسکی نجات کیلئے صرف عقیدۂ توحید کافی ہے وہ کسی جرم پر سزایاب نہ ہو سکے گا اگر موحد ہو۔ لہذا حضور کے والدین کریمین ہرگز ہرگز دوزخی نہیں کیونکہ ان تک احکام شرعیہ نہیں پہنچے وہ حضرات موحد تھے لہذا انکی نجات ہے بلکہ وہ امت مسلمہ میں داخل ہیں یہ گواہی قرآن مجید۔ دیکھو اسکی تحقیق ہماری اس تفسیر کے پہلے پارے میں جو ان بزرگوں کو دوزخی مانے وہ اس آیت کا بھی منکر ہے۔ **گیارھواں فائدہ:** حضور ولادت سے پہلے اور وفات کے بعد یونہی معراج میں عرش سے وراء پہنچ کر اس جہان سے بے تعلق نہیں رہے نور نظر آسمان پر پہنچ کر بھی آنکھوں سے نکل نہیں جاتا روح سیلانی خواب میں عالم کی سیر کرتی ہے مگر جسم سے نکل نہیں جاتی حضور نے نماز کسوف میں ہاتھ اٹھایا وہ ہاتھ جنت میں پہنچ گیا۔ مگر مدینہ پاک سے نکل نہ گیا مدینہ میں بھی رہا جنت میں بھی پہنچ گیا یہ فائدہ بھی شہید سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: یہاں شہید سے مراد حضرات انبیاء کرام مراد نہیں بلکہ فرشتے کاتب اعمال اور زمین و زمان مراد ہیں کہ یہ چیزیں کفار کے کفر و بدکاریوں کی گواہی دیں گی (مرزائی) **جواب:** بے شک یہ مذکورہ چیزیں کفار کے خلاف گواہی دیں گی مگر یہاں وہ مراد نہیں کیونکہ یہاں ارشاد ہوا من کل امۃ ہر امت میں سے۔ وہ چیزیں امت کی جنس سے نہیں لہذا یہاں انبیاء کرام ہی مراد ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں شہید سے مراد ان کفار کے ہاتھ پاؤں ہیں نہ کہ انبیاء کرام۔ رب فرماتا ہے **وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون** (مرزائی) **جواب:** بے شک کفار کے ہاتھ پاؤں انکے خلاف گواہی دیں گے مگر یہاں وہ گواہی مراد نہیں کیونکہ یہاں قومی گواہی مراد ہے نہ کہ شخصی اور کفار کے اعضاء کی گواہی شخصی ہوگی اس شخص کے اعمال کے متعلق یہاں من کل امۃ ارشاد ہوا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قوم کے خلاف گواہی مراد ہے اس آیت کریمہ کے تفسیر وہ آیت ہے **وقال الرسول یرب ان قومی اتخذوا ھذا القران مھجورا** **تیسرا اعتراض:** جب ہر امت کا نبی اس پر گواہ ہوگا تو یہاں شہید واحد کیوں ارشاد ہوا۔ حضرات انبیاء تو ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ **جواب:** یہاں شہید جنس ہے جس میں واحد اور جماعت سب داخل ہوتے ہیں۔ چونکہ ان تمام حضرات کی گواہی یکساں ہوگی۔ اس لئے شہید واحد لایا گیا۔ **چوتھا اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی اپنی امت اور دیگر انبیاء کرام کے موافق ہوگی پھر یہاں ھؤلاء کیوں فرمایا گیا علی تو مخالف گواہی پر لایا جاتا ہے۔ **جواب:** اسکا تفصیلی جواب دوسرے پارے کی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں شہادت میں رقیب و محافظ

کے معنی ملحوظ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی صفائی بھی بیان فرمائیں گے کہ یہ لوگ عادل ثقہ گواہی کے لائق ہیں اسلئے علی ارشاد ہوا اعلیٰ حضرت کا ترجمہ بھی یہ ہی بتا رہا ہے گواہ نگہبان اور گواہ صفائی وہ ہی ہو سکتا ہے جو سارے حالات سے خبردار ہو۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار اپنے کفر و بدکاری نہ چھپائیں گے مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرما رہا ہے کہ وہ عرض کریں گے **واللہ ربنا ما کنا مشرکین** اللہ کی قسم ہم مشرک نہ تھے دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: اسکا جواب اعلیٰ حضرت کے ترجمہ سے معلوم ہو گیا کہ وہ چھپانے کی کوشش تو کریں گے مگر چھپا نہ سکیں گے۔ نہ چھپانا اور ہے اور چھپا نہ سکنا کچھ اور اگر یہاں نہ چھپانا ہی مراد ہو تو چھپانا اور وقت ہو گا اور اقرار جرم دوسرے وقت ان دونوں آیتوں میں دو وقتوں کا ذکر ہے۔ چھٹا اعتراض: جب حضور کی گواہی سے تبلیغ انبیاء اور کفار کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے گا تو پھر ہاتھ پاؤں فرشتوں زمین و زمان کی گواہی کی کیا ضرورت ہو گی اور انکی گواہی کیوں لی جائے گی ان چیزوں کی گواہی قرآن کریم سے ثابت ہے۔ جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی تو صرف اس چیز پر ہو گی کہ حضرات انبیاء کرام نے انہیں تبلیغ فرمادی تھی مگر یہ لوگ کافر رہے اسکے فرمان نہ مانے گویا عقائد کے متعلق ہو گی۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ کی گواہی ان بد نصیبوں کے اعمال کے متعلق ہو گی اس لئے وہاں ارشاد ہوا **وتشہد ارجلہم بما کانوا یکسبون** کسب اعمال کو کہتے ہیں صرف عقائد کو نہیں کہتے۔ ساتواں اعتراض: یہاں کفر کے بعد عصوا الرسول کا ذکر کیوں ہوا کفر بھی تو نبی کی نافرمانی میں داخل تھا۔ جواب: کفر سے مراد خرابی عقائد ہے اور نافرمانی سے مراد ان کفار کی بد عملی لہٰذا دونوں میں فرق ہے۔ آٹھواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف وہ ہی کفار مٹی ہو جانے کی آرزو کریں گے جو کافر بھی رہے اور بد عمل بھی تو چاہیے کہ نیک اعمال کرنے والے کفار پر نہ عذاب ہو نہ وہ یہ تمنا کریں۔ جواب: اسکے دو جواب ہیں ایک یہ کہ ہاں واقعی بدکار کافر نیک کار کافر سے زیادہ سخت سزا کے مستحق ہوں گے ابو جہل اور ابو طالب یکساں نہ ہوں گے یوں ہی فرعون اور دوسرے ہلکے کفار کو سزا یکساں نہ ہو گی اور یہ تمنا صرف بدکار کافر ہی کریں گے جو اپنی سخت سزا دیکھ کر دوسرے یہ کہ کفار کی نیکیاں نیکیاں نہیں کیونکہ نبی کے فرمان کے ماتحت نہیں لہٰذا یہ کافر یہ تمنا کرے گا۔ نواں اعتراض: یہاں ھولاء سے اشارہ ان نبیوں کی طرف نہیں بلکہ حضور کے زمانہ کے کفار و مشرکین کی طرف ہے اور معنی یہ ہیں کہ آپ ان موجودہ کفار و مشرکین و منافقین کے خلاف گواہی دیں گے۔ (مرزائی) جواب: یہ بات بہت ضعیف سی ہے کیونکہ اگر حضور کی یہ گواہی مراد ہوتی تو اسکے علیحدہ ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ تو پہلے مضمون میں آ گئی تھی نیز اس آیت میں ان مشرکوں کافروں کا ذکر نہیں پھر اس طرف اشارہ کیسے ہوا نیز کوئی مشرک و کافر حضور کی تبلیغ کا انکار نہ کریگا پھر اس گواہی کی ضرورت کیا ہو گی۔ دسواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام اپنی سرکش امتوں کی شکایت کریں گے مگر دوسری آیت میں ہے کہ وہ عرض کریں گے لا علم لنا ہمیں انکے متعلق کچھ علم نہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے کہ میں جب تک ان میں رہا ان پر شہید رہا میری وفات کے بعد تو رقیب تھا آیتوں میں تعارض ہے (مرزائی) جواب: انبیاء کرام کی وہ عرض معروض اور وقت ہے شکایت و گواہی دوسرے وقت قیامت کے حالات مختلف ہیں۔ گیارہواں اعتراض: رب تعالیٰ نے یہاں فرمایا **جئنا بک علی ھولاء شہیدا** یعنی ہم آپ کو قیامت میں گواہ لائیں گے مگر دوسری جگہ فرمایا **انا ارسلنک شاہدا** ہم نے آپ کو دنیا میں گواہ بھیجا دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ حضور گواہ

کب ہیں اور کہاں ہیں۔ جواب: اسکے دو جواب ہیں ایک یہ کہ حضور دنیا میں مخلوق کے گواہ بنے آئے ہیں اور قیامت میں رب کے سامنے گواہی دینے کا ذکر ہے اور اس آیت میں گواہ بنے کا ذکر تھا۔ دوسرے یہ کہ حضور دنیا میں مخلوق کے سامنے خالق کی گواہی دینے آئے اور قیامت میں مخلوق کی گواہی خالق کی بارگاہ میں دیں گے یہاں دوسری گواہی کا ذکر ہے اس آیت میں پہلی گواہی کا ذکر تھا۔ ارہواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء بھی گواہ ہیں اور حضور بھی گواہ تو گواہ ہونا حضور کی خصوصیت نہ رہا پھر اسے اہتمام سے کیوں بیان فرمایا۔ جواب: حضور کی گواہی حضرات انبیاء کرام کی گواہی سے بہت ممتاز ہے دنیا میں تو اس طرح کہ سارے انبیاء اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات وغیرہ کے سنے ہوئے گواہ تھے کسی نے رب کو اور سارے نور خانہ کو دیکھا نہ تھا مگر حضور عینی گواہ ہیں کہ حضور نے اللہ کی ذات و صفات اور ہمارے نور خانہ کو دیکھ کر گواہی دی اس لئے حضور خاتم النبیین ہوئے اور اسلام کامل دین۔ **الیوم اکملت لکم دینکم** کہ عینی گواہ پر سلسلہ گواہی ختم ہو جاتا ہے۔ اور آخرت میں اس طرح کہ باقی ہر نبی صرف اپنی اپنی امت کے حق میں گواہ ہوں گے بادشاہ کی شان اور ہے مگر بادشاہوں کے بادشاہ کی شان کچھ اور اس وجہ سے حضور کا نام شاہد و شہید ہوا۔ تیرہواں اعتراض: اللہ تعالیٰ نے حضور کو بھی شہید فرمایا اور اپنے کو بھی شہید فرمایا **وکفی باللہ شہیدا** اسکی کیا وجہ ہے۔ جواب: ہر مومن دو دعویٰ کرتا ہے۔ اول دعویٰ لا الہ الا اللہ اور دوسرا دعویٰ محمد رسول اللہ پہلے دعویٰ یعنی توحید کے گواہ تو ہیں **محمد صلی اللہ علیہ وسلم** اور دوسرے دعویٰ یعنی رسالت کا گواہ ہے خود رب تعالیٰ لہذا رب کا نام شریف بھی شہید ہے اور حضور کا نام شریف بھی شاہد اور شہید ہے۔ چودہواں اعتراض: اللہ تعالیٰ نے یہاں تو حضور کو شہید فرمایا مگر دوسری جگہ شاہد فرمایا' **انا ارسلنک شاہدا** اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ جواب: حضور دنیا میں رب کی ذات و صفات وغیرہ کے اجمالی گواہ ہیں ان تمام کی تفصیل قیامت میں معلوم ہوگی مگر آخرت میں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مخلوق کے تفصیلی گواہ ہوں گے کہ ہر ایک کے ہر حال کے گواہ ہوں گے لہذا آپ دنیا میں شاہد ہیں آخرت میں شہید ہوں گے اس لئے شاہد کے ساتھ 'ارسلنا فرمایا اور شہید کے ساتھ 'جئنا ارشاد ہوا۔ پندرہواں اعتراض: شہادت و گواہی تو معمولی سی چیز ہے پھر رب تعالیٰ نے حضور کی اس صفت کو اتنی اہمیت کیوں دی کہ اسکا ذکر قرآن مجید میں بار بار فرمایا۔ جواب: اللہ تعالیٰ نے حضور کو بے شمار صفات بخشیں ان میں صفت شہادت بڑی عظیم الشان صفت ہے چند وجوہ سے۔ ایک یہ کہ حضور کی بعض صفات کا ظہور دنیا میں ہے۔ جیسے ہادی ہونا بعض کا ظہور آخرت میں ہوگا جیسے شفیع المذنبین ہونا مگر صفت شہادت وہ ہے جس کا ظہور دنیا میں بھی ہے کہ حضور کی گواہی سے ہم نے رب تعالیٰ کی ذات و صفات کو پہچانا اور تمام امتوں نے حضرات انبیاء کرام کو گندی تہمتیں لگائیں۔ حضور نے ان تہمتوں کو دور فرمایا اسکی تحقیق کیلئے ہماری کتاب انجیل اور توہین انبیاء کا مطالعہ کرو اور آخرت میں بھی حضور ہی کی گواہی پر تمام انبیاء کرام کی ڈگری ہوگی دوسرے یہ کہ گواہ مدعی کا محسن ہوتا ہے اور حاکم کا خدمت گزار حضور تمام مسلمانوں اور تمام نبیوں کے محسن ہیں رب تعالیٰ کے دین کی اعلیٰ خدمت فرمانے والے۔ تیسرے یہ کہ شہادت پر حضور کا علم غیب' حاضر ناظر ہونا وغیرہ بہت سی صفات مبنی ہیں کہ عینی گواہ واردات پر حاضر بھی ہوتا ہے اس سے مطلع بھی۔ اسلئے اس صفت کو رب نے اہمیت دی۔

تفسیر صوفیانہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی امت کے تمام اعمال روزانہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں اور رب تعالیٰ کی

بارگاہ میں بندوں کے اعمال سوموار اور جمعرات کو پیش ہوتے ہیں۔ دوسرے نبیوں پر اور انسان کے ماں باپ کو جمعہ کے دن امت و اولاد کے اعمال دکھائے جاتے ہیں (روح البیان) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گنہگاروں کیلئے رب کی صفت ستاری کے مظہر ہیں حضور اپنی امت کی نیکیوں کی تو گواہی دیں گے۔ عرض کریں گے کہ مولیٰ یہ عادل ہیں ثقہ ہیں انکی گواہی قابل قبول ہے مگر انکے گنہگاروں کی پردہ پوشی کریں گے جو لوگ دنیا میں تکبر کی وجہ سے آگ بن کر رہے وہ کل قیامت میں خاک ہونے کی تمنا کریں گے مگر آگ میں ہی جائیں گے آگ کا انجام آگ ہے اور جو لوگ یہاں خاک نشین رہے وہ کل باغ میں ہوں گے۔ خاک کا انجام باغ ہے ہمیشہ خاک میں باغ لگتے ہیں نہ کہ آگ میں کیونکہ خاک میں عجز ہے آگ میں تکبر جب انسان خاکی ہے اور خاک ہی میں جانے والا ہے تو بہتر ہے کہ خاک بن کر جیئے۔

اے برادر چو عاقبت خاک است — خاک شو پیش از انکہ خاک شوی!
سالہا بودی تو سنگ دلخراش — آزموں رایک زمانہ خاک باش!

مثنوی شریف میں ہے کہ۔

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ — خاک شوتا گل بروید رنگ رنگ

کافر مردے تمنا کریں گے ہم کو دو رکعت نماز یا ایک بار کلمہ طیبہ پڑھ لینے کی اجازت دی جائے مگر نہ ملے گی کہ وقت عبادت گزر گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا

اے وہ لوگو جو ایمان لائے نہ پاس جاؤ نماز کے حالانکہ تم نشہ والے ہو حتیٰ کہ جان لو وہ جو کہتے ہو

اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ جب تک اتنا ہوش نہ ہو کہ جو کہو اسے سمجھو

تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ

تم اور نہ جنابت کی حالت میں مگر راستہ عبور کرتے حتیٰ کہ نہا لو اور اگر ہو تم بیمار یا

اور نہ ناپاکی حالت میں بے نہائے مگر مسافری میں اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں یا

عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا

سفر پر یا آئے کوئی تم میں سے پاخانہ سے یا چھوؤ تم عورتوں کو پھر نہ پاؤ تم

تم میں سے کوئی قضاء حاجت سے آیا تم نے عورتوں کو چھوا اور پانی نہ پایا تو

مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ

پانی تو تیمم کرو تم پاک مٹی سے تو مسح کرو اپنے چہروں کا اور اپنے ہاتھوں کا بے شک اللہ

پاک مٹی سے تیمم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرو بے شک اللہ

كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ۝
معاف فرمانے والا بخشنے والا
معاف فرمانے والا بخشنے والا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اشارۃً فرمایا گیا تھا کہ اے مسلمانو! تم پچھلے انبیاء کرام کے گواہ ہو اب فرمایا جارہا ہے کہ اپنے اعمال خصوصاً نماز طہارت درست کرو تاکہ کل قیامت میں ان مقبولوں کے گواہ بن کر عدالت عالیہ الٰہیہ میں پیش ہو سکو کیونکہ فساق کی گواہی قبول نہیں چونکہ نماز تمام اعمال سے اہم ہے۔ جس نے نماز درست کرلی اس نے سارے اعمال ٹھیک کرلئے اسلئے نماز کی درستی کا خصوصیت سے حکم دیا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں اشارۃً فرمایا گیا تھا کہ قیامت میں ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے گواہ صفائی بھی ہوں گے لہٰذا اب فرمایا جارہا ہے کہ مسلمانو دنیا میں پاک و صاف رہو بدن اور روح پاک رکھو تاکہ تم اس گواہی صفائی کے لائق ہو۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ قیامت میں کوئی شخص رب تعالیٰ سے اپنا حال چھپا نہ سکے گا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ لہٰذا مسلمانو نماز خراب کر کے نہ پڑھو گندے نہ رہو۔ تاکہ کل ہماری بارگاہ میں تم کو شرمندگی نہ ہو۔

شان نزول: امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں اسلام میں شراب حلال تھی اس زمانہ میں حضرت عبدالرحمان ابن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاں صحابہ کرام کی کھانے کی دعوت ہوئی جس میں میں بھی تھا حسب دستور کھانے کے بعد شراب کا دور چلا اور تمام نشہ میں چور ہو گئے۔ وقت مغرب آگیا اور لوگوں نے مجھے امام بنا دیا میں بھی چونکہ نشہ میں تھا میں نے سورۂ قل **یا یہا الکافرون** پڑھی اور چاروں جگہ لا چھوڑ گیا **اعبدو ما تعبدون وانتم عابدون ما اعبد** پڑھ گیا تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں بحالت نشہ نماز پڑھنے سے روک دیا گیا اور مسلمانوں میں اس پابندی کی وجہ سے بہت حد تک شراب کا رواج کم ہو گیا۔ پھر سورۂ مائدہ کی آیات تحریم شراب کی نازل ہوئیں جن سے اسلام میں شراب مطلقاً حرام کر دی گئی۔ (تفسیر صاوی 'روح المعانی' خازن 'ابوداؤد' ترمذی 'نسائی' حاکم) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔ (روح المعانی) سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ شراب حرام ہونے سے پہلے بعض صحابہ شراب پی کر نشہ کی حالت میں نماز کیلئے مسجد نبوی شریف میں آجاتے تھے انکے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ تفسیر کبیر وغیرہ۔ غزوہ مریسیع میں ام المومنین عائشہ صدیقہ کا ہار گم ہو گیا اسکی تلاش میں دیر لگی نماز ظہر کا وقت آگیا پانی فوج میں تھا نہیں حضرت عائشہ کو جناب ابوبکر صدیق نے مارا کہ تم نے سب کو پریشان کر دیا ہار کیوں گمایا۔ تب آیت کریمہ کا دوسرا حصہ **ان کنتم مرضی اوعلی سفر** نازل ہوئی جس میں تیمم کے احکام ہیں۔ حضرت اسید ابن حضیر بولے اے آل ابوبکر جب تم پر تکلیف آتی ہے تو مسلمانوں کو راحت ملتی ہے۔ (روح المعانی)۔

تفسیر: **یا یہا الذین امنوا** : چونکہ عرب سے شراب مٹانا بہت بڑا کام تھا کیونکہ صدیوں سے وہاں شراب کا عام رواج تھا اسلئے بہت آہستگی سے اسکو حرام کیا گیا اور یہاں مسلمانوں کو پہلے الذین امنوا کے پیارے خطاب سے پکارا گیا تاکہ اس خطاب کی

لذت سے انہیں یہ مشکل کام آسان ہو جائے آپریشن وغیرہ بے ہوش کر کے یا ٹیکہ لگا کے کئے جاتے ہیں۔ یہ خطاب اہل ایمان کیلئے عشق و محبت کا ٹیکہ ہے۔ **لا تقربوا الصلوۃ** ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہاں صلوۃ سے مراد نماز ہیں ہیں اور لا تقربوا فرما کر نہایت تاکید سے روکا گیا ہے یعنی نشہ میں نماز پڑھنے کے کیا معنی نماز کے قریب بھی نہ جاؤ مقصد یہ ہے کہ نماز تو تم نے پڑھنی ہی ہے لہذا ایسے وقت نشہ استعمال نہ کرو جب نشہ کی حالت میں تم کو نماز پڑھنی پڑے مگر امام شافعی کے ہاں صلوۃ سے مراد مسجد ہے یعنی مضاف پوشیدہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ نشہ میں مسجدوں کے قریب نہ آؤ قرآن کریم میں نماز کی جگہ کو صلوۃ فرمایا گیا۔ رب فرماتا ہے **لهدمت صوامع وبيع وصلوت ومساجد** مگر امام اعظم کا قول نہایت ہی قوی ہے چند وجہ سے۔ اولاً یہ کہ اکثر مفسرین صحابہ کا یہی قول ہے دیکھو تفسیر کبیر دوسرے یہ کہ آیت کریمہ کا نزول نماز کے متعلق ہے نہ کہ مسجد کے داخلہ کے متعلق تیسرے یہ کہ اس تفسیر سے کوئی مضاف وغیرہ پوشیدہ ماننا نہیں پڑتا امام شافعی رضی اللہ عنہ کی تفسیر پر مواضع یا مسجد پوشیدہ ماننا پڑتا ہے۔ چوتھے یہ کہ اس تفسیر سے نشہ کی حالت میں نماز پڑھنا مطلقاً ممنوع ہوگی مگر امام شافعی کی تفسیر پر لازم آئے گا کہ نشہ میں گھر یا دوکان پر نماز پڑھ سکتے ہیں نیز لازم آئے گا کہ نشہ کی حالت میں بغیر نماز کے ارادہ کے بھی مسجد میں جانا حرام ہو حالانکہ اس وقت نشہ میں نماز حرام تھی نہ کہ مسجد میں جانا بہر حال تفسیر حنفی بہت قوی ہے۔ **وانتم سکری** یہ عبارت لا تقربوا کی ضمیر سے حال ہے۔ سکاری سکران کی جمع ہے جیسے ندمان کی جمع ندامی سکران کا مادہ سکر ہے سکر عقل پر پردہ پڑ جانے کو کہتے ہیں کہ اگرچہ اس لفظ کا زیادہ استعمال نشہ کی مستی پر ہوتا ہے مگر کبھی عشق، غصہ، نیند، غشی اور غم کی مدہوشی پر بھی بولا جاتا ہے اسلئے قرآن کریم میں شدت نزع کو سکرۃ الموت کہا گیا ہے۔ ہماری زبان میں بھی اسے سکرات کہتے ہیں بہتر یہ ہے کہ یہاں ساری مدہوشیاں مراد ہوں خواہ نشہ سے ہو یا دوسری وجہ سے یعنی بحالت مدہوشی نماز کے قریب بھی نہ جاؤ **حتی تعلموا ما تقولون** یہ لا تقربوا کی انتہا کا بیان ہے علم سے مراد سمجھنا ہے ما سے مراد ہر منہ کی نکلی بات ہے خواہ تلاوت قرآن مجید ہو یا کوئی عام بات اس لئے تقرؤن یا تتلون ارشاد نہ ہوا بلکہ تقولون فرمایا گیا جو کلام (تلاوت وغیرہ) سب کو شامل ہے **ولا جنبا الا عابری سبیل** : واؤ عاطفہ ہے لا تاکید نفی کیلئے دوبارہ لایا گیا اور جنباً **وانتم سکاری** پر معطوف ہو کر دوسرا حال ہے چونکہ **وانتم سکاری** مفرد کے حکم میں ہو کر حال تھا اسلئے اس پر جنباً مفرد کا عطف جائز ہوا' جنبا کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں کہ یہ جنب سے بنا بمعنی پہلو، یکطرفی۔ شریعت میں جنب وہ مرد یا عورت ہے جس پر صحبت یا منی نکلنے کی وجہ سے غسل واجب ہو۔ چونکہ ایسا شخص نماز تلاوت مسجد سے علیحدہ رہتا ہے لہذا اسے جنب کہتے ہیں یہ مذکر مونث واحد جمع سب پر بولا جاتا ہے مثل مصدر کے (زوج، خیاث وغیرہ) الا صرف جنبا سے استثناء کیلئے آیا ہے۔ عابری عابر کی جمع ہے جو عبور بمعنی مرور (گزرنا) سے بنا سبیل سے مراد سفر کا راستہ یعنی جنگل ہے یعنی بحالت جنابت نماز کے قریب نہ جاؤ غسل کر کے نماز پڑھو لیکن اگر جنگل میں سفر کر رہے ہو اور پانی میسر نہیں تو بغیر غسل تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہو یہ احناف کی تفسیر ہے حضرات شوافع فرماتے ہیں کہ بحالت جنابت مسجد میں آنا حرام ہے لیکن اگر جنبی مسجد سے گزر جائے تو جائز اسطرح کہ کسی کے گھر کا دروازہ مسجد میں ہو وہ بحالت جنابت مسجد عبور کر سکتا ہے چونکہ انکے ہاں الصلوۃ سے مراد نماز کی جگہ یعنی مسجد ہے مگر ہم پہلے عرض کر چکے کہ حنفی تفسیر بہت ہی قوی ہے۔ **حتی تغتسلوا** یہ عبارت لا جنبا" کی انتہا ہے یعنی جنابت کی حالت میں نماز کے قریب نہ ہو یہاں تک کہ غسل کر لو آئندہ دو تا پاکیوں

کا ذکر ہے اور دو مجبوریوں کا جنکی وجہ سے تیمم کی اجازت ہے مجبوریوں کا ذکر پہلے ہے ناپاکیوں کا ذکر پیچھے۔ چنانچہ ارشاد ہوا **وان کنتم مرضی** کنتم میں انہیں سے خطاب ہے جن سے لاتقربوا میں خطاب تھا یعنی سارے مسلمان مکلف جن پر نماز فرض ہے۔ مرضی مریض کی جمع ہے بیمار تین قسم کے ہیں ایک وہ جو غسل یا وضو سے ہلاک ہو جائیں۔ جیسے چیچک والے یا سخت گہرے زخم والے دوسرے وہ جو غسل یا وضو سے ہلاک تو نہ ہوں مگر سخت تکلیف پائیں یا انکا مرض بڑھ جائے یا دراز ہو جائے جیسے بعض بخار والے۔ تیسرے وہ جو غسل یا وضو سے مذکورہ تکالیف نہ پائیں بلکہ انہیں پانی کا استعمال گراں ہو یا اس سے جسم میں کوئی عیب رہ جائے پہلی دو صورتوں میں تیمم جائز ہے تیسری صورت میں نہیں یہاں مرضی سے وہ دو بیمار ہی مراد ہیں۔ (تفسیر کبیر معانی و روح وغیرہ) **او علی سفر** یہ عبارت مرضی پر معطوف ہے علی سفر فرمایا فی سفر یا مسافرین نہ فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ تیمم کی اجازت راستہ طے کرنے والے مسافر کو ہے کہ ایسی ہی حالت میں پانی نہیں ملتا کہیں ٹھہرا ہوا مسافر تیمم نہیں کر سکتا کہ اسے پانی عموماً مل جاتا ہے لہذا یہ جملہ عابری سبیل کی تفسیر ہے سفر سے مراد شرعی سفر ہی نہیں جس میں قصر ہوتا ہے بلکہ ہر چھوٹا بڑا سفر مراد ہے یعنی جنگل میں ہونا **او جاء احد منکم من الغائط** یہ او بمعنی واؤ ہے غائط بنا ہے غوط سے بمعنی زمین کھودنا اب ہر پست زمین کو غائط کہتے ہیں۔ جہاں بیٹھنے سے انسان لوگوں کی نگاہ سے چھپ جائے چونکہ اہل عرب عموماً پاخانہ پیشاب کیلئے پست جگہ میں بیٹھتے تھے تاکہ لوگوں سے پردہ رہے اسلئے پیشاب پاخانہ کرنے کو غائط سے آنا سے بولتے تھے۔ جیسے ہندوستان میں دیہاتی لوگ جنگل پھرنا کہتے ہیں اور پنجاب میں باہر جانا کہتے ہیں۔ اس محاورہ کو یہاں استعمال کیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی پیشاب پاخانہ کرے جس سے اسکا وضو جاتا رہے۔ یہاں اگرچہ پیشاب پاخانہ کرنے کا ذکر ہوا مگر اس میں ہوا نکلنا، خون، قے خارج ہونا سب شامل ہیں۔ یعنی حدث اصغر چھوٹی ناپاکی جس سے وضو ٹوٹے۔ **اولمستم النساء** یہ جملہ جاء احد، پر معطوف ہے او عاطفہ ہے لامستم لمس سے بنا بمعنی چھونا مگر قرآن مجید میں عورت سے صحبت کرنے کو لمس اور مس فرمایا گیا ہے۔ رب فرماتا ہے **وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن** اگر تم بیویوں کو طلاق دے دو صحبت سے پہلے اور فرماتا ہے **فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا**، غلام آزاد کرو صحبت کرنے سے پہلے لہذا یہاں بھی اس سے صحبت کرنا مراد ہے جس سے غسل واجب ہوتا ہے حدث اصغر یعنی وضو توڑنے والی چیز کا ذکر پہلے ہوا اور حدث اکبر یعنی غسل توڑنے والی چیز کا ذکر اب ہوا یہ احناف کی تفسیر ہے۔ حضرات شوافع کے ہاں یہاں لمس سے مراد ہاتھ لگانا یا ہاتھ سے چھونا ہے انکے ہاں عورت کو چھونا وضو توڑ دیتا ہے وہ اس آیت کی بنا پر یہ فرماتے ہیں مگر امام اعظم کی تفسیر بہت ہی قوی ہے چند وجوہ سے ایک یہ کہ اس صورت میں یہ عبارت زائد ہوگی کیونکہ وضو توڑنے والی چیزوں کا ذکر تو پہلے **او جاء احد منکم** میں ہو چکا اگر یہاں بھی وضو توڑنے والی چیز مراد ہوتی تو او، فرما کر علیحدہ طریقہ سے بیان نہ فرمائی جاتی ہمارے ہاں پہلی عبارت میں چھوٹی ناپاکی مراد ہے اور اس عبارت میں بڑی ناپاکی جو غسل واجب کردے مراد ہے۔ دوسرے یہ کہ دوسری آیات میں عورتوں کو چھونے سے مراد صحبت ہے جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا وہ آیات اس آیت کی تفسیر ہیں تیسرے یہ کہ شوافع کے ہاں بھی ماں، بہن، بیٹی کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو ان حضرات کو اس جملہ میں تخصیص کرنا پڑیگی احناف کے ہاں کسی تخصیص کی ضرورت نہیں۔ چوتھے یہ کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ نماز تہجد کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجرے شریف میں نوافل پڑھتے اور میں آپ کے سامنے لیٹی ہوتی تھی جب سجدے میں جاتے تو مجھے ہاتھ لگا دیتے میں پاؤں سمیٹ لیتی جگہ خالی ہو جاتی آپ سجدہ کر لیتے جب سجدوں سے

فارغ ہوتے تو پھر میں پاؤں پھیلا لیتی اگر عورت کو چھونا وضو توڑتا تو اس وقت حضور کا وضو ٹوٹ جانا چاہئے تھا بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ میں بعض ازواج پاک کا بوسہ لیتے پھر نماز پڑھ لیتے اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو چھو لینے سے نہ روزہ ٹوٹتا ہے نہ وضو۔ پانچویں یہ کہ اگر عورت ایسی گندی چیز ہے کہ اسکے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو چاہئے کہ عورت کا وضو کبھی نہ ہوسکے جو دوسروں کا وضو توڑدے وہ خود با وضو کیسے ہوسکتی ہے۔ چھٹے یہ کہ چھوٹی بچی کو چھونے سے شوافع کے ہاں بھی وضو نہیں ٹوٹتا حالانکہ قرآن کریم میں نساء چھوٹی بچیوں کو بھی کہا جاتا ہے دیکھو میراث کی آیت۔ تو شوافع کو یہاں بلا دلیل چھوٹی بچیاں نکالنا پڑیں گی امام اعظم کے ہاں اس میں کوئی قید لگانی نہیں پڑتی لہذا یہی قوی ہے کہ یہاں مراد عورتوں سے صحبت ہے جس سے غسل واجب ہو جائے۔

لطیفہ: امام شافعی کے ہاں عورت کو چھونے سے صرف مرد کا وضو جاتا ہے عورت کا نہیں جاتا حالانکہ جب چھونا وضو توڑتا ہے تو چاہئے کہ فریقین کا وضو توڑے جیسے صحبت غسل توڑتی ہے تو عورت و مرد دونوں کا توڑتی ہے حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں ایک شب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر رونق افروز تھے رات میں میری آنکھ کھلی تو بستر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا میں نے اندھیرے میں بستر ٹٹولا تو میرا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم شریف پر لگا کہ بحالت سجدہ پاؤں کھڑے ہوئے تھے اور آپ رو رو کر دعائیں مانگ رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ سجدہ توڑا نہ نماز چھوڑی نہ دوبارہ وضو کیا بلکہ نماز جاری رکھی اس کی تحقیق فقیر کی کتاب جاء الحق حصہ دوم میں مطالعہ فرماؤ۔

لطیفہ: امام شافعی کے ہاں عورت کا بال 'ناخن' دانت چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا حالانکہ یہ بھی عورت کے جسم کے حصہ ہیں پھر انہیں اور بھی قید لگانی پڑی احناف ان قیود سے آزاد ہیں۔ **فلم تجدوا ماء** ' ف تعقیبیہ ہے یعنی تم پر وضو یا غسل واجب ہو جائے پھر پانی نہ پاؤ پانی سے مراد بقدر ضرورت پانی ہے یعنی وضو کیلئے وضو کے لائق پانی اور غسل کیلئے غسل کے لائق پانی اور پانی نہ پانے کی چند صورتیں ہیں پانی ہے ہی نہیں۔ پانی ساتھی کے پاس ہے مگر وہ دیتا نہیں۔ وہ پانی کی قیمت مانگتا ہے اسکے پاس قیمت نہیں۔ پانی سامنے ہے مگر پانی پر دشمن یا سانپ وغیرہ موذی جانور ہے جسکی وجہ سے یہ وہاں پہنچ نہیں سکتا پانی اپنے پاس ہے لیکن اگر اس سے غسل یا وضو کرلے تو آگے جاکر پیاسا مرے ان سب صورتوں میں تیمم جائز ہے اسلئے قرآن کریم نے یہ نہ فرمایا کہ پانی ہو نہیں بلکہ فرمایا تم پاؤ نہیں یہ ہے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت **فتيمموا صعيدا طيبا** یہ جملہ پچھلی عبارت کی جزا ہے اور ف جزائیہ تیمم کا مادہ ءمم ہے یا ام بمعنی قصد و ارادہ اسلئے پیشوا کو امام کہتے ہیں کہ اسکی پیروی کا قصد کیا جاتا ہے اور خاص گروہ متبعین کو امت کہا جاتا ہے کہ وہ متفقہ طور پر ایک شخص کی پیروی کا قصد کرتا ہے لہذا تیمموا کے معنی ہوئے قصد و ارادہ کرو۔ تیمموا فرما کر بتایا گیا کہ اس میں نیت شرط ہے اور ہاتھ و منہ کا مسح رکن بخلاف وضو کے کہ وہاں نیت شرط نہیں کہ اسکے متعلق ارشاد ہوا **فاغسلوا وجوهكم** صعید صعد سے بنا بمعنی چڑھنا **كانما يصعد فى السماء** اسی سے ہے صعود یعنی چڑھنا زمین کے بیرونی حصہ کو جو ہم کو نظر آتا ہے صعید کہتے ہیں جو مٹی ریت گرد و غبار سرمہ۔ مرداسنگ ہر پتھر۔ فیروزہ مرجان وغیرہ سب کو شامل ہے پھر مٹی خواہ پیلی ہو یا کالی سب داخل ہیں چونکہ تیمم ظاہر زمین سے ہی ہوسکتا ہے نہ کہ اندرون زمین سے اس لئے صعید فرمایا نیز صعید فرما کر اشارۃً ارشاد ہوا کہ ظاہر زمین کو بلاوجہ ناپاک نہ سمجھو اور کھود کو نیچے سے مٹی تیمم کیلئے نہ نکالو خشک

زمین پاک ہی ہے نیز زمین میں رتیلی کہیں پتھریلی ہوتی ہے سب سے تیمم جائز ہے طیب سے مراد ہے پاک کبھی طیب وطاہر وحلال ہم معنی ہوتے ہیں کبھی ظاہری پاکی کو طہارت کہتے ہیں باطنی پاکی کو طیب اور جس کا کھانا جائز ہو وہ حلال لہٰذا حلال گوشت طاہر بھی ہے طیب بھی حلال بھی۔ پاک کپڑے کو طاہر کہا جائے گا طیب یا حلال نہیں یعنی ایسی مجبوری میں تم پاک زمین کا قصد کرو کہ اس پر تیمم کرلو **فامسحوا بوجوھکم وایدیکم**: یہ جملہ **فتیمموا** کی تفصیل یا تفسیر ہے اور ف تفصیلیہ یا سلبیہ ہے وجوہ اور ایدی سے مراد وہی حصہ ہے جو وضو میں دھویا جاتا ہے مسح کے معنی ہیں پھولنا ملنا جمہور علماء کا یہی مذہب ہے بعض علماء کا قول ہے کہ تیمم میں بغل تک مسح کرے۔ یہ قول نہایت ہی شاذ ہے یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرو خواہ وضو کا تیمم ہو یا غسل کا **ان اللہ کان عفوا غفورا** یہ گزشتہ آسان حکم کی علت ہے۔ کان دوام واستمرار کیلئے ہے۔ خطاؤں کو بخشنا عفو ہے۔ گناہ بخشنا غفران یعنی یہ تیمم کی آسانیاں اسلئے ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خطائیں بھی بخشتا ہے گناہ بھی معاف فرماتا ہے۔ جب وہ گنہگاروں پر ایسا رحیم وکریم ہے تو جو اسکے دروازے پر آنا چاہیں ان پر کیسا کرم کریگا۔ اسلئے اس نے اپنی مہربانی سے مجبوروں کو تیمم کرکے نماز پڑھ لینے کی اجازت دے دی۔

خلاصہ تفسیر: تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں ایک احناف کی دوسری شوافع حضرات کی چونکہ حنفیوں کی تفسیر ہمارے نزدیک نہایت ہی قوی ہے نیز ہم لوگ حنفی ہیں۔ اسلئے وہی تفسیر عرض کرتے ہیں اے مومنو نشہ کی حالت میں نماز پڑھنا تو کیا نماز کی قریب بھی نہ ہو تاوقتیکہ نشہ اتر جائے اور تم ہوش میں آجاؤ کہ اپنے منہ سے نکلی بات تلاوت وغیرہ سمجھ لو کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اور کیا پڑھ رہے ہیں اور اگر تم ایسی بیماری میں مبتلا ہو جس میں پانی کا استعمال مضر ہو یا تمہارے تجربہ سے یا طبیب حاذق کے کہنے سے یا بستی سے باہر راستہ طے کررہے ہو اور اس حالت میں تم میں سے کوئی پیشاب پاخانہ وغیرہ وضو توڑنے والا کام کرے یا اس حالت میں اپنی بیوی سے صحبت کرے جس سے غسل واجب ہوجائے اور تمہیں وضو یا غسل کیلئے پانی نہ ملے یا اسطرح کہ پانی موجود ہی نہ ہو یا کسی رفیق سفر کے پاس پانی تو ہو مگر وہ دیتا نہ ہو یا دیتا ہو قیمتاً اور اسکے پاس قیمت نہ ہو یا پانی پر دشمن یا موذی جانور ہو کہ پانی نہ لینے دے غرضیکہ کسی وجہ سے پانی نہ ملے یا پانی اپنے پاس موجود ہو مگر آگے پینے کیلئے درکار ہو پانی ملنے کی امید نہ ہو ان سب صورتوں میں تم ظاہری زمین کے پاک حصہ سے تیمم کرلو۔ اسطرح کہ ایک بار اس زمین کے حصہ پر دونوں ہاتھ ملا کر اپنے منہ کا مسح کرلو اور دوسرا ضرب مار کر اپنے ہاتھوں کا مسح کرلو غرضیکہ ایسی مجبوری میں بھی نماز نہ چھوڑو اللہ تعالیٰ بڑا معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے جب وہ گنہگاروں کو معمولی بہانہ پر بخش دیتا ہے تو ایسے مجبور نمازیوں کی نماز جو تیمم سے پڑھی جائے کیوں قبول نہ فرمائے گا بے شک ضرور قبول کریگا۔ خیال رہے کہ قرآن کریم نے تیمم کیلئے دو شرطیں بیان فرمائیں۔ بیماری اور پانی نہ پانا مگر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ نماز عید جاتے رہنے کے اندیشہ پر تیمم جائز ہے اگرچہ پانی موجود ہو یوں ہی سونے کیلئے بھی تیمم کرنے میں باوضو سونے کا ثواب ہے۔

فائدے: یہ آیت کریمہ مسائل وفوائد کا گنجینہ وخزانہ ہے اس سے حنفیوں اور شافعیوں نے اپنی اپنی تفسیر کے مطابق بہت مسائل نکالے ہیں ہم کچھ عرض کرتے ہیں: **پہلا فائدہ:** قرآن کریم کا نزول دوسری کتب کی طرح یکدم نہیں ہوا بلکہ اسکی آیات مختلف اوقات میں صحابہ کرام کے واقعات پیش آنے پر نازل ہوئیں تاکہ تمام دنیا پر صحابہ کا احسان رہے کہ انکی بدولت ہم

کو یہ آیات اور یہ نرم احکام ملے حضرت علی کے طفیل شراب کی ممانعت کی نعمت ملی حضرت عمر کے طفیل رمضان کی راتوں میں عورتیں حلال ہوئیں حضرت عائشہ صدیقہ کی طفیل تیمم کا حکم ملا اب جو ان صحابہ کو برا کہے وہ بڑا ہی احسان فراموش ہے اسلئے حضرات صحابہ کو جامع قرآن بنایا گیا۔ یہ فائدہ اس آیت کے شان نزول سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اگر کسی مسلمان کے منہ سے نشہ یا بیہوشی یا جنون یا نیند وغیرہ حالات میں کفر کی بات نکل جائے تو اس سے وہ کافر نہ ہوگا۔ دیکھو **قل یا یھا الکافرون** میں چاروں جگہ لا کے بغیر آیات پڑھنا چار کفر ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کو امنوا کہہ کر پکارا معلوم ہوا کہ وہ حضرات مومن رہے کہ بے خودی میں ایسا ہوا۔

مسئلہ: اگر مرنے والے مسلمان کے منہ سے بوقت نزع کفریہ بات نکلے اور سنی جائے تو وہ مومن ہی رہیگا۔ اسکا کفن دفن نماز جنازہ سب کچھ ہوگا کیونکہ نزع کی بے خودی میں یہ سب کچھ نکلا ہے۔ دیکھو شامی وغیرہ۔ **تیسرا فائدہ:** اسلام نے نہایت حکیمانہ طریقہ سے عرب کی اصلاح فرمائی کہ وہ لوگ یکدم شراب نہیں چھوڑ سکتے تھے تو پہلے ان پر یہ مذکورہ پابندی لگائی جس سے وہ سوا بعد فجر و بعد عشاء اور کسی وقت شراب نہ پی سکے کیونکہ ظہر سے عشاء تک نمازیں مسلسل ہیں جب اس پابندی کو انہوں نے برداشت کر لیا تو انہیں شراب سے گھن دلائی اور فرمایا **فھل انتم منتھون** پھر اس کی قطعی حرمت کی آیت نازل فرمائی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں سے شراب یکدم نکل گئی اور آج تک بحمدہ تعالیٰ عرب حجاز میں شراب نہ پہنچ سکی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو شراب کی لعنت سے محفوظ رکھے۔ **چوتھا فائدہ:** اب اگر کوئی شرابی نشہ اترنے کے بعد بھی نماز پڑھے تو درست نہیں جب تک کہ باقاعدہ کلی بلکہ وضو نہ کرے کیونکہ شراب نجس ہے جس سے منہ ناپاک ہو جاتا ہے اور نشہ ناقض وضو ہے جیسے نیند یہ فائدہ **لا تقربوا** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** نیند' بیہوشی کی حالت میں نماز نہ پڑھے کہ اس حالت میں خبر نہیں کہ کیا کہنا چاہے اور منہ سے کیا نکلے یہ بھی **انتم سکاری** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** جنابت حیض نفاس وغیرہ ناپاکی کی حالت میں نماز درست نہیں جیسا کہ **ولا جنبا** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** جب پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو تیمم جائز ہے خواہ اسطرح کہ پانی ہے مگر یہ بیمار ہے پانی نقصان کرتا ہے یا پانی ہے مگر دشمن لینے نہیں دیتا یا پانی ہے ہی نہیں ان تمام صورتوں میں تیمم جائز ہے اس آیت کی جیتی جاگتی نہ مٹنے والی تفسیر دیکھنا ہو تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کربلا والی نمازیں دیکھو جو آپ نے فرات کے کنارہ تیمم سے ادا کیں ساتویں محرم سے دسویں تک حضرت حسین کا یہ عمل **فلم تجدوا ماء** کی جیتی جاگتی ہے رضی اللہ عنہ۔ **آٹھواں فائدہ:** جنس زمین سے تیمم جائز ہے۔ جنس زمین وہ ہے جو زمین سے پیدا ہو اور آگ میں نہ گلے نہ راکھ بنے جیسے مٹی' پتھر' کان کا کوئلہ پہاڑی نمک وغیرہ ان سب سے تیمم جائز ہے جیسا کہ **صعیدا** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ اگر صرف مٹی سے تیمم درست ہوتا تو بجائے صعید اکے ترابا فرمایا جاتا۔ **نواں فائدہ:** ناپاک مٹی سے تیمم جائز نہیں جو چیز خود پاک نہیں وہ پاکی کیسے بخش سکتی ہے جیسے طیبا کی تفسیر سے معلوم ہوا اور تیمم میں نیت شرط ہے جیسا کہ تیمموا سے معلوم ہوا تیمم کے معنی ہی ہیں ارادہ کرنا قصد و نیت کرنا اگر نیت شرط نہ ہوتی تو جیسے وضو میں فاغسلوا فرمایا گیا تھا ایسے ہی یہاں امسحوا فرمایا جاتا تیمموا ارشاد نہ ہوتا۔ **دسواں فائدہ:** وضو اور غسل کا تیمم ایک ہی طرح ہوگا ان تیمموں میں فرق نہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے پاخانہ پھرنے اور صحبت کرنے کے بعد تیمم کا طریقہ ایک ہی بیان فرمایا کہ منہ و ہاتھ پر مسح کرو حضرت عمرو عبد اللہ ابن عمرو ابن

مسعود رضی اللہ عنہم جنابت سے تیمم کے قائل نہ تھے ان بزرگوں کو وہ احادیث نہ پہنچیں جو اس بارے میں صراحۃً وارد ہیں اور اس آیت کی تفسیر کی طرف انہوں نے توجہ نہ کی باقی تمام صحابہ کرام اسکے قائل ہیں (روح المعانی) **گیارھواں فائدہ:** تیمم میں بھی ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا جائے کیونکہ یہ وضو کا قائمقام ہے تو جہاں تک وضو میں ہاتھ دھلیں گے وہاں تک ہی تیمم میں مسح ہوگا جیساکہ ایدیکم کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **بارھواں فائدہ:** اس آیت میں عورتوں کو چھونے سے مراد ہاتھ لگانا ہوتا اور اس سے وضو ٹوٹتا تو یہ صورت من الغائط میں آچکی تھی بہرحال اس سے صحبت ہی مراد ہے۔ **تیرھواں فائدہ:** بحالت سفر اپنی بیوی سے صحبت جائز ہے اگرچہ پانی غسل کیلئے نہ ہو پھر بعد میں تیمم کرلے جیساکہ **اولمستم النساء** سے معلوم ہوا کہ پانی کی مجبوری میں صحبت ناجائز نہیں ہوجاتی۔ **چودھواں فائدہ:** بزرگوں کی خطا سے چھوٹوں کو عطائیں مل جاتی ہیں انکی تکالیف ہمارے لئے راحت کا ذریعہ بن جاتی ہیں دیکھو ام المومنین عائشہ صدیقہ کا ہار کھو جانا تاقیامت مسلمانوں کیلئے رحمت ہوگیا کہ اس وجہ سے تیمم کے احکام آئے اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا رب تعالیٰ نے ہار کا پتہ نہ بتایا کہ وہ اونٹ کے نیچے ہے تاکہ تلاش میں دیر لگے نماز کا وقت آجائے وضو کی ضرورت پڑے پانی موجود نہ ہو اور تیمم کی آیات اتریں اور ام المومنین کا یہ فیض تاابد جاری رہے اور مسلمان تاقیامت انہیں دعائیں دیتے رہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ **پندرھواں فائدہ:** قرآن مجید کے ساتھ حدیث شریف کی بھی اسلام میں سخت ضرورت ہے دیکھو اس آیت میں وضو غسل توڑنے والی صرف ایک ایک چیز بیان ہوئی۔ پاخانہ کرنا، صحبت کرنا مگر حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو توڑنے والی چیزیں آٹھ ہیں اور غسل توڑنے والی چیزیں پانچ بلکہ چھ پیشاب پاخانہ ریح۔ بہتا خون پیپ۔ منہ بھرقے۔ مباشرت فاحشہ۔ نیند۔ غشی۔ نشہ۔ نماز میں قہقہہ وضو واجب کرتی ہیں اور صحبت۔ منی نکلنا۔ احتلام۔ حیض۔ نفاس موت غسل واجب کرتی ہیں۔ منکرین حدیث یہ چیزیں کہاں سے ثابت کریں گے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نشہ اترتے ہی نماز پڑھ لینا جائز ہے کلی کرنے یا نیا وضو کرنے کی حاجت نہیں کیونکہ فرمایا گیا **حتی تعلموا ما تقولون** اور حتیٰ انتہاء کیلئے آتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اتنا ہوش آتے ہی ممانعت نماز کی انتہا ہوچکی پھر تم نے تجدید وضو اور منہ پاک کرنے کی قیدیں کہاں سے لگائیں: **جواب:** یہ آیت منسوخ ہے شراب کی حرمت کی آیت اسکی ناسخ ہے رب نے فرمایا **انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان** جب شراب حلال تھی تو نجس بھی نہ تھی کہ نجس چیز حلال نہ ہوتی مگر جب حرام کردی گئی تو نجس بھی ہوگئی۔ نیز اس زمانہ میں تجدید وضو کا حکم نہ ہوگا اب حکم ہے کیونکہ نشہ بیہوشی نیند کی طرح بے خبری پیدا کردیتے ہیں بے خبری میں پیٹ سے ہوا خارج ہو جاتی ہے خبر نہیں ہوتی غرضیکہ منسوخ آیت سے اب احکام ثابت نہیں کئے جاتے۔ **دوسرا اعتراض:** جن صحابہ کو یہ واقعہ درپیش آیا کہ سورہ کافرون میں امام نے لا چھوڑ دیا انہیں اس نماز کے لوٹانے کا حکم دیا گیا یا نہیں اگر نہیں تو کیوں غلط قرآن پڑھنے سے نماز فاسد واجب الاعادہ ہوجاتی ہے۔ **جواب:** کہیں ثابت نہیں کہ انہیں نماز لوٹانے کا حکم دیا گیا ہو بلکہ آئندہ اسطرح نماز پڑھنے سے روک دیا گیا کیونکہ قانون بننے سے پہلے اس پر عمل نہیں ہوتا جب شراب حلال تھی تو اس قسم کی غلطیاں معاف تھیں اب شراب کی حرمت کے ساتھ یہ احکام بھی آگئے کہ قرآن میں غلطی اگر حد کفر تک پہنچ جائے تو نماز نہ ہوگی۔ **تیسرا اعتراض:** عابری سبیل کے معنی مسافر نہیں بلکہ اسکے معنی مسجد سے عبور کرنا یہ جنبی کو جائز ہے کیونکہ مسافر کا ذکر تو آگے آرہا ہے اگر اس سے مسافر مراد لیا جائے تو ایک حکم مکرر ہوگا۔ نیز اگر کسی کو مسجد میں احتلام ہوجائے تو احناف کے ہاں بھی وہ وہاں سے نکل

سکتا ہے اگر ڈول رسی مسجد میں رکھی ہو تو جنبی وہاں سے لا سکتا ہے اگر عابری سبیل سے مسافر مراد ہو تو یہ احکام کہاں سے ثابت ہوں گے۔ (شافعی حضرات) **جواب:** آیت کی یہ تفسیر بہت ضعیف ہے اسلئے کہ اس صورت میں صلوۃ سے مراد مسجد لینی پڑے گی اور مسجد مراد لینے میں وہ خرابیاں ہیں جو ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ اس سے آیت کا مقصد ہی بدل جائے گا۔ مقصود تھا نشہ میں نماز سے روکنا گھر میں ہو یا مسجد میں اب مسجد میں روکنا لازم آئے گا اور مقصد یہ ہو جائے گا کہ نشہ والا مسجد میں نہ آئے گھر میں چاہے نماز پڑھ لے۔ یہاں سفر کا اجمالی حکم ہے۔ آئندہ اس کی تفصیل آ رہی ہے تفصیل میں تکرار نہیں ہوتی۔ مسجد میں احتلام ہو جانے کی صورت میں تیمم کرکے وہاں سے نکلے ایسے ہی ڈول رسی اگر مسجد میں ہو تو دوسرے سے منگالے اور دوسرا آدمی نہ ہو تو تیمم کرکے داخل ہو ایسی مجبوریوں ہی کیلئے تیمم رکھا گیا ہے لہٰذا آیت بالکل واضح ہے۔ **چوتھا اعتراض:** لامستم النساء سے مراد ہے عورت کو ہاتھ لگانا چھونا نہ کہ صحبت کرنا تم لوگ صحبت کرنا مراد لیتے ہو غلط ہے لمس کے حقیقی معنی چھونا ہے بلاوجہ حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی مراد لینا درست نہیں لہٰذا آیت کریمہ کے معنی یہ ہی ہیں کہ تم عورتوں کو چھوؤ اور عورت کو چھونا وضو توڑ دیتا ہے (شافعی) اسکا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا۔ لغت میں لمس کے معنی چھونا ہیں مگر اصطلاح شریعت میں ایسے موقع پر اسکے معنی صحبت کرنا ہوتے ہیں جیسے صلوۃ کے لغوی ہیں دعا مگر اقیموا الصلوۃ میں صلوۃ کے معنی ہیں نماز اگر مجاز مان بھی لیا جائے تو اسکی وجوہ وہ ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں چھونا مراد لینے سے بہت سی خرابیاں لازم آئیں گی یہ معنی حدیث پاک کے بھی خلاف ہیں اور قیاس کے بھی دوسری آیات کے بھی اس معنی میں بہت سی قیدیں لگانی پڑتی ہیں لہٰذا حق یہ ہی ہے کہ یہاں اس سے مراد صحبت کرنا ہے اور اگر مان لیا جائے کہ چھونا ہی مراد ہے تو چھونے سے مقصود صحبت کے وقت چھونا ہو گا یا ننگا ہو کر لپٹنا جسے عربی میں مباشرت فاحشہ کہتے ہیں کہ اس سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسے کہ یہاں فرمایا گیا یا تم پاخانہ سے آؤ اسکا مطلب یہ نہیں کہ پاخانہ جھانک کر آ جاؤ بلکہ پاخانہ کرکے آؤ جیسے آنے میں یہ قید ہے ایسے ہی چھونے میں وہ قید۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہم مسلمانوں کو توحید یا اسلام کی صفت سے نہ پکارا بلکہ ایمان کی صفت سے پکارا کیونکہ اسلام عام ماننے کو کہتے ہیں خواہ دل سے مانا جائے یا دلیل سے مگر ایمان نام ہے اللہ رسول کو دل سے ماننا اسی ایمان پر نجات کا مدار ہے یعنی اے وہ لوگو جو ہم کو اور ہمارے رسول کو دل سے مان چکے ہمارے کسی حکم میں چوں و چرا نہ کرو کیوں کیسے وغیرہ سوالات دلیل کیلئے ہیں دل کیلئے کوئی جرح قدح نہیں اپنے کالے بچہ کو انسان دل سے مانتا ہے دوسرے کے گورے بچہ کو دلیل سے حاکم کا حکم دلیل سے مانتا ہے۔ حکیم کا تجویز کردہ نسخہ دل سے دیکھو تو ان میں کتنا فرق ہے یہاں انا کو فنا کرکے آؤ نخوت کو محو کر آؤ۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں　　عشق پر بنیاد رکھ ایمان کی

نماز کے جواز کی شرط ہے شراب کے نشہ سے خالی ہونا اور ظاہری نجاسات حقیقیہ و حکمیہ سے پاک ہونا مگر نماز کی قبولیت کیلئے شرط ہے دل کا حب دنیا، غفلت کے نشہ سے خالی ہونا اور دنیاوی آلائشوں حسد، کینہ وغیرہ سے دل کا پاک ہونا سب سے بڑا نشہ خود اپنی خودی کا نشہ ہے مولانا فرماتے ہیں۔

ای اسیر ننگ و نام خویشتن | بستی خودرا بدام خویشتن!!
ورنہ گنجی باخود اندر کوئے او | کم شو از خود تایابی کوئے او!
تا تو نزدیک خودی زیں حرف دور | غائبی یابی اگر خواہی حضور!
تا تو از غفلت چوبادہ مست شد | لاجرم از طور وصلت پست شد!

یعنی اگر تو اپنے نام ننگ میں گرفتار رہے تو تو اپنے جال میں خود پھنسا ہے اس جال کو توڑ تاکہ یار کی گلی تک پہنچے اپنے سے غائب ہو تاکہ یار کی بارگاہ میں حاضری میسر ہو جائے فرمایا جارہا ہے کہ نماز قرب ہے اس وقت تک تم محروم ہو جبتک کہ اس خودی کے نشہ میں ہو یہ قرب اس وقت تک میسر نہ ہوگا جب تک تم یہ نہ جانو کہ خدا سے کیا کہہ رہے ہو کیوں کہہ رہے ہو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اسے شرکت پسند نہیں نماز قرب میں دوسرے کی شرکت کیسی۔ وجود چھوڑ کر تم قرب کرو ایسے ہی دل جنابت سے پاکی یہ ہے کہ قربت' انابت' صدق' خلوص کے پانی سے غسل کرو اگر تم دل کی کجی کی بیماری میں بیمار ہو۔ یا طلب دنیا و طلب عقبیٰ و طلب مولیٰ کے سفر میں ہو یا تم ہوائے نفسانی کے پاخانہ سے فارغ ہو یا تم اشغال دنیاوی کی عورتوں کے پاس جاؤ اور تمہیں صدق' رجوع الی الحق کا پانی میسر نہ ہو تو تم مقبول بندوں کے قدموں کی خاک کی طرف رجوع کرو اور وہ مٹی اپنے منہ ہاتھوں سے ملو اپنے ہاتھوں سے انکا دامن مضبوط پکڑو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے وہ اپنے کرم سے پانی نہ پانے والے مجبوروں کو مقبول بندوں کے قدم کی مٹی کے ذریعہ پاک و صاف کرتا ہے۔ انکے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا۔ انکے قدم کی مٹی مردوں میں جان ڈال دیتی ہے کہ کیا تمہیں خبر نہیں کہ جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کی خاک جب سامری کے بچھڑے میں پہنچی تو اسے زندہ کردیا اگر گندا ناپاک پانی پاک پانی سے مل کر بہہ جائے تو پاک ہو جاتا ہے تم گندے کسی مقبول بندے کے ساتھ مل کر بہہ جائیں تو پاک ہو جائیں گے۔۔۔۔

کلید گنج سعادت قبول اہل دل است | مباد کس کہ دریں نکتہ شک و ریب کند
شبان وادی ایمن گہے رسید بمراد! | کہ چند سال بجاں خدمت شعیب کند

یعنی نیک بختی کے خزانے کی چابی دل والوں کا قبول فرمالینا ہے اس میں ہرگز شک نہ کرو۔ موسیٰ علیہ السلام وادی ایمن میں پہنچ کر چرواہے سے کلیم جب بنے جبکہ برس ہا برس شعیب علیہ السلام کی خدمت کی۔ (تفسیر روح البیان) خلاصہ یہ ہے کہ جیسے نماز کیلئے جسم کی پاکی ضروری ہے ایسے ہی دل کی پاکی بھی لازم ہے۔ جسم ان کنوؤں کے پانی سے پاک ہوتا ہے۔ مگر دل فیضان کے چشمے سے پاک ہوتا ہے۔ ناپاک جسم ان مسجدوں میں نہیں آسکتے ناپاک دل مسجد قرب میں نہیں جاسکتے۔ ناپاک ہاتھ قرآن کے نقوش نہیں چھوسکتے۔ ناپاک زبان قرآن کے الفاظ نہیں چھوسکتی تو ناپاک دماغ قرآن کے مضامین نہیں چھوسکتے۔ ناپاک دل میں قرآن کے اسرار نہیں آسکتے۔ اگر تمہارے پاس اپنا پانی ہے تو اس سے دل کا وضو کرلو ورنہ کسی کے آستانے کی خاک پر تیمم کرو پھر یار کی طرف رخ کرو۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ

کیا نہ دیکھا تم نے طرف ان لوگوں کے جو دیئے گئے ایک حصہ کتاب سے خریدتے ہیں وہ گمراہی کو اور ارادہ کرتے

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کو کتاب سے ایک حصہ ملا گمراہی مول لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی

اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّكَفٰى

ہیں یہ کہ بہک جاؤ تم راستہ سے ۔ اور اللہ خوب جانتا ہے دشمنوں کو تمہارے اور کافی ہے اللہ حمایتی اور کافی

راہ بہک جاؤ ۔ اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ کافی ہے والی اور

بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

ہے اللہ مددگار

اللہ کافی ہے مددگار

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: سورہ نساء کے شروع سے یہاں تک شرعی احکام کا ذکر تھا۔ اب عقائد اسلامیہ کا ذکر فرمایا جارہا ہے تاکہ مضامین بدلنے سے مطالعہ کرنیوالے کی رغبت قائم رہے اسکا دل اکتا نہ جائے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں حکم تھا کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔ اب اشارۃً فرمایا جارہا ہے کہ بدعقیدگی لے کر نماز نہ پڑھو اپنی دماغ کو شراب کے نشے سے بچانے کے بعد دل کو بدعقیدگی کے نشے سے بچانے کا حکم کیا جارہا ہے۔ نماز وہی قبول ہے۔ جس میں سر کعبہ کی طرف جھکے اور دل مدینے والے سرکار کی طرف بازار قیامت میں اس نماز کی قیمت پڑے گی۔ جس میں نمازی کا رخ کعبے کی طرف رہا ہو اور دل کا طرح مدینے کی طرف۔۔۔

اگر دل میں حب محمد نہیں ہے تو کعبے کو جانے کی کوشش نہ کرنا
(صائم چشتی)

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں جسمانی پاکیوں کا ذکر تھا۔ اس آیت میں روحانی پاکی کا تذکرہ ہے۔ کامل مومن وہی ہے جو قالب ' قلب اور جسم روح سب کو پاک کرے تو پاک رکھے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ معافی اور بخشش انہیں دیگا جن میں یہ عیوب نہ ہوں۔ یعنی معافی دینے کا ذکر پہلے ہو گیا اور معافی لینے کی شرطوں کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ پانچواں تعلق: پچھلی آیتوں میں مسلمانوں کو نیک اعمال کا حکم دیا گیا۔ اب انہیں یہود کی حالت کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے تاکہ پتہ لگے کہ بدعملی کا انجام یہ ہوتا ہے۔ جسم بگڑنے سے دل بگڑ جاتا ہے۔

شان نزول: (1) مدینہ منورہ کے کچھ یہودی پادری عبداللہ ابن ابی اور دوسرے منافقوں سے اکثر ملتے رہتے تھے اور ان سے اسلام کی برائیاں کرتے تھے تاکہ وہ اسلام سے متنفر رہیں انکے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر روح البیان و کبیر 'المعانی)۔ (2) رفاعہ ابن زید اور مالک ابن دخشم دو یہودی تھے نہایت بدتمیز اور بدتہذیب یہ دونوں کبھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ شریف میں حاضر ہوتے تھے گستاخی سے بیہودہ کلام کیا کرتے تھے وہ اخلاق مجسم رحمت عالم صلی اللہ علیہ

وسلم انکی بدتمیزی پر صبر فرماتے تھے۔ انکے متعلق یہ آیت کریمہ اتری ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ (تفسیر خازن و روح المعانی)

تفسیر: **الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتب** ہمزہ استفہام کیلئے ہے اور یہ استفہام تعجب کرنے کیلئے نہیں بلکہ تعجب دلانے کیلئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تعجب کرنے سے پاک ہے۔ تر میں خطاب یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر صحابی سے یا ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے۔ تر کا مادہ رای ہے مصدر رویت بمعنی دیکھنا غور کرنا۔ ظاہر ظہور جاننا ہے یعنی آنکھ سے دیکھنا یا دل سے دیکھنا اگر آنکھ سے دیکھنے کے معنی میں ہو تو اسکے بعد الی آتا ہے اور اگر دل سے دیکھنے کے معنی میں ہو تو الی وغیرہ کسی حرف کو نہیں چاہتا یہاں اگر آنکھ سے دیکھنا مراد ہے تب تو الی کا آنا بالکل ظاہر ہے اور اگر بمعنی غور کرنا یا جاننا ہے تو الی اس لئے آیا کہ اس میں انتہا کے معنی شامل ہیں۔ (تفسیر کبیر وغیرہ) الذین سے مراد علمائے یہود ہیں کیونکہ انہیں کے متعلق یہ آیت کریمہ اتری۔ اوتوا ایتاء سے بنا بمعنی دینا یہ مجہول ہے۔ جسکا نائب فاعل تو یہی علمائے یہود ہیں اور فاعل یا اللہ تعالیٰ ہے یا ان علماء کے استاد و باپ دادے ہیں جن سے انہیں توریت ملی تھی۔ نصیب بمعنی حصہ ہے کتاب سے مراد توریت شریف ہے من تبعیضیہ ہے۔ حصہ کتاب سے مراد یا تو علم کتاب ہے کہ انہیں کتاب کا علم تو ملا عمل نہ ملا یا مفہوم کتاب ہے کہ انہیں کتاب کے معنی ملے اور اسرار نہ ملے یا الفاظ کتاب ہیں کہ انہیں بعض توریت ملی اور بعض نہ ملی یا اسطرح کہ پہلے ہی تحریف ہو چکی تھی یا اسطرح کہ ان لوگوں نے خود ہی حضور کی تعریف کی آیتیں مٹا دیں تھیں۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے میرے محبوب کے صحابہ یا اے قرآن کے پڑھنے والے کیا تو نے انکو نہ دیکھا یا کیا تیرا علم ان تک نہ پہنچا جنہیں توریت شریف پوری نہ ملی بلکہ اسکا کچھ حصہ ہی ملا۔ **یشترون الضللۃ** اشتراء کے معنی خریدنا ہیں مگر یہاں تبادلہ کرنا مراد ہیں جس کا مفعول ضلالت ہے اور بالھدی پوشیدہ ہے۔ ضلالت سے مراد یا تو انکا فریب دین ہونا ہے یا توریت کی آیتیں چھپانا ہدایت سے مراد یا وہ ہدایت ہے جس پر انسان پیدا ہوتا ہے یعنی فطرت یا وہ ہدایت جسکے حاصل کرنے پر یہ قادر تھے یا وہ ہدایت مراد ہے جو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے حاصل تھی کہ وہ لوگوں کو آپکی بشارتیں دیتے تھے اور آپکے نام کے وسیلے سے دعائیں مانگتے تھے یعنی یہ لوگ ہدایت کے عوض گمراہی خریدتے ہیں یا لوگوں سے پیسے لے کر توریت کی آیتوں کو بدلتے ہیں اور حضور کی نعت کی آیتیں چھپاتے ہیں اس پر بس نہیں کرتے بلکہ **ویریدون ان تضلوا السبیل** یہ ان علمائے یہود کا دوسرا عیب ہے۔ ارادے سے مراد فقط چاہنا نہیں بلکہ کوشش کرنا ہے۔ کوشش خواہ جانی ہو یا مالی یا علمی یا اخلاقی یا اور کسی قسم کی آج بھی عیسائی مسلمانوں کو بہکانے کیلئے ہر قسم کی کوشش کر رہے ہیں اور تضلوا میں خطاب صحابہ کرام سے ہے۔ السبیل سے مراد اسلام ہے کیونکہ یہ اللہ سے ملنے کا راستہ ہے یعنی وہ اس کوشش میں ہیں کہ اے صحابہ کرام تمہیں اسلام سے پھسلا دیں اور تمہیں مرتد کردیں یا کم از کم تمہارے دلوں میں اسلام کی طرف سے شبہات پیدا کردیں یا کم از کم تمہارے اعمال اخلاق صورت لباس عیسائیوں کے سے کریں آج عیسائیوں کا یہ داؤ مسلمانوں پر چل گیا ہمارے اخلاق، صورت، سیرت، زبان سب کچھ انگریزی ہو گئی۔ یہ اس آیت کریمہ کا ظہور ہے **واللہ اعلم باعدائکم** یہ نیا جملہ ہے جس میں حضرات صحابہ کرام پر یا سارے مسلمانوں پر کرم کا اظہار کیا گیا اعداء عدو سے بنا بروزن فعول مبالغہ۔ اس کا مادہ عدو ہے جسکے معنی ہیں حد سے بڑھ جانا مصدر عداوۃ چونکہ دشمن دوستی و محبت کی

حد سے نکل جاتا ہے۔ اسلئے اسے عدو کہتے ہیں۔ یہاں دشمن سے مراد جانی یا مالی دشمن نہیں بلکہ ایمانی دشمن مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے چونکہ مسلمانوں کے دشمن بہت طرح کے ہیں لہٰذا اعداء جمع ارشاد ہوا **وکفی باللہ ولیا وکفی باللہ نصیرا** کفی باللہ کی تفسیر بارہا ہو چکی۔ کفی فعل ہے اور باللہ اسکا فاعل ب زائدہ ہے یا الصاق کی ہے چونکہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اپنے بندوں کے ساتھ رہتا ہے اس لئے ب زائدہ لائی گئی۔ ولی اور نصیر دونوں قریب المعنی ہیں مگر ولی وہ کہلاتا ہے جو نفع پہنچائے اور نصیر وہ جو نقصاندہ چیزوں اور دشمنوں سے بچائے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کافی والی ہے اور کافی مددگار کہ وہ تمہیں نافع چیزیں بخشتا ہے اور مضر چیزوں سے بچاتا ہے لہٰذا اس کی امان میں رہو۔ محفوظ رہو گے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے مسلمانو! کیا تم نے ان بدنصیب علمائے یہود کو نہ دیکھا یا نہ جانا جنہیں توریت شریف کا کچھ حصہ رب تعالیٰ کی طرف سے یا انکے باپ دادوں کی طرف سے دیا گیا۔ انہوں نے اس کتاب سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا بلکہ وہ ہدایت کے عوض گمراہی ایمان کے عوض کفر خوش نصیبی کے عوض بدنصیبی محبت کے عوض عداوت نور کے عوض نار اختیار کرتے ہیں اور بجائے اسکے کہ تم سے فائدہ اٹھائیں وہ اس کوشش میں ہیں کہ تم اسلام چھوڑ دو ایسے لوگوں کی ہدایت کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ اپنے دشمنوں کی زیادتی سے نہ گھبراؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارا والی و وارث ہے اور وہی تمہارا مددگار ہے وہ تمہیں دشمنوں سے بچائے گا اور رحمتیں عطا فرمائے گا جسکا اللہ والی اور ناصر ہو اسکا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا وہ کافی ہے والی وارث اور مددگار۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** گمراہ انسان شیطان سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ شیطان تو خاص اولیاء اللہ کو گمراہ کرنے سے مایوس ہو چکا ہے۔ مگر یہ لوگ مایوس نہ ہوئے نیز شیطان لاحول شریف اذان و تکبیر کی آواز سے بھاگ جاتا ہے ماہ رمضان میں قید کر دیا جاتا ہے مگر ہمارا نفس اور برے یار نہ اذان وغیرہ سے بھاگیں نہ رمضان وغیرہ میں قید ہوں ان سے محفوظ رہنے کی صرف ایک ہی تدبیر ہے وہ یہ کہ انکی مخالفت کی جائے اور ان سے نہایت سختی سے مقابلہ کیا جائے یہ لوگ جب صحابہ کرام کو بہکانے کی کوشش کرتے رہے تو ہم تم کس شمار میں ہیں۔ یہ فائدہ یریدون سے معلوم ہوا لہٰذا ہر شخص گمراہ انسانوں سے دور رہے۔ **دوسرا فائدہ:** ہدایت علم یا کتاب سے نہیں ملتی یہ تو خاص رب کا عطیہ ہے۔ دیکھو علمائے یہود کے پاس توریت کا علم تھا مگر رہے گمراہ۔

دین مجو اندر کتب اے بے خبر علم و حکمت از کتب دیں از نظر!

تیسرا فائدہ: عالم کی گمراہی جاہل کی گمراہی سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ گمراہ عالم گمراہ بھی ہے اور گمراہ گر بھی۔ **چوتھا فائدہ:** اپنے دوست دشمن سے ہم خبردار نہیں۔ رب تعالیٰ خبردار ہے۔ لہٰذا جسے رب ہمارا دشمن فرمائے۔ وہ ہمارا دشمن ہے اور جسے ہمارا دوست کہے وہ ہمارا دوست اگرچہ ہماری عقل میں نہ آئے۔ **پانچواں فائدہ:** دشمن تین قسم کے ہیں۔ دشمن جان' دشمن مال اور دشمن ایمان۔ مگر دشمن ایمان سب سے بدتر ہے دیکھو رب تعالیٰ نے دشمن ایمان سے ہم کو آگاہ فرمایا اور ہمیں ان سے احتیاط کرنے کا حکم دیا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

تاتوانی دور سو از یار بد!! یار بد بدتر بود از مار بد!
مار بد تنہا ہمی برجاں زند یار بد بردین برایمان زند!

چھٹا فائدہ: بے دین آدمی اگرچہ ہمارا رشتے دار ہو مگر ہمارا دشمن ہے بندۂ مومن اگرچہ ہم سے اجنبی ہو مگر ہمارا دوست ہے رب فرماتا ہے **ان من ازواجکم وا ولادکم عدوالکم** مسلمان کو چاہئے کہ بے دین قرابتدار سے دور رہے اور دیندار اجنبی سے قریب کافر مومن کا کبھی دوست نہیں ہو سکتا۔ **ساتواں فائدہ:** حضور کے صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محفوظ رہے۔ تمام بے دینوں کی کوششیں انکے متعلق بیکار ہوئیں۔ دیکھو رب نے فرمایا کہ وہ تمہیں بہکانا چاہتے ہیں اور بعد میں فرمایا کہ اللہ والی وارث اور مددگار ہے صحابہ کرام کی تو بڑی شان ہے۔ جس پر کسی صحابی کی نظر عنایت ہو جائے وہ بھی گمراہی سے بچا رہتا ہے انکے متعلق ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر کا مطالعہ کرو۔ **آٹھواں فائدہ:** مومن کو چاہئے کہ ہمیشہ کفار کے داؤ پیچ اور انکی تدبیروں سے خبردار رہے۔ اپنی حفاظت کی کوشش کرتا رہے یہ فائدہ الم تر سے حاصل ہوا چور ہمیشہ اس گھر میں جاتا ہے جہاں دولت اور مالک کی غفلت ہو مومن کے دل میں دولت ایمان ہے اس کیلئے غفلت زہر قاتل ہے۔

پہلا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ علمائے یہود کو کتاب اللہ کا ایک حصہ دیا گیا یعنی انہیں ساری کتاب نہ ملی۔ مگر دوسری جگہ رب تعالیٰ نے فرمایا **ولتسمعن من الذین اوتوا الکتب من قبلکم** جس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کو ساری کتاب یعنی توریت وغیرہ ملی۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** کتاب اسم جنس ہے ساری کتاب کو بھی کتاب کہتے ہیں اور اسکے حصے کو بھی جیسے ایک قطرہ بھی پانی ہے اور سارا سمندر بھی پانی۔ وہاں بھی کتاب کا بعض حصہ ہی مراد ہے جسے کتاب فرمایا گیا میں ایک آیت شریف پڑھ کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے قرآن پڑھا۔ کہا کرتے ہیں کہ قرآن شریف نے نماز کو فرض کیا حالانکہ فرضیت نماز کی چند آیت ہیں نہ کہ سارا قرآن لہٰذا دونوں آیتیں برحق ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اگر علمائے یہود کو کتاب کا ایک حصہ ملا تو باقی حصے کسے ملے۔ ساری کتاب تو انہیں کے پاس تھی۔ **جواب:** وہ سب ضائع ہو گئے یا چھپالئے گئے یا بدل دیئے گئے۔ ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا ہے کہ یہاں حصہ کتاب میں بہت احتمال ہیں انہیں کتاب کا علم ملا عمل نہ ملا فرمان ملا فیضان نہ ملا۔ الفاظ ملے اسرار نہ ملے کچھ حصہ ملا کچھ حصہ نہ ملا۔ **تیسرا اعتراض:** علمائے یہود کے پاس ہدایت پہلے سے تھی ہی نہیں پھر انہوں نے اسکے عوض گمراہی کیسے خریدی۔ **جواب:** اسکے نہایت نفیس جوابات پہلے پارے میں **اشتروا الضللۃ بالھدی** کی تفسیر میں عرض کئے جاچکے ہیں اور ابھی تفسیر میں بھی کچھ عرض کئے گئے کہ ہر بچہ ہدایت پر پیدا ہوتا ہے پھر اپنے اختیار سے گمراہ بنتا ہے اس ہدایت کا چھوڑنا اور گمراہی اختیار کرنا خریداری ہے یا وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے حضور کو مانتے تھے اس معنی سے ہدایت پر تھے تشریف آوری کے بعد آپکے منکر ہوئے یہ انکی خرید و فروخت ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ **چوتھا اعتراض:** ولایت اور نصرت میں کیا فرق ہے دونوں کے معنی مدد ہی ہیں پھر یہاں ولی اور نصیر الگ الگ کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** ولی کے بہت معنی ہیں مالک 'متصرف' والی 'وارث' مددگار' یہاں ولی سے مراد والی وارث متصرف ہے اور نصیر سے مراد مددگار اور اگر ولی بمعنی مددگار ہی ہو تب بھی مدد بہت سی قسم کی ہے۔ کسی کو مفید چیز دینا بھی مدد ہے۔ نقصاندہ چیز سے بچانا بھی مدد ہے اسے قوت دینا بھی مدد ہے اور اسکے مقابل کو کمزور کر دینا بھی مدد ہے لہٰذا ولی اور نصیر میں تکرار نہیں۔ (از تفسیر کبیر) **پانچواں**

اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کافی ولی اور کافی نصیر ہے پھر تم مسلمان ولیوں نبیوں کے دروازوں پر کیوں جاتے ہو تم کو خدا کافی نہیں (وہابی) جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی، دوسرا تحقیقی، جواب الزامی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافی رازق کافی شافی الامراض ہے پھر تم رزق اور شفاء لینے کیلئے امیروں، حکیموں کے دروازوں پر کیوں جاتے ہو کیا خدا رازق شافی نہیں ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ان مقبولوں کے آستانے اللہ تعالیٰ کی ولایت و نصرت کے دروازے ہیں۔ مدد رب تعالیٰ ہی کرتا ہے مگر ان دروازوں سے اگرچہ دولت امیر کے گھر میں ہے مگر بھکاری کو ملتی ہے۔ دروازہ سے اور خزانچی یا نوکر ملازم کے ہاتھ سے ہم ان دروازوں پر اللہ کی نصرت و ولایت لینے جاتے ہیں خود رب تعالیٰ ہم کو وہاں بھیج رہا ہے (دیکھو ہماری کتاب جاء الحق) چھٹا اعتراض: اس آیت کریمہ میں دو جگہ کفی باللہ کیوں ارشاد ہوا۔ ایک ہی جگہ کافی تھا۔ جواب اس جیسے موقعہ پر تکرار سے مبالغہ اور سننے والے کے دل میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ جیسے کسی مصیبت زدہ سے کہا جائے کہ مت گھبرائیں میں تیرا دوست ہوں میں تیرا یار ہوں میں تیرا مددگار ہوں یہاں بار بار میں تیرا کہنے سے اس مصیبت زدہ کو بہت تسلی ہوگی۔ ساتواں اعتراض: کفی فعل ہے لفظ اللہ اسکا فاعل پھر لفظ اللہ پر ب کیوں آئی۔ فاعل پر حرف جر نہیں آیا کرتا۔ جواب: تفسیر کبیر میں اس سوال کے کئی جواب دیئے ہیں۔ بہترین جواب یہ ہے کہ ب آئی ہے ملانے کیلئے اور قرب بتانے کیلئے ہے یہاں ب فرما کر اشارۃً فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اسکی رحمت تم سے دور نہیں ہے قریب ہے۔ جب مددگار قوی بھی ہو اور قریب بھی پھر اسکی مدد پہنچنے میں دیر نہیں لگتی رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان رحمت اللہ قریب من المحسنین** اور فرماتا ہے **نحن اقرب الیہ من حبل الورید** قربان جاؤ قرآن کریم کے کہ اسکے ہر حرف میں صدہا حکمتیں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: **الم تر** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور تری سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے **الذین اوتوا الکتب** سے تاقیامت یہودی و عیسائی مراد ہیں جو ہمیشہ مسلمانوں کو بہکانے کی تدبیریں کرتے رہیں گے۔ آج بھی مشن سکول مشن کالج مشن ہسپتال مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی تدبیریں ہیں یہ سب لوگ حضور کی نگاہ میں ہیں مگر یہ لوگ نگاہ غضب میں ہیں اور تاقیامت مسلمان نگاہ عنایت میں اس نگاہ کا صدقہ ہے کہ مسلمان اس گئے گزرے زمانہ میں بھی انکے شر سے محفوظ ہیں۔ حضور سب کو دیکھتے پہچانتے ہیں۔ جب جنت کی حور دنیا کے ہر گھر کے ہر حال سے خبردار رہتی ہے تو حضور تو اللہ نور کے ہیں۔ آپکی نظر سب پر کیوں نہ ہو ہماری بخشش حضور کی شفاعت پر موقوف ہے اور حضور کی شفاعت حضور کے علم پر مبنی ورنہ اگر قیامت میں حضور گنہگاروں سے فرمائیں کہ میں تم کو پہچانتا ہی نہیں تم کون ہو اپنے مومن ہونے کا ثبوت دو تو آفت ہو جائے جو حضور کے علم کا انکاری ہے وہ حضور سے شفاعت کیسے کرائے گا اور جنت میں کیونکر جائیگا۔ حضور سے یہ خطاب فرما کر مسلمانوں سے فرمایا گیا اشارۃً کہ اے مسلمانو یہ مت سمجھو کہ یہ آیت کریمہ جن علماء کے متعلق تھی وہ ختم ہو چکے اب اسلامی علماء میں بھی دو قسم کے عالم ہیں: ایک وہ جنہیں پورا قرآن ملا اور ایک وہ جنہیں قرآن کا کچھ حصہ ہی ملا۔ پہلے قسم کے علماء علمائے ربانی ہیں اور دوسرے قسم کے علماء علمائے سوء یہ علمائے نفسانی یا شیطانی ہیں۔ علمائے شیطانی ہمیشہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں زبانی دوست ہیں اور دلی دشمن علمائے ربانی وہ ہیں کہ جنکی زبان پر قرآن کا فرمان ہو اور دل میں قرآن کا فیضان ہو اور علمائے نفسانی و شیطانی وہ ہیں جنکی زبان پر ہو قال قال اور دل کالا کالا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فیضان کی ضرورت ہر شخص بلکہ ہر چیز

کو ہے دیکھو حضور کے فیض سے کعبے کے اندر سے بت نکلے۔ حضور کے فیض سے قرآن کی آیتیں مکی مدنی بنیں ورنہ نہ اللہ تعالیٰ مکی مدنی ہے نہ جبریل نہ لوح محفوظ۔ صوفیائے فرماتے ہیں کہ علمائے سوء نے ہدایت کو دیکھا ہی نہیں ورنہ کبھی گمراہی کے عوض اسے فروخت نہ کرتے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جمال یوسفی دیکھا ہی نہیں۔ ورنہ انہیں کبھی کھوٹے داموں کے عوض فروخت نہ کرتے۔ حسن یوسف یا یعقوب علیہ السلام نے دیکھا تھا یا مصر میں پہلے زلیخا نے دیکھا۔

حکایت: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر سورۂ یوسف میں جسکا نام احسن القصص ہے لکھا ہے کہ ایک بار حضرت جنید مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک برقع پوش عورت فریاد لائی کہ میرا خاوند میرے ہوتے ہوئے دوسری عورت پر فریفتہ ہے اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے آپ نے فرمایا کہ از روئے شریعت وہ یہ کر سکتا ہے وہ بولی کہ میرا حسن برقع میں ہے اگر آپ میرا جمال دیکھ لیتے تو یہ فتویٰ نہ دیتے اور اگر میرا خاوند میرے جمال کو دیکھ لیتا تو کبھی ایسا ارادہ نہ کرتا۔ اس جواب پر جنید بغدادی نے نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ چلنا پھرنا مشکل تھا لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو کیا ہوا فرمایا کہ اس عورت کے جواب نے میرے مقامات طے کرا دیئے۔ جو عالم ہدایت کے مقابلے میں گمراہی دین کے مقابلے میں دنیا نور کے مقابلے میں نار اختیار کرتا ہے اس نے ہدایت وغیرہ کا حسن دیکھا ہی نہیں خیال رہے کبھی پردہ محبوب کے چہرے پر ہوتا ہے اور کبھی دیکھنے والے کی آنکھ پر حسن مصطفیٰ عیاں تھا مگر پردہ ابو جہل کی آنکھ پر تھا۔

انداز حسینوں کو سکھائے نہیں جاتے — امی تقی ہوں وہ پڑھائے نہیں جاتے
ہر ایک کا حصہ نہیں دیدار کسی کا! — بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے

غرض یہ آیت کریمہ علماء کیلئے بہت عبرت کا باعث ہے اللہ تعالیٰ پورا قرآن عطا فرمائے۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ

ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوئے بدلتے ہیں کلموں کو ان کی جگہ سے اور کہتے ہیں سن لیا ہم نے اور نہ مانا

کچھ یہودی کلاموں کو ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور سنیئے آپ سنائے

عَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ وَلَوْ اَنَّهُمْ

کر سن لے گئے اور سنئے نہ سنائے ہوئے اور رعایت کیجئے ہماری موڑتے ہوئے اپنی زبانوں کو اور طعنہ کرتے ہوئے بیچ

نہ جائیں اور راعنا کہتے ہیں زبانیں پھیر کر اور دین میں طعنہ کے لئے اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا

قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ

میں اور اگر وہ کہتے کہ سن لیا ہم نے اور اطاعت کر لی ہم نے اور سنئے اور نظر کیجئے ہم پر تو البتہ ہوتا اچھا ان کے لئے

اور مانا اور حضور ہماری بات سنیں اور حضور ہم پر نظر فرمائیں تو ان کے لئے بھلائی اور راستی میں زیادہ

اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ اِلَّا قَلِيْلًا (۴۶)

اور زیادہ اور زیادہ درست لیکن لعنت کی ان پر اللہ نے بوجہ کفر ان کے پس نہیں ایمان لاتے مگر تھوڑے

ہوتا لیکن ان پر تو اللہ نے لعنت کی ان کے کفر کے سبب تو یقین نہیں رکھتے مگر تھوڑا۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اہل کتاب ہدایت کے عوض گمراہی خریدتے ہیں اب اس اجمال کی کچھ تفصیل یا اس دعویٰ کی دلیل یا اس کلام کی شرح فرمائی جارہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اہل کتاب کو کتاب پوری نہ ملی بلکہ اس کا ایک حصہ ملا اب اسے سمجھانے کیلئے ارشاد ہو رہا ہے کہ اس میں ہم نے ان پر ظلم نہ کیا بلکہ خود وہ قصوروار ہیں کہ توریت کی آیتوں میں تحریف کرتے ہیں۔ جس سے توریت کا بہت حصہ ضائع ہوگیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اے مسلمانو تمہارے دشمنوں کو ہم خوب جانتے ہیں تم دھوکا کھاسکتے ہو کہ انہیں ظاہری باتوں سے دوست سمجھ لو اب اسکے ثبوت میں یہود کی کچھ حرکتیں پیش کی جارہی ہیں کہ انکی زبانیں شہد کی طرح میٹھی ہیں اور دل میں تمہاری طرف سے زہر بھرا ہے یعنی وہ دعویٰ تھا اور یہ اسکی دلیل۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ مسلمانوں کا والی اور ناصر ہے۔ اب اس حمایت اور نصرت کا نتیجہ بیان کیا جارہا ہے کہ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان صحابہ کرام کا رعب یہود کے دلوں میں اتنا ہے کہ انہیں بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر تقیہ ہی کرنا پڑتا ہے۔ ان کی ہیبت کی وجہ سے یہود زبان سے خوشامد ہی کرتے ہیں دل کی عداوت ظاہر نہیں کرسکتے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ یہود تمہارے دشمن ہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ وہ تو خود اپنی کتاب اپنے نبی کے بھی دشمن ہیں جو اپنی قوم اپنے دین کا ہی دوست نہ ہو وہ تمہارا دوست کیسے ہوسکتا ہے۔

تفسیر: **من الذین ھادوا** اس عبارت کی بہت نحوی ترکیبیں ہیں اور بہت سے معانی ایک یہ کہ یہ عبارت **الذین اوتوا** کا بیان ہے اور من بیانیہ ہے دوسرے یہ کہ یہ نصیرا کے متعلق ہے اور من صلہ کا تیسرے یہ کہ **باعدائکم** کا بیان ہے چوتھے یہ کہ یہ علیحدہ جملہ ہے اور یہ عبارت خبر مقدم ہے جسکا مبتداء قوم کہ پوشیدہ ہے **یحرفون** الخ قوم کی صفت ہم اسی ترکیب کی بنا پر اس آیت کی تفسیر کرتے ہیں۔ اس صورت میں من تبعیضیہ ہوگا چونکہ سارے یہودی توریت شریف کی تحریف نہ کرتے تھے بلکہ صرف علماء کرتے تھے عوام یہود تو انکی تحریف کردہ عبارتوں پر ایمان لے آتے تھے۔ اسلئے من تبعیضیہ ارشاد ہوا نیز جو حرکتیں یہاں ذکر ہو رہی ہیں وہ زیادہ تر علمائے یہود ہی کیا کرتے تھے۔ عیسائی ان کے مقابلے میں ہلکے تھے اسلئے ھادوا فرمایا گیا نیز ھادوا میں لطیف اشارہ اس جانب ہے کہ یہ لوگ پہلے یہودی تھے اب تو توریت بگاڑنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے کی وجہ سے کچھ بھی نہ رہے اس لئے من الیہود نہ فرمایا اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی۔ **یحرفون الکلم عن مواضعہ** اس عبارت کی اتنی ہی ترکیبیں ہوں گے جتنی من الذین میں عرض کی گئیں اور ان ترکیبوں کے مطابق اتنے ہی معانی۔ یحرفون تحریف سے بنا جس کا مادہ حرف ہے بمعنی کنارہ اور علیحدگی تحریف کنارے کردینا علیحدہ کردینا بدل دینا۔ تحریف دو قسم کی ہوتی ہے۔ لفظی اور معنوی۔ الفاظ کتاب بدلنا تحریف لفظی ہے اور کلام اللہ میں غلط تاویلیں کرنا تحریف معنوی یہاں دونوں معنی بن

سکتے ہیں مگر زیادہ ظاہر یہ ہے کہ تحریف لفظی مراد ہے کیونکہ اسکے بعد کلم کا ذکر ہے۔ **یحرفون** مضارع فرما کر یہ بتایا کہ انکی یہ تحریف ایک بار نہ ہوئی بلکہ برابر کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔ کلم کلمۃ کی جمع ہے یہاں کلمۃ سے مراد عام ہے مفرد ہو یا مرکب یا پورا جملہ جیسے رب فرماتا ہے **لا تبدیل لکلمٰت اللہ** اس سے مراد توریت شریف کی عبارتیں ہیں۔ علمائے یہود نے توریت شریف کی پوری آیتیں بھی بدلی تھیں اور بعض آیتوں کے کچھ کلمات بھی جیسے توریت شریف میں نبی آخر الزمان کی صفات میں لکھا تھا کہ وہ اسمر یعنی گندمی رنگ ہوں گے ربعہ یعنی درمیانہ قد ہوں گے انہوں نے اسمر کی جگہ آدم اور ربعہ کی جگہ طوال لکھ دیا۔ مواضع موضع کی جمع ہے بمعنی جگہ ہ کا مرجع **کلمہ** ہے اگرچہ وہ جمع ہے اور جمع کیلئے ضمیر مونث آنی چاہئے مگر چونکہ اس جمع کے حروف واحد کے حروف سے کم ہیں کہ واحد کلمۃ ہے۔ ایسی جمع کی طرف ضمیر مذکر بھی لوٹ جاتی ہے۔ اسلئے یہاں ضمیر مذکر لائی گئی (تفسیر کبیر) بعض نے فرمایا کہ کلم اسم جنس ہے نہ کہ جمع لہذا ضمیر مذکر آئی۔ یعنی یہودیوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو توریت شریف کے الفاظ کو انکی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں مٹا کر یا بدل کر۔ انکی دشمنی اپنے مذہب کے ساتھ تو یہ تھی اور تمہارے مذہب کے ساتھ یہ ہے کہ وہ تمہارے نبی کے دشمن تمہارے دین کے دشمن پھر وہ تمہارے دوست کیسے ہو سکتے ہیں تمہارے بزرگوں کا دشمن تمہارا دشمن ہے۔ چنانچہ وہ تمہارے رسول کے ساتھ یہ عمل کرتے ہیں کہ **ویقولون سمعنا وعصینا** یہ جملہ یحرفون پر معطوف ہے اور قوم پوشیدہ کی دوسری صفت اس میں ان یہودیوں کا دوسرا عیب بیان کیا گیا کہ یہ بدنصیب اپنے نبی اور اپنی کتابوں پر تو یہ زیادتیاں کرتے ہیں اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انکا معاملہ یہ ہے یہاں قول سے مراد زبانی و دلی ظاہر اور خفیہ ہر قول ہے کیونکہ وہ زبان سے تو سمعنا کہتے تھے اور دل میں عصینا۔ اور ہو سکتا ہے کہ قول سے مراد زبانی گستاخی ہو اسطرح کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تو سمعنا کہتے ہوں اور گھر جا کر عصینا کہتے ہوں یا یہ دونوں کلمے اپنی قوم کے سامنے کہتے ہوں یعنی زبان سے کہتے ہیں ہم نے آپ کے فرمان سن لئے اور دل میں کہتے ہیں کہ مانیں گے نہیں یا اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ ہم انکی باتیں سن تو لیتے ہیں مگر مانتے نہیں **واسمع غیر مسمع** یہ عبارت سمعنا پر معطوف ہے اور یقولون کا مفعول اس عبارت کے اچھے معنی بھی ہو سکتے ہیں برے بھی لوگوں پر اچھے معنی ظاہر کرتے تھے دل میں برے معنی کی نیت کرتے تھے ایک شاعر کہتا ہے۔

خاط لی عمرو قباء لیت عینیہ سواء

یعنی اے محبوب ہماری عرض سنئے ہماری طرف سے آپکو ناپسندیدہ بات نہ سنائی جائے گی ہم وہ کہیں گے جو آپ کو پسند ہو یا خدا کرے آپ کبھی بری بات نہ سنائے جائیں یہ دونوں معنی خیر ہیں یا خدا کرے آپ سننے کے قابل نہ رہیں اسطرح کہ آپکی وفات واقع ہو جائے یا بہرے ہو جائیں ظاہر کرتے تھے وہ دو معنی مراد لیتے تھے یہ آخری معنی (صاوی و کبیر وغیرہ) **وراعنا لیا بالسنتہم وطعنا فی الدین** راعنا واسمع پر معطوف ہے یہ بھی یقولون کا مفعول ہے یہ بھی دو معنی والا لفظ ہے ایک خیر دوسرا شر اگر راع رعایۃ کا امر ہو اور نا اس کا مفعول تو معنی یہ ہیں کہ یا رسول اللہ ہماری رعایت فرمایئے یہ فرمان عالی ہم نے سنا نہیں دوبارہ فرما دیجئے یہ معنی نہایت ہی درست ہیں اور اگر رعونت بمعنی حماقت کا اسم فاعل ہو تو اسکے معنی ہیں احمق بیوقوف یا متکبر اور اگر راعینا ی کے ساتھ ہو تو معنی ہوں گے ہمارے چرواہے تب یہ نہایت ہی شر کا لفظ ہے وہ ظاہر تو کرتے تھے پہلے معنی اور

نیت کرتے تھے دوسرے معانی کی اسلئے رب نے فرمایا **لیا بالسنتہم** لیا لوی سے بنا بمعنی موڑنا پھیرنا یہ یقولون کا حال یا مفعول لہ ہے اسکا تعلق یا تو لیا سے ہے یا ان تمام کلمات سے یعنی وہ اپنی زبانیں موڑ موڑ کر راعنا کہتے ہیں. جس سے راعنا راعینا بن جاتا ہے یا یہ تمام گفتگو زبانیں موڑ موڑ کر کرتے ہیں طعن کے معنی ہیں نیزہ مارنا مگر کسی کی آبرو پر زبان یا ہاتھ ڈالنے کو بھی کہا جاتا ہے۔ طعن فیہ کے معنی ہوتے ہیں اسے عیب لگایا یہ لیا پر معطوف ہے اور اسکی طرح یا تو یقولون سے حال ہے یا مفعول لہ۔ دین سے مراد ہے دین اسلام یعنی انکی یہ حرکتیں اسلام پر طعنہ دینے کیلئے ہوتی ہے کہ پھر جاکر اپنے دوستوں سے کہتے ہیں کہ اگر آپ سچے نبی ہوتے تو ہماری ان باتوں کو سمجھ جاتے اور ہمارے دلوں کے ارادوں پر مطلع ہو جاتے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سچے نبی نہیں اور جب آپ ہی سچے نہیں تو اسلام سچا کیسے ہو سکتا ہے لہذا اسلامی توحید۔ قرآن مجید۔ روزہ نماز کے احکام شریعت و طریقت کے مسائل سب ہی غلط ہیں کہ یہ سب چیزیں ان نبی کی زبان سے ہی ملی گئی ہیں۔ جب یہ زبان ہی سچی نہیں تو یہ سب چیزیں جھوٹی ہیں **ولو انہم قالوا سمعنا واطعنا** یہ کلام رب تعالیٰ کا اپنا ہے انہیں یا مخلص مسلمانوں کو تعلیم کیلئے یعنی اگر یہ مردود دین بجائے عصینا کے اطعنا کہتے زبان سے بھی اور دل سے بھی یعنی عرض کرتے کہ ہم نے سن لیا اور آپ کے ہر فرمان کی اطاعت کریں گے۔ ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے قواعد شرعیہ کے موافق ہو یا بظاہر ہم کو مخالف معلوم ہو۔ خیال رہے کہ یہ سمعنا واطعنا رب تعالیٰ کیلئے بھی قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے وقالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا معلوم ہوا کہ اطاعت رسول اطاعت الٰہی کی طرح مطلقاً واجب ہے **واسمع وانظرنا** یہ عبارت سمعنا پر معطوف ہے اور قالوا کا مفعول ہے یعنی صرف اسمع کہتے ساتھ میں غیر مسمع نہ کہتے اور بجائے راعنا کے انظرنا کہتے جس میں غلط معنی کا احتمال نہ ہوتا۔ **لکان خیرا لہم واقوم** یہ عبارت لو کی جزا ہے خیر سے مراد نافع چیز ہے اقوم قام کی تفضیل ہے بمعنی اعدل زیادہ انصاف کی بات یعنی اگر بجائے ان منحوس لفظوں کے یہ پیارا کلام کرتے تو ان کیلئے نافع بھی ہوتا زیادہ درست بھی کہ وہ اس سے دنیا و آخرت کی کامیابیاں حاصل کرتے **ولکن لعنہم اللہ بکفرہم** یہ عبارت پچھلے جملوں پر معطوف ہے اور لکن کے بعد ایک فعل پوشیدہ ہے اور لعن اس پوشیدہ عبارت کی علت ہے یعنی لیکن ان مردودوں نے وہ درست باتیں نہ کہیں یا وہ ہمیشہ اس جرم کے مرتکب رہے۔ کیوں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گزشتہ کفروں کی وجہ سے انہیں رحمتوں سے دور فرما دیا اب انہیں رحمت والے کاموں کی توفیق ہی نہیں ملتی جب کرتے ہیں تو الٹے کام اور جب چلتے ہیں تو غلط راہ۔ لعنت کے معنی اور اسکے اقسام پہلے پارہ میں بیان ہو چکے کہ جب اسکا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اسکے معنی ہوتے ہیں رحمت سے دور کرنا اور جب اسکا فاعل بندے ہوں تو اسکے معنی ہوتے ہیں دوری رحمت کی دعا کرنا یہاں پہلے معنی مراد ہیں کیونکہ ان کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے **فلا یومنون الا قلیلا** یہ جملہ لعنت کے انجام کا بیان ہے لہذا ف تعقیبیہ ہے الا حرف استثناء ہے یا بمعنی لکن اور قلیلا لعنہم اللہ سے استثناء ہے یا یومنون کے فاعل ھم سے اور قلیل سے مراد یا تھوڑے لوگ ہیں یا تھوڑا ایمان یعنی ان سب پر اللہ نے لعنت کی سواء تھوڑے لوگوں کے لہذا وہ ملعون لوگ ایمان نہ لائیں گے یہ تھوڑے لوگ ایمان لے آئیں گے یا یہ لوگ بہت تھوڑی باتوں پر ایمان لائیں گے زیادہ پر نہ لائیں گے کہ خدا کو مان لیں گے مگر نبی کا انکار کریں گے اور ظاہر ہے کہ صرف عقیدہ توحید نجات کیلئے کافی نہیں توحید کو تو شیطان بھی مانتا ہے یا وہ صرف اپنے رسولوں کو مانیں گے نبی آخر الزمان کو نہ مانیں گے یہ بھی ایمان کیلئے کافی نہیں بغیر حضور پر ایمان لائے تمام نبیوں کا مان لینا محض بیکار ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: یہود میں سے بعض وہ ظالم بھی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب توریت شریف پر تو یہ زیادتی کی کہ اسکی عبارتیں الفاظ معانی اپنی اپنی جگہ سے ہٹاویں یا مٹا کر یا بدل کر یا چھپا کر اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپکے ساتھ انکا برتاؤ یہ ہے کہ جب کبھی آپ کی مجلس پاک میں حاضر ہوتے ہیں تو مسلمانوں کو خوش کرنے کیلئے منہ سے تو کہہ دیتے ہیں سمعنا ہم آپ کے فرمان سن رہے ہیں، بہت غور سے کان لگا کر سن رہے ہیں مگر دل میں کہتے ہیں آپ کی بات مانیں گے نہیں اور کہتے ہیں یارسول اللہ آپ ہماری عرض و معروض سنئے مگر دل میں آپ کو کوستے ہیں کہتے ہیں خدا کرے آپ سننے کے لائق نہ رہیں یا اسطرح کہ وفات پا جائیں یا اسطرح کہ آپ کے کان بیکار ہو جائیں اور کہتے ہیں راعنا ظاہر کرتے ہیں کہ ہماری رعایت فرمایئے دل میں نیت کرتے ہیں فاسد معنی کی یہ باتیں زبان موڑ موڑ کر کہتے ہیں انکا مقصد ہے دین اسلام پر طعنہ زنی کرنا لوگوں سے کہنا کہ دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ علم و خبر نہیں آپکو تو ہمارے برے ارادوں بری نیتوں پر اطلاع نہیں پھر آپ نبی کیسے نبی کے معنی ہیں خبردار جو بے خبر ہو وہ نبی کیسا اور جب آپ سچے نبی نہیں تو اسلام بھی سچا نہیں اگر یہ بدنصیب اخلاص کے ساتھ یوں کہا کرتے کہ یارسول اللہ ہم نے آپ کے فرمان عالی سن لئے ہم اطاعت کریں گے اور عرض کرتے کہ یارسول اللہ ہماری مدد کی باتیں سنئے حضور ہم پر نظر کرم فرمائیں تو یہ ان کیلئے دین و دنیا میں بہتر بھی ہوتا اور درست بھی کہ اس گفتگو سے مقبول بارگاہ ہو جاتے مومن صحابی بن جاتے لیکن وہ یہ کیسے کیسے ان پر تو اللہ نے لعنت و پھٹکار کر دی کیونکہ یہ پرانے کافر و باغی ہیں۔ اب انکو ایمان نصیب ہی نہ ہوگا بہاں ایمانیات میں سے تھوڑی باتوں کو مانیں گے اکثر کے انکاری رہیں گے جس سے یہ پکے کافر ہی رہیں گے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو وہ اخلاق بخشے کہ حضور نے اپنی ذاتی دشمن سے بھی بدلہ نہ لیا دیکھو اس آیت میں یہ تو بتایا گیا کہ منافق یہود بارگاہ رسالت میں ایسی گستاخیاں کرتے تھے مگر یہ نہیں ارشاد ہوا کہ ہمارے محبوب ان سے اسکا بدلہ لیتے تھے ذاتی دشمن کو چھوڑ دینا قومی دینی ملکی دشمن کو نہ چھوڑنا اخلاق محمدی ہے۔ دوسرا فائدہ: اپنے محبوب کے دشمنوں سے اللہ تعالیٰ خود بدلہ لیتا ہے۔ دیکھو اس آیت میں رب تعالیٰ نے ان یہود کی گستاخیاں بیان فرما کر خود فرمایا **لعنهم الله بكفرهم** جو شخص اپنے دشمن سے بدلہ نہ لے خدا تعالیٰ اس سے بدلہ لیتا ہے۔ تیسرا فائدہ: مومن کی پہچان یہ ہے کہ اسکا دل و زبان ایک ہو، زبان و دل کی علیحدگی منافق کی علامت ہے۔ دیکھو یہ منافقین زبان سے کچھ کہتے تھے دل میں کچھ رکھتے تھے اللہ تعالیٰ اخلاص نصیب کرے۔ چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایسا لفظ بولنا جس میں گستاخی کا شائبہ بھی ہو حرام ہے دیکھو راعنا کے چند معنی تھے بعض اچھے بعض برے اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کا بولنا منافقوں کی علامت قرار دیا، دوسری جگہ مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے صراحۃً منع فرما دیا کہ فرمایا **يا ايها الذين امنوا لا تقولوا راعنا** اس سے وہ بے ادب عبرت پکڑیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہلکے اور بے ادبی کے الفاظ بے دھڑک بول جاتے ہیں۔ پھر تاویلیں کرتے ہیں توبہ نہیں کرتے۔ پانچواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا انکار یہودیوں منافقوں کا پرانا طریقہ ہے کہ اگر حضور کو علم غیب ہوتا تو آپ فلانی بات کیوں نہ جان لیتے یہ ہی وہ الفاظ ہیں جو منافقین کے منہ سے نکلتے تھے۔ جیسا کہ روح المعانی الدین کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ منافقین اور یہود کہتے تھے کہ اگر حضور سچے نبی ہوتے تو ہمارے دلی کفر و نفاق کو پہچان لیتے۔ چھٹا فائدہ: حضور کے علم پر طعن کرنا در حقیقت اسلام پر طعن ہے

اور یہود کا طریقہ۔ دیکھو رب نے ان یہود کے انکار علم نبی کو طعن فی الدین قرار دیا اس سے آجکل کے گستاخوں کو عبرت پکڑنی چاہئے۔ ساتواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شاندار سرکار ہیں کہ آپ کے آستانے کا ادب اور آپ سے عرض معروض کے الفاظ قرآن سکھاتا ہے جیسا کہ وَلَوْ اَنَّهُمْ سے معلوم ہوا۔ قرآن شریف میں حضور کے ہاں دعوت کھانے آپ کے سامنے کلام کرنے آپ کے ساتھ راستہ چلنے آپ کو گھر بلانے کے آداب بھی سکھائے ہیں اسکی تفصیل کیلئے ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ کا مطالعہ کرو۔ آٹھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب میں ہمارا ہی فائدہ ہے اور بے ادبی میں ہمارا ہی نقصان۔ اس سے ان سرکار کا کچھ نہیں بگڑتا۔ سورج کی تعریف کرو یا برائی وہ نور ہی ہے۔ جیسا کہ لکان خیرا لھم سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی خدا تعالیٰ کی لعنت کی پہچان ہے۔ جس پر رب لعنت کرتا ہے وہ حضور کی بے ادبی کرتا ہے اور جس پر رب رحمت فرماتا ہے اسکو سرکار کے ادب کی توفیق دیتا ہے۔ جیسا کہ ولکن لعنھم سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: حضور کا انکار کر کے رب تعالیٰ کی ذات وصفات 'قیامت' فرشتوں' جنت' دوزخ وغیرہ کو مان لینا ایمان نہیں۔ دیکھو ان سب عقیدوں کو رب العالمین نے قلیل فرمایا۔ شیطان ان سب چیزوں کو مانتا ہے۔ نبی کا انکاری ہے 'کافر ہے' تمام عقائد گویا نوٹ کا کاغذ ہیں اور عقیدہ نبوت اسکی سرکاری مہر بغیر مہر نوٹ کا کاغذ بیکار ہے ایمان ہی کیا ساری عبادات کا یہی حال ہے۔۔۔

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو   واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو قرآن بھی سچا اسلام بھی سچا نماز و روزہ و حج و زکوۃ سچے کہ ہم نے ان سب چیزوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان سے تو سنا اور جانا و مانا ہے اور اگر نعوذ باللہ حضور کے سچے ہونے کا انکار کر دیا جائے تو پھر ان میں سے کسی چیز کو سچا نہیں مانا جا سکتا اسلئے قرآن کریم نے ان منافقوں کی اسی مذکورہ بکواس کو طعن فی الدین قرار دیا۔ گیارہواں فائدہ: امت کا حضور سے عرض کرنا کہ یا رسول اللہ انظرنا اور یوں کہنا کہ یا حبیب اللہ اسمع قولنا بالکل برحق ہے اس کا ماخذ یہ آیت کریمہ ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے تاقیامت مسلمانوں کو عرض معروض کا طریقہ سکھانے کیلئے یہ آیت قرآن مجید میں رکھی ہے حضور سب کی سنتے سب کو دیکھتے ہیں ورنہ یہ عرض کرنا غلط ہوتا قرآن کریم غلط چیز کی تعلیم نہیں دیتا۔

پہلا اعتراض: کتاب اللہ کی تحریف یہودی عیسائی سب ہی کرتے تھے یہاں صرف یہود کا ذکر ہوا۔ جواب: یا اسلئے کہ یہ آیت کریمہ یہودیوں کے متعلق آئی ہے اور یہاں جن عیبوں کا ذکر ہے وہ یہودی کے اندر تھے یا اسلئے کہ مدینہ منورہ میں زیادہ تر یہودی آباد تھے۔ مسلمانوں کو ان ہی سے پالا پڑا تھا۔ دوسرا اعتراض: من الذین سے معلوم ہوتا ہے کہ بعضے یہودی تحریف کرتے تھے ان میں بھی حضرت عبداللہ ابن سلام اور کعب احبار جیسے علماء اس جرم سے دور تھے ان جیسے بزرگوں کو آخر کار ایمان نصیب ہو گیا۔ تیسرا اعتراض: کلم جمع ہے اور جمع کی طرف ضمیر مونث لوٹتی ہے تو یہاں مواضعہ مذکر ضمیر کیوں لائی گئی۔ جواب: اسکا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ جب واحد اور جمع کے حرف برابر ہوں یا جمع کے حرف واحد کے حرف سے کم ہوں تو جمع کی طرف ضمیر مذکر لوٹ سکتی ہے یہاں واحد کے حروف چار ہیں اور جمع کے لفظ تین لہٰذا ضمیر مذکر استعمال ہوئی۔ چوتھا اعتراض: علمائے یہود توریت کی آیتیں یا تو مٹاتے تھے یا بدل لیتے تھے اپنی جگہ سے ہٹاتے نہ تھے پھر یہاں عن مواضعہ کیوں

فرمایا۔ جواب: اسکا جواب بھی تفسیر میں گزر گیا کہ اگر تحریف سے مراد لفظی تحریف ہے تو جگہ سے ہٹانے سے مراد بدلنا یا مٹانا ہی ہے یہ بھی ہٹانے کی ایک صورت ہے اور اگر تحریف معنوی مراد ہے تو آیتوں کو انکے صحیح معنوں پر محمول نہ کرنا ان سے غلط فائدے حاصل کرنا انکی جگہ سے ہٹانا ہے۔ پانچواں اعتراض: ایمان ایک بسیط چیز ہے جس میں زیادتی کمی نہیں ہو سکتی پھر یہاں اسے قلیل کیوں فرمایا گیا۔ جواب: یہاں قلیل سے مراد یا تو تھوڑے آدمی ہیں تب تو سوال ہی نہیں یا تھوڑا ایمان مراد ہے تو کمی سے مراد ایمانیات کی کمی ہے نہ کہ نفس ایمان کی جو یقین کا ایک درجہ ہے۔ بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ یہاں قلیل سے مراد بالکل معدوم ہونا ہے یعنی وہ ایمان لاتے ہی نہیں اگر لاتے ہیں تو ایسے جو ایمان نہیں کہا جا سکتا۔ شاعر کہتا ہے۔

قلیل التشکی للھم یصیبہ کثیر الھوی شتی النوی والمسالک

کیونکہ ایک جز نہ ہونے سے کل معدوم ہو جاتا ہے ایمانیات میں سے ایک کا انکار ایمان کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: خوش نصیب لوگ حضور سے دور رہ کر بھی نور ہو گئے جیسے اویس قرنی اور تا قیامت مسلمان مگر بد نصیب لوگ حضوری ہو کر بھی بے نور رہے حضور کو بصارت سے نہیں دیکھا جاتا بصیرت سے دیکھا جاتا ہے تب ایمان و صحابیت نصیب ہوتی ہے فقوں نے صرف بصارت سے حضور کو دیکھا تو ان کا یہ حال ہوا مولانا فرماتے ہیں۔

حج زیارت کردن خانہ بود حج رب البیت مردانہ بود!
گفت طوبیٰ من رآنی مصطفیٰ والذی یبصر لمن وجھی رای!

پھر خیال رکھو کہ یہ آیت کریمہ اگرچہ علمائے یہود کے متعلق نازل ہوئی مگر اس سے علمائے اسلام کو بھی عبرت پکڑنی چاہئے اس امت میں بعض علمائے دین ہیں اور بعض علمائے سوء علمائے سوء قول سے نہیں عمل سے احکام قرآنی بدلتے ہیں وہ زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے سارے احکام سن لئے ترک دنیا اور نفسانی خواہشوں کی پیروی سے ممانعت آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا خلق سے بے تعلق ہو کر خالق کی طلب کرنا۔ یہ ساری چیزیں حق ہیں ہمارا ان پر ایمان ہے مگر عملی طور پر وہ کہہ رہے ہیں عصینا کیونکہ وہ ان احکام کے قریب بھی نہیں جاتے بلکہ اللہ والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ تھوڑے ہی لوگ جو سلیم دل سے ایمان لاتے ہوں زبان تیز ہے عمل سست اگر یہ لوگ قول اور عمل دونوں سے ایمان لاتے اور دنیا کو آخرت کی قیمت بناتے تو انکے واسطے بہت ہی اچھا ہوتا مولانا عطار فرماتے ہیں۔

مشو مغرور این نطق مزور بنا دانی مکن خود را تو سرور
اگر علم ہمہ عالم بخوانی! چو بے عشقی از و حرفے ندانی!

یعنی فقط عالموں کے الفاظ سیکھ کر اپنے کو عالم نہ سمجھو اگر تم سارے علوم حاصل کر لو لیکن عشق رسول اور خوف خدا سے محروم رہو تو نرے جاہل ہو امام شاذلی فرماتے ہیں کہ علم نافع وہ ہے جو اللہ کی اطاعت پر مدد دے۔ دل میں خوف خدا پیدا کرے۔ امام ابوالحسن فرماتے ہیں کہ علم مثل درہم دینار کے ہے نافع اور نقصاندہ اگر اسکے ساتھ خوف خدا ہے تو مفید ہے۔ ورنہ نقصاندہ ہے۔

شاخ درخت علم ندا نم بجز عمل   تا علم با عمل نہ کنی شاخ بے بری
ترک ہوا است کشتی دریائے معرفت   عارف بذلت شو نہ بدیں قلندری

اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنادے اور علم با عمل نصیب فرمائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور سے بھیک لینے کے کچھ جنانی شرطیں ہیں کچھ جسمانی و لسانی۔ جنانی شرطیں چار ہیں، یہ ماننا کہ حضور کے پاس سب کچھ ہے یہ ماننا کہ حضور سب کچھ دینے پر قادر ہیں یہ ماننا کہ میرے پاس کچھ نہیں یہ ماننا کہ میں حضور سے ضرور لوں گا۔ کنویں سے ڈول کو پانی جب ملتا ہے جبکہ کنواں پانی سے بھرا ہو اور ڈول خالی ہو نیز ڈول پانی تک پہنچے۔ اور لسانی شرط ہے حضور کا ادب اور حضور سے مانگنا یہ چھ شرطیں، قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمائی ہیں۔ حضور کی بارگاہ میں حضرت صدیق و فاروق بھی حاضر ہوتے تھے۔ عبداللہ ابن ابی منافق بھی صحابہ کو ایمان قرآن بلکہ رحمان سب کچھ ملا۔ منافق کچھ نہ لے سکے کہ منافقین کے پاس یہ شرطیں موجود نہ تھیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ
اے وہ لوگو جو دیئے گئے کتاب ایمان لاؤ اس پر جو اتاری ہم نے سچا کرتی ہوئی ان کتابوں کو جو تمہارے ساتھ
اے کتاب والو ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا تمہارے ساتھ والی کتاب کی تصدیق فرماتا قبل اس کے کہ ہم
اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ
ہیں اس سے پہلے کہ ہم بگاڑ دیں چہروں کو پس پھیر دیں ہم ان کو ان کے پیچھے پر یا لعنت کریں ہم ان پر جیسے
بگاڑ دیں کچھ مونہوں کو تو انہیں پھیر دیں ان کی پیٹھ کی طرف یا انہیں لعنت کریں جیسی لعنت کی
السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾
لعنت کی تھی ہم نے سنیچر والوں پر اور ہے اللہ کا حکم کیا ہوا
ہفتہ والوں پر اور خدا کا حکم ہو کر رہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: پہلا تعلق: پچھلی آیت میں اہل کتاب کے چند جرموں کا ذکر کیا اب انہیں ایمان لانے اور توبہ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے فرمایا جا رہا ہے کہ ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے ایمان لے آؤ سب کچھ معاف کر دیں گے گویا بیماری کا ذکر پہلے تھا اسکے علاج کا ذکر اب ہے گویا بیماری کی تشخیص پہلے تھی دوا و پرہیز کی تجویز اب ہے تشخیص و تجویز کا نام ہی صحیح علاج ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں یہود کے افسوسناک جرموں کا ذکر تھا اب ان جرموں کی سزا کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ خطرہ ہے کہ انکی صورتیں مسخ کر دی جائیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں یہود کی ان بے ادبیوں کا ذکر تھا جو وہ بارگاہ رسالت میں کرتے تھے۔ اب انکی وجہ کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان تمام عیوب کی وجہ یہ ہے کہ انکے پاس ایمان نہیں اگر ایمان لے

آتے تو ایسی حرکتیں نہ کرتے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کے متعلق خبر دی گئی تھی کہ وہ ایمان نہ لائیں گے ایسا نہیں یہود کو ایمان لانے کا حکم دیا جارہا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اسلام میں تبلیغ دائمی اور عمومی ہے جنکے ایمان سے ناامیدی ہے انہیں بھی تبلیغ برابر کی جائے کہ وہ اگرچہ ایمان نہ لائیں گے مگر تبلیغ کرنیوالوں کو اسکا ثواب مل جائیگا۔ قابل طبیب لا علاج بیماروں کو بھی دوا دیتا ہے اگرچہ بیمار نہ بچے مگر اسکو فیس اور دوا کی قیمت ضرور مل جاتی ہے۔ بہرحال مسلمانوں خصوصاً علماء کو چاہئے کہ تبلیغ ہر ایک کو کریں۔

شان نزول: ایک بار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید ابن تابوت، مالک ابن صیف، عبداللہ ابن صوریا۔ کعب ابن اشرف وغیرہ علمائے یہود کو بلایا اور فرمایا کہ اے گروہ یہود اللہ سے ڈرو اسلام قبول کرلو اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ میں بھی سچا ہوں اور جو کچھ میں لایا ہوں وہ بھی برحق ہے اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا تو رب کو کیا جواب دو گے ابن صوریا یا کعب بن اشرف یا سارے حاضرین بولے کہ اللہ کی قسم ہم آپکو برحق نہیں جانتے اگر جانتے ہوتے تو ضرور ایمان لے آتے اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر خازن، روح المعانی) نیز یہ واقعہ بیہقی نے دلائل النبوت میں بروایت سیدنا عبداللہ ابن عباس نقل فرمایا۔

تفسیر: یا ایها الذین اوتو الکتب: یہ خطاب یا عتاب کیلئے ہے یا اظہار کرم کیلئے یا غافلوں کو ہوشیار کرنے کیلئے دنیاوی دولت، علم، عزت غافل کرنے والی چیزیں ہیں ان میں پھنسے ہوئے لوگ غافل چونکہ اہل کتاب کے ایمان لانے سے دوسرے کفار کے ایمان لانے کی بھی امید تھی کیونکہ یہ عرب میں عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے اسلئے خصوصیت سے انہیں ندا فرما کر ایمان کا حکم دیا گیا کتاب سے مراد توریت شریف ہے اور ہو سکتا ہے کہ ساری آسمانی کتابیں مراد ہوں اور یہ حکم یہودیوں، عیسائیوں، دلاوریوں سب اہل کتاب سے ہو کتاب دیئے جانے میں چند احتمال ہیں کتاب کا علم، کتاب پر ایمان، کتاب پر عمل کی توفیق، کتاب کا نور، کتاب کے اسرار دیا جانا کتاب سے مراد اصل کتاب ہے جو آسمان سے اتری کہ انہیں رب کی طرف سے دی گئی تھی اس میں تبدیلی و تحریف یہود کا اپنا فعل تھا یعنی اے وہ لوگو! جنہیں اللہ کی طرف سے آسمانی کتاب پر ایمان یا اسکا علم یا اس پر عمل کی توفیق دی گئی پہلے معنی زیادہ قوی ہیں چونکہ تم پر اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی احسان ہے لہٰذا اسکے شکریے میں **امنو بما نزلنا** ما سے مراد قرآن شریف ہے چونکہ اس کا نزول تئیس سال کے عرصے میں بہت آہستگی سے ہوا اس لئے نزلنا فرمایا گیا اور ہو سکتا ہے کہ ما سے مراد قرآن اور حضور کے سارے فرمان و اعمال ہوں یعنی حدیث کیونکہ وہ سب رب کی طرف سے اتارے ہوئے وہ سب رب کے طرف سے اتارے ہوئے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ قرآن شریف کے الفاظ بھی رب کی طرف سے ہیں اور حدیث شریف کے الفاظ حضور کے اپنے ہیں اور مضامین رب کی طرف سے اسلئے بجائے قرآن فرمانے کے ما نزلنا فرمایا۔ حضور کی تبلیغ بھی قرآن مجید کیطرح آہستگی سے ہوئی کہ سرکار خود تو ہمیشہ سے اسلامی احکام پر عمل کرتے رہے کہ کبھی شراب وغیرہ کے نزدیک نہ گئے ہمیشہ نماز وغیرہ ادا کرتے رہے مگر مسلمانوں پر یہ احکام جب جاری ہوئے جب رب کا حکم آیا یعنی نہایت آہستگی سے یعنی ان تمام چیزوں پر ایمان لے آؤ جو ہم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاریں۔ قرآن مجید اور حضور کے تمام کلام خواہ عبادۃ" ہوں جیسے وعظ یا دعائیں وغیرہ یا عادۃ" ہوں جیسے عام گفتگو شریف اور حضور کے تمام کام خواہ عبادۃ" ہوں جیسے سنت ہدیٰ یا عادۃ" ہوں جیسے سنت زوائد یا اجتہادا" ہوں یا خطاء اجتہادی کے طور پر یہ سب منزل من اللہ سب کی حقانیت پر ایمان لاؤ

حتی کہ حضور کے خواب بھی منزل من اللہ ہیں انکی حقانیت پر بھی ایمان ضروری ہے ہماری خطائیں نفسانی یا شیطانی ہوتی ہیں جن سے ہزارہا خرابیاں پیدا ہوتی ہیں حضور کی خطائیں بھی رحمان کی طرف سے ہمیشہ فائدے ہی ہوتے ہیں آدم علیہ السلام کی خطا سے دنیا کا وجود ہوا۔ بدر کے قیدیوں کے متعلق حضور کی اجتہادی خطا سے سب لوگوں کو ایمان ملا کہ وہ اور انکی اولاد بعد میں مسلمان ہوئے **مصدقا لما معکم** یہ عبارت ما کا حال ہے مصدقا تصدیق سے بنا بمعنی سچا کرنا، سچا کہلوانا، سچا کہنا یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں ما سے مراد اصلی کتب آسمانی بھی ہیں اور گزشتہ انبیائے کرام کی خصوصی تعلیمات وغیرہ بھی جو اب تک اہل کتاب کے پاس موجود تھیں اسلئے یہاں **لکتبکم** نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی یعنی قرآن شریف یا حضور کے فرمان عالیہ کا یہ حال ہے کہ وہ تمہاری کتابوں تمہارے انبیائے کرام کی تعلیم انکی خبروں انکے معجزات وغیرہ جو تمہارے پاس اب تک ہیں ان سب کو سچا کرتا ہے سچا فرماتا ہے اور انکی سچائی کا اعلان کرکے تمام دنیا سے انہیں سچا کہلواتا ہے اور کہلوائے گا چونکہ قرآن کریم کے بعد کوئی آسمانی کتاب آنے والی نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں اسلئے یہاں صرف تصدیق کا ذکر ہوا کسی کتاب یا کسی نبی کی بشارت کا ذکر نہ ہوا **من قبل ان نطمس وجوھا** یہ عبارت امنو کے متعلق ہے۔ نطمس، طمس سے بنا بمعنی مٹانا بگاڑنا محو کرکے اسکے نشان دور کردینا۔ رب فرماتا **واذا النجوم طمست** اور فرماتا ہے **ربنا اطمس علی اموالھم** اور فرماتا ہے **ولو نشاء لطمسنا علی اعینھم** وجوہ وجہ کی جمع ہے جسکے حقیقی معنی چہرہ مجازاً توجہ کرنے کو بھی وجہ کہتے ہیں اور قوم کے سردار کو بھی کہا جاتا ہے فلان وجہ القوم ظاہر یہ ہے کہ یہاں طمس سے مراد حقیقی معنی ہیں یعنی مٹانا و بگاڑنا اور وجوہ سے مراد بھی چہرے ہی ہیں یعنی اس سے پہلے ایمان لے آؤ کہ ہم کفار پر یہ عذاب نازل کریں کہ چہروں کے نقش و نگار اور منہ کے خطوط کو مٹا دیں کہ آنکھ ناک منہ سب ختم کرکے چہرہ اونٹ کے پاؤں اور گھوڑے کی ٹاپ کی طرح یکساں کردیا جائے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں وجوہ مجازی معنی میں ہے یعنی ہم سرداروں کی سرداری بگاڑیں یا تمہاری توجہ خراب کردیں کہ تم بالکل ہی کفر کی طرف پھر جاؤ مگر یہ بہت ضعیف سا قول ہے کیونکہ یہ کوئی سخت عذاب نہیں نیز یہود اب بھی ہدایت پر کہاں تھے تاکہ انہیں ہدایت سے پھیرا جاتا۔ **فنردھا علی ادبارھا** یہ عبارت نطمس پر معطوف ہے ف عاطفہ ہے چونکہ ان کے تحت ہے اسلئے نرد کو فتح ہوا نرد، رد سے بنا ہے بمعنی پھیرنا یہاں پہلی حالت کی طرف پھرنا مراد نہیں کیونکہ چہرہ پہلے یکساں نہ تھا۔ بلکہ اول ہی سے اس میں آنکھ ناک منہ وغیرہ موجود تھے بلکہ پچھلے حصے کی طرف پھیرونا مراد ہے ادبار دبر کی جمع ہے بمعنی پیچھے۔ یہاں چہرے کا پچھلا حصہ یعنی سر کا آخری مراد ہے جو یکساں ہے اور جس پر بال وغیرہ ہیں یہ عبارت بھی بتا رہی ہے کہ وجوہ سے مراد چہرے ہی تھے بلاوجہ حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لینے جائز نہیں یعنی ہم چہروں کے نشانات مٹا کر انہیں سر کے پچھلے حصے کی طرح سپاٹ اور یکساں کردیں کہ نہ اس میں آنکھیں رہیں نہ ناک و منہ **او نلعنھم کما لعنا اصحاب السبت** یہ جملہ نطمس پر معطوف ہے اور دوسرے عذاب کا ذکر نلعن لعن سے بنا بمعنی رحمت سے دوری یا خاص عذاب نازل فرمانا یہاں دوسرے معنوں میں ہے اس سے مراد صورتیں مسخ کرکے بندر وغیرہ بنا دینا ہے اصحاب السبت سے مراد وہ یہودی ہیں جنہوں نے داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہفتے کے دن حیلہ بہانہ کرکے مچھلی کا شکار کرلیا تھا حالانکہ انکے دین میں ہفتہ یعنی سنیچر کا دن بڑا عظمت والا تھا۔ اس میں شکار حرام تھا چنانچہ وہ لوگ اس جرم پر بندر بنا دیئے گئے اور تین دن کے بعد ہلاک کر دیئے گئے رب فرماتا ہے **فقلنا لھم کونوا قردۃ خسئین** یعنی یا ہم اہل کتاب پر پھر وہی عذاب بھیجیں جو داؤد علیہ السلام

کے زمانہ میں ہفتہ کے دن شکار کرنے والوں پر بھیجا گیا تھا کہ وہ سب بندر بنادیئے گئے تھے۔ اس سے مراد یا تو قیامت کلون ہے یا قریب قیامت یا موجودہ زمانہ یعنی قیامت سے پہلے یا ان علامات کے ظہور سے پہلے ایمان لے آؤ جب ہم چہرے بگاڑ دیں گے **وکان امر اللہ مفعولا** یہ نیا جملہ ہے امر سے مراد اللہ کا ارادہ ہے نہ کہ حکم کان دوام اور استمرار کیلئے ہے۔ جس میں ماضی' حال' مستقبل تینوں زمانے شامل ہیں مفعول کے معنی ہیں' نافذ اور واقع یعنی اللہ کا چاہا ہوا ہو کر رہتا ہے اسکے حکم کو کوئی روک نہیں سکتا اگر ہم نے تمہیں عذاب دینا چاہا تو کوئی طاقت تمہیں اس سے بچانہ سکے گی۔

خلاصہ ء تفسیر: اے وہ لوگو جنہیں رب کی طرف سے آسمانی کتاب ملی اور اس پر ایمان لانے' عمل کرنے کی توفیق نصیب ہوئی چونکہ تم پر ہمارا یہ کرم خاص ہے اسلئے تم فوراً اس کتاب یا ان تمام چیزوں پر ایمان لے آؤ جو ہم نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاریں یہ کتاب تمہارے نبیوں تمہاری کتابوں وغیرہ کی گواہ ہے انکی حقانیت کا اعلان کرتی ہے مدعی کو چاہیئے کہ اپنے گواہ کی تائید کرے نہ کہ اسکی مخالفت یا یہ کتاب تمام دنیا سے تمہارے نبیوں اور کتابوں کو سچا کہلوائے گی کہ اسکی برکت سے تمام جہان میں انکے ڈنکے بج جائیں گے تم کیسے بے وقوف ہو کہ ایسی کتاب کا انکار کرکے اپنے کو کمزور کئے لیتے ہو۔ خیال رہے کہ نبی معجزات سے پہچانا جاتا ہے یا دوسرے نبی کے فرمان سے موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضاء کے ذریعہ نبی مانا گیا اور حضرت ہارون کو موسیٰ علیہ السلام کے بتانے سے نبی مانا گیا آج گزشتہ نبیوں کو حضور کو بتانے سے نبی مانا جاتا ہے اور حضور کی نبوت بذریعہ قرآن کے مانی جاتی ہے قرآن' ذکر خیر' محبوبیت عامہ حضور کے زندہ جاوید معجزے ہیں لہذا اس سے پہلے ایمان لے آؤ کہ ہم کفار کے چہرے یکساں سپاٹ کرکے سر کے پچھلے حصے کی طرح بنائیں کہ ان میں آنکھ ناک منہ وغیرہ کچھ نہ رہے پھر نہ دیکھ سکیں نہ سانس لے سکیں نہ بول سکیں نہ کھا پی سکیں اس طرح نہایت رسوائی و تکلیف سے ہلاک ہو جائیں یا ان پر ایسا عذاب بھیجیں جیسا داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہفتے کے دن مچھلی کا شکار کرلینے والے بنی اسرائیل پر عذاب بھیجا گیا تھا کہ پہلے وہ بندر بنائے گئے پھر وہ ہلاک کردیئے گئے یہ سمجھ رکھو کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اسکے چاہے کو نہ کوئی لوٹ سکتا ہے نہ روک سکتا ہے اسلئے اسکے عذاب سے بچنے کی صورت صرف توبہ اور اسکی فرمانبرداری ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکاری اگرچہ تمام ایمانیات کو مانے مگر مومن نہیں دیکھو اہل کتاب رب تعالیٰ کی ذات وصفات' حضرات انبیاء و آسمانی کتب' حشر و نشر' دوزخ' جنت' فرشتے وغیرہ سب کو مانتے تھے مگر انہیں انکے خطاب سے رب نہ پکارا کہ وہ مومن نہ تھے مدار ایمان حضور کا ماننا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** بزرگوں سے نسبت مفید ہے دیکھو اہل کتاب کافر و مشرک تھے۔ خود قرآن کریم نے انکے کفر کا فتویٰ دیا کہ فرمایا **لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم** مگر پھر بھی انہیں کافر یا مشرک کہہ کر نہ پکارا یہ فرق انکی نسبت انبیاء کی وجہ سے ہے اللہ تعالیٰ نسبت قوی کرے۔ **تیسرا فائدہ:** تمام کفار ایمان کے مکلف ہیں یعنی ان پر لازم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں ایمان کے سوا دیگر عبادات کے وہ بحالت کفر مکلف نہیں جیسا کہ امنو سے معلوم ہوا اسلئے کسی کافر سے اسکے ایمان لانے کے بعد کفر کے زمانے کی نمازیں وغیرہ قضا نہیں کرائی جاتیں۔ **چوتھا فائدہ:** مسلمانوں کو چاہیئے کہ عمومی تبلیغ کے ساتھ خصوصی تبلیغ بھی کریں یعنی خاص کفار کو خاص طور پر دعوت اسلام دیں۔ دیکھو رب نے خصوصیت سے اہل کتاب کو

ایمان کا حکم دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ روم شاہ فارس وغیرہم کو تبلیغی فرمان نامے بھیجے کیونکہ ان میں سے ایک کے ایمان لانے سے ہزارہا ایمان لے آئیں گے۔ **پانچواں فائدہ:** ہمارا ایمان صرف قرآن شریف پر نہیں ہے بلکہ قرآن کے ساتھ حضور کے سارے فرمانوں پر بھی ہے جیسا کہ **ما نزلنا** کی تفسیر سے معلوم ہوا رب فرماتا ہے **فامنو باللہ ورسولہ** اور فرماتا ہے **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول** اور فرماتا ہے **یعلمہم الکتب والحکمۃ** **چھٹا فائدہ:** جو عیسائی یا یہودی قرآن اور پیغمبر اسلام کا انکار کرے وہ بہت ہی غلطی کرتا ہے کیونکہ قرآن اور صاحب قرآن تو انکے نبیوں اور کتابوں کے گواہ ہیں اگر مدعی کے گواہ ہی جھوٹے ہو جائیں تو مدعی کیسے سچا ہو سکتا ہے تمام مسلمانوں نے ان انبیاء کو صرف قرآن کی وجہ سے برحق مانا ہے اگر انہیں قرآن سے پھیر دیا جائے تو انکے پاس ان نبیوں کے برحق ماننے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں یہ فائدہ مصدقا سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** خصوصی عذاب الہی اب بھی آسکتے ہیں۔ صورتیں بگڑنا زمین دھنسنا وغیرہ اب بھی واقع ہو سکتا ہے جیسا کہ **ان نطمس وجوھا** سے معلوم ہوا۔ چنانچہ زمانہ نبوی اور زمانہ صحابہ کرام میں نیک بخت لوگوں نے ان عذابوں سے خوف کیا سیدنا عبداللہ ابن سلام جو یہود کے بڑے عالم تھے جب انہوں نے یہ آیت سنی تو فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان لے آئے عرض کیا یارسول اللہ مجھے خوف تھا کہ میں آپ تک نہ پہنچ سکوں پہلے ہی میرا چہرہ میرے آخری سر کی طرح ہو جائے عہد فاروقی میں جب کعب احبار نے یہ آیت سنی تو فوراً اسلام لے آئے اور بولے کہ مجھے خوف تھا کہ اس آیت کی وعید مجھ تک نہ پہنچ جائے (تفسیر خازن، مدارک وکبیر روح المعانی وغیرہ) **آٹھواں فائدہ:** آیات قرآنیہ کو حتی الامکان انکے ظاہری معنی پر رکھنا ضروری ہے بلاوجہ ظاہری معنی سے پھیرنا اور تاویلیں کرنا جائز نہیں جیسا کہ مذکورہ صحابہ کرام کے عمل سے معلوم ہوا بعض لوگوں خصوصاً مرزائیوں نے اس آیت میں عجیب غوطے کھائے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ ہم سرداروں کی سرداری چھین لیں کہ انکو پرانی ذلت کی طرف واپس کر دیں گے اور لعنت سے مراد لیتے ہیں کہ دل سخت کر دیں گے۔ دیکھو مرزائیوں کی تفسیر بیان القرآن اسکے مصنف مولوی محمد علی لاہوری نے لکھا ہے کہ زمانہ داؤد علیہ السلام میں بنی اسرائیل پر مسخ کا عذاب نہ آیا تھا بلکہ انکے دل بندروں کی طرح سخت کر دیئے گئے تھے۔ غور کرو کہ یہ تفسیر ہے یا تحریف رب تعالیٰ فرماتا ہے **وقلنا لہم کونوا قردۃ خسئین** ہم نے ان سے فرمایا کہ تم دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ۔ اگر اس قسم کی تاویلیں قرآن کریم میں شروع کر دی گئیں تو دین ہی ختم ہو جائیگا۔ صلوٰۃ کا معنی کرلو ناچنا کھودنا زکوٰۃ کا معنی کرلو کھیت کی پیداوار صوم کا معنی کرلو خاموش رہنا جہاد کا معنی کرلو محنت کرنا حج البیت کا معنی کرلو اور ارادہ کرکے اپنے گھر کو آنا سارے ارکان اسلام ختم ہو گئے۔ **نواں فائدہ:** گزشتہ قوموں کے عذاب اور رحمت کے واقعے سنا کر مسلمانوں کے دلوں میں خوف اور امید پیدا کرنا سنت الہیہ ہے یہ فائدہ **اونلعنہم** سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** قیاس شرعی برحق ہے یعنی علت مشترکہ کی وجہ سے اصل کا حکم فرع میں جاری کرنا یہ فائدہ **کما لعنا** سے حاصل ہوا کیونکہ آیت کا منشاء یہ ہے کہ اے لوگو! اگر تم نے ان یہود کی سی نافرمانی کی تو تم پر انکا سا عذاب آجائے گا۔ **گیارہواں فائدہ:** ارادہ الہی کبھی مراد سے جدا نہیں ہو سکتا۔ رب جو ارادہ فرمالے وہ ہو کر رہتا ہے کسی کی قوت وطاقت سے ٹل نہیں سکتا یہ فائدہ وکان امر اللہ مفعولا سے حاصل ہوا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ لوگ احکام الہی پر عمل نہ کریں۔ حکم اور ارادے میں بڑا فرق ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح کا حکم تھا ارادہ نہ تھا ابوجہل وغیرہ کو ایمان لانے کا حکم ہے مگر انکے ایمان ارادہ الہی نہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف قرآن شریف پر ایمان لانا چاہئے۔ حدیث کی کوئی ضرورت دیکھو فرمایا گیا نزلنا۔ حدیث تو حضور کے اپنے قول و فعل ہیں نہ کہ آسمان سے اتارے ہوئے۔ **جواب:** اسکا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ حضور کے تمام قول و فعل خواہ عادات ہوں یا عبادات یا اجتہادات سب رب کی طرف سے اتارے ہوئے ہیں اگر صرف قرآن کا ماننا لازم ہوتا تو یہاں امنو بالقرآن فرمایا جاتا۔ **دوسرا اعتراض:** اچھا یہ تو مان لیا کہ حضور کے احکام اور تبلیغی فرمان رب کی طرف سے ہیں مگر عادات اور اجتہادات تو نزلنا میں داخل نہیں اس پر ایمان لازم نہیں خصوصاً خطائیں۔ **جواب:** حق یہ ہی ہے کہ حضور کے ہر کام و کلام حتیٰ کی خطائیں بھی رب کی طرف سے ہیں انکی حقانیت پر ایمان لانا چاہئے دیکھو حضور نے حضرت زینب سے نکاح کیا مگر رب نے فرمایا **زوجنکھا** اور حضور نے کفار بدر پر کنکر پھینکے رب نے فرمایا **ولکن اللہ رمی** اور حضور نے حدیبیہ میں صحابہ کرام سے بیعت لی مگر رب نے فرمایا **انما یبایعون اللہ** حضور نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑا جس پر بظاہر عتاب ہوا مگر وہ فدیہ کامال حلال رہا حضور کی خواب سے بہت سے شرعی احکام ثابت ہوئے حضرت آدم کے گندم کھانے سے تمام دنیا آباد ہوئی غرضیکہ انکا کھانا پینا تک رب کی طرف سے ہے وہاں نفس و شیطان کو دخل نہیں لہٰذا یہ سب چیزیں **بما نزلنا** میں داخل ہیں اسلئے حضور کی کسی چیز کی توہین کفر ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں یہود کے متعلق ارشاد فرمایا گیا کہ اے وہ لوگو جنہیں کتاب دی گئی۔ اس کتاب سے اصلی آسمانی مراد ہے یا تحریف شدہ۔ اگر اصلی کتاب مراد ہے تو وہ یہود کے پاس تھی ہی نہیں اور اگر تحریف شدہ مراد ہے وہ خدا نے انہیں دی ہی نہیں پھر یہ بات ان پر کیسے صادق ہے۔ **جواب:** اس سے اصلی کتاب مراد ہے وہی انہیں دی گئی تھی اس کتاب کا بگاڑ دینا انکی اپنی حرکت تھی اسلئے یہاں کتاب دینے کا ذکر فرمایا نہ کہ انکے پاس باقی رہنے کا اور واقعی آسمانی کتاب کا دیا جانا اللہ کی بڑی نعمت ہے دینا اور باقی رہنا دو الگ چیزیں ہیں ' نیز اس زمانے میں ساری کتاب نہ مٹ گئی تھی انکے پاس کی کتاب میں کچھ اصلی آیتیں بھی تھیں اسلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل کتاب کی پیش کردہ آیتوں کو نہ سچا کہو نہ جھوٹا۔ **چوتھا اعتراض:** تم نے اوتوا الکتب کی تفسیر میں کہا کہ انہیں کتاب پر ایمان " عمل کی توفیق دی گئی اور نور کتاب و اسرار کتاب ان کو عطا ہوا یہ چیزیں انکے پاس کہاں رہی تھیں تو یہ تفسیر درست کیسے ہوئی؟ **جواب:** بعض علمائے یہود کو یہ سب چیزیں میسر تھیں جیسے سیدنا عبد اللہ ابن سلام اور دوسرے وہ علمائے یہود جو انہی کتابوں کی رہبری سے حضور پر ایمان لائے تحریف کرنے والوں کا بھی یہ عقیدہ تو تھا کہ فلاں فلاں پیغمبر پر فلاں فلاں کتابیں اتریں اور وہ پیغمبر بھی سچے تھے اور کتابیں بھی برحق اس عقیدے ہی کی بنا پر انکے احکام دوسرے کفار سے ہلکے ہوگئے کہ انکا ذبیحہ حلال ہوا اور انکی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح جائز ہوا بھی معمولی نسبت بھی بہار دکھا دیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خانہ کعبہ سے بت نکلوائے تو تمام بتوں کو تڑوا کر سڑک پر ڈلوا دیا مگر جو بت سیدنا ابراہیم و اسمٰعیل کے نام کے تھے انہیں دفن کرا دیا دیکھو غلط نسبت نے بھی رنگ دکھا دیا۔ **پانچواں اعتراض:** اگر حضور کے تمام کام و کلام رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور ما نزلنا میں داخل ہیں تو ہم کو چاہئے کہ نو بیویاں نکاح میں رکھیں اونٹ پر سوار ہو کر طواف کریں نواسی کندھے پر لے کر نماز پڑھیں کہ یہ سب کام حضور نے کئے ہیں۔ **جواب:** ان سب کی حقانیت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ رہا عمل وہ خصوصی اعمال پر نہ ہوگا ایمان اور چیز ہے عمل کچھ اور دیکھو گزشتہ سارے نبیوں پر ہمارا ایمان ہے مگر انکی شریعت پر عمل نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں امنوا بما نزلنا کیوں فرمایا گیا بالقرآن کیوں نہ فرمایا گیا وہ لفظ چھوٹا بھی تھا اور ظاہر بھی۔ **جواب:** اسکے جواب تفسیر میں عرض کئے جا چکے کہ اس لفظ میں

حضور کے معجزات اور فرمان سب شامل ہیں سب پر ایمان لانے کی دعوت ہے کیونکہ ان سب کا ماننا ہی ایمان ہے۔ ساتواں اعتراض: قرآن کریم نے تو گزشتہ کتابوں کو منسوخ کر دیا مگر یہاں فرمایا گیا کہ ان کی تصدیق کی یہ کلام کیونکہ صحیح ہوا۔ جواب: تصدیق نسخ کے خلاف نہیں ہر مسلمان تمام آسمانی کتابوں کو سچا جانتا ہے یہ ہے تصدیق مگر انکے احکام پر عمل نہیں کرتا کیونکہ وہ احکام ناقابل عمل ہیں یہ ہیں نسخ کے معنی۔ آٹھواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ قرآن اسکی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے ساتھ ہیں یہ کیوں نہیں فرمایا کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق کرتا ہے وہ مختصر بھی تھا اور واضح بھی۔ جواب: اسلئے کہ قرآن کریم نے گزشتہ کتابوں انبیاء کرام انکے معجزات وغیرہ تمام چیزوں کی تصدیق کی ہے اگر کتاب کہہ دیا جاتا تو یہ سب چیزیں شامل نہ ہوتیں۔ نواں اعتراض: رب نے فرمایا کہ قرآن تمہاری ساتھ والی چیزوں کی تصدیق کرتا ہے انکے پاس تحریف شدہ کتاب تھی قرآن نے اسکی تصدیق نہیں کی اور جس کتاب کی تصدیق کی ہے وہ انکے پاس تھی ہی نہیں۔ جواب: اس موجودہ توریت میں بھی بہت سی اصلی آیتیں موجود تھیں جنکی قرآن پاک تصدیق کرتا ہے اس واسطے یہاں **لجمیع ما معکم** نہ فرمایا گیا بعض آیتوں کی تصدیق سے بھی کتاب کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ دسواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا بھی اب بھی عذاب الٰہی آسکتے ہیں مگر قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا گیا **ما کان اللہ لیعذبہم وانت فیہم** اللہ تعالیٰ تمہارے ہوتے ہوئے انہیں عذاب نہ دیگا ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: یہاں مذکورہ عذاب دینے سے مراد یا قیامت میں عذاب دینا ہے یا قیامت کے قریب اور اگر فی الحال عذاب دینا مراد ہو تو بھی یہ خصوصی عذاب ہیں جو خاص خاص مجرم انسانوں پر آسکتے ہیں۔ حضور کی تشریف آوری سے دنیاوی عام عذابوں کا آنا بند ہو گیا جیسے پچھلی امتوں پر عذاب آتے تھے جن سے امتیں برباد کر دی جاتی تھیں اس آیت میں عام عذاب کی نفی ہے اور یہاں خاص عذاب کا ثبوت' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخر زمانے میں میری امت کے قدریوں پر خسف و مسخ کے عذاب آئیں گے یعنی انکی صورتیں بگڑیں گی اور وہ دھنسائے جائیں گے۔ گیارہواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ منکرین بنی اسرائیل پر یہ مذکورہ عذاب ضرور آئیں گے یہ اللہ کا ارادہ ہے یہ ٹل نہیں سکتا مگر عذاب نہ آیا تو یہ آیت کیونکر صحیح ہوئی۔ جواب: تفسیر خازن و روح المعانی و کبیر وغیرہ میں اسکا جواب یہ دیا ہے کہ یہ عذاب آنے کی خبر اس شرط پر تھی کہ ان میں سے کوئی ایمان نہ لاتا چونکہ بہت علمائے یہود ایمان لے آئے لہٰذا عذاب بھی نہ آیا اور اگر اس سے قیامت یا قریب قیامت کا عذاب مراد ہو تو کوئی اعتراض ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: نبوت نبی قطعی چیز ہے جس پر ایمان۔ ضروری ہے اور ولایت ولی ظنی چیز ہے جو رکن ایمان نہیں عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کفر ہے مگر حضور غوث پاک کی ولایت کا انکار کفر نہیں لہٰذا ثبوت ولایت کیلئے ایمان' تقویٰ' خلوق کا اسے ولی کہنا کافی ہے رب نے فرمایا **لہم البشری** مگر ثبوت نبوت کیلئے یا معجزہ ضروری ہے یا تصدیق دوسرے نبی کی دیکھو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت انکے معجزات سے ثابت ہوئی اور حضرت ہارون کی نبوت موسیٰ علیہ السلام کے فرمان سے آج حضور کی نبوت کا ثبوت صدہا معجزات سے ہے۔ ذکر کثیر' محبوبیت عامہ' قرآن مجید' کرامات اولیاء اسلام' حضور کی غیبی خبروں کا ظہور حضور کے معجزات ہیں مگر دوسرے نبیوں کا کوئی معجزہ موجود نہیں اب انکی نبوت کا ثبوت صرف حضور کی تصدیق اور قرآن مجید کی تائید سے ہے اگر آج قرآن کی حقانیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا انکار کر دیا جائے تو ان نبیوں کے ماننے کا کوئی ذریعہ باقی

نہیں رہتا کیونکہ ان دینوں سے ولایت ختم کر دی گئی ہے وہ تمام دین سوکھا درخت ہیں۔ جس میں ولایت کے پھل نہیں لگتے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آسمانی کتابیں اللہ کی رحمت ہیں۔ خصوصاً قرآن مجید تو اللہ کی بڑی رحمت ہے مگر لوگ اس سے فائدہ اٹھانے والے تھوڑے ہی ہیں جو اسکی تصدیق کریں اور اسکی مانیں وہ دنیا و آخرت میں اللہ کی رحمت میں ہیں مگر جو اس کا انکار کریں مذاق اڑائیں ان کیلئے یہی کتابیں باعث عذاب ہیں مگر اس میں ان منکرین کا اپنا قصور ہے نہ کہ کتاب الٰہی کا بارش اور سورج اللہ کی رحمتیں ہیں مگر بعض درختوں کیلئے بارش اور چمگادڑ کیلئے سورج مصیبت ہیں اس میں بارش اور سورج کا قصور نہیں بلکہ انکی اپنی فطرت کا قصور ہے یہ مت سمجھو کہ اس آیت میں صرف اہل کتاب سے خطاب ہے ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں یا عذاب الٰہی پہلے آتے تھے اب ہم کچھ بھی کریں ہم سے کچھ نہ کہا جائے گا غلط ہے اب بھی عذاب الٰہی آسکتے ہیں چنانچہ تفسیر روح البیان نے حضرت ابو علقمہ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ہم ایک قافلے میں تھے امیر قافلہ اٹھتے بیٹھتے حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کو گالیاں دیتا تھا۔ ایک دن ہم نے دیکھا کہ اسکے پاؤں سور کے سے ہو گئے۔ اس نے تین چیخیں ماریں۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے وہ مجسم سور ہو گیا۔ اسی روح البیان میں اسی جگہ ہے کہ ایک محدث نے یہ حدیث دیکھی کہ جو مقتدی اپنے امام سے پہلے سر اٹھالے یا سجدے میں رکھ لے وہ کیوں نہیں ڈرتا کہ اللہ اسکا سر گدھے کا سر کر دے اس محدث نے اس حدیث کا انکار کر دیا اور آزمائش کیلئے نماز میں امام سے پہلے اٹھنے بیٹھنے لگا کچھ روز کے بعد دیکھا گیا کہ اسکی صورت گدھے کی سی ہوئی صوفیاء فرماتے ہیں کہ مسخ صورت سے مسخ سیرت زیادہ سخت ہے آنکھ کے اندھے سے دل کا اندھا بدتر ہے۔ کتاب اللہ میں تردد کرنے سے مسخ سیرت کا اکثر ہو جاتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

خفتگان راچہ خبر زمزمہ مرغ سحر   زانکہ حیواں راخبر از عالم انسانی نیست

(تفسیر روح البیان)

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ
بے شک اللہ نہیں بخشے گا یہ کہ مشرک کیا جائے ساتھ اس کے اور بخشے گا کم اس سے جس کے لئے چاہے اور جو
بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جاوے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف
يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى إِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾
شرک کرتا ہے ساتھ اللہ کے بس بے شک گھڑ لیا اس نے گناہ بڑا
کر دیتا ہے اور جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑے گناہ کا طوفان اٹھایا۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں کفر پر دنیاوی عذاب کا ذکر تھا صورتیں بگڑ جانا وغیرہ اب کفر پر اخروی عذاب کا ذکر ہے یعنی بخشش نہ ہونا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کی ان گستاخیوں کا ذکر تھا جو وہ بارگاہ رسالت میں کیا کرتے تھے راعنا وغیرہ کہنا اب اس آیت میں مذکورہ گستاخیوں پر فرد جرم عائد کی جارہی ہے کہ انکی یہ

حرکتیں معمولی گناہ نہیں بلکہ کفرو شرک ہیں اور کفر شرک نا قابل بخشش جرم ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اہل کتاب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان پر ایمان لائے بغیر تم سب مشرک و کافر ہی ہو اگرچہ ساری کتابوں اور نبیوں پر ایمان رکھو اب مدار ایمان قرآن صاحب قرآن کو ماننا ہے۔

شان نزول: (1) ابن منذر نے حضرت ابی مجلذ سے روایت کی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی **قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر قیام فرما کر اس آیت کا اعلان کیا ایک شخص کھڑا ہو کر بولا کہ یا رسول اللہ کیا شرک بھی قابل بخشش ہے اور کیا مشرک بھی بخشا جائیگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر روح المعانی) سبحان اللہ کیسا پاکیزہ سوال ہے اس آیت کریمہ کا مطلب یہ تھا کہ اے میرے وہ بندو جنوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اللہ تعالٰی سارے گناہ بخش دیگا سائل سمجھا کہ مشرک اور کافر بھی اپنی جان پر زیادتی کرتے ہیں وہ بھی قابل بخشش ہونے چاہئیں اس آیت کریمہ نے نازل ہو کر بتا دیا کہ وہاں عبادی سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بندے و غلام ہیں یعنی مومنین۔ اللہ کے بندے تو سب ہی ہیں مگر بخشش کے قابل وہ ہے جو جناب مصطفٰی کا بندہ و غلام ہو۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

خدا کے بندے تو ہیں کروڑوں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اسکا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

(2) جنگ احد میں وحشی نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا مکہ معظمہ پہنچ کر انہیں اور انکے ساتھیوں کو سخت ندامت اور شرمندگی ہوئی ان سب لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک خط لکھا جس میں عرض کیا کہ ہم اسلام تو لے آئیں مگر ہم لوگ آپکے منہ سے قیام مکہ مکرمہ کے زمانے میں یہ آیت سنا کرتے تھے **والذین لا یدعون مع اللہ الٰھا اخر** ہم لوگوں نے تو غیر خدا کی پوجا بھی کی ہے۔ بے گناہ مسلمانوں کو قتل بھی کیا زنا بھی کیا پھر ہماری بخشش کیسے ہوگی اور اگر بخشش نہ ہو تو ہمارے ایمان لانے سے کیا فائدہ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی **الا من تاب و امن و عمل عملا صالحا** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت انکے پاس لکھ بھیجی جسکے جواب میں ان لوگوں نے پھر عریضہ لکھا کہ اس آیت میں بخشش کیلئے نیک اعمال کی قید لگائی گئی ہے ممکن ہے کہ ہم سے یہ نہ ہو سکے تب یہ آیت کریمہ اتری جس میں فرمایا گیا **ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء** کہ اللہ شرک و کفر نہ بخشے گا اسکے سوا جسے چاہے بخش دیگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو یہ آیت لکھ بھیجی انہوں نے پھر جواب میں عریضہ لکھا کہ اس آیت میں بھی ہماری بخشش یقینی نہیں نہ معلوم اللہ تعالٰی ہماری مغفرت چاہے یا نہ چاہے تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی **قل یا عبادی الذین اسرفوا** الخ (تفسیر کبیر و خازن و روح البیان وغیرہ) تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وحشی ایمان نہ لائے مگر فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کے متعلق اعلان فرمایا کہ وہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں جن میں حضرت وحشی بھی تھے یہ موقع پا کر حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے مسلمان ہو گئے خون معاف ہو گیا مگر حضور نے فرمایا کہ تم ہمارے سامنے نہ آنا تمہیں دیکھ کر ہمیں مظلوم چچا حمزہ یاد آجاتے ہیں چنانچہ یہ ملک شام چلے گئے اور آخر تک وہاں ہی رہے اللہ نے انہیں توفیق دی کہ زمانہ صدیقی میں جنگ یمامہ کے موقعہ پر مسیلمہ کذاب مردود کو

انہوں نے ہی قتل کیا اور خوش ہو کر کہتے تھے کہ انشاء اللہ میں نے قتل حمزہ کا کفارہ ادا کر دیا کل قیامت میں اگر خون حمزہ میرے گناہوں کے پلڑے میں ہوا تو انشاء اللہ خون مسیلمہ میری نیکیوں کے پلے میں ہوگا۔ سبحان اللہ رب کی بے نیازی ہے۔ جس سے جو چاہے خدمت لے لے اب اسکے متعلق کہتے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ بی بی ہندہ زوجہ ابو سفیان نے جنگ احد میں حضرت امیر حمزہ کا کلیجہ اور آنکھیں نکال کر دانتوں سے چبائیں تو ان ہی ہندہ نے زمانہ فاروقی میں جنگ قادسیہ و یرموک کے موقعہ پر اسکا ایسا شاندار کفارہ ادا کیا کہ سبحان اللہ اس موقعہ پر یہ روتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں کہ میں اس جہاد میں اپنے دامن سے جناب حمزہ کے خون کے دھبے دھو رہی ہوں۔

تفسیر: ان اللہ لا یغفر چونکہ مشرکین اور اہل کتاب اپنے شرک و کفر کو بخشش کا ذریعہ سمجھتے تھے اور مسلمانوں کو بھی دھوکا ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ غفار ہے شاید دوسرے گناہوں کی طرح شرک کفر بھی بخش دے اسلئے اس مضمون کو ان سے شروع فرمایا گیا غفر کے معنی چھپانا ہیں مگر یہاں مٹانا مراد ہے کیونکہ مٹ کر بھی چیز چھپ جاتی ہے اور اسکا تعلق آخرت سے ہے یعنی جو کافر بغیر ایمان لائے مرگیا تو اسکا کفر و شرک نہ بخشا جائیگا اگر وہ دنیا میں مسلمان ہو جائے تو کافر رہا ہی نہیں مومن ہو گیا اسکے نہ بخشنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان یشرک بہٖ لا یغفر کا مفعول بہ ہے ان مصدریہ کی وجہ سے یشرک شرک مصدر کے معنی میں ہو گیا بہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے شرک کے لغوی معنی ہیں حصہ و ساجھا شریک بمعنی حصے دار و ساجھی رب فرماتا ہے ام لھم شرک فی السموٰت شریعت میں کسی کو اللہ کی برابر اور اسکی مثل سمجھنا شرک ہے خواہ کسی کو خدا کی طرح مستقل خالق و مالک مانے جیسے مجوسی دو مستقل خدا مانتے ہیں۔ اہرمن اور یزدان یا کسی کو خدا کی اولاد مانے جیسے مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے اور یہودی عزیر علیہ السلام کو عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں کہ اولاد باپ کی مثل ہوتی ہے خواہ کسی کو خدا کا بندہ ہی مانے مگر خدا تعالیٰ کو اس بندے کا حاجتمند سمجھے جیسے مشرکین عرب اپنے بتوں کو خدا کا بندہ سمجھتے ہوئے کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آسمان زمین بنا کر تھک گیا اب وہ دنیا کا انتظام اکیلا نہیں کر سکتا یہ کام ہمارے بت کر رہے ہیں ان لوگوں کی تردید کیلئے یہ آیات اتریں۔ ولم یکن لہ کفوا احد اللہ کا کوئی مثل اور برابر نہیں ولم یکن لہ ولی من الذل اللہ نے کسی کو کمزوری کی وجہ سے ولی نہ بنایا ہے وما مسنا من لغوب ہم آسمان زمین بنا کر تھک نہ گئے خواہ اسطرح کہ کسی کو خدا کے مقابل لائق اطاعت سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کی نہ مانے اسکی مانے رب فرماتا ہے اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ اہل کتاب نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے مقابل رب بنالیا اور فرماتا ہے اتخذ الٰھہ ھوٰہ ان چار پانچ چیزوں کے سوا اور کوئی چیز شرک نہیں آج کل شرک گاجر مولی سے بھی زیادہ سستا کر دیا گیا کہ بات بات پر مسلمانوں کو بے دھڑک مشرک کہہ دیا جاتا ہے۔ خدائے پاک سمجھ دے۔ خیال رہے کہ اسلام میں شرک و کفر سخت سے سخت جرم ہے جو ناقابل معافی ہے اور سخت جرم کا ثبوت بہت قوی دلائل سے ہوتا ہے معمولی شبہ پر ملزم کو شبہ کا فائدہ دیدیا جاتا ہے تانگہ والوں کا چالان دس منٹ میں معمولی گواہی سے کر دیا جاتا ہے مگر قتل کا مقدمہ کئی سال چلتا ہے بڑی تحقیق کے بعد اسے پھانسی دی جاتی ہے اسلام میں ہر جرم دو گواہوں سے ثابت ہو جاتا ہے مگر زنا چار گواہوں سے ثابت ہوتا ہے تعجب ہے کہ شرک جرم تو سخت مگر آج وہ گاجر مولی کی طرح سستا کہ یارسول اللہ کہو مشرک، درود تاج پڑھو مشرک، علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے کلام میں ننانوے وجہ

کفر کی ہوں ایک احتمال اسلام کا ہو تو اسے شک کا فائدہ دیتے ہوئے کافر نہ کہو لیکن کبھی شرک بمعنی کفر بھی آتا ہے یعنی کسی اسلامی عقیدے کا انکار یہاں مشرک اس معنی میں ہے دیکھو روح المعانی اور روح البیان وغیرہ لہذا حضور کا گستاخ نماز روزے کا منکر مشرک بمعنی کافر ہے اور کسی کفر کی قیامت میں بخشش نہیں۔ رب فرماتا ہے **ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا** مشرکوں یعنی کافروں سے مومنہ عورتوں کا نکاح نہ کرو یہ بات بہت خیال میں رکھو **ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء** یہ جملہ لا یغفر پر معطوف ہے اور ان کی خبر۔ **یغفر** سے مراد بغیر توبہ کئے ہوئے بخش دینا ہے ما سے مراد گناہ ہے دون کے معنی سوا، مقابل، علیحدہ، دور اور نیچے ہیں یہاں آخری معنی میں ہے یعنی کفر و شرک سے کم۔ ذلک سے شرک کی طرف اشارہ ہے من سے مراد سارے گناہگار جن و انس ہیں یشاء کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے یہاں مشیت سے مراد مہربانی و کرم نوازی کی مشیت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کفر کے نیچے تمام گناہوں کو بخش دیگا جس کیلئے چاہے۔ **ومن یشرک باللہ** یہ نیا جملہ ہے من سے مراد تمام جن و انس کفار ہیں کیونکہ ان دو جماعتوں کے سوا کوئی مخلوق شرک و کفر نہیں کرتی یہاں بھی شرک سے مراد کفر ہی ہے جیسا کہ گزشتہ سے معلوم ہوا اور شرک میں ہر قسم کے کفر داخل ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہاں شرک سے مراد ظاہری معنی یعنی شرک ہی ہو اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا ترجمہ دوسرے معنی کی طرف اشارہ کر رہا ہے یعنی جو کوئی بھی اللہ کا انکار کرے یا کسی کو اسکا شریک و مثل مانے **فقد افتری اثما عظیما** یہ جملہ من یشرک کی خبر بمعنی جزا ہے افتری فری سے بنا جسکے لغوی معنی ہیں کاٹنا چونکہ عمدہ چیز کٹ کر بگڑ جاتی ہے اسلئے اب یہ معنی و فساد استعمال ہونے لگا قرآن کریم میں یہ لفظ جھوٹ گھڑنا، شرک، ظلم، گناہ کا ارتکاب سب ہی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں جھوٹ گھڑنے کے معنی میں ہے یا بڑے گناہ کے ارتکاب کے معنی میں آیا ہے اثم عظیم سے مراد ہے دل کا گناہ چونکہ دل جسم سے اعلیٰ اور بڑا ہے لہذا بد عقیدگی بد عملی سے بد ترین گناہ ہے یعنی اس نے بڑا ہی گناہ گھڑ لیا۔

لطیفہ: اس جگہ تفسیر روح المعانی نے بحوالہ مجمع البیان ارشاد فرمایا کہ عرب میں اصلاح کیلئے کاٹنے کو فری کہتے ہیں اور بگاڑنے کیلئے کاٹنے کا افراء یا افتراء کہتے ہیں کہا جاتا ہے۔ فریت الادیم میں نے بنانے کیلئے چمڑا کاٹا اور افریت الادیم میں نے بگاڑنے کیلئے چمڑہ کاٹ ڈالا عجیب فرق ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے یہودیو تمہارا ہمارے محبوب کی بارگاہ میں گستاخی و بے ادبی کرنا ایک ناقابل معافی گناہ ہے کیونکہ یہ کفر شرک میں داخل ہے اور اللہ کا یہ قانون ہے کہ وہ کفر نہیں بخشتا لہذا جو شخص بغیر ایمان لائے کفر پر مرجائے وہ ابد الآباد تک دوزخ میں رہیگا وہاں سے اسکے نکلنے کی کوئی سبیل نہ ہوگی اور کفر سے نیچے جو گناہ ہیں خواہ کتنے ہی بڑے ہوں اللہ جسے چاہے بخش دیگا دوسرے مقام پر رب فرماتا ہے **ان الذین کفروا وظلموا لم یکن اللہ لیغفر لھم** لہذا اگر اپنی بخشش چاہتے ہو تو ہر قسم کے کفر سے بچو جو بھی کفر کرتا ہے وہ بڑے بھاری گناہ کا طوفان باندھتا ہے لہذا اسکی سزا بھی بڑی بھاری ہوگی یعنی دائمی عذاب اور ہمیشہ کی پھٹکار ابھی موقعہ ہے تمام کفریات سے توبہ کرکے مسلمان ہو جاؤ تاکہ اللہ کی رحمت کے حقدار ہو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: حضور کا بے ادب مشرک ہے خواہ رب کو ایک ہی مانے اور توحید کا دعویٰ کرے دیکھو یہاں بے ادب و گستاخ یہود کو مشرک کہا گیا اور انکے عمل کو شرک قرار دیا گیا یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اگر یہاں شرک سے مراد کفر نہ ہو تو لازم آئیگا کہ سارے کافر قابل بخشش ہوں صرف مشرک ہی نہ بخشا جائے حالانکہ یہ غلط ہے

نیز پھر اس آیت کا تعلق گزشتہ سے نہ رہے گا (تفسیر کبیر) اس آیت سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو شیطانی توحید کے نشے میں حضور کی توہین کرتے ہیں۔ ان بد نصیبوں کے ہاں توہین رسول توحید کا رکن اعلیٰ ہے خدا سمجھ دے۔ **دوسرا فائدہ:** جو کفر پر مرجائے اسکی بخشش ناممکن ہے اسی لئے کسی کافر کو مرحوم یا علیہ الرحمۃ کہنا حرام ہے۔ **تیسرا فائدہ:** جسکا خاتمہ ایمان پر ہو جائے اگرچہ کتنا بڑا گنہگار ہو آخر کار بخشا جائیگا۔ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیگا خواہ سزا کے بعد بخشا جائے یا بغیر سزا پائے جیسا کہ **ویغفر ما دون ذلک** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** کفر کے سوا ہر گناہ قابل بخشش ہے چھوٹا ہو یا بڑا حق العبد ہو یا حق اللہ مگر بخشش کی نوعیتوں میں فرق ہے حقوق العبد بندے سے معاف کرا دیئے جائینگے باقی کچھ شفاعت سے کچھ دوزخ میں عارضی طور پر داخل کر کے۔ **پانچواں فائدہ:** شرک و کفر اکبرا لکبائر ہے یعنی تمام گناہوں سے بڑا گناہ جیسا کہ اثما عظیما سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** حضرت وحشی 'ابو سفیان' بی بی ہندہ وغیرہم نے اگرچہ زمانہ کفر میں مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچائے لیکن انہیں برائی سے یاد نہ کیا جائے کیونکہ یہ سب حضرات بعد میں ایمان لے آئے رب تعالیٰ نے انکے سب گناہ معاف فرما دیئے وہ لوگ مغفور ہیں دیکھو اس آیت میں حضرت وحشی سے کیسا شاندار مغفرت کا وعدہ فرمایا دوستو انکی فکر نہ کرو اپنی فکر کرو۔ **ساتواں فائدہ:** گناہ کبیرہ بغیر توبہ بھی معاف ہو سکتا ہے جیسا کہ و۔غفر سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** کافر سب سے بڑا جھوٹا ہے کیونکہ قولی عملی اعتقادی جھوٹوں میں اعتقادی جھوٹ سب سے بد تر ہے جیسا کہ اثما عظیما سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ گنہگار مومن کی بخشش اللہ کے چاہنے پر موقوف ہے کہ چاہے بخشے چاہے نہ بخشے مگر حضرت ابوذر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کوئی ایمان پر مرے اسکا رب تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے بخش دے اگرچہ وہ زانی ہو یا چور ہو اس آیت اور اس حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب:** مغفرت کے دو معنی ہیں معافی اور رہائی۔ آیت کریمہ میں معافی کو ارادہ الٰہی پر موقوف کیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں رہائی کا ذکر ہے یعنی گنہگار مومن کی دوزخ سے رہائی ضروری ہے وہاں اسکو ہمیشگی نہیں مگر بالکل معاف فرمادینا یہ یقینی نہیں چاہے گا تو معاف فرمادیگا۔ **دوسرا اعتراض:** جب کفرو شرک قابل بخشش ہی نہیں تو مسلمان کافروں کو دعوت اسلام کیوں دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اسلام نجات دینے والا دین نہیں (عیسائی) **جواب:** اسکا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو کفر پر مرجائے اسکی بخشش نہیں اسلام سے پہلے عرب میں قریباً سارے ہی لوگ مشرک یا کافر تھے وہی حضرات مسلمان ہو کر کیسے شاندار بنے دوسری آیت میں ارشاد ہوا **الا من تاب وامن وعمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات** جو ایمان لے آئے توبہ کرے اور نیک اعمال کرے اللہ تعالیٰ انکی برائیوں کو بھلائیاں بنادیگا۔ **تیسرا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب مشرک ہیں مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے **ان الذین کفروا من اھل الکتب والمشرکین** وہاں مشرکین کو اہل کتاب پر معطوف کیا گیا معلوم ہوا کہ اہل کتاب مشرک نہیں تمہاری تفسیر اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** ہم نے یہ نہیں کہا تھا کہ قرآن کریم میں مشرک بمعنی کفر ہی ہوتا ہے اور نہ یہ کہا کہ ہمیشہ مشرکین میں اہل کتاب داخل ہوتے ہیں بلکہ یہ کہا تھا کہ شرک بمعنی کفر بھی آتا ہے اس صورت میں اہل کتاب مشرکین میں داخل ہوں گے یہ اور اصطلاح ہے وہ دوسری اصطلاح جیسے صلوۃ قرآن شریف میں بمعنی نماز بھی ہے اور بمعنی دعا بھی۔ **چوتھا اعتراض:** اللہ کی صفتیں کسی بندے میں ماننا یہ شرک ہے علم

غیب حاضر ناظر ہونا دور سے سن لینا' دیکھ لینا' دور سے کسی کی فریاد رسی کرنا یہ سب خدا کی صفتیں ہیں جو کوئی کسی نبی یا پیر میں یہ صفتیں مانے وہ مشرک ہے اگرچہ کلمہ پڑھتا ہو مشرکین مکہ اپنے بتوں کو خدا یا خدا کے برابر نہ سمجھتے تھے بلکہ انہیں غیب دان' حاضر ناظر' حاجت روا مشکل کشا جانتے تھے اسلئے مشرک تھے لہٰذا اس زمانے کے پیرپرست' قبر پرست مشرک ہیں (مرزائی' دیوبندی' مودودی) **جواب:** اسکے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو کسی کو زندہ یا سمیع و بصیر یا موجود ماننا بھی شرک ہونا چاہئے کہ حیات و سمع بصر وغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ جناب یہ تمام مذکورہ صفتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بعضے بندوں کو بخشی ہیں جو قرآن شریف سے ثابت ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاکر بچاکر آتے ہو میں تمہیں بتا سکتا ہوں یہ ہے جناب مسیح کا علم غیب اور فرماتے ہیں کہ میں باذن الٰہی مردوں کو زندہ' کوڑھوں' اندھوں کو اچھا کر سکتا ہوں۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا کہ میری قمیض لے جاؤ والد صاحب کے چہرے پر ڈال دو انکی گئی ہوئی آنکھیں روشن ہو جائیں گی یہ ہے حضرات انبیاء کرام کی مشکل کشائی و حاجت روائی قرآن کریم شیطان کے بارے میں فرماتا ہے **انه یرلکم هو و قبیله من حیث لا ترونهم** شیطان اور اسکا قبیلہ تم سب کو وہاں سے دیکھ رہا ہے جہاں سے تم اسے نہیں دیکھتے یہ ہے شیطان کا حاضر ناظر ہونا ہر مسلمان نماز کی التحیات میں حضور کو دور سے پکارتا ہے اور سلام کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے ذبح فرماکر انہیں پکارا اور کعبہ بناکر تاقیامت پیدا ہونے انسانوں کو پکارا کہ آؤ بیت اللہ کا حج کرو آج غریب امیروں کو بیمار حکیموں کو مظلوم حاکموں کو دینی مدرسے والے چندہ دینے والوں کو حاجت روا بھی سمجھتے ہیں مشکل کشا بھی اگر شرک کے یہ معنی ہوں تو کوئی مسلمان شرک سے نہ بچے گا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ الوہیت کلمدار غنی اور بے نیازی پر ہے بندہ وہ جو نیاز مند ہو رب وہ جو غنی ہے فرماتا ہے اللہ الصمد اور فرماتا ہے ان اللہ غنی عن العالمین یہ تمام صفتیں علم غیب' حاضر ناظر مشکل کشائی وغیرہ ذاتی طور پر خدا کی صفتیں ہیں کہ وہ ان صفات میں کسی کا حاجتمند نہیں اور عطائی طور پر بندوں کی صفتیں ہیں کہ بندے ان صفات میں رب کے حاجتمند ہیں تمام دیگر صفات سمع' بصر' حیات وغیرہ کا یہی حال ہے مشرکین عرب کا شرک یہ تھا کہ وہ اپنے معبودوں کو رب کی طرح خالق و مالک مانتے تھے بعض اپنے معبودوں کو رب تعالیٰ کا بیٹا بیٹی مانتے تھے بعض اپنے معبودوں کا رب کو حاجتمند سمجھتے تھے غرضیکہ برابری کا اعتقاد رکھتے تھے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **اذ نسویکم برب العلمین** پانچواں اعتراض: اس وقت مسلمانوں پر پیر پرستی علماء پرستی کا شرک بہت پھیل رہا ہے عام مرید اپنے پیروں اور سجادہ نشینوں کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ حق ہے کتاب اللہ کو نہیں دیکھتے اپنے پیروں کی دعاؤں پر اعتقاد بھی شرک کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔ ہر گروہ اپنے پیر کے متعلق اعتقاد رکھتا ہے کہ اسکی دعا سے ہماری مصیبت ٹل جاتی ہے اس شرک میں اور بت کی عبادت میں بہت کم فرق ہے (تفسیر بیان القرآن مصنفہ محمد علی لاہوری مرزائی) نوٹ: ضرور معلوم ہوتا ہے کہ محمد علی مرزائی صاحب دیوبند کے اسٹیج سے بول رہے ہیں اس شرک و بدعت کی بیماری میں دیوبندی اور مرزائی برابر کے شریک ہیں۔ **جواب:** معاذ اللہ کوئی مرید اپنے پیر کی باتوں کو شریعت کے مقابلے میں حق نہیں سمجھتا عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ لوگ خلاف شرع پیروں کی بیعت توڑ دیتے ہیں یہ مسلمانوں پر بہتان ہے اور جو بھنگی چرسی شرابی داڑھی منڈے جعلی پیروں کے ان بد اعمال کو حق سمجھیں اور احکام اسلامیہ کو غلط سمجھیں وہ یقیناً اسلام سے خارج ہیں یہ شرف تو معترضین کو حاصل ہے کہ مرزا جی کی بد سے بد تر بات کو قرآن حدیث کے مقابلے میں برحق جانتے ہیں مرزا جی کی تعلیم دیکھو اور قرآن کی تعلیم سے اسکا

مقابلہ کرو پتہ لگے گا کہ پورا تناقض ہے مگر مرزا صاحب پر ان بزرگوں کا پورا اعتقاد ہے یہی حال دوسروں کا ہے۔ بیشک مقبول بندوں کی دعاؤں سے مصیبتیں ٹل جاتی ہیں قسمتیں بدل جاتی ہیں آدم علیہ السلام کی دعا سے داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے ساٹھ سال کے سو برس ہو گئی (حدیث) موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے سامری کا جسم وبال بن گیا۔ ذکریا علیہ السلام کی دعا سے انکی بوڑھی بانجھ بیوی کو اولاد ملی وغیرہ وغیرہ آج کل لوگوں نے مسلمانوں کو مشرک بنانے کے شوق میں شرک نہایت ہی معمولی چیز بنا دیا ہے۔ اسلام میں شرک کی صرف تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ عالم کے مستقل خالق و مالک دو مانے جائیں جیسے مجوسی خالق خیر اور خالق شر دو مستقل خالق مانتے ہیں اسے شرک فی الذات سمجھ لو دوسرے یہ کہ بعض بندوں کا خدا سے وہ رشتہ مانا جائے جو ہم جنسیت چاہتا ہے جیسے بیٹا ہونا' زوجہ ہونا' بھائی بھتیجہ بھانجا ہو نا وغیرہ اس شرک میں یہودی عیسائی اور عام مشرکین عرب مبتلا تھے کہ یہود و نصاریٰ حضرت عزیر و عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے اور مشرکین عرب فرشتوں ستاروں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اسے شرک فی الصفات سمجھ لو۔ تیسرے یہ کہ اللہ کے بعض بندوں کو رب تعالیٰ کا معاون و مددگار مانا جائے کہ رب تعالیٰ انکے بغیر کام چلا سکتا ہی نہیں جیسے بعض مشرکین عرب اپنے بتوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے اسے شرک فی الافعال سمجھ لو۔ ان تین قسموں کے سوا اور کوئی چیز شرک کی نہیں۔ بندے کو رب کا مخلوق' مملوک' محبوب' مرزوق ماننا حق ہے کہ یہ رشتے ہم جنسیت نہیں چاہتے مگر کسی کو رب کا بیٹا بیوی بھائی۔ بھتیجا ماننا شرک ہے ہم جانوروں کے مالک' مربی' محب ہو سکتے ہیں مگر انکے بھائی بیٹے بچا نہیں ہو سکتے کسی بندے کو ابن اللہ مان کر مختار' عالم غیب ماننا شرک ہے اور کسی کو حبیب اللہ مان کر مختار مالک عالم غیب ماننا شرک نہیں۔ چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفر کے علاوہ سارے گناہ بغیر توبہ بھی معاف ہو سکتے ہیں مگر حدیث سے معلوم ہوتا ہے حقوق العباد قرض وغیرہ توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے حدیث و قرآن میں تعارض ہے۔ جواب: گناہ اور ہے اور حق کچھ اور واقعی بندے کا حق بغیر ادا کئے معاف نہیں ہوتا کسی کا قرض مار لو سوچ کر لو ہزار بار توبہ کر لو قرض معاف نہ ہو گا وہ تو ادا کرنا ہی پڑے گا ہاں گناہوں کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ جب رحم فرمائے گا تو قیامت میں اصل حقوق سے معافی دلوا دیگا لہذا آیت بالکل ظاہر ہے۔

تفسیر صوفیانہ: شرک کے تین مرتبے ہیں انکے مقابل مغفرت کے بھی تین درجے۔ شرک جلی یعنی بت پرستی یہ عوام کا شرک ہے اسکی مغفرت صرف توحید اور اظہار عبودیت سے ہو سکتی ہے۔ شرک خفی جیسے ریاکاری کیلئے عبادت کرنا اسکی مغفرت صرف اخلاص سے ہو سکتی ہے۔ اللہ واحد ہے اس واحد کو واحد ہی کیلئے واحد کے ذریعے پو جو شرک اخفی یہ خاص الخاص کا شرک ہے یعنی اپنی انانیت اور اغیار پر نظر یہ شرک صرف فنا سے معاف ہو سکتا ہے انا کو فنا کرو تاکہ بقاباللہ تعالیٰ ان شرکوں کو ان چیزوں کے بغیر معاف نہیں فرماتا جس نے ان میں سے کسی قسم کا شرک کیا اس نے بڑا بھاری جھوٹ گھڑا اپنے اور رب کے درمیان اپنی ہستی کا حجاب قائم کر لیا صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمارا سب سے بڑا گناہ ہماری ہستی ہے۔

نیستی جولانگہ اہل دل است شاہ راہ عاشقان کامل است
چوں وجود تست خوکر دی ازمیاں نور وحدت چشم دل راشد عیاں
شرک ریز نباشد اے دل در طریق ذکر توحید خدارا کن رفیق

دل والے نیستی کے میدان میں دوڑ لگاتے ہیں اگر اپنی ہستی فنا کر دو تو توحید کا نور آنکھوں سے دیکھ لو (روح البیان) کسی شخص نے

کسی بزرگ سے پوچھا کہ صوفی کون ہوتا ہے۔ جواب: دیا کہ صوفی آں باشد کہ نہ باشد و آنکہ باشد صوفی نباشد یعنی صوفی وہ ہے جو نہ ہو اور جو ہو وہ صوفی نہیں۔ عام لوگ کہتے ہیں لا معبود الا اللہ خاص کہتے ہیں لا مقصود الا اللہ عشاق کہتے ہیں لا موجود الا اللہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اچھوں کے طفیل ہم بروں کو بھی اس توحید کا مزہ چکھائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ آفتاب کے تین کام ہیں: چاند تاروں کو چھپانا' چراغوں' بجلیوں' گیسوں کو بجھانا' ذروں کو چمکانا چونکہ تاروں چراغوں میں بظاہر اپنا نور تھا وہ سورج سے یا چھپ گئے یا بجھ گئے' ذرے بے نور خاک نشین سورج سے خوشہ چین تھے وہ چمک گئے حضور کی تشریف آوری سے نبوت کا سلسلہ بند ہو گیا کہ حضرات انبیاء چاند تارے تھے جو آپکے دامن میں چھپ گئے اور والے فنا ہو گئے وہ چراغ تھے جو بجھ گئے مگر دروازہ ولایت بند نہ ہوا کہ یہ ذرہ تھے چمک گئے پھر ذروں کی چمک سورج کی نسبت سے ہے اگر سورج سے آڑ ہو جائے سب ذرے بے نور رہ جائیں دل کی چمک حضور کی نسبت سے ہے پھر سورج ذروں کے پاس نہیں آتا ذرے سورج کے پاس نہیں جاتے سورج آسمان پر ذرہ زمین پر شعاعوں کے طفیل چمکتے ہیں اولیاء اپنے مقام پر ہیں حضور اپنے مقام پر صحابہ کرام و اہل بیت عظام جو اس سورج کی نورانی کرنیں ہیں انکے ذریعے اولیاء چمک رہے ہیں اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

ذرہ بر روئے خاک افتادہ بود   آفتاب آمد و روشن نمود

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَ لَا یُظْلَمُوْنَ

کیا نہ دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جو پاکی بیان کرتے ہیں اپنی جانوں کی بلکہ اللہ پاک بخشتا ہے اسے جسے

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جو خود اپنی ستھرائی بیان کرتے ہیں بلکہ اللہ جسے چاہے ستھرا کرے اور ان پر ظلم نہ

فَتِیْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ كَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۵۰﴾

چاہے اور نہ ظلم کئے جائیں گے دھاگہ برابر دیکھو تو کیسا بہتان باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ کا اور کافی ہے یہ گناہ کھلا ہوا

ہوگا   دیکھو کیسا اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں اور یہ کافی ہے صریح گناہ

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کے مشرک ہونے کا ذکر فرمایا گیا تھا اب ان کے متکبر ہونے کا تذکرہ ہے یعنی ایک عیب کے بعد دوسرے عیب کا اظہار فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ شرک و کفر بخشش کے لائق جرم نہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ خصوصاً جب شرک پر فخر بھی ہو تو اسکی بخشش کی کوئی صورت ہی نہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ مشرک اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ جو مشرک ہو کر یہ کہے کہ میں ہی خدا کو پیارا ہوں اور میرا شرک خدا کو محبوب ہے تو وہ بڑا ہی جھوٹا ہے۔

شان نزول: کچھ یہودی اپنے چھوٹے بچوں کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور بولے یا رسول اللہ

کیا یہ بچے بھی گنہگار ہیں۔ حضور نے فرمایا نہیں تو بولے قسم اسکی جس کی قسم کھائی جاتی ہے کہ ہم بھی انہیں بچوں کی طرح بے گناہ ہیں کہ ہمارے دن کے گناہ رات آنے سے پہلے بخش دیئے جاتے ہیں اور رات کے گناہ سویرا ہونے سے پہلے بخش دیئے جاتے ہیں انکی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن کبیر روح المعانی وغیرہ) 2 ابن جریر نے امام حسین سے روایت کی کہ یہ آیت یہودیوں اور عیسائیوں کے متعلق اتری جو کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے پیارے ہیں۔ ہمارے سوا جنت میں کوئی نہیں جاسکتا ہے ہم جنت کے ہیں اور جنت ہماری انکی تردید میں یہ آیت آئی۔ (تفسیر روح المعانی)۔

تفسیر: **الم تر** ہمزہ استفہام کا ہے اور استفہام تعجب دلانے کیلئے ' تر کا مادہ رای ہے بمعنی دیکھنا یا غور کرنا اس میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے چونکہ یہ بمعنی نظر ہے اسلئے اسکے بعد الی آیا۔ **الی الذین یزکون** یہ عبارت **الم تر** کے متعلق ہے الذین سے مراد وہ یہودی ہیں جنکے متعلق یہ آیت کریمہ اتری مگر عبارت مطلق ہونے کی وجہ سے ہر جھوٹا شیخی خورہ اس میں داخل ہے۔ یزکون تزکیتہ سے بنا۔ جسکا مادہ زکوۃ ہے بمعنی پاکی تزکیہ پاک کرنا پاک سمجھنا پاک کہنا اسلئے گواہوں کی تعدیل کو تزکیہ کہا جاتا ہے۔ یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔ اپنے کو نیک اعمال کے ذریعہ پاک کرنا بہت اچھا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **قد افلح من تزکی** اور فرماتا ہے **قد افلح من زکھا** مگر اپنے کو پاک سمجھنا اور پاک کہتے پھرنا بہت برا ہے۔ انفس جمع نفس کی ہے بمعنی جان وذات یہاں بمعنی ذات ہے خیال رہے کہ اپنے کو اچھے اعمال کے ذریعے پاک کرنا اچھی چیز ہے رب فرماتا ہے **قد افلح من زکھا** اور اپنے کو پاک کہنا اگر اظہار نعمت الٰہی کیلئے ہے تو اچھا ہے اور اگر شیخی کیلئے ہے تو برا۔ یہاں یہ اخیری معنی ہی مراد ہیں یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے قرآن پڑھنے والے کیا تو نے ان شیخی خوروں کو نہ دیکھا یا ان میں غور نہ کیا جو لوگوں سے اپنی پاکی بیان کرتے ہیں اور اپنے کو پاک صاف اور بے گناہ کہتے ہیں۔ **بل اللہ یزکی من یشاء** بل حرف اضراب ہے یہ دو جملوں کے بیچ میں آتا ہے پہلے کی نفی دوسرے کا اثبات کرتا ہے یہاں پہلا جملہ پوشیدہ ہے **ھم لا یزکونھا فی الحقیقتہ** اس جملہ کی بل نے نفی کردی اللہ یزکی کا ثبوت کیا یہاں یزکی بمعنی پاک کرنا ہے من سے مراد سارے ہی جن وانس ہیں یعنی یہ لوگ اپنے کو در حقیقت پاک نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جسے چاہے پاک کرے کیونکہ پاکی دل ودماغ کی صفت ہے اور دل ودماغ اللہ کے قبضے میں ہیں وہی انہیں پاک کر سکتا ہے۔ خیال رہے کہ ظاہری پاکی کو طہارت کہتے ہیں اور باطنی پاکی کو زکوۃ انسان کافر ہو یا مسلمان ظاہرا تو پاک ہے کہ اسکا جسم بال ناخن وغیرہ سب پاک مگر باطنی پاکی صرف مومن کو ہی حاصل ہے رب فرماتا ہے **انما المشرکون نجس۔ ولا یظلمون فتیلا** واؤ عاطفہ ہے اور لا یظلمون معطوف معطوف علیہ پوشیدہ ہے یعنی **یعاقبون بتلک الفعل فتیل** ' فتل سے بنا بمعنی بٹنا اصطلاح میں بٹے ہوئے دھاگے اور انگلیوں میں سے مل کر نکالے ہوئے میل اور کھجور کی گٹھلی کے گڑھے کے دھاگے کو فتیل کہا جاتا ہے۔ اہل عرب کسی چیز کی کمی بیان کرتے وقت فتیل۔ نقیر' قطمیر وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ فتیل کھجور کی گٹھلی کا دھاگہ نقیر اسکا گڑھا یا اسکے پشت کا دانہ قطمیر اس گٹھلی کا باریک چھلکا حق یہ ہے کہ **فتیلا** ' **ولا یظلمون** کا دوسرا مفعول ہے اور ہو سکتا ہے کہ تمیز ہو یعنی یہ یہودی اپنی اس شیخی پر سزا دیئے جائیں گے اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے دھاگے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائیگا اسطرح کہ انہیں جرم سے زیادہ سزا دے دی جائے اور ہو سکتا ہے کہ اس جملے کا تعلق من یشاء سے ہو اور معنی یہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے دنیا میں پاک اور صاف کرتا ہے اور ان پر آخرت میں ظلم نہ کریگا کہ اس پاکی اور صفائی کے باوجود اسکے ثواب میں کمی کردے اور ممکن ہے کہ اسکا

تعلق الذین یزکون سے بھی ہو اور من یشاء سے بھی اور معنی یہ ہوں کہ نہ شیخی خور کفار پر ظلم کیا جائیگا کہ انہیں جرم سے زیادہ سزا دے دی جائے اور نہ پاک صاف مقبول بندوں پر کہ انکے ثواب میں کمی کر دی جائے غرضکہ اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں انظر کیف یفترون علی اللہ الکذب یہ جملہ نیا ہے اسکا مقصود ہے تعجب دلانا۔ انظر میں خطاب یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے مراد ہے آنکھ سے دیکھنا یا دل سے غور کرنا افتراء کے معنی ابھی پچھلی آیت میں بیان ہو چکے۔ علی اللہ کا تعلق یفترون سے ہے کذب اس کا مفعول یعنی اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا اے قرآن پڑھنے والے مسلمان غور تو کرو یہ کس بیباکی اور جرات و ہمت سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں اور غلط بات اسکی طرف منسوب کر رہے ہیں کہ ہیں جھوٹے اور کہتے ہیں ہم بڑے۔ ہیں اللہ کی بارگاہ میں مردود اور کہتے ہیں ہم محبوب۔ ہیں دوزخی اور کہتے ہیں ہم جنتی بلکہ کہتے ہیں کہ ہمارے سوا کوئی جنتی ہے ہی نہیں۔ ہیں گناہوں میں لتھڑے ہوئے اور کہتے ہیں اپنے کو صاف و پاک یہ سب اللہ پر بہتان ہے۔ وکفی بہ اثما مبینا یہ جملہ انتہائی تعظیم کیلئے بھی آتا ہے جیسے وکفی باللہ نصیرا اور انتہائی برائی کیلئے بھی جیسے یہاں ہے۔ کفی کا فاعل ہے ب زائدہ ہے ہ کا مرجع یہ مذکورہ شیخی و تہمت ہے اثما مبینا ہ کی تمیز ہے یعنی اگر ان شیخی خوروں کے پاس اور کوئی جرم نہ بھی ہوتا تب بھی یہی شیخی اور جھوٹ ہی انکے ہلاک کرنے کیلئے کافی گناہ تھا چہ جائیکہ یہ شرک و کفر قتل انبیاء حرام خوری کتاب اللہ کو بگاڑنا رشوت ستانی وغیرہ لاکھوں جرموں میں گرفتار ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے قرآن کے پڑھنے والے کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہ دیکھا انکے حال میں غور نہ کیا جو لوگوں سے اپنی صفائی بے گناہی پاکدامنی مقبولیت وغیرہ بیان کرتے پھرتے ہیں ان دعووں سے یہ لوگ اپنے کو پاک و صاف نہیں کر سکتے بلکہ بندوں کو پاک کرنا اللہ کا کام ہے جسے چاہے پاک کرے یا جسے چاہے لوگوں سے پاک کہلوائے کہ اسکے متعلق خود بخود لوگوں کی زبان سے نکلے کہ وہ پاک صاف ہے یہ لوگ اپنے اس شیخی و جھوٹ کے جرم پر سخت سزا دیئے جائیں گے اور اسکے ساتھ ہی ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہو گا کہ جرم سے زیادہ سزا دے دی جائے اے محبوب آپ غور تو فرماؤ کہ یہ لوگ کس ڈھٹائی اور بے باکی سے بے دھڑک اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں کہ ہیں مجرم کافر دوزخی ہماری بارگاہ سے درکارے ہوئے اور کہتے ہیں اپنے کو اللہ کا بیٹا اللہ کا پیارا جنت کا ٹھیکیدار اگرچہ ہر جھوٹ ہی برا ہے لیکن خدا پر جھوٹ باندھنا تو اتنا برا ہے کہ انسان کے جہنمی کرنے کیلئے یہی کافی ہے انکا حال تو یہ ہے کہ انکا بال بال جرموں میں گندھا ہوا ہے انہیں تو چاہئے تھا کہ آپ پر ایمان لاکر اپنے گناہوں کی معافی کراتے چہ جائیکہ آپکے سامنے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں نہ خدا سے خوف نہ اسکے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی محبوب اکبر ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی شکایت اپنے حبیب سے کرتا ہے غیروں کی شکایت اپنوں سے کی جاتی ہے۔ یہ فائدہ الم تر اور انظر کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اسکے مخاطب حضور ہیں۔ دوسرا فائدہ: کفار کے کفر اور بدکاروں کے جرموں میں غور کرنا تاکہ ان سے بچا جائے عبادت ہے اصلاح نفس کا بہترین ذریعہ یہ فائدہ الم تر اور انظر کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس میں خطاب مسلمانوں سے ہو اچھوں کی اچھائی اور بروں کی برائی میں غور کرنا بہترین مشغلہ ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اچھوں کے

تذکرے بھی کئے ہیں اور بروں کے بھی۔ چند چیزوں میں غور کرنا عبادت ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کرنا شکر کیلئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ میں غور کرنا ترقی ایمان کیلئے **ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنۃ** اپنے گناہوں میں غور کرنا توبہ کیلئے بزرگوں کی صفات میں غور کرنا انکی پیروی کرنے کیلئے کفار و بدکاروں کے عیوب میں غور کرنا ان سے بچنے کیلئے بھی۔ تیسرا فائدہ: اپنے نام کے ساتھ شاندار القاب لگانا یا لکھنا منع ہے کہ یہ بھی اپنی ستھرائی بیان کرنے میں داخل ہے اعلیٰ حضرت مولانا احمد خاں صاحب بریلوی نے کبھی اپنے نام کے ساتھ خاں نہ لکھا ہمیشہ اپنے کو احمد رضا لکھا یہ ہے اس آیت کریمہ پر عمل رب فرماتا ہے **لا تزکوا انفسکم** چوتھا فائدہ: جب اپنی سچی تعریف کرنا ہی منع ہے کہ شیخی میں داخل ہے تو جھوٹی تعریف کرنا بدترین گناہ ہو گا کہ وہ شیخی بھی ہے اور جھوٹ بھی۔ پانچواں فائدہ: کوئی شخص اپنی کوشش سے بغیر رب کے کرم کے پاک اور ستھرا نہیں ہو سکتا پاکی اسکے کرم سے نصیب ہوتی ہے یہ فائدہ یزکی من یشاء سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کے مظہر اتم ہیں۔ خدا کی صفتوں کا ظہور آپ کی ذات میں ہوتا ہے دیکھو یہاں رب نے فرمایا کہ اللہ جسے چاہے پاک کرے دوسری جگہ اپنے محبوب کے بارے میں فرماتا ہے **ویزکیھم** ہمارے حبیب انکو پاک و ستھرا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ پاکی دیتا ہے اللہ مگر ملتی حضور کے ہاتھوں اور حضور کے دروازے سے۔

تو جو چاہے تو ابھی میل میرے دل کے دھلیں ۔۔۔ کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

خدا کا پانی کنوئیں سے خدا کی شفاء ہسپتال سے خدا کا رزق کھیت یا بازار سے ملتے ہیں تو خدا کی بخشش خدا کی معرفت دلوں کی صفائی و طہارت حضور کے دروازے سے ملتی ہے حضور کا دروازہ اللہ کی ہر رحمت کا خزانہ ہے اللہ سے ملنا ہو تو حضور کے پاس جاؤ اللہ بھی وہیں ملتا ہے۔ ساتواں فائدہ: خدا تعالیٰ نہ تو کسی مجرم کو جرم سے زیادہ سزا دیگا اور نہ کسی نیک کار کو نیکی سے کم ثواب کہ ان دونوں چیزوں کو اللہ نے ظلم فرمایا اور پروردگار ظلم سے پاک ہے۔ آٹھواں فائدہ: مومنوں کو چھوٹا اور کافروں کو بڑا سمجھنا یونہی مومنوں کو ذلیل اور کافروں کو عزیز سمجھنا بدترین جرم ہے کہ یہ خدا پر جھوٹ ہے کہ رب نے کافروں کو ذلیل کہا ہے اور مومنوں کو عزت والا یہ فائدہ **یفترون علی اللہ الکذب** سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: اللہ کے محبوب بندوں کی برائی کرنا غضب الٰہی کا باعث ہے یہ فائدہ کیف سے حاصل ہوا۔ عقیدہ تو یہ ہے کہ خدا کے بعد جو درجہ ہے وہ حضور کا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وہ ہے جہاں عبدیت کے سارے درجے ختم ہیں آگے الوہیت ہی ہے حضور خالق و مخلوق رب و مربوب کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں مگر تقویۃ الایمان والا کہتا ہے کہ نبی کا درجہ صرف اتنا ہے جتنا گاؤں میں چودھری یا نمبردار کا (تقویۃ الایمان) یہ اللہ پر ایسا صریح بہتان ہے کہ یہی اسکے عذاب کیلئے کافی ہے۔ دسواں فائدہ: کسی کے متعلق لوگوں کے منہ سے خود بخود اچھی باتیں نکلنا اللہ کی خاص رحمت ہے جیسا کہ یزکی کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا یعنی اللہ جسے چاہے لوگوں کے منہ سے پاک صاف کہلواتا ہے دیکھو حضرت غوث پاک خواجہ اجمیری داتا گنج بخش علی ہجویری صدیوں سے اپنی قبروں میں سو رہے ہیں مگر دنیا انہیں ولی غوث و قطب کہہ رہی ہے یہ ہے اللہ یزکی من یشاء کی جیتی جاگتی تفسیر۔ گیارہواں فائدہ: لطف اس میں ہے کہ بندہ کہے میں گنہگار ہوں اور رب کہے تو نیک کار حضرت صدیق اکبر کہتے ہیں یا اللہ میرا کیا بنے گا میرے پاس تو کوئی نیکی ہی نہیں مگر اللہ تعالیٰ انہیں سورۃ واللیل میں فرماتا ہے اتقی اور سورہ نور میں فرماتا ہے اولوا الفضل یعنی سب سے بڑا متقی اور سب سے بڑا درجے والا یہ ہے اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور مہربانی۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنا تزکیہ برا ہے مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنا تزکیہ اچھا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **قد افلح من تزکی** آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** یہاں تزکیہ کے معنی ہیں اپنے کو پاک کہتے پھرنا اپنے کو پاک و بے عیب جاننا اور ان آیات میں تزکیہ سے مراد ہے نیک اعمال کے ذریعہ اپنے کو پاک کرنا لہذا آیات میں تعارض نہیں اپنے کو پاک کہنا شیخی ہے پاک کرنا مجاہدہ۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنی تعریف اپنے آپ نہ کرنی چاہئے مگر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنی تعریف خود کرتا ہے اسکی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** اپنی تعریف شیخی کیلئے کرنا منع ہے رب تعالیٰ کا اپنی تعریفیں فرمانا۔ ہمیں ایمان دینے کیلئے ہے اور گناہوں سے بچانے کیلئے کہ اے بندو تم ہماری یہ صفتیں مانو تو مومن بنو گے اور ہماری جباریت اور قہاریت پر نظر رکھو تو گناہوں سے بچو گے ایک حاکم رعایا سے کہتا ہے کہ میں مجرم کو جیل اور پھانسی دینے پر اختیار رکھتا ہوں یہ شیخی نہیں بلکہ مجرموں کو جرم سے روکنا اور ملکی انتظام قائم رکھنا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنی تعریف خود کرنا برا ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعریفیں خود کی ہیں کہ فرمایا ہم شفیع المجرمین ہیں ہم رحمۃ للعالمین ہیں اسی طرح حضور غوث پاک نے قصیدہ غوثیہ میں اپنے بڑے فضائل بیان فرمائے یہ تمام اس آیت کے خلاف ہے یا نہیں۔ **جواب:** خلاف ہرگز نہیں شیخی کے طور پر اپنی تعریف کرنا برا ان حضرات کا اپنی تعریف فرمانا فخراً نہیں شکراً ہے یہ عبادت ہے رب فرماتا ہے **واما بنعمۃ ربک فحدث** نیز حضور کا اپنے کو شفیع المذنبین فرمانا ہم گناہگاروں کی آس بندھانے کیلئے ہے کہ گناہگاروں مت گھبراؤ میرے پاس آؤ میں تم جیسے لاکھوں کو بخشوا لوں گا یہ آپکی تبلیغ ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنی تعریف کرنا منع ہے تو بعض علماء کو فخر الاسلام شمس الائمہ وغیرہ کیوں کہا جاتا ہے۔ **جواب:** یہ کلمات ان لوگوں نے خود اپنے لئے استعمال نہ کئے بلکہ قدرتی طور پر مسلمانوں کے منہ سے ان کیلئے نکلے یہ قوم نے خطاب دیئے ہیں یہ اللہ یزکی من یشاء کا ظہور ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ پاکی اپنی کوشش سے نہیں ملتی رب کے کرم سے ملتی ہے مگر دوسری جگہ رب فرماتا ہے **قد افلح من زکھا** کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ انسان اپنے کو پاک کر سکتا ہے۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** تعارض ہرگز نہیں یہاں پاک کرنے والے فاعل حقیقی کا ذکر ہے اور اس آیت میں پاکی کے اسباب جمع کرنے والے کا ذکر ہے رب کی بارگاہ میں جانا اسکی اطاعت کرنا بندے کا کام ہے اور پروردگار کا اسے قبول فرمالینا بخش دینا رب کا کام دریا میں جانا اور غوطہ لگانا بندے کا کام ہے مگر اسکو پاک کر دینا دریا کا کام۔ **چھٹا اعتراض:** سارے بندے اللہ کے بندے ہیں اگر وہ بلا قصور سزا دے دے تو بھی ظالم نہیں اور کسی کو نیکی کا ثواب نہ بھی دے تو بھی ظالم نہیں ظالم وہ ہے جو دوسروں کی ملکیت سے ناجائز تصرف کرے پھر قرآن کریم نے اسے ظلم کیوں فرمایا۔ **جواب:** اسکا جواب تفسیر کبیر نے ایک مقام پر یہ دیا ہے کہ یہ عمل صورت میں ظلم ہے **ساتواں اعتراض:** ان یہود نے اپنے کو نیک اور پاکباز کہا اس میں اللہ پر جھوٹ کیا باندھا رب نے اسے خدا پر جھوٹ باندھنا کیوں قرار دیا **جواب:** اسلئے کہ حضور کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر جھوٹ بولا اور اس جھوٹ کو اللہ کی کتابوں اور نبیوں کی طرف منسوب کیا مسجد میں جرم کرنا بڑا گناہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ: سامان سے صاحب مکان و صاحب دوکان کا پتہ چلتا ہے۔ پنساری کی دوکان والے کا سامان کچھ اور ہوتا ہے اور

فوٹو گرافی کی دوکان کا سامان کچھ اور یہ دل ایک مکان ہے اگر اس میں شیطان بستا ہے تو اسکا سامان تکبر، شیخی، حسد، ریا وغیرہ ہے اگر اس میں اللہ کے محبوب کا کاشانہ ہے تو انکا سامان آنکھوں کا پانی عجز و نیاز ایمان و تقویٰ و قرب الٰہی ہے علماء یہود مدعی تھے کہ ہمارا دل خانہ یار ہے مگر انکے پاس تکبر و شیخی، تبدیلی دین وغیرہ عیوب کا سامان تھا لہٰذا بطور تعجب دلانے کے فرمایا گیا الم تر، نیز ہر چیز نرم ہو کر کچھ بنتی ہے لوہا نرم ہو کر اوزار سونا نرم ہو کر زیور بنتا ہے آٹا نرم ہو کر روٹی، بسکٹ رس وغیرہ بنتا ہے۔ زمین نرم کر کے کاشت کی جاتی ہے۔ ٹھنڈا لوہا کوٹنا بیکار ہے یہ علماء یہود نرمی و گرمی سے خالی تھے پھر کہتے تھے کہ ہم سب کچھ بن گئے بغیر عشق کی بھٹی میں گئے ہوئے اور بغیر محنت کے ہتھوڑی کے کیسے بن گئے اسلئے انکے دعوے کی پر زور تردید فرمائی گئی صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ظاہر علم والے اپنے علم پر فخر کرتے ہیں۔ علماء سے جھگڑے عوام سے شیخی ان کا مشغلہ ہے ان کیلئے انکا علم خدا کا عذاب ہو گیا کہ اس علم سے جھگڑا فخر، غرور، شیخی، حسد، ریا، محبت دنیا اپنے ہم زمانہ پر فوقیت کی خواہش پیدا ہوئی اس آیت کے پہلے جز میں ان علمائے ظاہری کا ذکر ہے مگر علمائے راسخین اور مشائخ محققین وہ مقبول بندے ہیں جو نفسوں کو پاک کیا کرتے ہیں خوش نصیب ہے رب وہ جو اپنے کو اسطرح انکے سپرد کرے جیسے کھال دباغ کے ہاتھ میں اور میت غسال کے ہاتھ میں انکے متعلق رب فرماتا ہے بل اللہ یزکی من یشاء صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو پاک کرنا چاہتا ہے اسے پاکوں تک پہنچا دیتا ہے یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشین ہیں۔ شیخ سعدی نے کیا خوب کہا۔

در طریقت رہبر دانا گزیں ۔۔۔ زانکہ راہ دور است رہزن در کمین

رہبر باید عفتی سربلند! ۔۔۔ از شریعت و ز طریقت بہرہ مند

اصل و فرع جز و کل آموختہ ۔۔۔ شمع از نور نبی افروختہ!

ظاہرش از علم کسبی باخدا ۔۔۔ باطنش میراث دار مصطفیٰ

ہر کہ از دست عنایت برگرفت ۔۔۔ روز اول دامن رہبر گرفت

ہر کہ در زندان خود رائی فتاد ۔۔۔ بند اورا سالہا نتواں کشاد

اے سلیم القلب دشوار است کار ۔۔۔ تانہ پنداری کہ پندار است کار

ہمارا دل میلا آئینہ ہے نیک اعمال صاف رومال نگاہ کامل صاف کرنے والا ہاتھ ایسا تو ہو جاتا ہے کہ کوئی شخص بغیر رومال صرف ہاتھ سے آئینہ صاف کر دے مگر یہ ناممکن ہے کہ رومال بغیر کسی کا ہاتھ لگے آئینے کو صاف کر دے۔ اپنا آئینہ دل ہم خود صاف نہیں کر سکتے اس صفائی میں کسی کی نگاہ کی ضرورت ہے۔ وہ یہودی اپنے قلب کو خود صاف کرنا چاہتے تھے اسلئے مارے گئے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ وہ شخص کنوئیں سے پانی حاصل کر سکتا ہے جو خالی ڈول بھرے کنوئیں میں ڈالے اور کنواں بھی بھرا ایسا ہو کہ اسکا پانی برف ہو کر جم نہ گیا ہو وہ کنواں پانی دے سکتا ہو غرضیکہ پانی لینے کی تین شرطیں ہیں ڈول کا خالی ہونا کنوئیں کا بھرا ہونا کنوئیں کا پانی دے سکنا اسیطرح حضور سے فیض وہ لے گا جو اپنے کو خالی جانے حضور کو خزائن الٰہیہ سے بھرپور جانے اور حضور کو سخی داتا سمجھے کہ وہ دے بھی سکتے ہیں ورنہ جیسا جائیگا ویسا ہی آئیگا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ

کیا نہ دیکھا تم نے طرف ان لوگوں کے جو دیئے گئے حصہ کتاب سے کہ ایمان لاتے ہیں اوپر بت

کیا تم نے وہ نہ دیکھے جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا ایمان لاتے ہیں بت اور

وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور شیطان کے اور کہتے ہیں ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے کفر کیا کہ یہ لوگ زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان

شیطان اور کافروں کو کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں سے زیادہ راہ پر ہیں یہ ہیں جن پر

سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝ ۵۲

لوگوں سے جو ایمان لائے راستہ کے یہی وہ ہیں کہ لعنت کی ان پر اللہ نے اور وہ جو لعنت کرے اس پر اللہ تو ہرگز نہ پاؤ گے تم اس کیلئے مددگار

اللہ نے لعنت کی اور جسے خدا لعنت کرے تو ہرگز اس کا کوئی یار نہ پائے گا۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں یہود کو مشرک فرمایا گیا تھا اب اسکا ثبوت دیا جارہا ہے کہ یہ تو موقعہ پر بتوں کو سجدے بھی کر لیتے ہیں گویا پہلے دعویٰ تھا اب اسکی دلیل **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ مشرک یعنی یہودی اللہ پر بڑے بہتان باندھتے ہیں اب انکے بہتانوں کا ایک نمونہ پیش کیا جارہا ہے کہ یہ مشرکین مکہ کو مسلمانوں سے بہتر کہتے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں یہود کی شیخی اور تکبر کا ذکر تھا اب انکے نتیجہ کا تذکرہ ہے کہ یہ لوگ اس شیخی ہی کی وجہ سے سرداران مکہ سے ملے اور انکے مقابلے میں غریب مسلمانوں کو گمراہ کہا ورخت کا ذکر پہلے تھا پھل کا ذکر اب ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کے اس گناہ کا ذکر تھا جو واقع میں تو گناہ تھا مگر انکے عقیدے سے نیکی اپنے کو بے گناہ سمجھنا اور اولادنبی ہونے پر نیک اعمال کی ضرورت نہ رہنا اب انکے اس گناہ کا ذکر ہے جو انکے عقیدے میں بھی گناہ ہے یعنی بتوں کو سجدہ کرنا اور مشرکوں کو مسلمانوں سے افضل کہنا۔

شان نزول: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ سے خطرہ محسوس فرماتے ہوئے یہود مدینہ سے صلح فرمائی تھی اور ان سے معاہدہ کیا کہ ہم پر حملہ ہو جانے کی صورت میں نہ ہماری امداد کرنا نہ حملہ آور مشرکین کو مدد دینا بلکہ نیوٹرل یعنی غیر جانبدار رہنا یہود مدینہ نے حضور سے یہ پختہ عہد کر لیا تھا جنگ احد میں مشرکین مکہ کا پلڑا بھاری ہو جانے پر یہود مدینہ کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے اس معاہدے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ سے سازباز شروع کر دی۔ چنانچہ یہود کے دو بڑے عالم کعب ابن اشرف اور حیی ابن اخطب اپنے ساتھ ستر یہود مدینہ کو لے کر خفیہ طور پر مکہ معظمہ پہنچے اور ابو سفیان کے مہمان ہوئے تاکہ مشرکین مکہ کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے آمادہ کریں اور یہ طے کریں کہ بیرون مدینہ سے مسلمانوں پر تم حملہ کرو اور اندرون مدینہ سے ہم اور مسلمانوں کو ایسے پیس دو جیسے چکی میں دانہ کعب ابن اشرف ابو سفیان کے گھر ٹھہرا اور باقی یہودی دوسرے قریش کے ہاں قریش نے انکی بڑی آؤ بھگت و خاطر تواضع کی جب ان بدنصیب یہودیوں نے قریش کو مسلمانوں پر حملہ کرنے پر آمادہ کیا تو ابو سفیان بولے کہ تم اہل کتاب ہو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کتاب تم انکے قریب ہو

اور ہم سے دور رہو ہمیں تمہارا اعتبار نہیں شاید تم ہم کو دھوکہ دینے آئے ہو کہ ہم سے مسلمانوں پر حملہ کراؤ پھر تم مسلمانوں سے مل کر ہم پر ٹوٹ پڑو اگر تمہیں واقعی ہم سے حملہ کرانا ہے تو آؤ ہمارے ان دو بتوں کو سجدہ کرو تاکہ ہمیں تمہارا اعتبار ہو جائے ان دونوں نے دو بتوں کو سجدہ کر لیا پھر کعب ابن اشرف قریش مکہ سے بولا کہ آؤ ہم میں سے تیس آدمی اور تم میں سے تیس آدمی دیوار کعبہ سے لپٹ کر یہ عہد کریں کہ ہم تم دونوں متفقہ طور پر اسلام کو جڑ سے کاٹ کر رکھ دیں چنانچہ فریقین نے اس پر عمل کیا پھر ابو سفیان کعب ابن اشرف سے بولا کہ ہم تو ہیں بے پڑھے اور تو ہے اہل کتاب کا عالم بتا توریت کی رو سے ہم ہدایت پر ہیں یا محمد رسول اللہ اور انکے ساتھی کعب بولا کہ تم اپنا مذہب مجھ پر پیش کرو۔ ابو سفیان بولے ہم حاجیوں کے خدمتگار انہیں پانی پلانے والے۔ مہمان نواز قیدیوں کو آزاد کرانے والے قرابتداروں کے حقوق ادا کرنے والے بیت اللہ کے پاسبان حرم شریف کے باشندے ہیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے باپ دادوں کے دین سے پھر گئے حرم شریف کو چھوڑ گئے ہمارا دین پرانا ہے اور انکا دین نیا کعب بولا اللہ کی قسم از روئے توریت بمقابلے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تم ہدایت پر ہو اس موقعہ پر ان یہود کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی مکہ معظمہ میں یہ واقعات ہو رہے تھے اور مدینے پاک میں یہ آیت کریمہ پڑھی جا رہی تھی۔
(تفسیر خازن 'کبیر' معانی 'روح البیان وجلالین وصاوی وغیرہ)

تفسیر: **الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتب** یہ استفہام بھی تعجب دلانے کیلئے ہے اور اس میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہے اللہ تعالیٰ اس قسم کے استفہام فرما کر ان کفار کے چھپے عیب ظاہر فرماتا ہے اور ہم مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم غیبیہ ظاہر فرماتا ہے اگر یہ آیت کریمہ نہ اترتی تو حضور ان اہل کتاب کی یہ حرکت جانتے ہوئے بھی ظاہر نہ فرماتے کہ وہ ستار عیوب ہیں مسلمان خیال رکھیں کہ حضور پر ہمارے ہر ظاہر و پوشیدہ راز ظاہر ہیں۔ الذین سے وہی یہود مراد ہیں جو مکہ معظمہ اس حرکت کیلئے گئے تھے چونکہ یہ علمائے یہود تھے توریت کے جاننے والے تھے اسلئے انکے متعلق فرمایا گیا کتاب سے مراد توریت شریف ہے نصیب سے مراد یا توریت کا اصلی حصہ ہے جو تحریف سے بچا ہوا تھا یا اسکا ظاہری علم ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے ان علمائے یہود کو نہ دیکھا جنہیں اللہ کی طرف سے کتاب کا حصہ یا کتاب کا علم ملا مگر اسکے باوجود یؤمنون بالجبت والطاغوت 'یومنون ایمان سے بنا ایمان کے شرعی معنی ہیں توحید و رسالت کو ماننا و قبول کرنا یعنی لغوی ہیں ماننا یہاں ایمان لغوی معنی میں ہے یعنی ماننا اور تصدیق کرنا یہاں مراد ہے سجدہ کرنا یا عبادت کرنا کیونکہ یہ دونوں چیزیں مان لینے اور تصدیق کر لینے کی علامتیں ہیں۔ علامات کفار مسلمانوں کیلئے حرام ہیں جیسے داڑھی منڈانا دھوتی ٹوپی ہندوؤں کی سی رکھنا اور علامات کفر مسلمانوں کیلئے کفر ہیں۔ جیسے ہندوانی چوٹی زنار اور بت کو سجدہ وغیرہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جبت میں کوئی تصرف نہیں کیا گیا یہ پہلے ہی سے جبت تھا بعض فرماتے ہیں کہ یہ اصل میں جبس تھا۔ س ت ہو گئی۔ جبت ہو گیا اسکے معنی ہیں خبیث۔ رذیل جسمیں کوئی خیر نہ ہو شرارت ہی شرارت ہو طاغوت کی تحقیق تیسرے پارے میں آیۃ الکرسی کے بعد اولیاءھم الطاغوت کی تفسیر میں کر دی گئی ہے کہ یہ طغی معنی سرکشی کا مبالغہ ہے یعنی بہت سرکش اور گمراہ کرنے والے اس میں گفتگو ہے کہ یہاں جبت اور طاغوت سے کون مراد ہیں بعض نے فرمایا کہ مشرکین کے جھوٹے معبود جبت ہیں اور شیطان طاغوت۔ عبداللہ ابن عباس سے ایک روایت یہ ہے کہ بت جبت ہیں اور بتوں کی تعریف کرنے والے

طاغوت انہیں ابن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ جبت کاہن ہے اور طاغوت جادوگر۔ امام کلبی کہتے ہیں کہ یہاں جبت سے مراد حیی ابن اخطب ہے اور طاغوت کعب ابن اشرف کیونکہ یہ دونوں اپنی قوم کے گویا معبود بنے ہوئے تھے انہیں گمراہ کر رہے تھے بعض نے فرمایا کہ جبت و طاغوت یہ وہی دو بت تھے جنہیں ان دو یہودیوں نے سجدے کئے۔ بعض نے فرمایا کہ جبت بت ہے اور اس بت کا شیطان طاغوت کیونکہ ہر بت کے پاس ایک شیطان رہتا ہے (تفسیر کبیر و خازن و روح المعانی و بیان وغیرہ) تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہ دو لفظ اس کیلئے وضع کئے گئے ہیں جو انتہا درجے کا شریر اور فسادی ہو یعنی یہ بدنصیب اہل کتاب بلکہ علمائے اہل الکتاب ہونے کے باوجود بتوں کو سجدے کر لیتے ہیں محض مسلمانوں کی عداوت میں **ویقولون للذین کفروا** یہ جملہ یؤمنون پر معطوف ہے اس میں ان یہودیوں کا دوسرا عیب بیان کیا گیا ہے اسکا فاعل بھی وہی مکہ جانے والے یہودی ہیں للذین کا لام صلہ کا ہے اور کفروا سے مراد کفار قریش ہیں یعنی کفار قریش سے یہ کہتے ہیں **ھٰؤلاء اھدی من الذین اٰمنوا سبیلا** یہ عبارت یقولون کا مفعول ہے ھٰؤلاء سے اشارہ کفار مکہ کی طرف ہے اھدیٰ ہدایت کا اسم تفضیل ہے الذین اٰمنوا سے مراد مسلمانان مدینہ ہیں۔ **سبیلا** " **اھدی** کی تمیز ہے یعنی یہ کفار مکہ بمقابلے مسلمانوں کے راہ حق کی زیادہ ہدایت یافتہ ہیں مسلمان ان سے زیادہ گمراہ ہیں **اولٰئک الذین لعنھم اللہ** یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا کلام شریف ہے **اولٰئک** سے اشارہ ان ہی یہود کی طرف ہے۔ جنکے عیوب ابھی بیان ہو چکے۔ یعنی کعب ابن اشرف اور اسکے ساتھی۔ لعنت کا معنی رحمت سے دور کرنا ہے یہاں خصوصی لعنت مراد ہے کیونکہ اللہ کی عمومی لعنت تو سارے ہی کفار پر ہے۔ خصوصی لعنت یہ ہے کہ آئندہ انہیں نیک اعمال اصلاح نفس کی توفیق نہ ملے۔ چنانچہ کعب ابن اشرف وغیرہم کفر پر مرے اور بڑی ذلت و خواری سے ہلاک کئے گئے اور اب تک ان پر پھٹکار ہو رہی ہے۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے خاص پھٹکار کی ہے کہ اب یہ کبھی ایمان لا سکتے ہی نہیں اور اس لعنت کی وجہ سے یہ لوگ وہ حرکتیں کر بیٹھتے ہیں جو انکے دین میں بھی شرک و کفر ہے۔ خیال رہے کہ یہ لوگ اگرچہ اولاد انبیاء اہل علم اور مدینہ کے باشندے تھے مگر بغض رسول اور بغض صحابہ کی وجہ سے پھٹکارے گئے انکی پیغمبر زادگی ان کے کچھ کام نہ آئی اس میں تاقیامت اہل کمال کیلئے عبرت ہے **ومن یلعن اللہ فلن تجدلہ نصیرا** یہ قاعدہ کلیہ ہے یہاں بھی لعنت سے مراد خصوصی لعنت ہے لن تجد میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے نصیرا سے مراد اللہ کے وہ مقبول بندے ہیں جو دنیا اور آخرت میں روحانی امداد کریں کہ دنیا میں مشکل کشائی کر کے راہ راست پر لگائیں اور آخرت میں شفاعت کر کے رب سے بخشوا دیں انکا وجود لوگوں کیلئے خاص رحمت ہے یعنی جس پر اللہ کی ایسی پھٹکار ہو اس کیلئے آپ کوئی مددگار یعنی رہبر و شفیع دنیا و آخرت میں نہ پائیں گے وہ بے تو را بے بیڑا بے یار و مددگار ہلاک ہی ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ اس نصیر سے مراد دنیاوی و ظاہری مددگار ہی ہوں تب مطلب یہ ہوگا کہ جس پر خدا پھٹکار کر دے کوئی شخص خدا کے مقابل ہو کر اسکی مدد نہیں کر سکتا۔ چنانچہ دیکھ لو کہ ان یہود مدینہ کی مدد مشرکین مکہ اور سارے کفار عرب نہ کر سکے غزوۂ احزاب میں سب ہی کفار خائب و خاسر ہو گئے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے ان بدنصیبوں کو نہ دیکھا جنہیں کتاب الٰہی کا حصہ دیا گیا کہ وہ کتاب کے جاننے والے اور اس سے واقف تھے اسکے باوجود وہ بتوں اور شیطانوں پر ایمان لے آتے ہیں کہ انہیں سجدے کر لیتے ہیں محض مشرکین کو راضی کرنے کیلئے خوشامدانہ طور پر کہتے ہیں کہ یہ مشرک مسلمانوں سے زیادہ راہ ہدایت پر ہیں اور

مسلمان ان سے زیادہ گمراہ ہیں حالانکہ یہ چیزیں انکے عقائد اور کتاب اللہ کی تعلیم کے خلاف ہیں جنہیں وہ خود بھی جانتے ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن پر اللہ کی پھٹکار ہو انکا کوئی مددگار نہیں انہیں ایمان ملے تو کیسے اور ہدایت ملے تو کیسے وہ جو کچھ کر بیٹھیں وہ تھوڑا ہے۔ **نوٹ ضروری۔** یہود مدینہ کی اس بدعہدی اور قریش مکہ کے ساتھ سازباز کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار عرب نے بہت بڑی طاقت کے ساتھ مدینے پاک پر چڑھائی کی تیاری کر دی اور ادھر یہود مدینہ نے ان کفار کی حمایت اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کی تمام تدبیریں سوچ لیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالات سخت نازک دیکھ کر سلمان فارسی کے مشورے سے مدینہ کے آس پاس خندق کھدوائی تاکہ کفار مدینہ میں داخل نہ ہو سکیں۔ مردوں کو خندق کے دروازے پر متعین کیا عورتوں کے اندرون مدینہ کی حفاظت پر مقرر فرمایا کفار عرب نے بہت روز تک مدینہ پاک کا محاصرہ رکھا آخر کار رب نے ایک تیز اور سرد ہوا بھیجی جس سے فوج کفار تتر بتر ہو گئی اور مسلمان محفوظ رہے یہ واقعہ 5ھ میں ہوا اس کے بعد مدینہ پاک یہود سے خالی کرا لیا گیا اسطرح کہ ان میں بنی قریظہ قتل کر دیئے گئے اور بنی نضیر جلاوطن کر دیئے گئے۔ جسکا پورا واقعہ سورۂ احزاب میں مذکور ہے بعض مورخین نے فرمایا کہ یہ واقعہ 4ھ میں ہوا (از مدارج النبوۃ)

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** کفار کے وعدوں، معاہدوں بلکہ انکی قسموں کا بھی اعتبار نہیں مسلمانوں کو ان پر کبھی اعتبار نہیں کرنا چاہئے ورنہ دھوکا کھائیں گے دیکھو یہود نے حضور سے معاہدہ کر کے بے وفائی کی اس کا تجربہ آج تک ہو رہا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **انهم لا ایمان لهم** **دوسرا فائدہ:** اسلام کے مقابلے میں سارے کفار ایک ہیں اگرچہ انکا آپس میں کتنا ہی اختلاف ہو **الکفر ملة واحدة**۔ دیکھو یہود اہل کتاب تھے اور مشرکین مکہ بت پرست مسلمان ان سے بہت قریب تھے مگر پھر بھی یہ یہودی مشرکین سے ملے۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ کے مقبول بندوں کی عداوت انسان کو کفر اور بے ایمانی کے گہرے غار میں گرا دیتی ہے۔ دیکھو یہود مدینہ حضور کی عداوت میں بت پرستی کر بیٹھے ایسے ہی ان مقبولوں کی محبت انسان کو اعلیٰ درجے پر پہنچا دیتی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** حضرات صحابہ کرام کو ہدایت یافتہ نہ ماننے والا کافر و لعنتی ہے دیکھو ان یہود نے کفار مکہ کو حضرات صحابہ سے زیادہ ہدایت پر مانا انہیں رب تعالیٰ نے لعنتی قرار دیا وہ حضرات تو ہدایت کا معیار ہیں جو انکی پیروی کرے وہ ہدایت پا لیتا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **فان امنوا بمثل ما امنتم به فقد اهتدوا** **پانچواں فائدہ:** جبت اور طاغوت شیطان یا بت ہیں انبیاء کرام کو طاغوت یا جبت کہنا بے ایمانی ہے جیسا کہ کتاب بلغتہ الحیران میں انبیاء کرام کو طاغوت میں داخل مانا کیونکہ یہاں جبت و طاغوت پر ایمان لانے کو کفر شرک اور لعنت قرار دیا اور نبی پر ایمان لانے کا حکم دیا فرمایا **امنو باللہ ورسولہ** مسلمانوں کا بچہ بچہ پڑھتا ہے **امنت باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ** نیز طاغوت وہ ہے جو لوگوں کو گمراہ کرے اور انبیاء کرام و اولیاء اللہ ہدایت دیتے ہیں رب فرماتا ہے **وانک لتھدی الی صراط مستقیم** **چھٹا فائدہ:** ایمان کے بغیر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑ کر کعبے میں رہنا۔ حاجیوں کی خدمت کرنا زمزم پینا سب کچھ بے کار ہے ان میں سے کوئی شے ہدایت نہیں بلکہ پھر یہ سب چیزیں کفر میں ہی داخل ہوتی ہیں۔ دیکھو یہود نے مشرکین مکہ کو ان اعمال کی بنا پر ہدایت یافتہ کہا تو رب نے انہیں لعنتی قرار دیا۔ اصل اصول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔ کوئی شخص اگرچہ جسمانی طور

پر کعبہ سے دور ہو مگر حضور سے قریب ہو وہ اللہ سے قریب ہے اور جو حضور سے دور ہو کر کعبہ میں رہے وہ مردود ہے بعد ہجرت مسلمانوں کو بلا عذر مکہ معظمہ میں رہنا حرام ہو گیا اسلئے نہیں کہ وہاں عبادات کی آزادی نہ تھی یہ مجبوری و معذوری تو مسلمانوں کو حضور کی ہجرت سے پہلے بھی تھی بلکہ اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے عارضی طور پر علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ ساتواں فائدہ: جو کافروں کو ہدایت پر کہے وہ لعنتی ہے دیکھو رب نے ان یہود کو اس وجہ سے لعنتی فرمایا کہ انہوں نے کفار کو ہدایت پر مانا کفر کی حمایت بھی کفر ہے چور کو پناہ دینا جرم ہے۔ آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کیلئے بہت سے مددگار فرما دیئے ہیں۔ حضرات انبیاء اولیاء چھوٹے بچے باذن الٰہی مومنوں کے مددگار ہیں اور قبر و حشر میں ہوں گے رب فرماتا ہے **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا** اور فرماتا ہے کہ ہم سے یوں دعا مانگا کرو **واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا** الٰہی ہمارے لئے ولی اور مددگار مقرر فرما دے ہاں جس پر خدا لعنت کر دے اسکا ولی وارث اور مددگار کوئی نہیں جیسا کہ **ومن یلعن** سے معلوم ہوا جو شخص کہے کہ میرا مددگار کوئی نہیں وہ اپنے لعنتی ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ نواں فائدہ: علم کتاب اور ہے عمل بالکتاب کچھ اور نور کتاب کچھ اور ہدایت پر وہ ہو گا جسے نور کتاب ملے نور کے بغیر محض علم کتاب بیکار ہے دیکھو ان یہودیوں کو کتاب کا حصہ یعنی علم کتاب ملا مگر رہے بے ایمان جیسا کہ یؤمنون بالجبت سے معلوم ہوا علم کتاب کاغذ سے ملتا ہے اور نور کتاب نظر مقبولین سے۔ دسواں فائدہ: گمراہ اور بے دین عالم انسانی شکل میں شیطان ہے اس سے گمراہی ملے گی ہدایت نہیں ملتی جیسا کہ جبت اور طاغوت کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ جبت سے مراد حیی ابن اخطب اور طاغوت سے مراد کعب ابن اشرف ہے جنہیں یہودی اپنا عالم اور پیشوا مانتے تھے اللہ تعالیٰ عالم دین بنائے عالم بے دین نہ بنائے۔

پہلا اعتراض: یہاں ان علمائے یہود کے بارے میں فرمایا گیا کہ انہیں کتاب کا حصہ دیا گیا انہیں تو پوری کتاب توریت دی گئی تھی اسلئے انہیں اہل کتاب کہتے تھے پھر اس آیت کے کیا معنی۔ جواب: اسکا جواب ابھی فائدوں کے ضمن میں دے دیا گیا کہ انہیں توریت کا علم ملا نور نہ ملا جو مدار ایمان تھا یا یہ مطلب ہے کہ انکے پاس پوری کتاب اصلی نہیں بعض اصلی ہے اور بعض بناوٹی۔ دوسرا اعتراض: یہ یہودی بتوں پر ایمان تو نہیں لائے تھے صرف تقیہ کے طور پر انہیں سجدہ کر لیا تھا پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ وہ جبت و طاغوت پر ایمان لاتے ہیں۔ جواب: بعض اعمال عقائد کی علامت ہیں ان اعمال کو شریعت میں کفر کہہ دیا جاتا ہے بتوں کو سجدہ کرنا کفر کی علامت ہے لہٰذا یہ ایمان بالطاغوت ہے اس آیت میں تشریعی احکام کا ذکر ہے یہاں ایمان لغوی معنی میں ہے یعنی مان لینا۔ تیسرا اعتراض: قرآن کریم سے ثابت ہے کہ اگر دل میں ایمان ہو اور زبان سے کفر کا اظہار کر دیا جائے تو اس سے ایمان میں خلل نہیں آتا یہاں انکے اس عمل کو ایمان بالطاغوت کیوں مان لیا گیا۔ جواب: وہ حکم سخت مجبور کیلئے ہے جو جان بچانے کیلئے منہ سے کفر بول دے رب فرماتا ہے **الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان**۔ ان علمائے یہود کو کون سی مجبوری تھی جس بنا پر انہوں نے یہ حرکتیں کیں مجبوراً مردار کھانے والا گنہگار نہیں بلا ضرورت کھانے والا حرام خور ہے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ لعنتی شخص کا مددگار کوئی نہیں ہوتا حالانکہ انکے مددگار تو بہت ہوتے ہیں دیکھو ان یہود کے مشرکین مکہ بن گئے تھے رب فرماتا ہے **والذین کفروا اولیئھم الطاغوت** کافروں کے مددگار شیطین ہیں اور فرماتا ہے **بعضھم اولیاء بعض**۔ بعض کفار بعض کے مددگار ہیں۔ آیات میں تعارض ہے۔ جواب: ہرگز تعارض نہیں ان آیات

میں ظاہری دنیاوی جسمانی مدد مراد ہے اور یہاں اس آیت میں روحانی امداد مراد جو دنیا میں ایمان کا ذریعہ بنے اور آخرت میں نجات کا وسیلہ اس ظاہری امداد کا وہاں ثبوت ہے۔ یہاں باطنی امداد کی نفی کتاب الٰہی سمجھنے کیلئے نور الٰہی کی ضرورت ہے۔
پانچواں اعتراض: کفار مکہ نے یہود مدینہ کے سامنے اپنے جو فضائل بیان کئے وہ حق تھے واقعی وہ لوگ اس وقت کعبہ کے محافظ حجاج کے مددگار حرم شریف کے باشندے اور ہر سال حج و عمرہ کرنے والے تھے اس وقت ان نعمتوں سے مدینہ کے مسلمان محروم تھے۔ جب یہود مدینہ نے انہیں ان وجوہ سے ہدایت یافتہ کہہ دیا تو رب تعالیٰ نے ان یہود پر غضب کیوں فرمایا سچی بات پر غضب نہ چاہئے۔ **جواب:** اسلئے کہ انہوں نے ان چیزوں کو باعث ہدایت سمجھا یہ محض باطل تھا کعبہ میں رہنا حج و عمرہ کرنا حجاج کی خدمت اس وقت مفید ہے جب دل میں ایمان ہو جب دل حضور کی الفت سے خالی ہو تو کوئی عبادت کرو کہیں رہو سب بیکار ہے۔ جناب بعد ہجرت فتح مکہ سے پہلے مکہ معظمہ میں مسلمانوں کو رہنا حرام ہو گیا تھا۔ جہاں وہ لمانہ ہو وہاں برکت نہیں بچتی۔ جب حضرت عثمان غنی صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضور کی طرف سے صلح کی بات چیت کرنے مکہ معظمہ گئے تو کفار مکہ نے کہا آپ عمرہ کرلیں حضرت عثمان نے انکار کر دیا فرمایا حضور کے بغیر عمرہ کیسا اور زمزم پینا کیسا ان مسلمانوں کا کعبہ سے دور رہ کر نبی کے حضور میں رہنا ان لوگوں کے کعبہ میں رہنے سے افضل تھا۔ رب فرماتا ہے **اجعلتم سقایۃ الحاج و عمارۃ المسجد الحرام کمن امن باللہ الخ**

تفسیر صوفیانہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی جان ہیں اور بقیہ ارکان ایمان ایمان کا ڈھانچہ ہیں۔ جان کے بغیر ڈھانچہ بے کار ہے حضور کی غلامی کے بغیر سارے ایمانیات بے کار ہیں دیکھو علمائے یہود کے پاس کتاب کا علم بھی تھا وہ پیغمبر زادے بھی تھے اور کفار مکہ معظمہ میں رہتے تھے انہیں کعبے کا قرب حاصل تھا حاجیوں کی خدمت مہمان نوازی سب کچھ کرتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام سے تھے مگر یہود کے وہ علوم اور انکے اعمال بے کار بلکہ نقصان وہ ثابت ہوئے جس پر انکو لعنت کا تمغہ ملا اکثر صحابہ کرام بہت سی ٹیپ ٹاپ سے خالی تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منظور نظر تھے تو ملائکہ سے افضل ہو گئے یہ لوگ کعبہ اجسام سے دور تھے مگر کعبہ ایمان کے ساتھ تھے دیکھ لو انہیں کیسے رنگ لگے اللہ تعالیٰ کسی کو ان سے جدا نہ کرے آج بھی بعض لوگوں کو اپنے علم پر ناز اور اپنے اعمال پر فخر ہوتا ہے اس گھمنڈ میں وہ آستانہ نبوی سے نکالے جاتے ہیں ہم گنہگاروں کو صرف اس پر ناز ہے کہ حضور کی امت ہیں ہمارے پاس کوئی کمال نہیں۔ مسلمان خیال رکھیں کہ اس عالم و پیر سے دور بھاگیں جو حضور سے دور ہو اس عالم اور شیخ کی صحبت اختیار کریں جس کے سینے میں حضور کا نور ہو یہ آیت کریمہ ہم سب کیلئے بڑی عبرت ناک ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ لعنت اللہ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ سے دوری مگر بندہ مکانی و زمانی ہے حق تعالیٰ مکان و زمان سے پاک ہے مکانی کی لامکان والے سے دوری و قرب کی صورت یہ ہے کہ کسی مکانی کو اپنا تجلی گاہ بنا دیا جائے اس تجلی گاہ سے قرب رب تعالیٰ کی حضوری ہو اس سے دوری رب سے دوری۔ جیسے کہ ہم مکانیوں کو حکم ہے کہ لامکانی کو سجدہ کرو سجدہ کے معنی ہیں کسی کے آگے سر ٹیکنا اب مکانی لامکانی کے آگے کیسے پہنچے تو کعبہ معظمہ کو رب نے اپنا تجلی گاہ بنا دیا کہ اس کے سامنے سجدہ رب کو سجدہ ہے یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے خاص غلام اولیاء اللہ تجلی گاہ الٰہی ہیں ان سے قرب رب سے قرب ہے ان سے دوری رب سے دوری دیکھو یہ یہود مدینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشیں کرنے مکہ معظمہ گئے تھے نہ کہ رب تعالیٰ کے

خلاف تو رب تعالیٰ نے اس سازش کو اپنے سے دوری قرار دیا۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا او نشیند در حضور اولیاء
چو شدی دور از حضور اولیاء تم چناں واں دور گشتی از خدا

اَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ

کیا واسطے ان کے کچھ حصہ ہے ملک سے کہ پھر لوگوں کو گٹھلی کے دانہ برابر نہ دیں حسد کرتے ہیں

کیا ملک میں ان کا کچھ حصہ ہے ایسا ہو تو لوگوں کو تل بھر نہ دیں۔ حسد کرتے ہیں

النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

لوگوں سے اوپر اس کے جو دیا انہیں اللہ نے اپنے فضل سے پس بے شک عطا فرمائی ہم نے اولاد ابراہیم

اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا تو ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت

وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾ فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ

کو کتاب اور حکمت اور بخشا ہم نے ان کو بڑا ملک۔ پس بعض ان میں سے وہ ہیں جو ایمان لائے اس پر اور بعض ان میں سے

عطا فرمائی اور انہیں بڑا ملک دیا۔ تو ان میں کوئی اس پر ایمان لایا اور کسی نے اس سے منہ پھیرا

بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥﴾

وہ ہیں جس نے منہ پھیرا اور کافی ہے دوزخ بھڑک والا

اور دوزخ کافی ہے بھڑکتی۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: پہلا تعلق: پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے علمائے یہود کی جہالت کا ذکر فرمایا تھا کہ یہ مسلمانوں کے مقابل مشرکین کو زیادہ ہدایت یافتہ کہتے ہیں اب اس آیت میں انکے بخل و حسد کا ذکر ہے چونکہ علم عمل سے افضل ہے اور بے علمی بد عملی سے بدتر اسلئے پہلے انکی جہالت کا ذکر ہوا پھر بخل اور حسد کا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ یہ پوپ پادری اللہ کی پھٹکار میں ہیں اب اس پھٹکار کے نتیجوں کا ذکر ہے کہ اسکی وجہ سے ان میں ایسے عیوب پیدا ہو گئے جس سے جانور بھی پناہ مانگتے ہیں۔ بخل وغیرہ۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ لعنتی آدمی کا مددگار کوئی نہیں اب اسکا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ دیکھو یہ لوگ اولاد انبیاء ہیں مگر لعنتی ہونے کی وجہ سے انکے فیضان سے محروم ہیں اگر انکے دلوں میں نبوت کا فیضان آتا تو ان میں حسد و بخل نہ ہوتا۔

شان نزول: یہود مدینہ کبھی کہتے تھے کہ نبوت بنی اسرائیل کی میراث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس خاندان سے نہیں ہیں تو نبی کیسے ہوئے کبھی کہتے تھے کہ نبوت و سلطنت جمع نہیں ہو سکتی آپ نبی اور بادشاہ کیسے بن گئے کبھی کہتے تھے اگر حضور سچے نبی ہوتے تو آپ نو بیویاں کیوں رکھتے۔ نبی کو اتنی بیویوں کی کیا ضرورت ان سب اعتراضوں کے جواب میں یہ آیات کریمہ اتریں

(از تفسیر کبیر و خازن و روح المعانی) خیال رہے کہ کفار عموماً مسلمانوں کو بہکانے کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو عیب لگاتے ہیں کہ جب دل سے نبی کی عظمت نکل جائے تو نہ قرآن مجید کی عظمت رہ سکتی ہے نہ اسلام کی نہ خدا تعالیٰ کلو قار دل میں جاگزیں ہو سکتا ہے دلوں میں ان تمام کی عظمتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے قائم ہیں اسلئے وہ مسلمانوں کو حضور کے متعلق ایسی باتیں سمجھاتے تھے۔ قرآن مجید نے جگہ جگہ حضرات انبیاء کرام کے واقعات میں انکے ماننے والوں کے درجات انکے منکروں کے عذابوں کلذکر فرمایا تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان حضرات کی ہیبت قائم ہو انکی ہیبت سے اسلام کلو قار ہے۔

تفسیر: **ام لهم نصیب من الملک** یہاں ام یا بمعنی ہمزہ استفہام ہے کیونکہ جب ام سے پہلے حرف استفہام نہ گزر چکا ہو تو یہ خود حرف استفہام ہوتا ہے یعنی ہمزہ استفہامیہ اور م زائدہ یا صلہ کا یا ام متصلہ ہے اس صورت میں اس سے پہلے ایک ہمزہ استفہامیہ مع ایک جملہ کے پوشیدہ ہو گا یعنی اے محبوب آپ ان مردودوں کے اس بکواس سے تعجب کرتے ہیں کہ مشرکین مومنین سے افضل ہیں یا انکے اس خیال سے تعجب کرتے ہیں کہ ملک الٰہی میں انکا حصہ ہے اس صورت میں پہلے استفہام کی طرح یہ استفہام بھی تعجب کا ہے۔ ام یا منقطعہ ہے بمعنی بل اس صورت میں اسکے بعد ہمزہ پوشیدہ ہے یعنی بلکہ کیا انکا حصہ ہے ملک میں۔ لہم کی ضمیر انہیں مذکورین علماء یہود کی طرف لوٹتی ہے جنکاذکر پہلے ہوا۔ نصیب سے مراد رب تعالیٰ کی برابری و شرکت کی ملکیت ہے کہ رب ان سے بغیر پوچھے کسی کو کچھ دے سکے ہی نہیں مال کے مال میں اولاد کا حصہ رشتہ دار کے مال میں رشتہ دار کا حصہ ہوتا ہے۔ شرکت کے مال میں شریکوں کا حصہ ہوتا ہے اللہ کے ملک اسکی عطا سے اسکے خاص بندوں کا حصہ و ملکیت ہے مگر پہلی قسم کی ملکیت کہ وہ چیزیں اللہ کی ہیں یہ بندے اللہ کے ہیں اللہ کے فضل سے ان چیزوں میں انکا حق و حصہ ہوتا ہے باقی قسم کے حصے کسی کے نہیں وہ مالک الملک حقیقی ہے ملک سے مراد یا تو یہ ہی ظاہری ملک و بادشاہت ہے یہود کا عقیدہ تھا کہ آخر زمانہ میں دنیا میں بادشاہت ہماری ہی ہو گی ہم میں ایک ایسا مجدد پیدا ہو گا جو تمام جہان فتح کرلے گا یا مراد نبوت ہے کیونکہ نبی باطنی ملک کے مالک ہوتے ہیں یہود کا خیال تھا کہ نبوت صرف بنی اسرائیل میں ہونی چاہئے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسماعیل سے ہیں اسلئے وہ نبی نہیں ہو سکتے اس آیت میں انکے ان خیالات کی تردید ہے یعنی اے محبوب کیا وہ اس خیال میں ہیں کہ سلطنت میں یا نبوت میں ان ہی کا حصہ ہے کسی اور قوم کا حصہ نہیں۔ **فاذا لا یؤتون الناس نقیرا** یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے یؤتون کا فاعل یہ ہی یہود ہیں اور ناس سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چونکہ آپ تمام انسانوں کے صفات حمیدہ سے موصوف ہیں اسلئے گویا آپ جماعت انسان ہیں ایک شاعر کہتا ہے۔

ولیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

جیسے تخم میں سارا درخت مجملاً ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا عالم ہے انا نور من نور اللہ و کل الخلق من نوری۔ یعنی رب کی قدرت سے یہ دور نہیں کہ ایک شخص میں سارا عالم جمع کردے رب تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے **ان ابرھیم کان امۃ** وہ اکیلے ایک امت و جماعت تھے نقیر نقر سے بنا بمعنی کریدنا اسلئے جانور کی چونچ کو منقار کہتے ہیں کہ وہ چونچ سے مٹی وغیرہ کرید تا ہے چکی رانبنے کے آلے کو بھی منقار کہا جاتا ہے اب اصطلاح میں کھجور کی گٹھلی کے بیچ میں ننھے سے گڑھے کو کہتے ہیں جو اسکی پشت پر تل کے برابر ہوتا ہے اب حقیر و معمولی چیز کو نقیر کہہ

دیتے ہیں یعنی اگر یہ لوگ اللہ کے ملک کے مالک ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا حضور کے صحابہ یا کسی اور کو کھجور کے دانہ کے تل بھر یا غار کی برابر کچھ نہ دیتے خلاصہ یہ ہے کہ یہ سخت بخیل و کنجوس ہیں اور سلطنت بخیل کو نہیں دی جاتی۔ سلطان سخی دریا دل چاہئے نبوت تو سلطنت سے کہیں اعلیٰ ہے نبی تو بہت ہی سخی چاہئے ایسے کنجوس نبوت و سلطنت کے اہل نہیں۔ **ام یحسدون الناس علی ما اتھم اللہ من فضلہ** یہ ام منقطعہ ہے بمعنی بل اور اس جملہ میں ان یہود کے بخل کے بعد انکے حسد کا ذکر ہے۔ حسد کے معنی ہیں جلنا اور کسی کی نعمت کا زوال چاہنا بخیل نہیں چاہتا کہ میں کسی کو اپنی نعمت دوں اور حاسد نہیں چاہتا کہ خدا تعالیٰ کسی کو اپنی نعمت دے اس مناسبت سے بخل کے بعد حسد کا ذکر فرمایا یحسدون کا فاعل وہی مذکور یہود ہیں اور ناس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تمام لوگوں کے پیشوا یا ناس سے مراد صحابہ کرام ہیں یا تمام عرب یا تمام انسان پہلے معنی قوی ہیں۔ حضرت عکرمہ، ابن عباس، مجاہد، ضحاک، ابو مالک، عطیہ جیسے مفسرین کا یہی قول ہے کہ ناس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ما سے مراد یا نبوت ہے یا سلطنت یا نو بیویوں سے نکاح کی اجازت یا قرآن کا زبان عربی میں آنا یا اہل عرب خصوصاً اہل مدینہ کا آپس میں متفق و متحد ہو جانا (کبیر و معانی وغیرہ) فضل کے تین ہیں مہربانی، زیادتی، بھلائی خیر یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں اور ہر معنی پر اس میں عجیب لطف ہوگا اگر بمعنی مہربانی ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ ان نعمتوں پر یہ لوگ حسد کرتے ہیں جو کسی کی عطا سے یا کسب سے نہیں محض میری مہربانی سے محبوب کو ملیں اور جو چیز صرف میری مہربانی سے ہے وہ کسی کے چھینے چھن نہیں سکتی جیسے سورج کی روشنی تو انکا حسد بیکار ہے اگر بمعنی زیادتی ہو تو مطلب ہوگا کہ یہ لوگ محبوب کی ان صفات پر حسد کرتے ہیں جو رب نے انہیں تمام سے حتی کہ انبیاء کرام سے زیادہ بخشیں۔ جیسے معراج، ختم نبوت، شفاعت، ذکر کثیر و محبوبیت وغیرہ اور اگر بمعنی بچی ہوئی نعمت ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ ان نعمتوں پر حسد کرتے ہیں۔ جو رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کیلئے بچا کر رکھی تھیں کسی نبی کو نہ دی تھیں بلا واسطہ کلام کلیم سے فرمایا۔ مگر اپنا دیدار بے حجابانہ محبوب کو کرایا حضرت آدم کو مسجود ملائکہ بنایا مگر درود اپنے محبوب کیلئے خاص فرمایا یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام حرکتوں کی وجہ یہ ہے کہ یہود آپ کی نبوت، سلطنت، اختیارات وغیرہ پر جلتے حسد کرتے ہیں **فقد اتینا ال ابرھیم الکتب والحکمۃ** ظاہر یہ ہے کہ یہاں ف تعلیلیہ ہے اور یہ جملہ ایک پوشیدہ جملہ کی علت ہے یعنی ان یہود کے آپ پر اعتراضات کہ آپ نبی و سلطان کیسے ہو گئے یا آپکے پاس نو بیویاں کیوں ہیں محض غلط و بے بنیاد ہیں کیونکہ آپ سے پہلے بھی انبیاء کرام کو یہ نعمتیں دی گئی ہیں۔ آل ابراہیم سے مراد حضرت یوسف و سلیمان علیہم السلام ہیں کہ وہ حضرات نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی اور بہت بیویاں بھی انکے نکاح میں تھیں حتی کہ حضرت داؤد کی ننانوے بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان کی ایک ہزار۔ تین سو تو آزاد بیویاں تھیں اور سات سو لونڈیاں تھیں حضور کی تو صرف نو ہی بیویاں ہیں (خازن) کتاب سے مراد ظاہر شریعت ہے حکمت سے مراد اسرار حقیقت اور ملک عظیم میں قدرت کا ظہور ہے یعنی ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں بعض نبی ایسے بھیجے جنکے پاس کتاب یعنی شریعت بھی تھی اور حکمت یعنی علم اسرار بھی تھا اسکے باوجود **اتینھم ملکا عظیما** چونکہ نبوت کے ساتھ سلطنت عطا ہونا اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے اسلئے اس نعمت کے واسطے علیحدہ اتینا فرمایا گیا ملک عظیم سے مراد عظیم الشان سلطنت ہے کہ یوسف علیہ السلام کو تمام جہان کی روزی کا مالک فرما دیا اور سب کا روزی رساں انہیں بنا دیا کہ زمانہ قحط میں آپ ہی سے روزی لیتے رہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کیلئے تانبہ، پیتل لوہے کو نرم فرما دیا حضرت سلیمان علیہ السلام کو انس و جن بلکہ ہوا کا بادشاہ کر دیا کہ ہوا انکے حکم سے چلتی

تھی رب فرماتا ہے **فسخرنا له الریح تجری بامرہ** یعنی ہم نے بعض آل ابراہیم کو نبوت کے ساتھ عظیم بادشاہت بھی بخشی جب انکی سلطنت نبوت کے خلاف نہ ہوئی تو حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت آپ کی نبوت کے منافی کیسے ہو سکتی ہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان حاسدین کی پرواہ نہ کریں ان حضرات پر بھی بہت حسد کیے گئے مگر انہوں نے نہایت شاندار طریقہ سے نبوت و سلطنت کی آپ کے یہ حاسدین جل کر مرتے رہیں گے آپ کا سورج چمکتا رہے گا۔

رہے گا یونہی انکا چرچا رہے گا پڑے خاک ہو جائیں جل جانیوالے

فمنهم من امن به ومنهم من صد عنه منہم سے مراد یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود ہیں اس صورت میں بہ کی ضمیر حضور کی طرف ہے یوں ہی دوسرے منہم سے یہ ہی یہودی مراد ہیں اور عنہ کی ضمیر کا مرجع حضور ہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ اے مسلمانو موجودہ یعنی یہود میں سے بعض تو وہ ہیں جنہیں اللہ نے حسد سے بچالیا اور وہ ہمارے ان محبوب پر ایمان لے آئے جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام اور انکے ساتھی اور بعض وہ ہیں جو حسد میں گرفتار رہے ایمان نہ لائے جیسے کعب ابن اشرف اور حیی ابن اخطب وغیرہ یا منہم سے مراد ان انبیاء کرام کے زمانہ کے کفار ہیں اور بہ سے مراد ان حضرات کی نبوت و سلطنت ہے اس صورت میں یہ عبارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین خاطر کیلئے ہے یعنی آپ اس کا صدمہ نہ فرمائیں کہ سارے یہود ہم پر ایمان کیوں نہیں لاتے یہ تو پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے ان حضرات انبیاء پر بھی بعض ایمان لائے تھے بعض نہ لائے تھے خیال رہے کہ صد کے معنی رکنا بھی ہیں اور روکنا بھی یعنی لازم بھی متعدی بھی یہاں بمعنی رکنا ہے کیونکہ اسکے بعد مفعول کا ذکر نہیں **وکفی بجهنم سعیرا** بارہا عرض کیا جا چکا ہے کہ کفی کے فاعل میں ب زائدہ آجاتی ہے یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ جہنم کفی کا فاعل ہے اسکی ب زائدہ اور سعیرا جہنم کا حال ہے۔ سعیر سعر سے بنا بمعنی بھڑک سعیر صفت مشبہ مبالغہ ہے یعنی ان جیسے حاسد کافروں کیلئے بھڑکتا ہوا دوزخ کافی سزا ہے یہ اسکے مستحق ہیں۔ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔

خلاصہ ء تفسیر: جیساکہ تفسیر میں عرض کیا گیا کہ ان آیات کی چند تفسیریں ہیں جو ابھی عرض کردی گئیں ہم صرف ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ کفار یہود جو آپ کی نبوت پر طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں کہتے ہیں کہ بنی اسماعیل میں نبوت کیسی یا حضور میں سلطنت و نبوت کا اجتماع کیسا یہ دونوں چیزیں ضدیں ہیں۔ دو ضدیں جمع نہیں ہو سکتیں یا کہتے ہیں کہ نبی کے نکاح میں نو بیویاں؟ نبی تو تارک الدنیا چاہئے کیا انہیں ہمارے ملک کا حصہ ملا ہوا ہے یہ ہمارے شریک ہیں اگر انکے پاس کچھ بھی حصہ ملک کا ہوتا تو لوگوں کو تل بھر بھی نہ دیتے ایسے بخیل ہیں کہ سب کچھ اپنے پاس ہی رکھتے ایسے بخیل و کنجوس نہ سلطنت کے ذہل ہیں نہ نبوت کے سلطان و نبی تو بست دل والا چاہئے ان کے تمام اعتراض کی وجہ صرف ایک ہے اور وہ ہے حسد یہ آپ پر حسد کرتے ہیں۔ اسی لئے کہ اللہ نے آپ کو اپنے فضل و کرم سے نبوت سلطنت' اختیارات معظم' کثیر بیویاں بہت امت سب کچھ بخشا یہ جل گئے یہ لوگ آپ پر اس قسم کے اعتراضات کیوں کرتے ہیں۔ جن نبیوں پر انکا ایمان ہے یعنی آل ابراہیم بنی اسرائیل کے رسول ہم نے انہیں کتاب الٰہی۔ اسرار طریقت بخشے۔ اور ساتھ ہی انہیں عظیم الشان ملک کا بادشاہ کیا چنانچہ یوسف علیہ السلام۔ داؤد علیہ السلام و سلیمان علیہ السلام نبی بھی تھے بڑے شاندار بادشاہ بھی اور حضرت داؤد و سلیمان علیہم

السلام کی بہت بیویاں بھی تھیں جب وہ حضرات اتنے بڑے بادشاہ ہوئے اور اتنی بیویاں رکھنے کے باوجود سچے نبی ہیں تو آپ کی نبوت میں انہیں کیا اعتراض ہے اے محبوب آپ انکے ایمان نہ لانے پر غم و رنج نہ کریں یہ تو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے کسی نبی پر سارے کافر ایمان نہ لائے ان نبیوں پر بھی بعض سعادتمند ایمان لائے بعض کافر رہے ایسے ہی آپ پر بھی بعض کفار ایمان لائیں گے بعض کافر رہیں گے اسکی وجہ یہ نہیں کہ آپ کے دین میں کمی ہے وجہ صرف یہ ہے کہ ان میں فیض لینے کی طاقت نہیں سورج سے سب روشنی نہیں لیتے چمگادڑ اندھا ہو جاتا ہے بارش سے سب فیض نہیں پاتے بعض بوٹے جل جاتے ہیں ایسے بد نصیبوں کیلئے تو بھڑکتا دوزخ ہی کافی ہے یہ دلیل سے ماننے والے نہیں خیال رہے کہ کسی نبی پر سارے لوگ ایمان نہ لائے۔ کچھ مومن ہوئے کچھ کافر رہے جنہوں نے نبی کو صرف بصارت سے دیکھ کر اپنے جیسا بشری کہا وہ کافر رہے جنہوں نے ان حضرات کو بصیرت یعنی دل کی صدیقی آنکھ سے دیکھا وہ مومن ہو گئے جیسے آنکھ کا نور بغیر نور کے بیکار ہے کہ اندھیرے میں کچھ نہیں دکھتا یوں ہی عقل کا نور بغیر فضل کے نور کے بیکار جن کو فضل کا نور ملا وہ مومن ہو گئے جن کے پاس محض عقل کا نور تھا فضل سے محروم تھے وہ کافر رہے۔ اس میں بھی رب تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں اگر سب مومن ہو جاتے تو رب کی صفت فضل کا ظہور نہ ہوتا نیز پھر ایمان کی قدر نہ معلوم ہوتی ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے نیز پھر حضرات انبیاء کی طاقت کا پتہ نہ لگتا۔ طاقت مقابلہ سے معلوم ہوتی ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** بخیل 'حاسد 'بد خلق لوگ سلطنت و نبوت کے لائق نہیں سلطان و نبی دریا دل نہایت خلیق و سخی چاہئیں مسلمان اگر سربلندی چاہتے ہیں تو اخلاق محمدی اختیار کریں جیسا کہ لایؤتون الناس نقیرا سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** حاسد آدمی کبھی فیض نہیں لے سکتا وہ ہمیشہ جلتا بھنتا ہی رہتا ہے یہود مدینہ حضور سے فیض نہ پا سکے اور حضرت بلال حبشی و سلمان فارسی و صہیب رومی نے سب کچھ حاصل کر لیا اسلئے کہ یہود حاسد تھے۔ **تیسرا فائدہ:** حضور پر حسد اور حضور کے اوصاف حمیدہ کا انکار یہودیانہ عیب ہے جو تمام نعمتوں سے محروم رکھتا ہے آج بھی بعض کلمہ پڑھنے والے مولوی عالم کہلوانے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف سن نہیں سکتے آپکا ذکر روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں یہ لوگ اس آیت کریمہ سے عبرت پکڑیں سب کو ابلیس نے گمراہ کیا اور ابلیس کو حسد نے تباہ کیا۔

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے　　　پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب اکبر ہیں کہ اعتراض ہوتا ہے حضور پر اور جواب دیتا ہے رب تعالیٰ۔ معلوم ہوا کہ حضور کے دشمنوں کو جواب دینا سنت الٰہیہ ہے۔ رب تعالیٰ اس سنت پر عمل کی توفیق دے اور کیوں نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا گواہ ہے **وکفی باللہ شھیدا** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے گواہ **یایھا النبی انا ارسلنک شاھدا** حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدعی رسالت ہیں اور اللہ تعالیٰ مدعی توحید ہے اور مدعی کی حمایت گواہ کرتا ہے اسلئے رب تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا حامی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** ایمان 'تقویٰ 'ولایت 'نبوت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتے ہیں نہ کہ محض ہماری اپنی کوشش سے لہٰذا اس پر شیخی نہ چاہئے۔ رب تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے جیسا کہ من فضلہ سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** نبوت و دین و سلطنت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے دیکھو اللہ تعالیٰ نے یہاں ان

نعمتوں کی عطا کا ذکر انعام و اکرام کے سلسلہ میں فرمایا۔ **ساتواں فائدہ:** ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت انکی اولاد سے خاص کر دی گئی چنانچہ پھر کوئی نبی غیر ابراہیمی نہ ہوئے یا نبی اسرائیل میں نبی آئے یا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسماعیل سے آئے جیسا کہ آل ابراہیم فرمانے سے معلوم ہوا ہے رب فرماتا ہے **وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتب** لہٰذا مرزا قادیانی نبی نہیں کہ وہ اولاد ابراہیم علیہ السلام سے نہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** بزرگوں کی اولاد ہونا بھی اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے یہ فائدہ بھی آل ابراہیم سے معلوم ہوا۔ رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا **وانی فضلتکم علی العلمین** انہیں یہ بزرگی کیوں ملی اسلئے کہ وہ اولاد انبیاء تھے لہٰذا حضرات سادات کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہونے کی وجہ سے تمام غیر سیدوں سے افضل ہیں دیکھو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت قریش سے خاص کر دی گئی الخلافۃ فی القریش بلکہ صواعق محرقہ میں فرمایا کہ تاقیامت قطب الاقطاب سید ہی ہو گا اور حضرت امام مہدی سید ہی ہوں گے۔ **نواں فائدہ:** دنیاوی سلطنت بیویاں اولاد ہونا نبوت کے خلاف نہیں۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے یہود کے اعتراض کے جواب میں حضرت یوسف' داؤد و سلیمان علیہم السلام کا حوالہ پیش فرمایا کہ وہ حضرات نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ آج اگر کوئی بے دین حضور کی نبوت پر اسلئے اعتراض کرے کہ آپ کی نو بیویاں تھیں تو آپ نبی کیسے تو اسکے جواب میں اسکے بزرگوں کے حوالے پیش کرنا چاہئے۔ چنانچہ ہندوؤں کے مشہور دیوتا کنہیا کی ایک ہزار بیویاں تھیں۔ رام چندر کے والد راجہ حسرت کی دو بیویاں تھیں ایک کے پیٹ سے رامچندر پیدا ہوئے اور دوسری یعنی کیکئی کے پیٹ سے لچھمن۔ خیال رہے کہ زیادہ کھانا زیادہ سونا انسانی عیوب میں شمار کئے جاتے ہیں مگر قوت مردی کی زیادتی انسانی کمال ہے۔ جس قدر روحانیت غالب ہو گی اس قدر قوت بھی زیادہ ہو گی چنانچہ معمولی جنتی میں دنیا کے سو مردوں کی طاقت ہو گی اس قوت کی زیادتی عیب نہیں ہاں اس میں پھنس کر رب سے غافل ہونا عیب ہے جسے شہوت پرستی کہتے ہیں۔ **دسواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہمیشہ ترقی میں ہی رہے گا۔ حاسدین اور دشمن اسے نقصان نہیں پہنچا سکتے تمام جہان سورج کو کالا کہے سورج سیاہ نہیں ہو سکتا جیسا کہ ام یحسدون سے معلوم ہوا۔ **گیارہواں فائدہ:** کسی پیغمبر پر تمام لوگ ایمان نہ لائے ہر نبی کے بعض منکر ضرور رہے جیسا کہ **ومنہم من صدعنہ** سے معلوم ہوا کوئی عالم یا شیخ کو سب نہیں مان سکتے دنیا میں مخالفین کا ہونا بھی ضروری ہے۔

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب   یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کیلئے

جس عالم و شیخ کو سب لوگ مانیں وہ منافق ہے یاد اہسن دیکھو حضرات صدیق اور فاروق رضی اللہ عنہما پر آج تک تبرے ہو رہے ہیں یہ انکی حقانیت کی قوی دلیل ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ملک میں کسی کا کوئی حصہ نہیں مالک الملک ہے فرماتا ہے لہ ما فی السموات وما فی الارض پھر تم نبیوں' ولیوں کو مالک مانتے ہو۔ مشرک ہو دیکھو یہاں رب نے فرمایا ام لہم نصیب من الملک۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم اپنے گھر اپنے باغ اپنی زمین وغیرہ کے مالک کیوں ہوئے کہ انہیں فروخت تک کر لیتے ہو۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ کسی چیز میں حصہ ہونے کی بہت صورتیں ہیں زور سے حصہ لینا جیسے ہماری تنخواہ میں حکومت کا انکم ٹیکس۔ ضرورت سے حصہ داری جیسے ہماری آمدنی سے مکان کا کرایہ شرکت کی

حصہ داری جیسے جنگ یا کمیٹی کا حصہ اور کرم و مہربانی کی حصہ داری۔ جیسے ہماری آمدنی میں ہمارے بچوں نوکروں کا حصہ اللہ کے
ملک میں پہلی قسموں کی حصہ داری کسی کی نہیں مگر آخری قسم کی حصہ داری عام بندوں کی عموماً ہے اور خاص بندوں کو خصوصاً وہ
رازق ہے ہم مرزوق رزق کے معنی حصہ اللہ نے اپنے کرم سے اپنے خاص بندوں کو اپنی خاص چیزوں میں حصہ دیا ہے اسلیئے
اسی آیت میں ہے **اتینھم ملکا عظیما** اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے **فسخرنا لہ الریح
تجری بامرہ** حضرت بلقیس کے متعلق فرماتا ہے **واوتیت من کل شئی** اور ہمارے حضور کے متعلق فرماتا ہے: **انا
اعطینک الکوثر** غرضیکہ آیات نفی میں برابری۔ دخونس۔ حاجت کی۔ حصہ داری کی نفی ہے اور آیات ثبوت میں فضل و
کرم و مہربانی کی حصہ داری کا ثبوت ہے دونوں آیات درست ہیں یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ یہود کا یہ کہنا کہ حضور کو نبوت و سلطنت
دونوں کیوں مل گئیں۔ محض بکواس ہے کیا یہ میرے ملک میں برابر کے حصہ دار ہیں کہ میں ان سے پوچھ کر کسی کو کچھ دوں۔
دوسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ نے یہود کی بت پرستی اور بخل و حسد کو ایک جگہ کیوں بیان فرمایا ان میں مناسبت کیا ہے۔ جواب:
حسد و بخل بھی ایک قسم کا کفر ہے حاسد خدا کو عادل نہیں سمجھتا وہ سمجھتا ہے کہ خدا نے لوگوں کو نعمتیں دیں ناحق دیں مشرک
توحید الٰہی کا منکر ہے اور حاسد عدالت الٰہی کا انکاری اسلیئے انہیں جمع فرمایا گیا۔ تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں یہود کا بخل
پہلے بیان ہوا اور حسد بعد میں اس ترتیب میں کیا حکمت ہے۔ جواب: یہاں بد سے بدتر کی طرف عروج ہے بخل سے حسد بدتر
ہے کہ بخیل چاہتا ہے میری نعمت میں کسی کا حصہ نہ ہو اور حاسد چاہتا ہے کہ خدا کی نعمت میں کسی کا حصہ نہ ہو اسلیئے بخیل سے
حاسد بدتر ہے بد کے بعد بدتر کا ذکر فرمایا گیا۔ چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ آل ابراہیم میں بہت سے
پیغمبروں کو کتاب و نبوت سلطنت عطا فرمائی گئی حالانکہ نبوت کتاب و سلطنت کا اجتماع صرف داؤد علیہ السلام میں ہوا کیونکہ
حضرت یوسف و سلیمان علیہم السلام اگرچہ نبی و سلطان تھے مگر صاحب کتاب نہ تھے صاحب کتاب داؤد علیہ السلام ہیں پھر
تینوں جمع فرمانا کیونکر صحیح ہوا۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں کتاب عام معنی میں ہے صحیفوں کو بھی
شامل حضرت سلیمان و یوسف علیہما السلام کے پاس صحف ابراہیم تھے دوسرے یہ کہ ایک پیغمبر میں کتاب و نبوت سلطنت کا جمع
ہو جانا گویا بہت سے نبیوں میں جمع ہو جانا ہے ایک نبی کی نافرمانی بہت نبیوں کی نافرمانی قرار دی گئی ہے۔ پانچواں اعتراض:
اس کی کیا وجہ ہے کہ کسی نبی پر سارے انسان ایمان نہ لائے ہر نبی کے مقابلے میں کفار ضرور رہے۔ جواب: اس میں نبی کی
طاقت دکھانا مقصود ہے اگر پہلوان کا مقابل ہی کوئی نہ ہو تو اسکی قوت کا پتہ کیسے چلے۔ ظلمت سے نور جہالت سے علم کفر سے
ایمان مخالفین سے نبوت کی شان نظر آتی ہے الاشیاء تعرف باضدادھا۔ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا زیادہ اس وجہ سے
بھی ہے کہ آپ کے مخالف اور آپ کے ذکر روکنے والے بہت ہیں۔ چھٹا اعتراض: اس آیت کریمہ میں حضرت یوسف و
داؤد و سلیمان علیہم السلام کے ملک کو ملک عظیم کیوں فرمایا یوسف علیہ السلام تو صرف ملک مصر کے ہی مالک تھے۔ رب تعالیٰ
نے تو ساری دنیا کو قلیل فرمایا ہے قل متاع الدنیا قلیل پھر دنیا کے یہ معمولی حصے عظیم کیوں ہو گئے۔ جواب: اسلیئے کہ ان
بزرگوں کی سلطنتیں دنیا نہ تھیں بلکہ عین دین تھیں دنیا وہ ہے جو آخرت سے غافل کرے دنیا قلیل و حقیر ہے دین عظیم ہے نیز
یہ سلطنتیں ان عظیم الشان بزرگوں کی طرف منسوب تھیں لہٰذا وہ ملک بھی عظیم ہو گئے دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس دنبہ کو عظیم فرمایا
جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ بنا رب تعالیٰ فرماتا ہے **وفدینٰہ بذبح عظیم**: دنبہ اونٹ گائے وغیرہ سے چھوٹا ہے مگر عظیم

الشان پیغمبر کا اللہ یہ بنا اسلئے وہ بھی عظیم ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ: انسان میں نفس بھی ہے اور قلب بھی نفس برائیوں کا چشمہ ہے اور قلب نیکیوں کا مرکز۔ بخل نفس کے عیوب میں سے ہے اور سخاوت قلب کے صفات میں سے بخل و حسد انسان کو دنیا کی طرف بلاتے ہیں اور آخرت سے روکتے ہیں اور سخاوت دنیا سے بچاتی ہے آخرت کی دعوت دیتی ہے عاقل کو چاہئے کہ بخل چھوڑے اور سخاوت اختیار کرے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ لایسود الحسود' حاسد کبھی سردار نہیں بن سکتا یہود رب تعالیٰ نے انہیں یہود کے بخل و حسد کو ان کی تمام نعمتوں سے محرومی کا سبب قرار دیا خیال رکھو کہ حسد فضیلت پر ہوتا ہے جتنی فضیلت زیادہ اتنے ہی حاسد زیادہ علماء فرماتے ہیں کہ تلوار سے جسم پر قبضہ کیا جاتا ہے اور احسان سے دلوں پر عربی کا مشہور مقولہ ہے البر۔عبد الحر بھلائی آزادوں کو غلام بنالیتی ہے۔ بخیل مثل ریشم کے کیڑے کے ہے کہ وہ اپنا ریشم اپنے پر ہی لپیٹتا ہے کسی کو دینا نہیں چاہتا۔ آخر کار وہ ریشم ہی اسکی قبر بن جاتا ہے اور وہ ریشم مع اسکی نعش کے دوسرے کے قبضے میں پہنچ جاتا ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات ایک شخص کو دوزخ کے قریب اسطرح دیکھا کہ اسے آگ نہیں چھوتی فرمایا اے جبرائیل یہ کون ہے عرض کیا یا حبیب اللہ یہ حاتم طائی ہے اللہ نے اسکی سخاوت کی وجہ سے اس پر وہ کرم فرمایا جو آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ دوزخ میں ہے مگر آگ سے جلتا نہیں۔ خیال رہے کہ ملک تین قسم پر ہیں ظاہر پر ملکیت یہ بادشاہوں کو نصیب ہے۔ دلوں پر ملکیت یہ علماء اور اولیاء کو میسر ہے ظاہر باطن' جسم و روح' قلب و قالب سب پر ملکیت یہ انبیاء کرام کی ملکیت ہے۔ ملکیت کیلئے سخاوت ضروری ہے جب حضرات انبیاء کرام کی ملکیت قوی ہے تو انکی سخاوت بھی اعلیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء ہیں تو آپ سید الاسخیاء بھی ہیں۔

فان من جودک الدنیا وضرتھا ومن علومک علم اللوح والقلم!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہود کا یہ خیال کہ نبیوں کے پاس دین و دنیا دونوں جمع کیوں ہو گئیں۔ دنیا و دین تو آپس میں ضدیں ہیں یہ غلط تھا کیونکہ انہوں نے اپنی دنیا اور نبی کی دنیا میں فرق نہ کیا انکی دنیا نفسانی بلکہ شیطانی تھی حضور کی دنیا ایمانی بلکہ رحمانی تھی بلبل اور گدھ دونوں ایک درخت پر بیٹھتے ہیں مگر بلبل وہاں سے پھولوں کی تاک لگاتی ہے گدھ مردار کا متلاشی ہوتا ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًاؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ

بے شک وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا عنقریب پہنچائیں گے ہم ان کو آگ میں جب کبھی پک جائیں گی کھالیں

جنہوں نے ہماری نعمتوں کا انکار کیا عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے جب کبھی ان کی کھالیں پک

بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِیْزًا حَكِیْمًا

ان کی تو بدل دیں گے ہم ان کی کھالیں ان کے سوا تا کہ چکھیں وہ عذاب بے شک اللہ ہے غالب حکمت والا

جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں انہیں بدل دیں گے ان کے عذاب کا مزہ لیں بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے نیک عنقریب داخل کریں گے ہم ان کو جنتوں میں کہ بہتی ہیں

اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے عنقریب ہم انہیں باغوں میں لے جائیں گے جنکے نیچے نہریں رواں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا (۵۷)

انکے نیچے سے نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ انہیں واسطے انکے اس میں بیویاں ہیں پاک اور داخل کریں گے ہم انکو گھنے سایہ میں

ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے ان کے لئے وہاں ستھری بیویاں ہیں اور ہم انہیں وہاں داخل کریں گے جہاں سایہ ہی سایہ ہوگا

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں یہود کی یہ بکواس نقل کی گئی تھی کہ ہم کچھ بھی نہ کریں مگر جنتی ہیں اب اس آیت میں انکی پرزور تردید کی جارہی ہے کہ جنت کا داخلہ نسب سے نہیں بلکہ ایمان اور عمل سے ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ارشاد ہوا تھا کہ جس پر خدا لعنت کرے اسکا مددگار کوئی نہیں اب اسکی وجہ بیان ہورہی ہے کہ انکا جنتی ہونا طے ہوچکا ہے پھر انہیں کوئی دوزخ سے کیسے بچا سکتا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر کرتے تھے اب اس اعتراض کرنے کی سزا کا ذکر ہے کیونکہ انکا یہ اعتراض سمجھنے کیلئے نہ تھا بلکہ لوگوں کو بہکانے کیلئے تھا اور بہکانے والا تو دوزخ کا مستحق ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ایسے موذیوں کیلئے دوزخ کی سزا کافی ہے اب اس آیت میں اس اجمالی سزا کی کچھ تفصیل بیان ہورہی ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ حضرات انبیاء کرام پر سب لوگ ایمان نہ لائے بعض ایمان لائے اور بعض انکے منکر ہوئے اب اس آیت کریمہ میں اسکی حکمت بیان فرمائی جارہی ہے کہ ہم نے جنت و دوزخ دونوں ہی کو بھرنا ہے اسلئے دونوں قسم کی مخلوق رہنی چاہئے مومنین بھی کفار بھی۔

تفسیر: **ان الذین کفروا باٰیٰتنا** چونکہ اس مضمون کے انکار بہت تھے بھی اور ہیں بھی کہ کفار اپنے کفریہ عقیدوں کو نجات کا سبب سمجھتے ہیں اسلئے اس کو ان' سے شروع فرمایا گیا حق یہ ہے کہ الذین سے مراد کفار انسان بھی ہیں اور کفار جنات بھی کیونکہ دوزخ جن وانس سارے کافروں کیلئے ہے کفروا سے مراد یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کفار ہیں یہود عیسائی وغیرہ یا اولین وآخرین سارے کافر مراد ہیں پہلی صورت میں آیات سے مراد قرآن کریم کی آیتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آپ کے سارے فرمان عالیہ ہیں اور دوسری صورت میں تمام آسمانی کتابوں و صحیفوں کی آیتیں اور سارے نبیوں کے معجزات وغیرہ ہیں کیونکہ اگر صرف آیات قرآنی یا آسمانی کتب کی آیات ہی مراد ہوں تو لازم آئیگا کہ بہت سے کفار اس سزا سے نکل جائیں حضرات انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ مگر آسمانی کتب صرف چار اور صحیفے ایک سو دس بہت سے پیغمبر کتاب و صحیفہ کچھ بھی نہ لائے انکے منکر کفار آیات کتاب کے منکر نہ تھے نیز فرعون وہامان نے بھی آیات توریت کا انکار نہ کیا کہ توریت تو انکے ڈوبنے کے بعد آئی ہاں ان سب نے اپنے اپنے نبیوں کے معجزات انکے کمالات انکے صفات کا انکار کیا بہرحال یہاں آیات سے مراد چھ چیزیں ہیں قرآنی آیات کتب آسمانی کی آیات حضرات انبیائے کرام کے معجزات ان کے کمالات ان کے صفات کہ یہ سب

آیات الہیہ یعنی اللہ کی نشانیاں ہیں ان میں سے ہر ایک کا انکار کفر ہے۔ خیال رہے کہ یہاں آیات سے مراد جنس آیت ہے کیونکہ ایک آیت کے منکر کا بھی وہی عذاب ہے جو ساری آیتوں کے منکر کا ہے یعنی جن انسانوں یا جنات نے ہماری ساری یا بعض آیتوں کا انکار کیا تو خیال رہے کہ قرآنی آیات کے انکار کی دو صورتیں ہیں ایک الفاظ آیات کا انکار دوسرے معانی و احکام آیات کا انکار جو کوئی اقیموا الصلوۃ میں صلوۃ کے معنی صرف دعا کرے نماز کا انکار کرے یا خاتم النبیین کے معنی کرے اصل نبی اور حضور کے آخری نبی ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے کہ آیات قرآنیہ کا منکر ہے انکار معنوی کرتا ہے **سوف نصلیھم نارا** یہ عبارت ان کی خبر ہے سوف اور س کبھی ڈرانے کیلئے آتے ہیں۔ رب فرماتا ہے سأصليه سقر اور کبھی وعدے اور امید دلانے کیلئے رب فرماتا ہے **ولسوف یعطیک ربک فترضی** اور فرماتا ہے سوف استغفر لكم ربي یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی ڈرانے اور دھمکانے کیلئے **نصلی** صلوۃ سے بنا بمعنی تپانا و گرم کرنا اسلئے بھنی بکری کو شاۃ مصلیۃ کہتے ہیں یہاں مراد تپانے جلانے بھوننے کیلئے داخل کرنا۔ نار سے مراد دوزخ کی آگ ہے خواہ قبر و برزخ میں ہو جہاں کافر مرتے ہی پہنچتا ہے یا جہنم میں جہاں کافر بعد قیامت پہنچے گا یعنی ہم اسے دوزخ کی آگ میں عنقریب تپانے کیلئے داخل کریں گے خیال رہے کہ بھوننے کیلئے دوزخ میں داخلہ کافروں کا ہی ہوگا مومن کا داخلہ گناہوں سے صاف ہونے کیلئے ہوگا **کلما نضجت جلودھم بدلنھم جلودا غیرھا** : کلما تکرار و دوام کیلئے ہے نضجت نضج سے بنا بمعنی گوشت کا ہانڈی میں پک جانا یا کباب کے طور پر گل جانا پھل وغیرہ پکنے کو نضج کہہ دیتے ہیں۔ نضیج الرای اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی رائے پختہ اور مضبوط ہو یہاں دوسرے معنی میں ہے جلود جلد کی جمع ہے بمعنی کھال بدن اور بدن کا چھلکا کبھی جسم کو بھی جلد کہہ دیتے ہیں خیال رہے کہ جلد بکسر جیم کھال ہے اور جلد بفتح جیم کوڑا جو کھال پر پڑے مجازاً الباس کو جلد کہہ دیتے ہیں بعض لوگوں نے یہاں یہ ہی معنی کئے ہیں مگر یہ صحیح نہیں جب تک حقیقی معنی بن سکتے ہوں بلاوجہ مجازی معنی لینا جائز نہیں یہاں بمعنی کھال ہی ہے تبدیل سے مراد یا تو وصفاً "بدلنا" ہے کہ مادہ ایک ہی رہے اور شکل بدل جائے مثلاً پہلے کھال کالی ہو گئی تھی اب سفید کر دی جائے وہ مردہ ہو چکی تھی جس سے احساس جا رہا تھا اب پھر زندہ کر دی جائے کہ احساس پیدا ہو جائے اور یا ذاتی تبدیلی مراد ہے اسطرح کہ پہلی کھال جل کر بیکار ہو جائے پھر گوشت میں سے ہی نئی کھال پیدا ہو جائے جیسے دنیا میں بھی مردار کھال چھیل دیتے ہیں تو نیچے سے نئی کھال نمودار ہو جاتی ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں باہر سے لا کر نئی کھال پہنا دی جائے لہٰذا آیت بالکل صاف ہے غیر سے مراد یا ذاتاً "غیر ہے یا وصفاً" غیر جیسے تبدیل کے معنی ویسے ہی غیر کے معنی یعنی جب کبھی ان دوزخی کفار کی کھالیں گل کر پک کر جل جائیں گی تو ہم دوسری کھالیں تبدیل کر دیں گے حدیث شریف میں ہے کہ یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پڑھی گئی سیدنا معاذ ابن جبل بھی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے پوچھا کہ تمہیں اسکی تفسیر معلوم ہے فرمایا ہاں ہر ساعت میں سو بار کھال بدلی جائیگی جناب عمر نے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی فرماتے سنا ہے (بغوی و خازن) **لیذوقوا العذاب** لام بمعنی کے ہے یہ عبارت بدلنا کے متعلق ہے ذوق کے معنی چکھنا ہیں مگر ایسے مقام پر برداشت کے معنی میں ہوتا ہے یہ جملہ دوام کیلئے ہے یذوقوا کا فاعل وہی کفار ہیں جنکا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے عذاب سے مراد دوزخ کے سارے عذاب ہیں جنکا تعلق ظاہر جسم سے ہے آگ کی جلن زہریلے جانوروں کا ڈنک کھولتے پانی کی سوزش وغیرہ یعنی تبدیلی کھال اسلئے ہوتی رہیگی تاکہ وہ دوزخ کے عذاب برابر چکھتے اور برداشت کرتے رہیں ہر آن انکو نئی تکلیف ہو جلی اور گلی کھال کی بے حسی کی وجہ سے عذاب کے احساس میں کمی نہ ہو۔ چونکہ ان دوزخی کفار کو عذاب کی تکلیف

ہمیشہ اتنی ہی محسوس ہوگی جتنی شروع میں محسوس ہوتی تھی دنیا کی طرح یہ نہ ہوگا کہ اولاً زیادہ تکلیف محسوس ہو بعد میں عادت پڑ جانے پر احساس اس قدر نہ رہے اسلئے یہاں لیذوقوا دوام و استمرار کے طور پر ارشاد ہوا یعنی تاکہ چکھتے رہیں چکھنا اول ذائقہ کو کہا جاتا ہے بعد میں کھانا بولا جاتا ہے **ان اللہ کان عزیزا حکیما** یہ نیا جملہ ہی جو پہلے مضمون کی تاکید کیلئے لایا گیا کان دوام اور استمرار کیلئے ہے۔ عزیز کے معنی غالب بھی ہیں اور قادر بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ حکیم حکمت سے بنا جو عبث کے مقابل ہے یعنی یہ عذاب یقیناً ہوگا اللہ تعالٰی غالب اور قادر بھی ہے اور وہ بندوں کو اس قسم کے عذاب دے سکتا ہے اسے بدلہ لینے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی حکمت والا بھی ہے اس قسم کی سزا دینے میں اسکی لاکھوں حکمتیں ہیں **والذین امنو وعملوا الصلحت** قرآن کریم سزاؤں کے ساتھ ثوابوں کا ذکر فرماتا ہے اور کفار کے ساتھ مومنین کا تاکہ قرآن پڑھنے والا کفار کے عیوب سے بچے اور مومنین کی صفات اختیار کرے الذین سے مراد صرف انسان ہیں جنات اور فرشتے اس میں داخل نہیں کیونکہ انکا ثواب صرف انسانوں کیلئے ہے۔ امنوا سے مراد بلاواسطہ و بالواسطہ یعنی حقیقی و حکمی دونوں ایمان ہیں لہٰذا مسلمانوں کے ناسمجھ فوت شدہ بچے اس میں داخل ہیں امنوا سے مراد یا حضور کی امت والے ہیں یا سارے انبیاء کرام کی امتیں جو ان پر ایمان لائیں جیسے کفروا کے معنی تھے ویسے امنوا کے معنی ہوں گے نیک اعمال سے مراد بقدر طاقت تمام نیکیاں ہیں یعنی جو انسان ایمان اور نیک اعمال دونوں اختیار کرے **تو سند خلھم جنت تجری من تحتھا الانھار** یہ عبارت الذین کی خبر ہے س استقبال قریب کیلئے آتا ہے اگرچہ جنت کا یہ داخلہ بعد قیامت ہوگا اور قیامت ہم کو دور معلوم ہوتی ہے لیکن رب کے نزدیک وہ بہت ہی قریب ہے کہ اس عالم کا ایک دن یہاں اس دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہے ان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون۔ یا چونکہ ہر جانے والی چیز دور ہے اگرچہ ہمارے پاس ہی ہو اور ہر آنے والی چیز قریب ہے اگرچہ ہم سے دور معلوم ہوتی ہو دنیا دور ہے کہ جا رہی ہے آخرت نزدیک ہے کہ آرہی ہے اسلئے ارشاد فرمایا گیا۔ رب فرماتا ہے اقتربت الساعۃ قیامت قریب آگئی اگرچہ مومنوں کو جنت میں لے جانا وہاں داخل کرنا پہنچانا فرشتوں کا کام ہے مگر چونکہ انکے وہ سارے کام بحکم الٰہی ہوں گے اسلئے رب تعالٰی نے فرمایا ہم داخل کریں گے جنت جنت کی جمع ہے بمعنی گھنا باغ جسکے نیچے کی زمین نظر نہ آئے تحتھا کا مرجع جنت ہے انہار سے مراد دودھ شراب طہور شہد وغیرہ کی نہریں ہیں یہ نہریں نکلتی اور جگہ سے ہیں مگر بہتی ہیں باغوں میں یہاں پھوٹتی اور ابلتی نہیں اسلئے تجری ارشاد ہوا یعنی انکو ایسے باغوں میں بعد قیامت داخل فرمائیں گے جنکے نیچے دودھ وغیرہ کی نہریں بہہ رہی ہیں خیال رہے کہ مومن کی قبر میں جنت آتی ہے کہ وہاں کی ہوائیں اور پھل یہاں پہنچتے ہیں اور بعد قیامت مومن جنت میں پہنچیں گے لہٰذا آیت صاف ہے **خلدین فیھا ابدا** یہ عبارت سند خلھم کی ضمیر سے حال ہے خلود کے معنی ہمیشگی بھی ہے اور دراز قیام بھی یعنی بہت ٹھہرنا مگر جب اسکے بعد ابداً آجائے تو اسکے معنی ہمیشگی ہی ہوتے ہیں چونکہ یہاں ابداً موجود ہے لہٰذا خلود اسی معنی میں ہے اگرچہ یہاں جنتیوں کو ہمیشگی بیان کی گئی مگر اس سے خود جنتوں کی ہمیشگی بھی سمجھ میں آگئی وہاں کا ہر درخت ہر پھل بلکہ پانی کے ہر قطرہ کو ہمیشگی ہے کہ کھا لینے پر بھی فنا نہ ہوگا حضور فرماتے ہیں کہ اگر ہم جنت کا خوشہ توڑ لیتے تو تم قیامت تک اسے کھاتے رہتے رب فرماتا ہے **اکلھا دائم** اسکے پھل ہمیشہ ہیں **لھم فیھا ازواج مطھرۃ** یہ جنتیوں کی دوسری نعمت کا ذکر ہے لہم کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا کہ ہر جنتی کی بی بی ہمیشہ اسکے ساتھ رہے گی نہ مرے نہ طلاق سے علیحدہ ہو کیونکہ وہاں موت یا

طلاق نہیں ازواج جمع زوج کی ہے زوج خاوند کو بھی کہتے ہیں بیوی کو بھی یہاں بمعنی بیوی ہے چونکہ بیوی مرد کیلئے راحت کا ذریعہ ہے اسلئے قرآن کریم ہر جگہ یہی فرماتا ہے کہ جنتی مردوں کیلئے بیویاں ہوں گی یہ نہیں فرماتا کہ جنتی عورتوں کیلئے خاوند ہوں گے ازواج سے مراد یا چند بیویاں ہیں یا چند قسم کی بیویاں۔ اپنی دنیاوی بیوی جو اسکے نکاح میں فوت ہوئی اور کنواری جنتی لڑکیاں نیز کافروں کی مومنہ بیویاں اور حوریں یہ تمام کی تمام جنتیوں کے نکاح میں دی جائیں گی حق یہ ہے کہ نکاح انکا ہو چکا ہے وہاں تو ملاقات ہی ہوگی رب تعالیٰ فرماتا ہے **زوجنھم بحور عین** اور حضور فرماتے ہیں کہ جب کوئی عورت اپنے خاوند سے لڑتی ہے تو جنت سے اس کی بیوی حور پکارتی ہے کہ اسے مت ستا یہ تیرے پاس مہمان ہے ہمارے پاس آنے والا ہے مطھرۃ سے مراد ہر طرح سے پاک اور صاف کی ہوئیں۔ حیض نفاس و تھوک رینٹ میل وغیرہ تمام ظاہری گندگیوں سے بھی پاک بد خلقی خاوند کی نافرمانی بے حیائی جھگڑے وغیرہ باطنی عیوب سے بھی پاک یعنی ان کیلئے ان جنتوں میں پاک صاف بیویاں بھی ہیں **وندخلھم ظلا ظلیلا** یہ جنت کی تیسری نعمت کا ذکر ہے ظل کے معنی ہیں سایہ ظلیلا" کے معنی یا گھنا سایہ ہے جس میں دھوپ چھن کر نہیں نہ آئے یا دائمی سایہ کہ جو کبھی فنا نہ ہو چونکہ ملک عرب میں درخت بہت ہی کم ہوتے ہیں اور ہوتے بھی ہیں تو کھجور ببول وغیرہ بے سایہ اسلئے وہاں سایہ بہت پیارا ہے حتی کہ بعض ہوٹلوں میں سائے کے پیسے بھی لئے جاتے ہیں بعض منزلوں پر دیوار کے سائے میں بیٹھنے کے پیسے لئے جاتے ہیں اسلئے خصوصیت سے اس نعمت کا ذکر فرمایا گیا ورنہ یہ تو جنت فرمانے سے ہی معلوم ہو گیا تھا یعنی ہم ان کو گھنے اور دائمی سائے میں جگہ دیں گے جہاں سورج ہی نہ ہوگا۔

خلاصہ تفسیر: بیشک وہ لوگ جنہوں نے ہمارے قرآن کی آیتوں محبوب کے فرمانوں اور انکے معجزات کا انکار کیا یا ہمارے نبیوں کے معجزات و احکام کا انکار کیا ہم انہیں عنقریب دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں تپانے کیلئے پہنچائیں گے وہاں انکی کیفیت یہ ہوگی کہ جب کبھی ان کفار کی کھالیں پک کر جل جائیں گی کہ ان میں جلن محسوس کرنے کا مادہ نہ رہے گا تو ہم اسی وقت ان کھالوں کو دوسری کھالوں میں تبدیل کر دیں گے یا اسطرح کہ انہیں کھالوں کو پھر زندہ کر دیں گے یا اسطرح کہ وہ کھال اتار دیں گے اور انکے گوشت پر دوسری کھال بنا دیں گے یہ تبدیلی کھال اس لئے ہوگی تاکہ وہ ہمیشہ عذاب چکھتے ہی رہیں کبھی اس میں فرق نہ آنے پائے اللہ تعالیٰ غالب ہے یہ سب کچھ کر سکتا ہے اسے کوئی کسی قسم کی سزا دینے سے روک نہیں سکتا حکمت والا بھی ہے۔ نجات کے متعلق لوگوں کے مختلف خیال تھے اور ہیں ایک یہ کہ نجات اور جنت کیلئے نہ ایمان کی ضرورت ہے نہ نیک اعمال کی صرف اولاد انبیاء ہونا یا پیروں درویشوں کو راضی کر لینا کافی ہے عام علماء یہود و نصاریٰ کا یہ ہی خیال ہے۔ دوسرے یہ کہ نجات کیلئے صرف نیک اعمال کافی ہیں ایمان کی ضرورت نہیں جس مذہب میں رہ کر اچھے عمل کرو بخشے جاؤ گے مولوی ابو الکلام آنجہانی نے یہ ہی لکھا اپنی تفسیر سورہ فاتحہ میں۔ تیسرے یہ کہ نجات کیلئے صرف ایمان کافی ہے عمل کی ضرورت نہیں اور انکے نزدیک ایمان نام ہے دعویٰ محبت اہل بیت کا یہ عقیدہ آجکل عام بھنگی پوستی فقیروں عام جاہل روافض کا ہے اس آیت میں ان تینوں خیالات کی تردید ہے اسلام میں نجات پھل ہے ایمان جڑ نیک اعمال شاخیں جیسے پھل کیلئے جڑ و شاخوں دونوں کی ضرورت ہے ایسے ہی نجات کیلئے ایمان و اعمال دونوں ضروری ہیں اسلئے یہ ارشاد ہوا۔ کہ رہے وہ انسان جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال بھی نیک کئے ہم انہیں ثواب کیلئے ایسے گھنے باغوں میں داخل کریں گے جنکے نیچے دودھ شہد پانی شرابا" طہورا وغیرہ کی نہریں جاری ہیں جنتی

ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے نہ وہ مریں یا تبدیل ہو کر وہاں سے نکلیں نہ ان باغوں میں کبھی خزاں وغیرہ آئے انکے ساتھ ہی انکو ہر طرح کی صاف اور پاک بیویاں عطا فرمائی جائینگی جو ہر ظاہری و باطنی گندگی سے پاک ہوں گی ہم انہیں ایسے آرامدہ سائے میں رکھیں گے جو گھنا بھی ہے اور دائمی بھی کہ وہاں نہ سورج ہو گا نہ دھوپ حدیث شریف میں ہے کہ دوزخی کی کھال اتنی موٹی ہو گی کہ اسکی موٹائی میں سوار تین دن چلے اور اس کی داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہو گی۔ (مسلم عن ابی ہریرۃ و تفسیر خازن)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: دوزخ کے یہ مذکورہ عذاب صرف کافروں کیلئے ہیں گنہگار مومن کو ان سے محفوظ رکھا جائیگا۔ انکا عذاب نہایت ہلکا اور خفیف ہو گا جیسا کہ کفروا سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار رب کی تمام آیتوں تمام نبیوں کے معجزات کا انکار ہے جیسا کہ بایتنا سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: دوزخ میں کفار کا داخلہ وہاں جلنے تپنے کیلئے ہو گا مومن گنہگار کا داخلہ گناہوں کی میل سے صاف ہونے کیلئے ہو گا بھٹی میں کوئلہ بھی جاتا ہے گندا لوہا بھی اور سونا بھی مگر دخول کی نوعیت میں فرق ہے جیسا کہ نصلیہم سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: دوزخ میں اصل عذاب آگ کا ہی ہے خواہ ٹھنڈا عذاب ہو یا گرم وہاں کا ٹھنڈا عذاب آگ کی دوری سے ہے اور گرم عذاب آگ کے قرب سے یہ فائدہ نارا سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: دوزخ کی آگ اگرچہ کافر کے ہر عضو پر پہنچے گی رب فرماتا ہے **تطلع علی الافئدۃ** مگر جلائے گی صرف کھال کو اسکے علاوہ کوئی عضو نہ جلے گا یہ فائدہ جلودہم سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: کافر دوزخی کی کھال کا جلنا صرف ایک بار نہ ہو گا بلکہ بار بار ہو گا جیسا کہ کلما سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: کافر دوزخی کے احساس عذاب میں کبھی کمی نہ ہو گی اسے جتنی تکلیف داخلے کے وقت ہو گی اتنی ہی ہمیشہ رہے گی یہ بھی لیذوقوا سے فائدہ حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: جنت میں داخلے کیلئے ایمان اور نیک اعمال دونوں ہی کی ضرورت ہے اگر جنت لینی ہے تو نیکیاں کرو یہ فائدہ عملوا الصلحت سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: ہر جنتی اپنے حصے کی جنت بھی لے گا اور کفار کے حصے کی جنتوں اور نہروں پر بھی قبضہ کر لے گا یہ فائدہ جنت اور انہار کی جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ گیارہواں فائدہ: جنتیوں جنتوں اور وہاں کے ہر پھل اور ہر قطرے کو دوام ہے کسی کیلئے فنا نہیں یہ فائدہ ابدا سے حاصل ہوا۔ بارہواں فائدہ: جنتی بیویاں ہر قسم کی ظاہری باطنی، جسمانی، دلی، روحانی گندگیوں سے پاک ہیں۔ یہاں کی کامل عورتیں بھی وہاں حوروں سے زیادہ حسین ہوں گی کیونکہ ان پر عبادت کا حسن بھی ہو گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یہ فائدہ مطہرۃ سے حاصل ہوا۔ تیرہواں فائدہ: ہر ایک جنتی کو کئی قسم کی بیویاں عطا ہوں گی۔ جیسا کہ ازواج جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ چودہواں فائدہ: جنت میں سورج نہ ہو گا نہ وہاں دھوپ تجلی الٰہی کی روشنی ہو گی رب فرماتا ہے **واشرقت الارض بنور ربها** یہ فائدہ ظلیلا کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص ساری آیتوں کا انکار کرے وہ دوزخی ہو تو کیا ایک دو آیتوں کا منکر دوزخی نہیں۔ جواب: اسکا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ ایک آیت کا انکار ساری آیتوں کا انکار ہے ارکان ایمان جال کے پھندوں کی طرح ہیں ایک پھندا کھلا سارے پھندے کھل گئے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا صرف کفار ہی دوزخ میں جائیں گے تو کیا گنہگار مسلمان دوزخی نہیں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی دوزخ میں جائیں گے۔ جواب: بیشک

دوزخ میں تپنے اور جلنے کیلئے صرف کفار ہی جائیں گے گنہگار مسلمان پاک وصاف ہونے کیلئے جائیں گے نہ کہ جلنے کیلئے اسلئے یہاں نصلی ارشاد ہوا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ سارے کفار آگ میں ہی جائیں گے تو دوزخ کے ٹھنڈے طبقوں میں کون جائیگا۔ **جواب:** وہاں بھی کفار ہی جائیں گے مگر وہاں جانا آگ میں ہی جانا ہے جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ دوزخی کی کھال ایک نہ رہے گی بلکہ کھالوں کا تبادلہ ہوتا رہے گا۔ بعد والی کھالیں بے گناہ تھیں تو انہیں عذاب کیوں دیا گیا اور پہلی کھال کا عذاب ختم کیوں ہو گیا یہ خلود کے خلاف ہے۔ **جواب:** اسکے تین جواب تفسیر سے معلوم ہو چکے ایک یہ کہ خود کھال نہ بدلے گی بلکہ کھال کا حال بدلے گا اس طرح کہ مردار کھال کو زندگی دے دی جائیگی سیاہ کھال کو سفید کر دیا جائے گا دوسرے یہ کہ کھال کی ذات ہی بدلے گی مگر اسے نئی کھال نہ پہنائی جائیگی بلکہ اسکا گوشت ہی کھال بن جائیگا۔ جیسے آج مردار کھال کے نیچے نئی کھال نمودار ہوتی ہے تیسرے یہ کہ مان لیا جائے کہ نئی کھال ہی پہنائی جائیگی تو کھال بذات خود عذاب نہیں پاتی عذاب تو ذات کافر کو ہوا وہ ایک ہی ہے اور ہمیشہ ہے جسے قرآن کریم فرماتا ہے **وسقوا ماء حمیما فقطع امعاء ھم** یعنی دوزخیوں کو کھولتا پانی پلایا جائیگا جو انکی آنتیں کاٹ کر نکال دیگا۔ اب دیکھو آنت کٹ کر نکل جائیگی دوسری آنت اسی وقت بن جائیگی۔

لطیفہ: تفسیر روح البیان نے بحوالہ شرح بخاری مصنفہ علامہ سفیری اس جگہ بیان کیا کہ قیامت کے دن روح اور جسم جھگڑیں گے جسم کہے گا میں تیرے بغیر درخت کی شاخ کی طرح تھا قابل گناہ تو نے مجھ سے گناہ کرائے روح کہے گی میں تیرے بغیر ایک ہوا تھی تیرے بغیر گناہ نہ کر سکتی تھی سزا تجھے چاہئے نہ کہ مجھے رب تعالیٰ اس فیصلے کیلئے ایک فرشتہ بھیجے گا جو ان دونوں سے کہے گا کہ ایک اندھے کے کندھے پر آنکھ والا لنگڑا بیٹھ کر باغ میں چوری کرے تو بتاؤ سزا کسے ملے گی وہ دونوں بولے کہ اندھا اور لنگڑا دونوں سزا کے مستحق ہیں فرشتہ کہے گا جسم اندھا ہے اور روح لنگڑی دونوں نے مل کر گناہ کئے لہذا دونوں دوزخ میں جاؤ (روح المعانی)

پانچواں اعتراض: کھال کی تبدیلی کی ضرورت کیا ہے ایک ہی کھال ہمیشہ سزا پا سکتی ہے۔ **جواب:** اس میں ہزارہا حکمتیں ہیں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس تبدیلی سے دوزخی کی ناامیدی بڑھے گی اور اسکے عذاب میں اضافہ ہوگا۔ ہر تبدیلی کے وقت اسکی تکلیف کے احساس میں بہت زیادتی ہو جائیگی اسی لئے یہاں ارشاد ہوا لیذوقوا العذاب **چھٹا اعتراض:** یہ عقل میں نہیں آتا کہ ایسی سخت آگ میں رہ کر بھی کافر کو موت نہ آئے اور اسکا جسم جل نہ جائے راکھ نہ ہو جائے۔ **جواب:** اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے دیکھو زمین میں لوہا یا فولاد دفن کر دو تو مٹی اسکو گلا کر فنا کر دیتی ہے مگر دانے کو فنا نہیں کرتی بلکہ اسے ہرا بھرا کر دیتی ہے یہ اسکی ہی قدرت ہے۔ **ساتواں اعتراض:** یہ عقل میں نہیں آتا کہ جنت کا پھل کھا بھی لیا جائے اور ویسے بھی باقی بھی رہے وہاں کے قطرے پی بھی لئے جائیں پھر بھی وہ ویسے ہی رہیں جیسا کہ تم نے خلدین فیہا کی تفسیر میں بیان کیا۔ **جواب:** اسکی مثالیں دنیا کے اندر موجود ہیں ہوا' دھوپ تمام دنیا استعمال کرتی رہتی ہے اور ویسے ہی رہتی ہے اس میں قطعاً فرق نہیں آتا تو اگر وہ نورانی غذا استعمال کے بعد ویسے ہی رہے تو کیا حرج ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** جب جنت میں سورج ہی نہیں تو وہاں سایہ کیسے سایہ سورج سے پیدا ہوتا ہے نیز جہاں دھوپ نہ پہنچے وہ جگہ وبا اور بیماری والی ہوتی ہے۔ **جواب:** یا تو یہاں سائے سے مراد جنت کے درختوں کا پھیلاؤ ہے کہ اگر سورج ہوتا تو ان درختوں کا سایہ اتنے بیچ میں ہوتا اور ایسا گھنا ہوتا۔ رب فرماتا ہے وظل

ممدود حدیث شریف میں ہے کہ جنت میں ایک درخت ایسا ہے کہ اس کے سائے میں سو برس سوار دوڑے تو بھی اسکو طے نہ کر سکے یا سائے سے مراد ہے راحت و چین اور پناہ و امان جیسے کہا جاتا ہے۔ بادشاہ اللہ کا سایہ ہے یا اللہ آپکا سایہ ہمیشہ رکھے (روح البیان)۔ نواں اعتراض: قرآن شریف میں یا کفار کی سزاؤں کا ذکر ہوتا ہے یا متقی مومنوں کے ثوابوں کا فاسق گنہگار مومنوں کا کہیں ذکر نہیں آتا چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے بتاؤ بے عمل اور بد عمل مسلمان کہاں جائیں گے۔ جواب: یہ رب کریم کی ستاری ہے کہ اس نے ہم گنہگاروں کا پردہ رکھا ہمارا ذکر فرمایا ہے تو بخشش اور مغفرت کے ساتھ فرمایا **لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا** ہاں فساق کی دنیاوی سزاؤں کا ذکر قرآن مجید میں ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹ دو زانی کو سو کوڑے مارو معاملہ ء آخرت کو پردہ ءراز میں رکھا حدیث شریف نے فرمایا کہ بعض گنہگار رحمت اور شفاعت کے پانی سے نہا کر اور بعض سزا کی آگ میں صاف ہو کر جنت میں جائیں گے اور انکی وہاں رسوائی نہ ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ: کفار پر یہ عذاب اور تبدیلی دنیا میں بھی ہو رہی ہے لیکن یہاں انہیں اسکا احساس نہیں بعد موت اسکا احساس ہوگا۔ جیسے بے ہوش کو زخم لگا دیا جائے تو اسے تکلیف تو ہوتی ہے مگر احساس نہیں ہوتا ہوش میں آنے پر درد محسوس کرتا ہے چیختا چلاتا ہے یہاں وہ سو رہے ہیں یا دنیاوی لذتوں میں مدہوش ہیں مرتے ہی آنکھ کھل جائے گی۔ شرک، کفر اور گناہ سخت تکلیف دہ چیزیں ہیں جنکا ظہور بعد موت ہوگا۔ بندے کو چاہئے کہ شریعت کے موافق نفس اور خواہشات کے خلاف عمل کرے تاکہ اللہ تعالٰی شریعت کی اکسیر سے اسکے نفسانی ظلمانی تانبے کو روحانی نورانی صفات کی چاندی بنا دے جو اپنے کو دنیا ہی میں اسطرح بدل لے گا تو آخرت میں نہ اسکو عذاب دیا جائیگا نہ اسکی کھال کی تبدیلی ہوگی یہاں حال تبدیل کر لو تاکہ وہاں کھال تبدیل نہ ہو۔ یہاں شرم و ندامت کی آگ میں جل لو تاکہ وہاں اس آگ میں نہ جلو۔

برادر زکار بداں شرم دار! کہ درروئے نیکاں شوی شرمسار!
نریزد خدا آبروئے کسے کہ ریزو گناہ آب چشمش بسے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو شخص جنت کی مذکورہ نعمتیں چاہتا ہے وہ پانچ چیزوں پر ہمیشہ عمل کرے۔ اپنے کو گناہوں سے بچا کر رکھے۔ تھوڑی دنیا پر راضی رہے کیونکہ جنت کی قیمت ترک دنیا ہے۔ اللہ کی اطاعتوں پر حریص رہے ہر قسم کی نیکی کرے نہ معلوم کونسی نیکی اسکو بخشوا دے۔ نیکوں سے محبت رکھے اور انکے ساتھ رہے کہ اچھوں کی محبت اور صحبت اچھا کر دیتی ہے۔

امید است از آناں کہ طاعت کنند کہ بے طاعتاں راشفاعت کنند!

یعنی طاعت والے بے طاعتوں کو شفاعت کرکے بخشوا لیں گے۔ اللہ سے دعا زیادہ مانگے کہ اسکا خاتمہ ایمان پر ہو دعا تیر قضا کیلئے مثل جوشن کے ہے اور تلوار بلا کیلئے مثل زرہ کے۔

غنیمت شمارند مرداں دعا! کہ جوشن بود پیش تیر بلا

(از روح البیان)

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ

بے شک اللہ حکم دیتا ہے تم کو یہ کہ ادا کرو تم امانتوں کو ان کے اہل کی طرف اور جب فیصلہ کرو تم درمیان لوگوں کے

بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انہیں سپرد کر دو اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے

أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا

یہ کہ فیصلہ کرو ساتھ انصاف کے بے شک اللہ بہت اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو اس کی بے شک اللہ ہی سننے والا دیکھنے والا

ساتھ کرو بے شک اللہ تمہیں کیا ہی خوب نصیحت فرماتا ہے بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ نیک اعمال کرنے والے مومنوں کو ہم جنت میں داخل فرمائیں گے اب نیک اعمال کی کچھ تفصیل فرمائی جارہی ہے کہ صرف عبادات ہی نیک اعمال نہیں ہیں بلکہ درستی معاملات بھی ضروری ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کی کچھ تفصیل ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ جنتی کو اسکے باغات اور اپنی نامزد بیویاں ملیں گی رب تعالیٰ کسی کا حق دوسرے کو نہ دیگا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اے مسلمانو تم بھی دنیا میں امانتیں مالکوں کو دو یہاں تم امانتیں دو اور وہاں رب سے اپنی امانتیں لو۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں یہود کی علمی خیانتوں کا ذکر تھا انہوں نے جانتے ہوئے کفار کو مسلمانوں کے مقابلے میں ہدایت یافتہ بتایا یہ توریت کی آیتوں میں بدترین خیانت ہے اب ہم کو حکم ہے کہ تم ان جیسے نہ بن جاؤ ہر مومن علم، مال، راز وغیرہ کا امانتدار ہے امانتداری سے کام لے خیانت نہ کرے ورنہ وہ بھی یہود جیسا مجرم ہو گا۔

شان نزول: عام مفسرین نے اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ لکھا کہ فتح مکہ کا دن ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ شان سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو عثمان ابن طلحہ حجبی جو قبیلہ بنی عبدالدار سے تھے اور کعبہ معظمہ کے سادن یعنی چابی بردار تھے انہوں نے کعبے کے دروازے میں قفل لگا دیا اور خود چھت پر چڑھ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ بتوں سے صاف کرنے کیلئے چابی طلب فرمائی لوگوں نے کہا کہ چابی عثمان کے پاس ہے جناب علی مرتضیٰ کو چابی لینے بھیجا گیا عثمان نے انکار کیا اور کہا کہ اگر میں انہیں رسول اللہ سمجھتا تو چابی دے دیتا جناب شیر خدا نے ایک ہاتھ سے انکی گردن پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے انکا ہاتھ مروڑ کر چابی چھین لی اور فرمایا عثمان ہوش کرو آج تم بلکہ سارا مکہ و کعبہ معظمہ جناب مصطفیٰ کے راج میں ہو تمہاری کیا طاقت ہے کہ چابی نہ دو اور چابی حضور کی بارگاہ میں حاضر کر دی سرکار بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے اور وہاں سے بت نکلوا کر عین کعبہ میں دو رکعت نفل پڑھے جب سرکار کعبے سے باہر تشریف لائے تو حضرت عباس نے عرض کیا کہ حضور سقایت یعنی حاجیوں کو پانی پلانا تو میرے پاس ہے ہی حضور سدانت یعنی کعبے کی کلید برداری بھی مجھے عنایت فرمائی جائے تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ یہ چابی جسکی امانت ہے اسکو پہنچاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی مرتضیٰ کو حکم دیا کہ چابی عثمان کو دے آؤ جناب علی عثمان کے پاس گھر پہنچے تو معذرت کے ساتھ انہیں چابی واپس دی عثمان بولے کہ تم پہلے گرم تھے اب نرم کیوں ہو گئے تو جناب علی نے انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی عثمان کے دل پر ایسا اثر پڑا کہ فوراً ہی اسلام لے آئے اور انہوں نے اپنی موت کے

وقت اپنے بھائی شیبہ کو چابی سپرد کی آج تک وہ چابی شیبہ کی اولاد میں ہے (جلالین، خازن، کبیر، روح المعانی وبیان وغیرہ) مگر اس روایت پر اعتراض یہ ہے کہ ابن عبد البر، ابن مندہ، ابن اثیر وغیرہ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان ابن طلحہ۔ حدیبیہ کے سال ۸ھ میں خالد ابن ولید اور عمرو ابن عاص کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچے اور مسلمان ہو گئے حضور نے خبر دی تھی کہ مکہ نے اپنے کلیجے کے ٹکڑے ہماری طرف پھینک دیئے یعنی مکے کے سردار اسلام لانے آرہے ہیں۔ صلح حدیبیہ فتح مکہ سے دو سال پہلے ہوئی ہے تو انکا اسلام بھی فتح مکہ سے پہلے ہے۔ حق یہ ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ مسلمان تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ نے بخوشی کعبہ کھولا ہاں حضرت عباس نے اس چابی کی خواہش کی تب یہ آیت کریمہ اتری اور حضور نے عثمان سے فرمایا خذ ھا خالدۃ تالدۃ یعنی اے عثمان تم یہ چابی لو تاقیامت تم میں ہی رہے گی اس روایت کو ترجیح ہے۔ (دیکھو تفسیر خزائن العرفان و روح المعانی وبیان وغیرہ)۔

تفسیر: **ان اللہ یامرکم** : ادائے امانت کی اہمیت ظاہر فرمانے کیلئے اس آیت کو ان سے شروع فرمایا گیا۔ یامر امر سے بنا بمعنی تاکیدی حکم۔ کم میں خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جمع تعظیم کیلئے یا حضور علی و عباس سے یا تمام صحابہ کرام سے یا سارے مسلمانوں سے کیونکہ ہر مسلمان کسی نہ کسی امانت کا امین ہے یہی زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ آیت کے الفاظ کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ شان نزول کی خصوصیت کا اللہ تعالیٰ نے ہم کو احکام مختلف عبارتوں سے دیئے۔ نماز و روزہ کیلئے **اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ** اور روزہ کیلئے فرمایا **کتب علیکم الصیام** حج کیلئے فرمایا **للہ علی الناس حج البیت** مگر میراث کیلئے فرمایا **یوصیکم اللہ فی اولادکم** اور ادائے امانت و عدل کیلئے فرمایا **یامرکم** جس میں نہایت اہتمام معلوم ہوتا ہے کیونکہ امانت و عدل سے دنیا بھی قائم ہے آخرت بھی۔ جس ملک میں امانت و عدالت نہ ہو وہ ملک ویران ہے حضور کا لقب ہے امین رب تعالیٰ نے آسمان و زمین پر امانت ہی پیش فرمائی تھی اسلئے اداء امانت کیلئے اتنا اہم حکم دیا کہ ہم اللہ ہونے کی شان سے تم کو یہ حکم دیتے ہیں **ان تئودوا الامنت الی اھلھا** یہ عبارت یامر کا دوسرا مفعول ہے تئودوا اداء کا مضارع ہے بمعنی ادا کرنا سونپنا سپرد کرنا امانات امانت کی جمع ہے امانت اور امان مصدر ہیں جسکا مادہ امن ہے کبھی امان اس حالت کا نام ہوتا ہے جس میں انسان امن میں ہو اور کبھی اس چیز کا نام ہوتا ہے جسکا انسان کو امین بنایا جائے۔ چونکہ امانتیں بہت سی قسم کی ہیں علم کی۔ مال کی۔ عزت و آبرو کی۔ رازکی بلکہ حق تو یہ ہے کہ ہمارے اعضاء اللہ کی امانتیں ہیں اسلئے امانت جمع ارشاد ہوا الیٰ کا تعلق تئودوا سے ہے اہل امانت وہ ہیں جو اس امانت کے حقدار ہوں خواہ عام انسان ہوں یا خود رب تعالیٰ اے مسلمانو اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں انکے حقداروں کو پہنچاؤ۔ اس جملہ میں تو ان امانتوں کی ادا کا حکم ہوا جو ہمارے اپنے ذمہ ہوں پھر ان امانتوں کے ادا کرا دینے کا حکم دیا گیا جو کسی کی امانت دوسرے کے ذمہ ہوں اور ہم ادا کرا دینے پر قادر ہوں کہ فرمایا **واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل** واؤ عاطفہ ہے یہ عبارت ان تئودوا پر معطوف ہو کر یامر کا مفعول ہے اور اذا ظرفیہ ہے اور یہ عبارۃ ان تحکموا کا ظرف ہے۔ تحکموا حکم سے بنا بمعنی فیصلہ اس سے ہے حاکم اور حکم سلطنت کی طرف سے جسے فیصلہ کیلئے مقرر کیا جائے وہ حاکم کہلاتا ہے جسے مدعی مدعا علیہ اپنے فیصلہ کیلئے مقرر کرلیں اسے حکم یعنی پنچ کہا جاتا ہے۔ جو فرق عدالت و پنچایت میں ہے وہی فرق حاکم اور پنچ میں ہے کہ حاکم عام لوگوں کا فیصلہ کرتا ہے حکم خاص کا حاکم بااختیار ہوتا ہے حکم بے اختیار کہ اگر

ان دونوں میں سے کوئی اسکا فیصلہ نہ مانے تو وہ اسے جبراً منوا نہیں سکتا حاکم بادشاہ کی طرف سے مقرر ہوتا ہے حکم خود فریقین کی طرف سے یہاں خطاب یا تو حکام اور پنچوں کو ہے یا سارے مسلمانوں کو ناس سے مراد وہ مدعی مدعا علیہ ہیں جنکا فیصلہ اس حاکم یا حکم کے پاس آیا ہوا ہے عدل کے لغوی معنی ہیں برابری اور چیزوں میں برابری اسلئے اونٹ کی پیٹھ پر لدے ہوئے دو طرفہ بوجھ کو عدل کہتے ہیں وہ دونوں برابر ہوتے ہیں اگر کم و بیش ہوں تو گر جائیں اصطلاح میں جو فیصلہ ظلم و تعدی سے بچا ہوا ہو وہ عدل ہے یعنی اے حاکمو اور پنچو رب تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم جب لوگوں میں فیصلہ کرو تو ہمیشہ مدعی و مدعا علیہ کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرو یا اے مسلمانو رب تعالیٰ تم سب کو حکم دیتا ہے کہ جب تم لوگوں کے درمیان حاکم یا حکم بنو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔ **ان اللہ نعما یعظکم بہ** یہ نیا جملہ ہے جو گزشتہ حکموں کی اہمیت دکھانے کیلئے ارشاد ہوا لفظ اللہ ان کا اسم ہے اور بقیہ عبارت اسکی خبر نعم فعل مدح یا موصوفہ ہے یا موصوفہ یعظکم یا اس کی صفت ہے یا صلہ۔ یعظ وعظ سے بنا بمعنی نصیحت۔ کم میں خطاب انہیں حکام و حکم یا تمام مسلمانوں سے ہے جو ابھی مذکور ہوئے بہ کا مرجع ما ہے یعنی جس عدل و انصاف و اداء امانت کا حکم تم کو رب تعالیٰ دے رہا ہے یہ بہت ہی اچھی چیزیں ہیں۔ دنیا میں بھی فائدہ مند آخرت میں بھی مفید ان ہی سے گھر کے معاملات ملکی انتظام درست ہوتے ہیں اور ان سے رب تعالیٰ بھی تم سے راضی ہوگا اور مخلوق بھی کیوں نہ ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفت تو یہ ہے کہ **ان اللہ کان سمیعا بصیرا** یہ جملہ یا تو نعما کی علت ہے یا اسکے خلاف ورزی کرنیوالوں کو ڈرانا یا اس پر عمل کرنے والوں کو بشارت سمیعا بصیرا کا مفعول پوشیدہ ہے تاکہ عموم پر دلالت کرے یعنی اللہ تعالیٰ تمام بندوں کی ہر بات سننے والا ہے اور انکا ہر کام دیکھنے والا لہٰذا تمہاری قولی و فعلی اداء امانات اور عدل و انصاف کو بھی دیکھتا سنتا ہے اور تمہاری خیانتوں و ظلم و تعدی کو بھی سنتا دیکھتا ہے تمہیں اس پر پوری سزا و جزا دیگا۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے جماعت صحابہ اے سارے مسلمانو اللہ تعالیٰ تم کو تاکیدی حکم دیتا ہے کہ تم ہر قسم کی مالی' جانی' ایمانی' روحانی' ایقانی' رازداری' ایمانداری کی امانتیں انکے مستحقوں یا مالکوں یا اہلوں یا انکے لائق ہستیوں کو ادا کرو علماء فرماتے ہیں کہ امانتیں تین قسم کی ہیں اللہ تعالیٰ کی امانتیں کہ انسان کے اعضاء رب کی امانت ہیں ان سے اللہ کی اطاعت کرنا امانتداری ہے۔ ان سے برے کام اسکی خیانت اس میں ساری نیکیاں کرنا اور سارے گناہوں سے بچنا داخل ہے۔ اپنے نفس کی امانتداری کہ ہم پر ہمارے نفس کے حقوق ہیں وہ ادا کرنا امانت ہے اسکے خلاف کرنا خیانت۔ جائز طور پر کھانا سونا آرام کرنا امانتداری ہے بھوکا رہ کر ہلاک ہو جانا وغیرہ خیانت لوگوں کی امانت ودیعت' عاریت ادا کرنا بال بچوں کے حق ادا کرنا امانتداری ہے اسکے خلاف کرنا خیانت ہے (خازن) اور اے حاکمو اے پنچو اللہ تعالیٰ تم کو سخت تاکیدی حکم دیتا ہے کہ جب تم فریقین میں فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے کرو کسی کی رعایت و مروت میں دوسرے پر ظلم نہ کرو یا اے مسلمانو رب تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ جب تم حاکم یا پنچ بنو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ علماء فرماتے ہیں کہ حاکم و پنچ فریقین کے درمیان پانچ باتوں میں برابری کرے دونوں کو اپنے پاس یکساں جگہ دے۔ دونوں کے درمیان بیٹھے۔ دونوں پر یکساں توجہ کرے۔ دونوں کی بات یکساں سنے۔ حق حقدار کو دے (کبیر و خازن) حتی کہ دوران مقدمہ کسی ایک کے گھر نہ دعوت کھائے نہ جائے اگر کھائے یا جائے تو دونوں کے گھر یکساں کسی کا ہدیہ قبول نہ کرے کہ یہ رشوت ہے کسی ایک کی دعوت نہ کرے اگر کرے تو دونوں کی (تفسیر کبیر) اے لوگو تم

کو جو یہ احکام دیئے گئے یہ بہت ہی اچھے حکم ہیں جن سے دنیا و دین دونوں قائم ہیں ان پر عمل کر کے تم خلق کو راضی خالق کو خوش کرلو گے کیوں نہ ہو کہ یہ اللہ سمیع و بصیر کے دیئے ہوئے احکام ہیں یہ سمجھ کر تم عدل و انصاف کرو کہ اللہ تعالٰی تمہاری ہر بات سن رہا ہے اور تمہارے ہر کام کو دیکھ رہا ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت میں اللہ تعالٰی سے بہت قریب عادل حاکم ہے اور بہت دور ظالم حاکم ترمذی و خازن فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن عادل حکام نور کے منبروں پر ہوں گے (مسلم، خازن) حضور نے حضرت علی سے فرمایا کہ فریقین سے بول چال اور عمل برتاؤ سب میں برابری کرو (روح المعانی) خیال رہے کہ کفار حاکم یا بادشاہ بنتے ہیں دولت حاصل کرنے عیش کرنے کوٹھیوں میں رہنے رعایا کا مخدوم بننے کیلئے مگر مومن بادشاہ یا حاکم بنتا ہے عدل و انصاف کرنے اسلام کو فروغ دینے لوگوں کو آرام دینے رعایا کا خادم بننے کیلئے رب تعالٰی فرماتا ہے **الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوۃ** ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔۔

سروری در دین ما خدمت گری است　　عدل فاروق و فقر حیدری است

جیسے کافر و مومن کی امیری و سلطانی میں فرق ہے ایسے ہی مومن و کافر کی فقر و غنی کھانے سونے بلکہ جینے مرنے میں فرق ہے۔ کہ کافر کی یہ تمام چیزیں نفس کیلئے ہیں مومن کا یہ سب کچھ اللہ کیلئے **ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین** ○

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** امانت کسی کی بھی ہو اسکو دی جائے مسلمان کی ہو یا کافر ذمی کی یا کافر حربی کی دوست کی یا دشمن کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو حضرت علی کو اپنے ساتھ نہ لیا ان سے فرمایا کہ انہیں خونخوار کفار کی جو قتل کرنے کیلئے میرا گھر گھیرے کھڑے ہیں انکی امانتیں میرے پاس ہیں اے علی انکی امانتیں انہیں سپرد کر کے مدینہ آجانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عرب محمد امین کہتے تھے خیانت کسی کی بھی جائز نہیں جیسا کہ الی اھلھا کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** امانت صرف مال ہی نہیں بلکہ بہت قسم کی ہے احکام خداوندی کی بھی امانت ہے رب تعالٰی فرماتا ہے **انا عرضنا الامانۃ علی السموت والارض** ہم نے آسمانوں و زمین پر امانت پیش فرمائی وہ امانت کیا تھی شرعی احکام یا عشق الٰہی یا خوف الٰہی و عشق مصطفوی جیسا کہ امانت جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ ان سب میں امانتداری چاہیئے۔ **تیسرا فائدہ:** بادشاہوں کو چاہیئے کہ حکومت اہلوں کے سپرد کریں نااہلوں کو نہ دیں کہ یہ بھی خیانت ہے حضور فرماتے ہیں جب نااہلوں کو امانت سپرد کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو علماء کو چاہیئے کہ ہر قسم کا علم اسکے اہل کو سکھائیں اپنی قبر میں چھپا کر علم نہ لے جائیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ہے جو انکی امت کو دی جائے۔ مشائخ پر فرض ہے کہ وہ اسرار کی امانت اہل کو دیں چھپا کر نہ لے جائیں یہ تمام احکام اس آیت سے ماخوذ ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** غافل انسان درحقیقت خائن ہے کہ اپنے نفس کی بھی خیانت کرتا ہے اپنے رب کی بھی مسلمان اس ڈاکیہ کی طرح ہے جو ڈاک کا تھیلہ لے کر دفتر سے چلے جس میں سینکڑوں کی امانتیں ہیں اگر ایک منی آرڈر یا پارسل غلط تقسیم ہو گیا تو اسکی پکڑ ہے کامیاب ڈاکیہ وہ ہے جو سب کی امانتیں درست طور پر تقسیم کر کے لوٹے کامیاب مسلمان وہ ہے جو تمام کے حقوق ادا کر کے اپنے گھر یعنی قبر میں جائے۔ **پانچواں فائدہ:** ہر حاکم ہر جج پر عدل و انصاف فرض ہے عدالت میں اپنے پرائے دوست دشمن

مومن کافر کا فرق نہ کرے مسلمان اس وصف میں بہت مشہور تھے یہ فائدہ **ان تحکموا بالعدل** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** ہر مسلمان کو خود اپنے معاملہ میں بھی عدل و انصاف کرنا چاہئے۔ جب کسی سے لڑائی ہو جائے اور تم قصوروار ہو تو اپنا قصور مان لو اس سے معافی چاہ لو۔ یہ فائدہ بھی **ان تحکموا بالعدل** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** امانتداری اور عدل و انصاف ایسے اعمال ہیں جنکا فائدہ انسان کو دنیا میں بھی حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں بھی جیسا کہ نعما کے عموم سے معلوم ہوا۔ عدل کا فائدہ کفار نے بھی اٹھایا آج تک نوشیرواں کا نام بھلائی کے ساتھ زندہ ہے حالانکہ وہ کافر تھا کیوں عدل و انصاف کی وجہ سے۔

زندہ است نام فرخ نوشیرواں بعدل! گرچہ بسے گزشت کہ نوشیرواں نماند

آٹھواں فائدہ: اپنی بیویوں، اولاد، آپس میں پڑوسیوں سب کے ساتھ عدل و انصاف کرنا ضروری ہے اپنی زندگی میں اور مرے بعد انصاف کرو کہ حق المیراث سب کو دو یہ فائدہ بھی ان تحکموا کے اطلاق سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: تم نے اسکے شان نزول میں بیان کیا کہ حضرت علی نے کعبہ معظمہ کی چابی حضرت عثمان ابن طلحہ سے جبراً چھینی تو یہ چابی امانت نہ ہوئی بلکہ غنیمت ہوئی کیونکہ جنگ میں کفار سے چھینا ہوا مال غنیمت ہوتا ہے نہ کہ امانت پھر رب نے اسے امانت کیوں فرمایا اور اسکے واپس کرنے کا کیوں حکم دیا۔ **جواب:** اگر یہ روایت صحیح ہو تو یہ واپسی شرعی حکم نہ تھا بلکہ رب تعالیٰ کا خاص کرم تھا اسکی مرضی یہ نہ تھی کہ حضرت عثمان سے یہ چابی لی جائے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء بھی یہی تھا کہ اس چابی سے عثمان کے دل کا قفل کھلے اسلئے حضرت علی اس چابی پر قبضہ کرنے کے بعد بھی مالک نہ بنے حضرت عثمان کی ملکیت قائم رہی اور اسے امانت قرار دیا گیا۔

موسیا آداب دانا دیگر اند سوختہ جان و روانہ دیگر اند!

دیکھو اللہ تعالیٰ نے ہمارے صدقہ و خیرات کو اپنے ذمہ کرم پر قرض قرار دیا محض بندہ نوازی کرم فرمائی کی بنا پر یوں ہی اسے امانت فرمانا مہربانی ہے بعض نے فرمایا کہ ہجرت سے پہلے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان سے فرمایا تھا کہ اے عثمان ایک وقت وہ آئیگا کہ اس چابی پر قبضہ میرا ہوگا اور تمہیں یہ چابی ہمارے ہاتھ سے ملے گی اس صورت میں امانت پر فرمانا اس وعدہ کی بنا پر ہے۔

دوسرا اعتراض: اگر یامرکم خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو آپ تو پہلے ہی سے امین تھے حتی کہ آپکا نام نبوت سے پہلے ہی محمد امین ہو چکا تھا پھر آپکو یہ حکم کیوں دیا گیا۔ **جواب:** اس قسم کے احکام میں دوام و ہمیشگی مراد ہوتی ہے یعنی آپ ادائے امانت قائم رہیں جیسے رب فرماتا ہے **یا ایھا النبی اتق اللہ** اے نبی اللہ سے ڈرو یعنی یونہی ڈرتے جاؤ ایسے ہی یہاں معنی ہوں گے یوں ہی امانتیں ادا کئے جاؤ۔ **تیسرا اعتراض:** ادائے امانت کا حکم کافروں کو بھی ہے کہ نہیں اگر ہے تو یامرکم میں خطاب مسلمانوں کو ہی کیوں ہوا اگر نہیں تو کیا انہیں خیانت کرنے کا حکم ہے۔ **جواب:** مالی امانت کا ادا کرنا ان پر بھی قانوناً لازم ہے کیونکہ یہ معاملات میں سے ہے مگر اس پر انہیں ثواب نہ ملے گا کہ ثواب کیلئے ایمان شرط ہے۔ ہاں خیانت کرنے پر انہیں قانونی سزا ضرور ملے گی اس ہی لحاظ سے آخر میں فرمایا گیا نعما یعظکم بہ یہ حکم اے مسلمانو تمہارے واسطے بہت اچھا ہے کہ تمہیں اس پر ثواب بھی ملے گا۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں امانت جمع کیوں ارشاد ہوا امانت تو ایک ہی ہوتی ہے جسے ودیعت کہا جاتا ہے۔ **جواب:** نہیں امانت کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں سے ایک امانت مالی ہے اسکی بھی بہت سی قسمیں ہیں ودیعت، عاریت، کرائے پر لی

ہوئی چیز وغیرہ پانچواں اعتراض: یہاں الی اہلہا کیوں فرمایا الی ما لکہا کیوں نہ فرمایا امانت مالک ہی کو دی جاتی ہے۔ جواب: یہ بھی غلط ہے امانت اسکے مستحق کو دی جاتی ہے خواہ وہ اسکا مال ہو یا نہ ہو کسی کا تم پر قرض تھا وہ فوت ہو گیا تو اسکے وارثوں کو دو اگرچہ وہ ابھی اسکے مالک نہیں علم و اسرار کی امانتیں تو شان ہی دوسری رکھتی ہیں اسلئے لفظ اہل ارشاد ہوا جو سب کو شامل تھا۔

تفسیر صوفیانہ: کسی کا حق جو اپنے ذمے ہو وہ امانت ہے اسکی بہت قسمیں ہیں ہر انسان امین ہے کوئی معمولی چیز کا کوئی اعلیٰ چیز کا چنانچہ عام انسان اپنے اعضاء کے امین ہیں کہ وہ انہیں اللہ کی رضا میں صرف کریں علماء علم الٰہی کے امین ہیں۔ صوفیاء اسرار ربانی کے امین ہیں۔ حضرات انبیاء احکام نبوت کے امین ہیں غرض ہر شخص امین ہے اور اس پر لازم ہے کہ یہ امانتیں اسی کے سپرد کرے جو اسکا اہل ہے اسرار کی امانت اغیار کو مت دو فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی علم کے نکات نااہلوں پر پیش کرے وہ ایسا بے وقوف ہے جیسے کوئی موتیوں کا ہار خنزیر کے گلے میں ڈالے میاں محمد صاحب فرماتے ہیں۔

خاصاں دی گل عاماں اگے نہیں مناسب کرنی! مٹھی کھیر پکا محمد کتیاں اگے دھرنی !!

یہ آیت کریمہ بہت جامع ہے جس میں سارے امینوں کو اپنی امانتوں کے صحیح ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اے مسلمانو اے عالمو اے مشائخ عظام اپنی اپنی امانتیں انکے اہل کو ادا کرو انسان پر لازم ہے کہ پہلے اپنے ساتھ انصاف کرے پھر دوسروں کے ساتھ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایک ساعت کا انصاف ہزار سال کے رکوع و سجود سے افضل ہے۔

از تو گر انصاف آید در وجود! بہ ز عمرے در رکوع و در سجود!

ہر چیز کو فنا ہے مگر انصاف کو بقا ہے۔

جہاں نماند و آثار معدلت ماند! بخیر کوش وصلاح بعدل کوش و کرم
کہ ملک و دولت حجاج مردمان آزار نماند تا بقیامت برو ماند رقم

صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمارا نفس اور دل آپس میں مدعی و مدعٰی علیہ ہیں روح انکی حاکم یا حکم ہے نفس دنیا کی طرف کھینچتا ہے دل آخرت کی طرف روح کو لازم ہے کہ نہ تو تارک الدنیا ہی ہو جائے نہ تارک الدین ہی بنے بلکہ دونوں میں عدل و انصاف کرے۔

تو دنیا میں ایسا ہو رہ جو مرغابی ساگر میں ڈگر پہ اپنی ایسے جانا جو چت ناری گاگر میں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی اور حکم والوں
اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت کرنے والے ہیں

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ

کی تم میں سے پھر اگر تم جھگڑ بیٹھو کسی چیز میں تو لوٹا دو اسے طرف اللہ اور رسول کے اگر ہو تم ایمان رکھتے
پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾
اللہ پر اور آخری دن پر یہ اچھا ہے اور اچھے نتیجہ والا
اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں حاکموں اور والیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ رعیت میں عدل و انصاف کریں اب رعایا کو حکم دیا جارہا ہے کہ وہ حکام و سلاطین کی فرمانبرداری کریں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو ادائے امانت کا حکم تھا حکام کی اطاعت اللہ رسول کی فرمانبرداری یہ بھی اسکی ایک قسم ہے لہٰذا اب اسکا حکم دیا جارہا ہے گویا عام امانتداری کے بعد خاص امانتداری کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو عدل و انصاف کا حکم دیا گیا تھا، جس میں اپنے نفس سے عدل کرنا بھی داخل تھا۔ اب اسکی وضاحت کی جارہی ہے کہ اے مسلمانو اپنے دل میں انصاف کرو کہ اپنے محسنوں کی فرمانبرداری کرو تمہارے سب سے بڑے محسن اللہ رسول ہیں انکے بعد علماء و مشائخ اور حکام لہٰذا تقاضہ عدل یہ ہے کہ ان سب کی فرمانبرداری کرو۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں عدل و انصاف کا حکم دیا گیا تھا اب اس عدل کی تفسیر فرمائی جارہی ہے کہ قانون خدا اور رسول کی پابندی اور اس قانون کے ماتحت اپنا فیصلہ کرنا عدل ہے عدل کا معیار اللہ رسول و مجتہدین عظام کے فیصلے ہیں نہ کہ تمہاری عقل چور کے ہاتھ کاٹنا عدل ہے اسے محض قید کردینا ظلم کہ ہاتھ کاٹنا شرعی قانون قید کرنا تمہارا عقلی قانون۔

شان نزول: ایک لشکر میں حضرت خالد ابن ولید امیر و سپہ سالار تھے اس میں حضرت عمار یاسر بھی سپاہی کی شان سے تھے۔ جس قوم پر حملہ کرنا تھا جب انکا علاقہ قریب آیا اور انہیں لشکر اسلام کے حملے کا پتہ چلا تو وہ راتوں رات اپنا سامان اور بال بچوں کو لے کر وہاں سے بھاگ گئے رات کے اندھیرے میں ایک شخص نے اپنا سامان اور بال بچوں کو جمع کیا مگر بھاگنے سے پہلے چھپ کر لشکر اسلام میں آیا حضرت عمار ابن یاسر سے ملاقات ہوگئی وہ ان سے بولا کہ میں مسلمان ہوچکا ہوں اور میری قوم تمہاری خبر پا کر بھاگ گئی ہے یہاں صرف میں رہ گیا ہوں کیا میرا اسلام لانا کچھ مفید ہوگا اگر میری جان و مال محفوظ رہے تو میں یہاں ٹھہرا رہوں ورنہ میں بھی بھاگ جاؤں آپ نے فرمایا کہ تمہارا ایمان تمہیں نفع دیگا تم اطمینان سے رہو۔ میں تمہیں امان دیتا ہوں وہ شخص مطمئن ہو کر لوٹ گیا صبح کو جب لشکر اسلام نے اس بستی پر حملہ کیا تو دیکھا کہ سوائے ایک گھر کے باقی سارے خالی پڑے ہیں حضرت خالد ابن ولید نے اس شخص کو بمعہ بال بچوں کے قید کرلیا اور اسکے مال پر قبضہ کرلیا جب جناب عمار کو یہ خبر ملی تو آپ خالد ابن ولید کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ اسے چھوڑ دو اسے میں امان دے چکا ہوں اور یہ مسلمان ہوچکا ہے حضرت خالد نے کہا کہ میں لشکر کا امیر ہوں تمہیں کسی کو امان دینے کا کیا حق تھا۔ جناب عمار بولے مجھے حق تھا اس پر ان دونوں بزرگوں میں شکر رنجی ہوگئی اس حال میں یہ حضرات مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور یہ مقدمہ بارگاہ نبوت میں پیش ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار کی امان جائز رکھی اور اس شخص کو مع اسکے مال چھوڑ دیا اور حضرت عمار کو تاکید کی گئی کہ وہ آئندہ بغیر اجازت کسی کو امان نہ دیا کریں حضرت خالد نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا آپ عمار جیسے غلام کو اسکی اجازت دیتے ہیں کہ وہ میرا مقابلہ کرے حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عمار کو برا کہتا ہے خدا اسکا برا کرے، جو عمار سے بغض رکھے خدا اس سے ناراض ہو جائے، جو عمار کو لعنت کرے خدا اس پر لعنت کرے۔ حضرت عمار یہ فیصلہ سن کر بارگاہ بے کس نواز سے روانہ ہو گئے۔ جناب خالد انکے پیچھے دوڑے اور راستے میں ان تک پہنچ اور پیچھے سے انکا دامن پکڑ کر لپٹ گئے اور معذرت کرکے انکو راضی کر لیا اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر روح المعانی و تفسیر خازن)

تفسیر: **یاایھاالذین امنوا** چونکہ اگلا حکم جو آرہا ہے نہایت ہی اہم اور تمام دین و دنیا کا اصل اصول ہے اور بہت سے اصول شرعیہ کا جامع ہے سارے دین کا مدار اس پر ہے اسلئے پہلے اپنے محبوب کی امت کو پیارے خطاب سے پکارا پھر حکم فرمایا تاکہ اس خطاب کی لذت سے مسلمانوں پر یہ کام آسان ہو جائے بے ہوشی کی دوا سونگھا کر آپریشن کرتے ہیں یوں ہی بے خود کر دینے والا خطاب سنا کر دشوار احکام دیتے ہیں۔ **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول** اطیعوا طاعت سے بنا جسکا مادہ ہے طوع معنی خوشی اسکا مقابل ہے کرہ۔ اصطلاح میں بخوشی کسی بڑے حکم کا ماننا اطاعت کہا جاتا ہے اس بڑے کا جتنا حق زیادہ اتنی ہی اسکی اطاعت زیادہ لازم، بندوں پر سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ کا ہے کہ وہ ہمارا خالق و مالک و روزی رساں ہے۔ اسلئے اسکی اطاعت کا ذکر پہلے ہوا اللہ کی اطاعت سے مراد تمام قرآنی احکام پر عمل کرنا ہے خواہ فرائض ہوں یا محرمات۔ اللہ تعالیٰ کے بعد ہم پر سب سے بڑا احسان اور ہم پر سب سے بڑا اختیار حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ حضور نے ہمیں ایمان قرآن دیا اور اللہ کا راستہ بتایا مرنے بعد سارے عزیز چھوڑ دیتے ہیں اور سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں مگر وہ محبوب ہمیں وہاں بھی نہیں چھوڑتے اور انکے ساتھ ہمارا رشتہ غلامی وہاں بھی نہیں ٹوٹتا کہ قبر میں فرشتے یہ تو پوچھتے ہیں کہ تو کس کا امتی ہے مگر یہ نہیں پوچھتے کہ یہ کس کا بھائی بیٹا ہے معلوم ہوا کہ سب رشتے ٹوٹ گئے رشتہ جناب مصطفیٰ باقی ہے اسلئے رب تعالیٰ نے اپنی اطاعت سے متصل اپنے محبوب کی اطاعت کا حکم دیا الرسول میں الف لام عہدی ہے اور اس سے مراد یہ خاص رسول ہیں جو اللہ کے بھی رسول ہیں اور ساری مخلوق کے بھی ہمیشہ تک رسول۔ خیال رہے کہ رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرح مطلقاً و مستقلاً "واجب ہے اگر سرکار کسی کو کوئی ایسا حکم دیں جو قرآن شریف کے خلاف ہو تو اس شخص پر اس میں بھی اطاعت واجب ہو گی اور اس کیلئے یہ حکم قرآنی منسوخ ہو گیا وہ شخص اس حکم سے مخصوص یا مستثنیٰ ہو گا اسکی ہزارہا مثالیں موجود ہیں۔ دیکھو ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ اسلئے اطاعت رسول کو اللہ کی اطاعت سے متصل بیان کیا گیا اور اس کیلئے مستقل طور پر اطیعوا کا حکم لایا گیا تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ کی اطاعت کے ضمن میں رسول کی اطاعت ہے قرآن پر عمل کر لو حضور کی اطاعت ہو گئی یا اگر حضور کا کوئی حکم قرآن کے خلاف معلوم ہو تو اسے نہ مانو نہیں بلکہ مستقل انکی اطاعت کرو ایسے مواقع پر انکے فرمان کو قرآن کا ناسخ سمجھو سجدہ تعظیمی کا حکم قرآن سے ثابت ہے مگر حضور نے فرمایا کہ میری شریعت میں غیر خدا کو سجدہ تعظیمی حرام ہے تو اسے حرام ہی سمجھو اور سجدے کی آیتیں اس حکم سے منسوخ مانو نیز اللہ تعالیٰ کی اطاعت صرف اسکے اقوال میں ہو گی مگر حضور کی اطاعت آپ کے اقوال میں بھی ہو گی اور آپکے اعمال میں بھی بلکہ آپ کے سکوت و خاموشی میں بھی اسلئے حضور کی اطاعت کیلئے الگ اطیعوا فرمایا گیا رسول فرما کر ادھر اشارہ کیا کہ وہ تمہاری طرح نہیں بلکہ وہ خدا کے اور تمہارے درمیان واسطہ عظمیٰ اور وسیلہ علیا ہیں انکی شان یہ ہے کہ ہم سے لیتے ہیں اور تم کو دیتے ہیں انکی زبان پر ہم بولتے ہیں قرآن اور حدیث ان ہی کی زبان سے نکلتے ہیں اس سونے اور چاندی کی

کان یہی زبان وہاں ہے لہذا انکی اطاعت ہر حالت میں تم پر واجب ہے اطاعت رسول سے مراد آپکے سارے قول اور فعل سنتوں کی اطاعت ہے یہاں تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ حضور کی اطاعت اللہ کی اطاعت سے مقترن ہے قرآن کی اطاعت میں شامل نہیں آپ مستقل مطاع ہیں **واولی الامر منکم** واؤ عاطفہ ہے اور یہ عبارت الرسول پر معطوف ہو کر دوسرے اطیعوا کا مفعول بہ ہے اولی ذو کی جمع ہے خلاف قیاس۔ امر سے مراد یا حکم ہے یا حکومت اور حکم سے مراد یا شرعی حکم ہے یا قانونی حکم اور منکم کا تین پوشیدہ کے متعلق ہو کر اولی الامر کا حال ہے من تبعیضیہ ہے اور کم میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے چونکہ حکم یا حکومت والوں کی اطاعت مطلقاً واجب نہیں بلکہ اللہ رسول کی اطاعت کے ضمن میں انکی اطاعت واجب ہے کہ اگر وہ موافق شرع حکم دیں تو انکی اطاعت کرو ورنہ نہیں اسلئے یہاں اطیعوا الگ نہ فرمایا گیا اور منکم کی قید لگائی گئی جب تک وہ مسلم قوم سے رہیں تب تک انکی اطاعت واجب اگر خلاف شرع حکم دیکر بے ایمان ہو جائیں تو انکی اطاعت نہ کرو اولی الامر سے مراد یا حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم ہیں جیسے ترمذی شریف میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ کیا پتہ تم میں میرا قیام کتنا ہے تم میرے بعد ابو بکر و عمر کی اطاعت کرنا یا اس سے مراد تمام صحابہ کرام ہیں حضور نے فرمایا کہ میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں جنکی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے اور فرمایا کہ میرے صحابہ میری امت میں ایسے ہیں جیسے کھانے میں نمک کھانا بغیر نمک کے ٹھیک نہیں ہوتا یا اس سے مراد اسلامی حکام و سلاطین ہیں حضور نے فرمایا کہ سنو اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنا دیا جائے۔ چونکہ بعض اسلامی احکام حکومت اسلامیہ سے وابستہ ہیں جیسے جہاد 'قصاص 'چور و زانی کو سزا دینا ملکی نظام قائم رکھنا اسلئے ان جیسے احکام میں حکام کی اطاعت ضروری ہوئی یا اس سے مراد ائمہ مجتہدین ہیں اور یا اس سے مراد علمائے دین ہیں آخری قول سیدنا عبداللہ ابن عباس جابر ابن عبداللہ مجاہد و حسن اور عطاء کا ہے ان بزرگوں نے اس پر اس آیت سے دلیل پکڑی **ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منہم لعلمہ الذین یستنبطونہ منہم** چونکہ اللہ رسول کی اطاعت انکے فرمانوں کے بغیر سمجھے نہیں ہو سکتی اسلئے انکی اطاعت کیلئے علماء دین کی اطاعت لازم ہوئی پارلیمنٹ کا کام ہے قانون بنانا وکیل کا کام ہے قانون سمجھانا حکام کا کام ہے قانون منوانا اسی طرح اللہ رسول قانون بنانے والے ہیں۔ علماء قانون سمجھانے والے اور حکام قانون منوانے والے کہ بزور حکومت اسلامی قوانین پر عمل کرائیں لہذا علماء کی اطاعت لازم ہوئی۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد فوج کے سالار ہیں جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ آیتوں میں الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ شان نزول کے خصوص کا یا اس سے مراد ہے اجماع علماء امت یعنی جس مسئلہ پر اولی الامر متفق ہو جائیں تو انکی اطاعت کرو اور اس مسئلہ کو ویسے ہی لازم العمل جانو جیسے اللہ رسول کے حکم کو **فان تنازعتم فی شئی** یہ مستقل جملہ ہے جس میں مسلمانوں کو چوتھا حکم دیا گیا یعنی قیاس شرعی کا چونکہ قیاس شرعی کا درجہ کتاب سنت اور اجماع کے بعد ہے اس لئے یہاں ف تعقیبیہ لائی گئی تنازعتم نزع سے بنا بمعنی کھینچ نکالنا علیحدہ کرنا اسلئے جان نکلنے کو نزع کہتے ہیں اصطلاح میں اختلاف رائے اور مناظرے کو تنازع کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں ہر فریق اپنے طرف دوسرے کو کھینچنے کی کوشش کرتا ہے اس میں خطاب یا صحابہ کرام سے ہے یا عام مسلمانوں سے یا حکام سے یا مجتہدین سے یا عام علماء سے غرض کہ الذین آمنو اور اولی الامر دونوں سے اسکا تعلق ہو سکتا ہے کہ اگر اولی الامر سے خطاب ہے تو اس میں التفات ہے کہ پہلے انہیں غائب کے لفظ سے یاد کیا تھا اب خطاب ہے اور اگر الذین آمنو سے خطاب ہے تو اس میں التفات کوئی نہیں۔ شئی سے مراد دینی مسئلہ معلوم ہوتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ دینی اور دنیاوی امور سب ہی ہوں

کیونکہ دنیاوی چیزوں پر بھی احکام جاری ہیں یعنی اے صحابہ کرام اگر تم آپس میں کسی شے میں جھگڑ پڑو یا اے مجتہدین یا اے علماء یا اے مسلمانو تم آپس میں کس مسئلے میں اختلاف کرو یا کسی بات میں جھگڑ پڑو یا اے مسلمانو اگر تم حکام سے جھگڑ پڑو یا تمہارا علماء سے اختلاف ہو جائے یا اے حاکمو تمہارا علماء سے اختلاف ہو یا علماء کا تم سے غرض کہ اس تنازعتم میں پانچ چھ احتمال ہیں۔ **فردوہ الی اللہ والرسول** یہ عبارت مذکورہ شرط کی جزا ہے ف جزائیہ ہے۔ رد و 'رد' سے بنا بمعنی لوٹانا اپنے اصل کی طرف یا اصلی حالت کی طرف یہاں اصل کی طرف لوٹانا مراد ہے کیونکہ اللہ رسول سب کی اصل ہیں اور کتاب و سنت مسائل قیاسیہ کی اصل اگر یہ صحابہ کرام سے خطاب ہے تو اللہ رسول سے مراد انکی ذاتیں ہیں یعنی اے صحابہ اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو لڑو مت بلکہ اللہ رسول کی بارگاہ میں لوٹ آؤ اور ان سے فیصلہ کرالو حضور کی بارگاہ میں حاضر ہونا رب تعالیٰ ہی کے پاس آنا ہے۔ حضور کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے ناقابل اپیل۔ نیز حضور سب کی اصل ہیں لہذا انکے پاس آنا اپنے اصل کی طرف لوٹنا ہے اصل سے منتقل ہونا جانا کہلاتا ہے اور اصل کی طرف منتقل ہونا لوٹنا کہلاتا ہے۔ حضور سب کی اصل سب کا ٹھکانہ سب کی پناہ ہیں اس لئے ردوہ ارشاد ہوا یا اے علماء یا اے احکام یا اے مومنین اگر کسی مسئلہ یا کسی چیز میں تمہارا آپس میں اختلاف ہو جائے اور وہ حکم قرآن و حدیث میں موجود نہ ہو امت کا اس پر اجماع بھی نہ ہوا ہو بلکہ نزاع رہا ہو تو اس مسئلے کو اللہ رسول کے فرمان یعنی کتاب و سنت کی طرف رد کرو اسطرح کہ غیر منصوص حکم کو کسی منصوص حکم سے ملاؤ اور علت مشترکہ کی وجہ سے غیر منصوص چیز میں منصوص کا حکم جاری کرو مثلاً سوال پیدا ہوا کہ باجرہ جوار چاول ان میں سود جائز ہے یا نہیں یہ چیزیں غیر منصوص ہیں جنکا ذکر قرآن اور حدیث میں نہیں ہے تو تم دیکھو کہ حدیث شریف میں گندم 'جو' نمک میں سود حرام کیا گیا ہے کیونکہ ان کی جنس اور وزن یکساں ہیں تو تم یہ کہو کہ چونکہ باجرہ جوار چاول کی جنس اور وزن یکساں ہیں لہذا ان میں بھی سود حرام ہے یہ ہوا اس شے کا اللہ رسول یعنی قرآن و حدیث کی طرف رد کرنا تاقیامت ایسا مسئلہ نہیں ہو سکتا جسکی مثال قرآن یا حدیث میں نہ مل جائے مسئلہ اور ہے مثال کچھ اور بہرحال یہ آیت کریمہ بہت سے احکام کی اصل ہے **ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر** یہ نیا جملہ ہے جسکی جزا پوشیدہ ہے اسکا تعلق اطیعوا اللہ اور فردوہ دونوں سے ہے یا صرف فردوہ سے آخری احتمال زیادہ قوی ہے ایمانیات یعنی ارکان ایمان کا مبداء توحید اور منتہی قیامت کا ماننا باقی ارکان ایمان ان دونوں کے درمیان میں ہی آجاتے ہیں جیسے نبوت' ملائکہ اور جنت دوزخ پر ایمان یعنی اے صحابہ یا اے مسلمانو یا اے علماء یا اے حکام اگر تم صحیح معنی میں اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ رسول کی اطاعت بھی کرو اور جھگڑے کے وقت غیر منصوص مسئلے کو منصوص پر پیش بھی کرو یا اپنے آپ یا علمائے مجتہدین کے ذریعے یعنی اگر خود مجتہد ہو تو قیاس کرو اور اگر مجتہد نہیں ہو تو کسی مجتہد کے قیاس پر عمل کرو اور مقلد بنو غیر مقلد ہو کر نہ بہو۔ **ذلک خیر واحسن تاویلا** ذلک سے اشارہ یا اللہ رسول کی اطاعت اور امر والوں کی فرمانبرداری کی طرف ہے یا ردوہ کی طرف یا ان سب کی طرف خیر سے مراد دنیوی بہتری ہے اور احسن تاویلا سے مراد آخرت کی بھلائی تاویل اول سے بنا بمعنی رجوع اصطلاح میں کسی شئی کے انجام کو تاویل کہا جاتا ہے یعنی یہ اللہ رسول کی اطاعت اجماع امت کی فرمانبرداری قضاء میں مجتہدین پر عمل تمہارے لئے دنیا میں بھی اچھا اور آخرت میں بھی بہتر ہے کہ تم اسکی وجہ سے نہ بہکو گے نہ بھٹکو گے بے پٹے والا کتا مارا جاتا ہے پٹے والا محفوظ رہتا ہے اس نفس کے گلے میں کسی امام مجتہد کا پٹہ ڈالو۔

نوٹ: اصول شرعیہ چار ہیں کتاب اللہ۔ سنت رسول اللہ۔ اجماع امت یعنی اجماع علمائے مجتہدین امت اور چوتھا قیاس

مجتہدین تفسیر صاوی، کبیر، روح المعانی وغیرہ میں یہاں فرمایا کہ اس آیت میں ان چاروں چیزوں کا ذکر ہے اطیعوا اللہ میں قرآن شریف کی پیروی کا حکم اطیعوا الرسول میں سنت رسول کی اتباع کا حکم اولی الامر منکم میں اجماع مجتہدین کی پیروی کا حکم کیونکہ علمائے مجتہدین اول درجے کے اولی الامر ہیں۔ فردوہ میں قیاس مجتہدین پر عمل کرنے کا حکم ہے۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا (تفسیر صاوی و کبیر و روح المعانی وغیرہ)۔

خلاصہ ء تفسیر: بعض لوگ صرف قرآن کی اطاعت کے قائل ہیں حدیث کے انکاری جیسے چکڑالوی اور بعض لوگ صرف قرآن و حدیث کی اطاعت کے قائل ہیں اجماع کے انکاری جیسے تفضیلی روافض بعض قرآن و حدیث و اجماع کے قائل ہیں مگر قیاس شرعی کے منکر جیسے اہل ظواہر اس آیت کریمہ میں ان تینوں جماعتوں کو فہمائش فرمائی گئی اور قرآن حدیث اجماع امت، قیاس شرعی سب کو اصول اسلام قرار دیا گیا چنانچہ فرمایا گیا کہ اے ایمان والو تمہیں تاکیدی حکم دیا جاتا ہے کہ تم ہر حال میں اللہ کی فرمانبرداری کرو اور اسطرح اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو یہ دونوں اطاعتیں تمہارے لئے اہم ترین فرائض میں سے ہیں اور انکی پیروی بھی کرو جو تم مسلمانوں میں سے حکم والے علمائے مجتہدین ہیں یا حکومت والے سلاطین عادلین ہیں اے صحابہ کرام اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو آپس میں نہ لڑو بلکہ تم وہ اختلافی چیز اللہ رسول کی بارگاہ میں پیش کرو اسطرح کہ حضور کی عدالت میں حاضر ہو جاؤ اور ان سے فیصلہ کرالو یا اے علمائے مجتہدین یا اے مسلمانو اگر تمہارا کسی مسئلے یا کسی اور چیز میں اختلاف ہو اور وہ مسئلہ کتاب و سنت میں نہ ملے تو تم اولی الامر یعنی علماء امت کے اجماع کی اطاعت کرو کہ جس پر تمام علماء امت متفق ہو گئے ہوں اسکی پیروی کرو اگر کوئی مسئلہ ایسا پیش آجائے کہ نہ اسکے متعلق حکم قرآنی ہے نہ حکم رسول نہ اجماع امت بلکہ اس مسئلہ میں تنازع و اختلاف ہی ہو تو تم اسے اللہ رسول کے فرمان کی طرف رد کرو اسطرح کہ منصوص حکم پر اسکو قیاس کرو یا اپنے آپ یا علمائے مجتہدین کے قیاس پر عمل کرو اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو ان چاروں چیزوں پر ضرور عمل کرو یہ عمل تمہارے لئے دنیا میں بھی بہتر ہے کہ اس سے تمہارا شیرازہ بندھا رہیگا تمہیں شرعی احکام معلوم کرنے میں دشواری نہ ہوگی اور اسکا انجام بھی اچھا ہے تم اسکی برکت سے بھٹکوگے نہیں بھٹکوگے نہیں شیطان کا تم پر داؤ نہ چلے گا جب نماز کیلئے ایک امام اختیار کرتے ہو ملک کیلئے ایک بادشاہ بناتے ہو۔ قوم میں ایک سردار ہوتا ہے گھر میں ایک آقا ہوتا ہے فوج میں ایک کرنل ہوتا ہے۔ ریل میں ایک انجن ہوتا ہے جسم میں ایک دل ہوتا ہے تو چاہیئے کہ تمہاری اجتماعی زندگی میں بھی ایک امام ہو جس کے تم پیروکار رہو۔

فائدے: یہ آیت کریمہ بڑے معرکے کی ہے اصول فقہ و فتہ کی جڑ ہے اس سے بے شمار فوائد و مسائل مستنبط ہو سکتے ہیں یہاں ان میں سے چند فائدے عرض کئے جاتے ہیں: **پہلا فائدہ:** کفار پر شرعی احکام جاری نہیں اور وہ دنیا میں اسلامی عبادتوں کے مکلف نہیں یہ فائدہ لفظ امنوا سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے مومنوں کو ان اطاعتوں کا حکم دیا۔ **دوسرا فائدہ:** کوئی مسلمان شریعت و طریقت کے کسی درجے میں پہنچ کر اللہ رسول کی اطاعت سے بے پرواہ نہیں ہو سکتا یہ فائدہ اطیعوا اللہ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے سارے مومنوں پر یہ اطاعتیں فرض کیں ریل کا کوئی ڈبہ فسٹ ہو یا سیکنڈ انجن سے بھی مستغنی نہیں ہو سکتا لائن اور انجن کا ہر ڈبہ محتاج ہے اسی طرح ہر مسلمان اسلامی لائن اور حضور کی اتباع کا محتاج ہے۔ **تیسرا فائدہ:**

اطاعت صرف قرآن ہی کی نہیں بلکہ حدیث کی بھی ضروری ہے جیسا کہ اطیعوا الرسول سے معلوم ہوا سنت کا کتاب اللہ سے وہ تعلق ہے جو تعلق پانی کا کھانے سے ہے کہ کھانا نہ بغیر پانی کے پکے اور نہ بغیر پانی کھایا جائے۔ رمضان کا چاند دیکھ کر ہی پہلے تراویح اور سحری سنتوں پر عمل کرو پھر فرضی روزہ رکھو نماز کیلئے کھڑے ہو تو پہلے ہاتھ اٹھاؤ جو سنت ہے پھر تکبیر کہو جو فرض ہے پھر سبحان پڑھو جو سنت ہے پھر تلاوت کرو جو فرض ہے رکوع سجدے میں جھکنا فرض ہے تسبیح سنت ہے۔ بہرحال جیسے کلمے میں محمد رسول اللہ لفظ لا الہ سے مخلوط ہے ایسے ہی حضور کی سنتیں فرائض الٰہی سے مخلوط ہیں کوئی شخص سنت رسول چھوڑ کر نہ دو رکعت نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ ایک دن کی اسلامی زندگی گزار سکتا ہے۔ چوتھا فائدہ: اسلام میں خدا کی اطاعت کی طرح حضور کی اطاعت مستقلاً" واجب ہے یعنی جیسے اللہ تعالیٰ مطاع مستقل ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مومن کے مطاع مستقل ہیں کہ حضور کا ہر حکم ہر مسلمان کیلئے لائق اتباع ہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے قرآن کے خلاف ہو یا موافق جس کو جو حکم دیں وہی اس کیلئے نص شرعی ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں اطیعوا اللہ والرسول نہ فرمایا بلکہ رسول کیلئے الگ صیغہ اطیعوا استعمال فرمایا تاکہ پتہ لگے کہ حضور کی اطاعت قرآن کی اطاعت کے ضمن میں نہیں بلکہ انکی اطاعت مستقل ہے اسکی صدہا مثالیں موجود ہیں۔ دیکھو تقسیم میراث حکم قرآن ہے مگر حضور نے فرمادیا کہ ہماری میراث تقسیم نہیں ہو سکتی اس پر سارے صحابہ نے بے چون وچرا عمل کرلیا نکاح میں بالغہ لڑکی اپنے نفس کی مختار ہے اسکا باپ بھی اسکی بغیر رضا اسکا نکاح نہیں کر سکتا مگر حضرت زینب کا نکاح جناب زید ابن حارثہ سے انکی بغیر رضا حضور نے کر دیا ان بیوی صاحبہ کو اپنے بارے میں دخل دینے کا بھی حق نہ ہوا بلکہ اسکے متعلق یہ آیت آئی ماکان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لہم الخیرۃ من امرھم۔ عام مقدمات میں دو مردوں کی گواہی ضروری ہے مگر حضرت خزیمہ انصاری کی ایک گواہی سے حضور نے دو گواہیاں بنائیں اور صحابہ کا اس پر عمل رہا غرضکہ اس کی بہت مثالیں موجود ہیں اس کیلئے ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ کا مطالعہ کرو۔ پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کے ان ہی احکام کی اطاعت لازم ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہم تک پہنچیں گے اب اگر ہمارے پاس اصلی توریت وانجیل ہو جب بھی ہم انکی اطاعت نہیں کر سکتے کہ اگرچہ وہ احکام سارے خدا تعالیٰ کے ہیں مگر حضور کی معرفت ہم تک نہیں پہنچے یہ فائدہ اطیعوا الرسول کو اطیعوا اللہ سے ملانے سے حاصل ہوا۔ بجلی کا پاور ہم کو جب ہی روشنی دیگا جب بلب کے ذریعہ سے حاصل ہو۔ چھٹا فائدہ: کتاب وسنت کے بعد اجماع امت پر عمل بھی لازم ہے جیسا کہ واولی الامر کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا اگر اجماع امت کوئی چیز نہ ہوتا بلکہ کتاب وسنت کی پیروی لازم ہوتی تو اس فرمان کی کیا ضرورت تھی۔ ساتواں فائدہ: اجماع امت پر عمل ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کے فرمان پر عمل ضروری ہے یہ فائدہ واولی الامر کے واؤ سے حاصل ہوا اجماع امت کا انکار ایسا ہی کفر ہے جیسا کہ اللہ رسول کے فرمان کا انکار کفر ہے۔ دیکھو جناب صدیق وفاروق کی خلافتیں قرآن اور حدیث میں منصوص نہیں مگر چونکہ ان پر امت کا اجماع ہو گیا اسلئے انکا انکار کفر ہو گیا۔ خلافت عثمانی ومرتضوی پر چونکہ اجماع نہ ہوا نہ رہا اسلئے انکا انکار کفر نہیں نیز جمع قرآن اجماع صحابہ سے جمع احادیث اجماع تابعین وغیرھم سے جمع مسائل فقہیہ اجماع مسلمین سے ہی ثابت ہے ان پر ہر مسلمان کا ایمان ہے قرآن کریم فرماتا ہے ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ماتولی یعنی جو مسلمانوں کی راہ کے علاوہ کوئی اور راہ چلے گا تو ہم اسکو ادھر ہی پھیریں گے جدھر وہ پھرے ونصلہ جھنم۔ اسے دوزخ میں تپائیں گے اور فرماتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم حضور فرماتے ہیں کہ ریوڑ میں رہنے والی بکری بھیڑیئے سے محفوظ رہتی ہے

جماعت مسلمین میں رہنے والا مسلمان شیطان کا شکار نہیں ہو سکتا۔ **ساتواں فائدہ:** اجماع امت کی اطاعت اللہ رسول کی اطاعت کے بعد یا انکی اطاعتوں کے ضمن میں ہے یہ فائدہ بھی واولی الامر کی واؤ سے حاصل ہوا کہ یہاں اس کیلئے الگ اطیعوا نہ فرمایا گیا۔ **آٹھواں فائدہ:** حاکم اسلام سلطان اسلام کی اطاعت بھی مسلمانوں پر لازم ہے جیسا کہ اولی الامر کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا مگر اس میں شرط یہ ہے کہ اسکا حکم اللہ رسول کے حکم خلاف نہ ہو۔ حدیث میں وارد ہے کہ ایک لشکر پر ایک انصاری کو امیر بنا کر بھیجا گیا راستے میں اس امیر کو لشکر والوں پر غصہ آ گیا اس نے کہا کہ کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اطاعت کا حکم نہیں دیا سب نے کہا ہاں تو بولا لکڑیاں جمع کر وان میں آگ جلاؤ۔ جب آگ جل چکی تو کہا سب اس میں کود جاؤ صحابہ کرام بولے کہ ہم آگ سے بھاگ کر حضور کے دامن میں چھپے ہیں کیا اب بھی آگ میں جائیں نہ کودے واپسی میں بارگاہ رسالت میں یہ واقعہ پیش کیا گیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم آگ میں کود جاتے تو ہمیشہ آگ میں ہی رہتے پھر فرمایا انما الاطاعۃ فی معرف حاکم کی اطاعت جائز کام میں ہے۔ (بخاری و مسلم وغیرہ) ابوداؤد شریف وغیرہ میں ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان پر اپنے امیر کی اطاعت واجب ہے مگر جبکہ وہ گناہ کا حکم نہ دے اگر گناہ کا حکم دے تو فلا سمع ولا طاعۃ۔ **نواں فائدہ:** کافر حاکم یا سلطان کی اطاعت شرعاً واجب نہیں اگر مسلمان موقعہ پا کر اسکی حکومت کا تختہ الٹ دیں تو گنہگار نہ ہوں گے یہ فائدہ منکم سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** قیاس مجتہد برحق ہے اسکی بھی اطاعت واجب ہے جیسا کہ فردوہ کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ قیاس مجتہد در حقیقت قرآن و حدیث کا مظہر ہے انکے مقابل نئی چیز نہیں۔ **گیارہواں فائدہ:** قیاس شرعی میں شرط یہ ہے کہ اسکا ماخذ کوئی منصوص حکم ہو جیسا کہ ردوہ کی تفسیر سے معلوم ہوا بغیر شرعی منصوص علیہ کے شرعی قیاس درست نہیں۔

بارہواں فائدہ: قیاس کا درجہ کتاب سنت اور اجماع کے بعد ہے جبتک کوئی مسئلہ ان تین میں سے کسی میں مل جائے تب تک قیاس ہرگز نہ کیا جائے جیسا کہ فان تنازعتم کی ف تعقیبیہ سے معلوم ہوا۔ **تیرہواں فائدہ:** شرعی قیاس پر عمل درپردہ اللہ رسول کے فرمان پر ہی عمل ہے کہ رب تعالیٰ نے یہاں قیاس کرنے کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹانا فرمایا۔ **چودھواں فائدہ:** ان چاروں اصولوں پر عمل کرنا یعنی کتاب، سنت، اجماع و قیاس دنیا میں بھی مفید ہے اور آخرت میں بھی جیسا کہ ذالک سے معلوم ہوا ہر غیر مجتہد مسلمان پر واجب ہے کہ کسی مجتہد کے قیاس پر عمل کرے قیاس کیا چیز ہے کتاب و سنت کے سمندر میں سے نکالے ہوئے موتی اگر تمہیں غوطہ خوری کا فن نہیں آتا تو سمندر میں ہرگز چھلانگ نہ لگاؤ۔ کسی غوطہ خور کے نکالے ہوئے موتی کسی دکان سے حاصل کرو قرآن اور حدیث سمندر ہے۔ امام ابو حنیفہ اسکے غوطہ خور ہیں اور ہمارے علماء و مشائخ انکے دکاندار اس سمندر میں کسی جہاز کے ذریعے جاؤ ورنہ ڈوب جاؤ گے غرضیکہ یہ آیت کریمہ وجوب تقلید کی قوی دلیل ہے اسکی تحقیق کیلئے ہماری کتاب مراۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول اور جاء الحق جلد دوم کا مطالعہ فرماؤ۔ **پندرہواں فائدہ:** مسئلہ حیات النبی برحق ہے کیونکہ حکام کی اطاعت لازم ہونے کی تین شرطیں ہیں حاکم کا زندہ ہونا مرے ہوئے بادشاہوں کی اطاعت لازم نہیں انکی حکومت کا بحال ہونا معزول شدہ حاکم کی اطاعت لازم نہیں۔ حکم کا باقی ہونا منسوخ حکم کی اطاعت لازم نہیں گزشتہ انبیاء کرام کے قوانین منسوخ شدہ ہیں ان پر آج عمل نہیں معلوم ہوا حضور زندہ ہیں انکی حکومت قائم ہے قانون نافذ ہے۔ حدیث۔ مشکوٰۃ شریف کتاب الامارات باب ماعلی الولاۃ اور ترمذی شریف جلد اول شروع ابواب الاحکام اور دارمی شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ ابن جبل کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو پوچھا کہ کس چیز سے فیصلہ کرو گے عرض کیا کتاب اللہ سے فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ عرض کیا اسکے رسول کی سنت سے فرمایا اگر اس میں بھی نہ پاؤ عرض کیا **اجتھد برائی ولا الو** یعنی اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوتاہی نہ کروں گا تب نبی کریم نے انکے سینے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ اس خدا کا شکر ہے کہ جس نے رسول کے قاصد کو اسکی توفیق دی جس سے رسول اللہ راضی ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا قیاس مجتہد برحق ہے جس سے اللہ رسول راضی ہیں۔

پہلا اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ اللہ رسول کی اطاعت مسلمانوں پر ہی ضروری ہے تو کیا اسلامی رعیت کفار کو کھلی اجازت ہے کہ وہ چوریاں ڈکیتیاں کرتے رہیں اور ان سے کچھ نہ کہا جائے اور یہ کہہ دیا کریں کہ ہم مسلمان ہی نہیں ہم پر قرآن حدیث کے احکام جاری ہی نہیں تو دنیا میں امن کیسے قائم ہو۔ **جواب:** اسلامی عبادات کے مکلف صرف مسلمان ہی ہیں۔ رہے معاملات اور ملکی قوانین وہ سارے انسانوں پر جاری ہوں گے خواہ مومن ہو یا کافر جنکی خلاف ورزی کرنے پر سزا سب کو ملے گی مگر ان قوانین پر پابندی کرنے میں آخرت کا ثواب صرف مسلمانوں کو ہے کفار کو نہیں لہٰذا یہ آیت بالکل صاف ہے اور اس کو الذین امنو سے شروع فرمانا بالکل صحیح ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اطاعت صرف قرآن شریف کی چاہیئے نبی محض ایک قاصد یا پوسٹ مین ہیں انکی اطاعت کی ضرورت نہیں قرآن و کتاب اللہ کافی ہے یہاں اطیعوا الرسول فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ رسول سے پوچھ کر اللہ کی اطاعت کیا کرو یا ان سے قرآن سن کر اس پر عمل کیا کرو (منکرین حدیث) **جواب:** یہ آیت کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے اس صورت میں رسول بھی اولی الامر منکم میں داخل تھے کہ مسئلہ عالم سے پوچھ کر اس پر عمل کرتے ہیں پھر اطیعوا الرسول فرمانے کی کیا ضرورت کیا تھی اور یہ ساری عبارت ہی بیکار ہو جاتی تم تو کہتے ہو کہ خدا کی اطاعت ہی رسول کی اطاعت ہے مگر قرآن کریم فرماتا ہے کہ رسول کی اطاعت ہی خدا کی اطاعت ہے **ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ**

نوٹ: منکرین حدیث اس آیت پر چکر کھا جاتے ہیں۔ تاویلیں کرتے ہیں مگر بنتی نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** کیا مسلمانوں کیلئے اللہ رسول کافی نہیں جو انہیں اجماع و قیاس کی بھی ضرورت پڑی۔ صحابہ کرام کے زمانہ میں نہ اجماع تھا اور نہ قیاس صرف قرآن و حدیث تھے۔ **جواب:** قیاس مجتہد قرآن و حدیث کے سمندر سے نکالے ہوئے موتی ہیں اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم دیا حضور نے نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا مجتہد نے یہ سمجھایا کہ نماز میں کتنے فرائض ہیں جنکے بغیر نماز نہیں ہوتی اور کتنے واجبات ہیں جنکے چھوٹ جانے سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے اور کتنی سنتیں یہ تفصیل نہ قرآن میں صراحۃً ہے نہ حدیث میں صحابہ کرام غیر فقیہ۔ فقیہ صحابہ کرام کی اطاعت کرتے تھے۔ جیسے حضرات ابو ہریرہ نے حضرت ابن عباس کی اطاعت کی اور ابوذر غفاری نے عثمان غنی کی انکے ہاں خلافت صدیقی و فاروقی پر اجماع ہوا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بشان رسالت کوئی حکم دیں تو اطاعت کی جائے اور اگر بشریت کے لحاظ سے کچھ کہیں تو اطاعت نہ کی جائے اس لئے یہاں واطیعوا محمدا نہ فرمایا بلکہ واطیعوا الرسول کہا جب منبر پر وعظ فرمائیں تو آپ رسول ہیں اور جب گھر میں یا دوستوں میں مشغول ہوں تو آپ بشر ہیں جیسے حاکم کچہری میں آئے تو حاکم ہے گھر میں جائے تو کچھ نہیں (منکرین حدیث) **جواب:** یہ بھی کلام الٰہی کی تحریف ہے بتاؤ قرآن کریم میں یہ تفصیل کہاں کی گئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے رسالت ایسی لازم ہے جیسے سورج کیلئے نور یا آگ کیلئے گرمی یا گلاب کیلئے رنگ و بو کہ رسول ہر حال میں رسول ہیں کیا تمہیں خبر نہیں کہ حضور کی خواب وحی ہے اور حضور

بستر پر آرام فرما ہوتے ہوئے جبرائیل امین سے باتیں کرتے ہیں کھاتے پیتے اور جہاد فرماتے ہوئے جو کلمات اس مبارک منہ سے نکلتے ہیں وہ قوانین اسلامی ہوتے ہیں۔ حضرت انس سے کھانا کھاتے ہوئے فرمایا کہ اپنے آگے سے کھاؤ یہی اسلامی قانون بنا۔ خطرہ ہے کہ کل تم اللہ تعالیٰ کیلئے بھی کہنے لگو کہ اللہ تعالیٰ شان الوہیت یا شان ربوبیت سے جو حکم دے وہ لازم عمل ہیں اور دوسرے احکام لازم عمل نہیں جب ہم نہ تھے تو اللہ تعالیٰ ہمارا رب نہ تھا عالم کی پیدائش سے پہلے نہ وہ رب تھا نہ خالق نہ رازق نہ سمیع نہ بصیر جب مرزوق مسموع یا مبصرات چیزیں پیدا ہوئی تو وہ سب کچھ بنا نعوذ باللہ منہ۔ جیسے سورج بہرحال منیر ہے خواہ اس سے کوئی نور لے یا نہ لے یوں ہی اللہ تعالیٰ سمیع بصیر رازق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہرحال رسول ہیں خواہ کسی وقت کسی حال میں ہوں۔ **پانچواں اعتراض:** اگر حضور کا ہر ارشاد اسلامی قانون ہے اور لازم العمل ہے تو جناب بریرہ سے فرمایا کہ تم اپنا نکاح جو مغیث سے ہوا ہے نہ توڑو انہوں نے نہ مانا اور نکاح توڑ دیا مدینہ منورہ تشریف لا کر انصار سے فرمایا کہ تم درختوں کی تلقیح نہ کرو یعنی انکے قلم کا پیوند نہ کرو اس پر عمل کیا گیا تو پھل کم ہو گئے جس پر آپ نے اپنا یہ حکم واپس لیا تو اطیعوا الرسول مطلق کہاں رہا۔ (نوٹ) یہ ان لوگوں کا انتہائی اعتراض ہے۔ **جواب:** جیسے قرآن شریف کے سارے اوامر و احکام پر عمل واجب نہیں کسی حکم پر عمل واجب ہے کسی پر مستحب اور کسی پر صرف جائز دیکھو اقیموا الصلوۃ بھی امر ہے اس پر عمل واجب اور **فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا** ان غلاموں کو مکاتب کر دو یہ بھی امر ہے مگر اس پر عمل مستحب **یا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ** کہ جب تم قرض کا لین دین کیا کرو تو لکھ لیا کرو یہ بھی امر ہے مگر قرض لکھ لینا واجب نہیں صرف مستحب ہے اور **واذا حللتم فاصطادوا** جب احرام سے کھل جاؤ تو شکار کرو یہ بھی امر ہے مگر شکار کرنا محض مباح ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالیہ کا حال ہے جو فرمان بطور مشورہ ہوں اس پر عمل بہتر ہے اسی لئے حضرت بریرہ نے یہ فرمان عالی سن کر عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ آپ کا یہ حکم ہے یا مشورہ تو حضور نے فرمایا تھا کہ حکم نہیں مشورہ ہے تب بولیں پھر مجھے مغیث کی ضرورت نہیں گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اپنے فرمانوں میں یہ فرق کر دیا ہے ہم تو انکے فرمانوں پر سجدہ کرنے والے ہیں۔ جیسا وہ فرمائیں وہ قبول ہے درختوں کے پیوند لگانے سے پھل نہ گھٹے تھے بلکہ یہ قدرت کی طرف سے امتحان تھا اگر وہ اس پر قائم رہتے تو رب انہیں پھل بہت دیتا۔ غرضیکہ حکم فیصلہ اور مشورہ ان تینوں میں فرق ضروری ہے دیکھو حضرت بریرہ کو نکاح قائم رکھنے کا مشورہ تھا مگر بی بی زینب کو حضرت زید سے نکاح کرنے کا حکم بلکہ فیصلہ تھا اسلئے حضرت بریرہ کو اختیار رہا اور بی بی زینب کو اختیار نہ رہا۔ **پانچواں اعتراض:** اگر حضور کی اطاعت مطلقاً واجب ہے قول میں ہو یا فعل میں تو ہم لوگ نو بیویاں نکاح میں کیوں نہیں رکھ سکتے یہ بھی تو حضور کا فعل ہے۔ **جواب:** جیسے قرآن شریف کی منسوخ آیتوں پر یا ان آیتوں پر جن میں خاص حضور کو حکم دیا گیا ہم عمل نہیں کر سکتے اسی طرح ہم حضور کے منسوخ یا مخصوص افعال پر عمل نہیں کر سکتے نکاح کی خصوصیات کے بارے میں خود رب فرماتا ہے **خالصة لک من دون المؤمنین** یہ حکم آپ کیلئے خاص ہے نہ کہ مسلمانوں کیلئے اسی لئے ہم لوگ اہلسنت کہلاتے ہیں نہ کہ اہلحدیث۔ سنت حضور کے وہی قول و فعل ہیں جو منسوخ یا مخصوص نہ ہوں خلاصہ یہ ہے کہ تم جو اعتراض اطیعوا الرسول پر کرو گے وہی اعتراض اطیعوا اللہ پر پڑیگا جو تم جواب دو گے وہی ہمارا جواب ہو گا۔ **چھٹا اعتراض:** آیت کریمہ میں واطیعوا الرسول کیوں فرمایا گیا حضور کا نام شریف یا آپ کا اور کوئی وصف کیوں نہ ارشاد ہوا **النبی یا بشیر یا نذیر** **جواب:** حضور کی تمام صفات میں صفت رسالت بہت شاندار ہے رسول وہ

جو خالق و مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ ہو رسول وہ جو رب سے لے مخلوق کو دے اور رب کے فیض کو سنبھال سکے راہ میں ضائع نہ کرے رسول وہ کہ زبان اسکی کلام رب تعالیٰ کلیاتی شفاعت رحمت بشارت وغیرہ رسالت کی شاخیں ہیں اسلئے کلمہ شریف میں محمد رسول اللہ ہے رسول کا احسان ماں باپ شیخ سلطان سب سے زیادہ ہے کہ ماں باپ سے جان ملی حضور سے قرآن و ایمان ملا ماں باپ ہم کو عالم انوار سے عالم اجسام میں لائے رسول ہمکو اجسام سے انوار کی طرف لے گئے لہٰذا رسول کا احسان بڑا اسلئے انکی اطاعت زیادہ اہم۔ **ساتواں اعتراض:** اعلیٰ حضرت کے ترجمے سے معلوم ہوا کہ اولی الامر سے مراد حکومت والے ہیں یعنی بادشاہ و حکام ہیں نہ کہ علماء و مجتہدین لہٰذا اس ترجمے کی بنا پر نہ اجماع ثابت ہو سکتا ہے نہ تقلید۔ **جواب:** یہاں حکومت سے مطلق حکومت مراد ہے خواہ دینی حکومت ہو جو علما مجتہدین فقہاء کو حاصل ہے یا دنیاوی حکومت جو اسلامی سلطان اور حکام کو حاصل ہے بلکہ علماء و فقہا کی اطاعت حکام اور سلاطین پر بھی واجب ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** جب سلطان اور حکام کی اطاعت بھی واجب ہے تو جناب امام حسین نے یزید کی اطاعت کیوں نہ کی اور اپنی جان کیوں دے دی (خوارج وغیرہ) یزید نے انہیں نماز وغیرہ سے نہ روکا تھا صرف اپنی بیعت کا انہیں حکم دیا تھا۔ **جواب:** ایک ہے کسی کو اپنا حاکم اور سلطان بنانا اور ایک ہے بنے ہوئے حاکم سلطان کی اطاعت کرنا ان دونوں میں بڑا فرق ہے ہمیں بنے ہوئے سلطان و حکام کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ فاسقوں اور کافروں کو اپنا حاکم یا بادشاہ بنا لینے کا وہاں یزید بے دین و فاسق کو خلیفہ بنانے کا سوال تھا آپ کی بیعت پر اسکا خلیفہ بننا موقوف تھا جناب حسین نے فرمایا کہ بے دین فساق کو خلیفہ بنانا شرعی قانون کے خلاف ہے۔

استقامت پہ فدا ہیں تیری اے دست حسین! نہ گیا ہاتھ میں بے دین کے بیعت کیلئے

نواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اطاعت صرف قرآن اور حدیث کی چاہئے کہ فرمایا گیا فردوہ الی اللہ والرسول۔ اگر فقہاء کی اطاعت بھی ضروری ہوتی تو یہاں اسکا بھی ذکر ہوتا (منکرین تقلید) **جواب:** یہ آیت ہی تقلید کا حکم دے رہی ہے دیکھو یہاں تین ہستیوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا اللہ تعالیٰ (قرآن) رسول اللہ علیہ وسلم (حدیث) اور اولی الامر (فقہ و قول مجتہد) ردوہ کے معنی وہ ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے یعنی غیر منصوص حکم کی طرف لوٹانا اور اسکا حکم یہاں جاری کرنا یہ کام فقہا کا ہے نہ کہ ہمارا تمہارا اور یہ رد صرف حدیث و قرآن کی طرف ہی ہو سکتا ہے۔ (نوٹ): اطاعت اور رد کا یہ فرق نہایت ہی باریک ہے خیال رکھنا چاہئے دیکھو اطاعت کے ساتھ تین ہستیوں کا ذکر ہے اور رد کے ساتھ فقط دو کا تقلید و قیاس کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ فرماؤ۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کے دو حال ہیں ابتدائی اور انتہائی ابتدائی حال میں ہر چیز الگ الگ کرکے بتائی سمجھائی اور دکھائی جاتی ہے انتہائی حال میں اس علیحدگی کی ضرورت نہیں رہتی جب بچہ مدرسے جاتا ہے تو اسے پہلے ہر حرف اور اسکی آواز زبر زیر پیش وغیرہ الگ کرکے سمجھاتے ہیں پھر کچھ ترقی ہونے پر چھوٹے چھوٹے کلمات مرکب سکھاتے ہیں جب اور آگے بڑھتا ہے تو اسے اس تفریق اور علیحدگی کی ضرورت نہیں رہتی وہ خود بڑے بڑے جملوں اور پورے کلاموں کے سمجھنے پر قادر ہو تا ہے یونہی منزل معرفت میں ابتدائی حال میں اللہ کی اطاعت رسول کی اطاعت اولی الامر کی اطاعت فقہا کی اطاعت کو الگ الگ کرکے سمجھایا جاتا ہے مگر جب عارف اس منزل سے آگے بڑھتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ چیزیں علیحدہ ہیں ہی نہیں ایک اطاعت رسول

میں یہ سب اطاعتیں آجاتی ہیں یہ آیت کریمہ میدان معرفت میں پہلا قدم رکھنے والوں کیلئے ہے۔ دوسری جگہ رب فرماتا ہے ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے رسول کی اطاعت کرلی اس نے اللہ کی اطاعت کرلی اور ایک جگہ فرماتا ہے فاتبعونی یحببکم اللہ میری اطاعت کرلو اللہ تم سے خود محبت کریگا یہ آیتیں انتہاء والوں کیلئے ہیں۔ جیسے جمع کرتے وقت جمع کے سارے عدد حاصل جمع میں آجاتے ہیں ایسے ہی ساری اطاعتیں حضور کی اطاعت میں آجاتی ہیں۔ حضور کی اطاعت حاصل جمع و خلاصہ اطاعت ہے بظاہر سننے کیلئے کان دو ہیں دیکھنے کیلئے آنکھیں دو کھانے کیلئے دانت بتیس مگر ان دونوں آنکھوں کا مرکز ایک مجمع نور ہے کانوں کا مرکز ایک ہی پردہ ہے یوں ہی اسلام میں بظاہر اطاعتیں چار ہیں مگر ان تمام کا مرکز ایک ہی اطاعت رسول ہے اگر آج آپ توریت و انجیل کی اصلی آیات پر عمل کریں تو خدا کے مطیع نہیں حالانکہ وہ بھی فرمان رب تعالیٰ ہی کے ہیں مگر چونکہ حضور کی معرفت نہیں پہنچے لہذا اب ان پر عمل خدا کی اطاعت نہیں اور اگر وہ توریت و انجیل کے احکام نقل فرمائے ان النفس بالنفس ہم پر بھی وہ حکم لازم ہوگیا۔ اسلئے مجمع صحابہ میں جبریل امین بہ نشان شاگردی شکل بشری میں آکر بارگاہ عالیہ میں دو زانو بیٹھ کر حضور سے ایمان' اسلام' احسان' علامات قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں خود صحابہ سے نہیں کہہ دیتے کہ میں جبریل ہوں رب نے میری معرفت تم کو یہ احکام بھیجے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان حضرات پر وہی حکم ماننا لازم ہوں گے جو حضور کی معرفت ان تک پہنچیں گے پاور سے روشنی بذریعہ بلب ہم کو ملے گی۔

حکایت: کسی بادشاہ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ فلاں کمرے میں سے آئینہ اٹھالا یہ غلام بھینگا تھا کہ اسے ایک کے دو نظر آتے تھے جب کمرے میں پہنچا تو اسے دو آئینے نظر پڑے واپس آکر بولا حضور وہاں دو آئینے ہیں۔ کون سالاؤں بادشاہ سمجھ گیا کہ یہ اسکی آنکھ کا قصور ہے اس نے حکم دیا کہ ان دونوں میں سے ایک توڑ دے اور دوسرا اٹھالا۔ غلام نے جو ایک کو توڑا تو دونوں ٹوٹ گئے آکر بولا حضور حیرت ہے توڑا میں نے ایک مگر ٹوٹ گئے دونوں' بادشاہ نے کہا کہ وہ ایک آئینہ تھا جسے تو نے دو سمجھا تھا ابتدائی حالات اطاعت خدا اور اطاعت رسول دو نظر آتی ہیں یہ عقل کا بھینگا پن ہے جب انتہاء پر پہنچتا ہوتا ہے تو معلوم ہوتا ہے حدیث و قرآن انجام میں ایک ہی ہیں خدا کرے عقل کا یہ بھینگا پن دور ہو تاکہ یہ دوئی کا جھگڑا ختم ہو مگر یہ بھینگا پن بغیر کسی ہسپتال میں آپریشن کرائے نہیں جاتا۔ عقل کی آنکھ کا آپریشن کرنے والے حضرات علماء ربانیین اور اولیائے کاملین ہیں۔ ابتدائی حالات میں انسان جھگڑالو ہوتا ہے یہ سارے جھگڑے پردے کے ہیں مگر جب پردہ اٹھ جائے اور بیان عیان میں آجائے تو جھگڑے سارے ختم ہو جاتے ہیں اس جھگڑے کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہے کہ اگر تم ابتدائی حالات میں آپس میں جھگڑے کرو تو اللہ رسول کی طرف لوٹو وہاں پہنچ کر جو بیان ہے وہ عیان ہو جائیگا۔ اور جھگڑے ختم ہو جائیں گے اسلئے اس آیت کے آخر میں فرمایا گیا کہ یہ عمل بہت اچھا ہے اور اسکا انجام نہایت بہتر۔

حکایت: چار فقیروں کو کسی نے ایک روپیہ دے دیا اب وہ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اسکی کیا چیز کھائیں ان چاروں کی زبانیں مختلف تھیں سب کا دل چاہتا تھا انگور کھائیں مگر ہر ایک دوسرے کی زبان سے بے خبر تھا ایک بولا انگور لو دوسرا بولا عنب تیسرا بولا اوزم لو چوتھا بولا داخ خریدو ان چاروں کے معنی ایک ہی ہیں آپس میں جھگڑ رہے تھے ایک وہ شخص آیا جو ان چاروں لفظوں کو جانتا تھا اس نے کہا لاؤ تمہارا جھگڑا میں طے کرتا ہوں ان سے روپیہ لیا بازار سے انگور لے آیا چاروں خوش ہو گئے غرضیکہ

جب تک حجاب ہے تب تک جھگڑے ہیں حجاب پھاڑو یار تک پہنچو ۔

قول حق قرآن ہے قول پیمبر ہے حدیث ۔ لفظ ہی کا فرق ہے تقریر ہے دونوں کی ایک
اس نے دل پھیرا اور اس نے دعوت اسلام دی ۔ وہ خدا یہ مصطفیٰ تدبیر ہے دونوں کی ایک

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ

کیں نہ دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جو گمان کرتے ہیں کہ وہ لوگ جو ایمان لے آئے اس پر جو اتارا گیا طرف

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لے آئے اس پر جو تمہاری طرف اترا اور اس پر جو تم

مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ

تمہاری اور اس پر جو اتارا گیا پہلے تم سے ارادہ کرتے ہیں کہ فیصلہ لے جائیں طرف سرکش گمراہ کے حالانکہ حکم دیئے

سے پہلے اترا پھر چاہتے ہیں کہ شیطان کو اپنا پنچ بنائیں اور ان کو تو حکم یہ تھا اسے اصلاً نہ مانیں

يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝۶۰ وَاِذَا قِيْلَ

گئے وہ یہ کہ انکار کریں اس کا اور ارادہ کرتا ہے شیطان یہ کہ گمراہ کرے ان کو گمراہی دور کی اور جب کہا گیا ان سے

اور ابلیس یہ چاہتا ہے کہ انہیں دور بہکا دے اور جب ان سے

لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ

کہ آؤ طرف اس کے جو اتارا اللہ نے اور طرف رسول کے تو دیکھو گے تم منافقوں کو کہ پھیرتے ہیں تم

کہا جاوے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب اور رسول کی طرف آؤ تو تم دیکھو گے کہ منافق

عَنْكَ صُدُوْدًا ۝۶۱

سے پھرنا

تم سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو اللہ رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا اب اس آیت میں منافقین کی حرکتوں کا ذکر ہے کہ وہ اللہ رسول کو چھوڑ کر شیاطین اور کفار کی اطاعت کرنا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان اللہ رسول کی اطاعت کریں اور ان کی ماننے سے بچیں غرض کہ کرنے والی اطاعتوں کا ذکر پہلے تھا اور بچنے والی اطاعتوں کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اجماع امت اور قیاس مجتہدین کی پیروی کا ذکر تھا جو مسلمانوں کا عمل ہے اب بے دینوں کی فرمانبرداری سے بچنے کا حکم ہے جو منافقوں کا طریقہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** گذشتہ پچھلی آیت میں اسلامی حکام کو عدل و انصاف کا حکم دیا گیا تھا اب عوام کو ان حکام کے پاس جانے کا حکم ہے اور غیروں کی طرف جانے سے ممانعت۔

شان نزول : اس کے نزول کے متعلق چند روایتیں ہیں۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک منافق جس کا نام بشر تھا اس کے اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا تھا اس جھگڑے میں یہودی سچا تھا منافق جھوٹا۔ یہودی بولا چلو اس کا فیصلہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرائیں۔ منافق بولا نہیں چلو اس کا فیصلہ کعب بن اشرف سے کرائیں (یہود کا سردار) یہودی نے کہا کہ تو عجیب مسلمان ہے کہ اپنے نبی کے پاس چلنے اور ان سے فیصلہ کرانے سے کتراتا ہے۔ منافق شرمندہ ہو کر اس یہودی کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا بیان سن کر یہودی کے حق میں فیصلہ کیا وہاں سے نکل کر منافق بولا کہ میں اس فیصلے سے راضی نہیں چلو یہ فیصلہ حضرت ابو بکر صدیق سے کرائیں چنانچہ وہ دونوں بارگاہ صدیقی میں حاضر ہوئے۔ جناب صدیق اکبر نے بھی دونوں کے بیان سن کر یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا وہاں سے نکل کر بشر منافق بولا کہ میری تسلی اب بھی نہیں ہوئی چلو حضرت عمر سے اور فیصلہ کرائیں چنانچہ یہ دونوں حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہودی نے حضرت عمر سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب صدیق میرے حق میں فیصلہ فرما چکے ہیں مگر بشر راضی نہیں ہوتا۔ اب مجھے آپ کے پاس لایا ہے حضرت عمر نے بشر سے پوچھا کہ کیا یہ واقعہ درست ہے۔ بشر بولا ہاں آپ نے فرمایا کہ تم دونوں ٹھہر جاؤ میں گھر میں ہو آؤں چنانچہ آپ گھر میں تشریف لے گئے تلوار لائے اور منافق کی گردن مار دی پھر فرمایا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے اور جناب صدیق کے عدل سے راضی نہ ہو اس کا فیصلہ میرے نزدیک یہ ہے۔ پھر منافق کے قرابتدار بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضرت عمر کی شکایت کی۔ حضور نے جناب عمر کو بلایا اور اصل واقعہ پوچھا آپ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ اس مردود نے آپ کے حکم کو رد کیا تھا جو آپ کے فیصلے پر کسی اور کا فیصلہ چاہے اس کا فیصلہ میرے پاس تو یہی ہے اسی دم جبرائیل امین آئے اور یہ آیت لائے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ عمر حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ اے عمر تم آج سے فاروق ہو یعنی حق اور باطل میں فرق کرنے والے اس دن سے آپ کا لقب فاروق ہوا۔ (تفسیر کبیر و خازن' تفسیر بیضاوی' مدارک' روح المعانی و بیان جلالین وغیرہ) (2) امام سدی فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں یہود کے دو قبیلے آباد تھے۔ بنی قریظہ اور بنی نضیر۔ بنی قریظہ کچھ کمزور تھے اور بنی نضیر قوی۔ بنی قریظہ قبیلہ خزرج کے حلیف تھے اور بنی نضیر اس کے حلیف اوس اور خزرج بعد میں انصار کہلائے۔ زمانہ جاہلیت میں اگر کوئی قریظی نضیری کو مار دیتا تو اس کے عوض یا اسے قتل کیا جاتا یا اس کی دیت سو وسق کھجوریں دلوادی جاتیں اور اگر نضیری کسی قریظی کو مار دیتا تو اس کے عوض صرف ساٹھ وسق کھجوریں دلوائی جاتیں اسے ہرگز قتل نہ کیا جاتا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں جلوہ گر ہوئے تو بعض نضیری اور قریظی اخلاص سے سچے مسلمان ہو گئے اور بعضے نفاق سے کلمہ پڑھ کر مسلمانوں میں شامل ہو گئے اور اکثر اپنے کفر پر رہے۔ اتفاقاً ان لوگوں میں سے ایک نضیری نے کسی قریظی کو قتل کر دیا۔ اس معاملے میں ان کا آپس میں جھگڑا ہوا۔ نضیری بولے کہ ہم پرانے دستور کے مطابق ساٹھ وسق کھجوریں دیں گے۔ قریظی بولے کہ یہ زمانہ جاہلیت کا ظلم ستم تھا کہ تم نے ہمیں قوت کی بناء پر دبا رکھا تھا اب ہم دونوں مسلمان ہو چکے ہیں' اسلام میں قوی و کمزور سب برابر ہیں۔ چلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں فیصلہ کرائیں۔ قریظی منافقین بولے کہ چلو ابی بردہ اسلمی کاہن سے فیصلہ کرائیں (جو یہود میں فیصلے کیا کرتا تھا) چنانچہ منافقین انہیں مجبور کر کے اس کاہن کے پاس لے گئے۔ کاہن بولا کہ پہلے مجھے

رشوت دو پھر فیصلہ کروں گا۔ انہوں نے دس وسق کھجوریں پیش کیں وہ بولا نہیں سو وسق لوں گا۔ غرض اس جھگڑے میں وہاں فیصلہ نہ ہو سکا۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن و کبیر و روح المعانی)۔

تفسیر: **الم تر الی الذین یزعمون** ہمزہ استفہامیہ ہے اور یہ سوال و استفہام تعجب دلانے کے لئے ہے **تر** رویت سے بنا معنی آنکھ سے دیکھنا چونکہ یہ نظر کے معنی میں ہے اس لئے اس کے بعد الی لایا گیا **الذین** سے مراد وہی منافقین ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ اتری۔ **یزعمون** زعم سے بنا بمعنی گمان کرنا یا دعویٰ کرنا اکثر بے دلیل کلام کو بھی زعم کہہ دیتے ہیں کبھی یہ کلمہ حق بات پر بولا جاتا ہے کبھی بالکل پر چنانچہ حدیث شریف میں ہے زعم جبرائیل اور **ضمام** ابن ثعلبہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا تھا زعم رسولک یہاں قول باطل کے معنی میں ہے جیسا کہ شان نزول اور روش کلام سے معلوم ہو رہا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ اکثر قول باطل کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جیسے **زعم الذین کفروا ان لن یبعثوا** اور جیسے **بل زعمتم ان لن نجعل لکم موعدا** یا جیسے **کنتم تزعمون** یا جیسے **زعمتم من دونہ** وغیرہ۔ **انہم امنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک** یہ جملہ **یزعمون** کا مفعول ہے **بما** سے مراد قرآن کریم کی آیتیں 'احادیث شریفہ اور حضور کے سارے معجزات ہیں اور **وما انزل** سے مراد توریت شریف اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سارے معجزات ہیں کیونکہ یہ منافق یہودی تھے اور توریت کے ماننے کے دعویدار یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے ان منافقوں کی طرف نظر نہ فرمائی جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ آپ کی کتاب قرآن شریف وغیرہ پر بھی ایمان لے آئے اور موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توریت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ دعویٰ تو ان کا اتنا بڑا ہے مگر عمل یہ ہے کہ **یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت** یہ جملہ **یزعمون** کے فاعل ھم کا حال ہے ارادے سے مراد وہ ارادہ ہے جو کام کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ تو یہ حرکت کر بھی چکے تھے۔ **یتحاکموا تحاکم** سے بنا بمعنی فیصلہ لے جانا یا پنچ بنانا۔ یہاں یہ باب مقابلے کے لئے نہیں طاغوت کے معنی کی تحقیق پہلے کی جا چکی ہے کہ یہ **طغی** بمعنی سرکشی اور حد سے نکل جانا کا مبالغہ ہے یہاں اس سے مراد یا کعب ابن اشرف یہودی ہے یا ابو بردہ کاہن یعنی دعویٰ تو ان کا ایمان کا ہے مگر عمل ان کا یہ ہے کہ آپ کے مقابلے میں سرکش کفار کو اپنا پنچ بنانے پر راضی ہیں **و قد امروا ان یکفروا بہ** یہ عبارت یریدون کے فاعل کا حال **امروا** کا نائب فاعل وہی منافقین ہیں **ان یکفروا** ' **امروا** کا دوسرا مفعول ہے بہ کی ضمیر طاغوت کی طرف ہے کفر سے مراد یا انکار کرنا ہے یا اس کی بات نہ ماننا یعنی ان منافقوں کو تو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت کی بات ہرگز نہ مانیں **و یرید الشیطان ان یضلہم ضلالا بعیدا** " یہ عبارت پہلی عبارت **قد امروا** پر معطوف ہے شیطان سے مراد یا تو وہی کعب ابن اشرف یا ابو بردہ کاہن ہیں یا ابلیس ہی مراد ہے۔ پہلی صورت میں بجائے ضمیر کے اسم ظاہر لایا گیا۔ **ان یضل** الخ یرید کا مفعول بہ ہے **ضلالا بعیدا** " **یضل** کا مفعول مطلق ہے ضل اضلال سے بنا بمعنی گمراہ کرنا' یا گمراہ رکھنا اور گمراہی سے نہ نکلنے دینا دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں کیونکہ منافقین گمراہ تو پہلے ہی سے تھے **ضلالا" بعیدا** سے وہ گمراہی مراد ہے جو ہدایت سے بہت دور کر دے جس کے بعد ان کے ہدایت پر آنے کی امید نہ رہے۔ یعنی ان لوگوں کو تو یہ حکم دیا گیا تھا کہ کفار سے دور رہیں ان کے احکام سے بیزار رہیں مگر ان کی باگ ڈور کعب ابن اشرف یا ابلیس کے ہاتھ میں ہے۔ جس کی پوری کوشش یہ ہے کہ یہ کبھی ہدایت پر نہ آنے پائیں '

گمراہی میں ہی پھنسے رہیں۔ **و اذا قیل لھم** یہ جملہ علیحدہ ہے جس میں منافقوں کے دوسرے عیب کا بیان ہے قیل کا فاعل مخلصین مومنین ہیں لھم کا مرجع منافقین ہیں اس کا مقولہ یہ ہے کہ **تعالوا الی ما انزل اللہ و الی الرسول۔** **تعالوا** کی تحقیق پہلے ہو چکی ہے کہ یہ **علو** بمعنی بلندی سے بنا اس کے معنی اوپر چڑھنا ہیں اب بمعنی آنا استعمال ہوتا ہے۔ **ما انزل اللہ** سے مراد قرآن شریف ہے اور **الرسول** سے مراد قرآن کے احکام جاری فرمانے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی جب مخلص مومنوں کی طرف سے ان منافقوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ آؤ احکام قرآنی کی طرف اور اس ذات کریم کی طرف جن کے ہاں دودھ کا دودھ ہے اور پانی کا پانی۔ ان سے فیصلہ کراؤ تو **رایت المنفقین یصدون عنک صدودا** " یہ جملہ **و اذا** کی جزا ہے اور **رایت** میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ منافقین اس کا مفعول بہ ہے اگرچہ یہاں ضمیر کا موقعہ تھا کیونکہ منافقوں کا ذکر پہلے آچکا ہے مگر ان کی بے ایمانی ظاہر کرنے کے لئے منافقین نام لیا گیا۔ **یصدون صد** سے بنا بمعنی رکنا اور روکنا یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی وہ منافقین مخلص مسلمانوں کے مشورے پر عمل کرنے کی بجائے اور زیادہ منہ پھیرتے ہیں کیونکہ انہیں خبر ہے کہ ہم ناحق پر ہیں حضور کا فیصلہ ہمارے خلاف ہو گا اس لئے وہ آپ کے پاس نہیں آتے رشوت خور یہود کاہن کے پاس جاتے ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے ان قرطبی و نفسیری منافقوں کو نہ دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ آپ کی کتاب اور آپ کے فرمانوں اور آپ کے معجزات وغیرہ پر ایمان لا چکے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ توریت شریف کو مانتے ہیں مگر ان کا عمل یہ ہے کہ اپنے فیصلے سرکشوں گمراہوں شیاطین یعنی رشوت خور یہودیوں اور کاہنوں سے کراتے ہیں اگر وہ مومن تھے تو انہیں قرآن شریف میں توریت میں اور آپ کے ارشادات میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت کے انکاری رہیں اور ان کی بات کبھی نہ مانیں۔ بات یہ ہے کہ ان کی باگ ڈور یہود یا ابلیس کے ہاتھ میں ہے اس کی کوشش یہ ہے کہ یہ گمراہی میں اتنے دور نکل جائیں کہ پھر ہدایت کی طرف نہ آسکیں یہ سب اس کے کرشمے ہیں یہ منافقین غلطی یا بھول سے ایسی حرکت نہیں کرتے بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ جب مخلص مومن انہیں سمجھاتے ہیں کہ تم مدعی اسلام ہو کلمہ پڑھتے ہو چلو اپنے رسول سے فیصلہ کراؤ تو وہ اس مشورے پر عمل کرنے کی بجائے اور زیادہ اکڑ میں آجاتے ہیں اور آپ سے بالکل ہی منہ پھیر لیتے ہیں ایسے ہی لوگ پکے بے ایمان اور منافق ہی خواہ دعویٰ کچھ بھی کریں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پاک سامنے اور پس پشت دور نزدیک ہر چیز کو دیکھتی ہے کیونکہ منافقین کا یہ واقعہ حضور سے دور ہوا تھا۔ یہاں آپ موجود نہ تھے مگر فرمایا گیا **الم تر** کیا تم نے دیکھا نہیں یعنی دیکھا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** دعویٰ بغیر دلیل اور قول بلا عمل کبھی قابل قبول نہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے منافقوں کے کلمہ پڑھنے دعویٰ ایمان کرنے کو زعم فرمایا یعنی دعویٰ باطل۔ **تیسرا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عدل و انصاف اس حد تک تھا کہ کفار بھی اس کے قائل تھے دیکھو وہ یہودی آپ کے فیصلے پر مطمئن تھا اور آپ کے پاس مقدمہ لانا چاہتا تھا جیسا کہ شان نزول سے ظاہر ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** کلمہ گو کافر یعنی منافقین ظاہر کافر سے بد تر تھے اور بد تر ہیں کہ یہود کو حضور پر اعتماد تھا اور وہ حضور کے فیصلے سے راضی تھے مگر اس چھپے کافر اور منافق کو اعتماد نہ تھا۔ اس کا نظارہ آج بھی ہو

رہا ہے چنانچہ دیونا ضلع گجرات کی ایک مسجد میں محراب پر یا اللہ اور یا محمد لکھا تھا۔ ایک کلمہ گو صاحب کدال لے کر اس کو مٹانے پہنچے' ایک ہندو لاٹھی لے کر نکل آیا بولا کون ہے، جو نبی پاک کے نام کو مٹائے یہ ہے اس آیت کریمہ کا ظہور جو قیامت تک ہوتا رہے گا۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے مولانا سردار احمد صاحب اور مولوی سلطان محمود صاحب کا مناظرہ ککھی ضلع گجرات میں ہوا جس میں سکھ اور ہندو بھی شریک تھے۔ مولوی صاحب کا اس پر زور تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اختیار نہیں' انہیں کچھ علم نہیں' ان سے کچھ نہیں ملتا۔ مولانا سردار احمد صاحب کا دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو باختیار علیم و خبیر بنا کر بھیجا ہے۔ اور ان کے دروازے سے سب کچھ ملتا ہے آخر سلطان محمود کو شکست فاش ہوئی جب وہ وہاں سے لوٹنے تو ان سے سکھوں نے کہا کہ مولوی صاحب ہم اور آپ ایک ہیں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ تمہارے نبی کے پاس کچھ نہیں اور تم بھی یہی کہتے ہو پھر تم سکھ کیوں نہیں بن جاتے۔ (دیکھو کتاب محدث اعظم پاکستان جلد اول صفحہ 16)۔ **پانچواں فائدہ:** حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فاروق کا لقب رب تعالیٰ نے دیا جبرائیل امین لے کر آئے حضور کے وسیلہ سے ملا لوگ دنیاوی سلطنتوں کے خطاب پر فخر کرتے ہیں ہم ان کے خطاب پر جتنا فخر کریں کم ہے کہ ہمارے حضور کے صحابہ کرام رب تعالیٰ کی طرف سے خطاب یافتہ ہیں ان کا یہ لقب ایسا صحیح ہے کہ ان کی ذات بھی حق و باطل میں فرق کرنے والی تھی اور آج ان کا نام بھی کفر و اسلام حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے اور قیامت تک رہے گا۔ اس لئے آپ کو غیظ المنافقین والکافرین کہا جاتا ہے۔ **چھٹا فائدہ:** جناب عمر فاروق کی بارگاہ الٰہی میں وہ شان ہے کہ ان کی گواہی براہ راست حق تعالیٰ قرآن شریف میں دیتا ہے دیکھو بشر منافق کے وارثوں نے جناب عمر کے خلاف قتل عمد کا دعویٰ بارگاہ نبوت میں دائر کیا تھا جس کا آپ نے اقرار بھی کر لیا تھا لیکن اس قتل کی وجہ جو آپ نے بیان کی اس کا کوئی مسلمان گواہ نہ تھا اگر یہ آیات نہ اترتیں تو ان پر یا قصاص واجب ہوتا یا کم از کم دیت اللہ تعالیٰ نے اس نازک موقع پر خود ان کی گواہی دے کر ان کو بری فرمایا۔

ضروری نوٹ: خیال رہے کہ حضرت یوسف اور جناب مریم کو جب الزام لگائے گئے تو ان کی بریت کی' رب نے گواہی نہ دی بلکہ بچوں سے گواہی دلوادی۔ مگر جب اپنے محبوب کے متوسلین کی باری آئی تو رب نے براہ راست خود گواہیاں دیں چنانچہ جب منافقین مدینہ نے حضرت ابو بکر صدیق پر ایک الزام لگایا جب آپ نے حضرت بلال کو بہت گراں قیمت سے خرید کر آزاد کیا۔ رب تعالیٰ نے ان کی بریت کے لئے سورہ واللیل شریف اتاری جس کے آخر میں فرمایا گیا کہ ابو بکر نے یہ جو کچھ کیا ہم کو راضی کرنے کے لئے کیا' ہم ان سے راضی ہو گئے اور ہم بھی ان کو اتنا دیں گے کہ وہ خوش ہو جائیں گے **و لسوف یرضی** اس طرح جناب عائشہ صدیقہ کو جب تہمت لگائی گئی تو براہ راست رب تعالیٰ نے ان کی پاک دامنی بیان کرنے کے لئے سورہ نور کی اٹھارہ آیتیں اتاریں یہ ہے ان صحابہ کی شان دربار الٰہی میں۔ **ساتواں فائدہ:** مسلمانوں کو عدل و انصاف کے موقعہ پر اپنے پرائے میں کوئی فرق نہ کرنا چاہئے۔ کسی کی رو رعایت نہ ہو جو حق ہو وہ فیصلہ کیا جائے۔ دیکھو یہودی پرایا تھا اور منافق بظاہر اپنا مگر فیصلہ یہودی کے حق میں فرمایا گیا۔ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کی عدالت میں شہزادوں اور بادشاہوں کو شکست ہوئی اور معمولی رعایا بلکہ ذمی کافروں کو ڈگری دی گئی۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک یہودی ذمی کا مقدمہ جو قاضی شریح کے ہاں فیصلہ ہوا وہ مشہور ہی ہے کہ علی مرتضیٰ خلیفۃ المسلمین تھے مگر آپ کے خلاف یہودی کو ڈگری دی گئی۔ جناب

امام حسن کی گواہی اپنے باپ کے حق میں قبول نہ ہوئی۔ جس پر وہ یہودی حضرت علی کے قدموں پر گر کر فدا ہو گیا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

گر کے قدموں میں وہ قربان ہو گیا! پڑھ لیا کلمہ مسلمان ہو گیا!!

آٹھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کی کوئی اپیل نہیں آپ کا فیصلہ رب تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ جیسا کہ اس کے شان نزول سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** حضور کے فیصلے پر راضی نہ ہونا کفر ہے اور وہ شخص واجب القتل ہے۔ جیسا کہ واقعہ فاروقی سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** سرداران کفر طاغوت یعنی انسانی شیطان ہیں۔ دیکھو اس آیت میں کعب ابن اشرف یہودی کو طاغوت فرمایا گیا۔ **گیارہواں فائدہ:** کفار کو بخوشی پنچ یا حاکم بنانا مسلمان کے لئے حرام ہے۔ جیسا کہ **ان یتحا کموا** الخ سے معلوم ہوا۔ **بارھواں فائدہ:** اسلامی احکام کے مقابلے میں امریکہ اور لندن والوں کے قوانین کو اچھا سمجھنا یا پرانا منافقانہ طریقہ ہے۔ جیسا کہ **یصدون** الخ سے معلوم ہوا کہ رب نے ایسے لوگوں کو منافقین فرمایا۔

پہلا اعتراض: حضرت عمر نے اس منافق کو قتل کیوں کیا؟ اس نے قتل والا کون سا کام کیا تھا نہ وہ زانی تھا نہ قاتل نہ بظاہر کافر۔ **جواب:** وہ اس وقت جبکہ اس نے صاف کہہ دیا کہ میں رسول اللہ کے فیصلے پر راضی نہیں اس بناء پر اسے مرتد قرار دیا گیا اور مرتد کی سزا قتل ہے۔ رب تعالیٰ نے بچھڑا پوجنے والے بنی اسرائیل کو فرمایا تھا **و اقتلوا انفسکم** کیا تمہیں خبر نہیں کہ حضرت صدیق اکبر نے زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں کو مرتد قرار دیا اور ان پر جہاد کر دیا (تفسیر کبیر)۔ **دوسرا اعتراض:** مرتد وہ ہوتا ہے جو پہلے مسلمان ہو اور بعد میں کافر بشر تو پہلے منافق تھا پھر اس کا یہ فعل ارتداد کیسے بنا۔ **جواب:** منافق شرعاً "مسلمان مانے جاتے تھے ان کے ظاہری کلمہ گوئی پر احکام شرعیہ جاری تھے کہ انہیں قتل قید نہ کیا گیا انہیں مسجدوں میں مسلمانوں کے ساتھ نماز کی اجازت دی گئی۔ آج یہ لفظ نکلنے پر وہ شرعاً "کافر ہوا لہذا قتل کیا گیا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کو حکم یا حاکم بنانا اور ان کے فیصلے پر راضی ہونا کفر و ارتداد ہے آج تو عموماً" کفار بادشاہ بھی ہیں اور حاکم بھی مسلمان ان سے فیصلے کراتے ہیں اور ان فیصلوں سے راضی ہوتے ہیں کیا یہ سب کافر و مرتد ہیں۔ **جواب:** ہرگز نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مقابلے میں ان کے احکام کو پسند کرنا اور سرکار کے حکم کو غلط سمجھنا یہ کفر ہے۔ بشر نے یہی حرکت کی تھی اس کا کہنا یہ تھا کہ حضور فیصلہ غلط کریں گے۔ کعب ابن اشرف فیصلہ صحیح کرے گا الحمد للہ آج کوئی مسلمان یہ خیال نہیں کرتا مجبوراً" کفار کے ملک میں رہنے کی وجہ سے ان کے فیصلے ماننے پڑتے ہیں اور یہ بھی مجبوری ہے مجبوری کی معافی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** رب تعالیٰ نے اس جگہ گمراہی کو بعید کیوں فرمایا ہر گمراہی ہدایت سے دور ہی ہے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ حضور کے حکم سے راضی نہ ہونا ایسی سخت گمراہی ہے کہ اس کے بعد ہدایت ملنے کی امید نہیں گمراہیاں مختلف درجے کی ہیں۔ ابو طالب اور ابو جہل کی گمراہیاں یکساں نہیں اسلام نے بھی گمراہوں میں فرق کیا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین کو یکساں نہ مانا۔

تفسیر صوفیانہ: جڑ زمین میں رہتی ہے لوگوں کی نگاہ سے غائب مگر درخت کے پتے شگوفے اور پھل اس کا پتہ دیتے رہتے ہیں۔ ہر شخص ان چیزوں کو دیکھ کر جڑ کا پتہ لگا لیتا ہے اسی طرح کفر و ایمان محبت اور عداوت الفت و نفرت انسان کے دل میں رہتے ہیں مگر انسان کے میلان اور ظاہری اعمال سے ان چیزوں کا پتہ ضرور لگ جاتا ہے۔ بشر کا نفاق اس کے دل میں تھا جسے اس نے

ظاہری چادر میں ڈھانپ لیا تھا مگر اس کی حرکت نے اور کفار کی طرف میلان نے اس کا کفر ظاہر کر دیا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ کسی کو اپنے خاتمے کی خبر نہیں اور معلوم نہیں ہے کہ میرا نام ازل میں کفار کی فہرست میں ہے یا مسلمانوں کی مگر اپنی طبیعت کے میلان سے ہر شخص اپنا پتہ لگا سکتا ہے اگر اچھوں کی طرف دلی میلان ہے تو انشاء اللہ وہ بھی اچھا ہے اور اچھا رہے گا اور اگر میلان بروں کی طرف ہے تو یہ خطرے میں ہے یہ میلان عشق کی دلیل ہے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

بکوئے عشق منہ بے دلیل راہ قدم　　　　که من بخویش نمودم صد اہتمام نہ شد!

یہ آیت کریمہ اگرچہ بشر منافق کے متعلق نازل ہوئی مگر یہ نہ سمجھو کہ بشر ختم ہو چکا اب بھی ہم میں ہزاروں بشر موجود ہیں۔ خیال رکھو کہ میٹھے پھل والا درخت باغ سے کاٹ کر نہیں نکالا جاتا۔ خاردار اور کڑوے پھل والا درخت کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ کہ وہ اس باغ کے لائق نہیں۔ جناب فاروق اعظم نے نبی پاک کے گلزار سے اس درخت خاردار کو کاٹ پھینکا۔ فردوسی نے کیا خوب کہا۔

درختے کہ شیریں بود بار او!　　　　نہ گرود کے گرد آزار او!

دگر زانک شیریں نہ باشد برش　　　　زبائے اندر آرند ناگہ سرش

بماند بباغ آں و در آتش ایں　　　　تو خواہی چناں باش و خواہی چنیں

یعنی درخت خاردار کی جگہ نار ہے اور درخت باروار کی جگہ گلزار اب تجھے اختیار ہے کہ نار میں رہ یا گلزار میں اگر تو ناری ہوا تو کوئی عمر فاروق تجھے گلزار سے نکال کر نار میں پہنچا دے گا۔

فَكَيْفَ إِذَآ أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَآءُوكَ
کیسی ہوگی جب ان پر کوئی افتاد پڑے بدلہ اس کا جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا پھر اے
پس کیسی ہوگی جب پہنچے گی انہیں بڑی آفت اس کی وجہ سے جو آگے بھیجے ان کے ہاتھوں نے پھر
يَحْلِفُونَ بِٱللَّهِ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَٰنًا وَتَوْفِيقًا ۝ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ يَعْلَمُ
محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اللہ کی قسم کھاتے کہ ہمارا مقصود تو بھلائی اور میل ہی تھا ان کے دلوں کی تو بات
وہ آئیں گے آپ کے پاس قسم کھائیں گے اللہ کی کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی کا اور اتفاق کرنے کا یہی
ٱللَّهُ مَا فِى قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِىٓ أَنفُسِهِمْ قَوْلًۢا
اللہ جانتا ہے تو تم ان سے چشم پوشی کرو اور انہیں سمجھا دو اور ان کے معاملہ میں ان سے رسا بات
وہ ہیں کہ جانتا ہے اللہ وہ جو دلوں میں ہے ان کے پس منہ پھیر لو ان سے اور نصیحت کرو انہیں اور کہو
بَلِيغًا ۝
کہو
ان سے انکے دل میں پہنچنے والی بات

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت کریمہ میں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** : پچھلی آیت کے اخیر میں منافقین کا ایک عمل بیان کیا گیا تھا۔ **یصدون عنک صدودا** کہ آپ کے پاس آنے سے منہ موڑتے ہیں۔ اب ان کا دوسرا پر فریب عمل بیان ہو رہا ہے کہ مصیبت پڑنے پر خوشامد کرتے ہوئے آپ کے پاس آتے ہیں' باتیں بناتے ہیں' جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں' اپنے بکواس کی جھوٹی تاویلیں کرتے ہیں۔ **دوسرا تعلق** : پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ وہ راحت کے وقت آپ سے منہ پھیر کر شیاطین کے پاس جاتے اور ان سے فیصلے کراتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ آفت آنے پر کفار کے پاس نہیں جاتے آپ کے پاس دوڑے ہوئے آتے ہیں۔ غرضیکہ انہیں نہ آپ سے محبت ہے نہ کفار سے بلکہ اپنے فائدے اور نفع سے محبت ہے۔ جہاں انہیں اپنا فائدہ نظر آتا ہے وہاں پہنچتے ہیں۔ **تیسرا تعلق** : پچھلی آیتوں میں منافقین کی ایک خاص حرکت یعنی کفار کو حکم بنانے کا اخروی وبال بیان کیا گیا تھا یعنی ان کا گمراہ ہو جانا اور پھر ہدایت کی طرف نہ لوٹنا اب ان کی اس حرکت کا دنیاوی وبال بیان کیا جا رہا ہے یعنی ان کا عمر فاروق کے ہاتھوں قتل ہونا اور پھر مطالبہ کرنے پر قصاص یا دیت نہ ملنا بلکہ الٹا اور رسوا ہو جانا۔

نزول : بشر کے عزیز و قرابت دار دوسرے منافقین قتل بشر کے بعد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور اپنے عزیز کے اس خون کا بدلہ چاہا اور جناب عمر فاروق کے پیش فرمودہ وجہ قتل کی تاویلیں کرنے لگے کہ بشر کی نیت خراب نہ تھی حالانکہ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں ان کی ناجائز تاویلوں کی قلعی کھول دی گئی۔ تفسیر خازن و کبیر وغیرہ سے شان نزول یہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

تفسیر : **فکیف اذا اصابتھم مصیبۃ بما قدمت ایدیھم**۔ ظاہر یہ ہے کہ ف عاطفہ ہے **کیف** استفہامیہ جو حالت پوچھنے کے لئے وضع ہوا یہ لفظ کیف بشارت کے موقع پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے **فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید** یعنی اے محبوب کیسی خوشی کا وقت ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ بنائیں گے اور ڈرانے کے موقع پر بھی استعمال ہوتا ہے جیسے **فکیف اذا جمعناھم لیوم لا ریب فیہ** یعنی کیسی مصیبت ہو گی جب ہم کفار کو قیامت کے دن جمع فرمائیں گے۔ یہاں کیف میں دونوں احتمال ہیں۔ پہلی صورت میں **تستبشروا** پوشیدہ ہے اور دوسری صورت میں **یکون حالھم** پوشیدہ یعنی اے محبوب آپ کو کیسی خوشی ہوئی یا آپ کو کیسی خوشی ہو گی یا اے محبوب ان منافقین کی کیسی گت بنی یا کیسی گت بنے گی۔ اذا اس پوشیدہ فعل کا ظرف ہے **اصابتھم** کی ضمیر یا تو بشر منافق کی طرف لوٹتی ہے چونکہ وہ اور اس کی جماعت ایک ہی بیماری میں گرفتار تھے اس لئے ضمیر جمع لائی گئی یا ان منافقوں کی طرف لوٹتی ہے جو قصاص یا دیت کا مطالبہ کرنے کے لئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے یعنی بشر منافق کے عزیز و اقارب۔ مصیبت سے مراد یا تو حضرت فاروق اعظم کا بشر کو قتل کر دینا ہے اس صورت میں اذا صرف ظرف کے لئے ہے استقبال کے لئے نہیں اور اصابت ماضی اپنے معنی میں ہے یا منافقوں کی آئندہ ہونے والی رسوائی و خواری اور جناب عمر کے خلاف مقدمہ میں ناکامی حضرت عمر کی عزت افزائی یا آئندہ ان منافقوں کا مسلمانوں سے چھنٹ جانا اس صورت میں اذا استقبال کے لئے ہے اور اصابت معنی مستقبل اس طرح ما قدمت سے مراد یا تو بشر منافق کا کعب ابن اشرف کو حکم بنانے کی کوشش کرنا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ناراض ہونا ہے یا ان منافقوں کا وقتاً فوقتاً نفاق کی باتیں کرنا لہذا اس جملہ کی چار تفسیریں ہوئیں یعنی اے محبوب آپ کو کیسی خوشی ہوئی جب بشر کو

اس کی اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے جو اس نے کیں قتل کی مصیبت پہنچی یا اے محبوب علیہ السلام آپ کو کیسی خوشی ہوگی جب ان بقیہ منافقوں کو اپنی بدکاریوں 'بشر کی حمایت' حضرت عمر کی مخالفت کی وجہ سے مصیبت پہنچے گی کہ یہ اس مقدمے میں بدنام ہوں گے یا اے محبوب اس بشر کی کیا حالت ہوئی جب اسے اپنی گذشتہ حرکتوں کی وجہ قتل کی مصیبت پہنچی یا ان منافقوں کی کیسی بدنامی ہوگی جب ان کو اپنی حرکتوں کی وجہ سے مصیبت پہنچے گی ناکامی و بدنامی **ثم جاء وک یحلفون باللہ** ثم عاطفہ ہے اور یہ جملہ **اذا اصا بتھم** پر معطوف **جاء وک** کا فاعل بشر کے عزیز و اقارب ہیں اور آنے سے مراد اپنی بریت و پاکدامنی بیان کرنے کے لئے حاضر ہونا ہے **یحلفون** پر وقف بھی کر سکتے ہیں یعنی پھر یہ لوگ آپ کے پاس قسم کھاتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں یا حاضر ہوں گے۔ اس صورت میں باللہ کا تعلق اگلے مضمون سے ہوگا اور **یحلفون** پر وقف نہ کرنا بھی درست ہے تب باللہ کا تعلق **یحلفون** سے ہوگا یعنی اللہ کی قسم کھاتے ہیں یا کھائیں گے **ان اردنا الا احسانا" و توفیقا"** یہ وہ مضمون ہے جس پر ان منافقوں نے قسم کھائی ان نفیہ ہے **اردنا** سے مراد ہے بشر کا ارادہ احسان سے مراد ہے اس یہودی پر احسان کرنا جس سے بشر کا جھگڑا تھا توفیق سے مراد ہے بشر و یہودی کی صلح و موافقت ہو جانا جھگڑا ختم ہو جانا یعنی ہمارے بشر نے جو کعب ابن اشرف کو حکم بنانے کی رائے دی تھی وہ صرف اس یہودی پر احسان کرنے کے لئے دی تھی کہ وہ یہودی اپنے ہم مذہب یہودی کعب ابن اشرف کے پاس مقدمہ لے جانے سے خوش ہو جائے اور بشر کا احسان مانے اور پھر جو حضرت ابو بکر و عمر کے پاس جانے کے لئے کہا تھا آپ کے فیصلہ کے بعد۔ وہ صرف اس لئے کہا تھا کہ وہ بزرگ، بشر اور یہودی میں صلح کرا دیں کیونکہ آپ کی بارگاہ میں تو اونچی آواز سے بولنا بھی جرم ہے اور آپ کی ہیبت بھی ہے کہ فریقین آپ کی ہیبت کی وجہ سے اپنی دلی بات آزادی سے بیان نہیں کر سکتے۔ حضرت عمر سے بے تکلفی سے بات چیت کر کے آپس میں وہ دونوں صفائی کر لیتے۔ بشر کے وہم میں بھی یہ بات نہ تھی کہ آپ کے فیصلہ سے بھاگے یا بعد فیصلہ اس سے راضی نہ ہو بھلا یہ ہو سکتا ہے ہم اور وہ دونوں کلمہ گو ہیں۔ مسلمان ہیں یہ ہے اس جملہ کا مطلب جو تفسیر کبیر وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے اس صورت میں آیت کا مطلب بالکل واضح ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ منافقین آئے تھے حضرت عمر پر قصاص یا دیت کا دعویٰ کرنے مگر پچھلی آیت کے نازل ہو جانے سے الٹے پھنس گئے اور ان کا نفاق ظاہر ہو گیا تو بطور معذرت یہ تاویلیں کرنے لگے رب تعالیٰ ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ **اولئک الذین یعلم اللہ ما فی قلوبھم۔ اولئک** سے اشارہ یا تو ان موجودہ منافقوں کی طرف ہے جو بشر کی صفائی بیان کرنے کے لئے آئے یا بشر کی طرف یا دونوں کی طرف اگرچہ یہ منافقین جسم سے قریب تھے مگر دل سے 'ایمان سے 'جان سے 'حضور انور سے بہت دور تھے۔ اس لئے اولئک بعید کا اشارہ ارشاد ہوا اس بارگاہ میں دلی قرب کا اعتبار ہے۔ ما سے مراد وہ نفاق و کفر ہے جو بشر اور اس کے ساتھیوں کے دل میں تھا یا حضور کے فیصلہ سے راضی نہ ہونا جو بشر کے دل میں تھا یا ان منافقوں کا خود اپنے دل میں اپنا جھوٹا ہونا یعنی یہ لوگ جھوٹے ہیں بشر کے دلی ارادہ کو یا ان کی غلط تاویلوں کو یا ان دونوں کے کفر و نفاق کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اللہ کے جاننے سے مراد قہر و غضب کا جاننا ہے نہ کہ رحم و کرم کا جاننا ورنہ اللہ تعالیٰ ہر چیز جانتا دیکھتا ہے۔ ہر آواز سنتا ہے یا اللہ کے جاننے سے مراد رسول اللہ کا جاننا ہے جیسا کہ **یخادعون اللہ** میں اللہ کو دھوکہ دینے سے مراد رسول اللہ کو دھوکہ دینا ہے۔ یعنی رسول اللہ ان کے دل کی بات جانتے ہیں پھر یہ بہانہ کیوں بناتے ہیں۔ حضور تو احد پہاڑ کے دل کی محبت غیر پہاڑ کے دل کی عداوت جانتے ہیں تو انسانوں کے دل کا حال کیوں نہ جانیں۔ اے محبوب آپ ان کی باتوں پر بالکل اعتماد و اعتبار نہ کریں۔ بلکہ **فاعرض عنھم و**

عنهم اعراض کے معنی ہیں چوڑائی میں ہو جانا' منہ پھیرنے کو اعراض کہتے ہیں کہ اس سے سامنے والے کی طرف منہ کا چوڑا حصہ یعنی کنپٹی اور کان کی لو ہو جاتی ہے عنہم کا مرجع یہی مقدمہ دائر کرنے والے بہانہ بنانے والے منافقین ہیں یہ کلمہ یا تو ان منافقین پر عذاب ہے یا عتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی سے منہ پھیر لینا بھی خدا تعالیٰ کا عذاب ہے مقبولوں کا کسی سے راضی ہونا اللہ کی رحمت ہے ان کی ناراضی رب تعالیٰ کا عذاب یعنی آپ ان سے دنیا و آخرت میں کنارہ کش ہو جائیں یا مقصد یہ ہے کہ آپ ان کو قتل و بدنام نہ کریں ان کی حرکتوں سے چشم پوشی فرمادیں۔ اب یہ کلمہ عتاب کا ہے۔ عظ وعظ سے بنا بمعنی نصیحت کرنا وعظ و نصیحت بشارت دے کر بھی ہوتا ہے' ڈرا کر بھی یہاں دوسرا وعظ مراد ہے ڈرا کر نصیحت کرنا یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کے حق میں فیصلہ ہرگز نہ کریں بلکہ ان کا کلام بھی نہ سنیں ان کی طرف رخ بھی نہ کریں یہ جھوٹے ہیں بلکہ انہیں نصیحت کریں کہ جھوٹ بولنے کی یہ سزا ہے' جھوٹی قسموں سے باز آجاؤ ورنہ رسواء عالم ہو کر ذلیل و خوار ہو گے یا اب آپ ان کے نفاق کو لوگوں پر ظاہر نہ کریں ان پر زیادہ طعن نہ فرمادیں پہلے کی طرح صرف وعظ و نصیحت سے ہی کام لیں کہ نفاق چھوڑو اس کا انجام برا ہے **و قل لهم فی انفسهم قولا " بليغا "** - واؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ اعرض پر معطوف لہم کی ضمیر انہی منافقوں کی طرف ہے جو مقدمہ لے کر حاضر بارگاہ ہوئے تھے انفس نفس کی جمع ہے بمعنی دل یا ذات یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ بلیغ سے مراد یا تو فصیح و بلیغ کلام ہے یا دل میں پہنچ جانے والی ذہن میں اتر جانے والی گفتگو یعنی آپ ان سے ایسا حکیمانہ کلام فرمائیں جو ان کے دل میں اتر جائے کہ اب بھی ٹھیک ہو جاؤ اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ ورنہ بدنام ہو جاؤ گے اس رسوائی سے عبرت پکڑو یا اے محبوب سب کے سامنے نہیں بلکہ انہیں اکیلے میں بلا کر جہاں صرف منافقین ہی ہوں دوسرے نہ ہوں فصیح و بلیغ وعظ فرماؤ یہ بھی ہیں اور آپ آپ ہی ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اس جملہ کی چار پانچ تفسیریں ہیں ہم صرف ایک تفسیر عرض کرتے ہیں۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان جماعت منافقین پر کیسی بنی جب ان پر ان کی اپنی بد عملیوں کی وجہ سے مصیبت آپڑی کہ ان کا ایک آدمی حضرت فاروق کے ہاتھوں مارا گیا اور یہ بدنام ہوئے۔ جناب عمر کی عزت و عظمت میں اور چار چاند لگ گئے کہ رب تعالیٰ نے ان کی گواہی دے کر ان کا احترام تاقیامت زیادہ فرمادیا پھر یہ اپنی شرمندگی مٹانے کے لئے آپ کے پاس قسمیں کھاتے ہوئے حاضر ہوئے تاکہ اپنی اور بشر کی صفائی بیان کریں۔ بولے اللہ کی قسم بشر نہ تو آپ کے پاس فیصلہ لانے سے گریز کرتا تھا اور نہ فیصلہ فرما دینے کے بعد اس سے ناراض تھا وہ تو صرف اس یہودی پر احسان کرنا چاہتا تھا کہ اس کے ہم مذہب سے فیصلہ کرائے تاکہ وہ احسان مند ہو جائے اور آپ کے فیصلہ کے بعد حضرت عمر کے پاس صلح صفائی کے لئے گیا تھا کہ وہ یہودی سے اس کی صلح کرادیں نہ کہ آپ کے فیصلہ کے خلاف اپیل کرنے' اے محبوب ان کی باتوں پر دھیان نہ دینا' یہ جھوٹے ہیں۔ رب تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان کے دلوں میں کیا ہے' یہ منافق دھوکہ باز ہیں آپ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ لہذا آپ ان سے منہ پھیر لیں' ان کی بات سنیں بھی نہیں بلکہ انہیں نصیحت فرمادیں کہ آئندہ کے لئے منافقت سے باز آجاؤ ورنہ دنیا میں بدنام یا بشر کی طرح قتل ہو گے اور آخرت میں عذاب دوزخ کے حقدار اور ان سے ایسی حکیمانہ گفتگو فرمادیں جو ان کے دل کی تہ تک پہنچ جائے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کفار و منافقین کے مارے جانے پر خوشی منانا سنت ہے

جیسا کہ فکیف کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا جب ابو جہل کے قتل کی خبر آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ شکر کیا۔ غرق فرعون کا دن یعنی دسویں محرم کو یہود کی عید قرار دیا گیا اسلام میں بھی اس دن کا روزہ سنت ہے۔ کیوں اس غرق کی خوشی میں ہاں ذاتی دشمن کی موت پر خوشی منانا نہ چاہئے کہ موت تو ہم کو بھی آنی ہے بے دین فسادی کی موت سے دنیا کو امن مل جاتا ہے۔ دوسرا فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قتل بشر سے اللہ تعالیٰ بھی راضی ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوش جناب عمر بڑے ہی خوش نصیب ہیں کہ انہوں نے اللہ رسول دونوں کو راضی کر لیا۔ یہ فائدہ بھی فکیف کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: دنیا میں رسوائی بھی اللہ کا عذاب ہے جو اپنی حرکتوں، بدکاریوں کی وجہ سے آتا ہے جیسا کہ بما قدمت الخ سے معلوم ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہرچہ آید بر تو از ظلمات وغم — ایں زبیاکی و گستاخی است ہم

چوتھا فائدہ: جھوٹی قسمیں کھانا، اپنے کلام و کام کی غلط تاویلیں کرنا منافقوں کا کام ہے۔ مومن کو چاہئے کہ اپنی غلطی فوراً مان لے عذر گناہ بدتر از گناہ۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

عذر بدتر از گناہ کا ذکر کیا — ہم پہ بے پوچھے ہی رحمت کیجئے

قیامت میں بھی جرم کا اقبال کر لینے والے گنہگاروں پر رحمت ہوگی بہانہ باز کفار پر لعنت و عذاب۔ پانچواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہمیشہ سچی بات ہی کہنا چاہئے۔ وہاں ہر ایک کا ہر حال عیاں ہے۔ دیکھو منافقین نے بہانہ بازیاں کیں تو کیسے رسوا و بدنام ہوئے وہاں بجز قبول گناہ کوئی چارہ نہیں۔

کیا ہے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

چھٹا فائدہ: کفار و منافقین کی حمایت کرنا بھی مصیبت کا باعث ہے جیسا کہ بما قدمت ایدیھم کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہ منافقین بشر کی حمایت کرنے آئے اور حضرت عمر فاروق کے خلاف مقدمہ دائر کرنے تو لینے کے دینے پڑ گئے۔ خود پھنس گئے جان چھوڑانا مشکل ہو گیا یونہی اللہ کے محبوبوں کی حمایت کرنا ہزار ہا رحمتوں کا سبب اور سنت الٰہیہ ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حضرت عمر فاروق کی کیسی بے مثال حمایت فرمائی۔ رب تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کی حمایت کی توفیق دے ہماری عزت و آبرو ان کی عزتوں کے لئے ڈھال ہی رہے۔ حضرت حسان نے کیا خوب فرمایا۔

فان ابی و والدتی و عرضی — لعرض محمد منکم وقاء

ساتواں فائدہ: جن بے دینوں کے ایمان لانے کی امید نہ ہو انہیں بھی تبلیغ اسلام ضرور کی جائے کہ اگرچہ اس سے وہ لوگ ایمان نہ لائیں مگر مبلغ کو تو تبلیغ کا ثواب مل جائے گا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان منافقین کی تبلیغ فرمانے کا حکم دیا جو اس درجہ کے منافق تھے کہ حضور کو دھوکہ دینا چاہتے تھے۔

ضروری نوٹ: تفسیر خازن وغیرہ نے اس آیت کریمہ کو جہاد کی آیتوں سے منسوخ مانا کیونکہ اس میں منافقین سے منہ پھیرنے اور اعراض کرنے کا حکم ہے۔ مگر فقیر کے نزدیک یہ صحیح نہیں اس لئے کہ یہ آیت احکام جہاد آنے کے بعد کی ہے اس لئے حضرت عمر نے بشر کو قتل کیا نیز منافقین پر جہاد کبھی نہ ہوا نہ احکام جہاد آنے سے پہلے نہ اس کے بعد اگرچہ ان سے بڑی حرکتیں ظاہر ہوتی رہتی تھیں مگر سرکار درگزر ہی فرماتے تھے۔ جس پر بہت سے واقعات دلالت کرتے ہیں بارہا ایسا ہوا کہ حضرت عمر

وغیرہم نے بعض منافقین کے قتل کی اجازت چاہی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوڑ دو لوگ کہیں گے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیتے ہیں یعنی پھر لوگ اسلام قبول کرنے سے ڈریں گے۔ ہاں بخاری شریف نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی آپ فرماتے ہیں کہ نفاق حضور کے زمانہ میں تھا اب یا کفر ہے یا ایمان (مشکوۃ شریف باب الکبائر والنفاق) یعنی اب کسی بے دین کو منافق سمجھ کر چھوڑا نہیں جائے گا۔ جس سے کفر سرزد ہوگا اسے مار دیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا بلکہ منافقوں کو چھوڑنے کی علت جاتی رہی علت کی وجہ سے حکم بھی گیا یہ بات بہت خیال میں رکھی جائے۔

پہلا اعتراض : اگر اس آیت میں مصیبت سے مراد بشر منافق کا قتل ہے تو وہ ایک ہی آدمی پر ہوا تھا پھر **اصابتکم** جمع کیوں فرمایا گیا نیز آگے **ثم جاء وک** کیوں ارشاد ہوا۔ کیا مقتول بھی بعد قتل آسکتا ہے۔ جواب: ایک شخص کا قتل ساری قوم کے لئے مصیبت ہوتا ہے اس لئے **ھم** جمع فرمایا گیا بلکہ مقتول کی مصیبت تھوڑی دیر کی ہوتی ہے اس کے عزیز و اقارب کی مصیبت بہت دراز لہذا آیت بالکل صحیح ہے۔ ان منافقوں کو بڑی مصیبت تو یہ پڑی تھی کہ اس قتل بشر سے ان کے کنبے کی منافقت ظاہر ہو گئی تھی۔ دوسرا اعتراض: اس واقعہ میں ان لوگوں نے بشر منافق کی حرکت کو اپنی طرف منسوب کیوں کیا کہ کہا **ان اردنا الا احسانا" و توفیقا**۔ ہم سب نے اس یہودی پر احسان کرنا چاہا تھا اور صلح کرنی یہ عمل تو بشر کا تھا نہ کہ ان منافقین کا جو قصاص کا دعویٰ کرنے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تھے پھر یہ آیت کیونکر صحیح ہوئی۔ جواب: قوم میں سے ایک شخص کا کام ساری قوم کا کام مانا جاتا ہے۔ جب وہ اس سے راضی اور اس کے حمایتی ہوں چونکہ یہ لوگ بشر کی اس حرکت سے راضی تھے اور اس کی حمایت کے لئے یہاں حاضر ہوئے تھے اس لئے ان سب نے اس حرکت کو اپنی طرف منسوب کیا دیکھو بنی اسرائیل میں نفس کا قاتل ایک شخص تھا مگر فرمایا گیا **و اذ قتلتم نفسا**" اور صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ایک شخص قیدار نے ہلاک کیا مگر رب نے فرمایا **فعقروھا**۔ تیسرا اعتراض: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بشر منافق کا ایک کفر ظاہر ہونے پر اسے قتل کر دیا مگر عبداللہ ابن ابی وغیرہ منافقین کے کفر بارہا ظاہر ہوتے رہتے تھے انہیں قتل نہ کیا گیا۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ منافقین کہتے ہیں کہ مدینے پہنچ کر عزت والے ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ یہ بکواس بشر کے بکواس سے زیادہ سخت کفر ہیں پھر اسے قتل کیوں نہ کیا گیا اور اگر حضرت عمر نے بشر کو ناجائز قتل کیا تو ان سے قصاص کیوں نہ دلوایا گیا۔ اور رب نے ان کی حمایت کیوں فرمائی۔ جواب: پہلے کہا جا چکا ہے کہ منافقین پر مسلمانوں کے ظاہری احکام جاری تھے انہیں مسلمان مانا جاتا تھا انہیں نمازوں میں بلکہ جہادوں میں شریک کیا جاتا تھا اور مسلمان کا تو حکم یہ ہے کہ اگر کسی کے کلام میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا تو اسے کافر نہیں کہا جائے گا ان منافقین عبداللہ ابن ابی وغیرہ کی بکواسوں میں صحیح پہلو بھی نکل سکتا تھا وہ کہہ سکتا تھا کہ میں نے ذلیلوں سے مراد مسلمان اور ان کے آقا نہیں لئے ہیں بلکہ فلاں فلاں آدمی مراد ہیں جو میرے مخالف ہیں اس لئے انہیں ظاہری شک کا فائدہ دیتے ہوئے قتل نہ کرایا گیا بشر کی اس گفتگو میں اسلام کا کوئی پہلو ہی نہ تھا لہذا قتل کر دیا گیا۔ چوتھا اعتراض: اگر اس آیت میں مصیبت سے مراد بشر کا قتل ہے تو آگے **بما قدمت ایدیھم** فرمانا کیونکر صحیح ہوا۔ بشر نے زبان کا جرم کیا تھا نہ کہ ہاتھوں کا کہ اس نے کہا تھا کہ میں راضی نہیں۔ جواب: عربی زبان میں ایدی یعنی ہاتھوں سے مراد ذات ہوتی ہے لہذا آیت واضح ہے کہ یہاں ہاتھ مراد نہیں بلکہ پوری ذات۔ پانچواں اعتراض: جب بشر کے عزیز و قرابت داروں نے بشر کی صفائی بیان کی تو جناب عمر نے

اپنی صفائی کیوں نہ دی مقدمہ میں فریقین کا بیان لینا ضروری ہے ایک فریق کے بیان پر فیصلہ نہیں ہوتا۔ **جواب:** حضرت عمر کی طرف سے رب تعالیٰ نے خود صفائی دے دی۔ جب قرآن مجید نے ان کی وکالت کر دی تو انہیں جواب کی حاجت ہی نہ رہی وکیل کا بیان ہوتے ہوئے موکل کو بیان دینے کی ضرورت ہی نہیں اس میں حضرت عمر کی انتہائی عظمت کا اظہار ہے کہ مقدمہ حضور کی کچہری میں پیش ہے مدعیان قصاص حضرت عمر کے خلاف دعویٰ کر رہے ہیں اور رب تعالیٰ ان کی طرف سے جواب دعویٰ ارشاد فرما رہا ہے جن محبوب کے غلاموں کی یہ عزت ہے اس محبوب کی شان کا کیا پوچھنا۔

دشمن نے تیرے جو کچھ بھی کہا اللہ نے اس کا جواب دیا! پر تو نے پلٹ کر کچھ نہ کہا تیری شرم و حیا کا کیا کہنا!

اللہ تعالیٰ ان مقبولوں کی سچی غلامی ہم سب کو نصیب کرے آمین ثم آمین۔

تفسیر صوفیانہ : تمام گناہوں سے بدتر گناہ بدوں کی صحبت اور بروں کی حمایت ہے کہ برا تو برائی کر کے برا بنا اور یہ حمایتی بلاوجہ صرف حمایت کر کے اس کے ساتھ رگڑا گیا۔ دیکھو بشر کا ایک ذاتی واقعہ تھا جو ختم ہو چکا تھا مگر اس کی حمایت کرنے والے سارے منافقین کا بیڑا غرق ہو گیا کیوں؟ اس کی حمایت میں۔ چور کا حامی بھی چور ہے اور تمام نیکیوں میں بڑھ کر نیکی اور تمام عملوں سے اعلیٰ عمل مقبول بندوں کی دوستی اور ان کی حمایت اور ان پر سے اعتراضات کا اٹھانا ہے کہ ساری نیکیاں بندے کرتے ہیں مگر یہ کام وہ ہے جو رب تعالیٰ بھی کرتا ہے یعنی یہ عمل سنت الٰہیہ ہے۔ دیکھو حضرت عمر کی حمایت یہاں کون کر رہا ہے خود پروردگار عالم آج تبرا کرنے والے لوگ اس آیت کو پڑھیں اور اپنے متعلق فیصلہ کریں کہ وہ کس ٹولے میں ہیں منافقین کے ٹولے میں ہیں یا اللہ والوں کے زمرے میں مقدمہ ایک ہے جناب عمر بھی ایک مگر منافقین ان پر تبرا کر رہے ہیں اور اللہ ان کی صفائیاں دے رہا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ گذشتہ سارے انبیاء کرام پر جو کفار نے اعتراض کیے تو خود ان نبیوں نے جواب دیئے مثلاً قوم عاد نے ہود علیہ السلام سے کہا کہ آپ سفید یعنی بیوقوف ہیں تو آپ نے جواب دیا **لیس بی سفاهة ولکنی رسول من رب العالمین** الخ یا صالح اور نوح علیہم السلام سے ان کی قوم نے کہا کہ آپ گمراہ ہیں تو آپ نے جواب دیا **لیس بی ضلالة** الخ مگر جب اس قسم کے اعتراضات محبوب پر ہوئے تو محبوب نے خود جواب نہ دیئے رب نے جواب دیئے مثلاً ”کفار نے کہا **لست مرسلا**“ آپ رسول نہیں تو رب نے جواب دیا **یس والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین**۔ اے تمام نبیوں کے سردار قرآن شریف کی قسم تم سچے رسول ہو سبحان اللہ قرآن شریف اتارنے والا قرآن شریف کی قسم فرما کر صاحب قرآن کی رسالت بیان فرما رہا ہے یونہی کفار نے کہا آپ مجنوں ہیں تو رب نے فرمایا **ن والقلم وما یسطرون ما انت بنعمة ربک بمجنون** اے محبوب تیری امت کے علماء کی قلموں کی قسم ان کے لکھے ہوئے فتووں اور کتابوں کی قسم تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں یونہی کفار نے حضور کو شاعر یا گمراہ کہا تو رب نے فرمایا **فما علمنه الشعر وما ینبغی له** اور فرمایا **ما ضل صاحبکم وما غوی** قرآن پڑھو اور قرآن والے کی شان کے گیت گاؤ مگر اس آیت نے تو کمال ہی کر دیا کہ منافقین کا سارا ٹولہ محبوب کے خادم خاص حضرت عمر پر الزام ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے مگر رب ہے کہ جناب عمر کی صفائی دے رہا ہے ان کے الزاموں کا جواب دے رہا ہے اور حضرت عمر فاروق کی حمایت فرما رہا ہے کہ فرماتا ہے **یعلم اللہ ما فی قلوبهم** یہ منافق جھوٹے بہانے بناتے ہیں جو کچھ ان کے دل میں ہے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ حضرت عمر کا عمل ہمارے علم و منشاء کے عین مطابق ہے اللہ تعالیٰ وہ آنکھ عطا فرمائے جو ان کے فضائل و مراتب دیکھے ظاہر کی آنکھ ظاہری چہرے مہرے کو دیکھتی ہے دل کی

آنکھ سیرت و صفات کو دیکھتی ہے ظاہری آنکھ کا سرمہ فرش پر بنتا ہے اور دل کی آنکھ کا سرمہ کارخانہ قدرت میں عرش پر تیار ہوتا ہے جو مدینہ پاک سے اولیاء اللہ کو تھوک میں ملتا ہے اور اولیاء اللہ کے آستانوں سے ہم گنہگاروں کو پرچون میں عطا ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

سرمہ کن در چشم خاک اولیاء تا بہ بینی زابتداء تا انتہاء

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر تاکہ فرمانبرداری کی جاوے ساتھ حکم اللہ کے اور اگر تحقیق جب بھی ظلم کرتے

اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت کی جاوے اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں

اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا

اپنی جانوں پر آ جاتے تمہارے پاس پھر معافی چاہتے اللہ سے اور معافی چاہتے ان کے لئے یہ رسول تو البتہ

تو اے محبوب تمہارے پاس حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول

اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ۝ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ

پاتے وہ اللہ کو بہت توبہ قبول کرنیوالا مہربان بس قسم ہے تمہارے رب کی نہیں مومن ہوسکیں گے یہانتک کہ حاکم بنائیں آپکو اس

کرنے والا مہربان پائیں۔ تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے

ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ۝

میں جو اختلاف ہو درمیان انکے پھر نہ پائیں اپنے دلوں میں تنگی اس سے جو فیصلہ کرو تم اور مان لیں پورا ماننا

میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اس میں رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** کچھ پہلے ارشاد ہوا تھا کہ اللہ رسول اور اپنے علماء کی اطاعت کرو۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اطاعت رسول کا حکم صرف تم ہی کو نہیں دیا گیا بلکہ جس قدر بھی رسول دنیا میں آئے ان سب کی امتوں کو اس اطاعت کا حکم تھا یہ حکم بڑا پرانا اور بڑا ہی اہم ہے جیسے تمام دینوں کے فرعی مسائل مختلف تھے مگر توحید سب میں ایک تھی، اس طرح اطاعت رسول کا حکم سب دینوں میں یکساں رہا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ارشاد ہوا کہ بشر اور اس کے حمایتی منافقین کافر ہو چکے اس لئے کہ انہوں نے آپ کے فیصلے کو دل سے قبول نہ کیا اب فرمایا جا رہا ہے کہ ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہے اب بھی آپ کے پاس آ جائیں اور آپ سے شفاعت کروا کر ہم سے معافی مانگ لیں تو ہم بخش دیں

گے۔ **تیسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ آپ ان منافقوں کو وعظ فرماؤ اب اس وعظ کا مضمون بتایا جارہا ہے کہ توبہ کرلو ہم سے معافی چاہو لو بخشش دیئے جاؤ گے۔ یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ارشاد ہوا تھا کہ منافقین ہمارے محبوب کے حکم سے راضی نہ ہو کر کفار کو حاکم بنانے کی وجہ سے بے دین ہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ حکم صرف ان کے لئے ہی نہیں اور اس زمانے پر ہی محدود نہیں بلکہ تاقیامت قاعدہ مقرر فرمایا جاتا ہے کہ کسی کو بغیر تمہارے حاکم مانے ایمان نصیب نہ ہو گا۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ ہمارے نبی کو حاکم مانو ورنہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے ' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ایمان کے لئے آپ کو صرف حاکم مان لینا ہی کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ آپ کے فیصلے پر چین بجبیں نہ ہوں بلکہ اسے دل سے قبول کریں مجبوراً مان لینا تو منافقین بھی کر لیتے تھے یعنی پچھلی آیت میں حضور کی ظاہری اطاعت کا حکم تھا اور اس آیت میں دلی اطاعت کا حکم ہے یعنی بخوشی قبول کرلینا گویا ایمان کے قالب کا پہلے ذکر تھا اور ایمان کے دل و روح کا اب ذکر ہو رہا ہے کہ **ثم لا یجدوا** الخ۔

شان نزول: ابو بکر اصم فرماتے ہیں کہ کچھ منافقوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کچھ سازش کی کہ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچائی جائے چنانچہ یہ لوگ بری نیت سے بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے حضرت جبریل امین نے حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اس ارادے پر مطلع کر دیا جب یہ منافق آئے تو مہاجرین و انصار کا مجمع حضور کی بارگاہ عالی میں لگا ہوا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ لوگ اس مجلس میں بہت برے ارادے سے آئے ہیں جس میں وہ کامیاب نہ ہوں گے انہیں چاہئے کہ وہ کھڑے ہو کر اخلاص کے ساتھ توبہ کریں ہم بھی ان کے لئے دعاء مغفرت کریں گے یہ لوگ نہ اٹھے پھر دوبارہ حضور نے یہی فرمایا مگر یہ لوگ نہ اٹھے۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فلاں تو کھڑا ہو جا' اے فلاں تو اٹھ کھڑا ہو۔ چنانچہ بارہ آدمیوں کو نام بنام پکارا اور انہیں کھڑا کیا تب یہ لوگ کہنے لگے کہ ہم آپ کے فرمان پر کھڑے ہونے کا ارادہ کر رہے تھے اور اٹھنے والے ہی تھے۔ حضور اب ہم توبہ کرتے ہیں آپ ہمارے لئے دعاء مغفرت فرمادیں۔ فرمایا اب کچھ نہیں ہو سکتا چلے جاؤ تم کو پہلے اٹھنا چاہئے تھا اب معاملہ آگے بڑھ چکا۔ تب پہلی آیت کریمہ **ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاء وک** الخ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر)۔ (2) حضرت عروہ ابن زبیر فرماتے ہیں کہ میرے والد حضرت زبیر اور ایک انصاری کے کھیت متصل تھے جو ایک نالی سے سیراب کئے جاتے تھے۔ حضرت زبیر کا کھیت اوپر تھا انصاری کا کھیت نشیب میں انصاری کہتا تھا کہ پہلے پانی میں اپنے کھیت کو دوں گا پھر تم دو حضرت زبیر کہتے تھے کہ نہیں پہلے پانی میں دوں گا کیونکہ میرا کھیت بالائی حصہ میں ہے چنانچہ یہ مقدمہ بارگاہ رسالت میں پیش ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو حکم دیا کہ پہلے تم اپنے کھیت کو پانی دو پھر اپنے بھائی پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو اس پر انصاری بولا کہ حضرت زبیر آپ کے پھوپھی زاد ہیں (یعنی اپنے اس فیصلہ میں ان کی مروت کی ہے) اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا' آپ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا اور فرمایا کہ اچھا زبیر اب تم پہلے اپنے کھیت کو خوب اچھی طرح پانی دو حتی کہ پانی منڈیر کے کنارہ پر پہنچ جائے (یعنی کھیت کے منیرہ کے برابر پہنچ جائے) تب پانی انصاری کے کھیت کی طرف چھوڑ دو اس پر دوسری آیت **فلا و ربک لا یومنون** الخ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر' خازن' روح البیان' روح المعانی' بخاری شریف وغیرہ) تفسیر بیضاوی نے فرمایا کہ اس انصاری کا نام حاطب ابن ابی بلتعہ تھا۔

تفسیر خازن نے بحوالہ بغوی نقل فرمایا کہ یہاں سے، تو وہ انصاری خاموش چلا گیا۔ جب یہ دونوں مقداد رضی اللہ عنہ پر گزرے حضرت مقداد نے پوچھا کہ کیا فیصلہ ہوا؟ تو انصاری نے کہا کہ فیصلہ ان کی پھوپھی زاد بھائی کے لئے ہوا۔ اس پر ایک یہودی جو وہاں بیٹھا تھا بولا خدا انہیں غارت کرے کہ جس رسول کا کلمہ پڑھتے ہیں ان کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتے ہم بنی اسرائیل نے اپنی نبی موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ایک گناہ کیا تھا اس کی پاداش میں ستر ہزار یہودی قتل ہوئے تب توبہ قبول ہوئی تھی۔ اس پر حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس تڑپ کر بولے قسم رب کی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو حکم دیں کہ اپنے کو قتل کر دوں تو مجھے کبھی تامل نہ ہو۔ مگر پچھلی روایت قوی ہے۔

تفسیر : **وما ارسلنا من رسول۔** **ارسلنا** ارسال سے بنا بمعنی بھیجنا شریعت میں کسی خاص انسان کو اپنا نبی بنانا ارسال کہلاتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و ارسلنا الی فرعون رسولا** " ہم نے فرعون کی طرف ایک شاندار رسول بھیجا یہاں **ارسلنا** لغوی معنی میں ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام مدین سے رسول بن کر مصر میں بھیجے گئے فرعون کی طرف اور فرماتا ہے۔ **انا ارسلنا الیهم اثنین**۔ دوسری جگہ فرماتا ہے **وما ارسلناک الا رحمۃ** " **للعلمین**۔ یہاں رسول شرعی معنی میں ہے یعنی ہم نے آپ کو رسول نہ بنایا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور جگہ سے رسول بن کر عرب میں نہ بھیجے گئے یہاں **ارسلنا** دونوں معنی میں ہو سکتا ہے۔ **من** تنکیر یہ ہے بمعنی کوئی اور رسول بمعنی پیغمبر خدا ہے نہ کہ محض قاصد کے معنی میں نبی رسول، مرسل میں فرق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار تشریف لائے رسول تین سو تیرہ مرسل چار ظاہر یہ ہے کہ یہاں رسول بمعنی نبی ہے اور ہو سکتا ہے کہ بمعنی رسول ہی ہو جن کی تعداد تین سو تیرہ ہے۔ خیال رہے کہ نبی کے معنی خبر والا یعنی خبر دینے والا، یا خبر لینے والا یا باخبر رکھنے والا۔ رسول کے معنی ہیں پیغام رساں، فیضان رساں، ایمان رساں عرفان رساں وغیرہ جو نبی کو بے خبر مانے وہ در پردہ ان کی نبوت کا منکر ہے اور جو کہے کہ حضور سے کچھ نہیں ملتا وہ در پردہ حضور کی رسالت کا منکر ہے۔ رسول وہ جو رب سے لے کر مخلوق کو دے۔ **الا لیطاع باذن اللہ۔** **الا** استثنائیہ ہے بمعنی غیر نہیں اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے **لحکمۃ و شیء** نفی کے بعد **الا** نے حصر کا فائدہ دیا اور یہ حصر اضافی ہے حقیقی نہیں لہٰذا آیت کا مقصد یہ نہیں کہ رسول کا بھیجنا صرف اطاعت کے لئے ہے شفاعت یا رحمت یا بندوں کی حاجت روائی وغیرہ کے لئے نہیں لہٰذا یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں **وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین** مقصد یہ ہے کہ نبی نافرمانی کئے جانے یا ڈاکیہ کی طرح صرف حکم الٰہی پہنچانے کے لئے نہیں **لیطاع** کا لام غرض وعلت و غایۃ کا نہیں بلکہ حکمت و مصلحت کا اللہ تعالیٰ کے کام غرض وغایت سے پاک ہیں اپنی نفع کو غرض کہتے ہیں۔ دوسرے کو نفع پہنچانے کے لئے کام کرنا حکمت کہلاتا ہے۔ **یطاع** اطاعت بمعنی فرمانبرداری سے بنا اطاعت عبادت کا فرق پہلے بیان ہو چکا نیز اطاعت کی قسمیں اطاعت قولی، اطاعت عملی، اطاعت اعتقادی کا بیان بھی ہو چکا یہاں مطلق اطاعت مراد ہے قولی ہو یا عملی یا اعتقادی **یطاع** کا نائب فاعل تو رسول ہیں اور اس کا فاعل رسول کی امت چونکہ دوسرے رسولوں کی امتیں بھی خاص تھیں ان کے زمانہ بھی خاص علاقہ و رقبہ بھی خاص اس لئے ان کی اطاعتیں بھی خاص تھیں۔ ہمارے حضور کی نبوت علاقہ، قوم اور زمانہ کی قیدوں سے آزاد ہے اس لئے آپ کی اطاعت ہر زمانہ میں ہر جگہ ہر شخص پر لازم ہے لہٰذا آیت صاف ہے خضر علیہ السلام پر

موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت اس لئے فرض نہ ہوئی کہ وہ جناب موسیٰ کی امت نہ تھے ' نہ ان کے علاقہ نبوت میں رہتے تھے۔
خیال رہے کہ اطاعت دو قسم کی ہوتی ہے۔ اطاعت صغریٰ 'اطاعت کبریٰ۔ اطاعت صغریٰ جس کی اپیل ہو سکے۔ جیسے حکام
سلطنت کی اطاعت۔ حضرات انبیاء کی اطاعت ' اطاعت کبریٰ ہے۔ جو ہر حال کرنی لازم ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **وما کان**
لمؤمن الخ جیسے اطاعت کبریٰ کی وجہ سے حکام کی اطاعت۔ جیسے اطاعت کبریٰ کی وجہ سے حکام کی اطاعت صغریٰ کرنی پڑتی ہے
ایسے ہی حضور کی اطاعت کی وجہ سے علماء کی اطاعت صغریٰ کرنی ضروری ہے۔ اذن ارادہ کو بھی کہتے ہیں اور حکم و امر کو بھی ظاہر
یہ ہے کہ یہاں اذن بمعنی امر و حکم ہے کیونکہ ساری امتوں کو حکم تھا کہ اپنے نبی کی اطاعت کریں۔ بعض نے یہ حکم مانا بعض نے
نہ مانا اور ہو سکتا ہے کہ اذن بمعنی ارادہ ہو رب تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ ان نبیوں کی کوئی نہ کوئی اطاعت ضرور کرے چنانچہ ایسا ہی ہوا
مگر یہ احتمال ضعیف سا ہے کیونکہ بعض رسول وہ بھی ہیں جن کی اطاعت کسی شخص نے نہ کی اور ارادہ الٰہی کے خلاف ہونا غیر
ممکن ہے لہٰذا تفسیر کبیر کا یہاں اذن کو بمعنی ارادہ لینا قوی نہیں یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے کوئی پیغمبر اس لئے نہ
بھیجا کہ ان کی امت ان کی مخالفت کرے اور ان کے مقابل دوسروں کو اپنا حاکم بنائے بلکہ اس لئے بھیجا کہ ان کا ہر امتی بحکم خدا
اور بہ امر الٰہی ان کی اطاعت کرے ان سب کو حکم خداوندی تھا کہ اپنے رسول کی اطاعت کریں۔ جیسے بادشاہ اس سے راضی ہے
کہ اس کی رعایا اس کے حکم کی اطاعت کرے ایسے ہی رب تعالیٰ اس سے راضی ہے کہ اس کے بندے اس کے رسولوں نبیوں
کی اطاعت کریں۔ اس لئے یہاں **باذن اللہ** ارشاد ہوا۔ **باذن اللہ** میں اس جانب اشارہ ہے کہ رب تعالیٰ کی اطاعت
بواسطہ اطاعت نبی کی جا سکتی ہے کہ رب تعالیٰ کا جو فرمان نبی کے ذریعے پہنچے اس پر لازم ہے۔ جو اور ذریعہ سے پہنچے خواب یا الہام تو
اطاعت لازم نہیں ' لہٰذا بشر یا کسی اور کا آپ کے حکم سے روگردانی کرنا آپ کے خلاف سازش کرنا حکم الٰہی کی مخالفت ہے۔
ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاء وک۔ چونکہ اس مضمون کے بہت سے لوگ منکر تھے کہتے تھے کہ گناہ کی معافی کے لئے
حضور کے دروازے پر جانا شرک ہے سیدھا خدا کے پاس جانا چاہئے۔ اس لئے اسے ان تاکید سے شروع فرمایا گیا۔ حق یہ ہے کہ
ھم کا مرجع اس آیت کے نزول کے وقت سے قیامت تک کا ہر جن و انس ہے فرشتے وغیرہ چونکہ گناہ کرتے نہیں اس لئے وہ اس
حکم سے علیحدہ ہیں **اذ** عموم وقت کے لئے ہے بمعنی جب کبھی آپ کی حیات شریف میں یا وفات شریف کے بعد **ظلموا** کا فاعل
وہ تمام جن و انس ہیں جو **انہم** کی ضمیر کا مرجع تھے اور **ظلم** سے مراد شرک و کفر۔ گناہ کبیرہ و صغیرہ چھپے کھلے نئے پرانے سارے گناہ
ہیں قرآن کریم میں شرک و کفر کو بھی ظلم فرمایا ہے۔ **ان الشرک لظلم عظیم**۔ اور بڑے گناہوں کو بھی جیسے **ظالمی انفسہم** اور
خطاء لغزش کو بھی جیسے **انی کنت من الظالمین**۔ یہاں ہر قسم کا جسمانی جناتی روحانی گناہ مراد ہے انفس نفس کی جمع ہے بمعنی
جان روح یا ذات **ھم** کا مرجع بھی وہی جن و انس ہیں جو **ظلموا** کا فاعل تھے۔ **جاء وا** کا فاعل بھی وہی عام لوگ ہیں۔ آنا جسم سے
بھی ہوتا ہے۔ دل و جان سے بھی حضور کی خدمت میں جسم سے آنا تو یہ ہے کہ مجرم ان کے آستانہ عالیہ پر مدینہ منورہ پہنچ جائے
آپ کی زندگی شریف میں یا بعد وفات روحانی حاضری یہ ہے کہ اس ذات کریم کی طرف متوجہ ہو جائے۔ **جاء وک** الخ مع تمام
معطوفوں کے **لو** کی جزاء ہے پھر شرط و جزاء مل کر شرط ہے۔ جس کی جزاء **لوجدوا اللہ** الخ ہے یعنی اے محبوب اگر یہ آپ کی
امت کے تمام جن و انس کسی وقت بھی کسی جگہ بھی کسی قسم کا گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر لیتے تو آپ کی بارگاہ میں جسمانی یا دلی
طور پر حاضر ہو جاتے۔ **فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول**۔ یہ دونوں جملے جاء وک پر معطوف ہیں اور لو کی جزاء ف

عاطفہ ہے۔ خیال رہے کہ لو کی جزائیں یہاں تین بیان ہوئیں **جاء وک** اور **فاستغفروا اللہ** اور **و استغفرلہم الرسول** مگر **جاء وک** پر ف نہ آئی تاکہ معلوم ہو کہ پرانے مجرم کو بھی اس آستانہ پر حاضری کا بلاوا ہے۔ وہ یہ خیال نہ کرے کہ اگر میں گناہ کرتے ہی وہاں پہنچ جاتا تو معافی ہو جاتی اب اتنے عرصہ کے بعد حاضری بیکار ہے نہیں جب بھی توفیق الٰہی دستگیری کرنے آجائیں۔ یہاں پرانے تپ دق کا بھی علاج ہے اور **فاستغفر واللہ** میں ف ارشاد ہوئی کہ جب وہاں حاضری کی توفیق مل گئی تو اب استغفار میں دیر نہ لگائیں نہ معلوم پھر حاضری نصیب رہے یا نہ رہے اور ہمارے محبوب مختار ہیں۔ خواہ فوراً ہی ان کی شفاعت فرمادیں یا کچھ دیر ان سے ناک رگڑوا کر اور رسولی فرمانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ صرف جرموں کا استغفار پڑھ لینا کافی نہیں ان کی شفاعت بھی ضروری ہے جو ان کے اور رب کے درمیان وسیلہ عظمٰی ہیں جو میرے ان کے درمیان رسول ہیں کہ مجھ سے رحمتیں لے کر انہیں دیتے ہیں اور ان کے گناہ میرے دربار میں حاضر کرکے بخشواتے ہیں اس لئے یہاں **و استغفرت** نہ فرمایا نیز اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ دوسرے بزرگوں کی طرح ان سے صرف آمین کہلوالینا کافی نہیں بلکہ ان کی دعا لینا ضروری ہے **لوجدوا للہ توابا" رحیما"** یہ جملہ لو کی جزاء دوم ہے **وجدوا** وجدان سے بنا بمعنی پانا۔ جسمانی پانا مراد نہیں بلکہ روحانی ایمانی پانا مراد ہے اسی لئے یہ دو مفعول چاہتا ہے **توابا"** توبہ کا مبالغہ ہے بمعنی بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا۔ رحیم رحمت کا صفت مشبہ یعنی یہی سارے مجرم اللہ تعالٰی کو یہاں پہنچ کر بہت ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں کہ وہ اپنے فضل سے ان کے سارے گناہ بخش دے۔ یہاں یہ نہ ارشاد ہوا کہ ہم ان کے گناہ بخش دیں گے بلکہ فرمایا گیا کہ وہ رب کو تواب و رحیم پائیں گے اس میں بہت ہی مبالغہ ہے ایک دفعہ بخش دینا جس کا پتہ بندے کو نہ لگے کچھ اور ہے اور بندہ کا رب تعالٰی کا بہت تواب و رحیم پانا کچھ اور ہے۔ خیال رہے کہ بعض لوگوں نے اس آیت کے معنی یوں کئے ہیں کہ اگر یہ بشر منافق کے قرابت دار یا سازشیں کرنے والے منافقین آپ کے پاس بہانہ بازیوں کے لئے نہ آتے بلکہ جب انہوں نے یہ جرم کرلیا تھا تو آپ کے پاس آجاتے اور خدا تعالٰی سے معافی مانگ لیتے اور آپ بھی ان کے لئے معافی کی درخواست کردیتے تو یہ منافقین اللہ تعالٰی کو توبہ قبول فرمانے والا مہربان پاتے اور کہتے ہیں کہ یہ حاضری کا حکم و شفاعت صرف ان منافقین کے لئے تھی اب کسی اور کے لئے نہیں مگر یہ درست نہیں کیونکہ آیت میں عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ خصوصی شان نزول کا نیز اس صورت میں یہ آیتہ کریمہ دوسری آیات کے خلاف ہوگی۔ رب تعالٰی فرماتا ہے **وما ارسلنک الا رحمتہ" للعلمین** اور فرماتا ہے۔ **وابتغوا الیہ الوسیلتہ** جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اور ہم سب کو حضور کے وسیلہ پکڑنے کا حکم دیا گیا تو یہ آیتہ کریمہ صرف اس زمانہ کے بعض لوگوں کے لئے کیسی ہو سکتی ہے اور ہم لوگ اس سے محروم کیونکر ہو سکتے ہیں۔

دوستاں را کجا کنی محروم   توکہ بادشمناں نظر داری

نیز اللہ تعالٰی تواب و رحیم ہر شخص کے لئے ہے کہ صرف اس زمانہ کے منافقوں کے لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وسیلہ ہر شخص کے لئے ہیں مگر یہ آیتہ صرف ان خاص منافقوں کے لئے ہو تو لازم آئے گا کہ رب تعالٰی تواب اور رحیم بھی انہی منافقوں کے لئے ہو دوسروں کے لئے نہ ہو **فلا وربک لا یومنون** یہ جملہ یا تو مستقل ہے یا گذشتہ سے متعلق پہلی صورت میں لانافیہ ہے جو گذشتہ مذکورہ مضمون کی نفی فرمارہا ہے پہلے ارشاد ہوا تھا **الم ترا الی الذین یزعمون انہم امنوا** الخ یعنی

فلا بصح زعمهم ان لوگوں کا یہ گمان درست نہیں کہ وہ مومن ہو چکے دوسری صورت میں لازائدہ ہے قسم کی تاکید کے لئے جیسے **لئلا یعلم** میں لازائدہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ف ترتیب کی ہو اور لا سے اس انصاری کے قول کی تردید ہو یعنی چونکہ اس انصاری نے آپ کے فیصلہ کو برحق نہ مانا لہذا ہم فرماتے ہیں لایعنی اس کا قول درست نہیں چونکہ رب تعالیٰ حضور کا گواہ ہے **و کفی باللہ شہیدا** اس لئے حضور پر جو اعتراض ہو رب اس کا جواب دیتا ہے **و ربک** میں واو قسم کا ہے ربک سے ذات پروردگار مراد ہے وہ کریم اگرچہ رب العالمین ہے مگر اس کی ربوبیت ظاہری و باطنی کا مظہر اتم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ ہم اپنے نوکر جانور کو پالتے ہیں اور عزیز بیٹے کو بھی بیٹے کی تربیت کامل ہوتی ہے نوکر کی نہیں حضور کی تربیت کاملہ ہے نیز اشارۃ" فرمایا گیا کہ ہم اس وقت اپنی قسم اس لئے فرما رہے ہیں کہ تمہارے رب ہیں یعنی قسم کی وجہ تمہاری ربوبیت ہے جیسے رب فرماتا ہے **لا اقسم بهذا البلد و انت حل بهذا البلد** مجھے شہر مکہ کی قسم اس کی قسم کیوں ہے اس لئے نہیں کہ یہاں کعبہ شریف وغیرہ ہے بلکہ اس لئے کہ یہاں تم تشریف فرما ہو اس کی خاک تمہاری پابوسی کا شرف حاصل ہے ایسے ہی یہاں ہے یا اظہار کرم کے لئے اس طرح ارشاد ہوا جیسے بلا تشبیہ باپ اپنے نازنین بیٹے سے کہے کہ تیرے ہی باپ کی قسم غرضیکہ اس طرح قسم اپنی فرمانا بہت ہی وجد آفریں ہے **لا یومنون** میں نفس ایمان کی نفی ہے اور **یومنون** کا فاعل تاقیامت جن و انس ہیں یعنی تمہارے ہی رب کی قسم کوئی شخص خواہ وہ کسی درجہ کا ہو مومن قطعاً" نہیں ہو سکتا یا منافق جو دوسروں کو اپنا حکم و حاکم بناتے ہیں پھر بھی اپنے کو مومن ہی سمجھتے ہیں یہ سب غلط ہے تمہارے ہی رب کی قسم کوئی مومن نہیں ہو سکتا اسے ایمان سے حصہ نہیں مل سکتا **حتی یحکموک فیما شجر بینهم** حتیٰ انتہا کے لئے ہے اس کا تعلق **لا یومنون** کا فاعل تمام یعنی تاقیامت لوگ شجر کا مصدر شجور ہے' شجور و مشاجرت کے معنی ہیں اختلاط خلط ملط ہونا جھگڑے کو مشاجرت اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے مخالفین کے کلام آپس میں مخلوط ہو جاتے ہیں زخم کو مشاجرت کہتے ہیں کہ وہ اختلاف و جھگڑے کا نتیجہ ہے لوٹ کے پالان کی لکڑیوں کو شجار کہا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے میں گتھی ہوتی ہیں درخت کو شجر کہتے ہیں کہ اس کی شاخیں ایک دوسری میں داخل ہوتی ہیں یہاں بمعنی جھگڑا و اختلاف ہے ما سے مراد سارے دینی و دنیاوی معاملات ہیں جن میں جھگڑا و اختلاف ہو یعنی اس وقت تک یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ ان کا یہ حال نہ ہو جائے کہ اپنی تمام دینی و دنیاوی جھگڑوں میں آپ کو حاکم و حکم مانیں اور سمجھیں **ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا**" **مما قضیت** ثم عاطفہ ہے اور یہ جملہ **یحکموک** پر معطوف ہے ثم فرما کر اس جانب اشارہ ہے کہ وہ آپ کے فیصلہ پر نہ فوراً" رنجیدہ ہوں نہ کبھی بعد میں انفس نفس کی جمع ہے بمعنی دل حرج اور ضیق دونوں کے معنی ہیں تنگی مگر ضیق تو مضبوط و قوی تنگی کو کہتے ہیں اور حرج خفیف سی تنگی کو مفردات راغب میں ہے کہ حرج کے معنی ہیں مجتمع الشیء چیزوں کے **جمگھٹے** کی جگہ اب دل تنگی اور رکاوٹ کو بھی حرج کہہ دیتے ہیں کہ یہ **جمگھٹے** کا نتیجہ ہے مجاہد نے فرمایا کہ یہاں حرج بمعنی شک ہے اس کی جمع حراج ہے **مما قضیت** واقع پوشیدہ کے متعلق ہو کر حرجا" کی صفت ہے یعنی صرف آپ کو حکم بنانا ہی مومن ہونے کے لئے کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ آپ کے فیصلہ سے نہ دل تنگ ہوں نہ ان کے دل میں کچھ تردد ہو نہ اسے قبول کرنے سے کچھ رکاوٹ **و یسلموا تسلیما**" یہ جملہ لا یجدوا پر معطوف ہے۔ **یسلموا**۔ تسلیم سے بنا جس کا مادہ سلم ہے بمعنی خالص ہونا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و رجلا**" **سلما**" اور جل سلام کرنے کو سلام اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں سلامتی یعنی آفات سے خلوص و علیحدگی کی دعا ہوتی ہے اس فعل کے

بعد تسلیما فرما کر یہ بتایا گیا کہ وہ لوگ پورے طور پر آپ کے فیصلہ پر سرنیاز جھکادیں ہر قسم کے تردد و شک سے خالص رہیں یعنی نہ ان کے دل میں آپ کے فیصلہ سے کچھ تنگی رہے نہ جسمانی طور پر وہ بے راہ روی کریں نہ ان کے دل میں تنگی ہو نہ قبولیت میں تردد۔

خلاصہء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے جتنے رسول بھی دنیا میں بھیجے وہ اس لئے بھیجے کہ ان کی امت کا ہر فرد ان کی اطاعت کرے اور وہ اپنی امت کے مطاع مطلق ہوں اور یہ اطاعت بہ اذن الٰہی بہ حکم الٰہی ہو کہ جس نوعیت کی اطاعت رب کی ہو اسی نوعیت کی اطاعت نبی کی بلاچون وچرا اس لئے کوئی نبی نہ آئے کہ ان کی مخالفت کی جائے۔ بہرحال ان کی اطاعت حکم ربانی ہے ان کی مخالفت اغواء شیطانی اگر وہ آپ کی امت والے جن و انس جب بھی جہاں کہیں کسی قسم کا ظلم اپنی جانوں پر کرلیں تو آپ کے حضور حاضر ہوجائیں مگر ان کی یہ حاضری سائلانہ مجرمانہ ہو جیسے داتا کے دروازے پر فقیر' حاکم کریم کے دروازے پر اقبالی مجرم حاضر ہو جاتا ہے۔ حاکمانہ' ظالمانہ' دوستانہ' سارقانہ نہ ہو جہاں برتری یا برابری کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ برابری کے خیال کی حاضری محرومی کا باعث ہے مجرمانہ حاضری کرم و بخشش کا ذریعہ ہے پھر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے اپنے ظلم و جرم کی معافی مانگیں کیونکہ ہم سے معافی مانگنے کے لئے بہتر وقت اور مناسب جگہ آپ کی حضوری ہے اور رسول یعنی آپ بھی ان کے لئے دعاء مغفرت یعنی شفاعت فرمادیں تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا مہربان پائیں کہ ان کی توبہ قبول فرمائی جائے اور ان پر رحمت کی جائے اے پیارے تمہارے رب ہی کی قسم کہ ان میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس کا یہ حال نہ ہو جائے کہ اپنے تمام دنیاوی و دینی جھگڑوں میں آپ کو اپنا حاکم مان لے یا آپ کو حکم بنالے صرف حاکم ہی نہ مانے بلکہ آپ کے فیصلہ سے اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی بھی نہ پائے اور سراپا تسلیم ہو کر اسے دل سے قبول کرے اگر یہ صفات اس میں ہوں تو وہ مومن ہے اور اگر ان میں سے ایک بات بھی نہ ہو تو مومن نہیں خواہ کتنا ہی نمازی روزہ دار ہو۔ خیال رہے کہ حاکم اور حکم میں چند طرح فرق ہے ایک یہ کہ حاکم وہ جو بادشاہ کی طرف سے مقرر ہو حکم وہ جسے فریقین فیصلہ کے لئے مقرر کرلیں دوسرے ہو کہ حاکم وہ جس کی ولایت و حکومت عامہ حاصل ہو حکم ہو جسے ولایت خاصہ حاصل ہو۔ تیسرے یہ کہ حاکم وہ جو اپنا فیصلہ بزور منوائے نہ ماننے پر سزا دے حکم میں یہ بات نہیں۔ حاکم میں علم و اختیارات ہونا ضروری ہیں بے اختیار اور بے خبر حاکم نہیں ہو سکتا۔ ایمان کے لئے شرط یہ ہے کہ مومن حضور کو نبی رسول حاکم مختار عالم مانے جو شخص حضور کو مختار مانتے خبردار نہ مانے وہ حضور کے حاکم مطلق ہونے کا منکر ہے۔ اس آیت کا انکاری ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: دنیا میں ہم بھی آئے اور نبی بھی مگر ہمارا آنا نبی کی فرمانبرداری کے لئے ہے اور ان حضرات کا آنا مخلوق پر حکومت کرنے کے لئے' ہم سیکھنے آتے ہیں' حضرات انبیاء سکھانے۔ کشتی اسلام میں انبیاء امتی سب ہی سوار ہیں مگر امت پار لگنے کے لئے اور نبی پار لگانے کے لئے جیسا کہ **الا لیطاع** سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: حضرات انبیاء رب تعالیٰ سے سب کچھ سیکھ کر آتے ہیں دنیا میں آکر نہیں سیکھتے جیسا کہ **ارسلنا** سے معلوم ہوا سکھایا جاتا ہے پہلے اور حاکم بنا کر بھیجا جاتا ہے بعد میں۔ تیسرا فائدہ: حضرات انبیاء کرام کی اطاعت بحکم پروردگار ہے جس قسم کی اطاعت رب تعالیٰ کی چاہئے اس قسم کی اطاعت نبی کی بھی یہ فائدہ **باذن اللہ** سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: کوئی

مجرم و گنہگار بغیر حضور کی شفاعت کے نہیں بخشا جاسکتا آپ کی شفاعت و سفارش بخشش کی چابی ہے جیسا کہ انھم کے عموم سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: حضور کی شفاعت حضور کی وفات کے بعد بھی تاقیامت بلکہ بعد قیامت جاری رہے گی جیسا کہ اذ کے عموم سے معلوم ہوا۔

حکایت: تفسیر مدارک نے اس جگہ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے بعد ایک بدوی قبر انور پر حاضر ہوا۔ قبر انور کی مٹی اپنے سر پر ڈالی اور بولا یا رسول اللہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہم نے سن لیا اور ہم نے قرآن کی یہ آیت پڑھ لی **ولو انھم اذ ظلموا** الخ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں اللہ سے معافی مانگتا ہوں حضور شفاعت فرمادیں کہ رب تعالیٰ مجھے بخش دے۔ قبر انور سے آواز آئی کہ تیری بخشش ہو گئی (تفسیر مدارک و خزائن) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاجات عرض کرنے کے لئے اس کے مقبول بندوں کو وسیلہ بنانا کامیابی کا ذریعہ ہے قبر پر حاجت کے لئے جانا بھی جاءوک میں داخل ہے اور زمانہ صحابہ میں مروج تھا۔ مقبولان خدا کو یا کہہ کر پکارنا جائز ہے رب کے مقبول بندے بعد وفات بھی مدد کرتے ہیں ان کی دعا سے حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ (خزائن العرفان)۔ چھٹا فائدہ: حضور کی بارگاہ میں حاضری کے لئے مدینہ پاک جانا ضروری نہیں۔ جہاں سے رہ کر بھی ان کا توسل کیا جائے تو بھی حاضری میسر ہو جاتی ہے دیکھو یہاں جاءوک تو فرمایا مگر فی المدینۃ کی قید نہ لگائی۔ ساتواں فائدہ: سارے رسول صاحب شریعت ہیں کوئی بغیر شریعت نہیں اگرچہ بعض حضرات کے پاس مستقل نئی شریعت نہ ہو مگر وہ پرانی شریعت میں کمی بیشی تغیر تبدل کر سکتے ہیں۔ ورنہ وہ لازم الاطاعت کیسے ہوں گے (از تفسیر کبیر)۔ یہ فائدہ **الا لیطاع** سے حاصل ہوا تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اگر کوئی رسول بالکل دوسری شریعت کا متبع ہو تو وہ مطاع نہ ہو گا۔ بلکہ وہ نبی مطاع ہوں گے جن کی شریعت کی پیروی ہو رہی ہے اس لئے ہر نبی صاحب شریعت ہے۔ (تفسیر کبیر) آٹھواں فائدہ: حضور کی شفاعت کے بغیر کوئی گناہ قابل معافی نہیں۔ معافی شفاعت سے ہے۔ جیسا کہ **واستغفر لھم الرسول** سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: ہماری استغفار و دعائیں گویا تخم ہے۔ حضور کی استغفار و شفاعت گویا پانی اس لئے پہلے مجرم کی استغفار کا ذکر ہوا۔ پھر حضور کی استغفار کا یہ تو ہو جاتا ہے کہ بغیر تخم صرف بارش کے پانی سے سبزہ اگ جائے مگر یہ ناممکن ہے کہ بغیر پانی صرف تخم سے سبزہ ہو جائے اسی طرح یہ ہو سکتا ہے کہ ہماری دعا کے بغیر صرف حضور کی دعا سے ہماری بخشش ہو جائے مگر یہ ناممکن ہے کہ حضور کی شفاعت کے بغیر صرف ہماری دعا سے بخشش ہو جائے قیامت کے دن سارے اعمال کی پیشی شفیع کے تلاش کے بعد ہو گی۔ دیکھو حضرت ہارون کی دعا کے بغیر صرف دعاء موسیٰ سے ان کو نبوت مل گئی صرف دعاء خلیلی سے زمین مکہ کو عظمتیں حاصل ہو گئیں۔ اس لئے یہاں دو استغفار علیحدہ علیحدہ مذکور ہوئے۔ دسواں فائدہ: حضور کا وسیلہ اختیار کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ تواب بھی رحیم و مہربان بھی آپ کے وسیلہ کے انکاری کے لئے رب تعالیٰ نہ تواب ہے نہ رحیم بلکہ قہار و جبار ہے جیسا کہ **لوجدوا اللہ** الخ سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کا پتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ گیارھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے اعمال اس کی حاضری سے خبردار ہیں کہ کسی سے بے خبر نہیں اور کوئی شخص کہیں سے حضور کا توسل اختیار کرے تو حضور اس کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں جیسا کہ جاءوک کے عموم کے بعد استغفر لھم الرسول فرمانے سے معلوم ہوا کیا تمہیں خبر نہیں کہ حضور نے دو قبروں کے متعلق خبر دی کہ ان میں عذاب ہے ایک میت تو چغلی کھاتا تھا دوسرا پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا رب نے ہم کو بے خبر بے بس کے پاس نہیں بھیجا بلکہ خبیر و کریم کے پاس بھیجا ہے۔

بارہواں فائدہ: جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اسے اصل ایمان ہی نصیب نہ ہو گا وہ تو اکافر بے دین ہو گا۔ دیکھو یہاں لا یومنون فرما کر اصل ایمان کی نفی فرمادی گئی نہ کہ کمال ایمان کی نفی۔ تیرہواں فائدہ: خدا کے ماسواء اس کے بندوں کو حاکم بنانا درست ہے خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ آپ تو نائب کبریا ہیں۔ چودہواں فائدہ: حضور کے سارے فیصلے برحق ہیں کوئی فیصلہ غلط نہیں آپ معصوم ہیں اگر حضور کا کوئی فیصلہ ناحق ہوتا تو اس کا قبول کرنا ضروری نہ ہوتا بلکہ رد کر دینا واجب ہوتا (تفسیر کبیر)۔ پندرہواں فائدہ: حضور کا فیصلہ صرف زبان سے مان لینا اور دل سے اس سے راضی نہ ہونا کفر ہے جیساکہ ثم لا یجدوا الخ سے معلوم ہوا۔ سولہواں فائدہ: حضور کے فیصلہ پر زبانی اعتراض کرنا بھی کفر ہے جیساکہ اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد علماء دین کے شرعی فتووں پر عمل کرنا واجب ہے کہ یہ حضرات اس آستانہ کے نوکر چاکر اور حضور کے کارندے ہیں۔ سترہواں فائدہ: مطلق امر وجوب کے لئے ہوتا ہے ورنہ اس کے ماننے پر عتاب کیسا۔ اٹھارہواں فائدہ: حضور کے فیصلہ کی کہیں اپیل نہیں آپ کا حکم اٹل ہوتا ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کی اطاعت واجب ہے مگر قرآن کریم دوسری جگہ فرماتا ہے ان الحکم الا للہ۔ کہ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہے آیات میں تعارض ہے۔ جواب: اس آیت میں حقیقی حکم مراد ہے یا تکوینی حکم اور یہاں مجازی حکم یا تشریعی احکام مراد ہیں لہٰذا آیات میں تعارض نہیں اس کی بحث پہلے کی جاچکی ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت میں ہر مسلمان کو حاضری بارگاہ اور حضور کا حکم ماننے پر مجبور نہیں کیا جارہا ہے بلکہ ان منافقین کو حکم ہے جن کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں جیساکہ شان نزول سے معلوم ہوا (وہابی)۔ جواب: یہ غلط ہے کیونکہ آیت کریمہ کے الفاظ میں کوئی قید نہیں نازل کسی کے حق میں ہوئی ہو مگر حکم تو عام ہے عموم الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے۔ اب بھی حکم ہے کہ جب زائر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو تو یہ آیت کریمہ ولو انهم اذ ظلموا الخ تلاوت کرے پھر عرض و معروض کرے دیکھو عام کتب فقہ پہلے عرض کیا جاچکا کہ ایک اعرابی بعد دفن روضہ مبارک پر حاضر ہوا اور یہ آیت پڑھ کر اس نے حضور سے شفاعت مانگی ندا آئی کہ تیری بخشش ہوگئی اگر حاضری بارگاہ صرف حضور کی حیات شریف میں ضروری تھی اب نہیں تو چاہئے کہ حضور کی اطاعت بھی اسی زمانہ میں لازم ہوتی اب نہ ہوتی حالانکہ آپ کی اطاعت تو ہمیشہ لازم تو یہ حضوری بھی ہمیشہ ضروری نیز لازم آتا کہ خدا تعالیٰ تواب اور رحیم بھی حضور کی حیات شریف میں ہی ہو تا بعد کو نہیں۔ جب رب تعالیٰ کا تواب اور رحیم ہونا ہمیشہ تک ہے اور حضور کی اطاعت ہمیشہ لازم تو حضور کی بارگاہ عالیہ میں مجرموں کو حاضری کا حکم بھی دائمی ہے۔ تیسرا اعتراض: اگر ہر مجرم کو ہر جرم کر کے حضور کے دربار میں حاضر ہونا ضروری ہوتا تو یہ تکلیف طاقت سے باہر ہوتی۔ کیونکہ مدینہ منورہ ہزارہا میل ہم سے دور ہے ہر گناہ کے بعد ہم وہاں کیسے پہنچیں۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں حاضری سے عام حاضری مراد ہے خواہ جسمانی ہو یا دلی و روحانی جواز نماز کے لئے کعبہ معظمہ تک پہنچ جانا ضروری نہیں یہاں رہتے ہوئے بھی ادھر رخ کر دینے سے نماز جائز ہو جاتی ہے۔ حضور قبلہ دعا ہیں کعبہ توبہ ہیں دل کا رخ جہاں سے اس طرف کرو گے کام بن جائے گا۔ سورج کا نور لینے کے لئے چوتھے آسمان پر پہنچ جانا لازم نہیں جہاں بھی ہو اس کے ظل میں آجاؤ روشنی مل جائے گی۔ حضور آسمان قبولیت کے سورج ہیں رب نے آپ کو سراج منیر فرمایا یعنی چمکانے والا سورج جہاں بھی رہو ان کی نگاہ

...ناعت میں رہو بیڑا پار ہو گا۔ چوتھا اعتراض: جب خدا تعالیٰ کی رحمت بخشش ہر جگہ ہے تو حضور کے پاس جانے کی قید کیوں ...ائی گئی؟ کیا دوسری جگہ اس کی رحمت وغیرہ نہیں؟ اسلام نے غیر محدود کو محدود کردیا۔ جواب: رب تعالیٰ کی رحمت ہر جگہ ...ہے مگر ہر جگہ ملتی نہیں۔ ریل ساری لائن سے گزرتی ہے مگر ملتی اسٹیشن پر ہے حضور کا آستانہ عالیہ رب کی رحمت پانے کا ...اسٹیشن ہے۔ رب تعالیٰ نے ہی اسرائیل سے ایک بار فرمایا تھا کہ اس دروازہ شہر میں سجدہ کرتے جاؤ اور وہاں جاکر عرض کرو کہ ...مولیٰ ہم کو بخش دے تو ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے (پارہ اول وپارہ نواں) وہاں اسٹیشن پر ہی بھیجا گیا تھا۔ پانچواں اعتراض: ...اس آیت میں جاءوک میں کاف خطاب ہے اور واستغفر لہم الرسول میں غائب سے تعبیر فرمایا گیا یہاں بھی کہا جاتا واستغفرت ...اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب: اس کا جواب تفسیر خازن نے یہ دیا ہے کہ رسول فرمانے میں وجہ حاضری بیان فرمائی گئی کہ وہاں ...کیوں حاضر ہو اس لئے کہ وہ رب تعالیٰ کے رسول ہیں۔ رب تعالیٰ ان کی بات رد نہیں فرماتا اگر تمہاری سفارش فرمادیں گے تو ...ضرور کامیاب ہو جاؤ گے۔

تو جو چاہے تو ابھی میل مرے دل کے دھلیں   کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

...چھٹا اعتراض: استغفر لہم الرسول کے معنی یہ ہیں کہ ان مجرموں کو اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید معافی دیدے لہٰذا یہاں ...گنہگاروں کو قرآن مجید کا توسل کرنے کا حکم ہے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کا (چکڑالوی)۔ جواب: یہ ...اس آیت کی تفسیر نہیں بلکہ معنوی تحریف ہے کیونکہ استغفار کے معنی ہیں معافی مانگنا نہ کہ معافی دینا معنی ہوتے تو یہاں ارشاد ...ہے **فاستغفروا اللہ**۔ مطلب یہ ہو تاکہ وہ گنہگار اللہ تعالیٰ کو معافی دے دیں نیز رسول قرآن کریم کا نام نہیں رسول تو قرآن ...لانے والے محبوب کا نام ہے۔ رب نے فرمایا محمد رسول اللہ ہم نے کلمہ پڑھا محمد رسول اللہ نیز قرآن کے معافی دینے کے معنی یہ ...ہیں کہ رب تعالیٰ معافی دیدے۔ پھر **لوجدوا اللہ** الخ کے کیا معنی ہوں گے غرضیکہ یہ تفسیر آج تک سنی نہ گئی۔ ساتواں اعتراض ...اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قریب قیامت نزول عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ غلط ہے کیونکہ آیت کریمہ فرمارہی ہے کہ ہر ...نبی کی اطاعت لازم ہے اگر عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو نبی ہوں گے یا نہیں اگر نہیں تو کس قصور میں انہیں رسالت سے ...معزول کیا گیا اور اگر نبی ہوں گے تو مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب ہوگی یا نہیں اگر نہیں تو اس آیت کے خلاف ہے اور اگر ...واجب ہوگی تو حضور کی اطاعت لازم نہ رہے گی۔ حالانکہ آپ کی اطاعت تاقیامت ہر مسلمان پر لازم ہے لہٰذا یہ عقیدہ غلط ہے۔ ...نوٹ: مولوی محمد علی قادیانی لاہوری نے یہ اعتراض اپنی تفسیر بیان القرآن میں بڑے فخر سے کیا ہے اور وہ سمجھے ہیں کہ یہ ...اعتراض لاینحل عقیدہ ہے کوئی مسلمان اس کا جواب نہ دے سکے گا۔ جواب: قریب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ضرور ...تشریف لائیں گے مگر نبوت کی شان سے نہیں بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے عالم کی شان سے اس زمانہ میں ...حضور کی اطاعت نبی کی حیثیت سے فرض ہوگی اور ان کی اطاعت عالم دین کی شان سے لازم ہوگی۔ جیسے آج ائمہ مجتہدین یا علماء ...کی اطاعت کی جاتی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم** آپ بھی مرزا ...غلام احمد کو مجدد مان کر اس کی اطاعت لازم مانتے ہیں۔ بتاؤ آپ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے یا نہیں رہا یہ سوال ...کہ وہ کس قصور میں نبوت سے معزول کئے گئے جناب دین کا نسخ نبی کے قصور سے نہیں ہوتا بلکہ اس لئے ہوتا ہے کہ اب اس ...دین کی ضرورت نہ رہی از آدم تا عیسیٰ علیہ السلام تمام رسولوں کے دین منسوخ ہوئے ان انبیاء کرام نے کیا قصور کئے تھے جو ان

کی نبوتیں منسوخ ہوئیں۔ خیال رہے کہ کسی نبی کی نبوت بارگاہ الٰہی میں منسوخ نہیں ہوتی۔ وہ ہمیشہ رب کے نبی رہتے ہیں ہم پر فرض ہے کہ سب نبیوں پر ایمان لائیں مخلوق کی نسبت سے نبوت منسوخ ہوتی ہے کہ لوگوں پر ان کی اطاعت واجب نہیں رہتی سورج کے ہوتے چراغ کی ضرورت نہیں حضور کے ہوتے اور نبوت کی حاجت نہیں۔ **آٹھواں اعتراض:** جن انصاری نے عرض کیا تھا کہ زبیر آپ کے پھوپھی زاد ہیں یعنی آپ نے فیصلہ میں رعایت برتی ہے جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی وہ مرتد ہو گئے یا نہیں اگر ہو گئے تو انہیں تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم کیوں نہ دیا گیا اور انکار کی صورت میں انہیں قتل کیوں نہ کیا گیا؟ **جواب:** ظاہر یہ ہے کہ وہ مرتد نہیں ہوئے کیونکہ اس وقت تک یہ قانون نہ بنا تھا۔ قانون بن چکنے کے بعد واجب العمل ہوتا ہے۔ دیکھو حضرت صدیق و فاروق کی آوازیں بارگاہ نبوت میں ایک بار بلند ہو گئیں جس پر یہ آیت آئی **لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی** اور بعد میں فرمایا گیا **ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون** اس سے تمہارے اعمال ضبط ہو جائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو گی مگر ان بزرگوں پر یہ احکام جاری نہ ہوئے کیونکہ یہ قانون تو اب بنا اس کے بعد جو اس کے خلاف کرے گا اس کے عمل ضبط ہوں گے ایسے ہی بی بی زینب نے جناب زید ابن حارث کے ساتھ نکاح کرنے کا انکار کر دیا جس پر یہ آیت آئی **ما کان لمومن ولا مومنۃ** اس کے بعد یہ حکم ہوا کہ کوئی مومن حضور کے فیصلہ کے خلاف دم نہیں مار سکتا۔ بہرحال ان انصاری کو مرتد نہیں کہا جا سکتا۔ **نواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور کی شفاعت و استغفار سے رب تعالیٰ کی معافی ملتی ہے مگر دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے کہ اگر تم ستر بار بھی دعا مغفرت ان کے لئے کرو ہم نہ بخشیں گے ایک جگہ فرماتا ہے کہ ان کے لئے آپ کا استغفار کرنا نہ کرنا برابر ہے اللہ انہیں نہ بخشے گا آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ آیت کریمہ گنہگار مومنوں کے لئے ہے وہ آیات منافقین کے لئے حضور کی شفاعت منافقوں کو مفید نہیں ان کے نفاق کی وجہ سے شورہ زمین میں تخم و پانی سے پھل پھول وغیرہ نہیں ہوتا دوسرے یہ کہ منافقین حضور کی بارگاہ میں نہ آتے تھے نہ استغفار کرتے تھے نہ حضور ان کی شفاعت کرتے تھے کیونکہ یہاں نیازمندانہ آنے کا ذکر ہے وہ دھوکہ دہی چال بازی سے چوروں کی طرح آتے تھے۔ ریاکاری کے لئے استغفار کرتے تھے حضور ان کو دفع فرمانے کے لئے دعا مغفرت کے الفاظ فرماتے تھے۔ دعا کرانا اور ہے دعا لینا کچھ اور غرضیکہ اس آیت کریمہ کے تینوں حکموں کا وہاں ظہور نہ تھا لہٰذا نہ بخشے گئے۔ خیال رہے اعلیٰ سے اعلیٰ دوا اور ٹیکہ بیمار کو مفید ہے۔ مردہ کو مفید نہیں۔ گنہگار بیمار ہے منافق مردہ۔ **دسواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں ایمان کے تین رکن ارشاد ہوئے۔ ہر اختلافی چیز میں حضور کو حاکم ماننا۔ حضور کے فیصلے پر دل تنگ نہ ہونا' قبول کر لینا' دل تنگ نہ ہونا اور قبول کرنا ایک ہی چیز ہے۔ ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ **جواب:** دل تنگ ہونا یہ ہے کہ آپ کے فیصلہ کو حق نہ مانے' سمجھے اور کہے کہ رشوت یا طرفداری یا معاملہ نہ سمجھنے کی وجہ سے یا قرآنی قانون کے مخالف ہونے کی وجہ سے حضور کا یہ فیصلہ غلط ہے۔ یہ عقیدہ بھی غلط ہے قبول نہ کرنا یہ ہے کہ کہے حضور کے احکام حق ہیں مگر یہ اس زمانہ کے لوگوں کے لئے تھے اب زمانہ اور ہے ہم لوگوں کی فطرت اور ہے لہٰذا ہم پر یہ احکام نافذ نہیں یہ بھی کفر ہے ہاں جو کوئی حضور کے فیصلہ کو قبول تو کرے مگر عمل نہ کرے سستی کر جائے اور اس بناء پر اپنے کو گنہگار بھی سمجھے وہ کافر نہیں بلکہ گنہگار ہے۔ قبول نہ کرنا اور ہے عمل نہ کرنا کچھ اور۔ **گیارہواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور کا ہر حکم برحق ہے۔ جس کا ماننا لازم مگر حدیث شریف میں ہے کہ حضور نے فرمایا اگر کوئی تیز زبان اپنی چرب زبانی کی بناء پر مجھ سے غلط

فیصلہ کرائے اور اس فیصلہ کی بناء پر کسی کی چیز پر قبضہ کرے تو اس کے لئے یہ چیز حلال نہ ہوگی وہ اس کے لئے دوزخ کا ٹکڑا ہے۔ معلوم ہوا کہ نبی کا ہر فیصلہ قابل عمل نہیں ہوتا۔ آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب:** نبی کے حکم اور فیصلہ میں فرق ہے۔ حکم عام ہے فیصلہ خاص۔ فیصلہ وہ اٹل حکم ہے جو اپنے علم کی بناء پر دیا جائے جھوٹی گواہی قائم کرکے جو حکم حاصل کر لیا گیا وہ **قضیت** میں داخل نہیں۔ حضور کے مشورہ حضور کے ایسے احکام اس آیت سے خارج ہیں قرآن کریم کے مشورے والے احکام واجب العمل نہیں۔ جیسے **اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ**۔

تفسیر صوفیانہ: حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات الٰہی مظہر صفات الٰہی ہیں۔ مظہر میں ذات کی جھلک ہوتی ہے۔ جب شیشہ سورج کے سامنے ہو جائے تو وہ مظہر آفتاب بن جاتا ہے کہ اس میں روشنی گرمی شعاعیں سب نمودار ہو جاتی ہیں۔ رب کی صفات عالیہ میں سے یہ ہے کہ اس کا ہر حکم بلا چون و چرا مانا جائے تو حضور کی شان میں بھی یہی جھلک نظر آنی چاہئے کہ آپ کی ہر بات بلا جرح مانی جائے رب کی صفت ہے کہ ہر مخلوق اس کے دروازے کی بھکاری ہے تو حضور میں بھی یہ تجلی نظر آنا چاہئے کہ ساری مخلوق آپ کے در کی بھکاری ہو۔ رب کی شان تو یہ ہے کہ اس کے حکم پر ناراضی بھی کفر ہے تو حضور کی شان میں یہ بات ہونی چاہئے کہ آپ کے فیصلہ سے ناراضی کفر ہو رب تعالیٰ نے یہاں اپنے محبوب کا مظہر ذات الٰہی ہونا ثابت فرمایا۔ حضور کی سنتوں کی پیروی ایمان کی جان ہے۔ یہاں تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے اپنے تک پہنچنے کے تمام راستے بند کر دیئے ہیں صرف ایک راستہ باقی رکھا ہے وہ اس کے حبیب کی اطاعت ہے جو ان کے خیمہ سے الگ رہا۔ رب تک نہ پہنچا نیز فرماتے کہ حضور ہر وقت ہر جگہ ہر مخلوق کے حاکم مطلق ہیں۔ حتی کہ حضور ہمارے اجسام ہمارے دل ہماری ارواح ہماری اولاد و اموال کے مالک و حاکم ہیں۔ جسم عالم مادیات کی چیز ہے۔ روح عالم امر کا پرندہ مگر حضور کا حکم ان دونوں پر جاری ہے۔ دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر لوگوں کی ارواح اجسام قلوب و نفوس میں جھگڑا ہو تو اے محبوب آپ کو ان کے درمیان حاکم مانیں۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ جو شخص حضور کی سنتوں کا متبع ہوگا رب تعالیٰ اسے چار نعمتیں عطا فرمائے گا۔ صالحین کے دلوں میں اس کی محبت فاسقین کے دلوں میں اس کی ہیبت رزق میں برکت اور وسعت دین میں تفقہ۔ یہ اب بھی تجربہ ہو رہا ہے کہ جو حضور کے آستانہ کے ہو گئے انہیں یہ چاروں نعمتیں مل گئیں۔ صوفیاء تو فرماتے ہیں کہ حضور کی محبوبیت خدا تعالیٰ کی محبوبیت سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے دلوں میں رب کی ہیبت کا غلبہ ہے حضور کی محبت کا عشق شوق ذوق کے حضور مرکز ہیں۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

معنی حرفم کنی تحقیق اگر! بنگری بادیدہ صدیق اگر
قوت قلب و جگر گردد نبی از خدا محبوب تر آید نبی

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی! کشتی و دریا و طوفانم توئی!
زانکہ ملت راحیات از عشق اوست برگ ساز کائنات از عشق اوست

اور فرماتے ہیں۔

مقامش عبدہٗ آمد و لیکن جہان شوق را پروردگار است

یہاں پروردگار بمعنی پرورش فرمانے والا ہے۔ قرآن کریم نے ماں باپ کو مولیٰ آقا بادشاہ کو رب فرمایا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبدہٗ ورسولہٗ ہیں مگر عالم عشق کی پرورش و تربیت آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مخلوق پر بعد خدا تعالیٰ سب سے زیادہ اطاعات حضور کی ضروری ہے۔ کیونکہ حضور جان عالم ہیں اور باقی جسم ہیں جسم پر سب سے زیادہ حق جان کا ہے اور فرماتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر مجرم کسی قسم کا جرم کرکے تمہارے آستانہ پر آجاوے تو اللہ کو پائے گا۔ مگر کس شان میں تواباً رحیماً والی شان میں حضور کی گلی میں ہر چیز ملتی ہے۔

اللہ کو بھی پایا مولیٰ تیری گلی میں

حضور انور اللہ تعالیٰ کا پتہ ہیں۔ حضور سے مل کر خدا سے ملو۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ
اور اگر تحقیق ہم فرض کر دیتے اوپر ان کے یہ کہ قتل کر دو جانوں اپنی کو یا نکل جاؤ اپنے گھروں سے تو نہ کرتے وہ
اور اگر ہم ان پر فرض کرتے کہ اپنے آپ کو قتل کر دو یا اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل جاؤ تو ان میں تھوڑے ہی ایسا
اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾
لوگ یہ کام مگر تھوڑے ان میں سے اور اگر تحقیق وہ کرتے وہ کام کہ نصیحت کیے جاتے ہیں وہ جس کی تو ہوتا بہتر واسطے انکے
کرتے اور اگر وہ کرتے جس بات کی انہیں نصیحت دی جاتی ہے تو اس میں ان کا بھلا تھا اور ایمان پر خوب جمنا
وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ وَّلَهَدَيْنٰھُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾
اور بہت ثابت قدم رہنا اور تب تو ہم دیتے انکو اپنے پاس سے ثواب بڑا اور البتہ ہدایت دیتے ہم انکو سیدھے راستہ کی
اور ایسا ہوتا تو ضرور ہم انہیں اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتے اور ضرور انہیں سیدھی راہ کی ہدایت کرتے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں گنہگاروں کو توبہ کا طریقہ سکھایا تھا یعنی حضور کے آستانہ پر آکر رب سے معافی مانگنا اور حضور کا شفاعت فرمانا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ ہمارا کرم ہے کہ تم پر توبہ کو آسان فرمایا اگر توبہ کے لئے تم پر جان دے دینا یا وطن چھوڑ دینا فرض کر دیا جاتا تو تم کو مصیبت پڑ جاتی غرضیکہ پہلے توبہ کا طریقہ بتایا اب اس طریقہ کا سہل ہونا بتایا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اے محبوب تمہارا آستانہ رب تعالیٰ کی رحمت یا رب تعالیٰ کے ملنے کا دروازہ ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ چونکہ تم رحمت اللعالمین ہو اس لئے تمہاری امت کے لئے نہایت آسان ذریعے مقرر کر دیئے گئے ہیں اگر پچھلی امتوں کی طرح قتل جان اور ترک وطن ہم سے ملنے کا ذریعہ ہوتا تو مشکل پڑ جاتی گویا پچھلی آیت میں حضور کی نعت تھی اب حضور کی امت کی منقبت ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں منافقوں کو حکم تھا کہ ہمارے محبوب کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس میں تمہاری بھلائی ہے اس سے تمہارے عیب چھپے رہیں گے اگر تم پر اپنی جان دے دینا یا مدینہ چھوڑ دینا فرض کر دیا جاوے تو یہ نہ کر سکو گے جس سے تمہارا نفاق ظاہر ہو جاوے گا اور تم بدنام ہو جاؤ گے۔

شان نزول: حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس، حضرت عمر ابن مسعود، عمار ابن یاسر وغیرھم صحابہ کرام کا کچھ یہود مدینہ سے مناظرہ ہوا یہودی بولا کہ ہم اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے ایسے مطیع ہیں کہ انہوں نے ہم کو ایک خطا کی معافی کے لئے جان دیدینے کو کہا تو ہم نے بلا پس و پیش اپنے کو قتل کے لئے پیش کردیا اور ستر ہزار اسرائیلی قتل ہوگئے اور تمہارا یہ حال ہے کہ تمہارے نبی تم کو جہاد کا حکم دیتے ہیں۔ جس میں ہر طرح تمہارا بھلا ہی ہے تو تم میں سے بعض لوگ پس و پیش کرتے ہیں۔ ان بزرگوں نے فرمایا کہ اس رب کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں ہماری جانیں ہیں اگر ہم کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان دے دینے یا گھربار چھوڑ دینے کا حکم دیں تو ہم کو تعمیل ارشاد میں بالکل تامل نہ ہو ان کی تائید اور منافقین کی برائی میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان حضرات کی یہ گفتگو پہنچائی گئی تو فرمایا کہ میری امت میں ایسے لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم اگر حضور ہم کو یہ حکم دیدیتے تو ہم اپنی جانوں پر فوراً" کھیل جاتے مگر حضور نے یہ حکم دیا نہیں (تفسیر خازن، تفسیر کبیر، تفسیر روح المعانی وغیرہ) تفسیر بغوی میں صرف ثابت ابن قیس کا ذکر ہے۔

تفسیر: **ولو انا کتبنا علیھم** یہ جملہ گزشتہ جملوں سے علیحدہ ہے واؤ ستیانہ فیہ ہے لو اس شرط و جزا پر بولا جاتا ہے جو دونوں موجود نہ ہوں یا نہ ہو سکیں کبھی بمعنی ان بھی آتا ہے۔ کتبنا کتب یا کتابتہ سے بنا بمعنی لکھنا یا لکھ دینا یا لکھ رکھنا لازم کرنے کو کتابتہ کہہ دیتے ہیں کیونکہ ضروری و لازم حکم لکھ کردیا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **کتب علیکم الصیام** یہاں اس آخری معنی میں ہے علیھم کا علیٰ اس معنی کی تائید کررہا ہے کیونکہ جب کتابت کے بعد علیٰ ہو تو وہ بمعنی لازم کردینا ہوتا ہے ھم ضمیر یا تو سارے اس وقت کے کلمہ گوؤں کی طرف لوٹتی ہے جن میں منافقین بھی شامل کئے گئے ہیں یا صرف منافقین کی طرف یا تاقیامت سارے مسلمانوں کی طرف **ان اقتلوا انفسکم** یہ عبارت اپنے اگلے معطوف سے مل کر کتبنا کا مفعول بہ ہے قتل نفس سے مراد توبہ کے وقت اپنے کو قتل کے لئے پیش کرنا ہے جیسا کہ بنی اسرائیل نے جب بچھڑے کی پوجا سے توبہ کرنی چاہی تو انہیں یہ ہی حکم دیا گیا خود کشی کرلینا مراد نہیں نہ جہاد میں جانا مراد ہے کہ خود کشی تو ہر دین میں حرام رہی اور جہاد کا حکم اسلام میں بھی ہے پھر لو کے معنی کیسے درست ہوں گے **او اخرجوا من دیارکم** یہ عبارت اقتلو پر معطوف ہے اور کتبنا کا مفعول دیار دار کی جمع ہے بمعنی گھر وطن کو دیار کہتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کے گھروں کا مجموعہ ہوتا ہے یہاں بھی وطن چھوڑ دینے سے مراد اسلامی ہجرت نہیں کہ وہ تو بوقت ضرورت اسلام میں فرض ہے مہاجرین صحابہ نے ترک وطن جہاد سے کچھ کیا توبہ کیلئے ترک وطن کرانا مراد ہے جیسے ایک موقعہ پر یہود کو مصر سے نکل جانے یا دیس نکالے کا حکم دیا گیا تھا۔ **ما فعلوہ الا قلیل منھم** یہ عبارت لو مذکورہ کی جزا ہے فعلوا کا فاعل وہ ہی ہے جو علیھم کی ضمیر کا مرجع تھا یعنی منافقین یا اس وقت کے عام کلمہ گو مخلصین و منافقین کا مجموعہ یا تاقیامت مسلمان ہ کا مرجع قتل و ترک وطن ہے قلیل ہماری قرأت میں پیش سے ہے۔ فعلوہ کے فاعل کا بدل اور بعض قرأتوں میں قلیلا " فتح سے ہے فعلو کے فاعل سے استثناء منھم کا مرجع وہ منافقین ہیں یا مخلصین و منافقین کا مجموعہ یعنی اے محبوب اگر ہم ان منافقین پر اس جرم کی توبہ میں اپنے کو قتل کے لئے پیش کردینا یا ترک وطن کردینا فرض کردیتے تو عام منافق یہ نہ کرتے ہاں ان میں سے بعض پکے منافق تقیہ کے طور پر اپنا نفاق چھپانے کے لئے کرلیتے یا اے محبوب اگر ہم ان کلمہ گوؤں پر دیگر عبارتوں کی طرح توبہ کے وقت قتل یا ترک وطن فرض کردیتے تو اس پر عمل صرف تھوڑے ہی کرتے یعنی مخلصین

صحابہ مہاجرین وانصار رب بے منافقین وہ کبھی اس پر عمل نہ کرتے یہ دوسری تفسیر قوی ہے کیونکہ ابن ابی حاتم۔ شریح ابن عبید وغیرہم محدثین نے مختلف اسنادوں سے نقل فرمایا کہ جب یہ آیت کریمہ اتری تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق' عبد اللہ ابن رواحہ عبد اللہ ابن ام مکتوم وغیرہم صحابہ کرام کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ لوگ اس قلیل میں داخل ہیں اگر قتل جان اور ترک وطن کا حکم دیا جاتا تو یہ لوگ کر لیتے (روح المعانی) **ولو انہم فعلو ما یوعظون بہ** یہ علیحدہ جملہ ہے اس جملہ مذکورہ کی تائید یا اس کے فوائد بیان فرمانے کے لئے ارشاد ہوا **انہم** کا مرجع یا تو وہی منافقین ہیں جن کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے تب تو **لو** اپنے معنی میں ہے یا تمام لوگ مرجع میں تو **لو** بمعنی **ان** ہے **ما یوعظون** سے مراد یا تو سارے قرآن وحدیث کے احکام ہیں جن پر وعدے وعیدیں کی گئی ہیں یا وہ ہی احکام مراد ہیں جن کا ذکر ابھی ہو چکا یعنی اپنے ہر اختلاف میں حضور کو حاکم ماننا اور آپ کے حکم سے راضی ہونا **لکان خیرا لہم و اشد تثبیتا** "۔ یہ جملہ **لو** کی جزاء ہے خیر سے مراد دین و دنیا کی بھلائی **تثبیتا**" کے معنی ہیں ایمان پر جم جانا اسلام پر قائم رہنا کہ رنج و غم راحت و خوشی 'فقیری امیری کسی حالت میں انسان اسلام نہ چھوڑے اور اس کے دل میں اسلام کے متعلق کوئی شک و شبہ نہ رہے۔ رب فرماتا ہے **والذین اھتدوا زادھم ھدی** یعنی اگر یہ منافقین تمام قرآنی وحدیثی احکام پر عمل کر لیتے تو ان کے لئے دین و دنیا میں بہتری ہوتی کہ دنیا میں رب تعالیٰ ان سے راضی ہو جاتا آخرت میں انہیں جنت عطا فرماتا اور یہ عمل ان کے لئے اسلام پر ثابت قدمی کا باعث ہوتا کہ اس کی برکت سے وہ اسلام پر قائم رہتے ایمان پر مرتے اور مومنوں کے زمرہ میں قیامت میں اٹھتے مگر نہ انہوں نے احکام پر عمل کیا نہ انہیں یہ نعمتیں ملیں یا اگر یہ کلمہ پڑھنے والے مخلصین وغیرہم اللہ کے رسول کے احکام پر عمل کریں تو ان کے لئے دین و دنیا میں بہتری ہو اور پختگی ایمان کا ذریعہ پہلی صورت میں **لو** اپنے معنی میں ہے۔ دوسری صورت میں بمعنی **ان** ہے۔ **واذا لاتینھم من لدنا اجرا عظیما** " یہ جملہ **لکان خیرا** " پر معطوف ہے **اذا** ظرف ہے اجر عظیم سے مراد رضاء الٰہی یا جنت میں دیدار الٰہی ہے **من لدنا** فرما کر اس اجر کی عظمت کا ذکر فرما دیا کہ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق کسی کو جزاء و انعام دے سکتا ہے سوچ لو کہ ہم رب العالمین قدیر مطلق اسے کیا اجر دیں گے یعنی یہ اطاعت و فرمانبرداری بذات خود اچھی ہے اور پختگی ایمان کا باعث اس کے سوا خوبی یہ ہے کہ ہم ایسے عاملوں کو اپنی طرف سے اپنی شان کے لائق ثواب عظیم عطا فرماتے ہیں یا عطا فرمائیں گے جو ثواب بندوں کی عقل و فہم سے وراء ہے **ولھدینا ھم صراطا مستقیما** " یہ چوتھے انعام کا ذکر ہے ہدایت سے مراد ایمان کا خاص مرتبہ ہے جو عاملین متقین کو دیا جاتا ہے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے علم پر عمل بھی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ علوم دیتا ہے جو اب تک اسے حاصل نہ تھے اس صورت میں صراط مستقیم سے مراد رب تک پہنچنے کا راستہ ہے یا یہ قیامت کا ذکر ہے اور صراط مستقیم سے جنت تک پہنچانے والا راستہ مراد ہے یا جنت میں اپنے اس کے گھر تک پہنچانے والا راہ مراد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مومن اپنے گھر میں اس طرح بے تکلف پہنچے گا جیسے یہاں ہمیشہ سے رہتا ہے یعنی اگر یہ لوگ ہمارے احکام پر عمل کریں تو ہم ان کو دنیا یا آخرت یا دونوں جہان میں سیدھے راہ کی ہدایت فرما دیں جس سے وہ نہ دنیا میں بھٹکیں نہ آخرت میں گھبرائیں۔

خلاصہ تفسیر : گزشتہ تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے کہ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں اگر یہ آیات منافقین کے متعلق ہے تو ان کی تفسیر کچھ اور ہے اور اگر عام لوگوں کے متعلق ہے تو تفسیر کچھ اور ہم یہاں دو تفسیریں عرض کرتے ہیں۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے جو آسان حکم ان منافقوں کو دیئے یعنی آپ سے اپنے فیصلے کرانا اور پھر ان فیصلوں پر راضی ہو جانا تو یہ

کے لئے آپ کے در دولت پر حاضری ہو یہ منافقوں کو یہ ہی بھاری ہیں اگر ہم ان کو حکم یہ دے دیتے کہ توبہ کے لئے اپنے جانوں کی قربانی پیش کرو یا دیس چھوڑ کر جنگل میں مارے مارے پھرو تو ان پر کیسی بنتی پھر تو یہ کبھی نہ کرتے ہاں ان میں جو پرلے درجے کے منافق ہیں وہ ہی تقیہ کے لئے ایسا کرتے وہ بھی بہت تھوڑے ہیں اگر یہ منافق اللہ رسول کے فرمانوں پر عمل کرتے تو ان کے لئے دین و دنیا میں بہتری بھی ہوتی یہ ایمان پر جم بھی جاتے اور ہم انہیں اپنے خاص کرم سے بڑا ثواب بھی عطا فرماتے اور انہیں دین و دنیا میں سیدھا راستہ بھی دکھاتے جو دنیا میں ہم تک اور آخرت میں جنت تک انہیں پہنچاتا مگر انہوں نے ہمارے احکام مانے ہی نہیں اس لئے وہ ان چاروں نعمتوں سے محروم رہے۔

دوسری تفسیر : اگر ہم ان کلمہ گو حضرات پر گزشتہ امتوں کی طرح جان کی قربانی دینی دیس چھوڑنا فرض کردیں تو ان میں سے تھوڑے لوگ یعنی مخلص صحابہ انصار و مہاجرین ہی عمل کریں جیسا کہ یہ پہلے اس قسم کے سخت احکام پر عمل کرکے دکھا چکے ہیں اور بہت سے لوگ یعنی منافقین کبھی عمل نہ کریں اگر یہ لوگ ہمارے اور ہمارے محبوب کے احکام پر عمل پیرا ہوں تو یہ ان کے لئے دین و دنیا میں بہتر ہو اور اس سے انہیں ایمان پر استقامت نصیب ہو اس کے علاوہ ہم انہیں بڑا ثواب بھی دیں جو ان کے عقل سے وراء ہے اور انہیں وہ سیدھا راہ دکھائیں جو دنیا میں انہیں ہم تک پہنچادے آخرت میں جنت تک پہنچادے اور ہمارے دیدار کے لائق بنادے غرض کہ ہماری اطاعت صدہا رحمتوں کا باعث ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اسلام میں خودکشی درست نہیں یوں ہی شہر چھوڑ کر بن باشی ہو جانا اسے عبادت سمجھنا درست نہیں اس طرح ترک دنیا عبادت نہیں دنیا میں رہ کر دیندار بننا عبادت ہے جیسا کہ **ولو انا** کے ایک معنی سے معلوم ہوا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے سردار ہیں مگر ساتھ میں دنیا میں مشغولیت بھی رکھتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** صحابہ کرام پختہ مومن اور جانباز سپاہی تھے کہ اللہ رسول کے حکم پر جان پر کھیل جانا ہر مصیبت برداشت کرجانا ان کا محبوب مشغلہ تھا جیسا کہ **الا قلیل** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** صحابہ کی پختگی ایمان ان کا ہر سخت و نرم احکام سر جھکا دینا اس پر رب تعالیٰ گواہ ہے جو ان بزرگوں کے ان صفات کا انکار کرے وہ اس آیت کا انکاری ہے یہ فائدہ بھی **الا قلیل** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا لہذا کوئی دوسرا مسلمان کیسا ہی متقی ہو ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ ان کا ایمان ان کا تقویٰ ان کی جانبازی ان کی فداکاری رجسٹری شدہ ہے قرآن مجید جس پر گواہ ہے۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ رسول کی فرمانبرداری ایمان میں پختگی پیدا کرتی ہے جیسا کہ **اشد تثبیتا** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ رسول کی اطاعت دین و دنیا کی بھلائی کا باعث ہے اس سے دنیا میں عزت روزی میں برکت اچھا پرچہ ایمان پر خاتمہ آخرت میں اچھوں کا ساتھ نصیب ہوتا ہے جیسا کہ لکان خیرا لہم سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ رسول کی اطاعت سے ہمارا ہی فائدہ ہے نہ کہ اللہ رسول کا وہ ہم سے بے نیاز ہیں ہم ہی ان کے نیازمند ہیں یہ خیرا لہم کے لام سے معلوم ہوا اگر تمام دنیا کافر ہو جاوے تو نہ رب تعالیٰ کی الوہیت میں کمی آسکتی ہے نہ حضور کی نبوت میں اور اگر تمام دنیا مومن متقی ہو جاوے تو نہ رب تعالیٰ کی الوہیت میں کچھ زیادتی ہو سکتی ہے نہ حضور کی نبوت میں۔ **ساتواں فائدہ:** اللہ رسول کی اطاعت سے وہ ثواب ملتا ہے جو ہمارے وہم و گمان سے وراء ہے جیسا کہ اجرا" عظیما" سے معلوم ہوا رب تعالیٰ نے دنیا کی تمام نعمتوں کو قلیل فرمایا مگر ان کے اجر کو عظیم فرمایا جسے رب تعالیٰ عظیم فرماوے اسے ہم ضعیفوں

کے ضعیف عقل کیسے معلوم کر سکتے ہیں۔ **اٹھواں فائدہ:** سارے صحابہ ولی اور مقبول بارگاہ الہی تھے کیونکہ اللہ رسول کی اطاعت پر یہاں بہت سے انعامات کا وعدہ ہے اور وہ تو اللہ رسول کے سچے پکے مطیع تھے جس پر قرآن کریم گواہ ہے لہذا وہ ان انعامات کے اول درجہ کے مستحق ہوئے ان کے مراتب کسی کے وہم گمان میں نہیں آسکتے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ عام صحابہ کرام شدت میں حضور کا ساتھ نہ دیتے تھے دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں فرمایا کہ اگر ہم ان پر سخت احکام بھیجتے تو یہ اس پر عمل نہ کرتے سواء تھوڑے حضرات کے وہ تھوڑے کون حضرت علی و عباس و بلال وغیرہ چار پانچ حضرات (شیعہ)۔ **جواب:** اس آیت کی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں روئے سخن منافقوں کی طرف ہے یعنی اگر ان منافقوں پر ایسے سخت احکام آتے تو سواء چند پختہ منافقوں کے جو تقیہ کر کے انہیں برداشت کر لیتے باقی سب منہ پھیر جاتے اور اگر روئے سخن صحابہ کرام سے بھی ہو تب بھی مطلب ظاہر ہے کہ سخت احکام صرف یہ صحابہ کرام ہی برداشت کرتے جو ان منافقوں اور کافروں کی نسبت سے تھوڑے ہیں ان حضرات کی جاں نثاری جانبازی تو بدر و احد کے میدانوں سے پوچھو یرموک و قادسیہ کے ذروں سے معلوم کرو انہوں نے تو فدا کاری کا وہ ریکارڈ قائم کیا ہے کہ چشم فلک نے بھی اس سے پیشتر نہ دیکھا تھا۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ثابت قدم رہنے والے صحابہ بس دو چار ہی تھے باقی سب وقت پر دھوکہ دے جانے والے کہ رب تعالیٰ نے انہیں قلیل فرمایا۔ **جواب:** یہاں قلیل فرمانا کفار کے مقابلہ میں ہے اور ہمیشہ کفار مخلصین سے زیادہ رہے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **وقلیل من عبادی الشکور** میرے بہت تھوڑے بندے شکر گزار ہیں تو کیا شیعہ حضرات بھی دو چار ہی ہیں جیسے آج کروڑوں شیعہ حضرات اس قلیل میں داخل ہیں ویسے ہی وہ ہزارہا صحابہ اس قلیل میں داخل ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قتل نفس اور ترک وطن اسلام میں فرض نہیں ہوئے بلکہ ممنوع ہیں حالانکہ اسلام میں جہاد بھی فرض ہے اور ضرورت پر ہجرت بھی ضروری صحابہ کرام نے دونوں کام کئے ہیں پھر آیت کا مطلب کیا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ ان دونوں سے مراد توبہ کے وقت اپنے کو قتل کے لئے پیش کر دینا ہے جیسا کہ بنی اسرائیل پر لازم تھا اور بن باشی ہو کر سادھوؤں کی سی زندگی گزارنا جیسے کہ آج ہندوؤں میں مروج ہے وہ یہاں مراد ہے ورنہ صحابہ نے ہجرت میں ترک وطن بھی کیا اور بارہا جہادوں میں وہ حضرات اپنی جان پر کھیل بھی گئے اور زانی و قاتل کو چاہئے کہ اپنے کو حاکم اسلام کے سامنے سزا کے لئے پیش کر دے یہ تمام چیزیں اس حکم سے علیحدہ ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا کہ اگر وہ حضرات اس پر عمل کر لیتے تو انہیں سیدھے راستے کی ہدایت دی جاتی تو کیا وہ حضرات سیدھے راستہ پر نہ تھے اگر تھے تو تحصیل حاصل ناممکن ہے۔ **جواب:** یہاں روئے سخن منافقین سے ہے کہ اگر وہ منافق اللہ رسول کی اطاعت کر لیتے تو سیدھے راستے یعنی اسلام کی ہدایت پا لیتے اور اگر صحابہ کرام سے بھی خطاب ہو تو خطاب ان سے ہے سنانا ہم تمام لوگوں کو ہے رب تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے **یا ایھا النبی اتق اللہ** اے نبی اللہ سے ڈرو اس میں ہم کو نمائش ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں **من لدنا** کیوں فرمایا گیا کہ ہم ان کو اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتے ثواب تو رب تعالیٰ کے پاس سے ہی ملتا ہے۔ **جواب:** یہ اس ثواب کی شان ظاہر کرنے کے لئے فرمایا گیا کہ ہر شخص اپنی حیثیت کے لائق انعام دے سکتا ہے۔ بتاؤ جو انعام ہم دیں وہ کیسا ہو گا اور ممکن ہے کہ دوسرے ثواب فرشتوں کے ذریعہ دلوائے جاویں اور اس کا ثواب

بلاواسطہ فرشتہ عطا ہو جنت میں ساری نعمتیں ذریعوں وسیلوں سے ملیں گی مگر دیدار الٰہی براہ راست رب کا عطیہ ہو گا آج خاص تمغے بادشاہ خود اپنے ہاتھ سے سپاہی کے سینہ پر لگاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : نفس کی خواہشیں پوری کرنا اس کی صفات کو فنا کر دینا قتل نفس ہے اور دل کو اس کی محبوب دنیا سے الگ کر دینا اسے صبر توکل' رضا' تسلیم کی دنیا میں بسانا یہ گویا دل کا ترک وطن ہے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ہم ہر مسلمان پر نفس کی پوری مخالفت دل کو دنیا سے دور رکھنا واجب کر دیتے تو تھوڑے ہی اللہ والے اس پر عمل کرتے کہ یہ عمل ہر ایک کا کام نہیں جہاد کفار آسان ہے جہاد نفس مشکل صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگر تم نے اپنی عمر اپنی باطن کی صفائی میں ہی گذار دی تو فنائی التوحید کی باری کب آوے گی۔

جان عارف دوست را طالب شدہ — نور حق بر ہستیش غالب شدہ!
پر تو ذات از حجاب کبریا — کرد اورا غرق در بحر فنا

صوفیاء فرماتے ہیں کہ ڈر سے تو سرکش غلام بھی اطاعت کر لیتا ہے اور لالچ سے مزدور بھی محنت کر لیتا ہے۔ طالب مولیٰ وہ ہے جس کی اطاعت ڈر اور لالچ کی اطاعت نہ ہو رب کو رب کے لئے پوجے اس آیت میں یہی ارشاد ہے کہ جو اس قتل نفس اور اس ترک وطن پر دلیر ہو جاوے تو وہ ہمارا ہے ہم اسے ثابت قدمی اپنی ذات تک پہنچنے کا راستہ اور اپنے پاس سے خاص اجر عطا فرمائیں گے **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا** ہم اپنا راہ اسے بتاتے ہیں جو ہمارے لئے جہاد کرے رب تعالیٰ اس قال کو حال بنادے (از روح البیان)۔

وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ
اور وہ جو اطاعت کرے اللہ اور رسول کی پس یہ لوگ ساتھ ہیں انکے جن پر انعام کیا اللہ نے انبیاء
اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی
النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ‌ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓـئِكَ رَفِيۡقًا ؕ ﴿۶۹﴾
صدیقین اور شہید لوگ اور نیک کار اور اچھے ہیں یہ لوگ ساتھی
انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں
ذٰ لِكَ الۡـفَضۡلُ مِنَ اللّٰهِ‌ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيۡمًا ﴿۷۰﴾
یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور کافی ہے اللہ علم والا
یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کافی ہے جاننے والا

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ رسول کی اطاعت کا تاکیدی حکم دیا گیا اب اس اطاعت کے نتیجہ کا ذکر ہے کیونکہ انسان نتیجہ کی امید پر محنت کرتا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ رسول کی اطاعت نہ کرنے والوں کی سزا کا ذکر تھا اب اطاعت کرنے والوں کی جزا و ثواب کا ذکر ہے کہ بعض لوگ ڈر سے مانتے ہیں

بعض لالچ سے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ رسول کی اطاعت کے دنیاوی فوائد کا ذکر تھا اب اخروی فوائد کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات مطیعوں کے لئے تھیں یہ آیت کریمہ عاشقوں کے لئے ہے کہ وہاں انعاموں کے تذکرے تھے اور یہاں انعام والوں کی ہمراہی و معیت کا تذکرہ ہے۔ جس کے لئے عشاق ترستے ہیں مگر چونکہ انعام لینے والے زیادہ ہوتے ہیں عشاق کم اس لئے پہلے انعاموں کا ذکر ہوا بعد میں اس کا۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ہم اطاعت والوں کو سیدھے راستہ کی ہدایت دیں گے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم انہیں رہبروں کا ساتھ عطا فرمائیں گے۔ انسان سیدھے راستہ اور رہبر کی راہبری سے ہی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

شان نزول : اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں' ایک یہ کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور کے ایسے عاشق تھے کہ آپ کے بغیر انہیں چین نہ آتا تھا ایک دن حاضر بارگاہ ہوئے تو ان کا رنگ اڑا ہوا تھا چہرہ اترا ہوا' جسم دبلا شکل سے آثار غم نمودار۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ثوبان کیا حال ہے عرض کیا کہ بیمار عشق ہوں اس کے سواء اور کوئی بیماری مجھے نہیں حضور میرا حال یہ ہے کہ ایک آن کے لئے آپ کی جدائی مجھے شاق ہے۔ جب مجھے آخرت کا خیال آتا ہے تو سوچتا ہوں کہ اگر میں بخشا بھی گیا اور رب نے اپنے کرم سے مجھے جنت دے بھی دی تو جنت میں آپ کا مقام بہت بلند و بالا ہو گا میں خدام کے درجہ میں بہت نیچے ہوؤں گا تو آپ کی ملاقات نہ کر سکوں گا' میرے لئے تو آپ کی جدائی کی وجہ سے جنت دوزخ بن جائے گی تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن' مدارک' روح المعانی' روح البیان' خزائن العرفان اور بیضاوی وغیرہ)۔ دوسری یہ کہ بعض انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو جنت کا شوق نہیں ہمیں تو آپ کے دیدار کا اشتیاق ہے جب جنت میں آپ نبیوں کے ساتھ ہوں گے ہم امتیوں کے ساتھ تو ہم صبر کیسے کریں گے تب یہ آیت نازل ہوئی (کبیر)۔ تیسری روایت یہ ہے کہ امام مقاتل فرماتے ہیں کہ ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ جب آپ گھر میں تشریف لے جاتے ہیں تو مجبوراً مجھے بھی اپنے گھر جانا پڑتا ہے مگر مجھے نہ تو بچے اچھے معلوم ہوتے ہیں نہ گھر بار جب تک کہ آپ کو آ کر دیکھ نہ لوں قرار نہیں آتا' حضور جنت میں کیا بنے گا یہاں تو حضور ہم غلاموں کے ساتھ رہتے ہیں وہاں بھلا ہم کہاں آپ کہاں پھر میرے قرار دل کی صورت کیا ہو گی تب یہ آیت اتری۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو ان کے کسی بیٹے نے وفات کی خبر دی تو بولے الٰہی اب مجھے نابینا کر دے تاکہ مدینہ کو تیرے محبوب سے خالی نہ دیکھوں چنانچہ اسی وقت نابینا ہو گئے۔ پھر اللہ نے انہیں حضور کے ساتھ ہی رکھا۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر : **و من یطع اللہ والرسول** واو ابتدائیہ ہے من موصولہ اس سے مراد یا تو سارے انسان ہیں تو اطاعت سے مراد ایمان و اعمال میں پیروی کرنا ہے یا من سے مراد سارے مسلمان ہیں تو اطاعت سے مراد اعمال میں اطاعت ہے اطاعت و عبادت میں فرق بیان ہو چکا الرسول سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ الف لام مضاف الیہ کا عوض بھی ہو سکتا ہے اللہ اس کا مضاف الیہ ہو یا خلق اللہ یعنی جو انسان یا جو مسلمان اللہ اور ان رسول کی یا رسول اللہ کی یا ساری خلقت کے رسول کی پیروی کرے گا چونکہ من لفظاً واحد ہے اس لئے یطع واحد لایا گیا۔ رسول سے مراد نہ تو حضرت جبریل ہیں کیونکہ کوئی ان کا امتی نہیں اور نہ دوسرے انبیاء کرام کیونکہ ان کی رسالتیں منسوخ ہو گئیں اب صرف حضور کی اطاعت باعث نجات ہے رسول کے معنی

ہیں پہنچانے والا یعنی خالق سے لینے والا مخلوق کو دینے والا۔ رسول دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بے اختیار رسول جیسے حضرت جبرئیل اور بااختیار رسول جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر حضور کسی کو کچھ نہیں دیتے تو پھر وہ رسول کیسے اور اگر بے اختیار دیتے ہیں تو حضور کی رسالت اور حضرت جبرئیل کی رسالت میں کیا فرق ہے ہم حضرت جبرئیل کے امتی کیوں نہیں۔ ڈاکیہ بھی شاہی پیغام حکام تک پہنچاتا ہے حکام بھی رعایا تک وہ قانون پہنچاتے ہیں مگر ڈاکیہ بے اختیار قاصد ہے اور حکام بااختیار قاصد کہ رعایا سے عمل کراتے ہیں عمل نہ کرنے والوں کو سزا مطیعوں کو انعام دے سکتے ہیں بااختیار رسول سے مانگنا درست ہے بے اختیار سے مانگنا بیکار ہم ڈاکیہ سے نہیں کہہ سکتے کہ منی آرڈر سے زیادہ رقم دے دو۔ **فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم** چونکہ من معنی میں جمع ہے اس لئے **اولئک** اشارہ "جمع لایا گیا اور چونکہ من مبتداء میں شرط کے معنی بھی تھے اس لئے اس کی خبر **فاولئک** میں ف لائی گئی۔ مع سے مراد درجہ کی معیت نہیں کیونکہ غیرنبی کبھی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا اور حق یہ ہے کہ معیت مکانی بھی مراد نہیں۔ کیونکہ حضرات انبیاء کرام اعلیٰ علیین میں ہوں گے امتی ان سے نیچے بلکہ اس معیت سے مراد یہ حالت ہے کہ یہ لوگ جب چاہیں ان حضرات سے ملاقات گفتگو کرلیں یا ان کے نفوس اس اطاعت کی وجہ سے ایسے شفاف ہوں گے کہ نبوت و صدیقیت کی شعاعیں ان میں جلوہ گر ہوں گی۔ جیسے شفاف آئینہ زمین پر رہتے ہوئے سورج کی شعاعیں اپنے میں لے لیتا ہے حالانکہ سورج چوتھے آسمان پر ہے اس تجلی کی وجہ سے ان کو ان حضرات سے معیت حاصل ہوگی یا جیسے بادشاہوں حکام کی کوٹھی میں ان کے خدام باڈی گارڈ کے کوارٹر بھی ہوتے ہیں اور خدام بادشاہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ ایسے ہی ان مطیعوں کو حضرات انبیاء کی ہمراہی نصیب ہوگی۔ یہ فقط سمجھانے کے لئے ہے ورنہ وہ معیت و ہمراہی انشاء اللہ دیکھ کر ہی معلوم ہوگی۔ (کبیر و روح المعانی)۔ رب فرماتا ہے۔ **اخوانا " علی سرر متقبلین** یہ تختوں کا آپس میں متقابل ہونا بھی اس نوعیت کا ہوگا بہر حال معیت و تقابل فرق مراتب کے خلاف نہیں **انعم اللہ** سے مراد صرف ایمانی نعمت نہیں بلکہ نبوت صدیقیت شہادت وغیرہ کی خصوصی نعمتیں مراد ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے کہ یعنی یہ لوگ ان مقبولین بارگاہ کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے خاص انعام کیا اس طرح کہ جب چاہیں گے ان سے ملاقات کریں گے بغیر اس کے کہ یہ لوگ اوپر منتقل ہوں یا وہ حضرات نیچے آئیں **من النبین**۔ من بیانیہ ہے اور یہ عبارت **الذین انعم اللہ** کا بیان ہے۔ نبین سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جمع فرمانا یا تو تعظیم کے لئے ہے جیسے **انا لہ لحافظون** یا اس لئے ہے کہ حضور تمام انبیاء کرام کی صفات کے جامع ہیں۔ گویا آپ جماعت انبیاء ہیں حضور کے ساتھ رہنا گویا سارے نبیوں کے ساتھ رہنا ہے۔ رب تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے **انہ کان امتہ " قانتا "** اور ہو سکتا ہے کہ ایسے مطیعوں کو تمام انبیاء کرام سے قرب خصوصی میسر ہو کیونکہ حضور کی اطاعت تمام نبیوں کی اطاعت ہے اس لئے مطیع کو سارے نبیوں کا قرب بھی میسر ہوگا (روح) **والصدیقین**۔ صدیق صدق کا مبالغہ ہے جیسے ستر سے ستیر صادق وہ جو سچ بولے صدیق وہ جو سچ ہی بولے کبھی جھوٹ نہ بولے 'صادق وہ جو زبان کا سچا ہو 'صدیق وہ جو دل' دماغ' زبان و روح سب کا سچا ہو 'صادق وہ جو واقع کے مطابق کلام کرے" صدیق وہ کہ واقع اس کے کلام کے مطابق ہو۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں حضرات انبیاء کرام کو بھی صدیق کہا گیا ہے **و کان صدیقا " نبیا "** اور مومنین کو بھی **والذین امنوا باللہ و رسلہ۔ اولئک ہم الصدیقون** اور خاص مومنوں کو بھی اور انبیاء کرام کے افاضل صحابہ کو بھی جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں ابو بکر الصدیق تفسیر کبیر میں فرمایا

کہ صدیق وہ جس نے سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بغیر چون وچرا تصدیق کی اور وہ دوسرے تصدیق کرنے والوں کا مقتدا بنے وہ ابوبکر الصدیق ہی ہیں کیونکہ اگرچہ عورتوں میں پہلی مومنہ حضرت خدیجہ ہیں اور بچوں میں پہلے مومن حضرت علی ہیں۔ مگر ان کے ایمان کا اثر دوسروں پر نہیں پڑا کیونکہ یہ حضرات اہلبیت رسول تھے گھر والے اپنے بڑے کے دین پر عموماً" ہوتے ہی ہیں ابوبکر صدیق اہل بیت رسول سے نہیں اور سب سے پہلے انہوں نے حضور کی تصدیق کی تو لوگوں پر ان کی تصدیق کا اثر ہوا اور وہ ایمان لائے۔ چنانچہ ابوبکر صدیق کی تبلیغ سے بہت تھوڑی مدت میں حضرت عثمان' طلحہ' زبیر' سعد ابن ابی وقاص' عثمان ابن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایمان لائے۔ اس لئے آپ کا لقب صدیق ہوا۔ (کبیر)۔ غرضیکہ یہاں صدیقین سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں جیسے نبیین سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور نبیین کے ساتھ صدیقین فرمانے سے حضرت ابوبکر کا افضل الخلق بعد الرسل ہونا آپ کا خلیفہ بلا فصل ہونا سب ثابت ہوا (کبیر) **والشھداء** یہ صدیقین پر معطوف ہے جمع ہے شہید کی یہاں شہید سے مراد صرف راہ خدا میں مارا ہوا مسلمان مراد نہیں کہ بعض فساق وفجار بھی یہ درجہ پالیتے ہیں اور یہاں اسے صدیق کے بعد رکھا گیا نیز پیٹ کی بیماری سے مرنے والا ڈوبا ہوا طاعون سے مرنے والا بھی شہید ہے حالانکہ وہ لوگ صدیقین سے متصل نہیں بلکہ یہاں شہید سے مراد مشاہدہ جمال یار کرنے والے ہیں مگر ان آنکھوں سے نہیں بلکہ دل کی آنکھوں سے (کبیر) روح المعانی نے فرمایا کہ کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے کبھی اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے بغیر دیکھے خدا کی عبادت نہیں کی مگر اسے عیون نے عیان سے نہ دیکھا بلکہ قلوب نے ایمان سے دیکھا **والصلحین** یہ جمع ہے صالح کی بمعنی نیک کار یہاں وہ مراد ہیں جنہوں نے نیک کاری میں اپنی عمر گزاری یا صلاحیت سے بنا بمعنی لیاقت و قابلیت یعنی رب تعالیٰ کے قرب خصوصی کی قابلیت رکھنے والے اس سے عام نیک لوگ مراد نہیں بلکہ خاص حضرات مراد ہیں حضرت یوسف و موسیٰ علیہم السلام نے دعا کی تھی **توفنی مسلما** " **والحقنی بالصالحین** وہ حضرات مسلم یعنی مطیع اور صالح یعنی نیک کار تو پہلے ہی سے تھے روح المعانی نے فرمایا کہ یہاں نبیین سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ صدیقین سے مراد ابوبکر صدیق ہیں اور شہداء سے مراد حضرت عمر' عثمان علی ہیں اور صالحین سے مراد تمام صحابہ کرام خصوصاً مہاجرین و انصار شیخ خالد نقشبندی فرماتے ہیں کہ نبوت کا قطب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں صدیقیت کا قطب و مدار ابوبکر صدیق شہادت کا قطب و مدار حضرت عمر' ولایت کا قطب و مدار حضرت مولاء کائنات علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ آپ نے حضرت عثمان کا نام نہ لیا وہ کس چیز کا قطب ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان میں شہادت اور ولایت دونوں جمع ہیں۔ اس لئے انہیں ذوالنورین کہا جاتا ہے۔ یعنی دو نور والے' دو نور کون سے شہادت اور ولایت (رضی اللہ عنہم)' (روح المعانی)۔ **وحسن اولئک رفیقا** " یہ جملہ علیحدہ ہے۔ پہلے جملہ کی اہمیت بیان فرمانے کے لئے حسن فعل ہے اور **اولئک** فاعل رفیق فاعل کا حال یہ لفظ رفق سے بنا بمعنی نرمی و مہربانی۔ رفیق اچھے اور مہربان ساتھی کو کہتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ بہت اچھے مہربان ساتھی ہیں اور ان کا ساتھ میسر ہو جانا اللہ کی بڑی نعمت ہے اچھوں کی ہمراہی ہم بروں کو بھی پار لگا دیتی ہے۔ خیال رہے کہ رفیق واحد و جمع دونوں پر بولا جاتا ہے اس لئے یہاں رفیق واحد ہی لایا گیا۔ رفقاء جمع ارشاد نہ ہوا (معانی) اس جملہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ دنیا کی ساری نعمتوں سے یہ ساتھی اچھی نعمت ہیں کہ دنیاوی نعمتیں صرف دنیا میں ساتھ رہتی ہیں اور مرتے ہی بلکہ زندگی میں ہی ساتھ چھوڑ دیتی ہیں مگر یہ ساتھی زندگی موت حشر ہر جگہ ساتھ رہتے ہیں نیز دنیا کی نعمتیں جسم کے لئے مفید ہیں یہ ساتھی روح و دل کو مفید دوسرے یہ کہ تمام

ساتھیوں سے یہ ساتھی اچھے ہیں کیونکہ قیامت میں سارے ساتھی حتیٰ کہ جسم کے اعضا بھی دشمن ہو جائیں گے مگر یہ ساتھی وہاں بھی دوست رہیں گے۔ رب فرماتا ہے **الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدوا**۔ اور فرماتا ہے **و تکلمنا ایدیھم و تشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون** ہمارے سب سے بڑے ساتھی ہمارے اعضاء ہیں 'پھر ماں باپ 'پھر بھائی بہن 'پھر پڑوسی 'پھر اور یار دوست۔ جبکہ اعضاء ہی ساتھ چھوڑ گئے تو دوسرے ساتھیوں کا کیا پوچھنا **ذلک الفضل من اللہ** یا تو **ذالک** مبتداء ہے اور **الفضل** اس کی جزاء اور **من اللہ** فضل کی صفت یا حال یا **ذالک الفضل** مبتدا ہے اور **من اللہ** خبر ذالک سے اشارہ اس معیت کی طرف ہے جو ابھی مذکور ہوئی اگرچہ وہ ذکر میں قریب تھی مگر درجہ میں بہت بلند اس لئے ذالک بعید کا اشارہ استعمال ہوا۔ فضل وہ جو اللہ کی خاص مہربانی سے میسر ہو محض اپنی کوشش کا نتیجہ نہ ہو۔ یعنی یہ ان بزرگوں کا ساتھ اللہ کا فضل یا یہ فضل و مہربانی اللہ کی طرف سے ہے جسے وہ دے اسے ملے **و کفی باللہ علیما** "۔ **کفی** فعل ہے **اللہ** اس کا فاعل۔ جس پر ب زائدہ ہے **علیما** " لفظ اللہ کا حال یعنی اللہ کافی ہے علیم و خبیر وہ جانتا ہے کہ کون شخص ان مقبولوں کی ہمراہی کے قابل ہے کون نہیں جیسے یہ مقبول بندے رب کے چناؤ میں آچکے ہیں ایسے ہی ان کی ہمراہی کے لئے بھی خاص بندوں کا چناؤ ہو چکا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان مغموم صحابی اور تمام جانثار عاشقوں کو سنا دو کہ ہم انہیں جنت میں تم سے جدا نہ کریں گے بلکہ جو مسلمان صحیح معنی میں اللہ رسول کی اطاعت کرے گا کہ اللہ کے فرائض پر کاربند ہو گا اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچے گا اور رسول کی سنتوں کا متبع ہو گا وہ کل قیامت اور جنت میں یا قبر حشر و جنت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ' ابوبکر صدیق 'عمرو عثمان و علی اور تمام مہاجرین و انصار صحابہ کے ساتھ ہو گا' ساتھ رہے گا کہ اسے ہر وقت ان محبوبوں کے جمال کی زیارت 'ان کی ملاقات 'ان سے گفتگو میسر رہے گی اور یہ دین و دنیا میں بڑے اچھے نرم نفع پہنچانے والے ساتھی ہیں کہ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کے ساتھیوں پر بھی مہربانی فرما دیتا ہے یہ محبوبوں کی ہمراہی ان کا قرب اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے جو اس کے کرم سے ہی ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے وہ جانتا ہے کہ کون ان بزرگوں کی صحبت کے لائق ہے کون نہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور کی رسالت عامہ ہے زمین یا زمان یا کسی قوم سے خاص نہیں نیز کوئی شخص کسی مرتبہ پر پہنچ کر حضور کی اطاعت سے بے نیاز نہیں یہ فائدہ من کے عموم سے حاصل ہوا جیسے کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر سورج 'ہوا 'پانی 'غذا سے بے نیاز نہیں ایسے ہی کوئی شخص حضور سے قرآن 'نماز و احکام شرعیہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا بلکہ مر کر سورج وغیرہ سے بے نیازی ہو جاتی ہے مگر حضور کی حاجت قبر و حشر میں بھی رہتی ہے۔ خیال رہے کہ رسول صرف پیغام رساں نہیں ہوتے بلکہ انعام و فیضان رساں بھی۔ حضرت جبرئیل نے جناب مریم سے کہا تھا **انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا** "۔ معلوم ہوا کہ رسول اولاد رساں بیٹا بخشنے والے ہوتے ہیں۔ جناب موسیٰ و ہارون نے فرعون سے فرمایا **انا رسول ربک فارسل معنا بنی اسرائیل** معلوم ہوا رسول دنیا کے منتظم ہوتے ہیں اس لئے رسول کی ضرورت ہر شخص کو ہر وقت' ہر جگہ' ہر طرح ہے۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی لازم ہے یعنی فرض کے ساتھ سنت پر عمل ضروری ہے۔ قرآن کے ساتھ حدیث بھی ضروری جیسا کہ **من یطع اللہ والرسول** سے معلوم ہوا یہ دونوں اطاعتیں راہ خدا طے کرنے کے لئے ایسی ضروری ہیں جیسے گاڑی

کے لئے دو پیئے' یا انسان کے لئے دو قدم' یا پرندے کے لئے دو پر۔ ان دو اطاعتوں کے بغیر قرب الٰہی میسر ہو سکتا ہی نہیں۔ تیسرا فائدہ: اللہ کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت قبر و حشر و جنت میں اللہ کے مقبول بندوں کا قرب ہے۔ دنیا میں بھی اچھوں کی صحبت تمام نیکیوں سے اعلیٰ ہے آج کوئی شخص صحابہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کیوں صرف اس لئے کہ وہ صحبت یافتہ رسول ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم باقی نماز' روزہ وغیرہ وہ بھی ادا کرتے تھے ہم بھی ادا کرتے ہیں یہ فائدہ مع الذین الخ سے حاصل ہوا۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
یک زمانہ صحبتے با انبیاء — بہتر از لک سالہ طاعت بے ریا
یک زمانہ صحبتے با مصطفیٰ! — بہتر از سالہا طاعت بے ریا

چوتھا فائدہ: حضور کی معیت و ہمراہی گویا تمام نبیوں کی ہمراہی ہے جیسا کہ النبیین کی تفسیر سے معلوم ہوا علماء فرماتے ہیں کہ جس نے حضور کے روضہ انور کی زیارت کی اس نے گویا تمام انبیاء کرام کی قبور شریفہ کی زیارت کر لی حاصل جمع میں جمع کے سارے عدد آجاتے ہیں۔ پانچواں فائدہ: حضرت ابو بکر صدیق بعد رسل تمام خلق سے افضل ہیں۔ حضور کے پہلے خلیفہ ہیں۔ حضور کے سچے جانشین ہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے نبیین کے بعد صدیقین کا ذکر فرمایا درمیان میں فاصلہ کوئی نہ رکھا بلکہ حضرت صدیق اکبر کی قبر بھی حضور کی قبر انور سے بغیر فاصلہ ہے بالکل متصل ہے جب قبروں کی مٹی میں فاصلہ نہیں تو ان قبروں والوں میں فاصلہ کیا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہر جگہ نبی کے ساتھ صدیق کا ذکر فرمایا ہے بغیر فاصلہ۔ چھٹا فائدہ: حضرت ابو بکر صدیق اللہ رسول کے بڑے مطیع و فرمانبردار تھے کیونکہ اللہ رسول کی اطاعت کرنے والوں کو جزاء یہ دی گئی کہ انہے حضرت صدیق اکبر کا قرب نصیب ہوا تو وہ یقیناً خود بڑے مطیع ہیں۔ ساتواں فائدہ: جنت میں اگرچہ انبیاء کرام و صدیقین اعلیٰ درجہ میں ہوں گے مگر اس کے باوجود انکے غلاموں کو ان سے قرب رہے گا شرف میں سب اعلیٰ کرم میں سب سے قریب۔

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب سے قریب ہیں
کوئی کہہ دو یاس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں!

یہ فائدہ مع الذین انعم اللہ سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: مدعی محبت' عاشق رسول نہیں عشق رسول اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرما دے ہاں عشق رسول کی علامت اللہ رسول کی اطاعت ہے حضور کی سنتوں کی پیروی حضور کی ہر نسبت کی طرف دل کا کھچاؤ رب تعالیٰ نصیب فرما دے یہ فائدہ ذالک الفضل من اللہ سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے عشق رسول مانگے کیونکہ یہاں اسے الفضل من اللہ فرمایا۔ دوسری جگہ فرمایا و اسئلو من فضلہ اللہ سے اس کا فضل مانگو۔

ذرۂ عشق نبی از حق طلب — سوز صدیق و علی از حق طلب

دسواں فائدہ: انبیاء صدیق' شہداء صالحین' دین و دنیا میں ہمارے لئے نافع ہیں ان سے بہت فیوض ملتے ہیں جیسا کہ رفیقاً سے معلوم ہوا رفق کے معنی ہیں۔ نفع و رفیق نافع و نرم ساتھی اسی سے ہے۔ ارتفاق رفیق وہ ساتھی جس کا ساتھ نفع بخش ہو۔

پہلا اعتراض: لفظ من ایک ہے مگر اس کے لئے یطع واحد لایا گیا اور اولئک جمع اس کی وجہ کیا ہے؟ جواب: تفسیر

میں گزر گیا کہ من لفظ میں واحد ہے اور معنی میں جمع **یطع اللہ** میں لفظ من کا اعتبار ہے اور **اولئک** میں معنی من کا۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ رسول کی اطاعت کرنے والے نبیوں' صدیقوں' شہیدوں کے ساتھ ہوں گے تو کیا یہ لوگ ان بزرگوں کے ہم رتبہ ہیں اگر نہیں تو ساتھ ہونے کے کیا معنی۔ **جواب:** ہمراہی بہت قسم کی ہے۔ درجہ کی ہمراہی' جگہ کی ہمراہی' قرب کی' کرم کی' خدمت کی۔ یہاں درجہ کی ہمراہی مراد نہیں۔ بلکہ قرب یا خدمت کی ہمراہی مراد ہے کہ یہ مطیع لوگ ان بزرگوں سے اتنا قرب رکھیں گے کہ جب چاہیں گے ان سے ملاقات کر سکیں گے اور اگر مکانی ہمراہی مراد ہو تو یہ ہمراہی ایسی ہوگی۔ جیسے خدمتگار غلام اپنے آقا سلطان کے ساتھ رہتا ہے حتی کہ اس کا گھر بھی سلطان کے بنگلہ کے متصل ہوتا ہے کیوں خدمت کیلئے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ان اللہ مع الصابرین** یہاں بھی لفظ مع موجود ہے۔ مگر یہ ہمراہی اور ہی قسم کی ہے کرم نوازی' بندہ پروری کی ہمراہی۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ رسول کی اطاعت کرنے والے خود نبی صدیق شہید اور صالح بن جاتے ہیں تو جیسے صدیقیت' شہادۃ صالحیت تاقیامت باقی ہے کہ مسلمانوں میں یہ لوگ ہوتے ہی رہیں گے ایسے ہی نبوت بھی تاقیامت باقی ہے حضور کی امت میں نبی پیدا ہوتے رہیں گے۔ **نوٹ:** یہ قادیانی مرزائیوں کی مایہ ناز دلیل ہے اجرائے نبوت پر۔ **جواب:** یہاں ان متبعین کا نبی یا صدیق ہونے کا ذکر نہیں شہید و صالح بن جانے کا تذکرہ نہیں بلکہ نبیوں' صدیقوں کے ساتھ ہونے کا ذکر ہے تم آیت کریمہ کی تحریف کر رہے ہو نہ کہ تفسیر دیکھو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان اللہ مع الصابرین** اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ صابر لوگ خدا بن جاتے ہیں۔ رہا یہ کہ صدیقین شہداء وغیرہ تاقیامت اس امت میں ہوں گے اس کا ثبوت دوسری آیت میں ہے **اولئک ھم الصدیقون والشھداء والصالحون**۔ دیکھو یہاں نبیوں کا ذکر نہیں نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی اب کوئی نبی نہیں بن سکتا جس پر بے شمار دلائل قائم ہیں اور اگر آیۃ کریمہ کے یہی معنی ہوں کہ مطیع رسول نبی بن جاتے ہیں تو چاہئے کہ ہر مطیع رسول بن جائے چودہ سو برس میں صرف مرزا جی ہی نبی کیوں بنے' علی حیدر کرار' صدیق اکبر' عمر فاروق جیسے مطیع جب نبی نہ ہوئے تو مرزا صاحب نبی کیسے بن گئے۔ صحابہ کرام جیسا مطیع کون ہوگا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا نبی اور ہیں صدیق اور۔ یونہی شہید و صالحین اور واؤ غیریت چاہتا ہے مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صدیق شہید و صالح سب کچھ ہوتے ہیں۔ آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** نبی صدیق' شہید و صالح میں نسبت عام خاص مطلق کی ہے لہذا ہر نبی صدیق بھی ہے اور شہید بھی' صالح بھی مگر ہر صدیق نبی نہیں۔ یونہی ہر صدیق شہید و صالح ہے مگر ہر شہید صدیق نہیں یونہی ہر شہید صالح ہے مگر ہر صالح شہید نہیں۔ لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ اس کی نفیس تحقیق یہاں ہی روح المعانی و کبیر وغیرہ میں ملاحظہ فرماؤ۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں اطاعت کے ساتھ الرسول فرمایا گیا جس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مگر ہمراہی کے ذکر میں النبیین جمع ارشاد ہوا وہاں بھی مع الرسول یا معک ارشاد ہونا چاہئے تھا۔ نیز حضرت ثوبان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا قرب چاہا تھا۔ دوسرے نبیوں کے قرب کی تمنا نہ کی تھی پھر انہیں یہ جواب کیوں دیا گیا؟؟ **جواب:** یہاں النبیین سے مراد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ جیسے تفسیر میں عرض کیا گیا حضور کو النبیین فرمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان ظاہر کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کا خلاصہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی سارے نبیوں کی ہمراہی ہے۔ نیز بتانا مقصود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی کی برکت سے تمام صدیقین' شہداء کی ہمراہی بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ ہم

مدینہ منورہ حضور کے روضہ کی زیارت کے لئے جاتے ہیں مگر ان کے صدقہ میں حضرات صحابہ کرام و اہل بیت عظام کے مزارات کی زیارت سے بھی مشرف ہو جاتے ہیں اور تمام دنیا کے حجاج سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ علماء 'صالحین' اولیاء اللہ سب ہی سے ملاقات ہو جاتی ہے کیونکہ حضور کا آستانہ تمام دنیا کا مرکز ہے اسی طرح قیامت میں حضور کا آستانہ مرکز انبیاء و صدیقین و شہداء ہوگا جسے حضور کی دربانی مل جاوے وہ سب نبیوں و غرضیکہ سب سے ملاقات کرے گا۔ سب سے انعام لے گا آج بھی حضور کے بولب ہر طرف سے انعام و نذرانہ پاتے ہیں جسے وہ مل گئے اسے تو خدا بھی مل گیا خدا کرے وہ مل جائیں ہم گنہگاروں کا جھونپڑا ان کے قدم کے لائق کہاں مگر۔

جو کرم سے اپنے شہ امم رکھیں اس غریب کے گھر قدم — مرے شاہ کی نہ ہو شان کم کہ گدا پہ ان کا پیار ہے

مگر اس غریب کا غمکدہ بنے رشک خلد بریں شہا — کرے ناز اپنے نصیب پر بنے شاہ وہ جو گنوار ہے

اگر سلطان کسی دیہاتی کے جھونپڑے پر کرم کرے تو سلطان تو سلطان ہی رہتا ہے البتہ دیہاتی کی پگڑی سورج تک پہنچ جاتی ہے وہ سلطان بن جاتا ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ رسول کی اطاعت کا نتیجہ ہے ان مقبولوں کی ہمراہی مگر ساتھ ہی ارشاد ہو رہا ہے **ذلک الفضل من اللہ** یہ اللہ کا فضل ہے فضل تو وہ ہوتا ہے جو بغیر محنت' بغیر کمائی ملے یہ دونوں باتیں کیسے درست ہوئیں۔ **جواب:** ان مقبولوں کی ہمراہی اللہ تعالیٰ کے محض فضل سے ملتی ہے ہاں اس فضل کی اہلیت و لیاقت خدا رسول کی اطاعت سے میسر ہوتی غرضیکہ اطاعت سبب ہمراہی نہیں سبب تو اللہ کا فضل ہے۔ یہ اطاعت شرط اہلیت ہے یا یوں کہو کہ اطاعت کی توفیق ملنا اللہ کا فضل ہے۔ **ذالک** سے اشارہ اطاعت کی طرف ہے یا اطاعت قبول فرمانا اللہ کا فضل ہے یا اطاعت کی جزاء تو جنت کا داخلہ وہاں کی نعمتیں ہیں پھر وہاں پہنچ کر حضور کا دیدار اللہ کا فضل ہے۔ جیسے خود رب تعالیٰ کا دیدار اس کے فضل سے ملے گا وہ ہمارے کسی عمل کا نتیجہ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: یہاں اللہ تعالیٰ نے اطاعت خدا اور رسول پر چار ہمراہیوں کا وعدہ فرمایا نبیوں کی' صدیقوں کی' شہیدوں کی' صالحین کی' نبی مراتب قدس کے اعلیٰ مرتبہ میں ہیں۔ جیسے کوئی شخص کسی کو ظاہر ظہور بہت قریب سے دیکھے۔ رب تعالیٰ نے ہمارے حضور کی صفت یوں فرمائی **افتما رونہ علی ما یری** -دوسرے صدیقین یہ وہ لوگ ہیں جو معرفت میں حضرات انبیاء کے پیچھے پیچھے ہیں جیسے کوئی کسی چیز کو دور سے دیکھے۔ علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے بے دیکھے رب کی کبھی عبادت نہ کی۔ تیسرے شہداء یہ وہ حضرات ہیں جن کو عیان سے نہیں بلکہ دلیل و برہان سے رب کی معرفت میسر ہے جیسے کوئی کسی چیز کو قریب سے آئینہ میں دیکھے۔ حضور فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی عبادت یوں کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو۔ یہاں یہ دیکھنا مراد ہے۔ چوتھے صالحین یہ وہ حضرات ہیں جنہیں ان تین جماعتوں کی کامل تقلید و پیروی سے معرفت میسر ہوئی۔ جیسے کسی کو دوسرے کے آئینہ میں دور سے کوئی چیز دکھائی جائے اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ اگر تم بوقت عبادت یہ نہ سمجھ سکو کہ تم رب کو دیکھ رہے ہو تو یوں سمجھو کہ رب تم کو دیکھ رہا ہے غرضیکہ معرفت کی چار منزلیں ہیں۔ ترتیب وار اور ان منزل والوں کی چار جماعتیں ہیں۔ حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ نبوت خاصہ تو حضور پر ختم ہو چکی مگر نبوت عامہ یعنی ولایت جو نبوت خاصہ کا عکس و سایہ ہے تاقیامت جاری و ساری ہے سورج کے نکلنے سے چاند تارے چراغ وغیرہ بجھ جاتے ہیں۔ مگر ذرے نہیں

بجھتے بلکہ انہیں سورج چمکا رہتا ہے۔ بدر الدین بغدادی نے حضور غوث الثقلین کا قول نقل فرمایا کہ آپ فرماتے ہیں اے گروہ انبیاء لقب نبی تمہارے ساتھ خاص ہے اب کسی کو نبی نہیں کہا جا سکتا مگر ہم کو بعض وہ چیزیں ملی ہیں جو تم کو نہ ملیں انتہی۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت نبی کلیم اللہ ہیں۔ خضر علیہ السلام سے افضل ہیں مگر جناب خضر نے عرض کیا تھا کہ اے موسیٰ تم کو ایک قسم کا علم ملا جو مجھے نہیں اور مجھ کو دوسری قسم کا علم ملا جو تمہیں نہیں ملا۔ دیکھو بخاری وغیرہ' غرضیکہ نبوت علم یعنی ولایت ابدی ہے اس آیت میں نبوت خاصہ وعامہ دونوں کا ذکر ہے۔ (تفسیر روح المعانی) یہاں روح المعانی میں صدیقین' شہادت وصالحیت میں عجیب عجیب فرق بیان فرمائے جو دیکھنے کے لائق ہیں۔ غرضیکہ ہم جیسے مجبوروں کو حکم ہے کہ میرے محبوب کی اطاعت سچے دل سے کرو تو ان محبوبوں کے ہمراہ ہو جاؤ گے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ صادق وہ ہے کہ جو واقعہ ہو وہ کہے مگر صدیق وہ ہے کہ جو وہ کہہ دے واقعہ ایسا ہی ہو جائے۔ دیکھو بادشاہ کے ساقی اور باورچی نے جیل خانہ میں یوسف علیہ السلام کی خدمت میں دو بناوٹی خوابیں پیش کیں۔ آپ نے تعبیر دی کہ باورچی کو سولی دی جائے گی۔ ساقی اپنے عہدے پر بحال ہو گا۔ پھر یہ دونوں بولے کہ ہم نے تو جھوٹ کہا تھا خواب کچھ نہ دیکھا تھا تو آپ نے فرمایا **قضی الامر الذی فیه تستفتیان** تم نے سچ کہا ہو یا جھوٹ جو میری زبان سے نکل گیا وہ ہو کر رہے گا اس کا فیصلہ ہو چکا پھر ساقی بادشاہ کی خواب کی تعبیر جب یوسف علیہ السلام سے پوچھنے کے لئے آیا تو بولا یوسف **افتنا فی سبع الخ** اے یوسف' اے صدیق فرماؤ کہ سات بال اور سات گاؤں کی تعبیر کیا ہے۔ صدیق کیوں کہا اس لئے کہ اس نے دیکھ لیا کہ جو یہ کہہ دیتے ہیں وہ ہو جاتا ہے۔ جنگ احد میں مالک ابن سنان شہید ہو چکے تھے مگر ابو بکر صدیق کے منہ سے نکل گیا کہ مالک پیچھے آرہے ہیں۔ رب تعالیٰ نے انہیں زندہ کر کے واپس مدینہ بھیجا اسی لئے ان کو کہا جاتا ہے مالک ابن سنان شہید۔ حتیٰ کہ ان کا مزار زیارت گاہ خاص عام ہے۔ فقیر نے زیارت کی ہے' مدینہ پاک میں قبر انور ہے۔ خیال رہے کہ علماء کرام اس آیت کے معنی کرتے ہیں کہ اطاعت والے نبیوں' صدیقوں کے ساتھ ہوں گے۔ صوفیاء کرام معنی یوں کرتے ہیں کہ مطیع لوگ نبیوں صدیقوں کے ساتھ ہیں دنیا میں بھی' آخرت میں بھی۔ یعنی یہ مطیع اللہ کے دھڑے کے ہیں **اولئک** حزب اللہ یہ ہمراہی روحانی ہے۔ جس کے لئے نہ اتحاد مکانی کی ضرورت ہے' نہ اتحاد زمانی یا مقامی کی پڑوسی دشمن ہم سے دور ہے دور رہنے والا دوست ہمارے ساتھ ہے اس کی یاد ہر وقت ہمارے دل میں ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جہاز کا کپتان خلاصی مسافر سب جہاز میں ساتھ ہیں مگر پھر ان کے مراتب میں فرق ہے۔ یونہی مطیع لوگ نبیوں' صدیقوں کے ساتھ ہیں مگر پھر بھی مراتب میں فرق ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝ وَ
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو تم اپنے بچاؤ کو پھر چلو تم تھوڑے تھوڑے یا چلو ایک ساتھ ۔ اور
اے ایمان والو ہوشیاری سے کام لو پھر دشمن کی طرف تھوڑے تھوڑے ہو کر نکلو یا اکٹھے چلو ۔ اور
اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ
بیشک تم میں سے البتہ وہ ہے جو دیر لگاتا ہے تو اگر پہنچے تم کو کوئی مصیبت تو کہتا ہے بیشک مہربانی کی مجھ پر اللہ نے
تم میں کوئی وہ ہے کہ ضرور دیر لگائے گا پھر اگر تم پر کوئی افتاد پڑے تو کہے خدا کا مجھ پر احسان تھا کہ میں

عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيدًا ۝ وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ

جب کہ نہ تھا میں انکے ساتھ موجود ۔ اور اگر پہنچے تم کو مہربانی اللہ کی طرف سے تو کہتے ہیں گویا نہ تھی

ان کے ساتھ حاضر نہ تھا اور اگر تمہیں اللہ کا فضل ملے تو ضرور کہے گویا تم میں اس میں کوئی

كَأَن لَّمْ تَكُن بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَا لَيْتَنِي كُنتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝

تمہارے اور اس کے درمیان کوئی محبت ہائے کاش کہ ہوتا میں انکے ساتھ تو کامیاب ہوتا میں بڑی کامیابی

کوئی دوستی نہ تھی (یہ بات) اے کاش میں ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ رسول کی اطاعت کا اجمالی حکم دیا گیا تھا اب اس اطاعت کی کچھ تفصیل فرمائی جارہی ہے یعنی جہاد کا حکم دیا جارہا ہے جو تمام اطاعتوں کی اصل ہے اور اس کی برکت سے اطاعت کرنے والے پیدا ہوتے ہیں گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ رسول کی اطاعت کا اخروی فائدہ بیان ہوا تھا۔ یعنی آخرت میں نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیکوں کی ہمراہی میسر ہونا اب اس آیت کریمہ میں ان کی اطاعت کا دنیاوی فائدہ بیان ہو رہا ہے۔ یعنی کفار پر غالب آنا، دین کی اشاعت وغیرہ۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ رسول کی اطاعت کی خوبیاں بیان فرمائی گئی تھیں اب ان خوبیوں کے مستحقین کا ذکر ہے کہ یہ نعمتیں مخلصین کو میسر ہوں گی نہ کہ منافقین کو جو نفاق سے اطاعت کریں غرض دینے کا ذکر پہلے تھا اور لینے کی شرط کا ذکر اب ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں جہاد کی تمہید تھی اب اس آیت میں جہاد کا حکم ہے وہاں گویا فرمایا گیا تھا کہ مسلمان غازیو اپنے ساتھ تقویٰ پرہیزگاری کے ہتھیار رکھو اللہ رسول تمہارے ساتھ ہوں پھر جہاد کرو اب فرمایا جارہا ہے کہ ظاہری ہتھیار ساتھ رکھو۔ ظاہری ہتھیار تو کفار کے پاس بھی ہیں مگر وہ روحانی ہتھیار کفار کے پاس نہیں۔

تفسیر : **یا ایھا الذین امنوا خذوا حذرکم**۔ قرآن کریم کا دستور یہ ہے کہ مشکل اور گراں احکام پکار کر دیتا ہے تاکہ اس پکار کی لذت سے وہ کام آسان ہو جائے۔ جہاد بھی گراں اور مشکل حکم تھا۔ اس لئے پہلے پکارا بعد میں حکم سنایا۔ رب تعالیٰ نے دوسری قوموں کو ان کے نسبی نام یا وطنی نسبت سے پکارا جیسے یا بنی اسرائیل مگر ہم کو ایمانی نسبت سے پکارا یہ پکار ہمارے لئے فخر ہے اسلام میں نسب پر فخر نہیں ایمان و اعمال باعث فخر ہیں۔ خیال رہے کہ **الذین امنوا** میں کبھی کبھی انسان، جن، فرشتے سب داخل ہوتے ہیں۔ جیسے **یا ایھا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ** یا جیسے کہ **یا ایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی** کبھی امنوا میں صرف جن و انس سے خطاب ہوتا ہے فرشتے خارج ہوتے ہیں جیسے **یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام** فرشتوں پر روزے نہیں۔ کبھی صرف انسان اس میں داخل ہوتے ہیں۔ یہاں تیسری نوعیت ہے کیونکہ جہاد اور اس کی تیاری صرف انسانوں پر ہے جن و ملک اس حکم سے خارج ہیں۔ اکثر امنوا سے مراد مخلص مومن ہوتے ہیں مگر کبھی اس میں قومی مومن یعنی منافقین کو بھی شامل کرلیا جاتا ہے۔ غالب یہ ہے کہ یہاں بھی عام خطاب ہے کیونکہ آگے ارشاد ہو رہا ہے **و ان منکم لمن لیبطئن**۔ تم میں سے بعض جہاد میں سستی

کرتے ہیں۔ یعنی منافقین اور ظاہر ہے کہ منافقین مخلصین کی جماعت سے نہ تھے اس لئے یہاں امنوا عام ہو تو بہتر ہو گا خذوا کے معنی میں لو یا لئے رہو۔ یا اختیار کرو۔ حذر کے کسرہ اور ذال کے سکون سے یونہی حذر ح کے فتح اور ذالک کے فتح سے مصدر ہے۔ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں جیسے اثر و اثر اور مثل و مثل۔ بس کے معنی ہیں۔ بچنا احتیاط کرنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اے مسلمانوں تمہارے بیویوں بچوں میں بعض تمہارے دشمن بھی ہیں۔ فاحذروا ان سے ہوشیار رہو احتیاط رکھو یہاں یا تو حاصل مصدر ہے یا بمعنی یا الحذو یعنی بچاؤ کا آلہ (ہتھیار وغیرہ) اگرچہ احتیاط و ہوشیاری ہر جگہ ہر عبادت میں ہی بہتر ہے مگر جہاد میں بہت ضروری ہے کہ وہاں تھوڑی سی بے احتیاطی سے قوم و ملک و دین کو سخت نقصان پہنچ جاتا ہے۔ یہاں جہاد میں احتیاط کرنا مراد ہے کیونکہ آئندہ جہاد کا ذکر ہے یعنی اے مسلمانوں جہاد کے موقعہ پر احتیاط ہوشیاری اختیار کرو اور ہتھیار وغیرہ بچاؤ کا سامان ساتھ رکھو فانفروا ثبات او انفروا جمیعا "۔ ف تعقیبیہ ہے کیونکہ جہاد میں تیاری پہلے ہوتی ہے نکلنا بعد میں انفروا نفر سے بنا بمعنی بھاگنا چلنا خواہ کسی سے بھاگنا ہو یا کسی کی طرف بھاگنا دوڑنا نکلنا لڑائی میں نکلنے کو بھی نفر کہتے ہیں۔ اور اعلان جہاد کو نفیر طلب علم کے لئے سفر کرنے کو بھی رب فرماتا ہے۔ فلولا نفر من کل فرقۃ طائفۃ اس نفر سے نفور نفار منافرت ہے ثبات جمع ہے ثبۃ کی ثبۃ چھوٹی جماعت کو کہا جاتا ہے جو دس سے زیادہ ہو ثبۃ اصل میں ثوب تھا ثاب ثیوب کا مصدر بمعنی رجع ہر جمع واؤ گرا کر عوض کی ت آخر میں لگادی گئی لہذا اثبات کے معنی ہوئے چھوٹی چھوٹی جماعتیں بن کر یہ انفروا کے فاعل سے حال ہے یہاں وہ چھوٹی جماعتیں مجاہدین صحابہ کی مراد ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لے جائیں جنہیں سریہ بھی کہتے ہیں۔ جمیعا " سے مراد بڑی جماعت بن کر ساتھ جانا ہے۔ اسے جیش کہا جاتا ہے سو سے لے کر پانچ سو تک کو نفری۔ اس سے زیادہ جماع مجاہدین کو منسر کہتے ہیں بروزن منسبر۔ آٹھ سو تک اس سے زیادہ کو جحفل یا جیش عظیم کہتے ہیں۔ آٹھ ہزار تک (روح المعانی)۔ یعنی پہلے اپنی ہوشیاری احتیاط کا سامان لو پھر چھوٹی چھوٹی جماعتیں بن کر یا لشکر عظیم بن کر کفار کی طرف روانہ ہو۔ و ان منکم لمن لیبطئن۔ یہ جہاد کی دوسری احتیاط کا ذکر ہے یعنی جہاد میں کھلے دشمن یعنی کفار سے ہوشیار رہو جن کے مقابلہ میں تم جاؤ اور ساتھ ہی چھپے دشمن منافقین سے بھی ہوشیار رہو جو مار آستین کی طرح تمہارے ساتھ رہتے ہیں منکم یا تو اس لئے فرمایا کہ الذین امنوا میں سب سے خطاب تھا خواہ مومن ہوں یا قومی مومن یعنی منافقین یا اس لئے فرمایا کہ بظاہر منافقین مسلمانوں میں ہی شمار ہوتے تھے کلمہ نماز وغیرہ میں ساتھ رہتے تھے جہادوں میں ساتھ چلے جاتے تھے مسلمانوں کے نسبی قرابت دار بھی تھے لیبطئن بطاء سے بنا بمعنی بوجھ یا سستی پیچھے رہ جانا اس کا مقابل ہے۔ اسراع تیز چلنا یہ باب تفعیل میں آکر متعدی بھی ہوتا ہے لازم بھی یعنی سستی کرتے ہیں یا لوگوں کو سست بناتے ہیں کہ ضعفاء مومنین کو ڈرا کر گھبراہٹ میں ڈال دیتے ہیں۔ فان اصابتکم مصیبۃ یہ منافقین کے دوسرے عیب کا ذکر ہے کم سے خطاب مخلص نمازیوں کو ہے مصیبت سے مراد قتل زخم یا ہزیمت ہے قال قد انعم اللہ علی۔ یہ عبارت فان کی جزاء ہے قال کا فاعل وہ منافق ہیں جو جہاد سے کترا کر مدینہ میں بیٹھ رہتے تھے اور دوسرے ضعفاء مومنین کو بھی بیٹھ رہنے کی رغبت دیتے تھے یہ بے وقوف جہاد سے محرومی کو اللہ کی نعمت سمجھتے اس لئے یہ بکواس کرتے تھے۔ حالانکہ جہاد میں شرکت اللہ کی رحمت و نعمت ہے جہاد سے بیٹھ رہنا محرومی بلکہ عذاب ہے اذلم اکن معھم شھیدا "۔ اذ تعلیلیہ ہے انعم اللہ کی علت اور معھم کی ضمیر غازی صحابہ کرام کی طرف ہے شہید اسے مراد ہے میدان جنگ میں حاضر یا اس سے مراد ہے شہادت پانے کی جگہ میں موجود ہونا مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں

یعنی اے غازیو، مخلص صحابیو اگر کبھی جہاد میں تم کو کوئی تکلیف شہادت یا زخم یا ہزیمت پہنچتی ہے تو تم کو تو غم ہوتا ہے ان مردود منافقوں کو خوشی، شکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے بڑا ہی انعام ہوا کہ ہم اس موقعہ پر مسلمان غازیوں کے ساتھ میدان جہاد میں موجود نہ تھے ورنہ ہم کو بھی یہ تکلیف پہنچ جاتی **ولئن اصابکم فضل من اللہ** یہ ان منافقین کی تصویر کا دوسرا رخ ہے **اصابکم** کی ضمیر مخلص غازیوں کی طرف ہے۔ اصاب فرما کر یہ بتایا کہ جیسے تم اللہ کے فضل کو تلاش کرتے ہو ویسے ہی اللہ کا فضل یعنی رزق غنیمت فتح تم کو تلاش کرتے ہیں بلکہ وہ تمہاری جستجو میں زیادہ ہیں۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ فضل تم کو پہنچتا ہے۔ یہ نہ فرمایا کہ تم فضل تک پہنچتے ہو۔ اللہ کے فضل سے مراد غنیمت، فتح مندی ہے۔ فضل فرما کر بتایا کہ جہاد کا اجر تو آخرت میں ملے گا۔ رضاء الٰہی جنت وغیرہ یہ غنیمت فتح ملک سلطنت تو اجر کے علاوہ بطور فضل ہے نیز جیسے بھتہ یعنی ٹی۔ اے تنخواہ سے نہیں وضع ہوتا ایسے ہی یہ دنیاوی نعمتیں اس آخرت کے اجر سے وضع نہ ہوں گے وہ اجر پورا ملے گا یعنی اگر تم کو جہاد میں اللہ کا فضل غنیمت فتح پہنچتی ہے۔ خیال رہے کہ مصیبت کو رب کی طرف نسبت نہ فرمایا اور غنیمت وغیرہ کو فضل من اللہ کہا تعلیم ادب کے لئے کہ مسلمان ہمیشہ مصیبت کو اپنی طرف نسبت کریں اور راحت و خوشی کو رب تعالیٰ کی طرف اگرچہ مصیبت و راحت سب رب کی طرف سے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا **و اذا مرضت فھو یشفین**۔ جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے شفا دیتا ہے۔ یعنی بیمار میں ہوتا شفا رب دیتا ہے۔ نیز من اللہ میں اس جانب اشارہ ہے کہ کوئی شخص اسے چھین نہیں سکتا کیونکہ اللہ کا فضل **لیقولن کان لم تکن بینکم و بینہ مودۃ** یہ عبارت ان اصابت کی جزاء ہے چونکہ وہاں لام قسم کا بھی تھا اس لئے یہاں جواب قسم کا لام لا کر اس جملہ کو جواب قسم قرار دیا گیا۔ **کان لم تکن** الخ جملہ معترضہ ہے ورنہ **لیقولن** کا مفعول آگے آ رہا ہے۔ مودت سے مراد دین ایمان قرابت داری، محلہ داری، ہم وطنی کی محبت ہے یعنی باوجودیکہ یہ منافقین تمہارے رشتہ دار، محلہ دار، قرابت دار، بلکہ دعویٰ میں ایماندار بھی ہیں انہیں تم سے بہت سی قسم کی محبت چاہئے تھی تو لازم تھا کہ تمہاری فتح پر خوشیاں مناتے، تمہارے ساتھ خوشی میں برابر کے شریک ہوتے مگر نہیں انہیں تمہاری خوشی پر رنج و غم ہوتا ہے گویا ان کا تم سے کوئی رشتہ ہے ہی نہیں۔ **یا لیتنی کنت معھم فافوز فوزا" عظیما"** یہ عبارت **لیقولن** کا مفعول ہے معھم کا مرجع وہی مخلص نمازی مومنین صحابہ ہیں۔ کنت فرما کر یہ بتایا گیا کہ وہ جہاد کرنے کی آرزو نہیں کرتے بلکہ صرف تمہارے ساتھ میدان جہاد میں ہونے کی تمنا کرتے ہیں تاکہ غنیمت میں ان کا حصہ بھی ہوتا ہے اور **فافوز** فرما کر یہ بتایا کہ انہیں ثواب نہ ملنے کا رنج نہیں ہوتا بلکہ غنیمت سے محروم رہنے کا صدمہ ہوتا ہے، ان کی نگاہ میں غنیمت مل جانا ہی بڑی کامیابی ہے جسے وہ فوز عظیم کہہ رہے ہیں یعنی وہ کف افسوس ملتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہائے کاش میں بھی مسلمان مجاہدوں کے ساتھ میدان جہاد میں پہنچ جاتا چاہے جہاد کرتا یا نہ کرتا تاکہ اس شرکت جہاد کی وجہ سے مجھے بھی غنیمت میں حصہ مل جاتا اور میں بڑا ہی کامیاب ہوتا۔ خیال رہے کہ نجاح، فلاح اور فوز تینوں کے معنی ہیں کامیابی مگر ان میں کبھی اس طرح فرق کیا جاتا ہے کہ ابتدائی کامیابی کو نجاح کہہ دیتے ہیں۔ درمیانی کامیابی کو فلاح انتہائی کامیابی کو فوز جو کوئی ایم اے پاس کرنے کے لئے کالج میں داخل ہو تو اس کا اول جماعت پاس کر لینا نجاح ہے پھر درمیان کے درجے میٹرک، ایف اے پاس کرنا فلاح اور آخر ایم اے پاس کرنا جو اس کا اصل مقصود تھا فوز ہے منافق غنیمت کے مال حاصل کر لینے کو فوز اس لئے کہتے تھے کہ ان کی زندگی کا اصل مقصد حصول مال ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مخلص مومنو! اے کلمہ پڑھنے والو ہمیشہ احتیاط و ہوشیاری سے کام لو کفار کے مقابلہ میں ہتھیار بند رہو پھر تمہیں اختیار ہے کہ موقع کے مطابق میدان جہاد میں تھوڑے تھوڑے یا جماعت کثیرہ کے ساتھ کفار کے مقابلہ پر پہنچو تیاری پہلے روانگی بعد میں کرو پھر جیسے تم اپنے مقابل کفار سے ہوشیار رہو ان کے داؤں پیچ گھات سے بچے رہو ایسے ہی اپنی جماعت کے چھپے دشمنوں اور مار آستینوں سے بھی ہوشیار رہو تم میں بعض وہ منافق بھی ہیں جو جہاد سے خود پیچھے رہتے ہیں اور دوسرے ضعفاء مومنین کو ڈرا کر بھی پیچھے رکھتے ہیں ان کی خود غرضی کا یہ عالم ہے کہ اگر اتفاقاً کسی جنگ میں تم کو زخم، قتل یا ہزیمت کی مصیبت پہنچ جائے تو تم کو تو غم ہوتا ہے مگر ان بد نصیبوں کو خوشی یہ خوشی میں بغلیں بجاتے ہوئے بایں الفاظ شکر کرتے ہیں کہ اللہ نے مجھ پر بڑا ہی کرم کیا کہ ان غازیوں کے ساتھ میں نہ گیا ورنہ مجھے بھی ان کی طرح یہ تکالیف پہنچتیں اور اگر رب کے فضل و کرم سے تمہیں فتح و نصرت کامیابی غنیمت وغیرہ حاصل ہو تو تم تو خوش ہوتے ہو مگر یہ روسیاہ کف افسوس ملتے ہیں رنج و غم کرتے ہیں۔ رنج و غم بھی جہاد کی شرکت سے محرومی کا نہیں بلکہ تم سے بالکل اجنبی ہو کر گویا انہیں تم سے کسی قسم کا کوئی تعلق ہی نہیں نہ رشتہ داری کا نہ محلہ و کنبہ داری کا یہ کہتے ہیں کہ افسوس میں میدان جنگ میں نہ گیا اگر میں بھی ان کے ساتھ وہاں پہنچ گیا ہوتا تو ان کی طرح مجھے بھی مال اسباب لونڈی غلام جو غنیمت میں آیا ہے ملتا غرضیکہ ان کی نظر صرف اپنے نفع نقصان پر ہے نہ انہیں تم سے ہے کوئی تعلق نہ آخرت کے ثواب سے کوئی واسطہ ایسے بے ایمانوں سے بھی باخبر رہو ہوشیار رہو' مومن و منافق دونوں مدینہ منورہ میں رہتے تھے جہاد کے میدان میں جمع ہو جاتے تھے مگر منافق کی نگاہ صرف مال کی تلاش میں رہتی تھی مخلص مومن کی نظر رضاء ذوالجلال کی جستجو میں دونوں مقصدوں میں بڑا فرق ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں | کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

رب فرماتا ہے **و من یطع اللہ و رسولہ فقد فاز فوزا عظیما** مومن سمجھتا ہے کہ عذاب سے بچ جانا' جنت حاصل کر لینا' منزلیں ہیں اصل مقصد یار کو منا لینا ہے۔

تجھ سے تجھی کو مانگ کر مانگ لی دو جہاں کی خیر! | مجھ سا کوئی گدا نہیں تجھ سا کوئی سخی نہیں!

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اگر مسلمان اپنی بقا چاہتے ہیں تو ہمیشہ دشمنوں سے محتاط رہیں ان کے مقابلہ کی تیاری کریں اسلامی حکومتیں ان کے مقابلہ کے لئے فوجی تیاری کریں۔ علماء دلائل کی تیاری کریں' غرضیکہ بقدر طاقت ہر شخص تیاری کرے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و اعدو لھم ما ستطعتم من قوۃ و من رباط الخیل** ۔اب تو بجائے جہاد کی تیاری کے کھیل کود عیش طرب میں مشغولیت ہے جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ مہاجرین مکہ نے مدینہ منورہ پہنچ کر صرف دس سال کے عرصہ میں سارا حجاز فتح فرما لیا۔ ہم برس ہا برس گزرنے کے باوجود جہاں تھے وہاں ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری آنکھیں کھولے ہماری مثال یہ ہے۔

مشغول طائران چمن ہیں کلیل میں | صیاد تانت باندھ رہا ہے غلیل میں

آج بھارت میں ہوائی جنگی جہاز توپیں اور سامان جنگ بن رہا ہے ہمارے پاکستان میں وزارتیں ممبریاں بن رہی ہیں۔ یہ حال دیکھ کر ہر درد مند مسلمان خون کے آنسو رو رہا ہے۔ دوسرا فائدہ: مسلمانوں اور اسلام کو ہمیشہ منافقوں سے واسطہ رہا ان کا وجود

بمقابلہ کھلے دشمنوں کے زیادہ خطرناک ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ کبھی ان سے بھی غافل نہ رہیں۔ آج بھی پاکستان ان چھپے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے قوم کو چاہئے کہ دشمن و دوست کی پہچان رکھے۔ **تیسرا فائدہ:** جہاد تو کبھی کبھی میسر ہوتا ہے مگر تیاری جہاد ہر وقت رکھنا چاہئے 'تیاری جہاد پہلے اور جہاد بعد میں ہونا چاہئے۔ دیکھو یہاں **خذوا حذرکم** پہلے ارشاد ہوا اور نفر کا ذکر بعد میں۔ تیاری جہاد کا ثواب بھی جہاد کی طرح ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے بلکہ ہر قسم کے جہاد کی تیاری ہمیشہ کی جائے علماء کو چاہئے کہ ہمیشہ بدمذہبوں سے مناظرہ کی تیاری کریں کہ اس میں بھی اجر و ثواب ہے بلکہ ہر عبادت کی تیاری وقت سے پہلے بہتر ہے۔ **چوتھا فائدہ:** جہاد کے لئے الگ الگ چھوٹی جماعتیں بنا کر جانا یا اکٹھے بڑے لشکر میں جانا جیسا موقعہ ہو ویسا عمل کرنا بہتر ہے جیسا کہ **فانفروا** الخ سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** عبادتوں میں سستی کرنا' بے دلی سے ادا کرنا طریقہ منافقین ہے جیسا کہ **و ان منکم** الخ سے معلوم ہوا۔ جہاد' نماز' حج وغیرہ تمام عبادتیں شوق و ذوق سے ادا کرنی چاہئیں رب تعالیٰ صرف عمل کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ ہمارے شوق ذوق کو ملاحظہ فرماتا ہے۔ **فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون۔** خرابی ہے ان نمازیوں کی جو نماز سے سستی کرتے ہیں یعنی پڑھتے تو ہیں مگر سستی اور بے دلی سے۔ **چھٹا فائدہ:** جہاد میں ہمیشہ فتح ہی نہیں ہوتی کبھی ہماری غلطی سے شکست بھی ہو جاتی ہے اس سے بددل نہیں ہو جانا چاہئے۔ ہر حال میں راضی بہ رضا رہے اور اس سے دل تنگ نہ ہو جیسا کہ **فان اصابتکم مصیبۃ** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** مسلمانوں کی مصیبت پر خوشی منانا اور مسلمانوں کی خوشی پر غم کرنا منافقوں کا طریقہ ہے جیسا اس آیت کے مضمون سے معلوم ہوا۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ خوشی و غم میں مسلم قوم کے ساتھ رہے اگر مشرق کے مسلمانوں کو دکھ پہنچے تو مغرب کے مسلمان تڑپ جائیں اگر جنوب کے مسلمانوں کو خوشی ہو تو شمالی مسلمان خوش ہو جائیں۔ کیونکہ اگرچہ صورت سیرت خوراک' لباس' زبان میں مختلف ملکوں کے مسلمان مختلف ہیں۔ مگر روح رواں سب کی ایک ہے یعنی کلمہ طیبہ' قرآن' کعبہ اور نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ دیکھو پاؤں میں درد ہو تو سر تک کے تمام اعضاء کو تکلیف ہوتی ہے۔ کیونکہ اگرچہ تمام اعضاء کام و نام میں الگ الگ ہیں مگر جان سب کی ایک ہے۔ ہاں مردہ جسم کا یہ حال ہوتا ہے کہ پاؤں میں چوٹ مارو تو گھٹنے کو خبر نہ ہو ایسے ہی اگر ہم کو دوسرے مسلمانوں کی تکلیف کا احساس نہ ہو تو سمجھو کہ ہم مردہ قوم ہو گئے۔ **آٹھواں فائدہ:** بارگاہ الٰہی کا ادب یہ ہے کہ بندہ برائی کو اپنی طرف نسبت کرے اور بھلائی کو رب کی طرف دیکھو اس آیت میں مصیبت کے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں ہوا مگر رحمت کے ساتھ رب کا ذکر فرمایا گیا کہ ارشاد ہوا **ولئن اصابکم فضل من اللہ** گناہ ہم کر لیتے ہیں نیکی کی توفیق وہ دیتا ہے۔ **نواں فائدہ:** راہ خدا کی تکالیف سے بچ جانے کو نعمت الٰہی سمجھنا طریقہ کفار ہے۔ دیکھو منافق کہتے تھے کہ اللہ کا ہم پر انعام ہوا کہ ہم جہاد میں نہ گئے اور میدان جہاد کی تکالیف ہم کو نہ پہنچیں اس کی راہ میں مٹ جانا زندگی ہے۔ تکلیف پانا راحت ہے۔

لی حبیب عربی مدنی قرشی — کہ بود رنج و غمش مایہ و شادی و خوشی

دسواں فائدہ: صرف مال مل جانے کو بڑی کامیابی سمجھنا طریقہ منافقین ہے جیسا کہ **فوزا عظیما** سے معلوم ہوا بڑی کامیابی یار کو منا لینا ہے اگر ہم مر مٹ کر رب کو راضی کر لیں تو یہ موت زندگی سے افضل ہے۔ یہ بازار ہی دوسرا ہے۔

گیارہواں فائدہ: اسباب اختیار کرنا تدبیر سے کام لینا توکل کے خلاف نہیں جیسا کہ خذوا حذرکم سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ہوشیار اور مدبر ہونا چاہئے مگر حدیث شریف میں ہے **المومن**

والکافر خب لئیم۔ مسلمان سیدھا اور کرم والا ہوتا ہے۔ آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب**: آیتہ کریمہ میں مسلمانوں کو ہوشیار رہنے کا حکم دیا ہے۔ حدیث پاک میں چالاکی سے بچنے کا تذکرہ ہے ہوشیاری اچھی چیز ہے چالاکی بری اپنے کو دوسروں کے فریب سے بچائے رکھنا ہوشیاری ہے دوسروں کو فریب دینا چالاکی' ہوشیاری کا مقابل ہے جسے بیوقوفی چالاکی کا مقابل ہے سیدھا پن مسلمان سیدھا ہوتا ہے بےوقوف نہیں ہوتا' ہوشیار ہوتا ہے چالاک نہیں ہوتا۔ حدیث پاک میں ہے **اتقو فراستہ المومن** - مومن کی ہوشیاری سے ڈرو۔ **فانہ ینظر بنور اللہ**۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ **خذوا حذرکم** - ہوشیاری اور اپنا بچاؤ اختیار کرو۔ کیا ہماری ہوشیاری اور احتیاط تقدیر الٰہی کو بدل دیتی ہے اگر تقدیر میں فتح و نصرت ہے تو یہ ہر حال مل جائے گی اور اگر تقدیر میں شکست ہے تو ہماری ہوشیاری بیکار ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی۔ دوسرا تحقیقی۔ **الزامی جواب** تو یہ ہے کہ پھر تو دنیا کے تمام کام چھوڑ دینا چاہئیں 'تقدیر پر شاکر ہو کر بیٹھ جاؤ' کھیتی باڑی 'نوکری بلکہ دوا علاج کچھ نہ کرو' اگر تقدیر میں روزی یا شفاء ہے تو ویسے ہی میسر ہو جائے گی' کمائی یا علاج کرو یا نہ کرو پھر تو ایمان' نماز وغیرہ بھی بیکار ہوئے کہ اگر تقدیر میں جنت ہے تو ویسے ہی مل جائے گی۔ مسلمان رہیں یا کافر نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ یہ کام بھی تقدیر میں لکھے ہیں مثلاً" رب تعالیٰ نے ہماری تقدیر میں یہی لکھا ہے کہ ہم احتیاط' ہوشیاری سے کام لیں گے اور ہم کو اس سے فتح میسر ہو گی فلاں شخص بیمار ہو گا اور فلاں دوا سے شفایاب ہو گا۔ **نوٹ**: یہ سوال جواب اس جگہ تفسیر کبیر نے بیان فرمایا۔ **تیسرا اعتراض**: دشمن کے مقابلہ میں یہ احتیاطیں اور تیاریاں کرنا توکل کے خلاف ہے رب پر توکل چاہئے وہی کافی ہے۔ **جواب**: یہ محض غلط ہے ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ جانا توکل نہیں بلکہ کاہلی اور بیکاری ہے توکل کے معنی یہی ہیں کہ کسب کرو پھر رب پر بھروسہ کرو۔

گر توکل مے کنی در کار کن!! کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے جہاد نہ کیا کیوں اس لئے کہ ابھی جہاد کے اسباب جمع نہ تھے سرکار صحابہ کرام کو مسلح کر کے میدان جنگ میں پہنچاتے تھے پھر دعا نصرت مانگتے تھے یہ ہے توکل نبوی۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں منافقین کو منکم کیوں فرمایا وہ مسلمان یا صحابی تھے ہی نہیں۔ **جواب**: اس کے دو جواب تفسیر میں گزر گئے ایک یہ کہ یہاں **الذین امنوا** سے سارے کلمہ گو مراد ہیں مخلصین ہوں یا منافق اس صورت میں انہیں منکم فرمانا بالکل درست ہوا یعنی تم کلمہ گویوں میں بعض ایسے منافق بھی ہیں۔ دوسرے یہ کہ انہیں منکم فرمانا قومیت کے اعتبار سے ہے کیونکہ منافقین بھی قوماً "مسلمان" سمجھے جاتے تھے دیکھو سرکار فرماتے ہیں میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ بہتر دوزخی' ایک جنتی۔ مگر ان سب فرقوں کو امتی فرمایا یعنی قوم مسلم کہلانے والے آج مسلمانوں میں بڑے بڑے بے دین فرقے ہیں مگر ان سب کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے۔ مردم شماری میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتے ہیں غرضیکہ مذہبی مسلمان اور قومی مسلمان میں فرق کرنا ضروری ہے۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت کریمہ میں زخم قتل ہزیمت کو مصیبت کیوں فرمایا اور فتح غنیمت کو فضل کیوں کہا' راہ خدا میں زخم و قتل بھی باعث ثواب ہے وہ بھی اللہ کا فضل ہے۔ **جواب**: یہاں مصیبت سے مراد تکلیف و پریشانی ہے فضل سے مراد راحت و خوشی مسلمان کو ہر مصیبت پر ثواب ملتا ہے بشرطیکہ صبر کرے مگر اسے کہا جاتا ہے مصیبت' آج ہمارا عرف بھی یہی ہے مصیبت پر ثواب ملتا ہی جب ہے جبکہ اس سے تکلیف پہنچے اور بندہ اس پر صبر کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جناب امیر حمزہ کی شہادت پر بہت روئے حالانکہ

شہادت پر بڑا ثواب ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی تکلیف پر خوش ہونا طریقہ منافقین ہے مگر حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ جو کسی مصیبت زدہ کو دیکھ یہ پڑھ لے **الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ و فضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا** تو اسے وہ مصیبت کبھی نہ پہنچے گی اس حدیث میں دوسرے کی مصیبت پر خوش ہونے شکر کرنے کی تعلیم دی گئی۔ آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب:** شخصی مصیبت پر یہ دعا پڑھی جائے' قومی یا دینی مصیبت پر نہ پڑھی جائے۔ منافقین مسلمانوں کی قومی و دینی مصیبت پر خوش ہوتے تھے نیز اس دعا میں اپنی عافیت کا شکریہ ہے نہ کہ مسلمان بھائی کی مصیبت پر خوشی منافقین مسلمانوں کی تکلیف پر خوشی مناتے تھے نیز منافقین جہاد کو مصیبت سمجھتے تھے اور جہاد سے بیٹھ رہنے کو نعمت اس لئے ان پر عتاب ہوا الغرض آیت و حدیث میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: ہر مسلمان مجاہد غازی ہے۔ شیطان اور اس کی ذریت کھلے کافر ہیں جن سے مسلمان کا ہر وقت جہاد ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! ہر وقت ہوشیار رہو۔ احتیاط سے کام لو کہ دشمن شیطان ہر وقت تمہاری تاک میں ہے' اس کے مقابلہ کے لئے ہتھیار اللہ کی عبادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی اتباع ہے۔ جس سے اس دشمن پر فتح پائی جاتی ہے اس کے مقابلہ کے لئے بعض عبادتیں اکیلے اکیلے کرو۔ جیسے نماز تہجد و دیگر نوافل اور بعض عبادتیں چھوٹی جماعتوں کے ساتھ جیسا نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرو اور بعض عبادتیں بڑی جماعت کے ساتھ کرو جیسے نماز عید' حج وغیرہ یہ سب نفیر ہے۔ پھر خیال رکھو کہ تمہارے ساتھ منافق بھی ہے وہ ہے تمہارا نفس امارہ جو تم سے گناہ کرا کے خوش ہوتا ہے اور اگر تم کو اللہ کا فضل یعنی نیک اعمال کی توفیق ہے تو غم کرتا ہے کبھی اس پر اعتماد نہ کرو یہ تمہارا مار آستین ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اگرچہ جہاد کے متعلق آئی ہے مگر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان ہر نیکی میں جلدی کرے' عمر کو غنیمت سمجھے اور ہر نیکی میں رکاوٹیں پیدا کرنے والی چیزیں ہیں ان کا مقابلہ کرے۔

مکن عمر ضائع با فوس و حیف ۔۔۔ کہ فرصت عزیز است والوقت سیف

نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومن کامل وہ ہے جو اپنی زندگی کا ہر شعبہ احتیاط سے گزارے۔ تین چیزیں زندگی میں ہوتی ہے۔ اعضاء مال' اولاد ہر عضو کے برتنے میں احتیاط کرے' مخصوصاً" آنکھ اور زبان کے استعمال میں تو بہت ہی احتیاط چاہئے مال دولت حاصل کرنے میں احتیاط کرے اور خرچ کرنے میں بھی کہ نہ تو حرام ذریعہ سے مال کمائے۔ نہ حرام جگہ خرچ کرے یونہی اولاد نہ ناجائز ذریعہ سے حاصل کرے نہ انہیں ناجائز کاموں میں لگائے اس جملہ کی جیتی جاگتی تفسیر دیکھنی ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک دیکھو۔

پرورش گیتی جبیں فرسودہ است ۔۔۔ خویشتن را عبدہ فرمودہ است

یونہی عبادات میں احتیاط کرے کہ فرائض' واجبات' سنن' مستحبات کے ساتھ ادا کرے کہ یہ واجبات وغیرہ خزانہ ایمان کی دیواریں ہیں۔ مستحب پہلی دیوار ہے جیسے شیطان چور پہلے توڑتا ہے اسی پر اسے روکو نیز جہاد میں بڑی احتیاط سے کام لے غرضیکہ ان تینوں احتیاطوں کو ایک لفظ میں بتا دیا کہ **خذو حذرکم**۔

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ وَ

پس چاہیے کہ جہاد کریں اللہ کی راہ میں جو خریدتے ہیں دنیاوی زندگی کو آخرت کے عوض اور

تو اللہ کی راہ میں لڑنا چاہیے جو دنیا کی زندگی بیچ کر آخرت لیتے ہیں اور

مَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧٤﴾

جو جہاد کرے اللہ کی راہ میں پھر قتل کیا جاوے یا غالب ہو تو عنقریب دیں گے ہم اس کو ثواب بڑا

جو اللہ کی راہ لڑے پھر مارا جاوے یا غالب آوے تو عنقریب ہم اسے بڑا ثواب دیں گے

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ

اور کیا حال ہے تمہارا کہ نہیں جہاد کرتے تم بیچ راہ اللہ کی اور واسطے کمزوروں کے مردوں اور

اور تمہیں کیا ہوا کہ نہ لڑو اللہ کی راہ میں کمزور مردوں اور عورتوں اور

وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ

عورتوں اور بچوں میں سے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال تو ہم کو اس بستی سے کہ

بچوں کے واسطے جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو اس بستی سے نکال

الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾

ظالم ہیں باشندے اس کے اور بنا تو واسطے ہمارے اپنے پاس سے کوئی دوست اور بنا تو واسطے ہمارے اپنے پاس سے مددگار

جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی مددگار دے

تعلق: چونکہ اس آیت کریمہ کی تفسیریں چند ہیں اس لئے اس کے گزشتہ آیت سے تعلقات بھی مختلف ہیں جیسی تفسیر ویسا تعلق پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ جہاد میں منافقین کا مقصد صرف غنیمت حاصل کرنا ہے ثواب کی طرف دھیان نہیں اب ان ہی منافقوں کو نصیحت فرمائی جارہی ہے کہ اللہ والے بنو آخرت کے لئے جہاد کرو گویا پہلے ان کی بیماری کا ذکر تھا اب اس کے علاج کا بیان ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں منافقوں کا جہاد سے پچھڑ کو رہو اب مسلمانوں سے ارشاد ہے کہ منافقوں کی پرواہ نہ کرو خود ہی اللہ پر توکل کر کے جہاد کرو تمہاری فتح اللہ کے کرم سے ہے نہ کہ منافقوں کی شرکت سے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ منافقین جہاد صرف اپنے نفس کے نفع کے لئے کرتے ہیں یعنی مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے اب مسلمانوں کو حکم ہے کہ تم دوسروں کے نفع کے لئے جہاد کرو یعنی مظلوم مسلمانوں کو کفار کے چنگل سے چھڑانے کے لئے مبارک ہے وہ جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیتوں سے معلوم ہوا تھا کہ جہاد میں اخلاص چاہئے اپنی آمدنی وغیرہ کی نیت اس میں نہ ہو اب فرمایا جارہا ہے۔ کہ دوسرے مسلمانوں کی آزادی کی نیت سے جہاد کرنا اخلاص کے خلاف نہیں کہ مسلمان بھائی کی مدد کا بھی اللہ نے ہی حکم دیا ہے۔ پانچواں تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ منافقین

کی نگاہ میں جہاد کی کامیابی صرف مال غنیمت حاصل کر لینا ہے اس کو وہ فوز عظیم یعنی بڑی کامیابی کہتے ہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ غلط ہے مومن مرے یا مارے غنیمت لائے یا راہ خدا میں جان دے آئے ہر طرح کامیاب ہے اسے اجر عظیم ملے گا۔

شان نزول: ہجرت سے پہلے اسلام میں جہاد نہ تھا بعد ہجرت جب جہاد فرض ہوا تو بعض ضعفاء مومنین اور عام منافقین اس میں سستی کرنے لگے ان پر عتاب فرمانے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حکم دیا گیا کہ جہاد کرو تاکہ مکہ میں پھنسے ہوئے مجبور مسلمان آزاد ہوں (تفسیر صاوی)۔

تفسیر: **فلیقاتل فی سبیل اللہ** لفظ فلیقاتل کی ف فصیحہ ہے کہ اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ یعنی چونکہ مسلمان ہر قسم کے کفار میں گھرے ہوئے ہیں لہٰذا مسلمان غافل نہ رہیں جہاد کرتے رہیں دشمنوں میں گھرا ہوا شخص اگر غافل رہا تو تکلیف پائے گا یا چونکہ منافقین محض مال کے لئے جہاد میں جاتے ہیں اس لئے ان کے اعمال برباد ہیں لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ کے لئے جہاد کریں اور صیغہ امر وجوب کے لئے ہے کیونکہ ضرورت کے وقت جبکہ اسباب جہاد موجود ہوں جہاد کرنا فرض ہے جس موقعہ پر یہ آیت کریمہ آئی ہے اس وقت جہاد کی ضرورت تھی اور سامان جہاد خدا کے فضل سے جمع تھے۔ قتال فی سبیل اللہ خاص ہے اور جہاد فی سبیل اللہ عام کیونکہ میدان میں پہنچ کر کفار سے لڑنا۔ غازیوں کی مرہم پٹی کرنا ان کا کھانا وغیرہ پکانا سب جہاد ہے مگر کفار سے لڑنا قتال یہاں فلیقاتل فرما کر بتایا گیا کہ ہر مجاہد خاص قتال کے لئے میدان میں جاوے اگرچہ کام کچھ کر لیا جاوے فی سبیل اللہ سے مراد ہے رب تعالیٰ کو راضی کرنے اللہ کے دین کو بلند کرنے مسلمانوں سے کفار کی شوکت توڑنے کی نیت سے جہاد ہو چونکہ یہ چیزیں رب تعالیٰ تک پہنچنے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں اس لئے انہیں سبیل اللہ یعنی اللہ کا راستہ فرمایا گیا۔ جیسے راستہ منزل مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہے ایسے ہی یہ کام رب تک رسائی کا وسیلہ۔ **الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالاخرۃ** الذین مع اپنے صلہ کے یا تو فلیقاتل کا فاعل ہے اور اس سے مراد مسلمان ہیں اور یشرون بمعنی **یبیعون** ہے تب تو معنی بالکل ظاہر ہیں یعنی اللہ کی راہ میں وہ مسلمان جہاد کریں جو اپنی دنیاوی زندگی آخرت کے عوض فروخت کر چکے ہیں۔ قرآن مجید میں شراء بمعنی بیع آیا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **وشروہ بثمن بخس** بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو کھوٹی قیمت کے عوض بیچ دیا۔ یا الذین فلیقاتل کا فاعل ہے اور اس سے مراد منافقین ہیں تب شراء بمعنی خریدنا ہے یعنی وہ منافقین بھی اخلاص سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں جو اب تک آخرت کے عوض دنیاوی زندگی خریدتے رہے ہیں اب اس سے توبہ کریں اخلاص سے جہاد کریں یا الذین فلیقاتل کا مفعول ہے اور اس کا فاعل ھو ضمیر ہے جو مخلصین یا منافقین کی طرف راجع ہے تو الذین سے مراد کھلے کافر ہیں جن پر جہاد کرنا ہے۔ یعنی مسلمان ان کفار سے جہاد و قتال کریں جو آخرت کے عوض دنیاوی زندگی خریدتے ہیں (تفسیر خازن، روح المعانی، بیضاوی، مدارک و کبیر وغیرہ) **ومن یقاتل فی سبیل اللہ** یہ عبارت نیا جملہ ہے جس میں منافقین کے خیال کی تردید ہے اور جہاد کے نفع کا ذکر ہے من سے مراد یا تو صرف مخلصین مومنین ہیں یا منافقین بھی جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا **فیقتل او یغلب** یہ دونوں فعل یقاتل پر معطوف ہیں ف عاطفہ ہے اور یہ تینوں فعل مل کر من کا صلہ پھر مبتداء بمعنی شرط قتل میں مارا جانا زخمی ہونا یا ہزیمت پانا سب شامل ہیں کیونکہ اس کے مقابلہ میں غلب ارشاد ہو رہا ہے۔ مجاہد غازی اپنی شہادت کی نیت پہلے کرے فتح مندی کی بعد میں اس لئے یہاں قتل کا ذکر پہلے ہوا غلبہ کا بعد میں بلکہ ہر کام میں نقصان مقدم

ہے نفع بعد میں خیال رہے: کہ قتل کا مقابلہ ۔غلب سے کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمان کافر کے ہاتھوں قتل زخمی تو ہو سکتا ہے مگر مغلوب کبھی نہیں ہو سکتا مغلوب وہ ہو جو اپنا مقصد حاصل نہ کر سکے اللہ کی راہ میں شہادت یا زخمی ہونا تکالیف پانا تو مرد مجاہد کا عین مقصد ہے لہذا مومن مر کر بھی مغلوب نہیں ہوتا۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے! اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یعنی جو مخلص مسلمان یا جو منافق نفاق سے توبہ کر کے اخلاص کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد و قتال کرے پھر وہ مارا جائے زخمی ہو جائے ہزیمت پا جائے یا کفار پر غالب آجاوے کہ فتح و کامرانی اس کے قدم چوم لے کچھ بھی ہو **فسوف نوتیہ اجرا عظیما** یہ جملہ من کی خبر ہے چونکہ من میں شرط کے معنی تھے اس لئے خبر میں ف لائی گئی سوف فرما کر بتایا گیا کہ فتح غنیمت۔ حکومت وغیرہ جہاد کا اجر و ثواب نہیں یہ تو رب تعالیٰ کا عطیہ کریمانہ ہے جہاد کا اصلی اجر تو آگے چل کر ملے گا۔ جنت و حور قصور رضاء رب غفور کیونکہ جہاد کا اجر دنیا میں سما نہیں سکتا کہ اجر دائم باقی ہے دنیا فانی ہے نیز اس میں خالص راحت ہے دنیا کی ہر راحت رنج و غم سے مخلوط لہذا دنیا دار العمل ہے آخرت دار الجزاء کھیت بونے باغ لگانے کا وقت اور ہوتا ہے دانہ و پھل کھانے کا وقت دوسرا **نوتیہ** فرما کر بتایا گیا کہ اس ثواب کے دینے والے ہم ہیں اس میں نہ بربادی ہو نہ کمی۔ جس کی ضامن حکومت ہو جاوے وہ مارا یا برباد نہیں جاتا تو جس کا ضامن رب تعالیٰ ہو جاوے اس کے متعلق کسی قسم کا اندیشہ ہو سکتا ہی نہیں اجرا" عظیما فرما کر یہ بتایا غازی و شہید کا ثواب تمہارے خیال و وہم سے وراء ہے جسے خدا تعالیٰ عظیم فرمادے اس کا اندازہ تم لوگ کیسے لگا سکتے ہو یعنی بہرحال ہم اسے بڑا ہی ثواب دیں گے کہ فتحمند کو دنیا میں غنیمت ملک حکومت اور آخرت میں جنت اپنا دیدار دیں گے اور شکست خوردہ کو جنت کی نعمتیں اپنا دیدار وغیرہ دیں گے **وما لکم لا تقاتلون** یہ جملہ علیحدہ ہے ما استفہامیہ ہے اور استفہام تعجب دلانے کے لئے لکم میں خطاب ان ہی ضعفاء مومنین سے ہے۔ جو جہاد میں سستی کرتے تھے لکم کان یا اصار فعل پوشیدہ کے متعلق ہے یعنی اے سستی کرنے والو تمہیں کیا ہو گیا کہ تم جہاد نہیں کرتے یا جہاد کے لئے جوش و خروش سے حاضر نہیں ہوتے **فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان** فی لا تقاتلون کے متعلق ہے سبیل اللہ کے معنی ابھی عرض کئے گئے **المستضعفین** استضعاف سے ہے مادہ ضعف بمعنی کمزوری' قوت و طاقت کے مقابل اس لئے کمزور کو ضعیف کہتے ہیں استضعاف کے معنی میں کمزور سمجھنا یا کمزور کر دینا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں ان سے مراد وہ مسلمان ہیں جو مکہ معظمہ میں پھنسے رہ گئے تھے ہجرت کر کے باہر نہ جا سکے تھے جن پر کفار مکہ بہت ظلم و ستم کرتے تھے جیسے آج ہندوستان کے مسلمان خیال رہے: کہ **المستضعفین** یا تو سبیل پر معطوف ہے اور یہاں اخلاص پوشیدہ بمعنی چھوڑانا یا آزاد کرانا یا لفظ اللہ پر معطوف ہے اور سبیل پوشیدہ اس سبیل سے مراد مدینہ منورہ کا راستہ کھولنا ہے۔ جس سے وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آسکیں اور بعض نے خصوصا" سیدنا عبد اللہ ابن عباس نے فرمایا کہ واؤ بمعنی دون ہے (روح المعانی و خازن) لہذا اس جملہ کے تین معنی ہو گئے من بیانہ ہے جس نے **المستضعفین** بیان فرمایا اور الرجال النساء سے مراد مکہ معظمہ میں گھرے ہوئے مسلمان ہیں ولدان یا ولد کی جمع ہے بمعنی بچے یا ولید کی جمع ہے بمعنی لونڈی غلام۔ اس تفصیل سے یہ فرمانا مقصود ہے کہ ظالم کفار مکہ کا ظلم و ستم ان بیچارے مسلمانوں پر اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ مسلمان بچے اور لونڈی غلام بھی ان کے ظلم کا شکار ہو رہے ہیں یعنی تم کیوں جہاد نہیں کرتے اللہ کی راہ میں اور کمزور مسلمان مردوں عورتوں بچوں کو چھوڑانے میں یا اللہ کی راہ میں اور ان کمزوروں کا راستہ کھولنے

کے لئے کہ وہ ہجرت کر سکیں یا اے مہاجرو تم جہاد کرو وہ مسلمان جو کفار میں گھرے پڑے ہیں ان کے ہاتھوں قیدی ہیں یہ حکم نہیں الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا۔ الذین مع اپنے صلہ کے الرجال۔ النساء اور الولدان کی صفت ہے یعنی وہ گھرے ہوئے مسلمان اتنے مجبور و پریشان ہیں جو مکہ معظمہ میں بیٹھے ہوئے یہ دعا مانگ رہے ہیں وہ لوگ دعائیں کرتے ہیں اور بچے آمین کہتے ہیں یا سب مرد و عورت بچے کعبہ معظمہ کے سامنے یہ دعائیں مانگتے ہیں قریہ بمعنی بستی ہے۔ جو گاؤں و شہر سب پر بولا جاتا ہے یہاں شہر مراد ہے یعنی مکہ معظمہ ظالم بمعنی مشرک کافر ہے اھلہا سے مراد کفار مکہ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ظالم سے مراد ستمگار و ستانے والے ہوں یعنی وہ لوگ تنگ آ کر یہ دعائیں کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس مکہ سے نکال جہاں کے باشندے مشرک ہیں ستمگار ہیں سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ان بچوں میں میں بھی شامل تھا اور عورتوں میں میری والدہ ام الفضل اور مردوں میں سلمہ ابن ہشام۔ ولید ابن ولید ابو جندل ابن سہیل داخل ہیں (روح المعانی) واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا۔ یہ ان بزرگوں کی دوسری دعا ہے ولی بمعنی والی وارث منتظم کار ہے ولی ولایت کا صفت مشبہ ہے۔ ولایۃ کے معنی ہیں قرب دوستی۔ مدد ولی بمعنی قریب۔ دوست۔ مددگار من لدنک میں اس طرف اشارہ ہے کہ مولیٰ ظاہری اسباب ہمارے چھٹکارے کے کوئی نہیں تو اپنی طرف سے ہماری غیبی دستگیری فرما کہ ہمارے لئے اپنا کوئی بندہ ہمارا والی وارث بنا دے اور کوئی بندہ ہمارا مددگار بنا دے کہ ہم یہاں مکہ معظمہ میں ہی اس کی حمایت میں رہیں اور ہم کو ہجرت کی ضرورت ہی نہ پڑے غرضیکہ یہ دعا پہلی دعا سے بڑھ کر ہے۔ خیال رہے: کہ ولی اور نصیر ہم معنی آتے ہیں۔ دونوں کے معنی مددگار ہوتے ہیں مگر ان دونوں میں اس طرح فرق ہوتا ہے کہ روحانی ایمانی مددگار کو ولی کہتے ہیں اور ظاہری جسمانی مددگار کو نصیر اس لئے بزرگان دین کو جو روحانی باطنی مددگار ہیں اولیاء کہا جاتا ہے۔ انصار نہیں کہتے اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا لفظ بہ لفظ قبول فرمائی کہ 8 ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ فتح فرمایا اور آپ تمام گھرے ہوئے مسلمانوں کے والی وارث حامی ہوئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو وہاں سے مدینہ منورہ گئے اور مکہ معظمہ کا حاکم گورنر عتاب ابن اسید کو بنا دیا جو اٹھارہ سال کے نوجوان تھے انہوں نے ان ستم رسیدہ مسلمانوں کو اپنی امان میں لے لیا۔ جس سے یہ حضرات نہایت سربلند ہو گئے اور مکہ معظمہ میں نہایت عزت کی زندگی گزارنے لگے۔ خدایا صدقہ ان محبوبوں کا ہم پاکستانی مسلمانوں کو توفیق دے کہ بھارت میں گھرے ہوئے مسلمانوں کی مدد کر سکیں وہ لوگ سخت مجبور بڑے مظلوم ہیں ان کی مدد و دستگیری فرما۔

خلاصہء تفسیر: اس آیت کی بہت تفسیریں ہیں جو تفسیر میں عرض کی گئیں ہم ان میں سے ایک تفسیر عرض کرتے ہیں۔ باقی تفسیریں ابھی بیان کر چکے اللہ کی راہ میں وہ مسلمان جہاد کریں جو اپنی دنیاوی زندگی آخرت کے عوض فروخت کر چکے جنہیں مرنے زخمی ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں وہ تو جہاد میں جاتے ہیں شہید ہونے کے لئے۔ اور خیال رکھو جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے پھر وہ مارا جاوے زخمی ہو ہزیمت پائے یا کفار پر غالب آئے ہم اس سے وعدہ کرتے ہیں کہ اسے بڑا اجر و ثواب دیں گے۔ فاتح کو غنیمت ملک عزت جنت اپنا قرب اور مقتول شہید کو اپنی رضا اپنا دیدار جنت کی نعمتیں لہٰذا یہ سودا ایسا نفع بخش ہے۔ جس میں گھاٹے کا احتمال ہی نہیں اور اے مسلمانو تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کی راہ میں اور مکہ میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کو چھڑانے کے لئے جہاد نہیں کرتے ان بیچاروں کی مجبوریوں کا یہ عالم ہے کہ وہ مرد عورتیں بچے کعبہ معظمہ کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعائیں مانگ

رہے ہیں کہ خدایا تو ہم کو اس بستی مکہ سے نکال جہاں کے باشندے کفار ہیں ستمگار ہیں اور ہمارے لئے اپنی قدرت کاملہ سے کوئی والی حمایتی دے اور کوئی مددگار نصیب فرما جو ہم کو اس زبوں حالت سے نکالے پھر تم یہاں عیش و آرام کیسے کر رہے ہو جب تمہارے وہ بھائی ایسی حالت و مصیبت میں گرفتار ہیں اٹھو جہاد کرو انہیں آزاد کراؤ خوشی وہ ہی ہے جو ساری قوم کی خوشی ہو قوم پر افراد قربان ہونے چاہئیں افراد پر قوم قربان نہ ہو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** غازی مجاہد میدان جہاد میں سر فروش ہو کر شہادت کی تیاری کر کے جائے محض غنیمت یا ملک گیری کی نیت نہ ہو جیسا کہ **الذین یشرون الخ** سے معلوم ہوا کہ یہ **فلیقاتل** کا فاعل ہے اور شراء بمعنی بیع ہے جب اس نیت سے غازی جہاد کرے گا تو انشاء اللہ کبھی ناکام نہ ہو گا۔ **دوسرا فائدہ:** منافقین پر بھی فرض تھا کہ نفاق سے توبہ کر کے اخلاص پیدا کر کے جہاد میں شریک ہوں جیسا کہ **الذین یشرون** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد منافقین ہیں اور **یشرون** بمعنی خریدنا ہے۔ **تیسرا فائدہ:** مجاہد خواہ کفار کو مارے یا راہ خدا میں مارا جائے بڑے درجہ والا ہے۔ رب تعالیٰ کے ہاں بڑے ثواب کا مستحق ہے جیسا کہ **فیقتل او یغلب** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** مجاہد کو رب تعالیٰ کی طرف سے اتنا بڑا ثواب ملتا ہے جو کسی کے بیان تو کیا وہم و گمان میں نہیں آسکتا جیسا کہ اجراً عظیماً سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کے ثواب کو عظیم فرمایا حالانکہ رب تعالیٰ نے دنیا کو قلیل فرمایا **قل متاع الدنیا قلیل**۔ **پانچواں فائدہ:** نیک اعمال میں رضاء الٰہی کے ساتھ اگر خدمت خلق کی بھی نیت کرے تو حرج نہیں بلکہ زیادہ قابل قبول ہے۔ دیکھو یہاں فی سبیل اللہ کے بعد **والمستضعفین** بھی فرمایا گیا کہ اللہ کی راہ میں اور مجبور مسلمانوں کو چھوڑانے کے لئے جہاد کیوں نہیں کرتے معلوم ہوا کہ جہاد میں اللہ کی رضا بھی مطلوب ہو اور پھنسے مسلمانوں کو آزاد کرانے کی بھی نیت ہو۔ لہٰذا عبادات میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کی نیت کرنا چاہئے یہ شرک نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **واللہ و رسولہ احق ان یرضوہ** جو اسے شرک کہے وہ اس آیت میں غور کرے۔ **چھٹا فائدہ:** جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے ہجرت کر لی تو وہاں مسلمانوں کو بلاعذر رہنا حرام ہو گیا وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہو گیا حالانکہ وہاں کعبہ معظمہ، منیٰ، عرفات، مزدلفہ، سنگ اسود، مقام ابراہیم وغیرہ سب موجود تھے مگر چونکہ حضور وہاں نہ رہے تو وہاں مسلمانوں کو رہنا حرام ہو گیا یہ فائدہ بھی **والمستضعفین** سے حاصل ہوا جب حضور نے مکہ معظمہ فتح فرمایا تو پھر وہاں رہنا عبادت ہو گیا وہاں کی ایک عبادت ایک لاکھ کے برابر ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ جس عالم کے سینہ میں علم، ہنر، نماز، روزہ سب کچھ ہو مگر عشق رسول نہ ہو اس کی صحبت سے مسلمانوں کو بھاگنا چاہئے کہ اصل مقصود تو ان کی غلامی ہے۔ **ساتواں فائدہ:** چھوٹے بچوں کا اسلام قبول ہے دیکھو رب تعالیٰ نے مسلمان مردوں عورتوں کے ساتھ والولدان بھی فرمایا معلوم ہوا کہ وہ بھی عند اللہ مومن ہیں۔ جن کو آزاد کرنا غازیوں پر فرض ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** دعا میں بچوں کو بھی شریک کرنا چاہئے کہ رب تعالیٰ بچوں کی بہت سنتا ہے دیکھو اس دعا میں رب تعالیٰ نے بچوں کا ذکر بھی فرمایا اس لئے حکم ہے نماز استسقاء میں بچوں کو بھی ساتھ لے جایا جاوے کہ ان کی دعا سے بارش جلد آوے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو لے جانے کا حکم دیا ہے اس کا ماخذ یہ آیت کریمہ بھی ہے۔ **نواں فائدہ:** اگر مقدس مقام پر رب کی عبادت پر قدرت نہ ہو تو وہاں سے نکل جانا یا نکل جانے کی دعا کرنا چاہئے جیسا کہ **اخرجنا الخ** سے معلوم ہوا کہ ضعفاء مومنین مکہ مکرمہ سے نکل جانے کی دعا کرتے تھے۔ **دسواں فائدہ:** تقیہ کرنا اسلام کے خلاف ہے۔ دیکھو ضعفاء

مومنین نے مکہ مکرمہ سے نکل جانے کی دعا کی مگر وہاں تقیہ کر کے نہ رہے۔ گیارھواں فائدہ: حضرات خلفاء ثلثہ ظالم نہ تھے عادل متقی پرہیزگار تھے اگر وہ ظالم ہوتے تو حضرت علی مرتضیٰ و دیگر اہلبیت اطہار پر مدینہ منورہ سے ہجرت کرنا فرض ہو جاتی دیکھو ان ضعفاء مومنین نے یہ دعا کی کہ ہم کو اس مکہ معظمہ سے نکال جہاں کے باشندے ظالم ہیں۔ بارھواں فائدہ: ظالم و جابر کفار کے ملک سے ہجرت کر جانا مسلمانوں پر لازم ہے جہاں مسلمانوں کو وہ اپنے دینی کام کرنے کی اجازت نہ دیں اگر کسی جگہ کفار کی سلطنت ہو مگر وہ شعائر اسلامی سے مسلمانوں کو روکتے نہ ہوں تو وہاں سے ہجرت لازم نہیں یہ فائدہ الظالم اھلھا سے حاصل ہوا کہ یہاں ظالم سے مراد کافر و جابر ہیں۔ تیرھواں فائدہ: اللہ کے بندوں سے مدد لینا انہیں ولی و وارث ماننا شرک نہیں دیکھو رب تعالیٰ نے ضعفاء مسلمین کی یہ دعا نقل فرمائی کہ وہ ہم سے ولی و وارث مانگتے ہیں اسے شرک و کفر قرار نہ دیا۔ چودھواں فائدہ: جس پر اللہ تعالیٰ مہربان ہوتا ہے اس کے لئے مددگار بندے مقرر فرماتا ہے اور جس پر اس کا قہر ہوتا ہے اسے بے یارومددگار چھوڑ دیتا ہے۔ غیر خدا کی مدد شرک نہیں بلکہ رحمت الٰہی ہے۔ جس کی دعائیں مانگی گئی ہیں کہ خدایا تو ہمیں مکہ معظمہ سے نکال یا ہمارے لئے مجاہدین کو مددگار بنا کر بھیج جو کہے کہ خدا کے سوا کسی کی مدد مانگنا کسی کو ولی و نصیر سمجھنا شرک ہے وہ اس آیت کریمہ سے عبرت حاصل کرے دیکھو خانہ کعبہ بغیر حضور کی مدد کے بتوں سے پاک نہ ہو سکا رب نے اپنا گھر حضور کے ہاتھوں پاک کرایا معلوم ہوا کہ ہمارے دل بھی حضور کے طفیل پاک ہوں گے صرف لا الہ الا اللہ سے مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ محمد رسول اللہ نہ کہے ان کے نام کی مدد سے کافر مومن بنتا ہے۔ پندرھواں فائدہ: اگرچہ رب تعالیٰ قادر ہے کہ بغیر اسباب سب کچھ کر دے مگر قانون یہ کہ کہ اسباب سے سارے کام کئے جاویں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ کفار سے قتال کرو خود ان کو ہلاک نہ فرمادیا گزشتہ قوموں کو آسمانی عذاب سے ہلاک فرمایا۔ مگر فرعون، شداد، نمرود کو پانی۔ مچھر وغیرہ سے ہلاک کیا یہ قدرت کا اظہار تھا مگر ابوجہل وغیرہ کو مسلمان کے ہاتھوں قتل کرایا یہ قانون تاکہ مسلمانوں کو جہاد غزوہ کا درجہ و ثواب ملے۔

پہلا اعتراض: یہاں مقتول ہونے کا مقابلہ غالب ہونے سے کیا گیا کہ ارشاد ہوا فیقتل او یغلب یہ مقابلہ درست نہیں۔ قتل ہونے کا مقابلہ قتل کرنے سے ہوتا ہے اور غالبیت کا مقابلہ مغلوبیت سے مگر یہاں ایسا نہیں۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ مومن غازی کفار کے ہاتھوں قتل تو ہو سکتا ہے مگر مغلوب نہیں ہو سکتا مومن شہید ہو کر بھی غالب رہتا ہے وہ جہاد میں جان ہتھیلی پر رکھ کر شہید ہونے ہی کو تو آتا ہے شہید ہو کر بھی اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے، بعض شہداء جب زخم کھا کر گرے تو بولے۔ فزت و رب الکعبۃ۔ قسم رب کعبہ کی میں تو کامیاب ہو گیا اور جان دیدی۔ حضرت حسین شہید ہو گئے مگر یزیدی حکومت کے ٹکڑے اڑا گئے۔ دین کی بنیادیں مضبوط کر گئے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ فاتح غازی اور شہید دونوں اجر عظیم میں برابر ہیں حالانکہ فاتح غازی تو غنیمت حاصل کر کے دنیاوی نفع بھی حاصل کر لیتا ہے شہید صرف اخروی نفع پاتا ہے پھر دونوں برابر کیونکر ہوئے۔ جواب: یہ دونوں اجر عظیم پانے میں برابر ہیں غنیمت جہاد کا اجر عظیم نہیں اجر عظیم رضاء الٰہی حصول جنت وغیرہ ہے۔ تیسرا اعتراض: قرآن کریم نے یہاں مردوں، عورتوں کے ساتھ بچوں کا ذکر کیوں فرمایا؟ جواب: تاکہ کفار مکہ کی انتہائی سفاکی بے رحمی ظاہر ہو کہ کوئی شخص دشمنوں کے بچوں کو نہیں

ستانا بچے قابل رحم ہوتے ہیں مگران لوگوں نے پھنسے ہوئے مسلمانوں کے بچوں تک پر اس قدر ظلم کیا کہ وہ بھی یہ دعائیں مانگنے لگے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام جہاد سے جی چراتے تھے تب ہی تو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ **وما لکم لا تقاتلون** الخ۔ **جواب:** یہ کلمات غازیوں کو جوش دلانے کے لئے کہے جاتے ہیں آج حکومتیں فوجی سپاہیوں کو جوش دلانے کے لئے ہر قسم کی جائز ناجائز ترکیبیں کرتی ہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ ان حکومتوں کو اپنے سپاہیوں پر اعتماد نہیں ہوتا بلکہ وجہ صرف زیادتی جوش ہے اگر حضرات صحابہ کرام جہاد سے جان چراتے تھے تو بتاؤ فتوحات اسلامیہ کنہوں نے کیں انہیں کی ہمت سے اسلام پھیلا۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے بندے مددگار والی حامی ہیں مگر قرآن کریم دوسری جگہ فرماتا ہے **وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر**۔ اللہ کے سوا تمہارا کوئی ولی و مددگار نہیں آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** وہاں من دون اللہ سے مراد ہے اللہ کے مقابل یعنی ایسا مددگار کوئی نہیں جو اللہ کا مقابلہ کرکے تمہاری مدد کرے ولی اللہ اور ہے ولی من دون اللہ اور ہے۔ اسی لئے وہاں سواء اللہ یا الا اللہ یا غیر اللہ نہ فرمایا بلکہ من دون اللہ فرمایا۔ الا دون غیر کا فرق ہماری کتاب درس القرآن میں ملاحظہ کرو دیکھو کلمہ طیبہ میں پڑھتے ہیں۔ لا الٰہ الا اللہ۔ اگر یوں پڑھیں لا الٰہ دون اللہ تو ایمان میسر نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ الا اور دون میں فرق ہے یا نفی کی آیات میں روئے سخن کفار سے ہے یعنی کافروں کا مددگار کوئی نہیں اور ثبوت کی آیات میں مسلمانوں کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کے مددگار اللہ تعالیٰ نے بہت مقرر فرما دیئے ہیں اس کی تفسیر وہ آیات ہیں **و من یضلل فلن تجد لہ ولیا مرشدا** جس کو خدا گمراہ کرے اسے نہ ولی ملے نہ مرشد ملے۔ اور فرماتا ہے **و من یلعنہ فلن تجد لہ نصیرا** جسے خدا لعنت کرے اس کے لئے مددگار نہ پاؤ گے۔ **چھٹا اعتراض:** اسلام نے جہاد کیوں رکھا یہ تو فساد خونریزی ہے اسے عبادت کیوں قرار دیا۔ **جواب:** جیسے جسمانی زندگی توڑ پھوڑ سے قائم ہے غذا سے بھوک کو' پانی سے پیاس کو' دوا سے مرض کو' روشنی سے تاریکی کو' گرم لباس سے سردی کو' برف و ہوا سے گرمی کو توڑتے رہنے سے زندگی قائم ہے۔ گھاس کو دور کرنے سے کھیت کی بقا ہے یونہی ایمانی زندگی میں کفر کو ایمان سے طغیان کو عرفان سے کفر کے زور کو جہاد سے توڑنے سے ایمانی بقا ہے بغیر جہاد زندگی ناممکن ہے۔ مال' ملک' عزت کے لئے لڑنا فساد ہے رضاء الٰہی کے لئے کفار سے لڑنا جہاد۔

جنگ کافر فتنہ و غارت گری است　　　جنگ مومن سنت پیغمبری است

تفسیر صوفیانہ: جیسے دنیاوی حکومتیں تقسیم نعمت کے لئے ڈپو بنادیتی ہیں' رعایا ان ڈپوؤں پر جاکر رزق وغیرہ حاصل کرتی ہے' چینی' گندم' بجلی وغیرہ کے ڈپو قریباً ہر شہر میں کھلے ہوئے ہیں رزق تقسیم ہوتا ہے۔ حکومت کی طرف سے مگر ملتا ہے ان مرکزوں سے رعایا کا وہاں ڈپوؤں پر جانا سلطان کی بغاوت نہیں بلکہ عین اس کی مرضی کے مطابق ہے۔ یونہی رب تعالیٰ نے اپنے ظاہری رزق کے بھی ڈپو مقرر کردیئے ہیں اور باطنی رزق کے بھی مرکز کھول دیئے ہیں۔ نور کا ڈپو سورج پانی کا مرکز کنوئیں دریا تالاب وغیرہ یونہی ایمان تقویٰ رحمت مغفرت کے ڈپو حضرات انبیاء کرام و اولیاء اللہ و علماء کرام کے آستانہ ہیں۔ غازیان اسلام دستگیری الٰہی مدد الٰہی کے مظہر ہیں۔ فرمایا جارہا ہے کہ اے غازیو تم جہاد پر سستی کیسے کرسکتے ہو تم تو میری ولایت' میری نصرت' میری دستگیری کے مظہر ہو تمہارے لئے تو میرے مجبور معذور بندے ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگ رہے ہیں' یہ تو ظاہری مجاہدوں کا

حال ہے باطنی مجاہدین یعنی حضرات اولیاء اللہ کو بھی حکم ہے کہ تم نفس و شیطان سے جہاد کرنے میں سستی نہ کرو جو لوگ نفس و شیطان کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کے دل ان کی روح ان کے جذبات ایمانی دعائیں کر رہے ہیں کہ خدایا کسی ولی کی نگاہ کرم اس طرف بھی ہو جائے جو ہم کو نفس و شیطان کے چنگل سے چھڑا دے نفس امارہ گویا کفرستان ہے شیاطین گویا کفار ظالم ہیں مومن کا دل و روح گویا ضعفاء مومنین ہیں جو ان کے ہاتھوں گرفتار ہیں۔ حضرات مشائخ کرام غازیان اسلام ہیں ان کے آستانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ ہیں کہ یہاں سے ہی مدینہ پاک کے فیوض تقسیم ہوتے ہیں اگر یہ حضرات ہماری دستگیری نہ کریں تو ہم کبھی ان کفار کے ہاتھوں سے چھوٹ نہیں سکتے۔

کھول دو سینہ مرا فاتح مکہ آ کر! کعبہ دل سے صنم کھینچ کے کر دو باہر
آپ آ جایئے قالب میں مرے جاں ہو کر سلطنت کیجئے اس جسم پہ سلطاں ہو کر

مکہ زمین پر تو ایک بار جہاد ہو چکا مگر مکہ جسم پر ہمیشہ جہاد ہوتے رہیں گے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ
وہ لوگ جو ایمان لائے جہاد کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا جنگ کرتے ہیں شیطان کی راہ میں
ایمان والے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کفار شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں
الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ؏
تو جہاد کرو تم شیطان کے دوستوں سے بے شک فریب شیطان کا ہے کمزور
تو شیطان کے دوستوں سے لڑو بے شک شیطان کا داؤ کمزور ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں صورت جہاد کا ذکر تھا یعنی کفار سے جنگ کرنا اب روح جہاد کا تذکرہ ہے یعنی اخلاص سے رضاء الٰہی کے لئے لڑنا گویا قالب جہاد کے بعد قلب جہاد کا حکم ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ کمزور مسلمانوں کو چھڑانے کے لئے جہاد کرو جس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ اسلامی جہاد اور کفار کی جنگوں میں کوئی فرق نہیں کہ وہ بھی قوم کے لئے لڑتے ہیں۔ مسلمان بھی قوم کی خاطر لڑتے ہیں اس آیت کریمہ میں ان دونوں جنگوں میں فرق بیان فرمایا جا رہا ہے کہ مومن کا جہاد محض قومی ملکی نہیں بلکہ اللہ کے لئے ہے وہ قوم کی حمایت بھی اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔ گویا پہلے جہاد کی نوعیت کا ذکر تھا اب اس سے شبہ کا ازالہ ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ غازیان مدینہ، مکہ میں پھنسے ہوئے کمزور مسلمانوں کے والی و مددگار ہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان کے والی ناصر یہ غازی ہیں اور ان غازیوں کے والی و حامی ہیں ہم ہماری مدد بہت قوی ہے تو غازی مسلمان بھی قوی ہیں۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ کی راہ میں اور ضعیف مسلمانوں کی آزادی کے لئے جہاد کرو جس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ جہاد عبادت ہے عبادت میں رضاء الٰہی کے سواء کی نیت کرنا شرک ہے اب اس شبہ کو زائل کیا جا رہا ہے کہ اللہ کے بندوں کی

خدمت جب رضاء الہی کے لئے ہو تو شرک و ریاء نہیں بلکہ عبادت کی تکمیل ہے۔

تفسیر : **الذین امنوا یقاتلون فی سبیل اللہ** لفظ **الذین امنوا** کبھی صرف مومن انسانوں کے لئے بولا جاتا ہے اور کبھی مومن جن و انس کے لئے اور کبھی اس میں مومن جن و انس و فرشتے سب داخل ہوتے ہیں۔ جیسا مضمون ہو گا ویسا ہی **امنوا** کا مقصد جن آیات میں حضور کے آداب و تعظیم کا حکم ہے وہاں مومن سے مراد تمام جن و انس و فرشتے ہیں کہ حضور کا ادب سب پر لازم ہے۔ دیکھو رب فرماتا ہے۔ اے ایمان والو اپنی آواز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو یا اللہ رسول سے آگے نہ بڑھو یہاں تمام جن و انس فرشتے سب ہی اس میں داخل ہیں اور سب پر حضور کا یہ ادب لازم ہے اور فرماتا ہے۔ اللہ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ان پر درود بھیجو یہاں **امنوا** سے مراد جن و انس ہیں فرشتے نہیں کہ فرشتوں کا ذکر تو پہلے ہو چکا۔ رب فرماتا ہے اے ایمان والو تم پر جہاد فرض ہے اس میں صرف مومن انسان داخل ہیں کیونکہ یہ جہاد مومن جنات پر فرض نہیں اور نہ کبھی جنات غازی صحابہ کے دوش بدوش جہاد میں لڑے لہذا یہاں **امنوا** سے مراد مومن انسان ہیں کیونکہ آگے جہاد کا ذکر ہے۔ جو صرف انسانوں پر فرض ہے۔ ایمان سے مراد اخلاص والا ایمان ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہے نفاق والا ایمان۔ جس پر بعض شرعی احکام مرتب ہو جاتے ہیں مراد نہیں کیونکہ منافقین راہ الہی میں جنگ نہیں کرتے تھے وہ تو غنیمت کے لئے لڑائی میں شریک ہو جاتے تھے۔ حقیقت ایمان نبی کو ماننا ہے توحید وغیرہ تو شیطان بھی مانتا ہے دین بدلتا ہے نبوت بدلنے سے عیسائیت یہودیت اسلام علیحدہ دین ہیں کیونکہ ان کے نبی علیحدہ ہیں۔ یقاتلون کا مفعول بہ پوشیدہ ہے یعنی کفار مرتدین وغیرہ اس میں باغیوں سے جنگ داخل نہیں کہ وہ کفار سے جنگ نہیں ہوتی نہ اسے جہاد کہا جاتا ہے اس لئے آگے مقابلہ میں کفار کا ذکر ہے یقاتلون دوام و استمرار کے لئے ہے یعنی جہاد کرتے رہیں گے سبیل اللہ سے مراد اللہ کے دین کی مدد ہے۔ جو رب تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ یعنی مومن انسان ہمیشہ رضاء الہی کے لئے جنگ کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے کسی سے اصلی کفار سے یا مرتدین سے **والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت۔ الذین** جو تحقیق ابھی ہو چکی اس کے مقابل یہاں ہے یعنی اس سے کافر انسان مراد ہیں اور کافر عام ہیں مشرکین ہوں یا اہل کتاب اصلی کافر ہوں یا مرتدین یہاں قتال سے مراد ہے مسلمانوں سے لڑنا نہ کہ ان کا آپس میں جنگ و جدال طاغوت کی تحقیق بارہا ہو چکی کہ اس کے معنی ہیں سرکش اور حد سے نکل جانے والا اس سے مراد شیطان ہے شیطان کے راستہ سے مراد ہے کفر و بے دینی۔ جس سے شیطان خوش ہوتا ہے اور اس لڑائی کے ذریعہ وہ شیطان تک پہنچتے ہیں یعنی ہر قسم کے کافر انسان کفر کی حمایت میں مسلمانوں سے لڑتے ہیں۔ جس سے شیطان خوش ہوتا ہے **فقاتلوا اولیاء الشیطن** ف جزائیہ ہے اور یہ جملہ پوشیدہ شرط کی جزاء قاتلوا میں خطاب قیامت تک کے مسلمانوں سے ہے نہ کہ صرف صحابہ کرام سے اولیاء ولی کی جمع ہے بمعنی دوست مددگار حمایتی یعنی جب معاملہ یہ ہے اور تمہارے جہاد و کفار کی جنگوں میں یہ فرق ہے تو اے مسلمانو ان شیطان کے دوستوں حمایتوں اور ابلیس کے پجاریوں سے ضرور جہاد کرو۔ خیال رہے کہ یہاں شیطان سے مراد ابلیس ہے نہ کہ اس کی ذریت یعنی قرین وغیرہ **ان کید الشیطان کان ضعیفا** " یہ عبارت مسلمانوں کی ہمت بڑھانے ان سے وعدہ نصرت فرمانے کے لئے ہے چونکہ اس کا مضمون ظاہر کے خلاف معلوم ہوتا تھا کہ کفار اکثر بڑے ساز و سامان سے آتے تھے مسلمان ان کے مقابل کمزور نظر آتے تھے اس لئے اسے ان تاکیدیہ سے شروع فرمایا کید سے مراد کفار و شیاطین کے تمام ظاہری سامان اور اندرونی تدابیر ہیں کان دوام و استمرار کے

لئے ہے یا بمعنی صار ہے ضعیف سے اضافی ضعف مراد ہے یعنی رب تعالیٰ کی امداد کے مقابل یا مسلمانوں کے اخلاص کے مقابل یعنی اس میں بالکل تردد نہ کرو یہ بالکل حق ہے کہ شیطان کی تمام ظاہری و باطنی طاقت اللہ تعالیٰ کی امداد کے یا اے مسلمانو تمہارے اخلاص کے مقابل بہت ہی کمزور و ضعیف تھی اور ہے اور رہے گی یا اس کا مکر اور رب تعالیٰ کی مدد کے مقابل کمزور ہو تا رہا ہے اور ہو جاتا ہے اور ہو تا رہے گا اس میں در حقیقت مسلمانوں کو آئندہ فتح مندی کفار کی شکست کا وعدہ ہے جو پورا ہوا۔

خلاصہ ء تفسیر : مسلمانوں کے جہاد اور کفار کے جنگ و فساد میں فرق عظیم ہے مسلمان اگرچہ قوم مسلم کی حمایت کے لئے کفار سے جنگ کریں مگر ان کی جنگ ہمیشہ اللہ کی راہ میں ہوتی ہے ان کا اصل مقصد رب تعالیٰ کو راضی کرنا ہوتا ہے۔ رہے کفار وہ ہمیشہ کفر شرک بے دینی کی حمایت میں مسلمانوں سے لڑتے ہیں۔ شیطان اسی کا ذریعہ ہے اے مسلمانو جب تمہاری اور ان کی لڑائیوں میں اتنا فرق ہے تو ہمت کرو ان شیاطین کے حامیوں مددگاروں سے جہاد کرو کفار کا حامی ابلیس ہے تمہارے والی مددگار ہم ہیں یقیناً ہماری امداد کے مقابل تمہارے اخلاص کے مقابل شیطان کی تمام تدابیر کمزور و ضعیف ہیں اور رہیں گی۔ دیکھ لو میدان بدر میں شیطان تو کفار مکہ کی حمایت کے لئے آیا اور فرشتے تمہاری مدد کے لئے آئے۔ جب جنگ شروع ہونے لگی تو شیطان فرشتوں کو دیکھ الٹے پاؤں بھاگا اور بولا کہ جو میں دیکھ رہا ہوں تم نہیں دیکھتے میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور جنگ بدر میں جو نتیجہ ہوا تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ تم تھوڑے کفار بہت تم نہتے کفار ہتھیار بند مگر غالب تم آئے بلکہ ان فریبوں کی کمزوری اب بھی دیکھنے میں آتی ہے حرم مدینہ میں عصر سے عشاء تک وعظ ہوتے ہیں کہ حضور کے آگے ادب سے نہ کھڑے ہو وہاں ہاتھ نہ باندھو یہ شرک ہے مگر سامعین مواجہ شریف میں پہنچتے ہی یہ سب تعلیم بھول جاتے ہیں وہاں ہاتھ بھی باندھتے ہیں اور سب کچھ کرتے ہیں۔ پاک پتن شریف میں سال بھر شرک و کفر کے وعظ ہوتے ہیں مگر بابا صاحب کا بہشتی دروازہ محرم میں کھلتے ہی سال بھر کی یہ کوشش ختم ہو جاتی ہے ابو جہل اور ابو لہب کی تمام کوششیں حضور کے ایک معجزہ دکھا دینے پر فنا ہو جاتی تھیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: جہاد تا قیامت جاری رہے گا کبھی منسوخ نہ ہو گا جیسا کہ یقاتلون کی دوام و استمرار سے معلوم ہوا۔ جہاد کی وجہ کفار کی موجودگی ہے کفار تو قیامت تک رہیں گے تو جہاد بھی تا قیامت ہے جو لوگ جہاد کو منسوخ مانتے ہیں وہ اس آیت کریمہ سے عبرت لیں۔ دوسرا فائدہ: جہاد اس جنگ کا نام ہے جو کفار سے ہو باغی مسلمانوں سے جنگ جہاد نہیں کہلاتی۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ و عائشہ صدیقہ کے ساتھ جنگ کی حالت میں اپنے سپاہیوں کو حکم دیا تھا کہ اپنے مقابل کے کسی بھاگتے ہوئے سپاہی کا پیچھا نہ کیا جائے ان کے مال نہ لوٹے جائیں انہیں قید نہ کیا جائے اور فرمایا کہ یہ ہمارے بھائی ہیں جو ہمارے خلاف بغاوت کر بیٹھے یہی اعلان امیر معاویہ کی طرف سے اپنے سپاہیوں میں تھا اس کی تحقیق ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو یہ فائدہ **والذین کفروا** سے حاصل ہوا۔ باغیوں سے جنگ در حقیقت اصلاح ہوتی ہے۔ تیسرا فائدہ: انشاء اللہ مسلمان اگر اخلاص سے جہاد کریں تو بفضلہ تعالیٰ کفار پہ فتح پائیں گے جیسا کہ **کان ضعیفا** سے معلوم ہوا۔ مسلمان اپنی غلطی سے شکست کھا جاتے ہیں۔ چوتھا فائدہ: کفر و اسلام میں کبھی اتفاق و اتحاد نہیں ہو سکتا اگر کبھی ہوا تو عارضی ہو گا اور اس میں کفار کی چال ہو گی لہذا بجائے ان کی خوشامد کرنے کے مسلمانوں کو قوت

پیدا کرنی چاہئے جیسا کہ قاتلوا سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** سارے کفار مسلمانوں کے مقابل ایک ہیں۔ اگرچہ ان کے آپس میں کتنے ہی اختلاف ہوں یہ فائدہ **والذین کفروا** کے اطلاق سے معلوم ہوا اس کا تجربہ اب بھی ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو متفق ہونے متفق رہنے کی توفیق دے۔

پہلا اعتراض: یہاں قرآن کریم فرما رہا ہے کہ شیطان کا فریب کمزور ہے مگر دوسرے مقام پر فرماتا ہے **ان کیدکن عظیم** تم عورتوں کا فریب بہت بڑا ہے آیات میں تعارض ہے نیز فرعونی جادوگروں کے متعلق فرماتا ہے۔ **وجاء وسحر عظیم** اور فرماتا ہے **وان کان مکرھم لتزول منہ الجبال** ان کے مکر سے پہاڑ ٹل جائیں۔ ان آیات میں موافقت کیونکر۔
جواب: یہاں شیطان اور شیطانی لوگوں کے فریب کو اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے مقابل کمزور فرمایا گیا ہے اور وہاں عورتوں کے فریب کو مردوں کے مقابل عظیم فرمایا نیز جادوگر اپنے خیال میں بڑا ہی جادو پیش کر رہے تھے مگر ان کی کمزوری ایسی ظاہر ہوئی کہ صرف ایک عصاء موسوی کے مقابل سب کا جادو فیل ہو کر رہ گیا یا ان آیات میں ظاہر کا ذکر ہے۔ اور یہاں حقیقت کا بیان یعنی بظاہر ابلیس اور ابلیسیوں کے مکر بہت بڑے ہیں مگر حقیقت میں کمزور جیسے پانی کا بلبلا جس کو کھلاوا بہت ہے مگر حقیقت کچھ نہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے جس میں باطل کو پانی کے اوپر کا کوڑا اور جھاگ فرمایا گیا اور حق کو موتی جھاگ و کوڑا دیکھنے میں بہت مگر موتی قیمت میں زیادہ۔ **دوسرا اعتراض:** اگر شیطان کا فریب کمزور ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد قوی اور شیطان کفار کا مددگار ہے اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا حامی تو مسلمان کفار کے مقابل بارہا شکست کیوں کھا جاتے ہیں۔ **جواب:** یا اخلاص کی کمی سے یا اپنی کسی غلطی سے اگر فوج اپنے ہتھیار استعمال ہی نہ کرے اور شکست کھا جائے تو اس کی اپنی غلطی ہے اخلاص اور توکل علی اللہ مسلمانوں کا وہ ہتھیار ہے جو کفار کے پاس نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** کفار ہمیشہ شیطان کی حمایت میں نہیں لڑتے وہ کبھی ملک گیری کے لئے بھی لڑتے ہیں **یقاتلون** دوام کے لحاظ سے کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** کفار جب بھی مسلمانوں سے لڑیں گے تو اسلام کا مقابلہ کفر کی حمایت کا ارادہ کریں گے جیسا کہ عموماً دیکھا گیا ہے اور اگر ملک کی خاطر ہی لڑیں تو بھی ملک لے کر کیا کریں گے کفر کی اشاعت یہ تو مسلمانوں پر نفس امارہ کی مار ہے کہ ملک حاصل کر کے اسلام کی اشاعت میں کوشش نہیں کرتے بلکہ اسلام کو مٹانے اسے تبدیل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ جیسا کہ آج ہندوستان اور پاکستان کے حالات دیکھنے سے معلوم ہو رہا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ قدیم ہے تو اس کی مدد حمایت بھی قدیم جب وہ کسی خاص جماعت کی مدد کرتا ہے تو دائمی مدد فرماتا ہے شیطان فانی ہے تو اس کی امداد بھی فانی دیکھو اولاللہ کے بندے اگرچہ زندگی فقر و فاقہ میں گزاریں مگر ان کا ذکر جمیل ان کے بعد بھی زمانہ بھر میں رہتا ہے یہ ہے اللہ کی مدد اور جابر بادشاہ اگرچہ زندگی شان و شوکت سے گزاریں مگر ان کے مرتے ہی ان کا نام بھی مر جاتا ہے بلکہ ان پر دائمی لعنت رہتی ہے یہ ہے شیطان کی مدد صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس و شیطان کتے کی طرح ہیں کہ اگر تو خود ان کا مقابلہ کرے تو تیرے کپڑے پھاڑ دیں اور اگر مالک سے فریاد کرے تو وہ انہیں تجھ سے چھوڑ دے نفس و شیطان ہمارے مقابل کمزور نہیں۔ رب کے سامنے کمزور ہیں ان کی شر سے بچنے کے لئے اللہ کی امان رسول کے سایہ میں رہو۔ اسی لئے فرمایا گیا **خلق الانسان ضعیفا** امام ابن سہیل فرماتے ہیں کہ مومن کے دشمن چار ہیں۔ ایک دنیا اور اس کا ہتھیار مخلوق سے زیادہ خلط ملط ہے۔ اس سے بچاؤ مخلوق سے کنارہ کشی ہے۔ دوسرے شیطان اس کا ہتھیار شکم سیری ہے اور اس سے بچاؤ بھوکا رہنا ہے۔

تیسرے نفس امارہ اس کا ہتھیار زیادہ سونا ہے اس سے بچاؤ جاگنا رب کی یاد کرنا ہے۔ چوتھے ھوئی اس کا ہتھیار زیادہ بولنا ہے اس سے بچاؤ زیادہ خاموشی ہے۔ جب بندہ نفس کی ظلمتوں سے چھٹکارا پا کر نورانی بن جاتا ہے تو شیطان اس سے بھاگنے لگتا ہے۔ دیکھو حضرت عمر سے شیطان بھاگتا ہے۔ بڑا جہاد فی سبیل اللہ اپنے نفس سے جہاد ہے نفس سے مجاہدہ روح و دل کی قوت کا ذریعہ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

کیا نہ دیکھا آپ نے طرف ان لوگوں کے کہا گیا ان سے روکو ہاتھوں کو اپنے اور قائم کرو نماز کو اور دو زکوۃ

کیا تو نے انہیں نہ دیکھا جنہیں کہا گیا اپنے ہاتھ روک لو اور نماز قائم رکھو اور زکوۃ دو

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ

پس جب لازم کیا گیا اوپر ان کے جہاد تو اچانک ایک گروہ ان میں سے ڈرتے ہیں لوگوں سے مثل ڈرنے اللہ کے

پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں بعضے لوگوں سے ایسا ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرے یا اس

اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى

یا زیادہ اس سے خوف اور کہا انہوں نے اے رب ہمارے کیوں لازم کیا تو نے ہم پر جہاد کیوں نہ مہلت دی تو

سے بھی زائد اور بولے اے رب ہمارے تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا تھوڑی مدت تک ہمیں

اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى

نے ہم کو تھوڑی میعاد تک آپ فرما دو کہ سامان دنیا تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے واسطے اس کے جو پرہیزگار

اور جینے دیا ہوتا تم فرما دو کہ دنیا کا برتنا تھوڑا ہے اور ڈر والوں کے لئے

وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾

ہو اور نہ ظلم کئے جائیں گے ڈورے برابر

آخرت اچھی تم پر آگے برابر ظلم نہ ہوگا

تعلق: اس آیت کریمہ کا گزشتہ آیت سے چند طرح تعلق ہے: پہلا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ شیطان جنگ میں کفار کی حمایت کرتا ہے اور اسکی حمایت کمزور ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ شیطان مسلمان غازیوں کو بہکاتا ہے مسلمان اس سے آگاہ رہیں اسکے بہکانے میں نہ آجائیں یعنی شیطان کے ایک فریب کا ذکر پچھلی آیت میں تھا کفار کو جنگ پر ابھارنا اور اسکے دوسرے فریب کا ذکر اس آیت میں ہے یعنی مسلمانوں کو بزدل کرنا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب کئی طرح دی گئی تھی اب جہاد کے متعلق شکوک رفع فرمائے جا رہے ہیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں جہاد کا حکم تھا اب وقت جہاد کا تذکرہ ہے کہ تمام عبادات کی طرح جہاد کیلئے بھی کوئی وقت ہے اور اسکی کچھ شرطیں۔ چوتھا تعلق: پچھلی

آیت میں مجاہدین کو فرمایا گیا کہ تمہارا مقابل ابلیس ہے جو کمزور و ضعیف ہے اب مسلمانوں کے دلوں سے جہاد کی ہیبت دفع کی جا رہی ہے کہ جہاد ڈرنے کی چیز نہیں یہ تو بڑی اعلیٰ نعمت ہے۔

شان نزول: عام مفسرین نے فرمایا کہ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں حضرت عبدالرحمان ابن عوف زہری مقداد ابن السود کندی قدامہ ابن مظعون مجی۔ سعد ابن ابی وقاص وغیرہم صحابہ کرام نے کفار مکہ کی طرف سے بہت ایذائیں تکالیف برداشت کیں۔ مگر جب انکی اذیتیں حد سے بڑھ گئیں تو ان حضرات نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم کو اجازت دی جائے کہ ہم بھی ان موذی کفار سے کچھ بدلہ لیں ان سے جنگ کریں کہ انکی تکالیف برداشت سے باہر ہو رہی ہیں سرکار نے فرمایا ابھی مجھے رب تعالیٰ کی طرف اس کی اجازت نہیں ملی ابھی صبر کرو نمازیں پڑھو زکوۃ دو۔ بعد ہجرت جب جہاد کا حکم ہوا اور جنگ بدر کا موقعہ آیا تو بعض حضرات بشری فطرت کے تقاضے سے کچھ گھبرانے لگے اس موقعہ پر انکی تسلی کیلئے یہ آیات نازل ہوئیں۔ (کبیر خازن خزائن صاوی روح المعانی وبیان مدارک وغیرہ) مگر تفسیر کبیر نے ترجیح اسے دی کہ یہ آیت منافقین کے متعلق اتری جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پاک پہنچنے پر اپنا جوش ایمانی ظاہر کرنے کو اجازت جہاد مانگتے تھے پھر جب جہاد فرض ہو گیا تو بغلیں جھانکنے اور بہانہ بنانے لگے اور اس کی دلیل یہ دی جو کہ آگے ارشاد ہو رہا ہے **وان تصبہم حسنۃ** الخ کہ اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہتے ہیں یہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں یہ آپکی طرف سے اور ظاہر ہے کہ ایسی گستاخی حضرات صحابہ کرام نہیں کر سکتے تھے یہ جراءت تو منافقین ہی کو تھی بہرحال اس آیت میں دونوں قرینے موجود ہیں۔ یہ بھی کہ یہ آیت حضرات صحابہ کرام کے متعلق ہو اور یہ بھی کہ یہ منافقین کے متعلق ہو لہٰذا آیت کی دو تفسیریں ہوں گی۔ فقیر کے نزدیک دوسرا قول قوی ہے کہ یہ آیت کریمہ منافقین کے متعلق ہے کیونکہ زکوۃ دیئے جاؤ زکوۃ تو اس وقت آئی ہی نہ تھی زکوۃ کے متعلق دیکھو در مختار شروع کتاب الزکوۃ اور مدارج النبوۃ وغیرہ لہٰذا اس آیت پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ حضرات صحابہ کرام پر کوئی طعنہ ہو سکتا ہے۔

تفسیر: **الم تر الی الذین قیل لہم**: ظاہر یہ ہے کہ تر میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور رویت سے مراد آنکھ کا دیکھنا ہے نہ کہ صرف دل میں غور کرنا چونکہ رویت میں انتہا کے معنی ملحوظ ہیں اسلئے اسکے بعد الیٰ لایا گیا یعنی اے محبوب کیا آپ کی نظر ان تک نہ پہنچی' ضرور پہنچی ہے استفہام انکاری ہے اور تعجب دلانے کیلئے ہے اگر یہ آیت کریمہ صحابہ کرام کے متعلق اتری ہے تو الذین سے مراد وہی صحابہ ہیں ورنہ منافقین مراد۔ قیل لہم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مراد ہے مگر تری کی طرح' قلت مخاطب کا صیغہ ارشاد نہ ہوا کیونکہ وہ فرمان عالی صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ تھا بلکہ رب تعالیٰ کا بھی تھا اس طرح کہ ہم نے آپ کی زبان و دہان سے یہ فرمان انہیں سنایا۔ **کفوا ایدیکم** کفوا کف سے بنا بمعنی رکنا یا روکنا یہاں بمعنی روکنا ہے چونکہ جہاد میں جنگ و قتال ہوتے ہیں جو ہاتھ کا کام ہے اسلئے ایدیکم فرمایا گیا اور ہو سکتا ہے کہ ایدی سے نفس و ذات مراد ہو یعنی ابھی اپنے ہاتھ یا اپنی ذات کو جہاد سے روکو۔ ابھی جہاد کرنا ممنوع ہے جس پر ثواب نہیں بلکہ گناہ ہے کفوا امر ہے اور امر وجوب کیلئے ہوتا ہے **واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ** اگر اس میں خطاب صحابہ سے ہے تو معنی ہوں گے یوں ہی نماز قائم کئے رہو۔ زکوۃ دیئے جاؤ کیونکہ وہ حضرات پہلے ہی سے نمازی اور سخی تھے جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یا ایہا النبی**

اتق اللہ اور اگر روئے سخن منافقین سے ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ چونکہ تم نے کلمہ پڑھ لیا ہے لہٰذا نماز بھی قائم کرو اور زکوۃ بھی دیا کرو کہ تم شرعی طور پر مسلمان ہو چکے ہو جو ہم نے ابھی عرض کیا وہ خیال میں رہے کہ زکوۃ بعد ہجرت 2ھ میں فرض ہوئی (در مختار) لہٰذا یہ جواب قبل ہجرت مکہ معظمہ میں صحابہ کرام کو نہیں ہو سکتا۔ نماز قائم کرنے کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ علماء کے ہاں نماز ہمیشہ پڑھنا صحیح وقت پر پڑھنا صحیح طریقہ سے پڑھنا نماز قائم کرنا ہے اور صوفیاء کے ہاں ان تین چیزوں کے ساتھ چوتھی شرط ہے دل لگا کر پڑھنا ان چار صفتوں سے نماز قائم ہوتی ہے قلب و قالب دونوں کی نماز چاہئے تخم اگر صرف زمین کے اوپر ہو جڑ زمین کے اندر نہ پھیلے تو درخت قائم نہیں ہوتا فلما کتب علیہم القتال ف تعقیبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوۃ جہاد سے پہلے فرض ہو چکی تھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوۃ فرض ہوتے ہی بہت جلد جہاد فرض ہو گیا۔ کیونکہ ف تعقیبیہ ہے بلا تراخی کیلئے آتی ہے بمعنی فوراً کتب بمعنی فرض و لازم ہے یعنی فرض کیا گیا لازم کیا گیا علیہم کی ضمیر یا صحابہ کرام کی طرف ہے یا ان منافقین کی طرف کیونکہ منافقین ظاہری کلمہ پڑھنے کی وجہ سے احکام شرعیہ کے مکلف تھے۔ قتال سے مراد یا مطلقاً جہاد ہے کہ اس کی فرضیت کا حکم اسلام میں آگیا یا بدر کی جنگ مراد جبکہ اسباب جہاد جمع ہونے کی وجہ سے جہاد لازم ہو گیا۔ خیال رہے کہ ہجرت سے پہلے نبوت کے گیارہویں سال نماز فرض ہوئی معراج کی شب اور زکوۃ جہاد روزہ 2ھ میں مدینہ منورہ میں فرض ہوئے اذا فریق منھم یخشون الناس کخشیۃ اللہ او اشد خشیۃ یہ جملہ فلما کی جزاء کے قائم مقام ہے لہٰذا قائم مقام ف فریق منہم کی ضمیر اگر صحابہ کی طرف ہے تو مطلب یہ ہے کہ وہ تمام حضرات نہ ڈرے، جو جہاد کی اجازت مانگتے تھے بلکہ ان میں سے بعض لوگ اور اگر مرجع منافقین ہیں تو مطلب یہ ہے کہ تمام منافقین نے خوف گھبراہٹ ظاہر نہ کیا بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے اور دوسرے گروہ نے ایسا مضبوط تقیہ کیا کہ دل کے خوف کو ظاہری علامات سے بالکل ظاہر نہ ہونے دیا۔ یخشون کا مفعول مطلق خشیۃ پوشیدہ ہے وہی مشبہ ہے اور خشیۃ اللہ میں خشیۃ کی اضافت مفعول کی طرف ہے اسکا فاعل پوشیدہ ہے او یا تو عاطفہ ہی ہے یا بمعنی بل یعنی جہاد فرض ہونے پر ان منافقین میں سے ہلکے درجہ کے منافق کفار مکہ سے ایسے ڈرنے لگے جیسے مومن اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اگر مومن صحابہ مراد ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ فطری طبعی غیر اختیاری خوف انہیں کفار سے ایسا ہو گیا جیسے خدا تعالیٰ سے ہونا چاہئے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ خوف باعث طعنہ نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے خوف ہوا تھا۔ وقالوا ربنا لم کتبت علینا القتال اگر یہاں توجہ کرم مسلمانوں کی طرف ہے تو قالوا سے مراد ہے انکا اعلانیہ یہ قول اور القتال سے مراد یا مطلقاً جہاد ہے یا بدر کا جہاد یعنی یہ حضرات حکم جہاد سنکر کہنے لگے کہ خدایا تو نے اتنی جلد ہم پر جہاد کیوں فرض فرمایا یا بدر میں جہاد کیوں لازم ہو گیا ابھی تو ہم مدینہ منورہ پہنچ کر سنبھلے بھی نہیں اور اگر منافقین مراد ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے منہ سے تو کچھ نہ کہا دل میں بولے کہ خدایا جہاد کیوں فرض ہو گیا یہ تو ہمارا نفاق ظاہر کردے گا لولا اخرتنا الی اجل قریب یہ جملہ بھی قالوا کا دوسرا مفعول ہے چونکہ یہ مستقل علیحدہ کلام ہے اسلئے درمیان میں واؤ نہ لایا گیا اس میں بھی وہی دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ مخلصین کا قول ہو اور اجل قریب سے مراد تھوڑی مدت ہو یعنی ابھی کچھ روز اور جہاد فرض نہ ہوتا تاکہ ہم کچھ تگڑے ہو کر قوت پیدا کر لیتے یہ کلام رب پر اعتراض کیلئے نہیں بلکہ حکمت دریافت کرنے کو ہے جیسے فرشتوں نے خلیفۃ اللہ کی خبر پا کر عرض کیا تھا اتجعل فیھا من یفسد فیھا اور اگر منافقین کا قول ہے تو اجل قریب سے مراد اسکی اپنی موت کا وقت ہے اور یہ کلام اسلام یا رب تعالیٰ پر اعتراض کیلئے ہے یعنی جہاد کیوں فرض ہوا یہ تو بری چیز ہے جہاد نہ

ہو تا تاکہ ہم کو اپنی موت کے وقت تک مہلت ملتی اور ہم اپنی طبعی موت مرتے نہ کہ میدان جنگ میں **قل متاع الدنیا قلیل** قل میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے متاع کے معنی ہیں برتنے کی چیز یعنی جو برت کر چھوڑ دی جائے کہ برتنے والا چلا جائے چیز ویسے ہی رہ جائے متاع دنیا سے مراد دنیا کی تمام نعمتیں ہیں کہ یہ تمام مل کر بھی آخرت کی ایک نعمت سے کہیں کم ہیں کہ یہ سب فانی ہیں اور آخرت کی نعمت باقی پھر یہ تمام آفتوں مصیبتوں سے مخلوط آخرت کی نعمتیں خالص یہ تمام نعمتیں مشکوک کہ نہ معلوم ہم انہیں برتیں یا نہ برت سکیں آخرت کی نعمتیں یقینی ہمارے استعمال کیلئے نیز دنیا قانونی جگہ ہے جہاں ہر چیز قانون کے مطابق ملتی ہے اور اس پر حساب بھی ہے آخرت دوستوں کیلئے محبت کی جگہ جہاں کسی چیز کا حساب نہیں دوکان پر کھانا قانونی ملتا ہے حساب سے دعوت میں محبت سے ملتا ہے بلا حساب دکان پر کھانا خریدار کی شان کے مطابق ملتا ہے دعوت میں گھر والے کی شان کے لائق دنیا تمہاری قابلیت کے لائق دی گئی آخرت رب کی شان کے لائق۔ خیال رہے کہ دنیا وہ ہے جو ماں کے پیٹ اور قبر کے درمیان ہوں یعنی پیدائش سے مرتے وقت تک یہ خیال رہے کہ قرآن کریم میں جب حضور سے قل فرمایا جاتا ہے تو کبھی اسکا تعلق رب تعالیٰ سے ہوتا ہے جیسے **قل اللھم ملک الملک** ہم سے یوں کہو کہ اے اللہ اے ملک کے مالک اس قل فرمانے کی حکمت یہ ہے۔

قل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سنی اتنی ہے گفتگو تری اللہ کو پسند!

بلا تشبیہ اپنے پیارے بچے سے باتیں کہلوا کر سنتے ہیں کہ اسکے منہ کی بات پیاری معلوم ہوتی ہے کبھی روئے سخن کفار سے ہوتا ہے جیسے **قل یا ایھا الکفرون** وہاں کفار پر غضب کا اظہار ہے کہ ہم ان بے ایمانوں سے کلام نہیں پسند فرماتے تم فرمادو **لا یکلمھم اللہ** اور کبھی روئے سخن مسلمانوں سے ہوتا ہے جیسے **قل للمومنین یغضوا من ابصارھم** وہاں حضور کے توسل کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ محبوب تم ہمارے اور مومنوں کے درمیان برزخ کبریٰ ہو جو ہم کو ان سے کہنا ہو تو ہم تم سے کہیں تم ان سے کہو یوں ہی جب انہیں کچھ ہم سے کہنا ہو تو یہ تم سے کہیں تم ہم سے عرض کرو بلا تشبیہ عدالت میں وکیل حاکم اور مدعی مدعی علیہ کے درمیان برزخ ہوتا ہے یہاں اگر روئے سخن منافقین سے ہے تو قل سے ان لوگوں پر اظہار غضب ہے اور اگر روئے سخن صحابہ سے ہے تو بیان توسل ہے **والاخرۃ خیر لمن اتقی** آخرت سے مراد یا تو جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں یا دنیا کے بعد کا زمانہ جس میں برزخ حشر اور بعد قیامت سب ہی داخل ہیں اتقی سے مراد ہے ہر مومن یا پرہیزگار مومن یعنی پرہیزگاروں مومنوں کیلئے آخرت دنیا سے کہیں خیر و بہتر ہے۔ خیال رہے کہ آخرت ہر مومن کیلئے دنیا سے خیر ہے اور متقی مومن کیلئے خالص خیر کہ وہاں تکلیف کا شائبہ بھی نہیں اور کافر کیلئے آخرت دنیا سے زیادہ خطرناک اسلئے ارشاد ہوا کہ دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے کافر کیلئے جنت۔ **ولا تظلمون فتیلا** ابن کثیر' حمزہ کسائی کی قراءت میں ی سے ہے **لا یظلمون** اسکا نائب فاعل وہ ہی ہیں جنکا ذکر ابھی الم تر الی الذین میں ہو لیا سارے انسان ہیں یا ساری مخلوق باقی کے ہاں **لا تظلمون** ت سے ہے اس صورت میں اسکا تعلق **قل متاع الدنیا قلیل** سے ہے یعنی ان لوگوں سے فرمادو کہ سامان دنیا تھوڑا ہے اور فرمادو کہ تم پر مطلقاً ظلم نہ کیا جائے گا فتیل کی تحقیق پہلے ہو چکی کہ یہ فتل سے بنا بمعنی بٹنا فتیل بمعنی بٹا ہوا دھاگا ڈور اصطلاح میں کھجور کی گھٹلی کے گڑھے میں جو باریک چھلکا دھاگے کی طرح ہوتا ہے اسے فتیل کہتے ہیں۔ عرب میں کسی چیز کی انتہائی کمی بیان کرنے کیلئے اسکا ذکر فرمایا جاتا ہے یعنی تم لوگ رب کے ہاں اس دھاگے کے برابر بھی ظلم نہ کئے جاؤ گے۔

خلاصہ ء تفسیر: گزشتہ تفسیر سے پتہ لگا کہ اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں ہم اسکے مطابق ان دونوں تفسیروں کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ پہلی تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اپنے ان مہاجر صحابہ کو ملاحظہ نہ فرمایا جو مکہ معظمہ میں تو کہا کرتے تھے کہ ہم کو جہاد اور کفار سے لڑنے کی اجازت دیجئے اور ہم ان سے آپکی زبان پر فرماتے تھے کہ نہیں اپنے ہاتھ روکو انکی ایذائیں برداشت کرو۔ اس وقت تم صرف نمازیں قائم کرو زکوۃ دو کہ نماز و زکوۃ نفس کے ساتھ جہاد ہے اور جہاد بالنفس جہاد بالکفار سے مقدم ہے اسکے بعد کفار سے بھی جہاد کر لینا حکم آجانے پر پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا اور غزوہ بدر کی طرف چلنے کا انہیں حکم دیا گیا تو ان میں سے سب تو نہیں بعض حضرات طبعی کمزوری اور فطرت بشری کی بنا پر کفار سے ایسے ڈرنے لگے جیسے قوی الاعتقاد مومن اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں کہ اسکی ممنوعات کے قریب نہیں جاتے بلکہ اس سے بھی زیادہ انکے دل میں خوف کفار ہو گیا اور گھبراہٹ میں کہنے لگے کہ خدایا ابھی اتنی جلدی تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض فرمایا ابھی تو ہم نے مدینہ میں آکر چین کا سانس بھی نہ لیا اور کچھ مدت تک مہلت کیوں نہ دی کہ ہم قوت و طاقت پکڑ جاتے پھر جہاد فرض ہوتا اس میں حکمت کیا ہے اے محبوب آپ انہیں تسلی دے دو اور فرما دو کہ جہاد سے خوف کیسا وہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ تم شہید ہو کر دنیاوی زندگی اور یہاں کے ساز و سامان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے تو یقین کر لو کہ دنیا فقط برتنے کا سامان ہے وہ بھی بہت تھوڑا اور فانی اور پرہیزگاروں کیلئے آخرت دنیا سے بہتر ہے کیونکہ دنیا فانی ہے آخرت باقی دنیا مشکوک ہے آخرت یقینی دنیا آفتوں سے مخلوط ہے آخرت خالص دنیا قانون کی جگہ ہے آخرت محبت کی جگہ دنیا پابندیوں کی جگہ ہے آخرت آزادی کی جگہ دنیا میں تمہاری ہر خواہش پوری نہیں کی جاتی آخرت میں جو چاہو گے ملے گا کیونکہ دنیا میں شیطان شکاری کا جنگل ہے اسلئے یہاں پابندی ہے کہ تم شکار نہ ہو جاؤ وہاں شکاری کوئی نہ ہو گا آزادی ہو گی۔ دنیا میں دل کے ساتھ نفس بھی ہے جو بری چیزیں بھی چاہتا ہے۔ آخرت میں نفس نہ ہو گا لہذا وہاں تمہاری ہر خواہش پوری کی جائے گی۔ نیز دنیا میں ہر چیز غیب ہے آخرت میں ہر چیز شہادت گویا دنیا فراق کی جگہ ہے آخرت وصال کی جگہ ان وجوہ سے آخرت دنیا سے بہتر ہے۔۔

سنا ہے قبر میں دیدار ہو گا بے حجابانہ　　کفن کو پھاڑ کر اٹھیں گے مردے اپنے مدفن میں

خیال رکھو کہ تم پر کسی قسم کا معمولی سے معمولی ظلم نہ ہو گا کہ تمہاری نیکیاں بلاوجہ برباد ہو جائیں یا تم کو جرم سے زیادہ سزا دے دی جائے لہذا اعمال صالحہ میں جلدی کرو۔

دوسری تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے ان منافقین مدینہ کو نہ دیکھا جو اپنا نفاق چھپانے کیلئے جہاد فرض ہونے سے آپ سے تقاضے کرتے تھے کہ حضور ہم کو جہاد کی اجازت دیجئے تاکہ ہم خدمت اسلام میں اپنی جانوں کی قربانی کریں تو آپ ان سے فرماتے تھے کہ تم نماز و زکوۃ میں تو سستی کرتے ہو تم پر یہ آسان سی عبادتیں بھاری ہیں اور جہاد کی آرزو کرتے ہو نماز قائم کرو زکوۃ دو ابھی جہاد سے ہاتھ روکو پھر جب عنقریب ہی جہاد فرض ہو گیا انکے دلوں میں کفار کا خوف اتنا زبردست پیدا ہو گیا جتنا کہ مسلمانوں کے دلوں میں خوف خدا زبردست ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کہ مسلمان کو رب کے خوف کے ساتھ اس سے رحمت کی امید بھی انہیں کفار سے خالص اور نرا خوف ہے اور لگے اسلام پر اعتراض کرنے کہ ہماری زندگی میں جہاد کیوں فرض ہو گیا ہمارے بعد ہوا ہوتا فرما دو کہ تم دنیا کے دلدادہ ہو جو بہت تھوڑی ہے اگر تم مخلص مومن متقی بن جاؤ تو آخرت

تمہارے لئے دنیا سے کہیں بہتر ہے اور تم پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے گا۔ تمہاری کوئی نیکی برباد نہ ہوگی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: زکوٰۃ کی فرضیت جہاد کی فرضیت سے پہلے ہے جیسا کہ فلما کی ف سے معلوم ہوا اور چاہئے بھی یہ تھا کہ نماز و زکوٰۃ میں اپنے نفس کی اصلاح ہے اور جہاد میں دوسروں کی اصلاح اپنی اصلاح دوسروں کی اصلاح سے پہلے ہونا ضروری ہے نیز نماز میں رب تعالیٰ کی تعظیم ہے اور زکوٰۃ میں مخلوق پر مہربانی جہاد میں دوسروں پر سختی ہے یقیناً وہ دونوں جہاد سے پہلے ہونی چاہئیں۔ دوسرا فائدہ: قوی یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ منافقین کے متعلق اتری ہے کیونکہ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ جہاد کا مطالبہ زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد ہوا تھا اور زکوٰۃ بعد ہجرت 2ھ میں فرض ہوئی ہجرت سے پہلے زکوٰۃ تھی ہی نہیں بلکہ اس وقت تک صرف نماز تھی نماز میں بھی جمعہ' عیدین بعد ہجرت فرض ہوئی۔ تیسرا فائدہ: نماز زکوٰۃ جہاد سے افضل ہے یہ بھی فلما کی ف سے اشارۃً معلوم ہوا کہ ف تعقیب کیلئے ہے جسکے معنی ہیں پیچھے ہونا جہاد زکوٰۃ سے رتبہ میں پیچھے ہے ہاں بعض سخت حالات میں جہاد نماز سے مقدم ہو جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق میں جہاد کی وجہ سے چند نمازیں قضا فرمائیں۔ چوتھا فائدہ: مخلوق سے خوف خلاف ایمان نہیں جیسا کہ اس آیت کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات اس قدر خوف کفار کے باوجود مومن صحابی رہے مگر یہ خوف ایذا کا ہے نہ کہ خوف اطاعت جیسا کہ سانپ سے خوف ہر مومن کو ہوتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے عصا کے سانپ بن جانے پر اس سے خوف فرمایا اور فرعون و ہامان وغیرہ سے آپکے دل میں خوف ہوا۔ پانچواں فائدہ: اسلامی قوانین کی حکمتیں پوچھنا جبکہ سمجھنے کیلئے ہو اعتراض کی غرض سے نہ ہو ایمان کے منافی نہیں یہ فائدہ بھی آیت کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا کہ حضرات صحابہ نے عرض کیا لم کتبت علینا القتال مگر رب تعالیٰ نے انکی فہمائش فرمادی اظہار غضب نہ فرمایا فرشتوں نے خلیفۃ اللہ کے تقرر پر رب تعالیٰ سے انکے تقرر کی حکمت پوچھی یہ انکی شان کے خلاف نہ ہوا۔ چھٹا فائدہ: دنیا کتنی بھی زیادہ ہو مگر آخرت یعنی جنت کے مقابل بہت تھوڑی ہے۔ قلیل یعنی کم دو قسم کا ہے بذات خود کم یعنی حقیقی تھوڑا جیسے ایک کا عدد کہ تمام عددوں سے کم ہے اور نسبتی تھوڑا یعنی اضافی کم جیسے ایک ہزار کہ یہ خود تو بہت بڑا عدد ہے مگر ایک لاکھ سے کم ہے دنیا ہر طرح کم ہے۔ حقیقتہً بھی کم کہ یہ فانی ہے جنت باقی یہ مصیبتوں سے گھری ہوئی ہے جنت ان سے صاف یہ مشکوک ہے نہ معلوم ہم اس سے فائدہ اٹھا سکیں یا نہیں کل ہی فنا ہو جائیں جنت کی نعمتیں یقینی اور دنیا نسبتہً بھی کم یعنی جنت کی نعمتوں کے مقابلے میں بھی کم کیونکہ جنت قیمتی مسلم شریف نے حضرت مستورد ابن شداد سے روایت کی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا آخرت کے مقابل ایسی ہے جیسے کوئی اپنی انگلی دریا میں ڈالے جس سے وہ بھیگ جائے تو جو نسبت انگلی کی اس تری کو سمندر سے ہوگی وہ ہی نسبت دنیا کی آخرت سے ہے (خازن) نیز جنتی حور کی مانگ کی لڑی کا ایک موتی اور جنتی نہروں کی تہہ کی زنجیری کا ایک موتی تمام دنیا کے خزانوں سے زیادہ قیمتی ہے۔

ساتواں فائدہ: مومن کیلئے آخرت دنیا سے کہیں بہتر ہے مگر کافر کیلئے دنیا آخرت سے کہیں زیادہ آرام دہ ہے کہ وہ یہاں آرام سے ہے پھر دوزخ میں مصیبت اٹھائے گا جیسا کہ لمن اتقی سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: رب تعالیٰ کسی کو بغیر جرم سزا نہ دیگا کہ اسے یہاں ظلم فرمایا گیا رب تعالیٰ ظلم سے پاک ہے لہٰذا کفار کے نا سمجھ بچے جو لڑکپن میں فوت ہو گئے دوزخی نہیں۔

نواں فائدہ: منافقین پر جہاد بہت بھاری ہے وہ اس سے بہت ہی گھبراتے ہیں جان چراتے ہیں جیسا کہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا لہٰذا مرزا قادیانی نبی ولی تو کیا مومن بھی نہ تھا کہ وہ جہاد سے بہت ہی ڈرتا تھا۔ جہاد کو اس ڈر سے منسوخ مانتا تھا

کہ اسی ڈر سے حج کو نہ گیا۔ دسواں فائدہ: منافقین کے دل میں اللہ کا خوف کم ہوتا ہے۔ انسانوں کا خوف زیادہ یہ فائدہ بھی اس آیت کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ گیارہواں فائدہ: مومن رب کے احکام بغیر چون وچرا مان لیتا ہے مگر منافق عمل تو کرتا نہیں جرح زیادہ کرتا ہے یہ کیوں ہوا کیسے ہوا رب تعالیٰ عمل کی توفیق بخشے یہ فائدہ بھی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ منافقین اعتراضاً کہتے تھے لم کتبت علینا القتال بارہواں فائدہ: منافقین پر ظاہری کلمہ گوئی کی وجہ سے شرعی احکام نماز روزہ جہاد وغیرہ فرض ہو جاتے ہیں۔ جن کا انہیں حکم دیا جاتا ہے اور نہ کرنے پر عتاب ہوتا ہے یہ فائدہ بھی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ منافقوں سے فرمایا گیا نماز قائم کرو زکوۃ دو پھر وہ خود بھی کہتے تھے۔ خدایا تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا۔

پہلا اعتراض: اگر یہ آیت مہاجرین صحابہ کے متعلق نازل ہوئی جیسا کہ پہلی تفسیر سے معلوم ہوا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نہ نماز پڑھتے تھے نہ زکوۃ دیتے تھے دیکھو ان سے کہا جا رہا ہے نماز قائم کرو زکوۃ دو اگر یہ حضرات پہلے ہی سے یہ عبادات کرتے ہوتے تو انہیں یہ حکم کیوں ہوتا (روافض) جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ آپ ہر رکعت میں پڑھتے ہیں اھدنا الصراط المستقیم خدایا ہم کو سیدھی راہ کی ہدایت دے تو کیا آپ گمراہ ہیں جو ہدایت کی دعا کر رہے ہیں۔ جیسے آپ اپنے متعلق کہیں گے کہ یہ استقامت کی دعا ہے یعنی ہم کو سیدھی راہ پر قائم رکھ ایسے ہی یہاں استقامت کا حکم ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں نماز قائم کرنے سے مراد ہے لوگوں میں نماز قائم کرنا' پھیلانا اور لوگوں میں زکوۃ دینے کا چرچا کرنا یعنی کفار کی تبلیغ سے پہلے مسلمانوں کو پختہ مسلمان بناؤ وہ حضرات ہمارے لئے ہدایت کے تارے ہیں۔ دوسرا اعتراض: او عربی میں شک کے موقعہ پر استعمال ہوتا ہے رب تعالیٰ شک سے پاک ہے پھر اس نے یہاں او کیوں فرمایا او اشد خشیۃ جواب: یہاں او بمعنی بل ہے یا بمعنی واؤ اور اگر شک کیلئے ہو تو شک سامعین بندوں کے لحاظ سے ہے نہ کہ رب تعالیٰ کی نسبت سے جیسے رب تعالیٰ نے فرمایا الی مائۃ الف او یزیدون یعنی اے مسلمان اگر تو منافقوں کا ڈر خوف دیکھے تو کہے کہ یہ تو اتنا ڈرتے ہیں جتنا مومن خدا سے ڈرتے ہیں یا اس سے زیادہ ڈرتے ہیں (تفسیر کبیر) تیسرا اعتراض: اگر یہ آیت کریمہ صحابہ کرام کے متعلق ہے جیسا کہ عام مفسرین نے فرمایا تو معلوم ہو گا کہ حضرات صحابہ کرام بہت بزدل تھے انکے دل میں خوف خدا کم تھا کفار سے خوف زیادہ تھا۔ جواب: یہ غلط ہے اگر واقعی یہ آیت ان بزرگوں کے متعلق ہے تو یہ خوف فطرت بشری سے تھا۔ خدا سے خوف مع امید کے ہوتا ہے ان کفار سے خوف ناامیدی کے ساتھ تھا نیز یہ خوف ایذا تھا جیسا سانپ سے ڈر پھر یہ خوف بھی لولا" تھا بعد میں ان ہی حضرات نے کفار سے بڑے بڑے مقابلے کئے بدر میں تین سو تیرہ ایک ہزار کے مقابل معرکہ آراء ہو گئے جنگ یرموک میں چالیس ہزار صحابہ ساتھ لاکھ عیسائیوں کے مقابل آئے اور چند روز میں فاتح بنے یہ وہ ہی حضرات تھے آپ نے کونسی بہادری دکھائی جو ان پر اعتراض کر رہے ہو۔ رب تعالیٰ کا ان سے یہ خطاب انہیں جوش دلاتے بہادر بنانے کیلئے ہے نہ کہ انکی برائی کیلئے۔ چوتھا اعتراض: اگر یہ آیت صحابہ کرام کے متعلق ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات خدا تعالیٰ پر اعتراض کرتے تھے اسلامی احکام سے ناراض دیکھو رب تعالیٰ نے انکا کلام نقل فرمایا لم کتبت علینا القتال اور رب تعالیٰ پر اعتراض کفر ہے۔ جواب: اس صورت میں یہ کلام اعتراض کیلئے نہیں بلکہ حکمت دریافت کرنے کیلئے ہے کہ جہاد میں طاقت و قوت شرط ہے ہم ابھی مدینہ منورہ میں نو وارد ہیں ہم میں طاقت آئی نہیں جہاد کیسے کریں گے یہ سوال تو فرشتوں نے بھی کیا تھا خلیفۃ اللہ کے

تقرر کے وقت۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ظلم پر تو قادر ہے مگر کرے گا نہیں کیونکہ اس نے اپنی تعریف یہ فرمائی کہ ہم بندوں پر ظلم نہیں کرتے اور تعریف جب ہی ہوتی ہے جبکہ برائی کر سکے مگر نہ کرے، جو برائی پر قادر ہی نہ ہو تو اسکی تعریف کیسی۔ گونگے کی تعریف نہیں ہوگی کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا نامرد کی تعریف نہیں ہوتی کہ وہ زنا نہیں کرتا (معتزلہ) نوٹ: یہ اعتراض معتزلہ کی طرف سے تفسیر کبیر نے یہاں نقل فرمایا آج فضلاء دیوبند یہ ہی اعتراض مسئلہ امکان کذب کے متعلق کرتے ہیں۔ جواب: یہ قاعدہ ہی غلط ہے کہ تعریف کیلئے قدرت علی الجرم ضروری ہے ورنہ رب تعالیٰ کی تعریف یہ بھی کی جاتی ہے لم یزل ولا یزال حیا" قیوما سمیعا" اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہیگا سمیع ہے بصیر ہے قیوم ہے تو کیا کہو گے کہ وہ مرنے گونگا بہرا اندھا ہو جانے پر قادر تو ہے مگر ایسا ہو گا نہیں۔ نعوذ باللہ جیسے موت وغیرہ عیوب الوہیت کے خلاف ہیں ایسے ہی ظلم جھوٹ بھی الوہیت کے منافی ہیں رب تعالیٰ ان سے پاک ہے۔

تفسیر صوفیانہ: روح انسانی عالم انوار کا پرندہ ہے جو اس جسم کے قفس میں مقید کر دیا گیا ہے۔ مگر یہ چڑیا اس پنجرے پر ایسے عاشق ہو گئی کہ اپنا وطن بھول گئی اب اس پنجرے سے نکلنا نہیں چاہتی چونکہ راہ حق میں جہاد و شہادت اس پنجرے کی قید سے اسے آزادی ملنے کا ذریعہ ہے تو بجائے خوش ہونے کے جہاد و شہادت سے گھبراتی ہے اسلئے کہتی ہے کہ مولیٰ تو نے جہاد کیوں فرض کیا مجھے اس قفس میں رہنے دے یہ تمام گھبراہٹیں اس ناجائز عشق و محبت کا نتیجہ ہیں جو اسے قفس سے ہو گیا امام قشیری فرماتے ہیں کہ ہم میزبان اپنے مہمان کی خاطر تواضع خوب کرتے ہیں مگر سامان خاطر کو قلیل اور تھوڑا ہی کہتے ہیں لیکن اگر مہمان تھوڑا ہدیہ پیش کر دے تو اسے اپنے کرم سے بہت تصور کرتے ہیں رب العالمین نے ہم کو تو دنیا کا مالک بنایا پھر فرمایا کہ یہ بہت تھوڑی ہے لیکن اگر ہم صدق دل سے ایک پیسہ اسکی راہ میں خرچ کریں تو اسے کثیر قرار دے کر کرم و بندہ نوازی سے بخوشی قبول فرماتا ہے یہ ہے اس مولیٰ کریم کا انتہائی کرم جب دنیا خسیس ہے تو اسکا طالب اخس۔ اخس خسیس ہے یعنی بد سے بد تر۔ مبارک ہے وہ جو اس خسیس و قلیل دنیا کو آخرت اور رضاء مولیٰ سے وابستہ کر دے تاکہ یہ خسیس شریف بن جائے اور قلیل کثیر ہو جائے۔ قطرہ دریا سے مل کر دریا بن جاتا ہے صفر عدد سے مل کر دس گنا دیتا ہے یوں ہی دنیا آخرت سے مل کر دس گنا کر دیتی ہے جسکے پاس جتنا بڑا عدد ہے اسکی دنیا اسی قدر اس کو زیادہ کر یگی۔ دنیا عقبیٰ سے مل کر نعمت لازوال ہو جاتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اے برادر بے نہایت درگہے است ہر کجا کہ میرسی باللہ مایست

مشائخ فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے آخرت کو دار الجزاء بنایا اور دنیا کو دار العمل کیونکہ ہمارے عمل تھوڑے ہیں جو چھوٹی سی دنیا میں سما جاتے ہیں مگر اسکی جزاء بہت ہی زیادہ ہے جو دنیا میں سما نہیں سکتی بڑی چیز کیلئے برتن بھی بڑا چاہیے۔ نیز رب تعالیٰ کی جزاء و سزاء خالص ہے دنیا میں نہ راحت خالص نہ تکلیف خالص۔ خیال رہے کہ بعض کی نیکیاں قبول ہوتی ہیں۔ بعض کی رد۔ قبولیت کی علامت دنیا میں قائم کر دی گئی ہے۔ اسکا ظہور آخرت میں ہو گا قبولیت کی علامتیں تین ہیں۔ عبادات میں لذت آگے زیادتی کی توفیق اور ادا کی ہوئی عبادت پر شکر جس شخص کو یہ تین نعمتیں میسر ہوں انشاء اللہ اسکی عبادات قبول اب پڑھو یہ آیت کریمہ والاخرۃ خیر لمن اتقی صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر نیکی کے آگے گہری گھاٹیاں ہیں جو ان گھاٹیوں کو خیریت سے طے

کر گیا وہ متقی ہے۔ مجاہدہ نفس، مخالفت ہوی، ترک دنیا پر صبر رب کی عبادات پر راحت و چین جسے یہ میسر ہے وہ متقی ہے۔ اور متقی کی آخرت دنیا سے بہتر ہے۔

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ وَإِنْ تُصِبْهُمْ

جس جگہ بھی ہوؤ گے تم پالے گی تم کو موت اگرچہ ہو تم مضبوط محلوں میں اور اگر پہنچتی ہے

تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آئے گی اگرچہ مضبوط قلعوں میں ہوؤ اور انہیں کوئی بھلائی پہنچے

حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ

ان کو بھلائی تو کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے اور اگر پہنچتی ہے ان کو برائی تو کہتے ہیں یہ آپ کے

تو کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور انہیں کوئی برائی پہنچے تو کہیں یہ حضور کی طرف

مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ

پاس سے ہے تم فرما دو کہ سب کچھ اللہ کے پاس سے ہے پس کیا ہے اس قوم کو کہ نہیں قریب

سے ہے تم فرما دو سب اللہ کی طرف سے ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کوئی بات سمجھتے

يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿٧٨﴾

ہوتے کہ سمجھیں کوئی بات

معلوم ہی نہیں ہوتے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ بعض لوگ انسانوں سے بہت ڈرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے جہاد سے گھبراتے ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ ڈر محض بیکار بلکہ مضر ہے کیونکہ موت تو بہر حال آکر رہے گی۔ پھر کفار سے ڈرنے جہاد سے باز رہنے کا فائدہ کیا گویا انکی ایک بیماری کا ذکر پہلے تھا اور اسکے علاج کا ذکر اب ہو رہا ہے یہ خیال پکا لو کہ موت ضرور آئیگی تو تمہارے دل سے خوف کفار نکل جائے گا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں منافقین کے ایک عیب کا ذکر تھا کفار سے خوف موت سے گھبراہٹ اب انکے دوسرے عیب کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ سے بے خوفی اور اسکے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو عیب لگانا اور کہنا کہ انکی وجہ سے مصیبتیں آتی ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں منافقین کی بزدلی کا ذکر تھا اب انکی حماقت و بے وقوفی کا تذکرہ ہے کہ یہ بیوقوف اس ذات کریم سے بدفالی لیتے ہیں جنکا وجود باجود کروڑہا نعمتوں کا ذریعہ ہے اور جنکا لقب رحمۃ للعالمین ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں منافقین کے کچھ عیوب بیان ہوئے بزدلی رب تعالیٰ پر اعتراض اب ان تمام عیوب کی وجہ کا ذکر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہچاننا حضور کے متعلق برے عقیدے رکھنے کہ تمام بے دینی کمزوری بیوقوفی ایک اسی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جو ان سے جدا ہوا ہزارہا عیوب کا جامع بن گیا۔

شان نزول: منافقین و یہود نے شہداء احد کے متعلق کہا کہ اگر یہ لوگ ہمارا کہنا مانتے اور غزوہ احد میں نہ جاتے تو نہ مارے جاتے دل میں تو وہ لوگ انکی شہادت پر خوش تھے مگر زبان سے اظہار افسوس کرتے ہوئے یہ کہتے تھے انکی تردید میں اس آیت کا پہلا جزء **این ما تکونوا** الخ نازل ہوئی (تفسیر خازن و روح وغیرہ) زمین مدینہ منورہ بہت سرسبز شاداب پھل فروٹ کا مخزن تھی۔ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ پاک میں رونق افروز ہوئے اور یہود مدینہ کو دعوت اسلام دی تو اکثر یہود نے سرکشی کرتے ہوئے حضور کی مخالفت پر کمر باندھ لی اور ان میں سے بعض لوگ تقیہ کر کے کلمہ پڑھ کر مسلمانوں میں گھس آئے اور طرح طرح سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے لگے۔ جسکی سزا میں کبھی وہاں وقت پر بارش نہ ہوتی کبھی پھل کم ہوتے جیسے کہ گزشتہ امتوں کا حال ہوتا رہا ہے تو مردود یہودی اور منافقین بولے کہ نعوذ باللہ ان صاحب (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے قدم آنے سے ہمارے ہاں کی خیر و برکت کم ہو گئی۔ یہ سب مصیبتیں ان کی آمد سے ہوئیں انکی تردید میں یہ آیت کریمہ **وان تصبهم حسنة** نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر' خازن' مدارک' بیضاوی' روح المعانی و بیان وغیرہ) خیال رہے کہ ایسی بکواس گزشتہ امتوں نے اپنے انبیاء کرام کے متعلق کی تھی۔ چنانچہ رب فرماتا ہے **وان تصبهم سيئة يطيروا بموسى ومن معه** اور صالح علیہ السلام کی قوم کے متعلق ارشاد فرماتا ہے **قالوا اطيرنا بك و بمن معك**' ہر زمانہ کے کفار کی بکواس قریبا" یکساں رہی اب بھی بعض کفار مسلمانوں کو منحوس کہتے ہیں بلکہ بعض جاہل مسلمان نمازی پرہیزگار متقی مسلمان کو منحوس اور اسکے نیک اعمال کو نحوست کہتے سنے گئے۔ یہ سب ان ہی شیاطین کا ترکہ ہے۔

تفسیر: **این ما تکونوا یدرککم الموت** ظاہر یہ ہے کہ یہ نیا اور علیحدہ جملہ ہے رب تعالٰی کا مقولہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ بھی گزشتہ آیت کے قل کا مفعول ہو۔ بحالت نصب ہو۔ این حرف استفہام ہے۔ جو مکان کے متعلق سوال کیلئے آتا ہے بمعنی کہاں مگر جب اسکے ساتھ ما تنکیریہ مل جاتا ہے تو بجائے استفہام مکانی کے شرط مکانی کیلئے استعمال ہوتا ہے بمعنی جہاں کہیں۔ تکونوا کون سے بنا بمعنی ہونا یا رہنا یہاں دونوں معنی ہو سکتے ہیں اس میں خطاب ان ہی منافقین سے ہے۔ جن کا قول پچھلی آیت میں نقل فرمایا گیا تھا جہاں کہیں سے مراد گھر' جنگل' میدان' جہاد' اپنا بستر وغیرہ ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ خطاب ان منافقین سے ہے جو کہتے تھے کہ اگر شہداء احد ہمارے پاس رہتے اور میدان جہاد میں نہ جاتے تو نہ مارے جاتے۔ بہرحال یہ کلام منافقین سے ہی ہے مخلصین مومن تو پہلے ہی سے یہ عقیدہ رکھتے تھے (خازن) **یدرککم** این ما کی جزا ہے ادراک کے معنی ہیں پانا اسلئے علم کو ادراک کہتے ہیں کہ اسکے ذریعہ مجہول چیز پائی جاتی ہے موت سے مراد مطلقاً موت ہے۔ بستر پر پڑ کر یا میدان جہاد میں گھر میں ہو یا سفر میں موت کے معنی ہیں روح کا جسم سے نکل جانا اسکا مقابل ہے حیوۃ یعنی زندگی جسم میں روح کا رہنا ہلاکت اور فنا کے معنی ہیں نیستی اسکا مقابل ہے وجود یعنی ہستی یہ ہر مخلوق کو ہے لہٰذا موت و ہلاکت و فنا میں فرق ہے موت کے اقسام دوسرے پارہ میں بیان ہو چکے اور فوائد میں موت و ہلاکت کا فرق آئے گا۔ اس میں اشارۃ" فرمایا گیا کہ موت تمہارے پیچھے پیچھے پھر رہی ہے تم اس سے بھاگ کر بچ نہیں سکتے اگرچہ رزق بھی اپنے کھانے والے کو ڈھونڈتا ہے اور بندہ جہاں ہو وہاں پہنچتا ہے مگر چونکہ بندہ بھی رزق کو تلاش کرتا ہے موت کی تلاش نہیں کرتا بلکہ اس سے گھبراتا ہے اسلئے موت کے متعلق ہی یہ کلمہ **یدرککم** ارشاد ہوا اگرچہ کم میں خطاب اس زمانہ کے منافقین و یہود سے ہے مگر اس میں تمام زمین و آسمان کے جاندار داخل ہیں کہ سوا جنت اور وہاں کی

چیزیں حوروں وغیرہ کے سب کو موت وفنا ہے جنت اور جنتی چیزیں موت سے محفوظ ہیں۔ حتی کہ وہاں کے پھل وغیرہ استعمال سے بھی نہ فنا ہوں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے' **اکلھا دائم** جیسے دنیا میں ہوا دھوپ ہمارے استعمال سے فنا یا کم نہیں ہوتے **ولو کنتم فی بروج مشیدۃ** ولو کلو اؤ وصلیہ ہے بمعنی اگرچہ کنتم میں وہی دو احتمال ہیں جو تکونوا میں تھے یعنی ہوؤ تم یا رہو تم۔ بروج جمع ہے برج کی بمعنی ظہور اسی سے ہے تبرج بمعنی ظاہر ہونا یا ہر نکل کر اپنے کو ظاہر کرنا رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ** اے نبی کی بیویوں اپنے کو لوگوں پر ظاہر نہ کرو یا ہر نہ نکلو پچھلی جاہلیت کے ظہور کی طرح اب اونچے بلند قلعوں کو بھی برج کہتے ہیں کہ وہ بلندی کی وجہ سے دور سے نظر آتے ہیں سب پر ظاہر ہوتے ہیں آسمان کے بارہ حصوں کا نام بھی برج ہے **والسماء ذات البروج** اور **جعل فی السماء بروجا** یہاں قلعہ اور اونچے محل مراد ہیں۔ **مشیدۃ** شید سے بنا بمعنی چونا گچ مشیدہ گچ کئے ہوئے مضبوط قلعے اسی سے ہے **تشید** بمعنی پختہ کرنا پختہ بنانا بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد زمین کے مضبوط قلعے ہیں بعض نے کہا آسمان کے بروج امام سدی اور ربیع فرماتے ہیں کہ یہ آسمان دنیا میں محل ہیں (روح المعانی) یعنی اے جہاد سے ڈرنے والو یقین کر لو کہ تم جہاں کہیں رہو موت تم کو پا کر رہے گی اس سے بچ نہیں سکتے اگرچہ تم زمین کے مضبوط اونچے قلعوں میں رہو یا آسمان کے برجوں میں پہنچ جاؤ پھر موت سے کیا ڈرنا ہے گھر پر بیمار رہ کر ایڑیاں رگڑ کر مرنے سے بہتر ہے جہاد میں شہادت کی موت مرنا **وان تصبھم حسنۃ یقولوا ھذہ من عند اللہ** یہ جملہ نیا ہے جس میں منافقین اور یہود کے دوسرے عیب کا ذکر ہے **حسنۃ** سے مراد دنیا کی بھلائی ہے وقت پر بارش اچھی پیداوار' ارزاں نرخ وغیرہ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد جنگ میں فتح اور غنیمت کا حصول ہے مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے کہ شان نزول کے مطابق ہے یقولوا کے فاعل وہی منافقین اور یہود جنکا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے ھذہ سے اشارہ ہے اسی حسنہ کی طرف ہے' من عند اللہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ بھلائی براہ راست رب کی طرف سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں کوئی واسطہ نہیں اسلئے رب تعالیٰ نے انکا یہ قول عیب کے سلسلہ میں بیان فرمایا ورنہ صرف اتنی بات تو سچی ہے یعنی اگر ان لوگوں کو کوئی بھلائی ارزانی' زیادہ پیداوار بروقت بارش وغیرہ پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ حضور کی اس میں کیا برکت ہے یہ تو رب نے بھیجی ہم کو مل گئی۔ انکے مدینہ پاک آنے سے ہم کو کوئی فائدہ نہیں ہوا **وان تصبھم سیئۃ یقولوا ھذہ من عندک** یہ جملہ پہلے جملہ پر معطوف ہے سیئۃ سے مراد تکلیف یا تکلیف دہ چیز ہے جیسے بے وقت بارش یا خشک سالی یا گرانی' پیداوار میں کمی۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد جنگ میں شکست پانا' زخمی ہو جانا شہادت پا جانا مگر پہلا قول قوی ہے عندک میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر رہے ہیں عند سے انکی مراد وجہ یا نحوست ہے یعنی اگر انہیں کبھی اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بے حیائی سے کہہ دیتے ہیں کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپکی وجہ سے آپ کے مدینہ منورہ تشریف لے آنے کے سبب سے ہے معاذ اللہ منہ۔ **قل کل من عند اللہ** یہ ان یہود و منافقین کی آخری بکواس کا جواب ہے۔ کل سے مراد ہر بھلائی برائی خوشی و غم آرام و تکلیف ارزانی گرانی وغیرہ ہے عند اللہ سے مراد اللہ کے ارادے اسکی ایجاد ہے یعنی ہر نیکی آرام و تکلیف رب تعالیٰ کے ارادے اسکی مشیت سے ہے اگرچہ تکلیف میں تمہاری بدکاریوں کو دخل ہے اور آرام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت شامل رب فرماتا ہے **وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم** جو مصیبت تم کو پہنچی وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا و جعلنی مبارکا اینما کنت' رب تعالیٰ نے مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں

بھی ہوں مرے دم قدم سے برکت ہوگی **فمال ھٰولاء القوم لا یکادون یفقھون حدیثا** یہ کلام نیا ہے رب تعالیٰ کا اپنا مقولہ ہے قل کے ماتحت نہیں ما استفہام تعجب دلانے کیلئے ہے ھٰولاء القوم سے مراد منافقین و یہود ہیں کیونکہ یہ ایک ہی قوم تھے یکادون کود سے بنا بمعنی قرب و نزدیکی۔ یفقھون فقہ سے بنا بمعنی سمجھ و عقل خصوصاً دینی سمجھ کو فقہ کہا جاتا ہے حدیث سے مراد یا تو رب تعالیٰ کا فرمان ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان، حدیث حدث سے بنا بمعنی نو پید چیز اب بات کو حدیث کہتے ہیں کہ یہ ہمیشہ منہ سے نئی نکلتی رہتی ہے یعنی اس منافق و یہود قوم کو کیا ہو گیا کہ یہ جانوروں کی طرح کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں ہوتے اپنی ہی کہے جاتے ہیں نہ قرآن سمجھیں نہ حضور کی حدیث یا نہ کسی کی بھلی بات انکی عقل میں آئے یہ بالکل جانوروں کی طرح ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **اولٰئک کالانعام بل ھم اضل**

خلاصہ ءِ تفسیر: اے منافقین و یہود تم غازیان شہداء احد پر زبان ملامت کیوں دراز کرتے ہو اور کیوں کہتے ہو کہ اگر یہ لوگ میدان جنگ میں نہ جاتے تو شہید نہ ہوتے زندہ رہتے ہر شخص کی موت کا وقت موت کی جگہ مقرر ہے کوئی اس سے کسی تدبیر کسی حیلہ سے بچ نہیں سکتا تم جہاں کہیں رہو اپنے وقت پر تم کو موت ضرور پہنچے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں یا آسمان کے برجوں میں پہنچ جاؤ زندگی کیلئے کتنے ہی حفاظت کے سامان بنالو مگر مروگے ضرور۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقوں یہودیوں کا کفر و عناد اور آپ سے حسد و انکار یہاں تک بڑھا ہوا ہے کہ جب انہیں کوئی دل خوش کن چیز میسر ہو جیسے ارزانی، فراخی، زیادتی پھل وغیرہ تو وہاں بر او راست میرا نام لے کر کہتے ہیں کہ یہ تو ہم کو رب کی طرف سے ملی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت وغیرہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں حالانکہ آپکے قدم کی برکت سے زمین مدینہ یثرب یعنی دار الوباء تھی وہ طیبہ و دار الشفاء بن گئی۔ یہاں کی آب و ہوا میں تبدیلی ہو گئی مگر یہ اسکے منکر ہیں یہاں توحید کی آڑ لے کر کہتے ہیں کہ خدا نے ہم کو یہ نعمتیں دیں لیکن جب ان پر کوئی آفت آئے مثلاً وقت پر بارش نہ آئے یا پھل وغیرہ میں کمی ہو جائے یا گرانی آجائے تو کہتے ہیں کہ یہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے آئی جب سے مدینہ پاک میں تشریف لائے یہاں کی خیر و برکت اڑ گئی یا اگر غزوہ بدر میں فتح ہو جائے تو کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کے کرم سے ہوئی۔ حضور کی برکت اس میں شامل نہیں اور اگر جنگ احد میں مسلمانوں کو تکلیف پہنچ جائے تو کہتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہوئی نہ یہ ہم کو میدان احد میں لے جاتے نہ یہ نوبت آتی آپ ان کی تردید میں فرما دو کہ ہر خیر و شر راحت و رنج گرانی و ارزانی فتح و شکست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اسکے ارادہ سے سب کچھ ہوتا ہے اگرچہ اللہ کی نعمتوں میں اسکے مقبول بندوں کی برکت شامل ہوتی ہے اور اللہ کی بھیجی مصیبتوں میں تم لوگوں کی غلطیوں نافرمانیوں کو دخل ہوتا ہے ان بے وقوفوں کو کیا ہو گیا کہ اتنی ظاہر بات نہیں سمجھتے۔ بلکہ سمجھنے کے قریب بھی نہیں ہوتے یہ تو جانوروں کی طرح ہیں جو صرف آواز سنتا ہے سمجھتا کچھ نہیں بلکہ ان سے بھی بدتر کہ جانور مالک کی آوازوں اشاروں پر عمل کر لیتے ہیں یہ اتنا بھی نہیں کرتے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: کوئی زندہ موت سے بچ نہیں سکتا۔ اسکے متعلق کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ لہٰذا موت سے بچنے کی کوشش نہ کرو بلکہ موت کی تیاری کرو جتنا یہاں رہنا ہے اتنی یہاں کی فکر کرو اور جتنا آخرت میں رہنا ہے اتنی وہاں کی فکر کرو۔ دوسرا فائدہ: موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے اسی وقت اسی جگہ پہنچے گی لہٰذا اسکے

خوف سے جہاد سے ڈرنا سخت غلطی ہے جیسا کہ یدرکم سے معلوم ہوا جب جان جانی ہی ہے تو بہتر ہے کہ راہ مولیٰ میں جائے جب موت آنی ہی ہے تو بہتر ہے کہ شہادت کے لباس میں آئے مہینوں بیمار رہ کر بستر پر ایڑیاں رگڑ کر جان دینے سے بہتر ہے کہ اللہ کی راہ میں جان جائے جو پانچ منٹ میں فیصلہ کر دیتی ہے۔ **تیسرا فائدہ:** منافق اور کافر اگر بظاہر اچھی اور درست بات بھی کہیں تو انکی نیت فاسد ہی ہوتی ہے۔ اور ان کی وہ بات عین کفر ہوتی ہے۔ دیکھو بھلائی پہنچنے پر یہ لوگ اللہ کا نام لیتے تھے کہ یہ رب کی طرف سے ہے بات ٹھیک تھی مگر ان کی نیت خراب تھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل آپ کی برکتوں کے انکار کی نیت سے یہ کہتے تھے لہٰذا انکے اس قول کو بھی رب تعالیٰ نے فرمایا **انہم لکاذبون** یہ بڑے جھوٹے ہیں کیونکہ انکی نیت خراب ہے زمانہ فاروقی میں ایک امام ہر رکعت میں ہر نماز میں سورۃ **عبس و تولی** ہی پڑھا کرتا تھا۔ حضرت عمر نے اسے کافر قرار دیا اور قتل کرا دیا دیکھو تفسیر کبیر وغیرہ سورۃ عبس۔ اس آیت کریمہ اور ان آیات سے موجودہ توحید یئے وہابیے عبرت پکڑیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا انکار کرنے کی نیت سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ہی نام لیتے ہیں انکا یہ ہر وقت اللہ اللہ کرنا فریب ہے بیشک ہر نعمت رب تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے مگر ملتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ان ہی کے دم قدم سے آفتیں ٹلتی ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے وما کان اللہ لیعذبہم وانت فیہم۔ **چوتھا فائدہ:** موت یعنی جسم سے جان کا نکلنا ہر جاندار کیلئے ہے فرشتہ ہو یا جن یا انسان آسمان پر رہتا ہو یا زمین پر جیسا کہ یدرککم کے عموم سے معلوم ہوا رب فرماتا ہے **کل نفس ذائقۃ الموت** موت کا مقابل حیوۃ ہے یعنی جان کا جسم میں رہنا۔ مگر فنا و ہلاکت یعنی نیستی ہر مخلوق کیلئے ہے ہر مخلوق جاندار ہو یا غیر جاندار لائق فنا ہے اسکا مقابل ہے وجود رب فرماتا ہے **کل شیئ ھالک الا وجھہ** سوا ذات باری سب فانی الذات لائق فنا ہیں ان میں سے بعض چیزیں فانی بالفعل نہیں جیسے ارواح جنت و دوزخ اور وہاں کے سامان کہ یہ چیزیں اگرچہ لائق فنا ہیں مگر انکو فنا نہیں رب فرماتا ہے **فصعق من فی السموت و من فی الارض** الا من شاء اللہ تین چیزوں میں فرق کرنا ضروری ہے موت امکانی فنا، فعلی فنا موت ہر فرشتہ جن و انس کو ہے امکانی فنا ہر ماسوی اللہ کو فعلی فنا یعنی مٹ جانا ارواح جنت دوزخ وغیرہ کے ماسوا کو ہے۔ **پانچواں فائدہ:** جمال مصطفوی ایک ہے مگر دیکھنے والی آنکھیں مختلف اس زمانہ پاک میں صدیقین تو کہتے تھے حضور کی تشریف آوری سے ہمارا یثرب مدینہ شریف بن گیا یہاں کی خاک شفا یہاں کی آب و ہوا علاج ہو گئے مگر منافقین و یہود یعنی زندیقین کہتے تھے کہ حضور کے قدم سے مدینہ کی برکتیں اڑ گئیں ہمارا عقیدہ تو یہ ہے۔

انسانیت کو فخر ہوا تیری ذات سے!　　بے نور تھا فرد کا ستارہ ترے بغیر

(اعظم)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

کوئی جان بس کے مہک رہی کسی دل میں اس سے کھٹک رہی!
نہیں اسکے جلوے میں یک رہی کہیں پھول ہے کہیں خار ہے!

ہم نے عرض کیا ہے۔

طیبہ کی زینت ان ہی کے دم سے　　کعبہ کی رونق ان کے قدم سے!
کعبہ ہی کیا ہے سارے جہاں میں　　دھوم ہے انکی کون و مکاں میں!

یعنی حضور کے دم قدم سے مدینہ کے باشندے آپس میں شیرو شکر ہو گئے۔ حضور کے دم سے مدینہ تمام دنیا کا ملجاو ماویٰ بن گیا۔ حضور کی وجہ سے مدینہ کی صد ہا تاریخیں لکھیں گئیں اور یہ تاریخی مقام ہو گیا حضور کی وجہ سے مدینہ کی تعریف میں ہزارہا قصیدے لکھے گئے کسی شہر کو یہ عزت نہ ملی حضور کی وجہ سے مدینہ کی طرف تمام مخلوق کھنچے لگی حضور کے قدم سے مدینہ کو مدینہ منورہ کہا جانے لگا یہ سب بہاریں انکے دم قدم کی ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** کسی مصیبت یا آفت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنا کہ ان کی وجہ سے یا ہم نے جو انکی غلامی اختیار کی کہ ہم مسلمان ہو گئے اس سے یا نماز کی وجہ سے یہ آفات آئیں یہ کفر ہے دیکھو رب تعالیٰ نے اس قول کو یہود و منافقین کی کفریہ عبارات میں شمار فرمایا مسلمانوں کو بہت احتیاط چاہئے بعض لوگ غلطی سے ایسی بیہودہ باتیں کہہ دیتے ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** کافر و بے دین اگرچہ کتنا ہی عاقل ہو مگر اللہ کے نزدیک جانور سے زیادہ نا سمجھ ہے دیکھو یہود مدینہ اور منافقین اپنے کو بڑا عاقل سمجھتے تھے مگر رب تعالیٰ نے انہیں فرمایا **لا یکادون یفقہون حدیثا** مومن کتنا ہی سیدھا سادھا ہو مگر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عقلمند ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ موت ہر جگہ پہنچ جاتی ہے اس سے کہیں امان نہیں تو حضرت عیسیٰ و ادریس علیہم السلام موت سے کیسے بچ گئے کہ وہ تو چہارم آسمان پر پہنچ گئے اور ادریس علیہ السلام جنت میں زندہ ہی داخل ہو گئے اور موت سے بچ گئے یہ عقیدے قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف ہیں۔ **جواب:** وہ دونوں حضرات بھی موت سے نہیں بچے ادریس علیہ السلام تو موت پاکر پھر زندہ ہو کر جنت میں گئے اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے تشریف لاکر زمین پر چالیس سال رہ کر وفات پائیں گے کسی مسلمان کا ان دونوں بزرگوں کے متعلق یہ عقیدہ نہیں کہ انہیں موت نہیں جیسے آدم علیہ السلام جنت میں رہے پھر وہاں سے آکر دنیا میں رہ کر انہوں نے وفات پائی۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ موت سب کے لئے ہے مگر تم لوگ انبیاء کو شہداء کو زندہ مانتے ہو۔ **مسئلہ:** حیات النبی اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ **جواب:** موت یعنی روح کا جسم سے نکل جانا سب کے لئے ہے کوئی نبی ولی اس سے علیحدہ نہیں مگر موت ہی روح کا جسم کو چھوڑ دینا جس سے جسم بالکل بیکار بے حس بے شعور ہو کر گل سڑ جائے۔ اللہ کے خاص بندوں کو نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **بل احیاء ولا کن لا تشعرون** اور فرماتا ہے۔ **فلا تکن فی مریۃ من لقائہ** آپ موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں شک نہ کریں اور فرماتا ہے **واسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا** اے محبوب گزشتہ رسولوں سے پوچھ لیں پتہ لگا کہ مقبول بندے بعد وفات زندہ ہیں ایک دوسرے سے ملاقات سلام و کلام کرتے ہیں۔ اس مسئلہ حیات النبی کی تحقیق ہماری کتاب درس القرآن اور مراۃ شرح مشکوۃ باب الجمعہ میں ملاحظہ فرماؤ۔ **تیسرا اعتراض:** جب کوئی شخص موت سے بچ نہیں سکتا موت اپنے وقت پر آنی ہی ہے تو چاہئے کہ زندگی صحت کی حفاظت بھی نہ کی جاوے حالانکہ سارے مسلمان بلکہ بزرگان دین زندگی کی حفاظت کرتے رہے۔ **جواب:** زندگی صحت اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور اس کی نعمتوں کی قدر دانی کرنی لازم ہے حفاظت بھی قدر دانی کی ایک قسم ہے۔ آیت کریمہ کا منشاء یہ ہے کہ زندگی کی محبت میں جہاد حج نماز وغیرہ نہ چھوڑ دے تمام اسباب حفاظت پر عمل کرے مگر جب جان کی قربانی اسلام پر کرنی پڑے تو اس سے دریغ نہ کرے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ** یہ جان کی حفاظت کا حکم جان کی حفاظت اور چیز ہے اور جان کو اللہ رسول کے حکم پر قربان کر دینا دوسری چیز۔ **چوتھا اعتراض:** رب تعالیٰ نے یہاں یہود و منافقین کی ناجائز گفتگو کے سلسلہ میں اس کا بھی ذکر فرمایا **ھذہ من عند اللہ** یہ نعمتیں اللہ کی طرف

سے ہیں یہ تو بالکل صحیح بات ہے پھر اس پر عتاب کیوں فرمایا؟ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر اور فائدوں میں گزر گیا کہ اس گفتگو سے ان کا منشاء حمد الٰہی نہ تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برکات کا انکار تھا اس لئے یہ بات بھی کفر تھی۔ دیکھو رب تعالیٰ منافقین کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ کہتے ہیں **امنا باللہ و بالیوم الاخر** ہم اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لے آئے مگر ساتھ ہی فرماتا ہے **وما ہم بمومنین** یہ لوگ مومن نہیں کیوں اس لئے کہ آپ پر ایمان نہیں لائے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر سب کچھ مانے وہ کافر ہے۔ جیسے ابلیس۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا **کل من عند اللہ** سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے اس میں ان یہود کی ایک بات کی تصدیق فرما دی پھر ان کا وہ کلام کفر کیوں ہوا؟ جواب: یہاں مسبب اسباب حقیقی کا ذکر ہے اسباب کی نفی نہیں یعنی حقیقتاً ہر خیر و شر رب تعالیٰ کی طرف سے اس کے ارادے سے ہے مگر عالم اسباب میں ہم پر آفات ہمارے گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں اور رحمتیں مقبول بندوں کے توسل سے وہ اس کے انکاری تھے لہٰذا کافر تھے غرضیکہ کلام ایک ہے مگر کلام والے کے اعتبار سے حکم مختلف۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے موت کی عمر، موت کا مرض، موت کا وقت اور موت کی جگہ ہم لوگوں سے مخفی رکھی ہے تاکہ ہم لوگ ہمیشہ اس کی تیاری کریں اور ہر سانس کو آخری سانس سمجھیں۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اکثر موت کو یاد کرتے رہو، موت کی یاد دنیا میں شاغل ہونے، آخرت سے غافل ہونے سے بچاتی ہے مگر غافل نفس کو دراز وعظ اور اعلیٰ الفاظ کی ضرورت ہے اس لئے قرآن کریم میں موت کا ذکر مختلف عنوانوں سے مختلف مقامات پر کیا گیا۔ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

جہاں اے برادر نہ ماند بہ کس ‏— دل اندر جہاں آفریں بند بس!
نہ برباد رفتے بہ ہر صبح و شام — سریر سلیمان علیہ السلام
تو آخر ندیدی کہ برباد رفت — خنک آنکہ شاد آمد شاد رفت

یہاں رب تعالیٰ نے غافل بندوں سے فرمایا کہ اے اللہ کے بندو اضطراری موت سے پہلے موت اختیاری سے مر جاؤ۔ **موتوا قبل ان تموتوا** اگر تم نے اختیاری موت اختیار نہ کی تو گھاٹے میں رہو گے کہ موت اضطراری تو بہرحال تم کو پہنچے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں، یعنی قوی جسموں میں ہو۔ لہٰذا ان جسمانی قلعوں کی مضبوطی کی فکر میں ہر وقت نہ رہو مرنے سے پہلے وہاں کی تیاری کرو مگر ان غافل اندھے لوگوں کی غفلت کا یہ حال ہے کہ دنیا کی کوئی حالت نہیں بیدار نہیں کرتی، آرام میں یہ تو کہتے ہیں کہ یہ رب نے دیا مگر رب کو راضی کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور مصیبتوں میں اپنے گناہوں پر نظر نہیں کرتے بے گناہ بندوں کے سر اس کا الزام لگاتے ہیں ایسے غافل کس طرح ہوشیار ہو سکتے ہیں اور کب نیند سے جاگ سکتے ہیں۔ رب تعالیٰ بیداری نصیب فرمائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ آنکھ میں یہ نقص ہے کہ وہ دوسرے کا عیب دیکھتی ہے اپنا عیب اسے نظر نہیں آتا مگر دوسرے کا واقعی عیب دیکھتی ہے کسی کو عیب لگاتی نہیں۔ نفس میں یہ عیب ہے کہ اسے اپنے عیب نظر نہیں آتے بلکہ اپنے عیب خوبیاں معلوم ہوتے ہیں اور دوسرے کی خوبیاں اسے عیب نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی اصلاح بہت مشکل ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چشم بیند ہر کم و ہر بیش را — نیک نتواند کہ بیند خویش را

ان منافقین و یہود پر ان کا نفس غالب تھا جس کی وجہ سے وہ مسلمانوں بلکہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو عیب لگاتے تھے کہ ہم پر تکالیف ان کی وجہ سے آتی ہیں حالانکہ رب تعالیٰ نے انہیں عیوب سے بری اور تمام صفات سے موصوف فرمایا مگر مومن کہتے تھے۔

خلقت مبرا من کل عیب کانک قد خلقت کما تشاء

آج جس شخص میں یہ عیب ہو کہ بے عیبوں کو عیب لگائے وہ تمام عیوب کا جامع ہو جائے گا۔ یہ آیت بہت سے کلمہ گو بے دینوں کے لئے باعث عبرت ہے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ

جو پہنچے تم کو کوئی بھلائی تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو پہنچے تجھ کو کوئی برائی تو تیرے نفس کی طرف سے

اے سننے والے تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے

وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ

ہے اور بھیجا ہم نے آپ کو لوگوں کے پیغمبر اور کافی ہے اللہ گواہ جو فرمانبرداری کرے رسول کی پس بے شک

اور اے محبوب ہم نے تمہیں سب لوگوں کے لئے رسول بھیجا اور اللہ کافی ہے گواہ جس نے رسول کا حکم مانا بے شک

اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿٨٠﴾

اس نے فرمانبرداری کی اللہ کی اور جو منہ پھیرے تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان پر محافظ

اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کے بچانے کو نہ بھیجا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں منافقین اور یہود کے غلط عقائد کا ذکر تھا کہ وہ بلاؤں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرتے ہیں اب اس آیت میں ان کی غلطی کی اصلاح فرمائی جارہی ہے کہ دنیاوی مصیبتیں ہمارے محبوب کی وجہ سے نہیں بلکہ تمہاری اپنی بد عملیوں کی وجہ سے ہیں۔ ان کی برکت سے تم عذاب آنے سے بچے ہوئے ہو۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ ہر رحمت و زحمت اللہ کی طرف سے ہے جس سے شبہ ہوتا تھا کہ بندہ بے قصور ہے اب اس آیت میں یہ شبہ دور فرمایا جارہا ہے کہ آفات و بلیات میں بندے کی اپنی بد عملی کو بھی دخل ہے وہ بے قصور نہیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں عقیدہ اسلامیہ کا ایک رکن ذکر فرمایا گیا کہ خالق خیر و شر اللہ تعالیٰ ہے کہ فرمایا گیا کل من عند اللہ اب اس آیت کریمہ میں عقیدے کے دوسرے رکن کا ذکر ہے کہ شر بندے کے کسب سے ہے خلق و کسب میں فرق فرمانے کے لئے یہ آیت کریمہ ارشاد ہوئی۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں واقعہ کا ذکر تھا کہ ہر خیر و شر رب کے حکم و ارادے سے ہے اب بندوں کو ادب کی تعلیم ہے کہ خیر کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت کرو اور شر کو اپنی طرف کہ اس بارگاہ کا ادب یہی ہے۔ پانچواں تعلق: پچھلی آیت میں حمد الٰہی کا ذکر تھا اب ان آیات میں نعت

مصطفوی کا تذکرہ ہے کہ محبوب ہم ہر خیر و شر کے خالق ہیں اور تم ساری مخلوق کے رسول چونکہ حمد الٰہی بغیر نعت مصطفوی کے مکمل نہیں ہوتی اسی لئے حمد کے بعد نعت کا ذکر ہوا۔

شان نزول : ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے رب تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی تو منافقین آپس میں بولے کہ یہ شرک کی تعلیم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ ہم آپ کو اسی طرح خدا مان لیں جیسے عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مان لیا۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور ان مردودوں کی تردید میں یہ آیت کریمہ **من یطع الرسول** الخ نازل ہوئی (خازن' روح المعانی وغیرہ) روح المعانی نے فرمایا کہ منافقین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرک کہا اور بولے کہ حضور فرماتے تو یہ ہیں کہ غیر خدا کی عبادت نہ کرو اور خود معبود بننا چاہتے ہیں۔

نوٹ : آج جو وہابیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و تعظیم میں شرک نظر آتا ہے کہ حضور کی تعریف پر شرک کے فتوے دیتے ہیں یہ بیماری آج کی نہیں بلکہ بڑی پرانی ہے۔ یہ بیماری زمانہ نبوی میں منافقین کو بھی تھی جو وراثۃ کے طور پر ادھر منتقل ہوئی۔

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس بیماری سے بچائے حضور کی نعت تو مدار ایمان ہے کلمہ طیبہ کا دوسرا جز ہے۔ محمد رسول اللہ یہ حضور کی نعت ہی تو ہے۔

تفسیر : **ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ** حق یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنا کلام ہے **اصابک** میں خطاب عام انسان سے ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم **من** جارہ **ما** کا بیان ہے حسنۃ سے مراد یا تو اخروی راحت آرام وغیرہ ہیں یا دنیاوی نعمتیں مراد ہیں جیسے ارزانی پر بارش صحت امیری وغیرہ **ما اصاب** الخ مبتداء ہے اور **فمن اللہ** اس کی خبر **من** کے بعد ایک لفظ پوشیدہ ہے یعنی **من ارادۃ النبیا من خلق اللہ یا من نعمت اللہ** یعنی اے عام انسان تجھے دنیا میں جو نعمت پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے' اللہ کی خلق' اللہ کے فضل' اللہ کی مہربانی سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں قل پوشیدہ ہو یعنی ان نعمتوں کے ملنے پر کہا کرو کہ یہ اللہ کی طرف سے اس کے کرم سے ہیں نہ کہ محض میرے اپنے کمال سے بعض مفسرین نے کہا کہ یہ عبارت گزشتہ جملہ کا بیان ہے اور یہ بھی منافقین کا مقولہ ہے جو رب نے نقل فرمایا۔ **اصابک** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور معنی یہ ہیں کہ وہ منافقین یہ بھی کہتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو جو راحت و خوشی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو آپ کو رنج و غم مصیبت و بلا پہنچے وہ آپ کی ذات کی طرف سے ہے یعنی وہ آپ کو معصوم نہیں مانتے (خازن' روح المعانی) مگر یہ تفسیر بہت ہی بعید ہے بعض نے کہا کہ یہاں حسنہ سے مراد ہے نیک اعمال اور سیئہ سے مراد ہے برے اعمال مگر یہ بھی بعید ہے ورنہ یوں ارشاد ہوتا **وما اصبت من حسنۃ** اور **اصابک** نہ ہوتا۔ قوی تفسیر وہی ہے جو ابھی عرض کی گئی۔

وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک یہ عبارت پہلی عبارت پر معطوف ہے اور اس کی تفسیر بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کی گئی کہ یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے نہ کہ منافقین کا اور اس میں بھی عام انسان سے خطاب ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

سے اور سیئہ سے مراد یا دنیا کی بلائیں، مصیبتیں، تکالیف ہیں یا اخروی عذاب مراد جیسے قبر کی تنگی اندھیرا وغیرہ اور قیامت کی وحشت وہشت بعد قیامت دوزخ کی تکالیف چونکہ آخرت کی نعمتیں و عذاب یقینی ہیں اس لئے صاب فعل ماضی ارشاد ہوا اور من نفسک میں بھی ایک لفظ پوشیدہ ہے کسب یا ذنب یا شوم وغیرہ یعنی اے انسان جو تجھے آفت و بلا پہنچے وہ عموماً" تیری اپنی بدکاری، بدعملی اور اپنے کسب کے سبب سے ہے یعنی ہے تو وہ بھی رب تعالیٰ کے ارادے سے مگر تیرے اپنے کسب کی وجہ اور سبب سے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی قل پوشیدہ ہو یعنی مصیبت آنے پر یہ کہا کرو یہ تیری نفس کی طرف سے ہے یہی بارگاہ الٰہی کا ادب ہے کہ بھلائی کو اس کی طرف نسبت کی جاء اور برائی کو بندہ اپنی طرف نسبت کرے **و ارسلنا ک للناس رسولا** " یہ مستقل علیحدہ جملہ ہے اور **ارسلنا ک** میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے ہم لوگ دنیا میں صرف پیدا ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا بھی ہوئے اور بھیجے بھی گئے اسی لئے ہم صرف مخلوق ہیں اور حضور مخلوق بھی ہیں رسول بھی للناس میں لام نفع کا ہے یعنی آپ کی رسالت لوگوں کے نفع کے لئے ہے کہ لوگ آپ کی اطاعت کرکے جنتی بنیں چونکہ جنت صرف انسانوں کے لئے ہے دوسری مخلوق کے لئے نہیں اس لئے بطور حصر انسانوں ہی کا ذکر ہوا کہ انسانوں ہی کے نفع کے لئے آپ رسول بنائے گئے جیسے رب تعالیٰ نے اپنے لئے فرمایا **رب الناس ملک الناس الہ الناس** حالانکہ وہ تمام مخلوق کا رب ملک اور الٰہ ہے یا جیسے فرماتا ہے **خلق لکم ما فی الارض جمیعا** " حالانکہ زمینی چیزوں سے سب مخلوق نفع اٹھاتی ہے ناس سے مراد یا تو حضور کے زمانہ سے قیامت تک کے سارے انسان ہیں۔ عربی ہوں یا عجمی یورپ کے ہوں یا ایشیاء کے " اور یا از آدم علیہ السلام تا قیامت سارے انسان مراد ہیں۔ جن میں حضرات انبیاء ان کی امتیں سب ہی داخل ہیں۔ فقیر کے نزدیک یہ دوسری بات قوی ہے کہ حضور سب کے رسول ہیں اس لئے تمام رسولوں سے بھی حضور کی اطاعت کا عہد لیا گیا اور قیامت میں سب حضور کا منہ دیکھیں گے یعنی اے محبوب ہم نے آپ کو تمام لوگوں کا رسول بنا کر بھیجا۔ خیال رہے کہ للناس میں الف لام استغراق ہے اور للناس کا لام خصوصیت کا نہیں لہٰذا آیت کریمہ کے یہ معنی نہیں کہ آپ صرف انسانوں کے رسول ہیں دیگر مخلوق کے رسول نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام خدائی کے رسول ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لیکون للعلمین نذیرا** لہٰذا یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں۔ **و کفی باللہ شہیدا** " اس جملہ کی تفسیر بارہا ہو چکی یا تو حضور کی نبوت پر رب کی گواہی مراد ہے یا بندوں کے نیک و بد اعمال پر گواہی یا منافقین و یہود کی مذکورہ بکواس پر گواہی مراد یعنی اے محبوب تمہاری نبوت تمہاری سچائی پر اللہ کی گواہی کافی ہے کہ اس نے تمہارے معجزات قرآنی آیات گذشتہ کتابوں کی خبروں کے ذریعہ تمہاری نبوت ایسی ثابت فرما دی کہ کسی کو اس میں تامل کی گنجائش نہ رہی یا اللہ تعالیٰ تمام بندوں کے ہر نیک و بد اعمال پر کافی گواہ ہے کہ اس کے فرشتے اور فرشتوں کی تحریر میں خود ان کے اعضاء ہاتھ پاؤں بلکہ زمین و آسمان ان کے اعمال پر گواہ ہیں یا ان منافقین و یہود کی بدتمیزی پر خود رب تعالیٰ گواہ ہے دوسرے گواہوں پر جرح ہو سکتی ہے مگر جب حاکم خود گواہ ہو تو اس پر جرح قدح کیسی وہ انہیں سخت سزا دے گا **من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** یہ جملہ نیا ہے۔ حضور کی رسالت عامہ ثابت فرمانے کے بعد حضور کے مطاع مطلق ہونے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے گویا پہلے حضور کی عطا کا ذکر تھا اب اس کے شکریہ میں اطاعت واجب ہونے کا ذکر ہے یا رسالت عامہ کے بعد حضور کے استغناء کا ذکر ہے کہ سارا عالم تمہارا حاجت مند ہے تم سب سے مستغنی من سے مراد سارے انسان ہیں جو حضور کی امت ہیں جن کا ذکر للناس میں ہو چکا اور ممکن ہے کہ اس سے مراد سارے جن و انس و فرشتے وغیرہ ہوں۔

دوسری توجیہ قوی ہے۔ طوع اطاعت سے بنا۔ جس کے معنی اور اطاعت و عبادت میں فرق بیان ہو چکا یہاں اطاعت سے مراد حضور کے احکام' اعمال' افعال غرضیکہ تمام چیزوں میں فرمانبرداری ہے کیونکہ اطاعت بغیر کسی قید کے ذکر ہوئی۔ **الرسول** سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیساکہ ابھی پچھلی آیت سے معلوم ہو چکا یعنی جس انسان نے یا جس مخلوق نے ان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی قسم کی فرمانبرداری کی اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کی کیونکہ ان کے سارے کلام و کلام رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اس اطاعت کا تاکیدی حکم دیا۔ **و من تولی فما ارسلنک علیھم حفیظا** " ۔ یہاں من سے مراد یا صرف انسان ہیں یا جن و انس کیونکہ سوا جن و انس کے کوئی بھی حضور کے حکم سے سرتابی نہیں کرتا **تولی** ولی بمعنی قرب سے بنا **تولی** کے معنی ہیں دور ہونا یا منہ پھیرنا **حفیظ** بمعنی محافظ ذمہ دار ہے۔ خیال رہے کہ من تولی کی جزاء پوشیدہ ہے اور فما کی ف تعلیلیہ ہے۔ **ما ارسلنا** اس پوشیدہ جزاء کی علت ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جو کوئی آپ کی اطاعت سے منہ پھیرے تو آپ غم نہ کریں۔ کیونکہ ہم نے آپ کو رسول بنایا ہے ہمارے احکام پہنچانے والا ان کے اعمال کا ذمہ دار نہ بنایا۔ نہ آپ سے ان کے اعمال کے متعلق کچھ پوچھ گچھ ہوگی ہم نے جو معنی کئے اس سے یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ بعض مفسرین نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ جو آپ کے حکم سے منہ پھیرے آپ اس سے کچھ تعلق نہ رکھیں۔ کیونکہ آپ ان کے ذمہ دار نہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ عبارت جہاد کی آیات سے منسوخ ہے کہ اب تو مخالفین و کفار پر فوج کشی ہوگی مگر فقیر کی تفسیر قوی ہے کیونکہ یہ آیت جہاد کے احکام آچکنے کے بعد کی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اس آیت کی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس کے پہلے جملہ کی تین تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اے انسان آخرت میں جو بھلائی تجھے پہنچے گی وہ تیرے اعمال پر موقوف نہیں اللہ کے کرم سے ہوگی اور جو عذاب و مصیبت تجھے پہنچے وہ اللہ کے ظلم سے نہیں بلکہ تیرے اپنے شامت اعمال سے ہے اللہ تعالیٰ وہاں کی نعمتیں تو بغیر اعمال کے بھی دے گا۔ مسلمانوں کے چھوٹے بچے' دیوانہ لوگ اسلام لاتے ہی مرجانے والے بغیر عمل ہی جنت پائیں گے اور عاملین کو بھی عمل سے کہیں زیادہ نعمتیں ملیں گی نیز اعمال کی توفیق و قبولیت اس کے کرم سے ہے مگر وہ تم کسی کو بغیر گناہ سزا نہ دے گا۔ وہاں کی سزا جرموں کی وجہ سے ہوگی دوسرے یہ کہ دنیا میں جو نعمت تجھے ملے تو کہا کر کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تکلیف تجھے پہنچے تو کہا کر یہ میرے اپنے نفس کی طرف سے ہے کہ اسی کا نام ادب ہے۔ تیسرے یہ کہ اے انسان تو یقین رکھ کہ جو کچھ نعمت و راحت و خوشی تجھے پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہوتی ہے لہذا تو ہر نعمت کا شکریہ ادا کیا کر اور جو مصیبت و بلا تجھ پر نازل ہوتی ہے وہ عام طور پر تیری بدعملیوں و شامت نفس کی وجہ سے ہوتی ہے کہ تو گناہ و غلطی کر لیتا ہے۔ اسی کی وجہ سے تجھ پر آفت آجاتی ہے چنانچہ ترمذی نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کو جو چھوٹی بڑی تکلیف پہنچتی ہے وہ عموماً اس کے گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ تو بہت کچھ معاف فرما دیتا ہے اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو معمولی سی تکلیف تجھے پہنچے وہ تیرے گناہ کی وجہ سے ہے۔ اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمان لوگوں کے لئے ہے آپ کے لئے نہیں کیونکہ ہم نے تو آپ کو تمام ہی لوگوں کا رسول بنا کر بھیجا۔ آپ لوگوں کی اصلاح کے لئے تشریف لائے اگر آپ ہی معاذ اللہ گناہ کرنے لگیں تو لوگوں کو گناہ سے کیسے بچائیں اللہ تعالیٰ

آپ کی نبوت پر کافی گواہ ہے اس لئے اس نے آپ کے معجزات' قرآنی آیات دوسری کتابوں کی تصریحات سے آپ کی نبوت ثابت فرمادی یا اللہ تعالیٰ تمام بندوں کے ہر نیک و بد اعمال پر گواہ ہے یا یہود و منافقین جو آپ کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ رب تعالیٰ اس کا مشاہدہ فرمارہا ہے انہیں سخت سزا دے گا۔ خیال رکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ سے اتنا خصوصی قرب ہے کہ جس نے ان کے اقوال' اعمال' افعال میں اطاعت کی۔ اس نے براہ راست اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جو کوئی آپ سے منہ موڑے تو آپ غمگین نہ ہوں کیونکہ آپ ان کے رسول ہیں آپ کا کام ہے پیغام پہنچانا اور کھانا عمل کرانا آپ کے ذمہ نہیں نہ آپ سے اس کے متعلق کچھ سوال ہو گا۔ پہنچانا آپ کے ذمہ ہے توفیق دینا پھر حساب لینا ہمارا کام ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ہر خیر و شر رب تعالیٰ کی طرف سے ہے مگر خیر اس کے فضل سے ہے اور شر اس کے عدل سے۔ شر میں ہماری بد عملیوں کو ضرور دخل ہے۔ جیسا کہ **من نفسک** سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ کو جو تکالیف پہنچتی ہیں وہ ان کے گناہوں کی وجہ سے نہیں ہوتیں وہ تو معصوم یا محفوظ ہیں بلکہ وہ امتحان اور ترقی درجات کے لئے ہوتی ہیں یہ فائدہ بھی **من نفسک** کے کاف خطاب سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انسانوں نے ایمان' عرفان' ولایت' مجاہدہ' مشاہدہ' غوثیت و قطبیت وغیرہ نعمتیں تو دنیا میں حاصل کیں اور جنت' حور و قصور' رضاء رب غفور' آخرت میں حاصل کریں گے۔ دوسری مخلوق کو صرف ایمان کی دولت حضور سے ملی کامل نفع صرف انسان نے اٹھایا۔ چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے اگلے پچھلے انسانوں کے رسول ہیں حضرات انبیاء ہوں یا ان کی امتیں جیسا کہ **للناس** کے عموم یا الف لام استغراقی سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مطلقاً" واجب ہے ان کا حکم سمجھ میں آئے یا نہ آئے قرآنی آیات کے خلاف ہو یا موافق کسی مسلمان کو اس میں چون و چرا کرنے کی گنجائش نہیں۔ بحکم قرآنی مسلمان مرد کو چار بیویاں کرنا درست ہے مگر فاطمہ زہرا کی موجودگی میں حضرت علی کو دوسرا نکاح کرنا حرام رہا۔ کیوں اس لئے کہ انہیں حضور نے اس سے منع فرمادیا۔ ہر معاملہ میں دو مردوں کی گواہی بحکم قرآن ضروری ہے۔ مگر حضرت خزیمہ کی ایک گواہی دو گواہیوں کی برابر ہو گئی۔ کیوں اس لئے کہ حضور نے ایسا ہی فرمادیا۔ یہ ہے **من یطع الرسول** کی شرح اس کے لئے ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ کا مطالعہ فرماؤ۔ چھٹا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم مطلق ہیں کہ آپ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر حکم ہر کام کی پیروی کرنے کا حکم دیا اور ان کی ہر اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا اگر آپ سے کوئی گناہ ہوتا تو اس میں آپ کی اطاعت رب کی ناراضگی کا باعث ہوتی نہ کہ رب کی اطاعت (تفسیر کبیر)۔ ساتواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام صفات الہیہ کے مظہر ہیں اور رب کی صفت غنا و بے نیازی بھی ہے حضور اس صفت کے بھی مظہر ہیں جیسے تمام انسان اگر نافرمان ہو جائیں تو رب تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں ایسے ہی تمام مخلوق کے کفر سے حضور کا کوئی نقصان نہیں جیسا کہ **وارسلنک** الخ سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور قرآن مجید پر عمل صرف حضور کی پیروی سے ہو سکتے ہیں براہ راست نہ کوئی رب کی اطاعت کر سکتا ہے نہ قرآن پر عمل کر سکتا ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ اللہ کے سارے فرائض وضو' نماز' حج' زکوٰۃ وغیرہ حضور کے بیان سے معلوم ہوئے ورنہ ہمیں خبر نہ تھی کہ کون سی عبادت کیسے کریں اور نہ ان پر عمل ہم سے ممکن تھا اسی لئے حضور کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ (خازن کبیر وغیرہ)۔

ضروری نوٹ : خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت حضور کی اطاعت نہیں۔ مگر حضور کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے یہ فرق بہت خیال میں رکھنا چاہئے۔ حضور رب تعالیٰ کے فرمانوں کے شارح ہیں۔ نواں فائدہ: ہمیشہ انسان خیر کو رب کی طرف نسبت کرے اور شر کو اپنی طرف اگرچہ خالق سب کا رب تعالیٰ ہی ہے مگر ادب اس بارگاہ کا یہی ہے۔ جیساکہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: کسی مصیبت پر رب تعالیٰ کی شکایت نہ کرے بلکہ توبہ و استغفار کرے۔ حضرت ابو بکر صدیق کے دانت میں سات سال درد رہا۔ کبھی کسی سے اس کا ذکر نہ کیا حتیٰ کہ حضور سے بھی نہ کہا۔ ایک بار جبریل امین نے رب تعالیٰ کی طرف سے عرض کیا یا رسول اللہ سات برس سے صدیق دانت کے درد میں مبتلا ہیں آپ ان کی مزاج پرسی فرما دیں تب حضور نے حضرت صدیق سے فرمایا کہ تم نے مجھ سے بھی اس کا ذکر نہ کیا بولے کہ حبیب کی طرف سے آئے ہوئے تحفہ پر شکایت کیا کرنا ہے یہ ہے اس آیت پر عمل (روح البیان)۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے پتہ لگا کہ صرف حضور کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ تو کیا قرآن کی اطاعت اللہ کی اطاعت نہیں۔ جواب: قرآن کی اطاعت بغیر حضور کے سمجھائے ناممکن ہے نیز پانچ فی صدی احکام قرآن نے دیئے وہ بھی ایسے گول مول کہ بغیر حضور کی تعلیم ناقابل عمل ہیں اس لئے قرآن پر عمل حضور کی اطاعت پر مبنی ہے۔ دوسرا اعتراض: جب صرف حضور کی اطاعت رب تعالیٰ کی اطاعت ہے تو تم اماموں، ولیوں کی اطاعت کیوں کرتے ہو؟ جواب: حضور کی اطاعت کے لئے ان کی اطاعت کی جاتی ہے کہ ان کی تعلیم کی روشنی میں سرکار کے فرمان سمجھیں اور ان پر عمل کریں تم بھی ماں، باپ، استاد، حاکم، حکیم کی اطاعت کرتے ہو، حضور کی اطاعت کے ماتحت ہو تیسرا اعتراض: یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کے خلاف ہے کیونکہ وہاں فرمایا گیا تھا کل من عند اللہ ہر خیر و شر اللہ کی طرف سے ہے اور یہاں ارشاد ہوا کہ شر بندے کی طرف سے۔ جواب: اس کے جوابات ابھی تفسیر میں گزر گئے کہ پچھلی آیت میں خلق و ارادے کا ذکر تھا اور یہاں رضا و کرم کا تذکرہ ہے اس لئے وہاں فرمایا گیا تھا من عند اللہ اور یہاں ارشاد ہوا من اللہ یہاں عند نہیں ہے کیونکہ من اللہ وہ چیزیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور من عند اللہ عام ہے رضاء کا کام ہو یا ناراضی کا۔ ہر خیر و شر اللہ کے ارادے اس کے خلق سے تو ہے مگر اس کی رضا سے نہیں۔ ہماری عام آفتیں ہمارے کسب کے سبب سے ہیں کہ ہم گناہ کرتے ہیں تو رب تعالیٰ ہم پر آفات بھیجتا ہے یہ گناہ ان آفات کا سبب ہیں خلق شر رب کی طرف سے ہے اور کسب شر ہماری طرف سے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مصیبتیں، آفتیں ہمارے گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں مگر حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ پر بھی آفات آتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ گنہگار وہ بھی ہیں۔ جواب: ہم پر مصیبتیں ہماری غلطیوں کی وجہ سے آتی ہیں جو ہمارے گناہوں کا کفارہ، اور ذریعہ مغفرت بنتی ہیں۔ ان پر مصیبتیں بطور امتحان آتی ہیں جن پر صبر کرنے کی وجہ سے ان کے درجات بڑھتے ہیں نیز ان کا صبر و تحمل لوگوں کے لئے مثال و نمونہ بنتا ہے۔ ان کا صبر و تحمل بھی عملی تبلیغ ہے چنانچہ قرآن مجید میں گذشتہ انبیاء کرام کی مصیبتوں، ان کے صبروں کا ذکر فرما کر، ان کی تعریفیں فرمائی گئیں۔ انه کان عبدا شکورا وغیرہ۔ آخر آج بھی چھوٹے ناسمجھ بلکہ شیر خوار بچوں پر بیماریاں، مصیبتیں آتی ہیں یہ ان کے گناہوں کی وجہ سے نہیں وہ تو گناہ کے قابل ہی نہیں، بہرحال اس آیت میں ہم جیسے گنہگاروں کا ذکر ہے۔ پانچواں فائدہ: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء

کرام بلکہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی گناہ کرتے تھے کیونکہ یہاں دونوں جگہ **ما اصابک** میں کاف خطاب ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اس لئے کہ آگے آرہا ہے **و ارسلنک للناس رسولا** جب اس جگہ کاف خطاب میں حضور سے خطاب ہے تو **ما اصابک** میں حضور سے ہی خطاب ہونا چاہئے۔ ورنہ ایک کلام میں انتشار ضمائر لازم ہوگا۔ یہ فصاحت کے بھی خلاف ہے اور اس صورت میں یہ عبارت گذشتہ عبارت سے بالکل بے تعلق ہو جائے گی کہ وہاں عوام کی مصیبتوں کا ذکر اور یہاں حضور کی رسالت کا تذکرہ۔

نوٹ : آج کل ایک فرقہ پیدا ہوا ہے جو حضرات انبیاء کرام کو فاسق بلکہ مشرک و کافر تک مانتا ہے اس کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔ **جواب:** یقیناً یہاں پہلے دو کافوں میں عوام سے خطاب ہے اور تیسرے کاف **و ارسلنک** میں حضور سے خطاب اور انتشار ضمائر خلاف فصاحت وہاں ہوتا ہے جہاں اس سے کوئی فائدہ نہ ہو مفید انتشار قرآن کریم میں بہت جگہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **یوسف اعرض عن ھذا و استغفری لذ نبک** دیکھو ایک ہی عبارت میں **اعرض** میں خطاب یوسف علیہ السلام سے ہے اور استغفری میں خطاب زلیخا سے۔ یہاں فرمایا گیا ہے کہ اے محبوب ہم عوام سے فرما رہے ہیں کہ انہیں مصیبتیں ان کی اپنی غلطیوں سے آتی ہیں۔ آپ تو اللہ کے رسول ہیں آپ گنہگار ہو سکتے ہی نہیں اگر پیغمبر بھی فاسق و مجرم ہوں تو فاسق کی مخالفت واجب ہوتی ہے اور نبی کی اطاعت لازم نبوت اور فسق جمع نہیں ہو سکتے ورنہ اجتماع ضدین ہوگا اس کی پوری بحث ہماری کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں دیکھو۔ **چھٹا اعتراض:** اگر ہر مصیبت و تکلیف ہمارے اپنے گناہوں کی وجہ سے ہے تو بے گناہ بچوں، دیوانوں اور نہایت نیک آدمیوں کو جنہوں نے کوئی گناہ نہ کیا ہو انہیں دنیاوی تکالیف کیوں پہنچتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ پہلی جون میں گناہ کر چکے ہیں جن کی سزا اب مل رہی ہے۔ (آریہ)۔ **جواب:** اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں ابھی عرض کی گئیں پہلی دو تفسیروں پر تو یہ اعتراض ہے ہی نہیں تیسری تفسیر پر یہ اعتراض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں **من نفسک** فرمایا گیا **من ذنبک** نہ ارشاد ہوا گنہگاروں کو تکالیف گناہوں کی وجہ سے پہنچتی ہیں نیک کاروں کو بلندی درجات کے لئے کہ رب تعالیٰ جو درجہ انہیں عطا فرمانا چاہتا ہے اس کے لائق ان کی نیکیاں نہیں لہذا انہیں تکالیف دیتا ہے تاکہ وہ صبر کر کے یہ درجہ پالیں۔ بعض درجات صبر پر موقوف ہیں جیسے شہادت وغیرہ لہذا انہیں تکلیف بھیجی جاتی ہیں۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف انسانوں کے نبی ہیں تمام مخلوق کے نبی نہیں جیسا کہ **للناس** سے معلوم ہوا۔ **جواب:** ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ **للناس** کا لام نفع کا ہے خصوصیت کا نہیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے بہت زیادہ نفع انسان نے ہی پایا نیز انسان اصل مخلوق ہے باقی تمام اس کے تابع اس لئے صرف انسانوں کا ذکر فرمایا گیا ورنہ دوسری جگہ ارشاد ہوا **لیکون للعالمین نذیرا** اور ارشاد ہوا **وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین** وہاں **العالمین** فرما کر ساری مخلوق کو شامل فرمایا۔ **آٹھواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف موجودہ اور آئندہ انسانوں کے ہی رسول ہیں گذشتہ انسانوں کے رسول نہیں ہو سکتے۔ **جواب:** حق یہ ہے کہ حضور اگلے پچھلے موجودہ تمام انسانوں کے رسول ہیں گذشتہ نبیوں اور ان کی امتوں پر فرض تھا کہ حضور پر ایمان لائیں بلکہ سارے انبیاء کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی فیض لے کر لوگوں کو دیا جیسے رات میں تارے سورج سے نور لے کر زمین کو چمکاتے ہیں۔ امام بوصیری فرماتے ہیں۔

فانه شمس فضل هم کواکبها یظهرن انوارها للناس فی الظلم

رسول کی اطاعت بقدر طاقت واجب ہوتی ہے معراج سے پہلے ایمان لانے والے حضرات پر صرف حضور کو رسول مان لینا کافی تھا نماز' روزہ' حج' زکوۃ وغیرہ کوئی حکم نہیں آیا تھا لہذا ان پر عمل بھی نہ تھا یوں سمجھو کہ اسلام کے ابتدائی گیارہ سال ایسے گزرے ہیں کہ۔

کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی ان کی

دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الا کافۃ للناس بشیرا" و نذیرا"** اس کافۃ للناس میں سارے اگلے پچھلے لوگ شامل ہیں۔ گزشتہ شریعتوں کے احکام بھی حضور کی رسالت کے احکام تھے جو بواسطہ انبیاء کرام ان امتوں کو پہنچے جیسے چاند کی چاندنی تاروں کی مختلف روشنیاں سورج ہی کا نور ہے جو ان واسطوں سے ہم کو ملتا ہے۔ اب بھی بچے کے لئے ماں کا دودھ حلال ہوتا ہے جو ان کے لئے حرام ہے۔ حضور کی رسالت کے احکام ہیں جو مختلف وقتوں میں جاری ہیں نیز قادری چشتی نقشبندی سہروردی اسی طرح شافعی' حنفی' مالکی' حنبلی لوگوں پر حضور ہی کے احکام جاری ہیں۔ احکام کا اختلاف زمانہ' قوم سے ہے۔ نواں **اعتراض:** یہاں رب نے فرمایا **وکفی باللہ شھیدا** اللہ تعالیٰ حضور کا گواہ ہے دوسری جگہ فرمایا **یا ایھا النبی انا ارسلنک شاھدا** ۔ نبی اللہ کے گواہ ہیں اس میں دور لازم آتا ہے نیز حضور نے تو اللہ تعالیٰ کی گواہی دی کہ فرمایا **اشھد ان لا الہ الا اللہ** مگر رب تعالیٰ نے حضور کی گواہی کہاں دی اور کیسے دی۔ **جواب:** اللہ تعالیٰ حضور کی نبوت رسالت وغیرہ اوصاف حمیدہ کا گواہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے گواہ پھر دور کیسا جہت بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے نیز اللہ تعالیٰ نے حضور کی نبوت پر آپ کے معجزات' قرآنی آیات' دیگر آسمانی کتب کی آیات قائم فرمائیں۔ یہ ہی رب تعالیٰ کی گواہی ہے۔ یونیورسٹی کا سرٹیفکیٹ گواہی ہے مسجد کے منبر و محراب اس کے مسجد ہونے کے گواہ ہیں علامات و حالات گواہی دیا کرتے ہیں غرضکہ رب تعالیٰ کی گواہی بالکل صحیح و درست ہے۔ جس میں شک و شبہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو حضور کے صحابہ' ازواج پاک کی بھی گواہی دی ہے دیکھو حضرت مریم و یوسف علیہ السلام کو تہمت لگی تو بچوں سے گواہی دلوائی مگر حضور کی زوجہ پاک جناب حضرت عائشہ کو تہمت لگی تو خود گواہی دی کہ سورہ نور میں ان کی پاک دامنی کی بہت سی آیات نازل فرمادیں۔ یہ ہے رب تعالیٰ کی گواہی۔ دسواں **اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اس کے برعکس کیوں نہ فرمایا گیا کہ جس نے اللہ کی اطاعت کی اس نے رسول کی اطاعت کی۔ **جواب:** چند وجہ سے ایک یہ کہ رب تعالیٰ غیب الغیوب ہے جسے کسی نے آج تک نہ دیکھا۔ سواء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاہد و مشہود ہیں غائب کی اطاعت شاہد کے ذریعہ ہو سکتی ہے دیکھو رب کو سجدہ کرنا ہو تو کعبہ کی طرف کرو کہ رب غیب ہے کعبہ مشاہد۔ یونہی رب کی اطاعت کرنا ہو تو حضور کی اطاعت کرو حضور کعبہ ایمان ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضور کی اطاعت اقوال' اعمال' افعال ہر چیز میں کی جاوے گی۔ خدا تعالیٰ کی اطاعت اقوال و احکام میں بھی نہیں ہو سکتی کہ وہ مجمل ہیں جب حضور شرح کریں تو ان پر عمل ہو۔ تیسرے یہ کہ رب تعالیٰ کے ہاں اجمال ہے حضور کے ہاں شرح و تفصیل متن کی سمجھ شرح سے ہوتی ہے اجمال پر عمل تفصیل کے بعد ہوتا ہے یہ آیت تو منکرین حدیث کے لئے موت ہے کہ وہ انکار حدیث بھی کرتے ہیں' پھر اللہ کی اطاعت کا دعویٰ بھی'

یعنی کعبہ کا انکار بھی کرتے ہیں کعبہ سے منہ پھیرے ہوئے بھی ہیں اور پھر خدا کو سجدہ بھی کر لیتے ہیں اب تک یہ معمہ ہماری سمجھ میں نہ آیا۔ گیارہواں اعتراض: جیسے ہمارے گناہ مصیبتوں کا ذریعہ ہیں ایسے ہی ہماری نیکیاں رحمتوں کا ذریعہ جیسا کہ احادیث شریفہ اور آیات قرآنیہ سے معلوم ہوتا ہے پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ بھلائی رب کی طرف سے ہے اور شر تمہاری طرف سے۔ جواب: اس لئے کہ ہم کو نیکیوں کو توفیق ملنا رب کی طرف سے ہے اور گناہ ہماری اپنی طرف سے' نتیجہ وہ ہی ہوا کہ خیر رب کی طرف سے ہے اور شر ہماری طرف سے۔

تفسیر صوفیانہ : ہم اور ہماری ذات بیماریوں کا سرچشمہ اور گناہوں کا مرکز ہے ہم سے جب ہو گا تب گناہ و قصور ہی ہو گا رب تعالیٰ کا کرم' فضل و انعام کا سرچشمہ ہے۔ جب وہ کرم کرے تو ہم کچھ نیکیاں کر لیں زمین سے سانپ' بچھو' کیڑے کوڑے' خار دار درخت ہی نکلتے ہیں ہاں کوئی شخص اس میں اچھے تخم بو دے تو بار آور درخت بھی نکل پڑتے ہیں اسی لئے ارشاد ہوا کہ خیر رب کی طرف سے ہے اور شر تمہاری طرف سے ہم نے عرض کیا ہے۔

اے کریم از ما خطا از تو عطا اے رحیم از ما جفا از تو وفا
کار ما بدکاری و شرمندگی کار تو ستاری و بخشندگی

جب ہمارا حال یہ ہے کہ ہم برائیوں بدکاریوں کے سرچشمہ ہیں تو ضرورت تھی کہ کوئی ایسا برزخ کبریٰ ہم میں تشریف لائے جو ہمارے نفوس کی زمین میں عبادات ریاضات کی کاشت فرمائے اور اسی برزخ کبریٰ کا نام رسول ہے' فرمایا گیا اے محبوب ان زمینوں میں اچھی کاشت کرنے کے لئے ہم نے آپ کو بھیجا عام لوگ مخصوص زمین کی کاشت کر سکتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ہستی ہے جنہوں نے سارے انسانوں اگلے پچھلے موجودہ آدمیوں کے دلوں میں ایسی اعلیٰ کاشت فرمائی کہ سبحان اللہ۔ تاقیامت علماء' اولیاء صالحین کی پیداوار اسی کاشت کا نتیجہ ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور علی اللہ علیہ وسلم فانی فی اللہ باقی باللہ قائم مع اللہ ہیں آپ اللہ کے خلیفہ ہیں کہ آپ کی بیعت اللہ کی بیعت ہے آپ کا کنکر پھینکنا رب کا پھینکنا ہے اور اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہے کہ سرکار نے خود فرمایا کہ دجال کی آمد پر اللہ خلیفتی علی امتی اللہ تعالیٰ میری امت پر میرا خلیفہ ہے۔ اس لئے جس نے حضور کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی جب اصحاب کہف کا کتا ان بزرگوں کی اطاعت کی وجہ سے جنت تک پہنچ سکتا ہے تو حضور کی اطاعت کر کے انسان کیوں نہ جنت قرب تک پہنچیں۔

حمد بے حد مر رسول پاک را آنکہ ایماں داد مشت خاک را
اے کعبہ راز یمن قدوم تو صد شرف دلے مروہ راز مقدم پاک تو صد صفا
بطحیٰ ز نور طلعت تو یافتہ فروغ یثرب زخاک پائے تو بارونق و بہا

ان کے دم سے خاک مکہ زمین مدینہ پر بہار ہو گئی ان کے قدم سے مزدلفہ و عرفات کے خشک میدانوں میں رونق لگ گئی تو ان کی نظر سے ہمارے اجڑے ہوئے دل کیوں آباد نہ ہوں گے یہ۔ بہر حال یہ آیت کریمہ نعت مصطفوی کا بہترین گلدستہ ہے اس کی شرح حضور کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ۔ مجھ جیسے مجہول انسان سے ناممکن ہے۔

خم زلف و رخت راشرح دادن شب باید در از و ماہتاب

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل نسیم صبح تیری مہربانی

صوفیا فرماتے ہیں کہ اطاعت خدا وہی ہے جو اطاعت رسول ہو عبادت اور عادت میں فرق حضور کی اطاعت سے ہے اعلیٰ درجہ کا کام اگر اطاعت رسول سے خالی ہو تو بیکار ہے جیسے بغیر مکھن کا دودھ یا بغیر تخم کا بادام اور اگر بظاہر ادنیٰ کام اطاعت رسول کے لئے ہو تو عبادت ہے۔ دیکھو کفار کے صدقہ و خیرات جاہل مسلمانوں کے خلاف سنت اعمال جو بظاہر اچھے معلوم ہوں جیسے رات بھر نوافل اور بغیر جماعت نماز وغیرہ طلوع و غروب کے وقت نماز کہ بظاہر یہ اچھی چیزیں ہیں مگر اطاعت رسول سے خالی ہیں لہٰذا عبادت نہیں اور حضور کے بلانے پر نماز کو چھوڑ کر حاضر ہو جانا بظاہر برا ہے مگر چونکہ اطاعت رسول ہے لہٰذا عبادت ہے حضور کی نقل خدا کو پیاری ہے۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ

اور کہتے ہیں فرمانبرداری پھر جب باہر جاتے ہیں تمہارے پاس سے تو ان میں سے ایک گروہ رات میں سوچتے ہیں اس

اور کہتے ہیں ہم نے حکم مانا پھر جب تمہارے پاس سے نکل کر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ جو کہہ گیا

الَّذِي تَقُولُ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ

کے سوا جو آپ فرماتے ہیں اور لکھ رہا ہے وہ جو سازشیں کرتے ہیں تو منہ پھیرو ان سے اور بھروسہ کرو اللہ پر

تھا اس کے خلاف رات کو منصوبے گانٹھتا ہے اور اللہ لکھ رکھتا ہے ان کے رات کے منصوبے تو اے محبوب تم ان

وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٨١﴾ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ

اور کافی ہے اللہ کارساز کیا پس نہیں سوچتے وہ قرآن کو اور اگر ہوتا وہ اللہ کے سوا غیر کے پاس

سے چشم پوشی کرو اور اللہ کافی ہے کام بنانے کو تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے

لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾

سے تو البتہ پاتے وہ اس میں بڑا اختلاف

ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیت میں اسلامی اہم عقیدے کا بیان تھا کہ خیر کو رب تعالیٰ کی طرف سے سمجھو شر کو اپنی طرف سے اب منافقوں کی بدباطنی کا ذکر ہے کہ وہ ان باتوں کو ظاہری طور پر تو مان لیتے ہیں دل سے نہیں مانتے گویا عقیدے کا ذکر پہلے تھا انکار کرنے والوں کا ذکر اب ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ذکر تھا

کہ اے محبوب آپ کی نبوت و رسالت کے ہم گواہ ہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ ہماری گواہی کے باوجود ضدی لوگ انکار کیے ہی جائیں گے گویا گواہی کا ذکر پہلے تھا اور ضدی لوگوں کے قبول نہ کرنے کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں منافقین کی بری حرکات کا ذکر تھا۔ اب ارشاد ہے کہ آپ ان کی پرواہ نہ کریں آپ کا چاند چمکتا ہی رہے گا۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں اطاعت رسول کو اطاعت خدا قرار دیا گیا تھا اب فرمایا جارہا ہے کہ اطاعت رسول وہ ہے جو دل سے ہو محض زبانی اطاعت یا بے دلی کی عملی اطاعت اطاعت خدا نہیں۔

شان نزول: منافقین مدینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پاک میں حاضر ہوتے تو کہتے کہ حضور ہم بالکل فرمانبردار ہیں جو آپ حکم دیں ہم ماننے کو تیار ہیں مگر گھروں میں جا کر اس کے خلاف باتیں کرتے ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن)۔

تفسیر: **ویقولون طاعۃ** یہ علیحدہ جملہ ہے **یقولون** کا فاعل وہ ہی منافقین ہیں جن کا تذکرہ اوپر سے چلا آرہا ہے طاعۃ مرفوع ہے کہ یا تو امرنا یا شاننا وغیرہ پوشیدہ مبتدا کی خبر ہے یا مبتدا ہے جس کی خبر پوشیدہ ہے یا منصوب ہے اطعنا فعل پوشیدہ کا مفعول مطلق جیسے اہل عرب کہا کرتے ہیں "سمعا وطاعۃ" یعنی یہ منافقین آپ سے عرض کرتے ہیں کہ ہمارا کام تو آپ کی اطاعت ہی کرنا ہے یا ہم تو آپ کی اطاعت ہی کریں گے۔ **فاذا برزوا من عندک** یہ منافقین کی تصویر کا دوسرا رخ ہے برزوا بنا ہے بروز بمعنی خروج سے اسی لئے میدان کو براز کہا جاتا ہے کہ انسان گھر سے نکل کر وہاں جاتا ہے عندک سے مراد ہے آپ کی مجلس پاک سے نکل جانا اور وہاں پہنچ جانا جہاں نہ آپ ہوں نہ آپ کا کوئی مخلص صحابی یعنی جب یہ آپ کی مجلس شریف سے نکل کر باہر جاتے ہیں جہاں کوئی مومن مخلص صحابی موجود نہ ہو تو **بیت طائفۃ منھم غیر الذی تقول** یہ عبارت اذا گذشتہ کی جزا ہے بیت تبیت کا ماضی ہے جس کا مادہ ہے بیت بمعنی گھر یا بیت بمعنی نظم یا قصیدے کا ایک شعر تبیت اور بیت کے معنی ہیں۔ رات کے وقت دشمنی کا قصد کرنا یا اس کی تدبیریں سوچنا چونکہ اہم مشورے و تدبیریں رات کی یکسوئی میں ہی کیے جاتے ہیں۔ اس لئے ہر اہم تدبیر سوچنے یا اہم دشمنی کرنے کو بیات یا تبیت کہہ دیتے ہیں۔ رب فرماتا ہے **یا تیھم باسنا بیاتا** اور اگر بیت بمعنی شعر سے بنا ہے تو چونکہ شعر سوچا جاتا ہے اس لئے بمعنی سوچنا ہوگا **طائفۃ منھم** سے مراد منافقین کا ایک ٹولا ہے چونکہ منافقوں کے سرداروں کا کام تھا سوچنا عام منافقین کا کام تھا ان کے مشوروں پر عمل کرنا اس لئے یہاں طائفۃ منھم ارشاد ہوا۔ غیر بمعنی سوا ہے الذی سے مراد ہے وہ گفتگو یا کلام۔ تقول یا صیغہ واحد مونث ہے جس کا فاعل وہ جماعت منافقین ہے یا صیغہ واحد مذکر حاضر جس کا فاعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی آپ کی مجلس سے باہر جا کر ان منافقین کا ایک گروہ سردار اس کے خلاف تدبیریں سوچتے ہیں جو آپ سے کہہ کر گئے تھے کہ فرمانبرداری کا وعدہ کیا تھا اور نافرمانی کی تدبیریں سوچتے ہیں یا آپ جو حکم دیتے ہیں اس کی مخالفت کی سازشیں کرتے ہیں کہ کس تدبیر سے آپ کے حکم کے خلاف ورزی بھی کرلیں اور ان کا نفاق بھی ظاہر نہ ہو **واللہ یکتب ما یبیتون** یہ نیا جملہ ہے جس میں ان کی سازشوں کا انجام بیان فرمایا گیا یکتب سے مراد یا تو ان کے نامہ اعمال میں لکھنا ہے یا قرآن کریم میں لکھ دینا اگرچہ نامہ اعمال لکھنا فرشتوں کا کام ہے اور قرآن مجید لکھنا کاتبین وحی صحابہ کا کام مگر چونکہ یہ دونوں جماعتیں اللہ کی مقبول جماعتیں ہیں اس لئے اس تحریر کو رب تعالیٰ نے اپنا کام قرار دیا ما مصدریہ ہے یا

موصولہ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ساری سازشوں کو یا جو کچھ وہ سوچتے ہیں اس سب کو ان کے نامہ اعمال میں لکھ کر محفوظ فرما رہا ہے تاکہ انہیں کل قیامت میں اس کی سزا دی جاوے یا قرآن کریم میں لکھ رہا ہے تاکہ وہ بدنام ہوں اور ان کی منافقت کا پردہ چاک ہو جاوے۔ **فاعرض عنهم وتوكل على الله** یہاں ف جزائیہ ہے اور یہ جملہ پوشیدہ شرط کی جزا ہے اعراض سے مراد یا تو ان کا پردہ چاک نہ کرنا ہے یا ان پر جہاد نہ فرمانا پہلی صورت میں یہ حکم منسوخ ہے کہ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں رسوا فرمادینے کا حکم دے دیا اور حضور نے انہیں نام بنام لوگوں پر ظاہر فرما دیا دوسرے معنی پر یہ حکم محکم ہے منسوخ نہیں کہ منافقین پر تلوار کا جہاد نہیں ہوا یعنی جب اللہ تعالیٰ خود ہی انہیں سزا دے گا تو اے محبوب آپ ان کی طرف توجہ نہ فرماؤ انہیں ان کے حال پر رہنے دو آپ اللہ پر بھروسہ کرو ان کی تمام تدبیریں بیکار ہوں گی آپ کا دین ترقی کرے گا **وكفى بالله وكيلا** یہ پچھلے حکم کی علت ہے **وكيلا** کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں کہ جسے کام سپرد کیا جاوے۔ یا جو کسی کے کام کا ذمہ دار بن جاوے وہ وکیل ہے۔ جس کے معنی ہیں کارساز یعنی اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے۔ جب وہ حامی ہے تو کوئی کیا کر سکتا ہے **افلا يتدبرون القران** یہ نیا جملہ ہے جس میں ان منافقین کے نفاق کا علاج بیان ہوا کہ اگر یہ منافقین قرآن کریم میں غور و فکر کریں تو آپ کو سچا رسول مان لیں نیز پچھلی آیت میں منافقوں کی بری فکروں کا ذکر تھا اب انہیں اچھی فکر کی ہدایت دی جا رہی ہے کہ تم اسلام کے خلاف فکریں کرنے کے بجائے قرآن کی حقانیت میں تدبر و غور کیا کرو۔ یتدبرون تدبر کا مضارع ہے۔ جس کا مادہ ہے دبر معنی پیچھے اسی لئے پیٹھ کو دبر کہتے ہیں کہ وہ جسم کا پچھلا حصہ ہے رب فرماتا ہے **وادبار النجوم** اور فرماتا ہے **من ادبر وتولى** تدبیر اور تدبر کے معنی ہیں کاموں کے پیچھے یعنی انجام میں غور کرنا نتائج میں فکر کرنا اس کا فاعل وہ مذکور منافقین ہیں یعنی ان کے نفاق کی وجہ ہے آپ کو دل سے نبی نہ ماننا اور اس نبی نہ ماننے کی وجہ ہے قرآن حکیم میں غور و فکر نہ کرنا تو یہ لوگ قرآن حکیم میں سوچ بچار غور و خوض کیوں نہیں کرتے خیال رہے کہ اچھی سوچ و فکر ذہن و دماغ کی عبادت ہے چند چیزیں سوچنا عبادت ہے اپنے گناہ سوچنا کہ اس سے توبہ کی توفیق ملتی ہے رب تعالیٰ کے انعام سوچنا کہ اس سے شکر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ حضور کے کمالات سوچنا کہ اس سے ایمان کامل ہوتا ہے قرآن کے فضائل سوچنا کہ اس سے عرفان ملتا ہے۔ قرآن کے متعلق گیارہ چیزیں سوچنا چاہئیں۔ **ولو كان من عند غير الله** قرآن کریم کی چند صفات میں غور کرنا چاہئے ایک اس کی فصاحت و بلاغت میں کہ ایسا فصیح و بلیغ کلام ہے کہ اس کے مقابلہ سے دنیا بھر کے فصیح و بلیغ عاجز ہیں دوسرے اس کی غیبی خبروں میں اس نے گذشتہ حالات آئندہ واقعات کی صدہا خبریں دیں جو ہو بہو درست نکلیں۔ تیسرے اس میں اختلاف نہ ہونے میں چوتھے اس کی کشش و جذبہ میں کہ بغیر سمجھے پڑھا جاوے پھر بھی تڑپا دیتا ہے جیسا کہ بعض قاریوں کی تلاوت کے وقت دیکھا گیا ہے ورنہ کوئی کتاب کوئی کلام بغیر سمجھے لطف نہیں دیتا۔ پانچواں اس کے پرانا نہ ہونے میں کہ ہمیشہ پڑھو مگر پرانا نہیں ہوتا ورنہ اعلیٰ سے اعلیٰ کلام بار بار پڑھنے سے پرانا ہو کر بے لطف ہو جاتا ہے۔ چھٹے اس کے حفظ ہو جانے میں کہ کوئی دنیاوی و دینی کتاب حفظ نہیں ہوتی مگر قرآن کریم اتنی بڑی کتاب بچوں تک کو حفظ ہو جاتی ہے یہاں تیسری بات کا ذکر فرمایا گیا۔ غیر اللہ میں فرشتے جن و انس وغیرہ سب ہی داخل ہیں یعنی اگر یہ قرآن مجید کلام الٰہی نہ ہوتا کسی فرشتے یا جن یا انسان یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام ہوتا تو **لوجدوا فيه اختلافا كثيرا**" یہ جملہ لو مذکورہ کی جزا ہے **وجدوا** کا فاعل یا تو وہ مذکورین منافقین ہیں یا تمام لوگ **فيه** کا مرجع قرآن مجید ہے اختلاف سے مراد تناقض و تفاوت ہے یہ ہی سیدنا عبد اللہ ابن عباس کا قول ہے یعنی اس کی عبارتوں کا یکساں نہ ہونا بعض آیات فصیح ہوتیں بعض غیر فصیح

اور اس کے احکام و خبریں آپس میں متناقض و مخالف ہوتیں کہ کہیں کچھ کہتا اور کہیں اس کے خلاف جیسا کہ انسانوں کے کلام میں دیکھا جاتا ہے کہ بڑے سے بڑا عالم اگر کوئی موٹی ضخیم کتاب بنائے تو اس کے کلام میں یکسانیت نہیں ہوتی بعض کلام اعلیٰ ہوتا ہے بعض ادنیٰ پھر اسے یاد نہیں رہتا کہ میں پہلے کیا لکھ چکا ہوں خود ہی اپنے لکھے کے خلاف لکھ جاتا ہے قرآن حکیم بہت بڑی کتاب ہے جس میں صدہا علوم جمع ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف حالات میں اترا کوئی آیت گھر میں آرام فرماتے ہوئے آئی کوئی جنگ کے میدان میں پریشانی کی حالت میں اتری مگر کیا مجال کہ اس میں ذرہ بھر فرق تو ہو جاوے بالکل نہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ یہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا کلام نہیں بلکہ رب تعالیٰ کا اتارا ہوا کلام ہے اور جب کلام اللہ تعالیٰ کا ہے تو جس پر یہ کلام آیا وہ بھی رسول برحق ہے یہ سوچیں اور اخلاص سے ایمان لائیں۔

خلاصہ ء تفسیر : یہ منافقین ایسے بدباطن ہیں کہ آپ کی مجلس پاک میں آپ سے اور آپ کے مخلص صحابہ سے نہایت معصومیت کے لہجہ میں کہتے ہیں کہ حضور ہمارا کام صرف آپ کی اطاعت ہے ہم نے تو سواء آپ کی فرمانبرداری کے اور کچھ سیکھا ہی نہیں مگر جب آپ کی مجلس سے باہر جاتے ہیں اور آپس میں جمع ہوتے ہیں جہاں آپ اور آپ کے مخلص صحابہ نہ ہوں تو جو کچھ آپ سے کہہ گئے تھے اس کے خلاف تدبیریں سوچتے منصوبے گانٹھتے ہیں مگر سب نہیں بلکہ ان کی سردار باقی عام منافقین ان کی بتائی تدبیروں پر عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی یہ تدبیریں ان کے نامہ اعمال یا قرآن کریم میں لکھ رہا ہے جس پر انہیں سزا دی جاوے گی یا آئندہ رسوا کیا جاوے گا اے محبوب جب ہم ان کا انتظام فرما رہے ہیں تو آپ ان کی فکر نہ فرماویں ان سے چشم پوشی کریں ابھی ان کا پردہ چاک نہ کریں یا کبھی ان پر تلوار کا حملہ نہ فرماویں آپ تو اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ کریں وہ ہی اچھا کارساز ہے جب وہ آپ کا حامی ہے تو کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا یہ منافق لوگ بجائے سازشیں کرنے خفیہ تدبیریں سوچنے کے قرآن کریم میں تدبیر اور غور و خوض کیوں نہیں کرتے اور جو وقت ان سازشوں میں گذارتے ہیں وہ اس نیک کام میں کیوں نہیں صرف کرتے اگر یہ قرآن مجید ہمارا کلام نہ ہوتا آپ کا بنایا ہوا ہوتا جیسا کہ ان کا خیال ہے تو اس قرآن میں انہیں یکسانیت اور روانیت اس درجہ کی نہ ملتی بلکہ دوسرے انسانی کلاموں کی طرح اس کی کوئی آیت اعلیٰ درجہ کی فصیح ہوتی کوئی غیر فصیح اسی طرح تمام کلام یکساں سچا اور غیر متعارض نہ ہوتا بلکہ اس میں کہیں کچھ ہوتا کہیں اس کے خلاف۔ خیال رہے: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بہت مختلف ہیں آپ کبھی غار حرا میں گوشہ نشین تارک الدنیا ہیں تو کبھی ملک حجاز کے بادشاہ کبھی تمام عرب آپ کا دشمن تو کبھی ہر طرف آپ کے غلام ہی غلام ہیں کبھی آپ شب ہجرت دشمنوں میں گھرے ہیں تو کبھی چاروں طرف آپ کے خدام و نیازمند سر جھکائے بیٹھے ہیں کبھی مسجد میں امام اعظم ہیں تو کبھی میدان جنگ میں جرنیل اعظم ہیں کبھی عدالت کے فرائض انجام دے کر مقدمات طے فرما رہے ہیں تو کبھی اپنے غلاموں کے ساتھ نہایت سادگی و تواضع و انکساری سے اس طرح بیٹھے ہیں کہ اجنبی آنے والا آپ کو پہچان بھی نہیں سکتا اب اگر قرآن کریم آپ کا بنایا ہوا ہوتا تو جیسے آپ کے مذکورہ حالات اس قدر مختلف ہیں قرآنی آیات بھی یوں ہی مختلف ہوتیں حضور کی مختلف حالتوں پر نظر ڈالو اور قرآن کریم کی یکسانیت میں غور کرو تو بے تامل کہنا پڑے گا کہ یہ کلام اللہ ہے مگر غور کی ضرورت ہے۔ کلام متکلم کی حالت کا آئینہ دار ہوتا ہے غضب کا کلام اور ہے رحم کا کلام کچھ اور گھبراہٹ کا کلام اور ہوتا ہے سکون کا کچھ اور قرآن کریم کی روشنی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کا کلام ہے جو گھبراہٹ و سکون طیش و عیش سے پاک ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: قول و عمل میں مطابقت نہ ہونا کہ باتیں اچھی ہوں عمل اس کے خلاف منافقت کی علامت ہے جیساکہ غیرالذی تقول کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ ہمارے اعمال اقوال سے بھی زیادہ اچھے ہوں دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کے خلاف سوچنا منافقین کا عمل ہے ان کی اطاعت آنکھ بند کرکے کرنی چاہئے جیساکہ غیرالذی تقول کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا جب کہ تقول واحد مخاطب کا صیغہ ہو تیسرا فائدہ: اللہ کے مقبول بندوں کے کام در حقیقت اللہ تعالیٰ کے کام ہیں۔ دیکھو بندوں کے نامہ اعمال لکھنا کاتبین اعمال فرشتوں کا کام ہے اور قرآن مجید لکھنا کاتب وحی ہونا خاص صحابہ کا عمل ہے مگر رب تعالیٰ فرماتا ہے **واللہ یکتب ما یبیتون** ان کی سازشیں اللہ تعالیٰ لکھ رہا ہے۔ چوتھا فائدہ: اللہ پر بھروسہ کرنے والے کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا اس کے مقابل تمام کی تدبیریں بیکار ہیں جیساکہ وتوکل علی اللہ کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: قرآن کریم میں غور و فکر کرنا جس سے اس کی حقانیت معلوم ہو عبادت ہے جیساکہ **افلا یتدبرون** القرآن سے معلوم ہوا علماء فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی ایک آیت تدبر و غور سے پڑھنا بغیر تدبر ہزار آیات پڑھنے سے افضل ہے ذکر قرآن، فکر قرآن، نظر قرآن سب ہی عبادت ہے۔ چھٹا فائدہ: قرآن کریم کے معنی معلوم ہیں غیر معلوم نہیں جیساکہ **افلا یتدبرون** القران سے معلوم ہوا اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ معانی قرآن سوا نبی اور امام معصوم کے کوئی نہیں جانتا کیونکہ ایسا ہوتا تو منافقوں کو قرآن میں تدبر کرنے کا حکم نہ دیا جاتا (تفسیر کبیر) ساتواں فائدہ: تقلیدی ایمان معتبر نہیں ایمان تحقیقی چاہئے یہ فائدہ بھی **افلا یتدبرون القران** سے حاصل ہوا دیکھو منافقین کو حکم دیا گیا کہ قرآن کریم میں غور و خوض کرکے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لائیں (کبیر) آٹھواں فائدہ: قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے یعنی اس کے اوصاف معلوم کرکے حضور کے اوصاف معلوم کرو خیال رہے کہ قرآن معجزہ رسول ہونے کی وجہ سے رسول کی دلیل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کی حیثیت سے قرآن کے کلام اللہ ہونے کی دلیل ہیں یعنی ہم نے دوسرے معجزات کی طرح قرآنی معجزہ کو دیکھ کر حضور کو نبی مانا اور حضور کے فرمانے سے کہ یہ قرآن جو ہم پڑھ رہے ہیں کلام الٰہی ہے ہم نے قرآن کو کلام الٰہی مانا حضور کا منہ زبان و لب قرآن و حدیث کی کان ہے اسی سے ہم نے قرآن سنا اسی سے حدیث سنی جسے انہوں نے قرآن کہا ہم نے اسے قرآن مانا اور جسے حدیث بتایا ہم نے اسے حدیث مانا یہ مسئلہ قابل غور ہے بعض صحابہ نے نزول قرآن سے پہلے حضور کی ذات سے حضور کی نبوت مان لی۔ نواں فائدہ: قرآنی آیات آپس میں متعارض نہیں سب متفق و متوافق ہیں اگر کہیں ہم کو اختلاف معلوم ہو تو یہ ہماری سمجھ کا قصور ہے علم کی کمی ہے قرآن میں اختلاف ہرگز نہیں جیساکہ **لوجدوا فیہ** سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: موجودہ انجیلیں کلام الٰہی نہیں بلکہ انسانی بناوٹی کتابیں ہیں کیونکہ ان میں اتنا اختلاف ہے کہ حضرت مسیح کے نسب تک میں اختلاف ہے کہیں ہے کہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے اور خداوند ہیں کہیں ہے کہ وہ لعنتی تھے کہیں ہے کہ شریعت کی پیروی ضروری ہے کہیں ہے کہ شریعت لعنت ہے جس سے ہم کو مسیح نے چھڑا لیا دیکھو ہماری کتب رد عیسائیت وغیرہ اور دیکھو کتاب ازالہ۔

پہلا اعتراض : یہاں فرمایا گیا کہ منافقوں کا ایک ٹولہ سازشیں کرتا ہے حالانکہ سارے ہی منافق سازشیں کرتے تھے۔

جواب: نہیں بلکہ ان کے سردار سازشیں کرتے تھے اور عوام منافق ان سوچی سازشوں پر عمل کرتے تھے لہٰذا یہ فرمان برحق ہے دوسرا اعتراض: یہاں قرآن کریم نے فرمایا **فاعرض عنھم** ان سے چشم پوشی کرو مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم** اے محبوب کفار اور منافقوں پر جہاد کرو اور ان پر خوب سختی کرو آیات میں تعارض ہے۔ جواب: یہاں اعراض کے تین معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ آپ ان کی حرکتوں پر غم نہ کرو چشم پوشی کرو دوسرے یہ کہ ان پر تلوار نہ اٹھاؤ چشم پوشی فرماؤ تیسرے یہ کہ ان کے راز فاش نہ کرو ان کا پردہ رہنے دو پہلے دو معنی کی بنا پر یہ آیت محکم ہے تیسرے معنی کی بنا پر یہ آیت جاھد الکفار والمنافقین سے منسوخ ہے لہٰذا دونوں آیتوں میں تعارض نہیں غم و فکر نہ کرنا اور ہے اور ان پر جہاد کرنا کچھ اور کفار پر تلوار سے جہاد ہوا منافقین پر تلوار سے جہاد کبھی نہ ہوا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو قرآن مجید میں غور فکر اجتہاد اور اس سے مسائل کا استنباط کرنا چاہئے مگر تم کہتے ہو کہ سوا علماء مجتہدین کے قرآن سے اجتہاد کوئی نہ کرے کسی کو کسی شخص کی تقلید درست نہیں ہر شخص قرآن و حدیث میں غور کرے۔ جواب: قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت میں غور اس کی دلکش جاذبیت میں نظر و فکر جس سے ایمان تازہ ہو جائے سب کریں مگر اس سے مسائل کا استنباط عوام اور جہلاء نہ کریں ورنہ دین برباد ہو جاوے گا اگر جاہل آدمی علم طب میں غور کر کے علاج شروع کر دے تو لوگوں کی جان لے گا اور اگر قرآن مجید میں غور کر کے مسائل نکالے گا تو لوگوں کے ایمان برباد کرے گا ہر شخص کا غور علیحدہ ہے سمندر کی سطح سب لوگ دیکھیں اور اس سے رب تعالیٰ کی قدرت کے قائل ہوں مگر ہر شخص اس میں غوطے لگا کر موتی نکالنے کی کوشش نہ کرے ورنہ جان کھوئے گا مجتہدین قرآن و حدیث سے مسائل نکالیں۔ صوفیاء کرام اس کے اسرار معلوم کریں علماء غور کر کے احکام کی حکمتیں معلوم کریں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں اختلاف نہیں مگر بہت سی آیات دوسری آیات کے خلاف ہیں دیکھو رب فرماتا ہے **لا تدرکہ الابصار** اللہ تعالیٰ کو آنکھیں نہیں پا سکتیں۔ مگر دوسری جگہ فرماتا ہے **الی ربھا ناظرۃ** بعض لوگ اپنے رب کو دیکھیں گے ایک جگہ فرماتا ہے **لا یسئل عن ذنبہ انس ولا جان** کسی انس و جن سے اس کے گناہ کے متعلق پوچھ گچھ نہ ہوگی مگر دوسری جگہ فرماتا ہے **لنسئلنھم اجمعین** ہم تمام کفار سے سوال فرمائیں گے وغیرہ وغیرہ جواب: پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اس قسم کے اختلاف ہماری کم فہمی سے ہیں قرآن کریم میں اختلاف نہیں چنانچہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں یہ آنکھیں خدا کو نہیں دیکھ سکتیں اور اس دوسری آیت کے معنی ہیں کہ جنت میں جنتی لوگ وہاں کی آنکھوں سے خدا کو دیکھیں گے یا کوئی خدا تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتا مگر اس کے جمال کے نظارے جنتی کریں گے ہم آسمان یا سمندر کو دیکھ تو لیتے ہیں مگر ان کا احاطہ نہیں کر سکتے اس طرح پہلی آیت کے معنی یہ ہیں کہ قیامت میں ہر ایک کا کفر و ایمان چہروں سے ظاہر ہوگا کوئی دوسرے سے اس کے ایمان و کفر کے متعلق دریافت نہ کرے گا اور دوسری آیت کے معنی ہیں کہ رب تعالیٰ ان کا حساب لے گا ان سے پوچھ گچھ اور پرسش فرمائے گا وغیرہ وغیرہ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآنی آیات میں نسخ نہیں کیونکہ نسخ بھی ایک طرح کا اختلاف ہی ہے پھر تم بعض آیات کو منسوخ کیوں مانتے ہو جواب: اس کا جواب ہم تیسرے پارے میں نسخ کی بحث میں دے چکے ہیں کہ اختلاف اور چیز ہے نسخ دوسری چیز نسخ آیات ہمارے حالات کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے اگر طبیب بیمار کے حالات میں نظر فرما کر اپنے نسخے میں تبدیلی کرے تو یہ اس کا کمال ہے اور اگر ایک ہی بیمار کو کبھی کوئی دوا دے کبھی کوئی تو یہ اس کی جہالت ہے۔ **چھٹا اعتراض:**

ہم نے حضور سے قرآن کو پہچانا یا قرآن سے حضور کو یہاں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سے حضور کو پہچانا مگر بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور سے قرآن کو پہچانا ان میں موافقت کیوں کر ہو۔ **جواب:** ایک حیثیت سے ہم نے قرآن سے حضور کو پہچانا قرآن کلام الہی ہے جسے جبریل لائے مگر ہم نے جبریل کو آتے لاتے سناتے نہ دیکھا سرکار نے فرمایا کہ یہ جو ہم اب پڑھ رہے ہیں یہ کلام الہی قرآن ہے ابھی جبریل امین آئے تھے یہ سنا گئے یہ بات ہم نے حضور سے مانی اور اس لحاظ سے ہم نے قرآن کو حضور سے مانا۔ مرغی انڈے سے ہے اور انڈا مرغی سے مگر دور نہیں جناب ہم نے ایک طرح تو خدا کو حضور سے پہچانا اور دوسری طرح خدا تعالیٰ سے حضور کو مانا کہ اس نے فرمایا محمد رسول اللہ یہ سوال و جواب بہت دلچسپ ہے اس کے متعلق بہت کچھ اس آیت کے ماتحت کہا جا چکا ہے **وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا** اللہ تعالیٰ حضور کا گواہ کفی باللہ شہیدا اور حضور اللہ تعالیٰ کے گواہ **انا ارسلناک شاھدا**

تفسیر صوفیانہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج ہیں قرآن مجید اس سورج کی نورانی شعاعیں لوگوں کے دل مختلف ہیں سورج کی شعاعیں آئینہ میں پڑیں تو آئینہ جھلک جاتا ہے کہ اس میں صفائی اور قابلیت بہت ہے مخلصین صدیقین کے دلوں میں قرآنی شعاعیں پڑیں تو ان کا حال یہ ہوا کہ فزادو تم ایمانا" ان کے ایمان بڑھ گئے اور وہ پکار اٹھے سمعنا و اطعنا مگر منافقین کے دل تاریک تھے وہ اس سورج کی ان شعاعوں کی وجہ سے جھلک نہ سکے ان کے دل ھوی' ہوس' شہوت حرص وغیرہ غباروں سے سیاہ ہو چکے تھے تو ان کا حال وہ ہوا جو یہاں مذکور ہے کہ مجلس پاک میں کہتے تھے طاعۃ اور پیچھے کرتے تھے سازشیں منہ سے بولتے تھے سمعنا دل سے کہتے عصینا ان پر عذاب الہی آیا اور فرما دیا گیا کہ محبوب ان پر غم نہ کرو تم سورج ہو مگر ان کے دل سیاہ ' ارشاد باری ہو رہا ہے کہ اگر میرے بندے قرآن کریم کے معجزات' انوار' ہدایات' نظم آیات کمال فصاحت جمال بلاغت الفاظ کی روانی معانی کی جولانی' اسرار کی بیانی میں غور کرتے تو اس قرآن میں ہر بیماری کی دوا ہر مرض سے شفاء ہر آنکھ کے لئے جلا ہر دل کے لئے صفا ہر چہرے کی روشنی ہر ذہن کی ذکاوت پاتے اس کے عجائب ختم نہیں ہوتے یہ ہے قرآن کریم کی حقانیت کی دلیل مولانا فرماتے ہیں۔

چوں تو در قرآنی حق بگریختی ۔۔۔ بارواں انبیاء آموختی!
ہست قرآن حالہائے انبیاء ۔۔۔ ماہیان بحر پاک کبریا!
ور بخوانی ونہ قرآں پذیر ۔۔۔ انبیاء واولیاء دیدہ گیر!

جیسے دنیا کا سمندر جہاز کے ذریعہ طے کر کے بیت اللہ تک پہنچتے ہیں ویسے ہی قرآن کا سمندر کسی شیخ کامل کے جہاز کے ذریعہ طے کر کے قرب خاص رب العالمین تک پہنچتے ہیں خدا تعالیٰ قرآن سے ہم کو نفع بخشے (آمین) (از روح البیان مع زیادۃ)

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى
اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی بات امن یا ڈر کی تو شائع کر دیتے ہیں اس کو اور اگر لوٹاتے وہ اسے
اور جب ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا ڈر کی آتی ہے اس کا چرچا کر بیٹھتے ہیں اور اگر اس میں رسول اور اپنے

الرَّسُولِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ

طرف پیغمبر کے اور طرف امر والوں کے اپنے میں سے تو جان لیتے اس کو وہ لوگ جو اجتہاد کرتے ہیں اس کو ان

ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے یہ بعد میں کاوش کرنے والے اور اگر

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ

میں سے اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ تعالیٰ کا تمہارے اوپر اور مہربانی اس کی تو تم پیروی کرتے شیطان کی سوا

تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور شیطان کے پیچھے لگ جاتے مگر تھوڑے تو اے محبوب

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى

تھوڑوں کے تو جنگ کرو اللہ کی راہ میں نہیں تکلیف دیئے جاتے تم مگر اپنی ذات کی اور رغبت دو مسلمانوں کو قریب

اللہ کی راہ میں لڑو تم تکلیف نہ دیئے جاؤ گے مگر اپنے دم کی اور مسلمانوں کو آمادہ کرو قریب ہے

اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾

ہے کہ اللہ روک دے سختی ان کی جنہوں نے کفر کیا اور اللہ بہت سختی والا ہے اور سخت عذاب والا

کہ اللہ کافروں کی سختی روک دے اور اللہ کی آنچ سب سے سخت تر ہے اور اس کا عذاب سب سے کڑا

تعلق : ان آیتوں کا گذشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں منافقین کے ان عیوب کا ذکر تھا جن کا تعلق ان کی ذات سے تھا اب ان کے وہ عیوب بتائے جا رہے ہیں جن کا تعلق قوم مسلم سے ہے یعنی ہر قسم کی خبروں کا مسلمانوں میں پھیلا دینا جس سے قوم و ملک و ملت کو نقصان پہنچے گویا لازم عیب کے بعد متعدی فساد کا تذکرہ ہے دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں حکم تھا کہ قرآن کریم میں غور کرو اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس کے ظاہر میں غور کرو باریک و دقیق احکام میں تم خود غور نہ کرو بلکہ انہیں اہل علم کے سپرد کرو۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں منافقین کی دانستہ سازشوں کا تذکرہ تھا اب بعض ضعفاء مومنین کی نادانستہ غلطیوں کا ذکر ہے یعنی ہر بات بغیر تحقیق شائع کر دینا جس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں دلائل سے اسلام اور قرآن کی حقانیت ثابت فرمائی گئی کہ اگر قرآن اللہ کا کلام نہ ہوتا تو اس میں اختلاف ہوتا اب اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کا تاکیدی حکم ہے فقاتل فی سبیل اللہ کیونکہ محض دلائل سے بہت کم لوگ مانتے ہیں قوت و طاقت سے بہت جلد سیدھے ہو جاتے ہیں غرضیکہ ایک نوعیت کی تبلیغ پہلے تھی دوسری نوعیت کی اب۔

شان نزول : (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر اسلام کو جہاد کے لئے بھیجتے تھے میدان جنگ سے ان کے غلبہ یا مغلوبیت فتح و شکست کی خبریں آتی تھیں جس کا تذکرہ بارگاہ رسالت میں ہوتا تھا وہاں منافقین بھی ہوتے تھے ضعفاء اور سیدھے مومنین بھی اہل علم و فقہاء بھی تو منافقین شرارت کے طور پر اور ضعفاء مومنین سیدھے پن سے یہ خبریں لوگوں میں پھیلا دیتے تھے جس سے مسلمانوں کے راز فاش ہو جاتے تھے اور بسا اوقات ان رازوں کے فاش ہو جانے سے نقصان کا خطرہ بھی ہوتا تھا اب ان

منافقین یا ضعفاء اور سیدھے مومنین کے متعلق پہلی آیت واذا جاءهم نازل ہوئی (تفسیر خازن، جلالین وغیرہ) غزوہ احد کے موقعہ پر ابو سفیان نے احد سے واپس ہوتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ اگلے سال ہماری آپ کی جنگ مقام بدر صغریٰ میں ہوگی جسے حضور نے منظور فرمالیا تھا یہ واقعہ ذی قعدہ میں عرض ہوا تھا سال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورۃً "مسلمانوں کو بدر صغریٰ کی طرف چلنے کو فرمایا یہ مشورہ بعض لوگوں پر گراں و بھاری گذرا جس پر دوسری آیت فقاتل فی سبیل اللہ نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ستر صحابہ کرام کی چھوٹی سی جماعت لے کر موقعہ پر تشریف لے گئے ابو سفیان کو وہاں پہنچنے کی ہمت نہ پڑی اور یہ حضرات نہایت خیر و خوبی سے صحیح سلامت خوب نفع کما کر واپس ہوئے (تفسیر خازن، کبیر، خزائن العرفان، جلالین وغیرہ) غرضیکہ ان دو آیتوں کے شان نزول مختلف ہیں۔

تفسیر : واذا جاءهم امر من الامن او الخوف یہ علیحدہ جملہ ہے جس میں منافقین کے دوسرے عیب یا ضعفاء مومنین کی نادانستہ غلطی کا ذکر ہے اذا یا دوام ظرف کے لئے ہے یعنی جب کبھی اور جاء دوام حالت کے لئے ہے یعنی آتا ہے کیونکہ یہ واقعہ صرف ایک بار نہ ہوا تھا بلکہ بار بار ہوا تھا هم کا مرجع یا تو وہ ہی منافقین ہیں جن کا تذکرہ پہلے سے ہو رہا ہے یا سیدھے سادے مسلمان جو جنگی نزاکتوں کا احساس نہیں رکھتے جیسا کہ شان نزول کی دو روایتوں سے معلوم ہوا۔ امر سے مراد میدان جنگ سے آئی ہوئی خبر ہے۔ جس کا تذکرہ بارگاہ رسالت میں ہوتا تھا اور یہ حضرات سن لیتے تھے یا امر سے مراد آئندہ کے متعلق وہ جنگی مشورے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے خفیہ طور پر کرتے تھے جو کبھی ان لوگوں کو معلوم ہو جاتے تھے من جارہ ہے کا تایا ثابتا" پوشیدہ کے متعلق ہے جو امر کا حال ہے امن سے مراد سلامتی فتح غنیمت ہے اور خوف سے مراد مسلمان لشکروں کا کسی وقت اتفاقاً" شکست کھا جاتا ہے۔ جس سے خوف پیدا ہو سکتا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آئندہ کے متعلق کسی اطمینان بخش خبر کا تذکرہ فرمانا یا تشویش و فکر کا اظہار فرمانا غرضیکہ اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں۔ امن سے مراد مطمئن کرنے والی خبر اور خوف سے مراد خوفناک چیز اذاعوا به یہ عبارت اذا کی جزا ہے اور اذاعوا سے مراد حال استمرار ہے اس کا مصدر اذاعۃ ہے مادہ ذیع 'اذاعت کے معنی ہیں بہت زیادہ اشاعت کرنا خوب پھیلانا اذاعت میں اشاعت سے زیادہ مبالغہ ہے کہ اشاعت کہتے ہیں صرف اپنوں میں خبر پھیلانا اور اذاعت کے معنی ہیں اپنوں پرائیوں سب میں خبر پھیلانا جیسے اشتہار کی خبر اشاعت ہے اور ریڈیو پر اعلان جو ہر ملک میں سنا جاوے اذاعت ہے چونکہ اذاعوا میں تحدیث و اخبار کے معنی شامل ہیں اسی لئے اس کے بعد 'ب' لائی گئی اس کا فاعل بھی یا تو وہ ہی منافقین ہیں جو هم ضمیر کا مرجع تھے یا ضعفاء مومنین یعنی جب کبھی ان منافقین کو کوئی امن و راحت یا خوف و خطر کی خبر مل جاتی ہے گزشتہ یا موجودہ حالات کے متعلق یا آئندہ کے مشوروں کے متعلق تو فوراً" لوگوں میں شائع کر دیتے بلکہ پھیلا دیتے ہیں حالانکہ یہ اشاعت خطرناک ہے کہ فتح کی خبر سے کفار تیاری کر لیتے ہیں اور وہ چوکنے ہو جاتے ہیں اور شکست کی خبر سے مسلمانوں کے دل ٹوٹ جاتے ہیں ولو ردوہ الی الرسول والی الامر منهم یہ اس غلطی کی اصلاح ہے سمجھانے اور فہمائش کے لئے۔ اگر مگر سے بیان فرمایا صاف حکم نہ دیا مقصود اصلاح ہے ردوا کا فاعل وہی منافقین یا ضعفاء مومنین ہیں ہ کا مرجع وہ ہی خوف ہے رد کرنے سے مراد یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل علم سے پوچھ لینا ہے کہ یہ خبر ہم شائع کریں یا نہ کریں یا خاموش رہ کر انتظار کرنا ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء صحابہ اسے شائع فرما دیں اولوا الامر

ے مراد یا تو فقہا صحابہ ہیں جو سیاسیات سے خبردار ہیں یا جہاد کرنے والی فوجوں کے کمانڈر و سپہ سالار ہیں۔ اگر روئے سخن منافقین
ے ہے تو **منہم** فرمانا ظاہر کے اعتبار سے ہے کیونکہ منافقین اپنے کو مسلمان کہتے تھے اور قومی لحاظ سے مسلمانوں میں شمار ہوتے
تھے۔ بہرحال منہم کی من تبعیضیہ ہے یعنی اگر یہ شائع کرنے والے لوگ ان جیسی خبروں کے کے متعلق خاموش رہتے اور انہیں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سمجھ دار صحابہ کے سپرد کر دیتے' انتظار کرتے کہ یہ حضرات ان خبروں کو شائع فرماتے ہیں یا نہیں
علمہ الذین یستنبطونہ منہم یہ عبارت لو کی جزا ہے الذین سے مراد یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خاص صحابہ کرام
ں یا صرف خاص صحابہ **یستنبطون** استنباط سے بنا جس کا مادہ ہے نبط اور نبط کنوئیں کا وہ پہلا پانی ہے جو کنواں کھودنے پر نمودار
و تا ہے استنباط کے معنی ہیں وہ پہلا پانی نکالنا اب اصطلاح شریعت میں قرآن و حدیث سے باریک مسائل کا نکالنا ہے جسے فقہاء
تخریج یا استخراج کہتے ہیں منہم کا مرجع وہ عام حضرات ہیں یعنی اگر یہ لوگ ایسی خبریں پھیلانے میں جلد بازی نہ کرتے اہل سیاست
حضرات کے سپرد کر دیتے تو جو صحابہ مسائل کے نکالنے پر قادر ہیں وہ جان لیتے کہ یہ خبر پھیلانے کے لائق ہے یا نہیں یہ جلد باز
ک ان بزرگوں کو سوچنے کا موقعہ نہیں دیتے فوراً" پھیلا دیتے ہیں جس سے جنگی راز آؤٹ ہو جاتے ہیں **ولولا فضل اللہ**
علیکم ورحمتہ نحو جاننے والے جانتے ہیں کہ لو کسی خبر کی تعلیق کے لئے آتا ہے اور وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں جز اول موجود
اور دوسرا جز نہ ہو جیسے **لولا علی لھلک عمر** اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے چونکہ علی ہیں اس لئے عمر ہلاک نہ
ے یہاں بھی یہ ہی ہے۔ فضل و رحمت قریباً" ہم معنی ہیں مگر اکثر فضل وہ نعمت ہے جو استحقاق سے زیادہ دی جاوے اور رحمت
نعمت ہے جو بلا استحقاق عطا ہو' مزدور کو اجرت سے زیادہ دیا یہ زیادتی فضل ہے فقیر کو خیرات دی یہ رحمت ہے یہاں اللہ کے
فضل سے مراد قرآن مجید ہے اور اللہ کی رحمت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا اس کے برعکس کہ اللہ کے فضل سے مراد
حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور رحمت سے مراد قرآن مجید' بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ کا فضل بھی حضور ہیں۔ رب فرماتا
ہے **ھو الذی بعث فی الامین رسولا" منہم** حتی کہ فرمایا **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء** یہاں حضور کو
فضل اللہ فرمایا گیا اور دوسری جگہ ارشاد ہے **وما ارسلنک الا رحمتہ للعالمین** یہاں حضور کو رحمت فرمایا گیا (روح
البیان) بعض نے فرمایا کہ اللہ کا فضل حضور اور قرآن ہیں اور ان کی اطاعت کی توفیق ملنا اللہ کی رحمت (خازن) بعض نے فرمایا کہ
خبروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرنا اللہ کا فضل ہے اور اولو الامر کی طرف پھیرنا اللہ کی رحمت **لاتبعتم الشیطن**
الا قلیلا" ۔ یہ عبارت لو کی جزا ہے اتباع کی معنی بارہا بیان ہو چکے کسی کے پیچھے چلنا بغیر سوچے سمجھے اس کی پیروی کرنا یہاں
شیطان کی اتباع سے مراد اپنی ضعیف رائے پر عمل کرنا کفار و منافقین کی پیروی کرنا ہے یا کفر و شرک اختیار کرنا' خیال رہے کہ
یہاں الا قلیلا" کے استثناء میں چھ احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ اتبعتم کے فاعل سے مستثنیٰ ہے اور معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ قرآن و
محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث نہ فرماتا تو تم سب کفر و شرک اختیار کرکے شیطان کے پیرو ہو جاتے سواء تھوڑوں کے کہ وہ
شرک نہ کرتے ان کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم بخشی ہے جیسے قیس ابن ساعدہ عمرو ابن نفیل' ورقہ بن نوفل بلکہ جیسے حضرت ابو بکر
صدیق جنہوں نے ظہور اسلام سے پہلے بھی نہ کبھی کفر و شرک کیا نہ شراب پی نہ زنا وغیرہ کے قریب گئے' بلکہ نہ کبھی جھوٹ
ے۔ دوسرے یہ کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں تبلیغ اسلام نہ پہنچی اور وہ توحید کے معتقد ہوں پھر یہ بھی اتبعتم کے فاعل
سے مستثنیٰ ہے مگر منقطع تیسرے یہ کہ اذاعو کے فاعل سے مستثنیٰ ہے یعنی سب لوگ خفیہ خبریں شائع کر دیتے سواء بعض کے

چوتھے یہ کہ علمہ کے فاعل سے مستثنیٰ ہے پانچویں یہ کہ وجدوا کے فاعل سے مستثنیٰ ہے، چھٹے یہ کہ لا تبعتم میں خطاب سارے لوگوں سے ہے اور الا قلیلا" سے مراد امت محمدیہ ہے مگر پہلی تو جیہ نہایت قوی ہے اس کو عام مفسرین نے لیا خلاصہ یہ ہے کہ اس جملہ کی چھ تفسیریں ہیں پہلی تفسیر قوی باقی ضعیف (تفسیر صاوی و از کبیر وغیرہ) بعض عشاق کا خیال ہے کہ فضل ربانی شریعت ہے اور رحمت ربانی طریقت اور الا قلیلا عشاق ہیں مطلب یہ ہے کہ اگر شریعت و طریقت دنیا میں نہ آتی اور علماء و صوفیاء کا سلسلہ قائم نہ ہوتا تو عام لوگ شیطان کے پیرو بن جاتے مگر مستان شراب الست پھر بھی اس ملعون سے محفوظ رہتے کہ وہ شیطان کے شکار کے لائق ہی نہیں **فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک** ف جزائیہ ہے اس کی شرط پوشیدہ یعنی اگر دوسرے لوگ جہاد میں سستی کریں تو آپ اکیلے ہی جہاد کرو قاتل سے مراد یا تو تمام جہاد ہیں خواہ کہیں ہوں یا کبھی ہوں اور اس میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں قتال سے مراد وہ خاص جہاد ہو جس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی یعنی بدر صغریٰ جو غزوۂ احد سے ایک سال بعد ہوا۔ **لا تکلف** تکلیف سے بنا بمعنی مکلف کرنا فرض فرمانا نفسک سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بدر صغریٰ میں آپ ضرور جہاد کرو یہ آپ پر فرض عین ہے دوسرے لوگ جائیں یا نہ جائیں فقیر کے نزدیک یہ ہی تفسیر زیادہ قوی ہے **وحرض المومنین** یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرا حکم ہے حرض تحریض سے بنا جس کا مادہ حرض ہے بمعنی قریب الہلاک چیز جو کسی گنتی شمار میں نہ آئے رب فرماتا ہے **حتی تکون حرضا**' **تحریض** کے معنی ہیں حرض یعنی بیکاری کا دور کرنا باب تفعیل سلب مادہ کے لئے ہے یعنی بیکار چیز کو باکار کر دینا اب اصطلاح میں کسی چیز کی خوبیاں بیان کر کے اس کی رغبت دینے کو تحریض کہتے ہیں یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں یعنی آپ اس جہاد کی مسلمانوں کو صرف رغبت دیں ان پر زور نہ دیں جو صحابہ اس جہاد میں جائیں انہیں بہت ثواب ملے گا جو نہ جائیں وہ گنہگار نہیں **عسی اللہ ان یکف باس الذین کفروا** یہ عبارت گذشتہ مضمون کی گویا علت ہے عسی امید دلانے کے لئے آتا ہے مگر رب تعالیٰ کا امید دلانا یقین پر مبنی ہوتا ہے یکف کف سے بنا بمعنی روکنا باس بمعنی سختی مگر یہاں مراد ہے جنگ "الذین کفروا" سے مراد یا تو سارے کفار ہیں یا ابو سفیان اور ان کی جماعت جنہوں نے بدر صغریٰ میں جنگ کا وعدہ کیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ ابو سفیان اور ان کی جماعت کے دلوں میں ایسی ہیبت ڈال دے گا کہ ان میں مقابلہ کرنے کی جرات ہی نہ ہوگی اللہ تعالیٰ ان کفار کی جنگ کو روک دے گا **واللہ اشد باسا واشد تنکیلا** یہ عبارت عسی اللہ کی گویا علت ہے اشد باسا کے معنی ہیں بہت سختی فرمانے والا **تنکیلا** نکل سے بنا بمعنی روک دینا اس لئے قید کو نکال کہتے ہیں کہ اس میں ملزم کو ایک جگہ روک دیا جاتا ہے اور عبرتناک سزا کو نکال کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے دوسروں کو نافرمانی سے روک دیا جاتا ہے یعنی اگر اس وقت جنگ ہوتی تو کفار بڑی مار کھاتے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و مددگار ہے اللہ بہت سختی والا اور بہت عبرتناک سزا دینے والا ہے اس کی مار کون جھیل سکتا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : گذشتہ تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کی چند تفسیریں ہیں ہم ان میں سے صرف ایک تفسیر عرض کرتے ہیں جو زیادہ قوی ہے 'اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقوں کی بدباطنی کا یہ حال ہے کہ جب انہیں کوئی خفیہ و اہم خبر مسلمانوں کی فتح شکست کے متعلق مل جاتی ہے یا تو اس طرح کہ میدان جہاد سے کوئی خبر آتی ہے جسے یہ سن لیتے ہیں یا اس طرح کہ

آپ کسی سے جنگ کے متعلق اہم مشورہ کرتے ہیں اور انہیں پتہ چل جاتا ہے تو یہ لوگ بغیر سمجھے بوجھے فوراً لوگوں میں یہ خبریں پھیلادیتے ہیں حالانکہ ان خبروں کی اشاعت مصلحت کے خلاف ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی فتح کی خبر سے کفار آئندہ کے لئے چوکنے ہو جاتے ہیں اور ان کی شکست کی خبر سے کفار کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں مسلمان گھبرا جاتے ہیں اگر یہ لوگ اس قسم کی خبروں کو آپ کے اور اہل عقل صحابہ کرام کے سپرد کردیا کریں جنہیں سیاست کی پوری سمجھ ہے اور دل میں سوچ لیا کریں کہ یہ حضرات چاہیں تو شائع کریں چاہیں شائع نہ کریں ہم کو ان کی اشاعت سے کیا غرض تو یقیناً مجتہدین صحابہ جن کو استنباط مسائل کا ملکہ ہے وہ جان لیتے کہ کونسی خبر اشاعت کے قابل ہے کونسی اشاعت کے لائق نہیں خیال رکھو کہ اگر تم پر اے لوگو اللہ کا فضل اللہ کا رحم نہ ہوتا اور تم میں ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لاتے تم پر قرآن نہ اترتا تو تم سارے کے سارے شیطان کی پیروی کرکے مشرک و کافر ہو جاتے سوا بعض مخصوص حضرات کے جو پھر بھی توحید پر قائم رہتے شرک و کفر نہ کرتے جیسے ابوبکر صدیق' ورقہ ابن نوفل' قیس ابن ساعدہ وغیرہ اے محبوب اور لوگ اس جہاد بدر صغریٰ میں جاتے ہوئے گھبرائیں اور اس جہاد پر آمادہ نہ ہوں تو آپ اکیلے ہی یہ جہاد کریں اس جہاد کو صرف آپ پر فرض کیا جاتا ہے آپ ضرور تشریف لے جائیں ہاں صحابہ کرام کو اس جہاد کی رغبت دیں ان پر جہاد فرض نہیں جو جائے گا ثواب پائے گا جو نہ جائے گا گنہگار نہ ہو گا بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ سختی فرمانے والا ہے اور اس کا عذاب بہت ہی کڑا ہے اگر کفار اس موقعہ پر آپ کے مقابل آجاتے تو سخت عذاب پاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ پورا فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف ستر صحابہ کو لے کر میدان بدر صغریٰ میں پہنچے ابو سفیان اور ان کی جماعت کو آنے کی ہمت ہی نہ ہوئی یہ مسلمان بہت نفع کما کر رب تعالیٰ کو راضی کرکے بخیر و خوبی مدینہ طیبہ واپس ہوئے اللہ سچا ہے اس کے سارے وعدے سچے اس کے علاوہ ان آیتوں کی اور تفسیریں بھی ہیں مگر اسی تفسیر سے یہ آیت بالکل واضح اور بے غبار ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: ہر خبر پھیلا دینا کبھی فساد و خرابی کا باعث بن جاتا ہے کوئی خبر بغیر سمجھے بوجھے نہ پھیلانی چاہئے دوسرا فائدہ: صحابہ کرام میں حضرات خلفاء راشدین اور عبداللہ ابن عباس ابن مسعود و غیرھم بڑی شان کے مالک ہیں جنہیں رب تعالیٰ نے یہاں اولوالامر بھی فرمایا اور مجتہد لائق استنباط قرار دیا' تیسرا فائدہ: ہر شخص صاحب اسرار نہیں ہوتا یہ نعمت اللہ تعالیٰ کسی کسی کو دیتا ہے جب تمام صحابہ میں سے بعض حضرات صاحب اسرار ہوئے تو ماوشما کس شمار میں ہیں۔ چوتھا فائدہ: قرآن و حدیث پر براہ راست ہر شخص عمل نہ کرے بلکہ انہیں مجتہدین آئمہ پر پیش کرے ان سے سمجھ کر عمل کرے ورنہ گمراہ ہو جائے گا کیونکہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ان خوف و امن کی خبروں سے زیادہ اہم ہیں جن کے متعلق یہاں یہ ارشاد ہوا جب وہ خبریں علماء پر پیش کی جانی ضروری ہیں تو آیات و احادیث بھی علماء مجتہدین سے سمجھنا لازم لہٰذا اس سے مسئلہ تقلید ثابت ہوا پانچواں فائدہ: کوئی صحابی گمراہ نہیں کسی صحابی نے کبھی شیطان کی پیروی نہ کی کیونکہ سب پر اللہ کا فضل و رحمت تھا جیسا کہ لولا سے معلوم ہوا چھٹا فائدہ: تمام صحابہ درجے میں یکساں نہیں بعض بہت ہی استقامت والے ہیں جیسے حضرت ابوبکر صدیق وغیرہ کہ یہ حضرات اسلام سے پہلے بھی بری باتوں سے محفوظ رہے جیسا کہ الا قلیلا" سے معلوم ہوا ساتواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے فضل سے بڑے بہادر شجاع اور بڑے جرنیل اعظم جنگ کے فن کے بڑے ماہر ہیں کہ رب تعالیٰ نے آپ اکیلے کو میدان جہاد میں جانے کا حکم دیا یہ حکم اسی کو دیا جاتا ہے۔ جس میں یہ

صفات علی وجہ الکمال موجود ہوں **آٹھواں فائدہ:** بدر صغریٰ میں جنگ کے لئے جانا سب پر فرض نہ تھا جو حضرات وہاں گئے بڑے ثواب کے مستحق ہوئے جو نہ گئے ان پر کوئی گناہ نہیں جیسا کہ حرض المومنین سے معلوم ہوا اگر سب پر فرض ہوتا تو صرف ترغیب نہ دی جاتی بلکہ تاکیدی حکم ہوتا اور نہ جانے والوں پر وہ عتاب ہوتا جو غزوہ تبوک سے رہ جانیوالوں پر ہوا تھا۔ **نواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب بخشا اور جنگ کے انجام سے خبردار فرمایا اس سے حضور کے ثواب میں کمی نہیں ہوئی جیسا کہ عسی اللہ سے معلوم ہوا کہ رب نے وعدہ فرمالیا کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کفار مکہ کو جنگ سے روک دے گا مگر پھر بھی جانیوالوں کو ثواب ملا اس سے موجودہ وہابی عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ اگر حضور کو انجام کار معلوم ہو تو پھر آپ کو جہاد کا ثواب کیسا؟ **دسواں فائدہ:** جہاد کبھی فرض عین ہوتا ہے کبھی فرض کفایہ غزوہ تبوک فرض عین تھا اور غزوہ بدر صغریٰ فرض کفایہ اسی لئے غزوہ تبوک میں بلاوجہ نہ جانے والوں پر عتاب ہوا یہاں نہ ہوا **گیارھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور قرآن کریم کا نزول اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور اس کا فضل ہے جس میں ہمارے کسب کو مطلقاً دخل نہیں جیسا کہ لولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ کی دو تفسیروں سے معلوم ہوا۔

رب اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

لہٰذا ان نعمتوں کا شکریہ ہم پر لازم ہے۔ **بارھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے سارے عرب مشرک نہ تھے ان میں سے بعض لوگ توحید بلکہ دین ابراہیمی پر باقی تھے جیسا کہ الا قلیلا کی تفسیر سے معلوم ہوا چنانچہ حضور کے والدین کریمین بلکہ تمام دادے دادیاں مومن موحد تھے ورقہ ابن نوفل، بحیرہ راہب وغیرہم کا مومن ہونا تو بخاری و مسلم کی احادیث سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے نور کی امانت کے لئے جن پاک پیٹوں پاک پیٹھوں کو منتخب فرمایا وہ تمام موحد مومن تھے اس کی بحث پہلے پارہ کی تفسیر میں گذر چکی۔

پہلا اعتراض: اس آیت معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ ناقابل اعتبار لوگ تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز آؤٹ کر دیا کرتے تھے ان سے حضور کو تکلیف ہی پہنچی اور اسلام کو نقصان ہی ہوا (روافض) **جواب:** تفسیر اور شان نزول سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت میں منافقین کی حرکتوں کا ذکر ہے یا ان سادہ لوح سیدھے سادے مسلمانوں کا تذکرہ ہے جو سیاست سے بے خبر تھے اگر سارے صحابہ ایسے تھے تو اسی آیت میں **اولی الامر منہم** ، **یستنبطونہ منہم** اس سے کون مراد ہے؟ حضرات صحابہ میں۔ ایسے اولی الامر اور مجتہدین حضرات بھی تھے جن کی یہاں تعریف فرمائی گئی۔ **دوسرا اعتراض:** اگر یہ آیت منافقین کے متعلق ہے تو اہل علم اور مجتہدین صحابہ کو منہم کیوں فرمایا گیا؟ وہ تو منافقین سے بالکل جدا تھے؟ **جواب:** ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ منافقین قومی و جماعتی لحاظ سے مسلمانوں میں شامل رہتے تھے ان پر شرعی اسلامی احکام جاری تھے انکے ظاہری کلمہ گوئی کی وجہ سے انہیں نماز باجماعت کے لئے مسجدوں میں آنے جلسوں میں شریک ہونے کی اجازت تھی ان وجوہ سے منہم فرمایا گیا **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بے نیاز ہیں کہ یہاں فرمایا گیا کہ اگر تم پر اللہ کی رحمت و فضل نہ ہوتا تو تم شیطان کے پیروکار بن جاتے سوائے تھوڑوں کے معلوم ہوا کہ وہ تھوڑے اللہ کے فضل کے بغیر ہی شیطان سے الگ ہیں حالانکہ عقیدے کا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی بھی بغیر اللہ کی رحمت کے شیطان سے

نہیں بچ سکتا' جواب: یہاں اللہ کے فضل و رحمت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید ہے مطلب یہ ہے کہ اگر یہ دو ہستیاں دنیا میں نہ آتیں تو بہت کم لوگ شیطان کی اتباع سے بچتے اور وہ کم لوگ وہ تھے جن پر اللہ کی مہربانی تھی کہ اپنی عقل سلیم کے ذریعہ کفر سے متنفر تھے چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی بعض حضرات شرک سے بچے رہے مگر ان کا یہ بچنا رب تعالیٰ کے فضل سے ہی ہوا جیسے حضرت ابوبکر صدیق حضور کے والدین کریمین اور ورقہ ابن نوفل بحیرہ راہب وغیرہ اور اگر یہاں اللہ کے فضل و رحمت سے مراد اس کی مہربانی توفیق خیر ہو تو الا قلیلا "کا تعلق لا تبعتم سے نہ ہو گا بلکہ یا اذاعوا سے تعلق ہو گا یا لعلمہ سے پھر آیت کریمہ کا مطلب ہی کچھ اور ہو گا۔ جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا (تفسیر کبیر) چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور کے حکم سے سرکشی کرتے تھے آپ کے حکم پر جہاد کے لئے نہیں نکلتے تھے تب ہی تو حکم ہوا کہ آپ اکیلے ہی جہاد کو جائیں اگر وہ حضرات تابع فرمان ہوتے تو اس حکم کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی اور تعجب ہے کہ بدر صغریٰ میں صرف ستر صحابہ ہی حضور کے ساتھ جہاد کو روانہ ہوئے باقی سب نے حضور کا ساتھ چھوڑ دیا جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر وہ حضرات ایسے باغی اور سرکش تھے تو انہیں رب تعالیٰ نے مومنین کیوں فرمایا کہ ارشاد ہوا **وحرض المومنین**۔ حضور سے بغاوت و سرکشی تو کفر ہے نیز ان پر وہ عتاب کیوں نہ ہوئے جو غزوہ تبوک سے رہ جانے والے منافقین پر ہوئے تھے کہ سورۂ توبہ میں ان پر سخت ملامت کی گئی اور تین مخلص مسلمان جو اس جہاد سے رہ گئے تھے ان کا مکمل بائیکاٹ فرمایا گیا یہاں بدر صغریٰ سے رہ جانے والوں پر نہ کوئی عتاب ہے نہ ان کا بائیکاٹ۔ جواب تحقیقی تو یہ ہے کہ یہاں فقاتل میں صرف بدر صغریٰ کا جہاد مراد ہے یہ صرف حضور پر فرض ہوا مسلمانوں پر فرض نہ ہوا ان کے لئے مستحب رہا اس لئے فرمایا گیا کہ مومنوں کو اس جہاد میں شرکت کی رغبت دو یعنی تاکیدی حکم نہ دو جو حضرات حضور کے ساتھ گئے وہ بڑے اجر کے مستحق ہوئے جو نہ گئے وہ گنہگار نہ ہوئے اور اسی کی وجہ بھی اس آیت میں بتا دی گئی کہ فرمایا گیا اللہ تعالیٰ کفار مکہ کو وہاں پہنچنے سے روک دے گا یعنی جہاد کی نوبت ہی نہ آئے گی' جب اللہ تعالیٰ ان رہ جانے والوں کو مومن فرمائے ان پر کوئی عتاب نہ کرے تو تم عتاب کرنے والے کون ہو اگر وہ حضرات سرکش و باغی تھے تو بدر و حنین فتح مکہ کے معرکے کس جماعت نے سر کئے اور عہد فاروقی میں جنگ قادسیہ اور یرموک کنہوں نے جیتیں۔ پانچواں اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ عسی اللہ ان یکف الخ اور عسی شک کے موقعہ پر استعمال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ تو علیم و خبیر ہے اسے شک کیسا جواب: عسی وعدے کے لئے ہے اور کریم کا وعدہ یقینی ہوتا ہے یا شک دلانے کے لئے ہے یعنی مسلمان اس کی امید رکھیں بالکل یقین نہ کریں اپنی طرف سے جنگ کی تیاری پوری کریں ان کو اس پر ثواب ملے گا۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کو صاف دل کامل عقل روشن دماغ بخشا اور ان پر اپنی خاص تجلی ڈالی جس کی وجہ سے ان کے دل و دماغ و عقل تک شیطان نہیں پہنچ سکتا اور انہیں گمراہ نہیں کر سکتا۔ ان کے لئے پھر نور نبوت پہنچنا نور علی نور ہو جاتا ہے جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہ آپ نزول قرآن اور بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی طیب و طاہر صاف و ستھرے تھے کہ آپ کبھی شرک بت پرستی فسق و فجور کے قریب نہ گئے اس لئے عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں **لم اعقل ابوی الا وھما یدینان الدین** یعنی میں نے ہوش سنبھالتے ہی اپنے ماں باپ کو دین اسلام پر پایا پھر ان کے لئے

حضور کی صحبت آپ کی ہمراہی سونے پر سہاگہ نور پر نور ہوئی' اگر بفرض محال قرآن نہ بھی آتا حضور کی بعثت نہ بھی ہوتی تب بھی حضرت صدیق شیطان سے محفوظ رہتے ابو بکر صدیق مظہر رسول خدا ہیں کہ رسول بھی گمراہی گناہ و فسق سے دائمی محفوظ صدیق بھی ان عیوب سے دائمی محفوظ حضور کی وفات کے بعد منکرین زکوٰۃ پر حضرت صدیق نے جہاد کرنا چاہا بعض صحابہ نے اس ارادہ میں آپ کی موافقت نہ کی تو آپ تن تنہا زرہ پہن کر ہتھیار باندھ کر جہاد کے لئے چل پڑے پھر سب آپ کے ساتھ گئے یہ بے تکلف لا تخشک کا ظہور اور یہ ہے شان فنافی الرسول کا ثبوت اب بھی بعض حضرات اولیاء مظہر صدیق اکبر ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہیں کہ باقی نعمتوں کے حصول میں ہمارے کسب کو دخل ہے مگر اس نعمت میں ہمارے کسب کو دخل نہیں محض عطاء ذوالجلال ہے دیکھو دانہ پانی اللہ کی نعمت ہے مگر اس میں ہمارے کسب کو دخل ہے مگر دھوپ بارش وہ نعمتیں ہیں جو محض عطیہ پروردگار ہیں' صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور کا سر مبارک برکت سے آنکھیں حیا سے کان شریف عبرت سے زبان ذکر سے ہونٹ تسبیح سے چہرہ انور رضا سے سینہ اخلاص سے دل شریف رحمت سے سینہ شفقت سے ہاتھ سخاوت سے بال شریف جنت کے سبزے سے تھوک مبارک جنت کے شہد سے بنائے گئے اور آپ مخلوق کو خالق کی طرف سے بطور تحفہ دیئے گئے اس لئے آپ کا جسم شریف زمین پر رکھا گیا عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر نہ اٹھالیا گیا کیونکہ آپ کے جسم پاک سے عالم کا نظام قائم ہے۔

سرمایہ سعادت عالم محمد است ۔۔۔ مقصود از طینت آدم محمد است

اس لئے حضور کو فضل اللہ اور رحمۃ اللہ فرمایا گیا صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے علم قرآن ہر سینہ میں نہیں اس کے لئے خاص سینے چنے گئے ہیں ایسے ہی اسرار دین ہر سینہ میں نہیں اس کے لئے بھی مخصوص سینے ہیں صاحب اسرار ہونا بہت مشکل ہے مسلمان یا تو صاحب اسرار بنے یا کسی صاحب اسرار کا غلام بنے' اس آیت کریمہ میں اسی کی تاکید ہے (از روح البیان) فقاتل فی سبیل اللہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ طلب حق میں کوشش کرو شیطان سے جنگ کرواے مومن اس جہاد کی تکلیف صرف تم کو دی جاتی ہے تمہارے سارے جواب تمہارے نفس کی طرف سے ہیں تو اس نفس کو چھوڑ دو دوسرے مسلمانوں کو بھی اس جہاد نفس کی رغبت دو' مولانا فرماتے ہیں۔

اندریں رہ مے تراش و مے خراش ۔۔۔ تادم آخر دمے فارغ مباش

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں ۔۔۔ ماند خصمے زاں بتر اندر دروں

کشتن ایں کار عقل و ہوش نیست ۔۔۔ شیر باطن سخرہ خرگوش نیست

سہل شیرے داں کہ صفہا بشکند ۔۔۔ شیر آنست آنکہ خود را بشکند

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً

جو کوئی سفارش کرے گا سفارش اچھی تو ہوگا واسطے اس کے حصہ اس سے اور جو کوئی سفارش کرے گا سفارش

جو اچھی سفارش کرے اس کے لئے اس میں سے حصہ ہے اور جو بری سفارش کرے اس کے لئے

سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا

بُری تو ہوگا اس کے لئے حصہ اس سے اور ہے اللہ اوپر ہر چیز کے قدرت والا اور جب تم

اس میں سے حصہ ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جب تمہیں کوئی

حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى

سلام کئے جاؤ کوئی سلام تو جواب سلام دو اچھا اس سے یا دہی لوٹا دو بے شک اللہ اوپر

کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو یا وہی کہہ دو بے شک اللہ ہر

كُلِّ شَیْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا

ہر چیز کے حساب والا اللہ نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا ضرور جمع کرے گا وہ تم کو قیامت کے دن نہیں

چیز پر حساب لینے والا ہے اللہ ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں وہ ضرور تمہیں اکٹھا کرے گا قیامت

رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾

ہے کوئی شک اس میں اور کون ہے زیادہ سچا اللہ سے بات میں

کے دن جس میں کچھ شک نہیں اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں حضور کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دیں اب فرمایا جارہا ہے کہ اس ترغیب پر آپ کو بڑا ثواب ملے گا۔ کیونکہ یہ ترغیب بھی شفاعت حسنہ کی ایک قسم ہے جس پر ثواب کا وعدہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ترغیب جہاد کا حکم تھا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر مسلمان اس ترغیب کو قبول نہ کریں تو آپ کا کوئی حرج نہیں اور اگر قبول کرلیں تو آپ کا نفع ہے کہ پھر جہاد کرنے والے وہ ہیں اور جہاد کرانے والے آپ نیکی کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے کرانے والے کو بھی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ لوگوں کو جہاد کی رغبت دو اب فرمایا جارہا ہے کو جو مخلص مومن اس ترغیب میں آپ سے تعاون کرے وہ بڑا ثواب پاوے گا اور جو منافق اس ترغیب میں رکاوٹ ڈالے شفاعت سیئہ کرے وہ عذاب میں گرفتار ہوگا۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں جہاد کی ترغیب کا ذکر تھا اب فرمایا جارہا ہے کہ جو کوئی مفلس و نادار غازی کی سفارش کرکے کسی امیر شخص سے سامان جہاد دلوادے اسے بڑا ثواب ہوگا اور جو بری سفارش کرکے مجاہد کی ہمت توڑے اسے جہاد سے روکے وہ سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیت میں جہاد کا اور تیاری جہاد کا حکم دیا گیا تھا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر تم کو اے غازیو کفار کی طرف سے صلح کی پیش کش ہو تو تم صلح کا جواب اعلیٰ درجہ کی مصالحت سے دو ان کی طرح تم بھی صلح پر راضی ہو جاؤ۔ رب فرماتا ہے **وان جنحوا للسلم فاجنح لها** **چھٹا تعلق**: پچھلی آیت میں جہاد کا حکم دیا گیا تھا اب جہاد کے متعلق ایک اعلیٰ قانون بیان ہو رہا ہے کہ اگر دوران جہاد کوئی شخص اپنا اسلام ظاہر کرنے کے لئے تم کو سلام و تحیت کرے تو تم اس پر بدگمانی کرکے اسے قتل نہ کرو بلکہ اس سے بہتر

جواب سلام دو یا اس کی طرح ہی اور اس کو بھائی سمجھو' رب فرماتا ہے **ولا تقولوا لمن القی الیکم السلم لست مومنا** ساتواں تعلق: پچھلی آیات میں اولاً" جہاد کا ذکر ہوا پھر اس آیت میں سلام کرنے والے نو مسلم سے سلام قبول کر لینے اور اس کے قتل سے باز آجانے کا حکم دیا گیا۔ آخر ہ آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ پرانے مسلمانوں اور نو مسلموں کو قیامت و جنت میں جمع فرمادے گا بہر حال یہ آیات گذشتہ جہاد کی آیات سے پورا پورا تعلق رکھتی ہیں بے جوڑ نہیں۔

تفسیر: **من یشفع شفاعتہ حسنتہ** پہلے اپنے محبوب کو جہاد کی رغبت دینے کا حکم دیا اب اس ترغیب کے فائدے بتائے جا رہے ہیں کہ یہ ترغیب جہاد شفاعت حسنہ ہے جس کا ثواب شفاعت کرنے والے کو ضرور ملتا ہے "من سے مراد ہر مومن ہے خواہ کسی درجہ کا ہو حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس عموم میں داخل ہیں کفار و منافقین اس سے خارج کہ نیک اعمال کا ثواب صرف مومن کو ملتا ہے **یشفع** **شفاعتہ** کا مضارع' ہے شفاعتہ شفع سے بنا بمعنی جوڑا' وتر کا مقابل رب فرماتا ہے **والشفع والوتر** سفارش کو شفاعت اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے مشفوع لہ اکیلا نہیں رہتا شفیع بھی اس کے ساتھ ہو جاتا ہے اس کا معاون و مددگار ہو کر اسی سے ہے حق شفع اب اصطلاح میں شفاعت کے معنی ہیں سوال الخیر للغیر یعنی اپنے غیر کے لئے خیر کا سوال شفاعت کی بہت نوعیتیں ہیں بندے کی شفاعت اللہ تعالیٰ سے خواہ جرم معاف کرانے کے لئے یا درجے بڑھوانے کے لئے۔ بندے کے حق میں رب سے دعاء خیر اسی لئے روح البیان نے یہاں فرمایا کہ درود شریف کی تلاوت بھی شفاعت کی ایک قسم ہے یعنی حضور کو دعائیں دینا' اس طرح بندے کی بندے سے شفاعت یا قصور معاف کرنے کے لئے یا اس کا کام نکلوانے کے لئے یا اسے کچھ دلوانے کے لئے یہ سب شفاعت کی قسمیں ہیں' شفاعتہ حسنہ ہر جائز شفاعت ہے جو شرعاً" ممنوع نہ ہو۔ چنانچہ قاتل کی شفاعت اولیاء مقتول سے یا وہ معاف کر دیں یا دیت لے لیں مقروض کی شفاعت قرض خواہ سے کہ یا تو معاف کر دے یا قرض کم کر دے یا مقروض کو مہلت دیدے' حتیٰ کہ چور کی شفاعت مال والے سے کہ اس کا مقدمہ عدالت اسلامیہ میں نہ لے جائے سب جائز شفاعتیں ہیں' شفاعت حسنہ میں داخل۔ مگر حدود الٰہی میں شفاعت کہ زانی کو حد نہ لگائی جائے یا جب چور کا مقدمہ عدالت میں پہنچ جائے تو شفاعت کہ اس کا ہاتھ نہ کٹے۔ شفاعت سیئہ یعنی ناجائز شفاعت ہیں غرضیکہ حقوق میں شفاعت حسنہ ہے حدود میں شفاعت سیئہ تفسیر بیضاوی نے فرمایا کہ مسلمان بندے کے لئے پس پشت دعا کرنا شفاعت حسنہ ہے تفسیر کبیر نے فرمایا کہ لوگوں کو جہاد و نیک اعمال کی رغبت دینا شفاعت حسنہ ہے اس لئے یہاں ترغیب جہاد کے بعد اسی شفاعت کا ذکر ہوا غرضکہ شفاعتہ حسنہ میں بہت وسعت ہے **یکن لہ نصیب منہا** یہ عبارت من مذکورہ کی خبر بمعنی جزا ہے منہا میں لفظ ثواب پوشیدہ ہے یعنی جو مسلمان کسی کے لئے اچھی و جائز سفارش و شفاعت کرے تو اس کو اس کام کے ثواب کا حصہ ملے گا نصیب کی تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی بڑا حصہ ملے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان کے لئے پس پشت دعا کرتا ہے تو فرشتہ اس کے لئے دعا کرتا ہے کہ الٰہی اسے بھی یہ دے یہ ہے نصیب منہا کی تفسیر۔ **ومن یشفع شفاعتہ سیئتہ** یہ عبارت پہلے جملہ کے مقابل ہے یہاں من میں عام غافل مسلمان منافقین کفار سب شامل ہیں' شفاعتہ سیئہ سے مراد شفاعت حسنہ کے مقابل تمام ناجائز سفارشیں ہیں' جتنے احتمالات شفاعت حسنہ میں عرض کئے گئے اس کے مقابل اتنے ہی احتمالات شفاعت سیئہ میں ہیں کسی مسلمان کے لئے بلاوجہ بد دعا کرنا حدود الٰہیہ میں سفارش کر کے مجرم کو چھڑانے کی کوشش کرنا لوگوں کو اچھی باتوں سے روکنا اسی

طرح برے کاموں کی رغبت دینا سب ہی اس میں شامل ہیں خیال رہے کہ اسے شفاعت فرمانا مشاکلت کی بناء پر ہے ورنہ یہ
شفاعت نہیں شفاعت تو کہتے ہیں غیر کے لئے خیر مانگنا یہ ایسا ہی ہے جیسے فرمایا گیا جزاء سيئة سيئة مثلها (از صاوی) اس میں
چغلخوری فساد پھیلانا بھی داخل ہے یکن له كفل منها یہ عبارت دوسرے من کی خبر یعنی جزاء ہے کفل سے مراد گناہ کا حصہ
ہے۔ خیال رہے کہ عربی میں کفل بھی حصہ کو کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے يؤتكم كفلين من رحمته رب تم کو اپنی رحمت
کے دو حصے دے گا مگر اکثر کفل وہ حصہ کہلاتا ہے جس میں اعتماد و ذمہ داری ہو اسی لئے ضامن و ذمہ دار کو کفیل کہا جاتا ہے اور
پرورش کرنے والے کو کافل حضور فرماتے ہیں کہ جنت میں ہم اور کافل یتیم دو ملی ہوئی انگلیوں کی طرح ہوں گے نیز کفل۔ بعیر
اونٹ کا وہ کمبل ہے جو اس کی پشت پر ڈال کر سواری کی جائے کہ اس کمبل سے اس کی پیٹھ کی حفاظت ہوتی ہے (تفسیر کبیر) اظہار
اہمیت کے لئے یہاں کفل ارشاد ہوا مگر تفسیر روح المعانی نے اس کے برعکس یہ فرمایا کہ نصیب زیادتی والا حصہ ہے اور کفل بغیر
زیادتی کا حصہ لہذا آیت میں اشارۃً فرمایا گیا کہ اچھی شفاعت والے کو اس کے اجر کا حصہ مع زیادت ملے گا اور بری شفاعت
والے کو گناہ کا حصہ تو ملے گا مگر زیادت نہ ہوگی یہ رب کریم کا کرم ہے وكان الله على كل شيء مقيتا یہ عبارت گذشتہ
دونوں حکموں کی تاکید ہے کان دوام و استمرار کے لئے ہے۔ مقیت قوت سے بنا بمعنی روزی جو مخلوق کی بقا کا ذریعہ ہے قوت کی
جمع اقوات ہے رب فرماتا ہے وقدر فيها اقواتها اب استعمال میں مقیت بمعنی قادر بھی آتا ہے بمعنی حفیظ و علیم بھی
کیونکہ روزی رساں وہی ہو سکتا ہے جو قادر حفیظ و علیم ہو مطلب یہ ہے کہ ہم اچھی شفاعت والے کو اس کا ثواب کا حصہ دیں
گے اور بری سفارش والوں کو انکا عذاب کا حصہ دیں گے کیونکہ ہم روزی رساں قادر و علیم ہیں ہر ایک کا حصہ اسے پہنچانا ہم پر کچھ
مشکل نہیں واذا حييتم بتحية یہ نیا جملہ ہے اس کا تعلق پہلی آیت سے معلوم ہو چکا کہ سلام کرنا بھی ایک قسم کی شفاعت و
سفارش ہے اس لئے شفاعت حسنہ کے بعد سلام و جواب کے احکام بیان ہوئے نیز اسے جہاد سے بھی قوی تعلق ہے جیسا کہ پہلے
عرض کیا گیا لہذا جہاد کی آیات کے بعد اس کا ذکر مناسب ہوا حييتم تحیت سے بنا بمعنی حیاء ک اللہ کہنا عرب بوقت ملاقات کہا
کرتے تھے حیاء ک اللہ "اللہ تمہیں زندہ رکھے اس کہنے کا نام تحیۃ ہے اسلام نے اس کے بجائے کہلوایا السلام علیکم تم پر سلامتی
نازل ہو اسلامی سلام اس تحیتہ سے زیادہ شاندار ہے کیونکہ بغیر سلامتی زندگی وبال ہوتی ہے زندگی وہی اچھی جو سلامتی کے ساتھ
ہو لہذا لمبی زندگی کی دعا سے سلامتی کی دعا بہتر ہے اب تحیت بمعنی سلام آتا ہے نمازی کہتا ہے التحیات للہ رب فرماتا ہے تحيتهم
فيها سلام یہ خطاب مسلمانوں سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس خطاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہوں تب تو یہ آیت
ہم گنہگاروں کے لئے بڑی ہی حوصلہ افزا ہے حييتم میں ایک عبارت پوشیدہ ہے اے من اخيكم السلم یعنی اے مسلمانو
جب تم کہ تمہارے بھائی مسلمان کی طرف سے سلام کہا جائے اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کو آپ کے غلام تا
قیامت سلام عرض کریں تو فحيوا باحسن منها اوردوها یہ عبارت اذا کی جزاء ہے اس میں خطاب تمام مسلمانوں سے
ہے بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس خطاب میں داخل ہوں تو عجب نہیں یہاں حیوا کے معنی ہیں جواب سلام دو
منها کا مرجع سلام کرنے والے کا سلام ہے یعنی تم اس کے سلام کا جواب اس سے اچھا دو کہ جواب میں الفاظ زیادہ کر دو کہ وہ کہے
السلام علیکم تو تم کہو وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور اگر وہ کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو تم کہو وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ "اور اگر
وہ کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ "تو تم کہو وعلیکم السلام کیونکہ برکاتہ " سے آگے کوئی کلمہ نہیں جو جواب میں شامل کیا جائے

اس طرح حدیث شریف میں وارد ہے رد وہا کے معنی یہ ہیں کہ جو الفاظ سلام کہنے والے نے کہے وہی تم کہ دو السلام علیکم تو تم بھی کہہ دو وعلیکم السلام اس میں ہم غلاموں کو بشارت عظمیٰ ہے کہ ہم جب حضور پر سلام عرض کریں گے انشاء اللہ اعلیٰ درجہ کا جواب پائیں گے ہمارے سلام حضور کی دعائیں لینے کا بہانہ ہیں ' خیال رہے کہ بہتر جواب دینا مستحب ہے اور برابر کا جواب دینا واجب (جلالین) یہ بھی خیال رہے کہ مسلمان کے سلام کا جواب دینا ضروری ہے کافر کے سلام کا جواب کچھ اور طریقہ سے دیا جائے گا جیسا کہ ہم عرض کریں گے ان اللہ کان علی کل شیء حسیبا یہاں بھی کان دوام و استمرار کے لئے ہے حسیبا" معنی محاسب ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہر چیز پر نگہبان اور اس کا محاسب ہے ہر ایک کا بدلہ حساب سے دے گا تم جیسا سلام و جواب کرو گے اس حساب سے اس کا ثواب پاؤ گے۔ اس جملہ کی تین تفسیریں ہو سکتی ہیں "ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا تم سے حساب لے گا۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ تم کو ہر چیز کا ہر عمل کا حساب عطا فرمائے گا کہ ہر ایک کو بقدر عمل جزا دے گا کمی نہ کرے گا" تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز حساب سے تم کو دی ہے پہلی دو تفسیروں میں اس جملہ میں آخرت کا ذکر ہے تیسری تفسیر میں دنیا کا ذکر ہے یہ حساب قانونی ہے جن پر کرم ہے انہیں بے حساب دے گا جیسے ہمارے حضور اللہ لا الہ الا ھو اس جملہ کی تفسیر بارہا ہو چکی ہم عرض کر چکے ہیں کہ الہ وہ جو لائق عبادت ہو وہ وہی ہے۔ جو غنی و بے نیاز ہو دوسرے اس کے حاجتمند ہوں وہ سب سے بے نیاز اللہ الصمد لہذا اگرچہ بندے کو بھی اللہ کے نام و کام عطا ہوتے ہیں مگر بندہ محتاج ہے لہذا بندہ ہے۔ رب بے نیاز ہے لہذا اللہ ہے۔ بندہ سمیع بصیر 'علیم' رحیم' رؤف وغیرہ ہے بعض بندے علم و قدرت والے ہیں مردوں کو زندہ کرتے بیماروں کو شفا بخشتے ہیں ہواؤں بارشوں پر ان کا قبضہ ہے دور و نزدیک سے سنتے دیکھتے ہیں جیسا کہ قرآنی آیات اس پر شاہد ہیں مگر ہیں بندے کیونکہ وہ ان صفات میں رب کے محتاج ہیں اس کی عطاء سے انہیں یہ سب صفات ملیں اور ان کی یہ تمام صفات رب کے قبضہ میں ہیں لہذا وہ بندے ہیں الہ نہیں اللہ تعالیٰ اپنی ان تمام صفات میں مستقل ہے بے نیاز ہے لہذا وہ الہ ہے مدار الوہیت بے نیازی ہے جو کسی بندے کو بے نیاز مانے وہ مشرک ہے اور جو رب تعالیٰ کو نیاز مند مانے وہ مشرک ہے کیسے کفار عرب لہذا آیت کریمہ کے معنی ہوئے نہیں ہے کوئی لائق عبادت 'نہیں ہے کوئی صمد غنی بے نیاز سواء ذات پروردگار کے باقی جو اس کے سواء ہے وہ اس کا بندہ ہے لیجمعنکم الی یوم القیمۃ اس میں خطاب سارے بندوں سے ہے الی "معنی فی ہے اور ہو سکتا ہے کہ الی انتہاء کے لئے ہو یعنی تم کو تمہاری قبروں سے اٹھا کر میدان محشر تک جمع فرما دے گا یا ابھی تم دنیا میں متفرق ہو کوئی جھونپڑی میں ہے کوئی کوٹھی میں کسی کی زبان کچھ ہے کسی کی کچھ مگر مرنے کے بعد سے قیامت تک تم سب جمع رہو گے جسے عالم برزخ کہتے ہیں لا ریب فیہ اس قیامت میں یا اس جمع ہونے 'جمع رہنے میں یا اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے میں کوئی شک و تردد نہیں کیونکہ تمام نبیوں تمام کتابوں نے قیامت کی بھی خبر دی اور اس دن سب کے جمع ہونے کی بھی اور سچوں کی خبر میں تردد نہیں ہوتا اسی طرح اللہ کے ایک ہونے کی بھی خبر ان سب نے دی نیز عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ سب چیزیں حق ہوں کیونکہ ہر مالک اپنے غلاموں سے اپنی نعمتوں کا حساب لیتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی ضرور حساب لے گا نیز ہر کثرت کی انتہاء وحدت پر ہے درخت کے تمام پتوں شاخوں کی انتہا ایک جڑ پر انسانی اعضاء کی انتہاء ایک دل پر ملک کی رعایا کی انتہا ایک بادشاہ پر تو چاہئے کہ عالم کی کثرت کی انتہا بھی ایک ذات واحد پر ہو' لہذا ہمارے ان تمام مذکورہ احکام پر عمل کرو اس لئے ان احکام کے بعد قیامت وغیرہ کا ذکر فرمایا ومن اصدق من اللہ حدیثا' من سوال انکاری کے لئے ہے اصدق 'صدق کا اسم تفضیل ہے "معنی بہت سچا من مقابلہ

کے لئے حدیث اصدق کی تمیز ہے یعنی خود سوچ لو کہ اللہ سے بڑھ کر سچی بات والا کون ہے اس سچے نے قیامت وغیرہ کی خبر دی ہے تو یقیناً قیامت آنے والی ہے اور وہاں حساب و کتاب ہونے والا ہے لہذا بجائے قیامت پر بحث کرنے کے وہاں کی تیاری کرو۔

خلاصہ ء تفسیر : جو مسلمان کسی کی اچھی جائز نیک سفارش کرے یا کسی کو اچھا مشورہ دے تو اسے نیک سفارش اچھا مشورہ دینے کی وجہ سے اس کی نیکی میں یا اس کے اجر میں حصہ ملے گا اور جو بری بات کی سفارش کرے یا کسی کو برا مشورہ دے یا فساد پھیلانے کی کوشش کرے تو اس کو برائی یا برائی کے عذاب میں حصہ ملے گا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ ہر ایک کو اس کے ہر عمل کا ثواب و عذاب دے سکتا ہے اور ہر نیکی دگنا میں سے ہر حقدار کو اس کے حق کی بقدر حصہ دے سکتا ہے اور جب تم کو کسی طرف سے سلام کیا جائے خواہ کیسا ہی سلام ہو تو تم اس کو اس کے سلام سے بڑھ چڑھ کر جواب دو کہ اگر وہ کہے السلام علیکم تو تم کہو علیکم السلام ورحمۃ اللہ اور اگر وہ کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو تم کہو علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہ یہ اچھا جواب ہے یا اس کو ویسا ہی جواب دیدو کہ جو الفاظ وہ کہے وہی تم بھی جواب ہیں کہہ دو یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لے گا اور ہر ایک کو بقدر عمل جزا و سزا دے گا لہذا تمہارے سلام و جواب کا اجر برباد نہ جائے گا۔ خیال رکھو کہ اللہ کے سواء کوئی لائق عبادت نہیں وہ تم سب کو قیامت میں جمع فرمائے گا یا بعد موت تم سب کو قیامت تک جمع رکھے گا قیامت کے آنے اور اس جمع فرمانے میں کوئی شک و تردد نہیں کیونکہ یہ اللہ کی دی ہوئی خبر ہے جو اس نے تمام نبیوں کی معرفت اور تمام آسمانی کتب و صحیفوں میں اور قرآن کریم میں خبر دی اور خود سوچ لو کہ اللہ سے بڑھ کر سچی بات والا کون ہو سکتا ہے جب وہ سچا ہے تو قیامت بھی برحق ہے اور وہاں ہونے والے واقعات بھی سچے ہیں ان میں تردد نہ کرو بلکہ اس کی تیاری کرو کوئی عقلمند برسات کے متعلق بحث نہیں کرتا بلکہ اس کی تیاری کرتا ہے۔

اسلامی سلام

اس آیت کریمہ میں شفاعت اور سلام دو چیزوں کا ذکر ہے شفاعت کی تحقیق اس کے اقسام اس کے اہل کا ذکر تیسرے پارے آیۃ الکرسی کی تفسیر میں عرض کئے گئے یہاں سلام کے متعلق کچھ عرض کرتا ہے۔

اسلامی سلام کی فضیلت : ہر ملت ہر دین بلکہ ہر قوم نے اپنی ملاقات کے لئے کچھ الفاظ و طریقے مقرر کر لئے ہیں چنانچہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کہتے تھے حیاک اللہ 'اللہ تجھے زندہ رکھے'۔ ہندو کہتے ہیں رام رام جواب دیتے ہیں 'سیتارام' آریہ کہتے ہیں نمستے 'عیسائی کہتے ہیں گڈ مارننگ 'سکھ کہتے ہیں جے گرو' مجوسی صرف منہ پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں 'پارسی کلمہ کی انگلی اٹھا دیتے ہیں 'بعض نادان مسلمان کہلانے والے کہتے ہیں یا علی مدد 'مگر ان تمام طریقوں اور سلاموں میں اسلامی سلام بہت ہی موزوں اور بامعنی ہے کیونکہ حیاک اللہ میں صرف زندگی کی دعا ہے مگر السلام علیکم میں دین و دنیا کی سلامتی کی دعا اور ظاہر ہے کہ سلامتی کی دعا زندگی کی دعا سے زیادہ جامع ہے اور زیادہ اچھی بھی کہ اس کے معنی ہیں تم دنیا میں اور مرتے وقت قبر میں حشر میں ہر جگہ ہر آفت سے سلامت رہو نیز بغیر سلامتی کے زندگی عذاب ہوتی ہے بہت لوگ مصیبت کی زندگی پر موت کو ترجیح دیتے ہیں' خودکشی کر لیتے ہیں باقی رام رام اور نمستے یا جے گرو' یا علی مدد بالکل مہمل و بے معنی الفاظ ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم

میں بارہ موقعوں میں مومن پر سلام آنے کا ذکر فرمایا' ازل میں رب نے بندوں پر سلامیت اتاری اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا نام سلم رکھا یعنی بندوں کو سلامتی دینے والا نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا' **اھبط بسلم منا و برکات علیک و علی امم ممن معک** فرشتوں کی زبانی سلام کہلوایا **تنزل الملئکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر سلم** یعنی اے محبوب آپ کی وفات کے بعد آپ کی امت برباد نہ ہوگی کیونکہ انہیں فرشتے سلام کہتے رہیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی معرفت سلام بھیجا کہ فرمایا **والسلام علی من اتبع الھدی** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سلام بھیجا **وسلام علی عبادہ الذین اصطفی** محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اپنی امت کو سلام فرماؤ کہ فرمایا **واذا جاءک الذین یؤمنون بایتنا فقل سلم علیکم** امت محمدیہ کو سلام کرنے کا حکم دیا کہ اپنی امت کو سلام فرماؤ کہ فرمایا **واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا** ملک الموت علیہ السلام کی معرفت سلام بھیجا کہ فرمایا **الذین تتوفھم الملئکۃ طیبین یقولون سلم علیکم** پاک ارواح کے ذریعہ سلام بھیجا کہ فرمایا **فسلام لک من اصحاب الیمین** رضوان خازن جنت کے ذریعہ سلام فرمایا کہ ارشاد ہوا **وقال لھم خزنتھا سلام علیکم طبتم** جنت میں داخلہ کے وقت فرشتوں سے سلام کہلوایا **یدخلون علیھم من کل باب سلام علیکم بما صبرتم** خود بلا واسطہ سلام فرمایا **سلام قولا من رب رحیم** سلام کی عظمت کی وجہ سے حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام پر ابتدا زندگی میں اور بقاء زندگی اور انتہائی زندگی میں سلام نازل ہوئے کہ ان تینوں وقتوں میں سلامتی کی سخت ضرورت ہوتی ہے چنانچہ فرمایا **وسلام علیہ یوم ولد و یوم یموت ویوم یبعث حیا** عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **السلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا** اس سلام کی عظمت کی وجہ سے ہم مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کا حکم ہوا کہ فرمایا **صلوا علیہ وسلموا تسلیما** (تفسیر کبیر)۔

سلام کا طریقہ

مسلم' بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی کہ فرمایا نبی صلی اللہ وسلم نے کہ جب آدم علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو فرمایا دیکھو وہ فرشتوں کی جماعت بیٹھی ہے وہاں جاؤ انہیں سلام کرو اور ان کے جواب میں غور کرو وہ تمہاری اولاد کا سلام و جواب ہوگا۔ چنانچہ آدم علیہ السلام وہاں گئے اور کہا السلام علیکم وہ سب بولے علیک السلام و رحمتہ اللہ' علماء فرماتے ہیں کہ سلام اگرچہ ایک آدمی کو کرے مگر علیکم ضمیر جمع استعمال کرے کہ ہر شخص کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں کاتبین اعمال اور محافظین ان کو بھی سلام ہو جائے۔ چنانچہ وہ بھی جواب دیتے ہیں ترمذی و ابو داؤد نے حضرت عمران ابن حصین سے روایت کی کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا السلام علیکم حضور نے جواب دیا اور فرمایا دس پھر دوسرا آیا عرض کی السلام علیکم و رحمتہ اللہ جواب دیا اور فرمایا بیس پھر تیسرا آیا عرض کیا السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ' جواب دیا اور فرمایا تیس۔ چاہئے یہ کہ بلند آواز سے سلام کرے تاکہ سامنے والا سن لے' جواب فوراً دینا چاہئے اگر دیر سے جواب دے گا تو وہ جواب نہ ہوگا (تفسیر خازن) مگر مجبوراً کچھ دیر لگا سکتا ہے۔

سلام کا حکم : سلام کرنا سنت کفایہ ہے کہ اگر جماعت میں سے ایک نے سلام کر لیا سب کی طرف سے ادا ہو گیا۔ اگر کسی نے نہ کیا تو سب سنت کے تارک ہوئے اور سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے کہ اگر جماعت میں سے ایک نے جواب دے دیا تو سب

کا فرض ادا ہو گیا اور اگر کسی نے جواب نہ دیا تو سب فرض چھوڑنے کے گنہگار ہوئے یہ ہی حال چھینک کے جواب کا ہے کہ جماعت میں سے ایک جواب دیدے سب کی طرف سے سنت ادا ہو گئی۔ خیال رہے کہ سلام کرنا سنت ہے جواب دینا فرض مگر زیادہ ثواب سلام کرنے کا ہے کہ سلام کرنے والے کو نوے نیکیوں کا ثواب ہے جواب دینے والے کو دس کا دیکھو وقت نماز سے پہلے وضو کرنا سنت ہے وقت آجانے پر فرض یوں ہی وقت سے پہلے قرض ادا کرنا سنت ہے وقت پر ادا کرنا واجب مگر ان سنتوں کا ثواب فرض واجب سے زیادہ ہے۔ (صاوی وخازن)

سلام کرنے کے آداب : سنت یہ ہے کہ سوار پیدل کو چلنے والا بیٹھے ہوئے کو تھوڑی جماعت بڑی جماعت کو اور چھوٹی عمر والا بڑی عمر والے کو سلام کرے اور جب دو گذرتے ہوئے آدمی ملاقات کریں تو سلام سے ابتداء کرنے والا زیادہ ثواب پائے گا۔ بوقت ملاقات پہلے سلام کرے پھر کلام۔ چھوٹے بچوں پر گذرو تو انہیں بھی سلام کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے مسجد وغیرہ میں عورتوں کی جماعت پر گذرو تو انہیں سلام کر سکتے ہو اگر فتنہ کا خوف نہ ہو ابوداؤد نے حضرت اسماء بنت یزید سے روایت کی ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم عورتوں پر مسجد میں گزرے تو آپ نے سلام کیا اکیلی بوڑھی عورت کو سلام کرنا سنت ہے۔ اجنبی جوان عورت کو سلام کرنا ممنوع ہے کہ اس سے فتنہ کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ ہے عورتیں آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں ان کے وہ ہی احکام ہیں جو مردوں کے آپس میں ہیں (خازن) جب اپنے گھر میں آؤ تو اپنے بیوی بچوں کو سلام کرو کہ اس سے اتفاق و اتحاد ہوتا ہے۔ رزق میں برکت ہوتی ہے۔ جب خالی گھر میں جاؤ تو یوں سلام کرو السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جب مسجد میں داخل ہو تو کہو بسم اللہ والسلام علیٰ رسول اللہ۔ عام قبرستان میں جاؤ تو یوں سلام کرو۔ **السلام علیکم دار قوم المسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ** جب اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دو تو یوں سلام کرو **سلام علیکم بما کنتم فنعم عقبی الدار** جب شہداء کے مزار پر حاضری دو تو یوں سلام کرو سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور پر حاضری نصیب ہو تو وہ سلام عرض کرو جو ہم نے اپنے سفرنامہ میں مع ترجمہ عرض کئے ہیں۔

دور سے آئے ہیں پردیسی غلام عرض کرنے کو غلامانہ سلام!

سلام کے بقیہ طریقہ شامی و عالمگیری وغیرہ میں دیکھو۔

سلام منع کب ہے : جو شخص پیشاب پاخانہ یا صحبت کر رہا ہو اسے سلام کرنا ممنوع ہے ایسے ہی نماز پڑھتے ہوئے کو یوں ہی جو غسل کر رہا ہو ننگا ہو تو اسے سلام کرنا ممنوع ہے اور اگر تہبند باندھے نہا رہا ہے تو سلام جائز یوں ہی کافر و بدمذہب کو فاسق کو اور جو فسق کر رہا ہے بلا ضرورت سلام کرنا ممنوع ہے یوں ہی جو کھانا کھا رہا ہو سو رہا ہو دینی سبق پڑھا رہا ہو اسے سلام ممنوع ہے خطبہ کے وقت اذان یا تکبیر کی حالت میں سلام ممنوع ہے اس کے بقیہ احکام عالمگیری وغیرہ میں دیکھو۔ خیال رہے کہ سلام اسے کیا جائے جو سلام سنتا بھی ہو جواب دے بھی سکتا ہو جواب دیتا بھی ہو جو سلام نہ سنتا ہو جیسے سویا ہوا ہو یا غائب یا بہرا اسے سلام کرنا ممنوع ہے اور جو سلام سنتا تو ہو مگر جواب نہ دے سکتا ہو جیسے نماز یا استنجے یا صحبت میں مشغول ہو اسے سلام کرنا ممنوع ہے یوں ہی جو سلام سنتا بھی ہو جواب دے سکتا بھی ہو مگر جواب دیتا نہ ہو اسے بھی سلام کرنا ممنوع ہے جیسے خطبہ وعظ درس ہو

تدریس میں مشغول ہر شخص کو یہ قاعدہ ضرور خیال رہے۔ بست۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام : یوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہر حالت میں صلوۃ و سلام بھیجنا چاہیے مگر جمعہ کے دن جمعہ کی رات روزانہ صبح و شام مسجد میں آتے جاتے وقت حضور کے روضہ مطہرہ کی زیارت کے وقت اذان کے بعد تکبیر کے وقت دعا کے اول آخر اور بیچ میں حج و عمرہ میں تلبیہ کے بعد وضو کے وقت اذان کی آواز کے وقت وعظ کہتے وقت درس خطبہ نکاح کے وقت ہر اہم کام کرتے وقت حضور کا نام لیتے یا لکھتے وقت صلوۃ و سلام بہت ہی بہتر ہے (شامی)۔

دور سے حضور کو سلام : یہ عقیدہ رکھو کہ امتی کہیں ہو حضور سے کتنی ہی دور ہو جب التحیات میں یا کسی اور وقت سلام عرض کرتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس کا سلام خود سنتے ہیں اس لئے نمازی کو چاہیے کہ التحیات میں سلام کے وقت معراج کے سلام کی نقل کی نیت نہ کرے بلکہ خود سلام کرنے کی نیت کرے (شامی) بلکہ یہ سمجھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا سلام خود سن رہے ہیں اور جواب دے رہے ہیں (مدارج النبوۃ و اشعۃ و مرقات وغیرہ) کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دور کا سلام نہیں سنتے وہ جو روایت میں ہے کہ جو میری قبر انور پر سلام عرض کرتا ہے تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جو دور سے سلام عرض کرتا ہے تو مجھ تک پہنچایا جاتا ہے اس سے لازم یہ نہیں کہ آپ دور کا سلام سنتے نہیں بلکہ دور والے کا سلام سنتے بھی ہیں اور پہنچایا بھی جاتا ہے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بندوں کے اعمال دعائیں پہنچائی جاتی ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں کہ رب تعالیٰ ان چیزوں سے بے خبر ہے دیکھتا سنتا نہیں بلکہ وہابیوں کے پیشوا ابن قیم نے اپنی کتاب جلاء الافہام مطبوعہ اداره الطباعۃ المنیریہ مصر صفحہ 73 پر بحوالہ طبرانی ایک حدیث نقل کی۔

قال الطبرانی حدثنا یحی ابن ایوب العلاف حدثنا سعید ابن ابی مریم عن خالد ابن زید عن سعید ابن ابی ھلال عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصلوۃ علی یوم الجمعۃ فانہ مشھود تشھدہ الملٰئکۃ لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صوتہ حیث کان قلنا و بعد وفاتک قال و بعد وفاتی ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔ (ترجمہ)

طبرانی نے فرمایا کہ یحیٰی ابن ایوب علاف نے خبر دی انہیں سعید ابن مریم نے انہوں نے خالد ابن زید سے روایت کی انہوں نے سعید ابن ابی ہلال سے انہوں نے حضرت ابو الدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم مجھ پر جمعہ کے دن زیادہ درود شریف پڑھا کرو کہ وہ حاضری کا دن ہے۔ جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں کوئی بندہ ایسا نہیں جو مجھ پر درود پڑھے مگر اس کی آواز مجھ کو پہنچ جاتی ہے وہ جہاں بھی ہو ہم نے عرض کیا کہ حضور آپ کی وفات کے بعد فرمایا میری وفات کے بعد بھی اللہ نے زمین پر حرام فرمایا کہ وہ انبیاء کرام کے جسم کھائے۔

یہ حدیث ابن قیم نے بغیر تردید اور بغیر کسی جرح کے نقل کی معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے ورنہ ابن قیم حدیث بغیر جرح نقل نہ کرتے لہذا ہر مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اکثر صلوۃ و سلام پڑھا کرے انشاء اللہ وہاں سے جواب ملتا رہے گا۔

کفار کے سلام کا جواب : کفار کو بلا ضرورت شدیدہ سلام کرنا ممنوع ہے مگر جب کوئی کافر مسلمان کو سلام کرے تو مسلمان

اس کے جواب میں کہہ دے وعلیکم کہ وہ اکثر السام علیکم کہتے ہیں یعنی تم پر موت پڑے جیسا کہ حدیث شریف میں صراحۃ" وارد ہے اس کے متعلق بہت احادیث آئی ہیں دیکھو تفسیر خازن وغیرہ۔

مسئلہ : کفار کو ہدایت کی دعا دینا جائز ہے اور جب کوئی کافر کسی مسلمان پر احسان کرے تو مسلمان اسے ضرور دعا دے ایک یہودی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا دودھ دوہ دیا تو آپ نے دعا دی **اللہم جملہ** خدا یا تو اسے جمال عطا فرما تو ستر سال کی عمر تک اس کے بال سفید نہ ہوئے (روح البیان) کفار کے ساتھ کھانا پینا میل و محبت کے طور پر حرام ہے ضرورۃ" یا تالیف قلب کے لئے جائز ہے وہ بھی کبھی کبھی (روح المعانی)

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** نیکی کرنا بھی ثواب ہے نیکی کرانا بھی اور نیکی کا مشورہ دینا بھی اور نیکی میں امداد کرنا بھی ثواب ہے جیسا کہ شفاعۃ حسنۃ کی تفسیر سے معلوم ہوا **دوسرا فائدہ:** ظالم کو چھوڑانے مظلوم کو پھنسانے شرعی حدود' سزائیں معاف کرانے کے لئے سفارش کرنا حرام ہے یہ **شفاعت سیئہ** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** سلام کرنا سنت ہے سلام کا جواب دینا فرض جیسا کہ فحیوا سے معلوم ہوا کیونکہ یہ صیغہ امر ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے۔ **پانچواں فائدہ:** جو سلام نہ سنے یا جواب نہ دے سکے یا جواب نہ دے اسے سلام کرنا ممنوع ہے یہ فائدہ بھی فحیوا امر سے حاصل ہوا کیونکہ سلام کے بعد جواب دینا فرض ہے اور جواب دینا ان تین باتوں پر موقوف ہے **چھٹا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر امتی کا سلام سنتے بھی ہیں جواب دے سکتے بھی ہیں اور جواب دیتے بھی ہیں یہ فائدہ بھی فحیوا سے حاصل ہوا ورنہ آپ کو دور سے سلام کرنا ممنوع ہوتا **ساتواں فائدہ:** حضور کو اکثر سلام کرتے رہنا چاہئے کیونکہ سلام کا جواب دینا فرض ہے تو یہ ناممکن ہے کہ حضور کو کوئی سلام کرے اور آپ جواب نہ دیں آپ فرض کیسے ترک فرما سکتے ہیں اس سے مسئلہ حیات النبی' حاضر ناظر ہونا سب کچھ ثابت ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** مسلمان مردے سنتے ہیں خصوصا" قبر پر حاضر ہونے والے کا سلام سنتے جواب دیتے ہیں یہ فائدہ بھی حیوا سے حاصل ہوا کیونکہ سلام کا جواب دینا فرض ہے اور قبرستان جاکر مردوں کو سلام سنت ہے اگر وہ جواب نہ دیتے ہوتے تو ان کو سلام کرنا ممنوع ہوتا۔ **نواں فائدہ:** سلام کے لئے کوئی لفظ مقرر نہیں جس طرح جس لفظ سے سلام کیا جائے السلام علیکم' سلام علیکم' علیک السلام وغیرہ اس کا جواب دینا ضروری ہے یہ فائدہ **بتحیتہ** کے نکرہ ہونے سے حاصل ہوا' قرآن مجید میں مختلف الفاظ سے سلام کا ذکر ہے فقالوا سلاما" سلام علیکم طبتم وغیرہ' ہاں سنت یہ ہے کہ السلام علیکم سے سلام کرے اور علیکم السلام سے جواب دے۔ **دسواں فائدہ:** سلام بڑی اہم نیکی ہے کہ بعد موت تمام نیکیاں بند ہو جاتی ہیں مگر سلام و جواب بعد موت قبر و حشر جنت میں ہوتا رہے گا مردے آپس میں ایک دوسرے سے ملتے وقت سلام کرتے ہیں۔ رب کی طرف سے اہل جنت کو سلام ہوگا **سلام قولا من رب رحیم** یہاں فحیوا اور **اوردوھا** میں زندے مردے بھی' امتی انسان و فرشتے سب ہی سے خطاب ہے اور سب کو جواب سلام دینے کا حکم ہے **گیارھواں فائدہ:** عموما" مسلمان میلاد شریف' فاتحہ نماز جمعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ و سلام پڑھتے ہیں یہ بہت ہی اچھا عمل ہے مسجد نبوی شریف میں ہر نماز کے بعد سلام پڑھایا جاتا ہے یہ درحقیقت حضور سے دعائیں لینے کی تدبیر ہے اگر ہمارے سلام کے جواب میں حضور فرما دیں وعلیکم السلام تو ان شاء اللہ ہم دین و دنیا میں سلامت رہیں' حضور یقینا" جواب سلام دیتے ہیں کہ یہ حکم قرآنی ہے **بارھواں**

فائدہ: کوئی درود سلام سے خالی نہ چاہئے کہ درود شریف سے اللہ کی رحمتیں نازل ہوئی ہیں اور سلام سے حضور کی دعائیں ملتی ہیں درود ابراہیمی بجز نماز دوسری جگہ ناقص ہے کیونکہ درود ابراہیمی میں سلام نہیں نماز میں چونکہ التحیات میں سلام ہو چکا اس لئے یہ درود وہاں کامل ہے نماز کے علاوہ میں سلام ہو نہیں چکا اس لئے وہاں درود ابراہیمی ناقص ہے۔

تفسیر صوفیانہ: نیکی و گناہ ایسی چیزیں ہیں کہ اپنے میں بہت کو لے لیتی ہیں نیکی کرنے والا کرانے والا اس کا مشورہ دینے والا اس میں امداد دینے والا نیکی میں شریک ہیں یہ ہی حال گناہ کا ہے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ساعت بے شمار ثواب پہنچ رہا ہے کہ جو بھی جو نیکی کر رہا ہے حضور کی شفاعت حسنہ سے کر رہا ہے سلام ہی وہ نعمت ہے جس کے ذریعہ زندے مردوں سے امتی نبی سے بلکہ بندے اللہ تعالی سے ملتے ہیں جو چاہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت میری طرف متوجہ رہیں وہ ہمیشہ حضور کو سلام کیا کرے کہ اس سے سرکار ہمیشہ اس کی طرف متوجہ رہیں گے یہ نہ خیال کرو کہ سرکار اعلیٰ علیین میں ہیں ہم زمین میں پھر توجہ پاک کیسے ہوگی سورج چوتھے آسمان پر ہے مگر اس کی شعاعیں زمین پر ہر وقت پہنچتی رہتی ہیں اور صدہا کرشمے کرتی رہتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دائمی زندہ ہیں بحیات کامل سرکار فرماتے ہیں کہ جو مسلمان مجھ کو سلام عرض کرتا ہے تو رب تعالی میری روح کو رد فرماتا ہے حتی کہ میں اسے جواب دیتا ہوں اور ظاہر ہے کہ ہر آن لاکھوں سلام حضور کو ہوتے رہتے ہیں تو ہر وقت ہی روح پاک جسم سے متصل رہتی ہے اور شعور و ادراک و احساس روح پاک سے قائم حضور روح عالم ہیں روح محمدی عالم کے ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ میں ساری ہے اس لئے ہر جگہ سے آپ پر سلام ہو رہا ہے حضرت عطار فرماتے ہیں۔

خواجہ کز ہرچہ گویم بیش بود	در ہمہ چیزے ہمہ درپیش بود
وصف اور درگفت چوں آید مرا	چوں عرق از شرم خوں آمد مرا
فصیح عالم و من لال لو	کے تو انم داو شرح حال لو
وصف لو کے لائق ایں ناکس است	واصف لو خالق عالم بس است
انبیاء از وصف او حیراں شدہ	سرشناسان نیز سرگرداں شدہ

صوفیا فرماتے ہیں کہ قیامت تین ہیں "قیامت صغریٰ یہ ہر شخص کی اپنی موت ہے جو مر گیا اس کی قیامت تو آگئی قیامت وسطیٰ وہ صور کا پہلا نفخہ جب سب فنا ہو جائیں گے قیامت کبریٰ وہ تمام کا زندہ ہونا ہے سب کا اجتماع قیامت کبریٰ میں ہوگا" مثنوی میں ہے۔

ساز اسرافیل روزے نالہ را!	جاں دہد بوسیدہٗ صد سالہ را!
ہیں کہ اسرافیل وقت اند اولیاء	مردہ ازیشاں حیاتست و نما

بزرگان دین کے آستانہ قیامت کا منظر ہیں کہ وہاں پہنچ کر سب غریب و امیر یکساں ہو جاتے ہیں آج اس کا نظارہ مدینہ منورہ میں کرو جہاں شاہ و گدا ایک کر دیئے جاتے ہیں (از تفسیر روح البیان) یہ دنیا کے محشر ہیں اس سے اس قیامت کا پتہ لگاؤ صوفیاء کرام کے نزدیک عزت تین قسم کی ہے عزت شیطانی عزت نفسانی عزت رحمانی "عزت شیطانی وہ ہے جو کفر و فسق کی بنا پر ملے جیسے جواریوں شرابیوں کافروں کے سرغنہ اپنی جماعتوں میں عزت والے ہوتے ہیں "عزت نفسانی وہ ہے جو مال در جہ عہدہ وغیرہ

سے ہے عزت رحمانی وہ ہے جو نیک اعمال کی وجہ سے ملے جیسے حضرات انبیاء اولیاء صالحین کی عزت پہلی دو عزتیں عذاب ہیں جن کے متعلق رب فرماتا ہے اخذتہ العزۃ بالاثم اور تیسری عزت رحمت ہے جس کے متعلق رب فرماتا ہے العزۃ للہ ولرسولہ وللمؤمنین یوں ہی تکبر تین قسم کا ہے تکبر شیطانی جو حضرات انبیاء اولیاء مقبولین بارگاہ کے مقابلہ میں ہو کہ نبی ولی کچھ نہیں ہیں ان سے ہم افضل ہیں شیطان نے کہا تھا انا خیر منہ اور کہا تھا خلقتنی من نار و خلقتہ من طین تکبر نفسانی وہ ہے جو مسلمان بھائی کے مقابلہ میں ہو کہ مسلمانوں سے اپنے کو اونچا جانے تکبر رحمانی وہ ہے جو کفار کے مقابلہ میں ہو خصوصاً جہاد کے وقت۔ پہلا تکبر کفر ہے۔ دوسرا تکبر حرام ہے تیسرا تکبر عبادت ہے لیجمعنکم الی یوم القیمۃ بالکل حق ہے مگر قیامت میں عزت رحمانی والے ممتاز ہوں گے۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اَتُرِيْدُوْنَ

پس کیا حال ہے تمہارا منافقوں کے متعلق دو گروہ ہو گئے اور اللہ نے انہیں لوٹا دیا اس وجہ سے جو انہوں نے کیا کیا ارادہ کرتے

تو تمہیں کیا ہوا کہ منافقوں کے بارے میں دو فریق ہو گئے اور اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا ان کے کوتکوں کے سبب کیا یہ چاہتے

اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝

ہو تم یہ کہ ہدایت دو اس کو جسے گمراہ کر دیا اللہ نے اور جو کہ گمراہ کر دے اسے اللہ ہرگز نہ پاؤ گے تم واسطے اس کے راستہ

ہو کہ اسے راہ دکھاؤ جسے اللہ نے گمراہ کیا اور جسے اللہ گمراہ کرے تو ہرگز اس کے لئے راہ نہ پاؤ گے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ بری شفاعت کرنے والے یعنی مسلمانوں کو بہکانے والے کو گناہ میں حصہ ملے گا اب اس کے مصداق کا ذکر ہے کہ بعض منافقین مسلمانوں سے علیحدہ رہ کر کفار سے میل رکھتے ہیں بلکہ مسلمانوں کو بہکانے کی کوشش کرتے ہیں یہ کافر مطلق ہیں ان پر ویسا ہی جہاد کرو جیسا کھلے کافروں پر کرتے ہو۔ غرضیکہ اجمالی حکم کے بعد تفصیلی حکم کا بیان ہو رہا ہے دوسرا تعلق: گزشتہ پچھلی آیات میں ذکر ہوا تھا کہ منافقین آپ کے ساتھ جہاد میں جانے سے ہچکچاتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ تو تمہارے مقابل کفار کی امداد کرتے ہیں تو تمہارے ساتھ جہاد میں کیا شریک ہوں گے یعنی منافقین کا ایک عیب بیان فرمانے کے بعد ان کا دوسرا عیب بیان ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو برزخ میں قیامت تک جمع فرمائے گا یا قیامت میں اٹھتے وقت جمع فرمائے گا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ اجتماع قیامت کے اول وقت ہو گا آج دنیا میں مسلمانوں کو کفار اور ایسے منافقین سے علیحدہ رہنا چاہئے گویا اجتماع کے ذکر کے بعد افتراق کا ذکر ہے۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق مفسرین نے سات روایات نقل فرمائیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت کریمہ منافقین مدینہ عبداللہ ابن ابی وغیرہ کے متعلق آئی جو احد میں جا کر واپس لوٹ آئے مگر یہ روایت اس آیت کے مضمون کے بالکل خلاف ہے کہ یہاں ان کے قتل کا حکم دیا گیا ہے۔ حالانکہ عبداللہ ابن ابی وغیرہ قتل نہ کئے گئے نیز ان کو ہجرت کی ترغیب نہ دی گئی یہ لوگ ہجرت کیسے کرتے وہ تو رہتے ہی تھے مدینہ پاک میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

آیت کریمہ قبیلہ عرینہ کے متعلق نازل ہوئی جو مدینہ میں آئے پھر مرتد ہوگئے اور قتل کردیئے گئے مگر آیت کا مضمون اس کے بھی خلاف ہے کیونکہ ان کے متعلق صحابہ کرام کا اختلاف نہ ہوا نیز جب وہ اسی دن شام سے پہلے ہی گرفتار کر لئے گئے اور ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر تپتے میدان میں ڈلوا دیئے گئے جہاں سسک سسک کر وہ مرے پھر ان کی ہجرت کے کیا معنی لہذا فقیر ان تمام روایتوں کو چھوڑتا ہے اور صرف چار روایتیں لیتا ہے جو مضمون آیت کے بالکل موافق ہیں۔ بعض لوگ مدینہ منورہ آئے بظاہر مسلمان ہو کر یہاں رہنے سہنے لگے کچھ روز بعد بارگاہ رسالت میں عرض کرنے لگے کہ مدینہ پاک کی آب و ہوا ہمارے موافق نہیں ہم کو اجازت دی جاوے کہ ہم میدان بدر کی طرف کوچ کر جائیں تاکہ وہاں تندرست رہیں انہیں اجازت دی گئی یہ لوگ خانہ بدوشوں کی طرح جگہ جگہ ٹھہرتے ہوئے بدر پہنچے پھر وہاں کچھ دیر رہ کر اور آگے بڑھ گئے حتی کہ بڑھتے بڑھتے مکہ معظمہ پہنچ گئے اور کفار مکہ سے مل گئے جب ان کے مکہ معظمہ پہنچنے کی خبر مدینہ پاک میں گئی تو صحابہ کرام نے ان کے متعلق بحث کی بعض نے فرمایا کہ وہ لوگ مسلمان ہیں مخالفت آب و ہوا کی وجہ سے وہاں پہنچ گئے ہیں وہ کلمہ گو تھے ہم کو ان کے متعلق شک نہ کرنا چاہئے اور اگر کسی جنگ میں وہ ہمارے قابو آجائیں تو انہیں قتل نہ کرنا چاہئے بعض نے فرمایا کہ یہ لوگ پہلے منافق تھے نفاق سے کلمہ پڑھ گئے تھے اب شرعی مرتد ہیں کہ کھلے کافر بن گئے اگر ان کے دل میں ایمان ہوتا تو دار اسلام سے نکل کر دار کفر میں کیوں پہنچ جاتے اس موقع پر آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں اس دوسری جماعت کی تائید کی گئی (روح البیان، تفسیر بیضاوی، تفسیر مدارک، خازن وغیرہ) ایک قوم مدینہ منورہ میں آکر مسلمان ہوئی کچھ روز رہ کر عرض گذار ہوئے کہ ہماری زمین مکانات اطراف مکہ معظمہ میں ہیں اجازت دی جاوے کہ ہم وہاں جا کر پھر آباد ہو جائیں پھر بغیر اجازت حاصل کئے ہوئے وہاں چلے گئے ان کے متعلق صحابہ کرام میں مذکورہ بحث ہوئی تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں اس جماعت کی حمایت فرمائی گئی جو انہیں مرتد واجب القتل مانتے تھے (تفسیر خازن) بعض لوگ مکہ معظمہ میں بظاہر ایمان لے آئے تھے مگر باوجود قدرت کے وہاں سے ہجرت نہ کرتے تھے بلکہ موقعہ پڑنے پر وہ مسلمانوں کے مقابل کفار مکہ کی حمایت کرتے تھے یا اس حمایت پر مجبور ہوتے تھے ان کی خبریں مدینہ پاک میں آتی رہتی تھیں تو صحابہ کرام ان کے متعلق رائے زنی فرماتے تھے کوئی انہیں مومن کہتا کوئی کافر کہتا ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر کبیر و خازن) فقیر کے نزدیک یہ روایات قوی ہیں کہ آیت کریمہ کے مضمون کے موافق ہیں بعض لوگ مکہ معظمہ سے مہاجر بن کر مدینہ پاک پہنچے یہاں کلمہ گو ہوگئے پھر یہ بہانہ بنا کر مکہ معظمہ لوٹ گئے کہ ہم اپنے سامان لینے جا رہے ہیں تاکہ وہاں سے سامان لا کر یہاں تجارت کریں پھر وہاں سے نہ آئے حضور نے ان کے قتل کا حکم دیا (روح المعانی)

تفسیر : **فما لکم فی المنفقین فئتین** ف جزائیہ ہے اور یہ جملہ پوشیدہ شرط کی جزا یعنی جب ان مردودوں کی غداری بے وفائی تم پر عیاں ہو گئی تو پھر تمہیں کیا ہو گیا۔ **ما** استفہامیہ ہے اور استفہام تعجب دلانے کے لئے ہے **لکم** میں خطاب سارے صحابہ سے ہے اگرچہ ان کی ایک جماعت کی حمایت فرمائی گئی **فی المنافقین** سے پہلے **صرتم** یا **کنتما** یا **اصبحتم** فعل پوشیدہ ہے فی المنافقین اس کے متعلق ہے **فئتین** اس کی خبر ہے اس جملہ کی کچھ ترکیبیں اور بھی ہو سکتی ہیں مگر یہ ترکیب آسان بھی ہے زیادہ ظاہر بھی **فئتین** **فئة** کا تثنیہ ہے معنی لوٹنا رجوع کرنا اب چھوٹی جماعت کو بھی **فئة** کہہ دیتے ہیں اس کی تحقیق بارہا ہو چکی ہے المنافقین میں الف لام عہدی ہے اور ان سے وہی منافق مراد ہیں جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے اگرچہ وہ اس وقت مرتد

ہو کر ظاہر کافر بن چکے تھے مگر انہیں پہلی حالت کے لحاظ سے منافق فرمایا گیا یعنی اے جماعت صحابہ تم کو کیا ہو گیا کہ تم ان منافقوں کے متعلق دو جماعتیں بن گئے جو پہلے منافق تھے۔ نفاق سے کلمہ پڑھتے تھے پھر بعد میں کفار دوستی قومی غداری مدینہ منورہ سے بھاگ جانے کی وجہ سے کھلے کافر بن گئے **واللہ ارکسھم بما کسبوا** یہ جملہ حال ہے اور اس کا واؤ حالیہ ہے یا منافقین سے حال ہے یا کُم کی ضمیر مخاطب سے حال ارکس کا مادہ رکس ہے رکس کے معنی لوٹانا، اوندھا کرنا یعنی نکس گمراہ کرنا بکھیرنا متفرق کرنا۔ ہلاک کرنا یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں ھم سے مراد وہی منافقین مرتدین ہیں جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی **بما کسبوا** میں **ما** یا تو مصدریہ ہے یا موصولہ کسب سے مراد ان کے ظاہری بد اعمال ہیں کفار سے مل جانا مسلمانوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق منقطع کر لینا یعنی تم تو ان بد نصیبوں کے متعلق آپس میں جھگڑ رہے ہو حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی بد عملیوں کی وجہ سے انہیں کفر کی طرف لوٹا دیا، گمراہ کر دیا ان کی جماعت کے ٹکڑے اڑا دیئے انہیں ہلاک کر دیا پھر تمہاری یہ بحث بیکار ہے **اتریدون ان تھدوا من اضل اللہ** یہ جملہ نیا ہے اس کا استفہام اظہار ناپسندیدگی کے لئے ہے اور تریدون میں خطاب ان مسلمانوں سے ہے جو انہیں مومن کہتے تھے ان کے ایمان پر گویا مناظرے کرتے تھے **ان تھدوا** جملہ ہو کر تریدون کا مفعول ہے اور **من اضل اللہ**، **تھدوا** کا مفعول یعنی کیا تم ان مناظروں کے ذریعہ انہیں ہدایت دے دینا چاہتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر چکا کیا تمہارے ان مناظروں سے وہ ہدایت پر آجائیں گے ہرگز نہیں۔ **ومن یضلل اللہ فلن تجد لہ سبیلا** یہ جملہ گذشتہ جملہ کی وجہ کا بیان ہے من سے مراد سارے جن و انس ہیں اور اضلال سے مراد ہے اس کی حرکتوں کی وجہ سے دل میں گمراہی پیدا کر دینا۔ سبیل اگرچہ ہر خیر و شر راستہ کو کہتے ہیں مگر اکثر رب تک پہنچانے والے راستہ کو کہا جاتا ہے لن تجد میں خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ان مسلمانوں سے جو ان کے ایمان کے متعلق بحث کرتے تھے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے یعنی جس شخص کو خواہ وہ کوئی ہو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو تم اس کے لئے اللہ تک پہنچنے والا راہ نہ پاؤ گے جس پر اسے لگا کر رب تک پہنچا دو، خیال رہے کہ رب تعالیٰ تک پہنچنے کا صرف اور صرف ایک راستہ ہے باقی سارے راستے بند ہو چکے وہ راستہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع، پیروی ہے۔

پندار سعدی کہ راہ صفا — تواں یافت جز در پے مصطفیٰ

حضور کو چھوڑ کر کتنی ہی عبادات ریاضات کرو رب تک نہ پہنچ سکو گے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو تمہیں ہو گیا کہ تم ان منافقوں کے متعلق جو پہلے منافقت سے کلمہ پڑھ گئے تھے پھر اسلام سے پھر کر شرعاً مرتد ہو گئے تم دو گروہ ہو گئے کہ تم میں سے بعض ان کی ظاہری کلمہ گوئی سے دھوکہ کھا کر اب بھی انہیں مسلمان کہہ رہے ہو تم تو ان کے متعلق آپس میں جھگڑ رہے ہو مگر اللہ نے انہیں خود ان کی غداری، بد عہدی، بے وفائی، محبت کفار، حب وطن شوق کاروبار کی وجہ سے ادھر ہی لوٹا دیا جدھر سے وہ آئے تھے اس طرح کہ انہیں کھلا کافر بنا دیا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ دلائل سے ان کا ایمان ثابت کر کے ان کے ایمان پر مناظرہ کر کے انہیں ہدایت دیدو جنہیں اللہ تعالیٰ کافر و گمراہ کر چکا یہ ناممکن ہے یقین رکھو کہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کے لئے راہ ہدایت تم ہرگز نہ پاؤ گے وہ خدا رسی کا راستہ کبھی اختیار نہیں کر سکتا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: مرتد کی سزا قتل ہے دیکھو یہ لوگ جنہیں مرتد

قرار دیا گیا ان کے قتل کے متعلق صحابہ میں اختلاف ہوا تو رب تعالیٰ نے اس جماعت کی حمایت فرمائی جو ان کے قتل کے قائل تھے۔ **دوسرا فائدہ:** مسلمانوں کے مقابل کفار سے سازباز کرنے والا اگرچہ کلمہ ہی پڑھتا ہو قتل کا مستحق ہے کہ وہ ملک و قوم و ملت کا غدار ہے۔ **تیسرا فائدہ:** محض ظاہری ایمان کے بعد کفر کا ظاہر ہونا ارتداد ہے یعنی جو پہلے شرعاً" مسلمان مان لیا گیا پھر اس نے کفر ظاہر کیا تو وہ مرتد ہے دیکھو منافق در حقیقت چھپے کافر تھے مگر بظاہر مسلمان مانے گئے تھے اس لئے کفر ظاہر کرنے پر مرتد مانے گئے **چوتھا فائدہ:** ہر کلمہ پڑھ لینے والا مومن نہیں جب اس سے علامات کفر ظاہر ہوں تو وہ مرتد ہے اگرچہ بظاہر اپنے کو مسلمان ہی کہتا رہے دیکھو یہ منافقین کلمہ کے انکاری نہ ہوئے تھے مگر ان کے ارتداد کا حکم دیا گیا۔ **پانچواں فائدہ:** کفار سے محبت کبھی کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ **چھٹا فائدہ:** کفار مرتدین کی حمایت بری ہے ان کی مخالفت ضروری ہے دیکھو رب تعالیٰ نے ان کی حمایت کرنے والوں پر عتاب فرمایا **ساتواں فائدہ:** اگر ہم کسی کافر کو دلائل سے مسلمان ثابت بھی کر دیں تو ہمارے دلائل سے وہ مسلمان نہ بن جاوے گا' اسلام و ایمان تو اس کے اپنے اخلاص سے میسر ہو گا' جیسا کہ **اتریدون ان تهدوا** سے معلوم ہوا **آٹھواں فائدہ:** بعض بد عملیاں کفر و ارتداد کا ذریعہ بن جاتی ہیں بلکہ بعض بد عملیاں دل پر کفر کی مہر لگ جانے کا ذریعہ بن جاتی ہیں جیسا کہ بما کسبوا سے معلوم ہوا اس لئے اس قسم کے اعمال سے بہت دور رہنا لازم ہے۔ **نواں فائدہ:** جسے رب تعالیٰ گمراہ کر دے اس کے لئے ہدایت کے سارے دروازے بند ہیں وہ کسی طرح ہدایت نہیں پا سکتا جیسا کہ **فلن تجد** سے معلوم ہوا **دسواں فائدہ:** خوش نصیب حضور سے دور رہتے ہوئے بھی ہدایت لے لیتے ہیں بد نصیب لوگ حضور کے پاس آکر خدمت میں رہ کر بھی ہدایت نہیں پاتے دیکھو اویس قرنی یمن میں رہ کر مومن متقی بن گئے اور یہ بد نصیب منافق مدینہ منورہ آکر حضور کو دیکھ کر حضور کی صحبت میں رہ کر بھی بے دین رہے کہ پہلے منافق بنے پھر مرتد ہوئے شیطان نور خانہ میں ملائکہ کے پاس رہ کر بھی ابلیس ہی رہا صحبت ضرور تاثیر رکھتی ہے مگر اس تاثیر کے حاصل کرنے کے لئے قابلیت چاہئے۔ بہر حال یہ آیت کریمہ بہت ہی عبرت ناک ہے ہر مسلمان اس سے سبق لے۔

پہلا اعتراض: جب یہ لوگ مرتد ہو چکے تھے تو انہیں رب العالمین نے منافقین کیوں فرمایا منافق اور ہیں مرتدین کچھ اور۔ **جواب:** انہیں پہلی حالت کے لحاظ سے منافقین کہا گیا جسے اہل عرب **ما کان** کہتے ہیں یعنی جو یہاں رہتے ہوئے منافقین تھے اگرچہ وہ اب مرتدین ہو چکے **دوسرا اعتراض:** مرتد وہ ہوتا ہے جو پہلے مسلمان ہو پھر کافر بن جائے یہ منافق جب پہلے ہی منافق تھے اسلام میں داخل ہی نہ ہوئے تھے تو انہیں مرتد کیوں قرار دیا گیا اور **والله اركسهم** کیسے صادق ہوا **جواب:** منافقین شرعاً" مسلمان ہوتے ہیں حقیقتہ" کافر اس لئے ان پر بہت سے اسلامی احکام جاری ہو جاتے ہیں کہ وہ قتل نہیں ہوتے نماز جہاد میں شریک ہوتے ہیں اس ظاہری اسلام کی وجہ سے۔ ان کا کفر ظاہر ہونے پر ان کو مرتد کہا جاتا ہے ارتداد کے لئے شرعی اسلام ضروری ہے نہ کہ حقیقی اسلام **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا والله ارکسهم رب نے انہیں اوندھا کر دیا جب رب نے ہی انہیں اوندھا کر دیا تو ان کا اپنا کیا قصور ہے پھر وہ دنیاوی اور اخروی سزا کے مستحق کیوں ہیں۔ **جواب:** آپ نے پوری آیت نہ پڑھی آگے ارشاد ہوا **بما کسبوا** یعنی ان کی بدکاریوں کی وجہ سے انہیں رب نے اوندھا کیا۔ اس کسب کی وجہ سے وہ گنہگار ہوئے جیسے ہم نے کسی کے تلوار ماری۔ رب نے اسے موت دیدی تو موت رب کی طرف سے ہوئی مگر سبب موت یعنی قتل

ہماری طرف سے ہو لہٰذا ہم قتل کے مجرم ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ جسے خدا گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا لہٰذا ان کا ایمان ناممکن ہے پھر انہیں تبلیغ احکام تبلیغ اسلام کیوں کی جاتی ہے۔ **جواب:** آیت کا مطلب ہے کہ جسے رب تعالیٰ گمراہ رکھنا چاہے تو تم رب تعالیٰ کا مقابلہ کرکے اسے ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اگر کسی گمراہ کو رب تعالیٰ ہماری تبلیغ سے ہدایت دیدے تو ہدایت تو رب تعالیٰ دے گا مگر ثواب ہم کو بھی مل جائے گا۔ مبلغ کو تبلیغ کا ثواب ضرور ملتا ہے سامنے والا ہدایت پائے یا نہ پائے طبیب مریض کا علاج مرتے دم تک کرتا ہے مریض اگر مر بھی گیا تو طبیب کو دوا کی قیمت اور فیس ضرور ملے گی۔ **پانچواں اعتراض:** ان صحابہ میں سے جن حضرات نے ان مرتدین کو مومن جانا وہ کافر ہوئے یا نہیں کیونکہ کافر کی حمایت کرنا بھی تو کفر ہے رضا با لکفر کفر ہے۔ **جواب:** کفر کو ایمان سمجھنا کفر ہے ان حضرات نے ان مرتدین کو گزشتہ کلمہ گوئی کی وجہ سے نیک گمانی کرتے ہوئے مومن سمجھا وہ سمجھے کہ یہ لوگ اس پرانے ایمان پر قائم ہیں کسی دنیاوی ضرورت کی وجہ سے کفار کے پاس چلے گئے ان کے کسی کفریہ عقیدے کو ایمان نہ کہا لہٰذا یہ لوگ نیک گمان کرنے والے ہیں نہ کہ کفر کو ایمان سمجھنے والے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے پرندہ دو بازوؤں سے اڑتا ہے ہم دو پاؤں سے چلتے ہیں گاڑی دو پہیوں پر حرکت کرتی ہے ایسے ہی ایمان کے بھی دو بازو ہیں جن سے مومن اڑ کر بارگاہ الٰہی تک پہنچتا ہے ایک بازو ہے مومنوں سے محبت دوسرا بازو بے ایمانوں سے عداوت و نفرت جس میں ان دونوں چیزوں میں سے ایک کی کمی ہو وہ مومن نہیں۔ دیکھو ان منافقین نے کفار سے محبت کی تو رب نے فرمایا **واللہ ارکسھم** اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا جیسے ایک میان میں دو تلواریں نہیں آسکتیں ایسے ہی ایک دل میں دو محبتیں نہیں رہ سکتیں محبت اخیار اور محبت اشرار آپس میں ضدیں ہیں اور اجتماع ضدین ناممکن ہے جو چاہتا ہے کہ رب کی بارگاہ تک پہنچے وہ اپنا دل محبت اغیار سے پاک کرے ناپاک جسم مسجد میں نہیں آسکتا ایسے ہی ناپاک دل مسجد قرب میں نہیں پہنچ سکتا ناپاکوں کی محبت دل کو ناپاک کر دیتی ہے رب تعالیٰ ہمارے دلوں کو اپنی محبت سے بھر دے تاکہ اس میں دوسری جگہ ہی نہ رہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جیسے غذاؤں اور دواؤں کی تاثیریں مختلف ہیں کوئی غذا و دوا مقوی دل ہے کوئی مقوی دماغ کوئی مقوی اعصاب ایسے ہی نیک اعمال کی تاثیریں مختلف ہیں چنانچہ نماز و روزہ وغیرہ مقوی عرفان ہیں اور اللہ والوں سے محبت مقوی ایمان اور جیسے بعض دوائیں مضر ہیں بعض مہلک ایسے ہی مقبولین سے بے تعلق ہو جانا ہلاکت ایمان کا باعث ہے دیکھو رب تعالیٰ نے **ارکسھم** کی کیا وجہ فرمائی **بما کسبوا** ان کی بد عملی یعنی حضور سے تعلق توڑ دینا تیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑ کر کعبہ شریف پہنچ جانا وہاں حاضر رہنا خدا تعالیٰ کی پھٹکار کا باعث ہے دیکھو وہ منافقین حضور کو ناراض کرکے مکہ معظمہ پہنچ گئے تھے رب تعالیٰ نے اسے پھٹکار فرمایا کہ ارشاد کیا **ارکسھم بما کسبوا** اور ہر چیز اس کی دوکان اس کی منڈی سے ملتی ہے گوشت کی دکان سے کپڑا نہیں ملتا کپڑے کی منڈی میں زیور نہیں حاصل ہوتا اس طرح ایمان ملنے کی دوکان ایمان کی منڈی حضور کے آستانہ پر ہے ایمان نہ قرآن سے ملتا ہے نہ کعبہ سے نہ مسجد سے یہ صرف حضور سے ملتا ہے ہم کسی کافر کو قرآن یا نماز پڑھا کر کعبہ میں بھیج کر مسلمان نہیں بناتے کلمہ پڑھا کر مسلمان کرتے ہیں جس میں اللہ رسول کا نام ہے اس لئے یہاں ارشاد ہوا **حتی یھاجروا فی سبیل اللہ** یہاں تک نماز روزہ کعبہ کا ذکر نہ ہوا بلکہ ہجرت کرکے حضور کے آستانہ پر حاضری کا ذکر ہوا۔

وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ

تمنا کرتے ہیں وہ کہ کاش کافر ہو جاؤ تم جیسے وہ کافر ہوگئے تو تم برابر ہو جاؤ پس نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست

وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ کہیں تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو تم سب ایک سے ہو جاؤ تو ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ

حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

حتیٰ کہ ہجرت کریں وہ اللہ کی راہ میں پس اگر منہ پھیر لیں وہ تو انہیں گرفتار کرو اور جہاں پاؤ انہیں

جب تک اللہ کی راہ میں گھر بار نہ چھوڑیں پھر اگر وہ منہ پھیریں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو

وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ

قتل کرو اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست نہ مددگار سوا ان کے جو پہنچ جائیں ایسی

اور ان میں کسی کو دوست نہ ٹھہراؤ نہ مددگار مگر وہ جو ایسی قوم سے علاقہ

اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ

قوم تک کہ تمہارے اور ان کے درمیان وعدہ ہے یا آئیں وہ تمہارے پاس کہ تنگ ہوں سینے ان کے اس

رکھتے ہوں کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہے یا تمہارے پاس یوں آئے کہ ان کے دلوں میں سکت نہ رہی کہ

يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ

لیے کہ جنگ کریں تم سے یا جنگ کریں اپنی قوم سے اور اگر چاہتا اللہ تو مسلط کر دیتا ان کو تم پر تو ضرور

تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں اور اللہ چاہتا تو ضرور انہیں تم پر قابو دیتا تو وہ بیشک تم سے

فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ

جنگ کرتے وہ تم سے پس اگر الگ رہیں وہ تم سے کہ نہ لڑیں تم سے اور پیش کریں تمہاری طرف صلح کو تو نہیں بنائی

لڑتے پھر اگر وہ تم سے کنارہ کریں اور نہ لڑیں اور صلح کا پیغام ڈالیں تو اللہ نے تم کو ان پر کوئی

اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾

اللہ نے واسطے تمہارے ان پر کوئی راہ

راہ نہ رکھی

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیت میں بعض مسلمانوں کی سادگی کا ذکر تھا کہ وہ منافقوں کے مرتد ہو جانے کے باوجود ان کی پچھلی کلمہ گوئی سے دھوکہ کھا کر انہیں مسلمان ہی سمجھے جا رہے ہیں اس آیت کریمہ میں کفار کی عیاری و مکاری کا تذکرہ ہے کہ وہ ایسے پکے کافر ہو چکے ہیں کہ خود ان کا ایمان چھیننے کی فکر میں ہیں مقصد یہ

ہے کہ ان سے ہوشیار رہو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو ان مرتدین منافقین کے ایمان سے مایوس فرمایا گیا تھا اب اس مایوسی کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ وہ کفر میں اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ خود تو مسلمان کیا ہوتے تم کو اپنی طرف کھینچنے کی فکر میں ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ جسے اللہ گمراہ کردے اسے ہدایت کوئی نہیں دے سکتا اب اس گمراہ کر دینے کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں بلاوجہ یا دشمنی سے گمراہ نہیں کر دیا بلکہ ان کی اس بد عملی کی وجہ سے ان پر پھٹکار پڑی کہ وہ گمراہ ہو چکے ہیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں مذکورین منافقین کے کفر و ارتداد کا ذکر ہوا کہ وہ سب مرتد ہو چکے اب ان کے احکام بیان ہو رہے ہیں کہ ان میں سے بعض واجب القتل ہیں کہ جہاں ملیں انہیں مار دو اور بعض واجب القتل نہیں ان سے تعرض نہ کرو مگر دوستی کسی سے نہ کرو **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ تم مذکورین منافقین کی کلمہ گوئی سے دھوکہ نہ کھاؤ اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ وہ اخلاص سے کلمہ پڑھتے تمہارے پاس نہ آئے تھے بلکہ تمہیں کافر کرنے کے لئے تم سے مل گئے تھے ان کی یہ کلمہ گوئی مسلمانوں کو بہکانے کے لئے تھی۔

تفسیر: ودوا لو تکفرون کما کفروا ودوا ود سے بنا بمعنی پسند کرنا چاہنا محبت کرنا۔ حب اور ود دونوں قریباً ہم معنی ہیں مگر حب ہر محبت و پسندیدگی کو کہا جاتا ہے اور ود اس پسندیدگی کو جس کے ساتھ حاصل کرنے کی کوشش بھی کی جائے اس کا فاعل وہی مذکور منافقین ہیں جن کا ذکر پہلی آیت میں ہو چکا۔ ودوا ماضی یا استمرار کے لئے ہے یا گذشتہ حال بیان کرنے کے لئے یعنی وہ چاہتے تھے۔ چاہتے ہیں چاہتے رہیں گے جیسے کان اللہ علیما حکیما یا وہ جب کلمہ پڑھتے ہوئے تمہارے ساتھ تھے تب انہوں نے تمہیں کافر کرنا چاہا تھا لو حرف شرط نہیں بلکہ بیانیہ اور ود کا بیان تمنا ہے یعنی کاش کہ **تکفرون** میں خطاب تمام صحابہ سے ہے خصوصاً ان بزرگوں سے جو ان منافقوں کو مسلمان سمجھے ہوئے تھے کفروا کے معنی ہیں وہ کافر تھے یا وہ کافر ہو گئے لہٰذا اس جملہ کے دو معنی ہو گئے یعنی وہ اب چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح مرتد ہو جاؤ جیسے وہ مرتد ہو گئے یا جس زمانہ میں وہ تمہارے پاس تھے کلمہ پڑھتے تھے تب بھی وہ چاہتے تھے کہ ان کی طرح تم بھی کافر ہو جاؤ وہ کلمہ پڑھ کر تم کو لینے آئے تھے یہ کلمہ گوئی محض دھوکہ و فریب تھا۔ خیال رہے کہ کما کفروا کا مصدریہ ہے اور کفروا بمعنی مصدر ہو کر کفراً محذوف کی صفت ہے اور ہو سکتا ہے کہ ما موصولہ ہو اور کفروا اس کا صلہ **فتکونون سواء** حق یہ ہے کہ یہ جملہ **تکفرون** پر معطوف ہے اور ف عاطفہ اور یہ دونوں جملہ مل کر ودوا کا مفعول ہے تمنا کا جواب نہیں ورنہ تکونوا نصب کی حالت میں ہوتا اور یہاں نون اعرابی نہ آتا تکونون میں خطاب ان ہی صحابہ سے ہے جو ان منافقوں کو اب بھی مسلمان سمجھے ہوئے تھے سواء کے بعد ہم یا معہم پوشیدہ ہے یعنی وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کافر ہو جاؤ اور تم اور وہ دین میں برابر ہو جاؤ تم میں ان میں کفر و اسلام کا فرق نہ رہے **فلا تتخذوا منہم اولیاء** یہ عبارت ایک پوشیدہ مضمون کی جزا ہے **اذا کان حالہم کذلک**۔ تتخذوا میں خطاب سارے صحابہ کرام کو ہے اولیاء ولی کی جمع ہے بمعنی دوست۔ قریب مددگار چونکہ لا تتخذوا جمع میں تمام صحابہ کرام سے خطاب تھا اس لئے اولیاء کو جمع لایا گیا ورنہ واحد مناسب تھا (روح) یعنی جب ان کا حال یہ ہے تو اے محبوب کے صحابہ ان میں سے کسی کو دوست یا اپنا قریبی یا اپنا مددگار نہ بناؤ یا نہ سمجھو نہ زبان سے انہیں دوست کہو نہ ان کے ساتھ دوستوں کا برتاؤ کرو **لا تتخذوا** میں یہ سب صورتیں داخل ہیں خیال رہے کہ اصلی کافر کے ساتھ لوا حقوق اخلاق اچھے معاملات سب درست ہیں مگر مرتد کے ساتھ یہ سب کچھ حرام ہے

اس کے لئے یا اسلام یا قتل ہے باقی دلی دوستی و محبت سب سے حرام ہے یعنی رازدار بنانا انہیں خیر خواہ سمجھ کر ان کے مشوروں پر عمل کرنا رب فرماتا ہے **لا تتخذوا بطانة من دونكم** ۔خیال رہے کہ جیسے دشمن جان و مال سے الگ رہنا انہیں دشمن جاننا تنگ نظری نہیں بلکہ اپنی احتیاط و حفاظت ہے یوں ہی دشمن ایمان سے بچنا تنگ نظری نہیں بلکہ احتیاط ہے **حتى يهاجروا في سبيل الله** یہ عبارت لا تتخذوا کی انتہا ہے حتی کے بعد یؤمنوا پوشیدہ ہے **يهاجروا** ہجرت سے بنا بمعنی چھوڑنا جدا ہونا فراق اسی سے ہے ہجر اور ہجران ہجرت اصطلاح شریعت میں تین معنی میں آتا ہے اللہ کی راہ میں ترک وطن یعنی دار الحرب سے دار الاسلام آجانا تاکہ وہاں عبادات کی آزادی ہو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لئے روانہ ہو جانا گناہ چھوڑ دینا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مہاجر وہ جو اللہ رسول کی منع فرمائی باتوں کو چھوڑ دے مگر یہ لفظ پہلے معنی میں استعمال ہوتا ہے رب فرماتا ہے **من المهاجرين والانصار** یہاں بھی اسی معنی میں ہے سبیل اللہ سے مراد رضاء الٰہی ہے۔ بعض مفسرین نے یہ آیات منافقین مدینہ عبد اللہ ابن ابی وغیرہ کے متعلق مانی ہیں وہ یہاں ہجرت کے آخری دو معنی کرتے ہیں مگر یہ بالکل خلاف ظاہر ہے یعنی ان لوگوں کو ہرگز دوست نہ بناؤ حتی کے اخلاص سے ایمان قبول کرلیں اور رضاء الٰہی کے لئے مدینہ منورہ ہجرت کر آئیں کہ یہ ہجرت ان کے ایمان کی دلیل ہے خیال رہے کہ جیسا گناہ ویسی توبہ اور جیسا کفر اس کے مقابل ویسا ہی ایمان ہے توحید یا رسالت کے منکر کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کرو مگر مرزائی کو ختم نبوت کا اقرار کرا کے اور مرتد رافضی کو صحابہ کرام کا ثناخوان بنا کر مسلمان بناؤ کہ وہ کلمہ تو پہلے ہی پڑھتے ہیں چونکہ ان لوگوں کا گناہ و کفر حضور کے خدمت سے بھاگ جانا تھا اس لئے ان کا ایمان اب پھر حضور کے قدموں میں آجانا ہے اسی لئے ارشاد ہوا **حتى يهاجروا۔ فان تولوا فخذوهم واقتلوهم حيث وجدتموهم** یہ ان مرتد منافقین کا دوسرا حکم ہے تولوا کا فاعل وہی منافقین ہیں اس تولوا کے بعد ایک عبارت پوشیدہ ہے **عن الايمان والهجرة** ۔ **خذوا** اخذ سے بنا بمعنی قید کرلینا غلام بنالینا یا قتل کے لئے گرفتار کرنا دوسرے معنی زیادہ موزوں ہیں کہ آگے قتل کا ذکر ہو رہا ہے۔ حیث عموم مکان کے لئے ہے **وجدتم** سے مراد ہر طرح پانا ہے خواہ جنگ و جہاد میں ہو یا ویسے ہی وہ قابو آجائیں یعنی اگر وہ لوگ ایمان و ہجرت سے منہ پھیریں تو تم انہیں جہاں بھی پاؤ حل میں یا حرم شریف میں انہیں پکڑ لو اور قتل کر دو کیونکہ ان کا حکم دوسرے مشرکوں کافروں کی طرح ہے۔ ان کی گذشتہ کلمہ گوئی سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ خیال رہے کہ تولوا میں تین احتمال ہیں اگر یہ مرتد اسلام سے منہ پھیریں یا ہجرت سے منہ پھیریں یا میرے محبوب کی غلامی سے منہ پھیریں۔ تیسرے معنی بہت لذیذ ہیں کہ حضور سے پھرنے والا خواہ کلمہ پڑھے نمازیں پڑھے مگر مومن نہیں **ولا تتخذوا منهم وليا ولا نصيرا** یہ ان مرتدین کا تیسرا حکم ہے منہم سے پہلے احد اپوشیدہ ہے اسی لئے ولیا اور نصیرا واحد فرمایا گیا ولی کے معنی دوست ہیں یا قریبی نصیر کے معنی ظاہری مددگار یعنی ان لوگوں سے بالکل علیحدہ رہو نہ ان میں سے کسی کو اپنا دوست سمجھو نہ کسی سے جہاد وغیرہ میں مدد لو کہ یہ تمہارے دشمن ہیں **الا الذين يصلون الى قوم بينكم وبينهم ميثاق** اس استثناء کا تعلق واقتلوھم سے ہے نہ کہ لا تتخذوا سے کیونکہ ان حالات میں ان منافقوں مرتدوں کو قتل نہ کیا جائے گا مگر ان سے دوستی ہرگز نہ ہوگی الذین سے مراد وہی مرتدین منافقین ہیں جن کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے۔ **يصلون** کے معنی ہیں ان سے مل جائیں ان سے معاہدہ کرلیں ان سے تعلق قائم کرلیں قوم سے مراد بنی سلمہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال ابن عویمر اسلمی سے معاہدہ فرمایا تھا کہ ہلال نہ حضور کی مدد کریں نہ حضور کے مقابل کفار کی امداد کریں اور جو شخص یا جو قوم ہلال کے پاس پناہ لے لے اسے امان ہے اس

عبارت میں اسی معاہدہ کی طرف اشارہ ہے بعض نے کہا کہ اس قوم سے مراد بنی مدلج ہیں بعض نے فرمایا کہ قوم سے مراد بنی بکر ابن زید ہیں بعض نے فرمایا بنی خزاعہ ہیں ہو سکتا ہے کہ ساری ہی وہ قومیں مراد ہوں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ معاہدہ کر لیا تھا یعنی یہ تمام مرتدین منافقین واجب القتل ہیں مگر ان میں سے جو بھی کسی اس قوم سے مل جائے اس سے معاہدہ کرے جس سے تم معاہدہ کر چکے ہو کہ جو تم سے ملے اسے بھی امان ہے ایسے مل جانے والے کو نہ قید کرو نہ قتل کیونکہ عہد پورا کرنا اسلامی فریضہ ہے **اوجاءوکم حصرت صدورھم ان یقاتلوکم او یقاتلوا قومھم** یہ ان منافقین کے بچاؤ کی دوسری صورت ہے حصر کے معنی ہیں تنگی یا علیحدگی اسی سے ہے حصور نکاح سے علیحدہ رہنے والا یا عورتوں سے دل تنگ او معنی واؤ ہے اس جملہ کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ جاءوکم معطوف ہے **بینکم وبینھم میثاق** پر یا معطوف ہے **یصلون** پر پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان مرتدین کو بھی قتل نہ کرو جو اس قوم سے مل جائیں جو تمہارے پاس آکر معاہدہ کر گئے ہیں کہ ہم نہ آپ سے لڑیں گے نہ اپنی قوم سے بلکہ غیر جانبدار رہیں گے اور جو ہمارے ساتھ مل کر غیر جانبدار بن جائے وہ بھی امان پائے گا گویا پچھلے جز میں پرانے معاہدین سے مل جانے کا ذکر تھا اور اس خبر میں نئے معاہدین کا تذکرہ ہے کہ جو آئندہ تمہارے معاہد بنیں ان سے یہ مرتد مل جائیں تو انہیں قتل نہ کرو حضرات انبیاء کرام میثاق کے دن کے معاہد ہیں حضرت اولیاء بعد کے معاہد ہم جیسے گنہگار دونوں جگہ پہنچ کر اللہ کے عذاب سے بچ سکیں گے انشاء اللہ دوسری صورت میں معنی یہ ہیں کہ اگر وہ مرتدین منافقین تمہارے پاس آکر تم سے عہد کرلیں کہ ہم نہ آپ سے جنگ کریں گے نہ آپ کی حمایت میں اپنی قوم سے تو بھی ان سے جنگ نہ کرو پہلی صورت میں یہ جملہ محکم ہے دوسری صورت میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ یہ خبر منسوخ ہے کیونکہ اب ایسی قوم کفار سے جنگ جائز ہے جو ہم سے لڑنا نہ چاہے لڑنا نہ چاہتا اور ہے اور نہ لڑنے کا معاہدہ کچھ اور (تفسیر خازن' روح المعانی' کبیر وغیرہ) تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں اور یہ آیت منسوخ ہی ہے **ولو شاء اللہ لسلطھم علیکم فلقتلوکم** یہ جملہ معترضہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے ایک خاص کرم کا ذکر ہے سلط بنا ہے تسلیط سے بمعنی قابو دینا ان میں جرات و ہمت پیدا کر دینا یعنی اے مسلمانو یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر خاص کرم ہے کہ اس نے ان منافقین مرتدین کے دل میں تمہارا رعب تمہاری ہیبت پیدا فرما دی کہ وہ تمہارے مقابلہ کی ہمت نہیں کرتے بلکہ تم سے صلح کی درخواست کرتے ہیں تمہاری خوشامدیں کرتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ ان کو جرات دے دیتا تو وہ ضرور تمہارے مقابلہ میں آجاتے اور تم کو ان سے جنگ کرنا پڑتی تم اس کی اس نعمت کا شکر ادا کرو' دیکھو اللہ تعالیٰ نے اونٹ' ہاتھی بلکہ شیر و چیتے کے دل میں تمہارا رعب ڈال دیا ہے تو وہ تم سے ڈرتے تمہاری اطاعت بھی کر لیتے ہیں مگر مکھی مچھر جوں کھٹمل کے دل میں تمہارا رعب نہیں تو وہ تم سے نہیں ڈرتے بلکہ تم کو پریشان کرتے ہیں یہ رعب اللہ کی رحمت ہے **فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم** ظاہر یہ ہے کہ یہ گزشتہ مضمون کا اعادہ نہیں بلکہ ایک نئی صورت کا ذکر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر یہ کفار تم سے جنگ نہ کریں جنگ سے علیحدہ رہیں اور تم سے معاہدہ کرنا چاہیں تم سے صلح کی درخواست کریں تو **فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلا** تو تم کو اللہ تعالیٰ نے ان سے جنگ کرنے کی کوئی راہ نہ دی ان کی صلح کی پیش کش کو قبول کر لو یہ حکم بھی یقیناً منسوخ ہے اب سلطان اسلام پر ضروری نہیں کہ کفار کی جانب سے پیش کردہ صلح کو قبول ہی کرے مصلحت دیکھے تو قبول کر لے ورنہ رد کر دے اور یہاں تو مرتدین کا ذکر ہے مرتد سے صلح ناممکن ہے' اس کے لئے یا اسلام ہے یا قتل ۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانو تم تو اپنے سیدھے پن سے ان مرتدین کی گذشتہ کلمہ گوئی سے دھوکہ کھا رہے ہو اور انہیں مسلمان سمجھے بیٹھے ہو ان کا تو یہ حال ہے کہ پہلے ہی کلمہ پڑھ کر تمہارے ساتھ اس لئے شامل ہوئے تھے کہ تم میں گھل مل کر تم کو کافر بنالیں یا اب وہ اس تمنا و آرزو میں ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کافر ہو جاؤ تو تم اور وہ کفر میں برابر ہو جاؤ لہٰذا ہوشیار رہو انہیں اس وقت تک دوست نہ جانو جب تک کہ وہ ایمان لا کر اخلاص کے ساتھ مدینہ پاک کی طرف ہجرت نہ کریں کہ یہ اخلاص والی ہجرت ان کے ایمان کی دلیل ہو گی اگر وہ ایمان و ہجرت سے منہ موڑیں اس طرف توجہ نہ کریں تو تم آئندہ انہیں جہاں بھی پاؤ حل میں یا حرم میں جنگ کی حالت میں یا اس کے علاوہ انہیں پکڑو اور مار دو انہیں دوست بناؤ نہ مددگار یعنی ان سے کسی کام میں مدد نہ لو خصوصاً جہاد وغیرہ دوسری عبادات میں البتہ تین صورتیں وہ ہیں جن سے ان مرتدین کی جانیں بچ سکتی ہیں ایک یہ کہ جن کفار سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے کہ وہ نیوٹرل غیر جانبدار ہیں اور جو ان کی پناہ میں پہنچ جائے اسے تمہاری طرف سے امان ہو اگر یہ مرتدین ان کی امان لے لیں تو یہ بچ جائیں گے' دوسری صورت یہ کہ کوئی کافر قوم آئندہ تم سے یہ ہی معاہدہ کرے کہ وہ غیر جانبدار رہے گی اور اس کی امان میں آنے والا امن پا جائے گا۔ یہ مرتدین ان کی پناہ میں پہنچ جائیں تم بھی بچ جائیں گے تیسری صورت یہ کہ یہ مرتدین خود تم سے غیر جانبدار رہنے کا معاہدہ کرلیں اور تم سے صلح کرلیں ان تین صورتوں میں تم کو ان کے قتل کی اجازت نہیں رہی۔ چوتھی صورت یہ کہ وہ مرتدین ان تین تدبیروں میں سے کچھ بھی نہ کریں تو وہ جہاں پائے جائیں قتل کر دیئے جائیں۔

نوٹ : تفسیر روح المعانی وغیرہ کے قول میں یہ تمام صورتیں منسوخ ہو چکیں اب مرتد بہر حال قتل ہو گا اس کے بچنے کی صرف یہ صورت ہے کہ وہ دوبارہ اخلاص سے مسلمان ہو جائے اور تمام مفسرین کے نزدیک تیسری صورت یقیناً منسوخ ہے کہ مرتد سے صلح ہرگز درست نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلیمہ کذاب اور اس کے متبعین سے صلح نہ کی حضرت صدیق اکبر نے زکوٰۃ کے منکرین اور مسلیمہ کذاب کے متبعین پر صرف جہاد کیا ان کے دل میں ان مردودوں سے صلح کرنے کا وہم بھی نہ آیا حضرت صدیق اکبر کی زندگی پاک اس آیت کی زندہ جاوید بولتی تفسیر ہے رضی اللہ عنہ غرضکہ قرآن مجید کو سمجھو ان حالات کی روشنی میں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: کسی مسلمان کو کافر بنانے کی کوشش کرنا یا کافر بنانا کفر ہے جیسا کہ **ودوا لو تکفرون** سے معلوم ہوا فقہاء فرماتے ہیں کہ جو کسی عورت کا نکاح تڑوانے کے لئے اسے کافر ہو جانے کی تلقین کرے تو عورت کافر بنے یا نہ بنے یہ تلقین کرنے والا کافر ہو گیا اس مسئلہ کا ماخذ یہ آیت بھی ہو سکتی ہے۔ دوسرا فائدہ: اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے نہ اس کے لئے جزیہ ہے نہ غلام بنانا یا اسلام ہے یا قتل جیسا کہ **فان تولوا فخذوھم واقتلوھم** سے معلوم ہوا کیونکہ یہاں مرتدین کا ذکر ہے اس لئے ارشاد ہوا **او اللہ ارکسھم** رب تعالیٰ دوسرے مقام پر مرتدین کے متعلق فرماتا ہے **تقاتلونھم او یسلمون** بلکہ گزشتہ دینوں میں بھی مرتد کی سزا قتل تھی چنانچہ قرآن کریم نے بچھڑے کے پجاری یہودیوں کے متعلق خبر دی کہ ان سے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم** جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن سے مرتد کی سزا قتل ثابت نہیں ہوتی وہ یہ تین آیت دیکھیں۔ خیال رہے کہ یہاں

حضور کے زمانہ کے مرتدین کا ذکر ہے اور تفاتلونهم او یسلمون میں زمانہ صدیق کے مرتدین مسلیمہ والوں کا تذکرہ ہے اور فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم میں زمانہ موسوی کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ ہمیشہ مرتد کی سزا قتل ہے۔ تیسرا فائدہ: کافر، مرتد، بدمذہب کو دوست بنانا حرام ہے اگرچہ وہ بے دین کلمہ ہی پڑھتا ہو جیسا کہ فلا تتخذوا سے معلوم ہوا اس کے متعلق صریح آیات بھی آئی ہیں چوتھا فائدہ: مومن کافر برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ قوم ملک خاندان پیشہ میں برابر ہوں ہاں کافر کافر برابر ہیں جیسا فتکونون سواء ” سے معلوم ہوا پانچواں فائدہ: اگر کوئی کلمہ گو علامت کفر اختیار کرے تو کافر ہو گا اور جہاد کے موقعہ پر مار دیا جائے گا جیسا کہ فان تولوا سے معلوم ہوا کہ یہاں فرمایا گیا کہ اگر یہ کلمہ گو منافق ہجرت نہ کریں تو انہیں مار دو جہاں پاؤ کیونکہ اس زمانہ میں باوجود قدرت کے ہجرت نہ کرنا علامت کفر تھی اسے کفر قرار دیا گیا" خیال رہے کہ علامت کفار اور ہے علامت کفر کچھ اور چوٹی جنیو علامت کفر ہے چھٹا فائدہ: کفار کو دوست بنانا حرام ہے اگرچہ وہ ہمارے قرابتدار اور ہم قوم ہم ملک ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ لا تتخذوا منهم اولیاء سے معلوم ہوا' رب فرماتا ہے ولو کانوا اباء هم او ابناء هم ساتواں فائدہ: کفار سے دینی کاموں میں مدد لینا بلاضرورت ممنوع ہے جیسا کہ ولانصیرا سے معلوم ہوا ہاں ضرورت کے موقع کا اور حکم ہے آٹھواں فائدہ: جو معاہدے کفار سے کئے گئے ہیں وہ بھی ضرور پورے کئے جائیں' بدعہدی کسی سے جائز نہیں جیسا کہ الا الذین سے معلوم ہوا کہ رب نے فرمایا اگر یہ مرتدین ان لوگوں کی پناہ سے لیں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہو تو انہیں نہ مارو دوسری جگہ ارشاد ہے واوفوا بالعهد نواں فائدہ: مرتد کو تبلیغ اسلام ضرور کی جائے اور اسے دوبارہ مسلمان ہو جانے کا موقعہ دیا جائے اس کے قتل میں جلدی نہ کی جائے جیسا کہ حتی یهاجروا سے معلوم ہوا دسواں فائدہ: حربی کفار اور مرتد ہر جگہ ہی قتل کئے جا سکتے ہیں' انہیں کوئی جگہ قتل سے بچا نہیں سکتی جیسا کہ حیث وجدتموهم سے معلوم ہوا۔ گیارہواں فائدہ: مسلمانوں کی قوت ایمانی کفار کے دلوں میں رعب کا سبب بن جاتی ہے اور یہ رعب اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جیسا کہ ولو شاءاللہ سے معلوم ہوا' مولانا فرماتے ہیں۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست　　ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

لوگ اپنی ہیبت لوگوں کے دلوں میں قائم کرنے کے لئے بڑے ظلم و ستم ڈھاتے ہیں اور صدہا ناجائز تدبیریں کرتے ہیں لیکن اگر سچے پکے مسلمان متبع سنت بن جائیں تو انشاء اللہ ان کی ہیبت انسان تو کیا جانوروں کے دلوں میں بھی واقع ہو جائے اور وہ دنیا پر بادشاہت کریں۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ!　　کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بہت سے کفار سے مسلمان محبت دوستی رکھ سکتے ہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ انہیں دوست و مددگار نہ بناؤ مگر ساتھ ہی فرمادیا الا الذین یصلون لاکر اس حکم کو توڑ دیا۔ **جواب:** تفسیر میں عرض کیا گیا کہ الا کا تعلق لا تتخذوا سے نہیں بلکہ اس کا تعلق ہے واقتلوهم سے اور معنی یہ ہیں کہ ایسے لوگ۔ جہاں ملیں انہیں قتل کر دو سوا ان چند صورتوں کے ورنہ یہ آیت اس آیت کریمہ کے خلاف ہو گی لا یتخذ المومنون الکفرین اولیاء **دوسرا اعتراض:** مرتد کو قتل کرنا بڑا ظلم ہے ملک میں دینی آزادی چاہئے۔ **جواب:** جی ہاں سلطنت' ملک و قوم کے

باغیوں کو قتل کرنا بڑا ظلم ہے قانونی آزادی چاہئے جبکہ آج مہذب حکومتیں باغیوں کو نہیں چھوڑتیں تو اگر اسلام حکومت ربانی کے باغیوں کو قتل کرائے تو کیا حرج ہے۔ اسلام نے اصلی کفار کو آزادی دی ہے مرتد کی رعایت نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اللہ تعالیٰ نے پہلے تو فرمایا **فلا تتخذوا منہم اولیاء** یعنی اولیاء کو جمع فرمایا اور پھر فرمایا **ولا تتخذوا منہم ولیا ولا نصیرا** یعنی یہاں ولی واحد فرمایا اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** اس کی بہت وجہیں ہو سکتی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے پہلی جگہ قوم کفار مراد ہے اور دوسری جگہ شخص کافر یعنی پہلی جگہ حکم یہ ہے کہ کسی کافر قوم کافر قبیلے کو دوست نہ بناؤ اور دوسری جگہ مطلب یہ ہے کہ کسی کافر شخص کو دوست و مددگار نہ بناؤ لہٰذا وہاں جمع ہی مناسب تھی یہاں واحد ہی موزوں ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مرتد کو غلام و لونڈی و قیدی بنایا جاسکتا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا **فخذوھم واقتلوھم** مگر فقہاء فرماتے ہیں کہ مرتد کو صرف قتل ہی کیا جائے گا نہ اسے غلام بنایا جائے نہ قیدی فقہاء کا یہ فتویٰ اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہاں پکڑنے سے مراد ہے قتل کرنے کے لئے پکڑنا نہ کہ غلام بنانے یا قیدی کرنے کے لئے رب تعالیٰ مرتدین کے متعلق فرماتا ہے **تقاتلونہم او یسلمون** ہاں مرتد کو چند روز قید رکھنا تاکہ وہ غور و خوض کرے شاید پھر مسلمان ہو جائے جائز ہے نیز مرتد عورت کو قتل نہ کیا جائے اسے قید رکھا جائے گا ہو سکتا ہے کہ یہاں **فخذوھم** سے یہ آخری دو صورتیں مراد ہوں **پانچواں اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا **حتی یہاجروا فی سبیل اللہ** ایمان کا ذکر نہ ہوا اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** اس زمانہ میں ہجرت یعنی اللہ کے لئے وطن چھوڑنا علامت ایمان تھی مطلب یہ ہے کہ وہ ایمان لائیں اور ہجرت بھی کریں جس سے ان کا مومن ہونا ثابت ہو جائے تب ان سے محبت و دوستی کرو بعض لوگوں نے **یہاجروا** کے معنی کئے ہیں کفر چھوڑ دیں اسلامی جلسوں میں شریک ہوں یا گناہ چھوڑ دیں مگر یہ تمام معنی ظاہر کے خلاف ہیں **چھٹا اعتراض:** اس آیت میں تکرار بے فائدہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہاں ان کے قتل سے بچنے کی صورتیں مذکور ہیں ایک یہ کہ تمہارے معاہدہ والی قوم سے مل جائیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے دل تنگ ہو جائیں کہ تم سے جنگ کرنے کی ہمت نہ کریں۔ تیسرے یہ کہ تم سے وہ الگ رہیں نہ تم سے لڑیں نہ اپنی قوم سے دوسری اور تیسری صورت میں فرق کوئی نہیں یہ محض بے فائدہ تکرار ہے۔ **جواب:** ہم نے خلاصہ تفسیر میں اس کے فرق کی طرف اشارہ کر دیا ہے پہلی صورت یہ ہے کہ مرتدین ہمارے پرانے حلیفوں سے مل جائیں دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی کافر قوم ہم سے آج معاہدہ کرے اور یہ مرتدین ان سے مل جائیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مرتدین خود ہم سے معاہدہ کرلیں کہ ہم غیر جانبدار رہیں گے ان تینوں صورتوں میں وہ ہمارے قتل سے بچ جائیں گے لہٰذا مضمون مکرر نہیں۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مرتد کو قتل نہ کیا جائے صرف اس ہی مرتد کو قتل کیا جائے جو ہم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو یا ہمارے دشمنوں سے مل جائے غرضیکہ ارتداد کی وجہ سے قتل کرنا اس آیت کے خلاف ہے (مرزائی) مولوی محمد علی صاحب مرزائی نے یہاں اس کو بہت زور سے بیان کیا ہے۔ **جواب:** ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ یہ حکم بالاتفاق منسوخ ہے اس لئے ہر مرتد کو قتل کیا جائے گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے مرتدین کے متعلق **تقاتلونہم او یسلمون** نیز حضرت ابو بکر صدیق نے منکرین زکوٰۃ اور مسیلمہ کذاب کی قوم سے صلح کرنے کا خیال بھی نہ فرمایا بلکہ ان مرتدین پر لشکر کشی کی منکرین زکوٰۃ تو توبہ کر کے مسلمان ہو گئے اور تلوار صدیقی سے بچ گئے مسیلمہ کذاب کے لوگ تہ تیغ کر دیئے گئے۔ مرتدین کو قتل نہ کرنا بڑے فتنوں کا باعث ہے جب ملکی قومی غداروں کو گولی مار دی جاتی ہے انہیں غداری کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تو یہ لوگ تو ایمانی

اسلامی غدار ہیں ہاں مرتدین اپنے بچاؤ کے لئے اس قسم کے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : غافل دنیادار گویا طریقت کے مرتد و کفار ہیں۔ نفس و شیطان راہمار ڈاکو ہیں' طالبین مولیٰ مومن دیندار ہیں یہاں طالبین مولیٰ سے خطاب ہے کہ تم ان غافلین طالبین دنیا کو دوست و مددگار نہ بناؤ جب تک کہ وہ حرص 'شہوت حب دنیا سے ہجرت کرکے تمہارے موافق نہ ہو جائیں اگر ایسا نہ کریں تو تم مجاہدہ کی تلوار سے ان پر حملہ کرو انہیں اپنا دوست نہ سمجھو یہ تمہارے پورے دشمن ہیں صوفیاء فرماتے ہیں کہ جب مرتدین کفار معاہدہ والی قوم کی پناہ لے لیں تو قتل سے بچ جاتے ہیں تو اگر گنہگار خطاکار کسی ایسے مقبول بندوں کی پناہ لے لیں۔ جن کا رب تعالیٰ سے معاہدہ امن ہے تو وہ بھی عذاب الٰہی سے امان پا جائیں گے امن والوں کی پناہ میں آجانا امان پالینے کا ذریعہ ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ما کان اللہ لیعذبہم وانت فیہم** یہ کفار ہیں تو عذاب کے قابل مگر رب انہیں عذاب نہ دے گا کیونکہ ان میں آپ ہیں۔ غرضکہ مقبولوں کا امان دارالایمان ہے نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاءوک** (تفسیر کبیر) اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو! ۔۔۔ کہ رستہ میں ہیں جابجا تھانہ والے!

جب خطاکار بچہ پر باپ ناراض ہو جائے تو وہ بچہ سیدھا باپ کے پاس نہیں آتا بلکہ باپ کے کسی دلی دوست کے پاس پہنچتا ہے اس کے دامن کی آڑ میں باپ کے پاس آتا ہے وہ دوست پہلے اس کا قصور معاف کراتا ہے پھر بچہ کو پیش کرتا ہے ہم مجرم بھگوڑے بندے حضور کے دامن سے لپٹ کر بارگاہ الٰہی تک پہنچیں۔ ابوسفیان فتح مکہ کے دن حضرت عباس کے دامن میں چھپ کر ہی حضور کے پاس پہنچے اور قتل سے امان پائی' ایمان نصیب ہوا' دولہا برات کے دن اکیلا نہیں جاتا عزیزوں' دوستوں بلکہ اپنے کمیوں کو ساتھ لے جاتا ہے' سامنے والے بھی جانتے ہیں کہ دولہا اکیلا نہیں آئے گا اس لئے وہ سب کے لئے کھانا پکاتے ہیں حضور قیامت کے دولہا ہیں کروڑوں براتی حضور کے ساتھ جنت میں جائیں گے غرضکہ مرتدین شریعت اور ہیں مرتدین طریقت اور جو کوئی اپنا ایمان محفوظ رکھنا چاہے وہ اغیار سے محبت نہ رکھے ان کے خلاف جہاد کرتا رہے ہاں جب نفس امارہ سرکشی چھوڑ دے تمہارے مقابل ہتھیار ڈال دے تو اس سے جنگ نہ کرو بلکہ اسے اپنا معاون بناؤ۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْكُمْ وَ یَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْؕ كُلَّمَا
عنقریب پاؤ گے تم دوسروں کو جو چاہتے ہیں کہ مطمئن کریں تم کو اور مطمئن کریں اپنی قوم کو جب کبھی لوٹائے
اب کچھ اور تم ایسے پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امان میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امان میں رہیں جب
رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِیْهَاۚ فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْكُمْ وَ یُلْقُوْۤا اِلَیْكُمُ
جاتے ہیں طرف فتنہ کے اوندھے ہو جاتے ہیں ان میں پس اگر نہ مالک رہیں تم سے اور نہ پیش کریں طرف تمہارے صلح کو
کبھی ان کی قوم انہیں فساد کی طرف پھیرے تو اس پر اوندھے گرتے ہیں پھر اگر وہ تم سے کنارہ نہ کریں اور صلح کی

اَلسَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْ

اور نہ روکیں اپنے ہاتھوں کو تو پکڑ لو ان کو اور قتل کرو ان کو جہاں کہیں پاؤ تم ان کو اور

گردن نہ ڈالیں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو یہ

هُمْ ؕ وَ اُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾

یہ ہی لوگ ہیں کہ بنایا ہم نے واسطے تمہارے ان پر اختیار کھلا

ہیں جن پر ہم نے تمہیں صریح اختیار دیا۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیت میں ان منافقین کا ذکر تھا جو ایک بار کلمہ پڑھ کر پھر مرتد ہو گئے۔ اب ان لوگوں کا ذکر ہے جن کا وطیرہ ہی یہ ہے کہ کبھی مسلمان ہو گئے کبھی کافر۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ان کفار کا ذکر تھا جن کو قتل کرنا ممنوع ہے اب ان کفار کا ذکر ہے جن کو قتل کرنا جائز بلکہ ضروری ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ان کفار کا ذکر تھا جو صحیح ارادے سے مسلمانوں سے صلح کریں اب ان کفار کا ذکر ہے جو دھوکہ دینے کے لئے بری نیت سے مسلمانوں سے صلح کریں کہ ان پچھلے کافروں کے احکام کچھ نرم تھے ان کفار کے احکام بہت سخت ہیں۔

شان نزول : سیدنا عبداللہ ابن عباس و مجاہد فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں قبیلہ بنی اسد اور قبیلہ غطفان اور بنی عبدالدار کے کچھ لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے پاس آتے تو کلمہ پڑھتے اور کہتے کہ ہم بھی تمہاری طرح مسلمان ہیں جن چیزوں پر تم ایمان لائے ان پر ہی ہم ایمان لائے اور جب اپنی قوم کے پاس جاتے تو کہتے کہ مسلمان سانپ بچھوؤں کی طرح خطرناک ہیں بھلا ہم ان کے ساتھ ہو سکتے ہیں ہم تو پہلے بھی تم میں سے تھے اب بھی تم میں سے ہیں اور آئندہ بھی تم میں ہی رہیں گے ان کا یہ ہی طریقہ تھا ہمیشہ یہ ہی کرتے تھے اور اسے اپنی پالیسی و عقلمندی سمجھتے تھے ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو ان سے ہوشیار رہنے کا حکم دیا گیا اور اجازت دی گئی کہ ان کو تم قتل کر سکتے ہو (خازن، خزائن، روح المعانی وغیرہ)

تفسیر : **ستجدون اخرین** اس میں خطاب مسلمانوں سے ہے۔ ستجدون کے معنی ہیں تم ظاہر ظہور پاؤ گے یعنی ان کی حرکتیں تم پر کھل جائیں گی ورنہ مسلمانوں کو ان کے متعلق شبہ تو پہلے سے ہی تھا اس لئے یہاں تعلمون نہ فرمایا تجدون فرمایا علم، وجدان سے عام ہے کیونکہ آنکھ سے دیکھ کر کان سے سن کر زبان سے چکھ کر ہاتھ سے چھو کر جان لینا علم ہے مگر تجربہ و آزمائش سے جاننا وجدان ہے ہو سکتا ہے کہ وجدان علم کے بعد ہو کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں کو جیسا سنا تھا یا جیسا جانا تھا ویسا پایا گویا نہ جاننے پر مرتب ہوتا ہے۔ آخرین سے مراد گذشتہ آیت میں ذکر کئے ہوئے مرتدین کے علاوہ دوسرے لوگ کیونکہ وہ لوگ اور قوم سے تھے یہ لوگ دوسری قوم اسد و غطفان سے **یریدون ان یامنوکم و یامنوا قومھم** یریدون ارادہ سے بنا یہاں بمعنی کوشش کرنا ہے مضارع دوام و استمرار کے لئے ہے یعنی اسی کوشش میں رہتے ہیں، **یامنوا** امن سے بنا بمعنی مطمئن کرنا یا مطمئن رہنا یا امن میں رہنا یہاں یا پہلے معنی میں ہے یا تیسرے معنی میں کم میں خطاب ان سارے مسلمانوں سے ہے اور قومھم سے مراد ان کی اپنی قوم ہے اگرچہ ان کی قومیں تین تھیں۔ اسد غطفان اور بنی عبدالدار کیونکہ ان میں سے بعض اسد سے تھے

بعض غطفان سے اور بعض بنی عبدالدار سے لیکن چونکہ کفر و شرک میں سب ایک تھے اس لئے قوم واحد ارشاد ہوا۔ اقوام جمع نہ فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ لفظ قوم بڑا وسیع ہے ہم ملک ہم پیشہ ہم زبان قبیلہ خاندان اور ہم مذہب سب پر بولا جاتا ہے حضرات انبیاء کرام جو کفار سے فرماتے تھے یا قوم اعبدو اللہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو وہاں قوم سے مراد نسبی خاندانی ملکی قوم ہے نہ کہ مذہبی قوم یہاں بھی یا تو قوم سے مراد ان کے اپنے خاندان و قبیلہ والے ہیں یا ان کے ہم مذہب کیونکہ وہ حقیقتہً کافر ہی تھے اس لئے مسلمان ان کے ہم مذہب نہ تھے بلکہ کفار تھے یعنی یہ لوگ کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ تم سے بھی امان میں رہیں اور اپنے ہم مذہب کفار سے بھی یا تم کو بھی اپنی طرف سے مطمئن کر دیں اور اپنی قوم کو بھی مطمئن رکھیں یا تمہاری طرف سے بھی مطمئن رہیں اور اپنی قوم کی طرف سے بھی **کلما ردوا الی الفتنہ ارکسوا فیھا** پہلے ان کے اقوال کا ذکر تھا اب ان کے اعمال کا یہ ستجدون کا ظہور ہے **کلما** دوام و استمرار کے لئے ہے ردوا بمعنی دعوا ہے (تفسیر خازن) یا اپنے ہی معنی میں ہے یعنی واپس کرنا لوٹانا فتنہ سے مراد یا تو کفر و شرک ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے جنگ کرنا یا انہیں ایذاء پہنچانا ارکسوا کا مادہ رکس ہے بمعنی اوندھے منہ گر جانا اندھا دھند کسی طرف چل پڑنا بغیر سوچے سمجھے بغیر نتیجہ میں تامل کرے کچھ کام کر بیٹھنا یعنی یہ بدنصیب جب کبھی اپنی قوم کی طرف سے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے بلائے جاتے ہیں تو نہ تو یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم مسلمانوں سے کیا کہہ چکے ہیں نہ یہ سوچتے ہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا بغیر کچھ سوچے سمجھے اندھا دھند جنگ میں شریک ہو جاتے ہیں تمہارے مقابل آ جاتے ہیں، رب تعالیٰ ان لوگوں کو بھی سنبھل جانے کا ایک اور موقعہ دیتا ہے کہ فرماتا ہے **فان لم یعتزلو کم** یہاں تین شرطوں پر ان کے قتل کی اجازت دی گئی یہ پہلی شرط ہے **یعتزلوا** بنا ہے اعتزال سے بمعنی ایک طرف ہو جانا الگ رہنا یعنی اگر وہ اپنا رویہ نہ بدلیں اور تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے علیحدگی اختیار نہ کریں دوسری شرط یہ ہے **ویلقوا الیکم السلم**، **یلقوا** معطوف ہے **یعتزلوا** پر لم کے تحت ہے اس لئے اس کا نون اعرابی گر گیا سلم بمعنی صلح ہے یعنی اور اگر تمہارے سامنے صلح پیش نہ کریں اس طرح کہ گزشتہ حرکتوں پر نادم ہو کر تم سے معافی چاہیں اور آئندہ کے لئے وعدہ کریں کہ ہم کبھی تم لوگوں کے مقابل نہ آئیں گے **ویکفوا ایدیھم** یہ تیسری شرط ہے **یکفوا** بھی معطوف ہے معتزلوا پر لم کے ماتحت ہے اور کف سے بنا، بمعنی روکنا یعنی اپنے ہاتھ تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے نہ روک لیں یعنی قولی صلح کے ساتھ عملی صلح نہ کر لیں تو **فخذوھم واقتلوھم حیث ثقفتموھم** یہ جملہ گزشتہ شرطوں کی جزا ہے خذوا کے معنی پہلے عرض کئے گئے کہ یہاں اس سے مراد قتل کے لئے پکڑنا قید کرنا ہے نہ کہ غلام بنانے کے لئے حیث عموم مکان کے لئے ہے بمعنی جہاں کہیں **ثقفتموا** ثقف سے بنا بمعنی پانا قادر ہونا ھم کا مرجع وہی لوگ ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے یعنی اگر یہ کام وہ نہ کریں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو ان کے قتل کی تم کو عام اجازت ہے **واولئکم جعلنا لکم علیھم سلطنا مبینا** یہ جملہ پہلے حکم کی گیا علت و وجہ ہے سلطان بمعنی دلیل و غلبہ آتا ہے یہاں بمعنی اجازت و اختیار ہے مبین کے معنی ہیں کھلا صریحی اختیار یعنی اس لئے ان کا قتل و پکڑ دھکڑ جائز ہے کہ ہم نے تم کو ان لوگوں کے پکڑنے مارنے کی صاف اجازت دے دی اب تم ان پر سختی کرنے میں بالکل مجرم نہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو تم یہاں بہت قسم کے دشمنوں میں گھرے ہوئے ہو ایک تو تمہارے دشمن وہ لوگ تھے جن کا ذکر ابھی ہو چکا دوسرے تمہارے چھپے دشمن وہ بنی اسد، غطفان بنی عبدالدار کے لوگ ہیں جن کی حالت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس

کوشش میں رہتے ہیں کہ تمہاری طرف سے بھی امان میں رہیں اور اپنی قوم کی طرف سے بھی کہ تم سے انہیں کچھ کھٹکا ہو نہ اپنی کافر قوم سے وہ ظاہری کلمہ پڑھ کر تمہیں مطمئن کر جاتے ہیں اور پھر اپنی قوم میں جا کر تم کو برا کہہ کر اسلام سے بیزاری ظاہر کر کے انہیں مطمئن کرتے رہتے ہیں مگر ان کا عمل یہ ہے کہ تم کو مطمئن کر کے جاتے ہیں لیکن اگر ان کی قوم ان کو تم سے لڑنے کی دعوت دے تو اندھا دھند اسے قبول کر کے تمہارے مقابل آجاتے ہیں ان کے دل میں نہ یہ خیال آتا ہے کہ ہم مسلمانوں سے کیا کہہ چکے ہیں نہ یہ سوچتے ہیں کہ ہماری اس بدعہدی کا نتیجہ کیا ہوگا ان کے متعلق ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ آئندہ اگر یہ لوگ تم سے لڑائی کرنے سے نہ بچیں اور تمہارے پاس آکر گزشتہ پر ندامت آئندہ صلح نہ کریں اور تمہارے ساتھ لڑنے بھڑنے سے ہاتھ نہ روکیں تو پھر ہماری طرف سے تم کو بھی اجازت ہے کہ جہاں کہیں تم کو ملیں انہیں پکڑو اور مارو تم پر کوئی روک ٹوک نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ کفار چار قسم کے ہیں۔ ذمی کفار جو مسلمانوں کی رعایا ہوں مستامن وہ کفار جو ہمارے ملک میں چند روز کے لئے امن لے کر آئیں وہ حربی کفار جو ان دونوں قسموں سے نہ ہوں مگر ان سے کچھ مدت کے لئے ہماری صلح ہو گئی ہو وہ حربی کفار جن سے ہماری نہ کوئی صلح ہے نہ معاہدہ آخری قسم کے کفار کا قتل جائز ہے پہلی تین قسم کے کفار کا قتل حرام ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ**: مومن و کفار دونوں کو خوش رکھنے کی کوشش کرنا دو طرف ڈھلتے چلتے رہنا منافقت ہے اور ایسا شخص منافق ہے یہ سب کے لئے خطرناک ہے۔ **دوسرا فائدہ**: منافق سے اگر کوئی علامت کفر پائی جائے خصوصاً جہاد میں کفار کی مدد کرنا مسلمانوں کی مخالفت کرنا تو اس کا قتل جائز ہے کہ اب وہ کھلا کافر یا مرتد ہو گیا جیسا کہ **فخذوھم** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: اس آیت نے تمام ان آیات کو منسوخ فرما دیا جن میں کفار سے نرمی چشم پوشی بے توجہی کر لینے کا حکم تھا یہ آیت محکم ہے تاقیامت اس پر عمل ہے جو اسے ناقابل عمل مانے اور جہاد کو منسوخ قرار دے وہ کافر ہے جہاد اسلامی کا دائمی حکم ہے یہ فائدہ **حیث ثقفتموھم** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: محترم مہینوں یعنی رجب، شوال، ذیقعد، ذی الحجہ میں جہاد حرام ہونا بھی اس آیت سے منسوخ ہو گیا۔ اب ہر وقت کفار سے جہاد درست ہے یہ فائدہ بھی **حیث ثقفتموھم** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: حربی کفار و منافقین کو اولاً سمجھانا بلکہ انہیں سنبھل جانے کا اور موقع دینا بہتر ہے تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم کو درست ہو جانے کا موقعہ نہ دیا گیا یہ فائدہ **فان لم یعتزلوکم** سے حاصل ہوا غرضکہ اسلام میں بہت فراخدلی سے کام لیا گیا ہے۔ **چھٹا فائدہ**: جن کفار سے ہماری صلح غیر جانبداری پر ہو گئی ہو یعنی انہوں نے ہم سے غیر جانبدار رہنے کا وعدہ کر لیا ہو تو جب تک وہ اس عہد پر قائم رہیں ان سے جنگ نہ کی جائے یہ فائدہ بھی **فان لم یعتزلوکم** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض : اس آیت میں فرمایا گیا **یریدون ان یامنوکم** الخ جس سے معلوم ہوا کہ جو کافر دونوں فریق مومن و کافر کو راضی کرنے کا ارادہ بھی کرے لائق قتل ہے حالانکہ یہ تو ارادہ غداری ہے نہ کہ غداری پھر اس پر قتل کی اجازت کیسی حدیث شریف میں ہے کہ ارادہ خیر تو خیر ہے جس پر ثواب مل جاتا ہے مگر ارادہ شر شر نہیں اس پر عذاب نہیں یہ آیت اس حدیث کے خلاف ہے۔ **جواب**: تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ یہاں ارادہ کے لغوی معنی مراد نہیں یعنی ابھی تک کام نہ کرنا صرف کام کرنے کا ارادہ کرنا بلکہ یہاں بمعنی کوشش ہے مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں فریق مومن و کافر کی چاپلوسی کرتے رہتے ہیں۔ اس کوشش میں

رہتے ہیں کہ دونوں فریق ہم سے راضی رہیں۔ خیال رہے کہ خیال گناہ پر پکڑ نہیں مگر ارادہ گناہ پر پکڑ ہے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب دو مسلمان ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے نکل آئیں ان میں سے ایک مارا جائے تو قاتل و مقتول دونوں دوزخی ہیں۔ پوچھا گیا کہ قاتل تو دوزخی ہی چاہئے مقتول کیوں دوزخی ہے فرمایا وہ بھی قتل کرنے ہی کے ارادے سے نکلا تھا اس کا داؤ نہ چلا نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ ارادہ کفر بھی کفر ہے۔ بہرحال ارادہ گناہ اور ہے خیال گناہ کچھ اور۔ **دوسرا اعتراض:** جب نبی اسد و بنی غطفان کے کچھ لوگوں کی غداری دیکھی جاچکی ہے تو انہیں قتل کرنا چاہئے تھا انہیں اور موقع کیوں دیا گیا کہ ارشاد ہوا **فان لم یعتزلوکم** موذی کو ایذاء سے پہلے قتل کر دینا چاہئے۔ **جواب:** یہ اسلام کی فراخدلی اور تعلیم اخلاق ہے کہ پہلے ان کو وارننگ دی گئی کہ تمہاری طرف سے بے وفائیاں بہت ظاہر ہو چکیں اب بھی درست ہو جاؤ ورنہ مارے جاؤ گے۔ رب تعالیٰ بڑے سے بڑے مجرم کو توبہ اپنی اصلاح کر لینے کا موقعہ دیتا ہے وہ ارحم الراحمین جو ہو اہمارے ماں باپ سے زیادہ ہم پر مہربان ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا **ارکسوفیہا** وہ اس فتنہ میں اوندھے گرائے جاتے ہیں معلوم ہوا کہ وہ اوندھے گرائے گئے خود نہ گرے تو پھر وہ مجرم کیوں ہوئے۔ **جواب:** عربی بلکہ اردو میں بھی کسی کام میں بہت جلدی کرنے کو اوندھا گرایا جانا کہا جاتا ہے جیسے خود کودنا تو سوچ سمجھ کر مہلت سے ہوتا ہے مگر کوئی دھکیل دے تو اچانک گرتا ہوتا ہے ایسے ہی بہت جلد کوئی کام کر بیٹھنا گویا اوندھا گرایا جانا ہے یا یہ کہو کہ وہ نفس پرستی میں ایسے اندھے ہو گئے کہ بغیر انجام سوچے ایسے کام کر بیٹھتے ہیں گویا اپنے نفس امارہ اور میرے دوستوں کے ہاتھ میں ہیں۔ جدھر وہ لے جاتے ہیں ادھر جاتے ہیں علماء فرماتے ہیں کہ قدر یعنی تقدیر ایسی ہے جیسے نقاش کے ذہن میں کوئی نقشہ اور قدر ایسی ہے جیسے اس ذہنی نقشہ کو پنسل سے کاغذ پر کھینچ دینا اور ہمارا عمل ایسا ہے جیسے نقاش کے شاگرد کا اس پنسل کے نقش پر رنگ بھرنا اسے اصل صورت دے دینا یہ شاگرد اس نقشہ کے کھینچنے میں مختار بھی ہے اور اپنے استاد کا دست نگر بھی ایسے ہی بندہ نہ تقدیر سے مستغنی ہے نہ بالکل بے قصور اس مثال سے بہت سے اعتراضات اٹھ جاتے ہیں۔

اذا ما الاله قضی امرہ فانت لما قد قضاہ السبب

تفسیر صوفیانہ: ہمارے نفوس امارہ وہ اسدی و غطفانی منافق ہیں جو روح و دل کو بھی راضی رکھنا چاہتے ہیں اور شیاطین و برے ساتھیوں کو بھی اے مسلمانو اس منافق کی چال سے بے خبر نہ رہنا اولاً تدبیر کرو کہ نفوس امارہ ٹھیک ہو جائیں لیکن اگر کسی تدبیر سے یہ اپنی حالت نہ بدلیں تو انہیں مجاہدہ و ریاضات کی تلوار سے اس طرح قتل کر دو کہ پھر وہ تمہارے مقابلہ میں آنے کی ہمت نہ کر سکے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مجاہدہ کفار آسان ہے مگر مجاہدہ نفس امارہ بہت مشکل ہمارا جسم میدان جہاد ہے، قلب و روح مومن ہیں نفس و شیطان کفار ہر وقت ان کی جنگ لگی ہوئی ہے مبارک ہے وہ جو اس جہاد میں کامیاب رہے یہ فتحمندی ہماری بہادری سے نہیں بلکہ رب تعالیٰ کے کرم سے ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گر بہ پرانیم تیر آں نے زماست ماکمان و تیر اندازش خداست

ایں نہ جبر ایں معنی جباری است ذکر جباری برائے زاری است

زاری باشد دلیل اضطرار خجلت باشد دلیل اختیار

غرض یہ ہے کہ مرتے وقت تک ہمیشہ یہ جہاد کرتے رہو اور رب تعالیٰ سے فتحمندی کی دعائیں مانگتے رہو۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا

اور نہیں ہے درست کسی مومن کو یہ کہ قتل کرے کسی مسلمان کو مگر غلطی سے اور جو کوئی قتل کر دے کسی مسلمان کو

اور مسلمان کو نہیں پہنچتا کہ مسلمان کا خون کرے مگر ہاتھ بہک کر اور جو کسی مسلمان کو نادانستہ قتل کرے تو اس

خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ

غلطی سے تو آزاد کرنا ہے ایک گردن مسلمان کا اور خون بہا ہے پہنچایا ہوا طرف گھر والوں اس مقتول کے مگر

پر ایک مسلمہ مملوک مسلمان آزاد کرنا ہے اور خون بہا کہ مقتول کے لوگوں کو سپرد کی جاوے مگر یہ کہ

يَّصَّدَّقُوْا ۚ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

یہ کہ صدقہ کر دیں وہ پس اگر ہو وہ مقتول ایسی قوم سے جو دشمن ہے تمہاری حالانکہ وہ خود

وہ معاف کر دیں پھر اگر وہ اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور خود مسلمان ہے تو صرف ایک مملوک

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۗ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ

مومن ہو تو آزاد کرنا ہے گردن مومنہ کا اور اگر ہو اس قوم سے کہ درمیان تمہارے اور درمیان ان کے

مسلمان کا آزاد کرنا اور اگر وہ اس قوم میں ہو کہ تم میں ان میں معاہدہ ہے تو اس کے لوگوں کو خون بہا

فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ

عہد ہے تو خون بہا ہے سپرد کیا ہوا طرف گھر والوں اس کے اور آزاد کرنا ہے گردن مومنہ کا پس جو نہ

سپرد کی جاوے اور ایک مسلمان مملوک آزاد کرنا تو جس کا ہاتھ نہ پہنچے وہ لگاتار دو مہینے کے

يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ

پائے تو روزے ہیں دو ماہ کے مسلسل توبہ اللہ کی طرف سے اور ہے اللہ جاننے

روزے رکھے یہ اللہ کے یہاں اس کی توبہ ہے اور اللہ جاننے والا

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾

والا حکمت والا۔

حکمت والا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کفار کی اجازت دی تھی اس جہاد کے متعلق غلطیوں کی تلافی کا ذکر ہو رہا ہے کہ اگر جہاد میں مسلمانوں کے ہاتھوں کوئی مسلمان غلطی سے مارا جائے تو اس کا کفارہ کیا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان لوگوں کا ذکر تھا جن کو قتل کر دینا جائز ہے اب ان کا ذکر

ہے جس کا قتل کرنا حرام ہے یعنی قتل مومن کہ اگر یہ قتل حرام سرزد ہو جائے تو کیا حکم ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کو عمداً قتل کرنے کے احکام تذکرہ تھا اب اس آیت میں مومن کو شبہ و غلطی سے قتل کرنے کے احکام کا ذکر ہے غرضکہ قتل حلال کے بعد قتل حرام کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں مرتدین کے قتل میں احتیاطوں کا ذکر تھا کہ اگر وہ فلاں فلاں کام کرلیں تو انہیں قتل کرنے کی کوئی راہ نہیں۔ اب مسلمانوں کے قتل میں سخت احتیاطوں کا ذکر ہے کہ جب مرتدین و کفار کے قتل میں اتنی احتیاط ہے تو مومن کے قتل میں کتنی احتیاط ہونی چاہئے۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق چند روائتیں ہیں (1) عیاش ابن ربیعہ جو ابو جہل ابن ہشام اور حارث ابن ہشام کے ماں شریکے یعنی سوتیلے بھائی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں مسلمان ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے پھر کفار کے خوف سے مدینہ منورہ پہنچ گئے عیاش کی والدہ کو عیاش سے بڑی محبت تھی اس نے ابو جہل و حارث سے کہا جو اس کے بیٹے تھے کہ جب تک میں عیاش کو نہ دیکھوں' نہ کچھ کھاؤں' نہ پیئوں' نہ سایہ میں بیٹھوں' اسے بلا کر لاؤ۔ یہ دونوں یعنی ابو جہل و حارث نے اپنے ساتھ حارث ابن زید ابن ابی امیہ کو لے لیا یہ تینوں مدینہ منورہ پہنچے اور انہوں نے عیاش کو پا لیا ان سے ماں کا حال بیان کرکے انہیں خدا تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہا کہ گھر چلو اور ماں کی جان بچاؤ اور ہم اللہ تعالیٰ کو ضامن دیتے ہیں کہ تم کو دین کی آزادی دیں گے جو دین چاہو اختیار کرو عیاش نے ان کی بات مان لی اور ان کے ساتھ روانہ ہو گئے حدود مدینہ سے باہر نکل کر ان تینوں نے عیاش کی مشکیں باندھ دیں اور ہر ایک نے سو سو کوڑے انہیں مارے اور قیدی کی شکل میں مکہ معظمہ لائے ان کی ماں بولی کہ جب تک تم اسلام نہ چھوڑ دو تم کو نہ کھلاؤں گی نہ سایہ میں رکھوں گی۔ چنانچہ یہ یوں ہی بندھے ہوئے بھوکے پیاسے دھوپ میں ڈال دیئے گئے آخر جب جان سے تنگ آگئے تو بظاہر کفر اختیار کر لیا۔ حارث ابن زید نے بطور طعنہ کہا کہ اگر اسلام جھوٹا دین تھا تو تم اتنے روز تک گمراہ رہے اور اگر سچا دین ہے، تو تم اب گمراہ ہو گئے عیاش بولے کہ یہ دونوں ابو جہل و حارث ابن ہشام تو میرے سوتیلے بھائی مجھے جو چاہیں کہیں تم ہمارے معاملہ میں دخل دینے والے کون۔ اللہ کی قسم جب بھی میں تم کو اکیلا پاؤں گا قتل کر دوں گا ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پاک کی طرف ہجرت فرمائی موقعہ پا کر عیاش مسلمان ہو کر مدینہ منورہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حارث ابن زید بھی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حارث ابن زید کے اسلام کی خبر عیاش کو نہ تھی مسجد قبا شریف کے پاس عیاش نے حارث کو اکیلا دیکھا تو قتل کر دیا لوگوں نے عیاش سے کہا کہ یہ تم نے کیا کیا یہ تو مسلمان ہو چکے تھے تب ان کو بہت افسوس ہوا بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خازن۔ روح المعانی۔ تفسیر کبیر۔ خزائن العرفان وغیرہ)۔ (2) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ایک لشکر میں تشریف لے گئے آپ دوران سفر میں استنجاء کے لئے گئے تو ایک شخص کو دیکھا جو بکریاں چرا رہا تھا آپ نے اس کو قتل کرنا چاہا اس نے کلمہ پڑھا آپ سمجھے کہ یہ بکریاں بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے اسے قتل کر دیا بکریوں پر قبضہ کر لیا اس کے بعد یہ واقعہ بارگاہ رسالت میں عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضی کا اظہار فرمایا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں کفارہ اور دیت کا حکم دیا گیا (تفسیر روح المعانی و کبیر) (3) حضرت عروہ ابن زبیر فرماتے ہیں کہ غزوۂ احد میں حذیفہ ابن یمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ تھے غازیان احد نے حضرت یمان کو مشرک سمجھ کر گھیر لیا اور قتل کرنے لگے حضرت حذیفہ کہتے رہے کہ یہ تو میرے والد ہیں کسی نے نہ سنا اور انہیں قتل کر دیا۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی تمہیں بخشے تم نے ایک بندہ مومن یعنی میرے باپ کو قتل کر دیا پھر یہ واقعہ بارگاہ رسالت میں پیش ہوا۔ حضور کو بہت افسوس ہوا اور اس واقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر)۔

تفسیر : **وما کان لمؤمن ان یقتل مؤمنا الا خطاء** یہ مستقل علیحدہ جملہ ہے قتل حرام کے احکام بیان فرمانے کے لئے **ماکان** نفی دوام کے لئے ہے اور **لمؤمن** سے پہلے جائزا" یا لائقا" پوشیدہ ہے یہ کان کی خبر مقدم ہے اور **ان یقتل** بمعنی مصدر ہو کر کان کا اسم موخر اس قتل سے مراد قتل ناحق ہے۔ یعنی کسی مسلمان کو نہ جائز تھا نہ جائز ہے نہ جائز ہو گا کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا **الاخطاء** کی بہت تفسیریں ہیں۔ آسان تفسیر یہ ہے کہ **الا** بمعنی **لکن** ہے اور خطاء سے پہلے **ان یقتل** پوشیدہ ہے **خطا** حال ہے اور **فتحریر رقبۃ** اس عبارت کی گویا خبر (خازن) یعنی لیکن اگر مومن کو خطا قتل کر دیا تو اس پر کفارہ غلام آزاد کرنا ہے اور دیت ادا کرنا تفسیر روح المعانی نے الا خطا کی اور پانچ چھ ترکیبیں کی ہیں مگر یہ ترکیب آسان ہے قتل خطا کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کافر یا شکاری جانور کو گولی مار رہا تھا کہ کوئی مسلمان آدمی زد میں آکر مارا گیا یہ خطا فی الفعل ہے دوسرے یہ کہ کسی مسلمان کو حربی کافر سمجھ کر قتل کر دیا بعد میں پتہ لگا کہ یہ مسلمان ہے۔ یہ خطا فی الارادہ ہے۔ **و من قتل مؤمنا خطا** پچھلے جملہ میں تو یہ بتایا گیا تھا کہ مومن کو عمدا" قتل کرنا سخت گناہ اور عذاب الٰہی کا سبب ہے ہاں اگر خطا" قتل ہو جائے تو وہ جرم نہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ قتل جرم تو نہیں مگر پھر بھی اس پر کفارہ و دیت ہے من سے مراد مسلمان آدمی ہے قتل سے مراد خطا" قتل ہے۔ جو ناحق ہو مومنا" سے مراد مطلق مومن ہے متقی ہو یا گنہگار مرد ہو یا عورت بچہ ہو یا جوان یا بوڑھا خطاء سے مراد ہر خطا ہے خواہ **خطا فی الفعل** ہو یا **خطا فی الارادۃ** جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا **فتحریر رقبۃ مؤمنۃ** یہ عبارت من کی خبر ہے اس سے پہلے علیہ یا وجب علیہ پوشیدہ ہے تحریر کے معنی ہیں حر یعنی کامل کر دینا ہے عربی میں ہر عزت والے کو حر کہتے ہیں۔ رخسار کے حسن کو حر الوجہ کہتے ہیں پرندہ آزاد کر دینے کو احرار الطیر کہا جاتا ہے۔ لکھنے کو تحریر اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے کاغذ کی عزت بڑھ جاتی ہے رقبہ گردن کو کہتے ہیں مگر اس سے مراد پورا انسان ہوتا ہے۔ جزء بول کر کل مراد لیتے ہیں چونکہ رقبۃ مونث تھا اس لئے مومنہ بھی مونث ارشاد ہوا مومنہ سے مراد مطلق مسلمان غلام ہے خواہ پرانا مسلمان ہو یا نیا یعنی خطاء" قاتل پر ایک تو کفارہ واجب ہے وہ کفارہ کیا ہے مومن غلام کو آزاد کر دینا خواہ غلام کو آزاد کرے یا لونڈی کو چونکہ اس قاتل نے ایک مومن کو موت کے گھاٹ اتارا ہے اس لئے اسے چاہئے کہ ایک مردہ کو زندگی بخشے غلام ہونا موت ہے آزاد کرانا اسے زندگی بخشا ہے اور دوسرے **ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ** دیت ودی سے بنا بمعنی بہنا اسی لئے جنگل کو وادی کہتے ہیں کہ وہاں بارش میں عموما" پانی بہتا ہے۔ ودی کا واؤ گرا کر اس کے عوض آخر میں ت لگا دی گئی اب اصطلاح شریعت میں دیت خون مسلم کا وہ مالی معاوضہ ہے جو مقتول کے وارثوں کو دیا جائے چونکہ یہ مال خون بہانے کے عوض میں ہوتا ہے اس لئے اسے عربی میں دیت اور فارسی میں خون بہا کہتے ہیں۔ مسلمۃ فرما کر یہ بتایا کہ دیت میں ضروری ہے کہ مقتول کے وارثوں کو خون بہا کا مالک بھی کر دیا جائے اور قبضہ بھی دے دیا جائے اہلہ سے مراد مقتول کے تمام وارث قرابتدار ہیں خواہ ذی فرض ہوں جیسے بیوی ماں وغیرہ یا عصبہ جیسے بیٹا بھائی وغیرہ لفظ اہل

تین معنی میں آتا ہے اولاد بیویاں حق دار یعنی وارث قرابت دار یہاں تیسرے معنی میں ہے قرآن کریم میں زیادہ تر بیویوں کو اہل فرمایا گیا۔ جیسے **فقال لاهله انی انست نارا** یا جیسے **واذ غدوت من اهلك** یا جیسے رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت جو کہتے ہیں کہ اہل صرف اولاد ہے وہ یہاں **الی اهله** میں اہل کے کیا معنی کریں گے وغیرہ یعنی خطاء" قتل کرنے والا اس خون کے عوض مقتول کے وارثوں کو مال دے جو انہیں سپرد کر دیا جائے جسے وہ آپس میں میراث کی طرح تقسیم کرلیں خیال رہے کہ اگر مقتول کا وارث کوئی نہ ہو تو بیت المال میں یہ دیت رکھی جائے جیسے کہ میت کے متروکہ مال کا حکم ہے کہ اگر اس کا وارث نہ ہو تو اس کا مال بیت المال کا ہے اور اس قتل خطا کی دیت قاتل کے عصبہ وارث دیں گے اور اس کی مدت تین سال ہو گی۔ چونکہ قتل خطا میں شریعت کی بھی حق تلفی ہے کہ محترم جان کا قتل ہے اور بندوں کی بھی حق تلفی کہ مقتول کی بیوی بیوہ ہو گئی۔ بچے یتیم ہو گئے اس لئے اس کی سزائیں بھی دو ہوئیں شرعی حق تلفی کا کفارہ غلام آزاد کرنا جو حق اللہ ہے کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہو سکتا اور بندوں کی حق تلفی کی سزا دیت یعنی خون بہا دینا جو حق العباد ہے جسے وہ حق دار آپس میں بقدر حق تقسیم کر لیں گے۔ سبحان اللہ کیا عدل و انصاف ہے **الا ان يصدقوا** اس عبارت کا تعلق صرف دیت سے ہے کفارہ سے نہیں **يصدقوا** اصل میں **يتصدقوا** تھا باب تفعل کا مضارع ت کو ص سے بدل کر ص میں ادغام کر دیا **تصدق** کے معنی ہیں صدقہ خیرات کرنا' یہاں معاف کرنا مراد ہے چونکہ اس معافی میں صدقہ کا ثواب ملتا ہے اس لئے اسے صدقہ فرمایا گیا ہے جیسے ہر نیکی کو صدقہ فرمایا گیا ہے **يصدقوا** کا فاعل اہل مقتول ہیں چونکہ وارثوں کی جماعت تھی اس لئے اس کو جمع فرمایا گیا یعنی قاتل پر دیت دینا واجب ہے لیکن اگر مقتول کے ورثاء معاف کر دیں تو دیت واجب نہیں صرف کفارہ یعنی غلام آزاد کرنا واجب ہو گا۔ **ان يصدقوا** جمع فرما کر اشارۃ" یہ بھی بتایا کہ اگر سارے وارث معاف کر دیں تو دیت معاف ہو گی اور اگر بعض وارث کریں تو ان کا حصہ معاف ہو گا" ساری دیت معاف نہ ہو گی۔ بخلاف قصاص کے کہ اگر قصاص ایک وارث بھی معاف کر دے تو معاف ہو جائے گا۔ یہاں تک تو اپنی قوم مسلم کے مسلمان مقتول کے قتل کا حکم تھا اب اس مقتول کا حکم بیان ہو رہا ہے جو خود تو مسلمان ہو مگر اس کی قوم کافر ہو۔ **فان كان من قوم عدو لكم وهو مومن** یہ "قتل خطا" کی دوسری صورت ہے کان کا اسم ہو ضمیر ہے جس کا مرجع مقتول خطا" ہے قوم عدو سے مراد حربی کفار ہیں جن سے مسلمانوں کی نہ صلح ہے نہ معاہدہ نہ وہ ہمارے ملک میں ذمی بن کر رہتے ہیں نہ وہ عارضی امن لے کر ہمارے ملک میں آئے **هو** مومن کے معنی یہ ہیں کہ وہ مقتول خطا" مومن ہے مگر اس قاتل مومن کو اس کے اسلام کا پتہ نہ لگا وہ سمجھا کہ یہ کافر ہو گا کیونکہ وہ کافروں کے ملک میں رہتا تھا۔ کافروں ہی کی قوم سے تھا یعنی اگر خطا" مقتول تو کفار حربی کی قوم سے تھا مگر خود مومن تھا اس کے ایمان کا اس قاتل کو پتہ نہ چلا اس لئے اس نے کافر سمجھ کر اسے قتل کر دیا۔ **فتحرير رقبة مومنة** یا اس "قتل خطا" کی جزا ہے یعنی اس صورت میں صرف کفارہ قاتل پر واجب ہو گا ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کر دینا۔ دیت و خون بہا ادا کرنا لازم نہیں کیونکہ خون بہا یا دیت مقتول کے وارث لیتے ہیں جو وراثت کی طرح آپس میں تقسیم کرتے ہیں اور کفار مومن میت کے وارث نہیں ہو سکتے اختلاف دین وراثت سے مانع ہے اس لئے دیت واجب نہیں کہ اسے لینے والا کوئی نہیں نیز بندوں کی حق تلفی جب ہوتی ہے جبکہ تلف کی ہوئی چیز حق ہو اور بندہ حقدار ہو کسی مسلمان کی شراب گرا دی سور مار دیا یا طبلہ سارنگی توڑ دی تو ضمان نہیں کہ یہ چیزیں حق نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت توڑ دیئے تاوان واجب نہیں ہوا کہ یہ چیزیں کسی کا حق نہ تھیں اور کافر حربی حقدار نہیں کہ مسلمانوں پر ان کا حق نہیں گائے بھینس کے بچے ذبح

کر کے کھا لیتے ہیں ان جانوروں کی حق تلفی نہیں اس لئے اس قتل میں حق العبد نہیں لہٰذا دیت نہیں۔ نیز اگر یہ قتل دیت واجب کر دیا کرے تو لوگ جہاد کرنا چھوڑ دیں گے کیونکہ جہاد میں بہت دفعہ غازیوں کے ہاتھوں کفار کے ملک میں رہنے والے مسلمان شہید یا قتل ہو جاتے ہیں پھر تو جہاد ناممکن ہو جائے گا۔ بہرحال اس قتل میں دیت نہیں صرف کفارہ ہے **وان کان من قوم بینکم و بینھم میثاق** یہ قتل خطا" کی تیسری صورت ہے یہاں کان کا اسم خطاً "مقتول ہے جو کہ کافر ہے یہی احناف کا مذہب ہے میثاق سے مراد دائمی یا عارضی مصالحت ہے یعنی اگر مقتول ہو تو کافر مگر ایسی کافر قوم کا ایک فرد ہو جن سے تمہارا معاہدہ ہے یا اس طرح کہ وہ قوم تمہاری ذمی بن کر تمہارے ملک میں رہتی ہے یا وہ قوم امان لے کر عارضی طور پر تمہارے ملک میں آتی ہو اور ان کا ایک آدمی شبہ سے مسلمان کے ہاتھوں مارا گیا تو اس کی جزا یہ ہے کہ **فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ و تحریر رقبۃ مؤمنۃ** کہ یہ قاتل اس کافر مقتول کے وارثوں کو پوری دیت جو مسلمان مقتول کی ہوتی ہے وہ ادا کرے اور ساتھ ہی ایک مسلمان غلام آزاد کرے خیال رہے کہ یہاں دیت کا ذکر پہلے ہے غلام آزاد کرنے کا ذکر بعد میں۔ جس سے اشارۃً بتایا جا رہا ہے کہ اس مقتول کی دیت بہت جلدی فوراً ادا کرو غلام بعد میں بھی آزاد کرتے رہنا تاکہ تم پر عہد کی مخالفت کا الزام نہ آئے نیز اگر وہ کافر قوم جلد اپنے وطن کو لوٹ جائے تو پھر دیت کون لے گا چونکہ کافر کافر کا وارث ہوتا ہے اس لئے اس مقتول کی دیت اس کے وارثوں کو دلوائی گئی لہٰذا مذہب احناف بہت قوی ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہاں ذمی یا مستامن قوم کا مومن مقتول مراد ہے مگر ان پر سوال یہ ہے کہ اس کی دیت کون لے گا کافر مومن کا وارث نہیں پھر دیت کسے دی جائے **فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین** یہ ایک اور صورت ہے من سے مراد قاتل ہے اور **لم یجد** کا مفعول غلام و لونڈی ہے نہ کہ دیت وہ تو بہرحال ادا کرنا ہو گی کیونکہ قتل خطا" کی دیت قاتل کے عصبہ وارثوں پر ہوتی ہے جو چندہ کر کے اسے دیں یعنی جو قاتل کفارہ کے لئے نہ تو غلام پائے نہ اس کی قیمت جس سے غلام خرید کر آزاد کرے تو اس پر واجب ہے کہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے بیچ میں افطار نہ کرے اگر بلا عذر بیچ میں افطار کر لیا تو از سر نو روزے رکھے اور اگر عذر سے کوئی روزہ رہ گیا تو بقیہ روزے پورے کرے (روح المعانی وغیرہ) اور اگر بغیر روزے رکھے قاتل فوت ہو گیا تو اس کا ولی روزوں کا فدیہ دے روزے کی عوض آدھا صاع یعنی سوا دو سیر گندم) روح) **توبۃ من اللہ** یہ کفارہ واجب ہونے کا مفعول لہ ہے توبۃً شرع پوشیدہ فعل کا مفعول ہے **من اللہ** توبۃً کا حال یعنی یہ غلام آزاد کرنا اور غلام نہ ہونے کی صورت میں دو ماہ کے روزے اس لئے مشروع ہوئے کہ تمہاری اس غلطی سے توبہ ہو جائے یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے **و کان اللہ علیما حکیما** کان کے متعلق بارہا عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ دوام و استمرار کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہمیشہ تک علم و حکمت والا ہے اس کے احکام میں صدہا حکمتیں ہیں لہٰذا اس نے جو قتل خطا" کی ان صورتوں میں یہ احکام جاری فرمائے اس میں اس کی صدہا حکمتیں ہیں خواہ تمہاری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں کیونکہ حکیم کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا لہٰذا تم اس میں بحث نہ کرو بلکہ اس پر عمل کرو۔

خلاصہ ء تفسیر : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قتل خطا کی تین صورتیں بیان فرمائیں اور ان تینوں کے احکام تفصیل وار ارشاد فرمائے ایک یہ کہ مسلم قوم کا مسلم آدمی مسلمان کے ہاتھ خطا" مارا جائے دوسرے یہ کہ کفار حربی قوم کا مسلمان آدمی مسلمان کے ہاتھوں خطا" مارا جائے تیسرے یہ کہ ذمی یا مستامن کفار قوم کا کافر آدمی مسلمان کے ہاتھوں خطا" مارا جائے لہٰذا ارشاد ہوا کہ

مسلمان کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ کسی مومن کو عمداً قتل کرے۔ مومن کے تو معنی ہیں امان دینے والا' امان دلانے والا جب اس کے نام میں امان ہے تو کیسے ہو سکتا ہے نام تو اس کا ہو مومن اور اس کا کام ہو قتل و غارت گری ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کو خطاً قتل کر دے کہ اس کے ہاتھوں کوئی ارادہ یا فعل کی خطاء سے مارا جائے اس قتل خطا کا حکم یہ ہے کہ اگر مسلمان قوم کا مسلمان آدمی اس سے خطاً مارا گیا تو وہ قاتل بطور کفارہ ایک مومن غلام یا لونڈی کو آزاد کرے تاکہ حق اللہ ضائع ہونے کا گناہ معاف ہو جائے اور ساتھ ہی مقتول کے وارثوں کو خون بہا سو اونٹ اگر یہ نہ ملیں تو ایک ہزار اشرفیاں دے جسے وہ وارثین آپس میں مقتول کی میراث کی طرح تقسیم کر لیں کہ اس خون بہا سے مقتول کا قرض بھی ادا کریں اور اس کے ذی فرض و عصبہ وارثوں کو بھی بقدر حصہ دیں۔ ہاں اگر مقتول کے وارث لوگ خون بہا معاف کر دیں یا کل یا بعض تو ان کی اپنی مرضی۔ کیونکہ خون بہا ان کا اپنا حق ہے جسے وہ معاف کر سکتے ہیں' لیکن اگر مقتول تو مومن تھا مگر اس کی قوم کافر حربی تھی' وہ مسلمان کے ہاتھوں جہاد وغیرہ میں مارا گیا تو اس کی جزاء صرف ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے۔ اس میں دیت نہیں کیونکہ دیت میت کے وارثوں کو ملتی ہے۔ اس مقتول کا وارث کوئی تھا ہی نہیں کہ کفار مومن کے وارث نہیں ہوتے اور اگر مقتول کافر قوم کا کافر فرد تھا مثلاً ذمی یا مستامن تھا جو مسلمان کے ہاتھوں خطاً مارا گیا تو اس کی جزاء یہ ہے کہ یہ قاتل بہت جلد اس کی دیت اس کے وارثوں کو ادا کرے۔ جسے وہ آپس میں بطور میراث بانٹ لیں اور خلاف معاہدہ حرکت صادر ہو جانے کی وجہ سے کفارہ کے طور پر ایک مومن غلام یا لونڈی آزاد کرے۔ ہاں اگر اسے غلام نہ ملے نہ اس کی قیمت اس کے پاس ہو کہ خرید کر آزاد کر دے تو یہ قاتل اس لونڈی غلام کی عوض دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے کہ بیچ میں بالکل افطار نہ کرے' مگر اسے دیت تو بہرحال دینا ہوگی' وہ کسی صورت سے معاف نہیں ہو سکتی۔ یہ احکام تمہارے لئے بطور توبہ رب کی طرف سے ہیں' ان پر ضرور عمل کر کے اپنی عاقبت درست کر لو۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے' اس کے کلام علم و حکمت پر مبنی ہیں۔ لہٰذا بغیر چون و چرا قبول کر لو۔ بجائے بحث کرنے کے عمل کرو۔

قتل کی صورتیں

قتل کی تین صورتیں ہیں۔ قتل عمد' قتل شبہ عمد' قتل خطا' اور ان کے الگ الگ احکام ہیں۔ قتل عمد یہ ہے کہ قاتل قتل کے ارادے ایسے ہتھیار سے قتل کرے جو قتل کے لئے بنایا ہو جیسے چاقو' چھری' تلوار' وغیرہ اس قتل میں بعض صورتوں میں قصاص واجب ہوتا ہے یا دیت مغلظہ جو فوراً قاتل اپنے مال سے ادا کرے۔ قتل شبہ عمد یہ ہے کہ انسان بارادہ قتل کسی ایسے ہتھیار سے قتل کرے جو قتل کے لئے بنا نہیں۔ جیسے چھڑی' لاٹھی' چھوٹا پتھر' نازک جگہ پر مار کر ہلاک کر دے' اس میں قصاص نہیں بلکہ دیت مغلظہ ہے جو قاتل کے وارثوں پر تین سال تک ادا کرنی واجب ہوگی۔ قتل خطا' اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شکار یا مشرک کو مار رہا تھا کہ مسلمان کے لگ گئی اور وہ ہلاک ہو گیا اسے خطاً فی الفعل کہتے ہیں یا کسی مسلمان کو کافر حربی سمجھ کر قتل کر دیا اسے خطاً فی الارادہ یا خطاً فی القصد کہتے ہیں۔ اس میں قاتل کے عصبہ وارثوں پر دیت خفیفہ تین سال میں ادا کرنا لازم ہے۔ خیال رہے کہ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک لاٹھی غلیل سے مارنا یا گھونسہ تھپڑ یا گلا گھونٹ کر ہلاک کرنا قتل عمد نہیں قتل عمد میں قتل کے لئے بنایا ہوا ہتھیار ضروری۔

دیت کا بیان : خون ناحق کا معاوضہ مالی جو بعض صورتوں میں واجب ہوتا ہے اسے دیت کہتے ہیں۔ دیت دو قسم کی ہے'

دیت مغلظہ' دیت خفیفہ۔ دیت مغلظہ یہ ہے کہ قاتل کی طرف سے مقتول کے وارثوں کو سو اونٹ اس طرح دیئے جائیں کہ ان میں تیس حقہ تیس جذعہ اور چالیس خلفہ یعنی حاملہ اونٹنیاں ہوں۔ حقہ و جذعہ کے معنی ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے' یہ دیت مغلظہ قتل عمد میں واجب ہوتی ہے جبکہ مقتول کے وارثین قصاص معاف کردیں' دیت لینے پر راضی ہو جائیں یہ دیت مغلظہ قاتل اپنے مال سے فوراً" ادا کرے گا۔ قتل شبہ عمد میں بھی یہ ہی دیت مغلظہ ہے مگر یہ دیت قاتل کے عصبہ وارثوں پر واجب ہوگی جو وہ تین سال میں قسط وار ادا کریں گے۔ دیت خفیفہ یہ ہے کہ قاتل کی طرف سے مقتول کے وارثوں کو بیس بنت مخاض یعنی ایک سالہ اونٹنیاں اور بیس جذعہ یعنی چار سالہ اونٹنیاں ادا کی جائیں یہ بھی سو ہوئیں مگر پانچ حصہ میں منقسم ہو کر۔ یہ دیت خفیفہ قتل خطا کی صورت میں قاتل کے عصبہ وارثوں پر تین سال کے عرصہ میں واجب ہوتی ہے۔ ہر سال تہائی دیت اگر قاتل اونٹ نہ پائے تو ایک ہزار اشرفیاں یا دس ہزار درہم ادا کرے ہم احناف کے ہاں مقتول مسلمان ہو یا ذمی کافر یا مستامن کافر اور کافر ذمی خواہ اہل کتاب سے ہو یا مجوسی یا مشرک ہو سب کی دیت یکساں ہے اور اگر مسلمان ان کفار میں سے کسی کو عمداً قتل کردے تو مقتول کے ورثاء قصاص لے سکتے ہیں۔ یہ مذہب احناف ہے۔ امام شافعی کے ہاں کافر کے بدلہ مومن کو قتل نہیں کر سکتے اور ان کے ہاں ذمی کافر اگر اہل کتاب ہے تو اس کی دیت تہائی ہے یعنی 33 اونٹ اور اگر مجوسی یا مشرک ہے تو اس کی دیت پانچواں حصہ یعنی بیس اونٹ نیز امام اعظم کے ہاں عورت و مرد بچہ جوان سب کی دیت یکساں ہے ان مسائل میں فریقین کے دلائل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو یا یہاں اس آیت کی تفسیر کے تحت تفسیر کبیر میں ملاحظہ فرماؤ کچھ دلائل تفسیر خازن میں بھی مذکور ہیں۔

قتل کی تفصیل : قتل کا کفارہ ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور یہ غلام یا لونڈی خود قاتل اپنے مال سے آزاد کرے اس کا بوجھ وارثوں پر نہ ہوگا۔ یہ کفارہ تین صورتوں میں واجب ہوتا ہے مسلمان کو خطا" قتل کردیا تو یہ کفارہ بھی دے اور دیت بھی ادا کرے۔ حربی کافر قوم کے مسلمان آدمی کو مار دیا تو صرف کفارہ ادا کرے ذمی یا مستامن کافر کو خطا" قتل کردیا تو یہ کفارہ بھی دے اور دیت بھی ادا کرے۔ خیال رہے کہ اگر غلام نہ ملے یا نہ مل سکے تو قاتل اس کے عوض دو ماہ کے لگاتار روزے رکھے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا گیا۔ یہ قرآنی مسائل خوب خیال میں رہیں شاید کبھی اللہ تعالیٰ اسلام کا راج قائم فرماوے تو یہ مسائل کام آئیں گے خدا تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ ہم کو اسلام کا راج دکھاوے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دیدہ دانستہ قتل مومن کی شان بلکہ مومن کے نام کے خلاف ہے مومن تو ہے ہی وہ جو دنیا میں امن و امان قائم کرے جیسا کہ **ما کان لمؤمن** کی تفسیر سے معلوم ہوا مگر آج مسلمان دوسرے اسلامی سبقوں کی طرح اس سبق کو بھی بھول گئے۔ بات بات پر مسلمان مسلمان کو ظلماً" قتل کر دیتے ہیں رب تعالیٰ ہم کو یہ بھولا ہوا سبق یاد دلا دے (آمین)۔ **دوسرا فائدہ:** ظلماً" قتل بہرحال برا ہے مگر مومن کو قتل کرنا بہت ہی برا۔ جیسا کہ **ان یقتل مؤمنا** فرمانے سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** خطاء" قتل بمقابلہ عمداً" قتل کے ہلکا ہے اس لئے خطا" قتل میں قصاص نہیں۔ عمداً" قتل میں قصاص ہے جیسا کہ **ومن قتل** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** ظلماً" قتل میں حق اللہ بھی ہے اور حق العبد بھی۔ حق اللہ کی معافی کے لئے کفارہ دے اور حق العبد کی معافی کے لئے قصاص یا دیت وغیرہ۔ **پانچواں فائدہ:** مقتول کے ورثاء دیت معاف کر سکتے ہیں کہ وہ ان کا اپنا حق تھا مگر کفارہ معاف نہیں کر سکتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جیسا کہ **الا ان**

یصدقوا کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** مقتول کے ورثاء دیت کا مال بطور میراث آپس میں تقسیم کریں بلکہ اس دیت سے پہلے مقتول کا قرض ادا کریں پھر تہائی سے وصیت پھر تقسیم میراث کہ ذی فرض اور عصبہ وغیرہ تمام ورثاء کو دیں۔ صرف عصبہ کا حق نہیں جیساکہ مسلمۃ الی اہلہ سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** مومن کے قتل عمد میں کفارہ نہیں صرف قصاص یا دیت ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں قتل خطاء" میں کفارہ کا ذکر فرمایا۔ خطاء" کی شرط سے معلوم ہو رہا ہے کہ کفارہ میں قتل خطا" چاہئے۔ امام شافعی کے ہاں قتل عمد میں بھی کفارہ ہے یہ آیت امام اعظم کی دلیل ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** قتل خطاء" میں غلام مومن ہی آزاد کیا جاسکتا ہے۔ کافر غلام آزاد نہیں کرسکتے۔ جیساکہ رقبۃ مؤمنۃ سے معلوم ہوا دوسرے کفاروں میں کافر غلام بھی آزاد کرسکتے ہیں کہ وہاں غلام میں مومن کی قید نہیں' نابالغ غلام جس کی ماں یا باپ مسلمان ہو دوسرا کافر اس کو یہاں کفارہ قتل میں آزاد کرسکتے ہیں کہ نابالغ بچہ ماں باپ میں سے مسلمان کے تابع ہو کر مسلمان مانا جاتا ہے۔ **نواں فائدہ:** جو مسلمان حربی کافروں میں رہتا ہو اور اپنا لباس وضع قطع کفار کی سی رکھے۔ اس کو دھوکہ سے قتل کردینے میں قصاص نہیں جیساکہ **من قوم عدو** سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** جس مسلمان کے رشتہ دار کافر حربی ہوں۔ اس کے قتل خطاء سے صرف کفارہ واجب ہے دیت نہیں۔ کیونکہ دیت مقتول کے ورثاء کو بطور میراث ملتی ہے اور کافر قرابتدار کو مومن کی میراث ملتی نہیں۔ یہ فائدہ **وهو مؤمن فتحرير رقبة** سے حاصل ہوا۔

مسئلہ : اگر کوئی کافر حربی اسلام لے آیا مسلمان غازی کو اس کے ایمان کی خبر نہ ہوئی۔ اس نے اس نومسلم کو یہ سمجھ کر قتل کر دیا کہ یہ حربی کافر ہے تو اس قتل سے صرف کفارہ واجب ہوگا۔ دیت یا قصاص نہیں۔ **گیارہواں فائدہ:** ذمی و مستامن کافر کا خون و مال مثل مسلمان کے خون و مال کی طرح محفوظ ہے جو مسلمان کو خطا" قتل کرنے کی سزا ہے وہی ذمی و مستامن کو خطا" قتل کرنے کی سزا یعنی کفارہ دینا اور دیت اس کے وارثوں کو ادا کرنا جیساکہ **وان كان من قوم بينكم و بينهم ميثاق** سے معلوم ہوا۔ جب قتل خطا" کا یہ حکم ہے تو قتل عمد کا بھی حکم برابر ہوگا کہ مسلمان کا مال چوری کرنے سے چور کا ہاتھ کٹے گا یوں ہی اس کافر کا مال چرانے سے بھی چور کا ہاتھ کٹے گا یہ آیت کریمہ احناف کی دلیل ہے۔ **بارہواں فائدہ:** ہر جرم کی توبہ علیحدہ ہے جیسا جرم ویسی توبہ۔ دیکھو قتل خطاء" بھی جرم ہے مگر اس کی توبہ کے لئے صرف منہ سے توبہ توبہ کہہ دینا کافی نہیں بلکہ اس کی توبہ کے لئے کفارہ اور دیت لازم ہے۔ جیساکہ **توبة من الله** سے معلوم ہوا۔ **تیرہواں فائدہ:** رب تعالیٰ کے احکام بلا چون و چرا مان لینا چاہئیں خواہ ہماری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں یہ فائدہ **وكان الله عليما حكيما** سے حاصل ہوا۔ جب تم لائق حکیم کی دوا بلا بحث کھالیتے ہو' یہ سمجھتے ہوئے کہ حکیم قابل ہے تو رب تعالیٰ تو احکم الحاکمین ہے اس کے احکام بھی مان لو۔ **چودھواں فائدہ:** مرد و عورت دونوں کی دیت یکساں ہے جیساکہ اس آیت کے عموم سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ خطا" قتل جائز ہے دیکھو رب نے فرمایا **وما كان لمؤمن ان يقتل مؤمنا الا خطاء** " یعنی مسلمان کو جائز نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے مگر خطا" الا گزشتہ کلام کی نفی یا ثبوت کو توڑنے آتا ہے تو الاخطاء " سے گزشتہ گناہ کی نفی ہوگئی۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہوچکا ہے کہ لمؤمن سے پہلے جائزا" پوشیدہ نہیں بلکہ لائقا" یا مناسبا" پوشیدہ ہے اور یہاں الا بمعنی لکن ہے۔ آیت کے معنی یہ ہوئے کہ کسی مسلمان کو قتل کرنا مسلمان

کے لائق نہیں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ خطا" اس سے قتل واقع ہو جائے یہ خطاء" قتل شان مومن کے خلاف نہیں۔ دوسرا اعتراض: یہاں دو قتل یعنی مومن خطاء" اور قتل ذمی خطا" میں کفارہ اور دیت دونوں کیوں واجب ہوئے صرف ایک چیز کافی ہونا چاہئے تھی۔ جیسے چوری میں صرف ہاتھ کٹوایا جاتا ہے۔ جواب: اس لئے کہ قتل خطا" میں اللہ تعالیٰ کی حق تلفی بھی ہے اور بندے کی بھی کہ اس نے اللہ کے بندے کو ناحق مارا اور ان ورثاء کے عزیز کو ناحق قتل کیا اللہ کی حق تلفی کے لئے کفارہ واجب ہوا اور ان بندوں کی حق تلفی کی وجہ سے دیت واجب ہوئی۔ چور سے بھی علاوہ ہاتھ کاٹنے کے توبہ کرائی جاتی ہے مگر وہ توبہ زبانی ہوتی ہے اور یہاں توبہ عملی یعنی کفارہ ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر کفارہ میں مسلمان غلام ہی آزاد کیا جائے گا۔ جیسے کفارہ ظہار یا قسم و روزے کا کفارہ۔ کیونکہ قرآن مجید نے یہاں **رقبۃ مومنۃ** فرمایا اور قسم و ظہار وغیرہ کے کفارہ بھی کفارہ ہیں تو جو اس کفارہ کا حکم ہے وہی ان کفاروں کا حکم ہو گا (شافعی) یہ امام شافعی کی انتہائی دلیل ہے ان کے ہاں ہر کفارہ میں صرف مسلمان غلام آزاد ہو سکتا ہے۔ جواب: قرآن مجید کی ہر آیت پر عمل فرض ہے جو آیت مطلق ہو اس کے مطلق پر عمل کرو اور جو آیت مقید ہو اس کے مقید پر عمل کرو چونکہ بقیہ کفاروں میں ارشاد ہوا **فتحریر رقبۃ** وہاں مومنۃ کی قید نہیں لہذا وہاں اس طرح عمل کرو اور یہاں مومنۃ کی قید ہے تو یہاں مومنہ ہی آزاد کرو کسی آیت کو دوسری آیت کی وجہ سے مقید نہ کرو۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دیت ہر قسم کی خود قاتل ہی دے۔ اس کے وارثوں پر دیت واجب کرنا ظلم ہے کہ قتل تو کرے کوئی اور سزا بھگتیں کوئی (ابو بکر اصم و خوارج)۔ نوٹ: یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ خوارج کا مذہب یہ ہے کہ دیت خود قاتل کے مال سے ہو گی خواہ قتل عمد کی دیت ہو یا قتل خطا کی۔ جواب: جب وارث قرابت دار اس کے مرجانے پر اس کا مال بطور میراث لیتے ہیں تو اس کے مار ڈالنے یا قتل کر دینے کی صورت میں اس کی دیت بھی دیں نفع لیتے ہیں تو نقصان بھی برداشت کریں اس لئے قرآن کریم نے یہاں فرمایا **ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ** دیت مقتول کے وارثوں کو دو یہ نہ فرمایا کہ قاتل اپنے مال سے دے۔ پانچواں اعتراض: جب قتل خطا کا کفارہ یعنی غلام خود قاتل کے مال سے لازم ہوتا ہے اور قتل عمد کی دیت خود قاتل کے مال سے لوائی جاتی ہے تو چاہئے کہ قتل خطا کی دیت بھی خود قاتل کے مال سے ہو (خوارج)۔ جواب: یہ قیاس نص کے مقابل ہے جب حدیث شریف نے ان دونوں دیتوں میں فرق فرما دیا تو ہم کو قیاس کر کے اس نص کی مخالفت جائز نہیں۔ قرآن کو خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں کفارہ توبہ ہے اور توبہ خود مجرم پر کرنی واجب ہے اسلئے کفارہ قاتل کے مال سے ہوا۔ دیت حق العبد کا ادا کرنا ہے اور حق العبد دوسرا بھی ادا کر سکتا ہے میرا قرض میرا دوست یا وارث ادا کر سکتا ہے۔ چھٹا اعتراض: اگر قاتل کو ایسی آسانی دی گئی تو لوگ قتل پر دلیر ہو جائیں گے کہ قاتل قتل کرے اور اس پر صرف دو ماہ کے روزے ہوں اس کے رشتہ دار دیت دیں تو وہ قتل کیوں نہ کرے گا۔ جواب: یہ رعایت قتل خطا" میں ہے قتل عمد میں کوئی رعایت نہیں۔ قتل عمد میں یا تو قاتل کو قتل کیا جائے گا یا اس کے مال سے دیت لوائی جائے گی پھر قتل زیادہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ آج تو قتل خطا" پر کوئی سزا ہی نہیں۔ دن رات گاڑی موٹر ریل سے دب کر شکار پر فائر کرنے سے لوگ قتل ہوتے رہتے ہیں۔ موجودہ قانون ان قاتلوں سے کچھ نہیں کہتا بہت کیا تو دو چار سو جرمانہ کر کے خود حکومت نے لے لئے یا قاتل کو دو چار ماہ کی قید کر دی۔ اسلام پر اعتراض کرنے سے پہلے خود اپنے گریبان میں منہ ڈالو۔ ساتواں اعتراض: قتل خطا کی دیت

قاتل کے وارثوں پر واجب کرنا دوسری آیات کے خلاف ہے رب فرماتا ہے **لا تزر وازرۃ وزر اخری** کوئی نفس دوسرے نفس کا گناہ نہیں اٹھاتی اور فرماتا ہے **لا تکسب کل نفس الا علیھا** اور فرماتا ہے **وعلیھا ما اکتسبت** یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ گناہ کوئی کرے بھرے کوئی (خوارج)۔ **جواب:** تمہاری پیش کردہ آیات میں گناہ کا ذکر ہے گناہ واقعی کسی کا دوسرے پر نہیں پڑتا یہاں دیت وارثوں پر واجب کی گئی ہے نہ کہ گناہ دیت کا وجوب اس لئے ہے کہ یہ وارث اس کا مال بھی تو میراث میں لیتے ہیں مر جائے تو مال لو اور مار دے تو مال دو۔ **آٹھواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قتل خطا میں کفارہ توبہ کے لئے واجب ہوا توبہ گناہ سے ہوتی ہے۔ خطاکار تو گنہگار ہے ہی نہیں پھر توبہ کیسی۔ **جواب:** قتل خطا قدرے بے احتیاطی سے ہو جاتا ہے اس بے احتیاطی میں گناہ کا شائبہ ہے اگر احتیاط سے کام کرتا تو یہ خطا واجب صادر نہ ہوتی اور انسانی خون بہت قیمتی ہے۔ اس میں احتیاط ضروری ہے۔ دیکھو جو نماز سے سو جائے تو اس پر قضا واجب ہے اور اگر سو تارہ جانا اپنے قصور سے ہو کہ رات کو بلا وجہ زیادہ جاگے تو توبہ بھی لازم ہے۔

تفسیر صوفیانہ: قتل مومن ہمیشہ سے ہر دین میں حرام رہا کسی دین میں یہ جرم جائز نہ ہوا۔ دیکھو فرمایا گیا **ما کان لمومن ان یقتل مؤمنا** کبھی کسی دین میں مسلمان کو مسلمان کا قتل لائق نہ تھا۔ جب مومن کا قتل دنیاوی حرام ہوا تو اپنے کو جرم و گناہ کر کے عذاب الٰہی کا مستحق بنا لینا گویا اپنے کو قتل ناحق کرنا ہے یہ بھی سخت جرم ہے جیسے قاتل خطا قتل کر دینے پر کفارہ بھی ادا کرتا ہے اور دیت بھی ایسے ہی جو شخص رب تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنے کو خطا قتل کرے وہ اس جرم کا کفارہ بھی دے کہ اس کے عوض کوئی نیکی کرے اور خون بہا بھی دے کہ اپنے کو سزا خود دے لے جو شخص اس کفارہ و سزا کا عادی ہو جائے تو انشاء اللہ آئندہ گناہ کرنا چھوڑ دے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس کا تزکیہ مال خرچ کرنے سے بھی ہوتا ہے اور ترک دنیا سے بھی بھوک پیاس سے بھی اور مجاہدات سے بھی مگر مال کا خرچ ترک دنیا کے ذریعہ تزکیہ پر مقدم ہے بھوک پیاس سے تزکیہ اس کے بعد ہے کہ رب نے فرمایا **فمن لم یجد فصیام شھرین** سالک کا پہلا قدم ترک دنیا ہے دوسرا قدم ترک نفس و ترک صفات نفس ہے۔ مگر یہ نعمت رب کے کرم سے ملتی ہے محض اپنی کوشش سے نہیں ملتی۔

داد حق را قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت داد اوست!

دوسرے کا قتل تو کبھی کبھی ہوتا ہے مگر ہم اپنے کو قتل اکثر کرتے رہتے ہیں لہٰذا اپنے قتل کا قصاص و دیت و کفارہ ہمیشہ ادا کرتے رہنا چاہئے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ

اور جو قتل کرے کسی مومن کو جان کر ارادۃً بس سزا اس کی دوزخ ہے بہت رہے گا اس میں اور اللہ کا غضب

اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ مدتوں اس میں رہے اور اللہ نے اس پر غضب کیا

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝
اس پر اور لعنت کی اس نے اور تیار کیا اس کے لئے عذاب بڑا ۔
اور اس پر لعنت کی اور اس کے لئے تیار رکھا ہے بڑا عذاب

تعلق : اس آیت کا تعلق پچھلی آیت سے چند طرح ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں قتل خطا کی سزا کا ذکر تھا اب قتل عمد کے نتیجہ کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں قتل خطا کی دنیاوی سزا کا ذکر تھا اب قتل عمد کی اخروی سزا کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار کے قتل کے احکام ذکر فرمائے گئے اب مومن کے قتل کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

شان نزول : مقیس ابن خبابہ کنانی اور اس کا بھائی ہشام ابن صبابہ مدینہ منورہ میں مسلمان ہو گئے کچھ دن کے بعد مقیس نے اپنے بھائی ہشام کو قبیلہ بنی نجار کے محلہ میں قتل شدہ پایا مقیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اپنے بھائی ہشام کے قتل ہو جانے کی خبر دی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جو بنی فہر کے قبیلہ سے تھا۔ مقیس کے ساتھ بنی نجار کے پاس بھیجا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے ہیں کہ اگر تمہیں قاتل کا پتہ ہو تو اسے مقیس کے حوالے کر دو تاکہ اس سے قصاص لیا جائے اور اگر تمہیں قاتل کا پتہ نہ ہو تو تم سب مل کر ہشام کی دیت ایک سو اونٹ مقیس کو دے دو جب بنی نجار کو یہ پیغام پہنچا تو انہوں نے صدق دل سے کہا **سمعنا واطعنا** ہم کو قاتل کا پتہ نہیں البتہ ہم دیت دیئے دیتے ہیں چنانچہ انہوں نے سو اونٹ مقیس کے حوالے کئے۔ مقیس اور وہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا قاصد فہری مدینہ کی طرف واپس ہوئے۔ مقیس کے دل میں بدی آئی اس نے فہری کو قتل کر دیا اور دیت کے اونٹ لے کر مرتد ہو کر مکہ معظمہ بھاگ گیا اور خوشی میں یہ شعر گاتا ہوا بھاگا۔

قتلت به فهرا و حملت عقله سراة بنی النجاء ارباب فارع
وا درکت ثاری واضجعت موسدا وکنت الی الاوثان اول راجع

یعنی میں نے فہری کو قتل بھی کر دیا اور اپنے بھائی کی دیت بھی بنی نجار کے سرداروں سے لے لی۔ مجھے اپنا بدلہ خوب مل گیا اور اب میں اپنے بتوں کی طرف رجوع کرنے میں اول ہوتا ہوں۔ جب یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا اس واقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظمہ فتح فرمایا تو چند شخصوں کے متعلق اعلان فرمایا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں۔ ان میں یہ مقیس بھی تھا۔ چنانچہ مقیس خاص غلاف کعبہ سے لپٹا ہوا قتل کر دیا گیا (تفسیر خازن۔ روح المعانی و روح البیان وغیرہ)۔

تفسیر : **ومن يقتل مؤمنا متعمدا** " ظاہر یہ ہے کہ یہاں من سے مراد سارے عاقل انسان ہیں۔ مرد ہوں یا عورت، بالغ ہوں یا نابالغ، ہوشمند مومن ہوں یا کافر کیونکہ آگے جو سزا مذکور ہے وہ ان میں سے ہر قاتل کو ملے گی ہاں جو دیوانگی یا جنون میں کسی کو قتل کرے وہ اس سزا کا مستحق نہیں کہ اس کا قتل عمداً قتل نہیں اور ہو سکتا ہے کہ من میں جنات بھی داخل ہوں یعنی جو جن و انس کسی مسلمان کو قتل کرے وہ اس سزا کا مستحق ہے فرشتے اس میں داخل نہیں کہ حضرت ملک الموت کا تو کام موت

دیتا ہے۔ **یقتل** سے مراد مطلقاً" جان لے لینا ہے۔ دھار دار ہتھیار سے ہو یا لاٹھی پتھر سے گولی گولے سے گلا گھونٹ کر ہو یا زہر دے کر یا زہر دلوا کر۔ ہتھیار اور غیر ہتھیار کا فرق قصاص میں ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی اس مقرر کردہ سزا میں "مومنا" سے مراد ہر مسلمان ہے' بچہ ہو یا بوڑھا عورت ہو یا مرد عاقل ہو یا دیوانہ اپنا ہو یا غیر متعمدا" میں تین باتیں ملحوظ ہیں ایک یہ کہ قاتل اس کے قتل کا ارادہ کرے دوسرے یہ کہ قاتل کو اس مقتول کے ایمان کی خبر ہو کہ یہ مومن ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ قتل ظلماً" ہو۔ قاتل جانتا ہو کہ یہ شخص شرعاً" قتل کا مستحق نہیں صرف نفسانی جوش سے اسے قتل کرے اگر ان قیود میں سے کوئی قید نہ پائی گئی تو اس قتل پر وہ سزا مرتب نہ ہوگی جو آگے آرہی ہے اور متعمدا" کی ان قیود سے بہت سی قسم کے اعتراضات خود بخود اٹھ جائیں گے ان قیود کے بغیر قتل عمد بنتا نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ وجوب قصاص کے لئے جو عمد شرط ہے اس عمد کے معنی اور ہیں ارادہ قتل ہونا خاص ہتھیار سے قتل کرنا اور اخروی عذاب کے لئے دوسرے معنی کا عمد ضروری ہے جو یہاں بیان کئے گئے **فجزاء ہ جہنم** یہ عبارت من مبتدا کی خبر ہے چونکہ من میں شرط کے معنی تھے اس لئے خبر میں ف آئی جزاء سے مراد یہاں سزا ہے جس کا قاتل مستحق ہے ہ کا مرجع من ہے یعنی قاتل جہنم سے مراد مطلقاً دوزخ ہے وہاں کا کوئی سا طبقہ ہو خیال رہے کہ جزاء مقرر ہونا اور ہے اور جزا مقررہ کا دینا کچھ اور یہاں سزا مقرر ہونے کا ذکر ہے۔ سزا دینے کا ذکر نہیں یعنی ہمارے ہاں قانون میں ایسے قاتل کی سزا دوزخ ہے یہ قانون کا ذکر ہے لہذا یہ آیت کریمہ عفو و کرم کی آیات و احادیث کے خلاف نہیں۔ جیسے **الا من تاب و امن و عمل عملا صالحا** یا جیسے **ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء** یا جیسے سرکار کا فرمان کہ جو مرتے وقت لا الہ الا اللہ پر مرے وہ جنتی ہے اگرچہ چور و زانی ہو کہ یہ آیت قانون کی ہے اور وہ آیات و احادیث رحم و کرم کی۔ **خالدا فیھا** یہاں خالدا" ایک پوشیدہ فعل کے فاعل کا حال ہے **یمکث** یا **یدخل**۔ **خالدا** خلود سے بنا بمعنی دراز ٹھہرنا یا بہت مدت تک رہنا۔ اگر اس کے ساتھ ابدا بھی مذکور ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ رہنا وہاں سے کبھی نہ نکلنا اور اگر ابدا کا ذکر نہ ہو تو مطلقاً دراز مدت رہنے کے معنی میں ہوتا ہے خواہ ہمیشہ رہتا ہو یا بہت عرصہ تک رہ کر نکل جانا (از تفسیر بیضاوی و صاوی) یہاں **خلدا** میں دونوں احتمال ہیں اگر قاتل کافر تھا یا اس قتل کی وجہ سے کافر ہوگیا کہ قتل مومن حلال جان کر کیا یا اسے مومن کی وجہ سے قتل کیا تو خالدا" کے معنی ہوں گے ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا اور اگر یوں ہی نفسانی شرارت سے قتل کیا ہے تو اس کے معنی ہوں گے بہت عرصہ وہاں رہنے والا **فیھا** کی ضمیر کا مرجع جہنم ہے یعنی یہ مومن کا قاتل وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا یا بہت عرصہ رہے گا یہ تقریر خیال میں رہے **وغضب اللہ علیہ** یہ عبارت خالدا" پر معطوف ہے چونکہ خالدا پوشیدہ عبارت سے مل کر پورا جملہ تھا اس لئے اس جملہ کا عطف اس پر جائز ہوا۔ غضب سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا اس سے بدلہ لینا خیال رہے کہ رب تعالیٰ کا غضب کافر پر خالص ہوگا جس میں رحمت کا کوئی شائبہ نہ ہو اور گنہگار مسلمان پر رحمت سے مخلوط غضب ہوگا۔ یہاں اگر روئے سخن کافر قاتل سے ہے تو پہلی قسم کا غضب مراد ہے اور اگر گنہگار مومن قاتل سے ہے تو دوسری قسم کا غضب مراد غضب یا بمعنی ماضی ہے یا بمعنی مستقبل یعنی یہ قاتل اللہ کے غضب میں آگیا یا آجاوے گا **ولعنہ** یہ عبارت غضب اللہ پر معطوف ہے لعنت بمعنی پھٹکار فرمادی یا آخرت میں پھٹکار فرمادے گا اور اسے اپنی رحمت سے دور رکھے گا۔ یہاں بھی یہ ہی خیال رہے کہ کافر پر لعنت اور قسم کی ہے۔ دوزخی گنہگار مومن پر دوسری قسم کی یہاں لعنت میں دونوں احتمال ہیں اگر کافر قاتل مراد ہے تو کفر والی لعنت ہوگی اور اگر مسلمان قاتل مراد ہے تو دوسری قسم کی لعنت قاتل پر دنیاوی غضب و لعنت یا تو مخلوق کا اس پر پھٹکار کرنا اس سے نفرت کرنا ہے جیسے یزید' حجاج' فرعون'

نمرود' وغیرہ پر اب تک ملامت ہو رہی ہے۔ یا نیک اعمال کی توفیق نہ ملنا ہے اور برے اعمال کی طرف دل کا رجحان ہے جیسے بعض غذائیں دل یا معدہ یا جگر کو ضعیف کرتی ہیں ایسے ہی بعض بدعملیاں دل کو سخت کرتی ہیں **واعدله عذابا عظیما** یہ چوتھی سزا ہے اور جملہ معطوف ہے لعنہ پر اعد کے معنی ہیں تیار فرمایا اعدلو کاضمیر لہ کا مرجع وہی قاتل ہے عذاب عظیم سے وہ سزا مراد ہے جو کسی کے اندازے اور وہم و گمان میں نہ آسکے یعنی اس قاتل کے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑا ہی عذاب تیار کر رکھا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں نہ آسکے۔

خلاصہ ء تفسیر : خیال رکھو کہ جو باہوش انسان مومن ہو یا کافر کسی مسلمان کو ظلماً" و ناحق کسی طرح کسی ذریعہ کسی ہتھیار سے قتل کر دے حالانکہ اس کا یہ قتل دانستہ طور پر یہ جانتے ہوئے ہو کہ میں ظلماً" قتل کر رہا ہوں یہ شخص قتل کے لائق نہیں تو اس قتل کی قانونی سزا ہمارے ہاں دوزخ ہے قانون یہ ہے کہ وہ شخص اس قتل کی وجہ سے دوزخ میں جائے۔ وہاں ہمیشہ رہے اگر کافر ہے یا وہاں بہت عرصہ تک رہے اگر گنہگار مومن ہے ایسے ظالم قاتل پر اللہ تعالیٰ کا غضب و غصہ ہے یا ہو گا یا رہے گا اور اس پر اللہ کی لعنت ہے یا ہو گی یا رہے گی اور ایسا قاتل دوزخ میں ایسے سخت عذاب کا مستحق ہے جو عذاب عظیم یعنی بہت بڑا عذاب ہے کہ کسی کے وہم و گمان میں نہ آسکے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دانستہ طور پر مومن کو ظلماً" قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے حتیٰ کہ بعض علماء نے اس آیت کی بنا پر فرمایا کہ کفر و شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ظلماً" قتل ہے۔ چنانچہ امام احمد و نسائی نے حضرت امیر معاویہ سے مرفوعاً" روایت کی کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر گناہ بخشا جا سکتا ہے سوا اس کے جو کفر پر مرجائے یا جو مومن کو عمداً" قتل کرے' اور ابن منذر ابن عدی' بیہقی نے حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی مسلمان کے ظلماً" قتل پر آدھی بات سے بھی مدد کرے تو قیامت میں اس کی پیشانی پر لکھا ہو گا **ایس من رحمتہ اللہ** یہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے حضرت براء ابن عازب سے روایت ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کا ہلاک ہو جانا ایک مسلمان کے قتل سے آسان تر ہے اگر تمام زمین و آسمان کی مخلوق ایک مومن کے قتل میں شریک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سب کو دوزخ میں ڈال دے۔ اصبہانی نے حضرت ابن عمیر سے روایت کی کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے 'اگر تمام جن و انس ایک مومن کے قتل پر جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو دوزخ میں اوندھے منہ جھونک دے (روح المعانی)۔

دوسرا فائدہ: اگر ایک مومن کو بہت سے لوگ مل کر قتل کر دیں یا ایک قتل کرے' دوسرے قتل میں مدد دیں تو سب ان مذکورہ سزاؤں کے مستحق ہیں جیسا کہ **من یقتل** کے عموم و اطلاق سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جس قتل کی یہ سزائیں مذکور ہوئیں وہ قتل ہے جو دانستہ طور پر ظلماً" ہو۔ خطاء اجتہادی سے قتل کرنا اس میں داخل نہیں۔ لہذا صحابہ کرام کی آپس کی جنگوں میں جو مسلمان قتل ہوئے ان کے قاتلوں کا نہ یہ حکم ہے نہ ان کی یہ سزا جیسا کہ متعمداً" کی قید سے معلوم ہوا کہ وہ قتل خطاء اجتہادی کی وجہ سے ہوئے لہذا وہ قتل عمد نہیں بلکہ قتل باشبہ ہیں۔ حضرت علی نے سمجھا کہ امیر معاویہ اور ان کے ساتھی باغی ہیں ان کا قتل حلال ہے۔ رب فرماتا ہے **فقاتلوا التی تبغی حتی تفیء الی امر اللہ** بغاوت کرنے والی جماعت کو قتل کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اور امیر معاویہ و عائشہ صدیقہ نے خیال فرمایا کہ حضرت علی جناب عثمان کے خون کا بدلہ لینے میں سستی کر رہے ہیں۔ ہم کو خون عثمان کے قصاص کا مطالبہ کرنے کا حق ہے۔ انہوں نے اس آیت سے استدلال

کیا۔ **فقد جعلنا لولیہ سلطانا** " یہ تھا جانبین کو شبہ لہذا وہ قتل عمداً نہ تھے جیسے کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کافر جانتے ہوئے قتل کر دے تو وہ قتل باشبہ ہے ایسے ہی جو بادشاہ کسی کو باغی جانتے ہوئے قتل کر دے تو وہ بھی قتل باشبہ ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کا عدل اور ہے فضل کچھ اور قانون اور ہے قدرت کچھ اور یہاں قانون کا ذکر ہے اور **ویغفر ما دون ذلک** میں رحم و کرم و قدرت کا ذکر ہے جیسا کہ **فجزاء ہ جھنم** سے معلوم ہوا۔ دیکھو یہاں یہ نہ فرمایا کہ ہم ایسے ظالم کو جہنم میں بھیجیں گے بلکہ فرمایا اس کی سزا دوزخ ہے یعنی دینا نہ دینا ہمارے عدل و فضل پر موقوف ہے۔ **پانچواں فائدہ:** ظالم قاتل کو بمقابلہ دوسرے گنہگار دوزخیوں کے عذاب بھی سخت ہو گا اور اس کی دوزخ میں رہنے کی مدت بھی زیادہ یہ فائدہ خالداً " سے اور عذاباً " عظیماً " سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اس آیت سے اشارۃً معلوم ہوا کہ فاسق گنہگار مسلمان پر بغیر نام لئے عمومی طور پر لعنت کر سکتے ہیں جیسے کہا جائے ظالم قاتل پر لعنت یا جھوٹے پر لعنت۔ مگر نام لے کر لعنت کرنا صرف کافر پر درست ہے' دوسرے پر نہیں۔ جیسا کہ لعنہ سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** جو ظالم قاتل قتل سے توبہ کر کے اور وارثوں کو قصاص یا دیت دے کر یا ان سے معاف کرا کر مرے تو انشاء اللہ اس سزا سے بچ جائے گا۔ جب کفر سے شرک سے توبہ ہو سکتی ہے تو قتل تو اس سے کم جرم ہے اس سے بھی توبہ ہو سکتی ہے۔ اور اگر بغیر توبہ و قصاص مرجائے تو اس کا معاملہ رب تعالیٰ کے سپرد ہے' چاہے تو کل قیامت میں اپنا حق خود معاف فرمادے' اور مقتول سے اس کا حق معاف کرادے' اور چاہے تو اسے یہ سزا دے۔ یہ فائدہ **فجزاءہ** سے حاصل ہوا کہ مرجع قاتل ظالم ہے۔ (روح البیان)۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں **وغضب اللہ** کا عطف **خالدا فیھا** پر کیونکر درست ہوا خالداً " مفرد ہے اور غضب اللہ جملہ ہے اور جملہ کا عطف مفرد پر جائز نہیں۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ **خالدا فیھا** " ایک پوشیدہ جملہ کا حال ہے اور غضب اللہ اس جملہ پر معطوف۔ لہذا جملہ کا جملہ پر عطف ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جناب امیر معاویہ اور حضرت عائشہ صدیقہ اور ان دونوں کے مددگار صحابہ سب دوزخی اور غضب الٰہی کے مستحق ہیں کہ انہوں نے جنگ صفین و جنگ جمل میں ہزارہا مسلمانوں کو قتل کیا۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی' ایک تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو معاذ اللہ حضرت علی بھی اس آیت کی زد میں آجائیں گے کہ ان کے ہاتھوں بھی ان جنگوں میں بہت مسلمان قتل ہوئے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں قتل عمد کی یہ سزائیں بیان ہوئیں وہ قتل عمد نہ تھے' قتل خطاء تھے' جس کی وجہ فریقین کا اجتہاد تھا۔ حضرت علی مجتہد برحق تھے۔ دوسرے حضرات مجتہد خاطی قتل خطا کی یہ سزائیں نہیں جو یہاں مذکور ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا جنتی ہونا نص قرآن سے ثابت ہے رب فرماتا ہے۔ **لھم مغفرۃ و رزق کریم** اور حضرت علی کا جنتی ہونا آیات قرآنیہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے وہ حضرات اس آیت کی زد میں ہرگز نہیں آسکتے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعض گنہگار مسلمان بھی دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے مگر تمہارا عقیدہ ہے کہ سوائے کفار کے دوزخ میں ہمیشگی کسی کو نہیں دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے ظالم قاتل کے لئے فرمایا **خالدا فیھا** تمہارا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے (معتزلہ)۔ خیال رہے کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ فاسق آدمی نہ مسلمان ہے نہ کافر اس کے لئے دوزخ میں ہمیشگی ہے اور خوارج کہتے ہیں کہ فاسق آدمی کافر ہے وہ کفر کی وجہ سے دوزخ میں ہمیشہ رہے گا ان دونوں فرقوں کا یہ اعتراض ہے ان کی دلیل یہ ہی آیت ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جوابات ہیں ایک یہ کہ یہاں من " قتل میں کافر قاتل مراد ہے جیسا کہ اس کے شان نزول سے

معلوم ہوا کہ یہ آیت مقیس ابن خبابہ کے متعلق نازل ہوئی جو قاتل بھی تھا اور مرتد بھی اور اس ارتداد پر فتح مکہ کے دن قتل ہوا۔ دوسرے یہ کہ یہاں قتل مومن سے مراد ہے اسے حلال جان کر قتل کرنا کہ "متعمدا" کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں اس صورت میں وہ قاتل کافر ہوا اور دوزخ میں ہمیشہ رہے گا۔ تیسرے یہ کہ یہاں مومن کو اس لئے قتل کرنا مراد ہے کہ وہ مومن کیوں ہو گیا یہ بھی کفر ہے کہ کفر سے رضا بھی کفر ہے اور ایمان سے ناراضی بھی کفر یعنی مومن کی ذات سے ناراضی حد درجہ فسق ہو سکتی ہے مگر مومن کے ایمان سے یا اس کے ایمانی کام سے ناراضی خالص کفر ہے کسی عالم کو تبلیغ اسلام کی وجہ سے قتل کر دینا نمازی کو نماز کی وجہ سے قتل کر دینا یہ کفر ہے۔ چوتھے یہ کہ یہاں خلود سے مراد بہت عرصہ تک رہنا ہے کیونکہ یہاں خلود کے ساتھ ابدا نہیں فرمایا گیا جیسا کہ کفار کے لئے ارشاد ہوا **خالدین فیھا ابدا** اور گنہگار مسلمان دوزخ میں بہت عرصہ تک رہ سکتا ہے۔ چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں۔ الایام الخوالد۔ خیال رہے کہ بعض علماء نے اس آیت کو سورہ فرقان کی آیت سے منسوخ مانا ہے **الا من تاب و امن و عمل عملا صالحا** مگر یہ درست نہیں کیونکہ یہ آیت کریمہ سورہ فرقان کی اس آیت سے چھ ماہ بعد نازل ہوئی۔ لہٰذا اس سے وہ تو منسوخ ہو سکتی ہے۔ یہ منسوخ نہیں ہو سکتی (خازن و روح وغیرہ) اگر اس آیت کی یہ توجیہیں نہ کی جائیں تو یہ آیت دوسری آیات کے بھی خلاف ہو گی اور احادیث صحیحہ کے بھی خلاف۔ پانچویں یہ کہ یہاں قتل کی قانونی سزا کا ذکر ہے سزا دینے نہ دینے کا تذکرہ نہیں دوسری آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کے سواء کسی کو دوزخ میں ہمیشگی کی سزا نہ دی جائے گی قانون اور ہے قانون کا اجراء کچھ اور۔ چھٹے یہ کہ یہ فرمان ڈرانے دھمکانے کے لئے ہے تاکہ لوگ قتل سے باز رہیں۔ **چوتھا اعتراض:** ظالم قاتل کی توبہ قبول ہے یا نہیں بعد توبہ وہ اس سزا سے بچ جائے گا یا نہیں۔ اگر توبہ قبول نہیں ہے تو اسلام کے اس عقیدے اور ہندوؤں، آریوں کے عقیدوں میں کیا فرق ہوا۔ وہ بھی کہتے ہیں کہ مجرم کو معافی نہیں سزا ضرور ملے گی، اور اگر توبہ قبول ہے تو کلام الٰہی میں جھوٹ لازم آیا کہ اس نے خبر تو دی سزا کی مگر بعد میں معاف کر دیا۔ **جواب:** توبہ قبول ہے رب فرماتا ہے **ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا** جب شرک و کفر سے توبہ ہو جاتی ہے تو یہ قتل ان سے کہیں ہلکا ہے اور اس توبہ قبول فرما لینے سے کلام میں جھوٹ لازم نہیں آتا کہ قوانین کی آیات جملے خبریہ ہیں ہی نہیں۔ سب انشاءات ہیں۔ انشاء میں جھوٹ نہیں ہوتا جیسے کتب علیکم الصیام یا **للہ علی الناس حج البیت** کہ صورۃ "خبر" ہیں معنی "انشاء"۔ نیز وعید کی آیات رب تعالیٰ کے ارادے پر موقوف ہیں۔ اگر چاہے سزا دے چاہے نہ دے۔ فرماتا ہے **ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء**، رب تعالیٰ کفر کے سواء جس مجرم کو چاہے گا بخش دے گا۔ اس ایک آیت نے تمام وعید کی آیتوں کو معلق کر دیا۔ نیز وعدہ پورا نہ کرنا جھوٹ ہے، وعید پوری نہ کرنا مہربانی و کرم ہے مہربانی کمال ہے، جھوٹ یا عیب نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** من یقتل کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی کسی مسلمان کو قتل کرے وہ دوزخی ہو۔ حالانکہ قاتل کو قتل، زانی کو سنگسار کیا جاتا ہے۔ باغی و خارجی کو تہ تیغ کیا جاتا ہے تو کیا یہ سزا دینے والے بھی دوزخی ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہاں قتل سے مراد ظلما" قتل ہیں، اور ظلما" بھی وہ کہ قاتل بھی اسے ظلما" سمجھتا ہو۔ اس لئے متعمدا" کی قید لگائی گئی اگر کسی دلیل سے قاتل قتل کو جائز سمجھتا ہے تو وہ قتل خطاء" ہے عمدا" نہیں قصاص و رجم کی صورت میں قتل واجب ہے حرام نہیں یہ بات بالکل واضح ہے۔ **چھٹا اعتراض:** رب تعالیٰ نے یہاں جہنم کے داخلہ کے بعد غضب و لعنت کا ذکر کیوں فرمایا یہ دونوں چیزیں جہنم کے ذکر میں آ گئی تھیں۔ **جواب:** دوزخ میں جانا اور ہے، وہاں غضب و لعنت کا ہونا کچھ اور بہت سے

نہگار دوزخ میں جائیں گے مگر وہاں غضب و لعنت کے مستحق نہ ہوں گے انہیں گناہوں کے میل سے پاک فرمانے کے لئے
وزخ میں بھیجا جائے گا یا دوزخ میں وہاں کی تکالیف کے سواء اور سزائیں دینا غضب و لعنت ہے۔ جیسے جنت کی نعمتیں اعمال کی
زا ہیں اور وہاں دیدار الٰہی رب تعالیٰ کا خاص فضل ہے یا غضب و لعنت سے مراد ہے دنیا میں اللہ تعالیٰ کا غضب و لعنت تو دوزخ کا
خلہ بعد قیامت اور غضب و لعنت دنیا و برزخ کا عذاب۔ **ساتواں اعتراض:** اگر قاتل سے قصاص یا دیت لے لی گئی یا مقتول
کے ولیوں نے معاف کر دیا تو کیا پھر بھی اسے یہ سزائیں ملیں گی جو یہاں مذکور ہیں۔ **جواب:** تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ قتل
ں تین جرم ہوتے ہیں۔ مقتول پر ظلم، مقتول کے وارثوں کو ایذا دینی، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، قصاص یا دیت دوسرے جرم کا عوض
ہے۔ یعنی مقتول کے وارثوں کی ایذا کا جرم۔ ا اور 3 کا معاملہ آخرت میں ہو گا (روح البیان)۔

تفسیر صوفیانہ : قلب فطری طور پر مومن ہے نفس کافر ان دونوں میں ذاتی عداوت ہے قلب کی زندگی نفس کی موت ہے
ور نفس کی زندگی دل کی موت ہے۔ کافر کے نفوس زندہ ہیں دل مردے اسی لئے ان زندوں کو رب نے مردہ فرمایا۔ مومن کا دل
زندہ ہے نفس مردہ، اس لئے رب نے وفات یافتہ شہیدوں کو زندہ فرمایا یہاں و من یقتل مؤمنا میں دل و نفس کی طرف اشارہ
ہے۔ جو شخص اپنے مومن دل کو جان بوجھ کر قتل کر دے کہ نفس امارہ کی پیروی میں لگ جائے۔ جس کے زہر سے دل مر جائے تو
اس کی سزا دائمی دوزخ ہے۔ ایمان و نیک اعمال دو تلواریں ہیں جن سے نفس امارہ قتل ہوتا ہے۔ دنیا میں پھنسا و آخرت سے
غفلت، وہ زہر قاتل ہے جس سے دل مر جاتا ہے۔ اس دل کے قاتل کے لئے طبیعت کے دوزخ میں ہمیشگی ہے اور اس پر اللہ کا
غضب ہے کہ پھر اسے بارگاہ قدس سے دور کر دیا جائے گا اور اس پر اللہ کی لعنت ہے کہ پھر اسے توفیق خیر نہیں ملتی۔ جب اللہ کرم
فرماتا ہے تو اپنے کسی مقبول بندے سے نسبت دے دیتا ہے اور جب غضب فرماتا ہے تو مقبولوں سے دور کر دیتا ہے۔ ذرہ زمین پر
چمکتے ہوئے سورج کی نسبت سے چمک جاتا ہے۔

ذرہ ہر روئے زمیں افتادہ بود! آفتاب آمد و روشن نمود!!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے بعض غذائیں دل جگر معدے کو کمزور کرتی ہیں۔ ایسے ہی بعض بد عملیاں دل کو سخت کر دیتی ہیں قتل
مومن قاتل کے دل کو سخت کر دیتا ہے یہ ہے قاتل پر رب کا غضب و لعنت اور سختی قلب تمام گناہوں اور محرومیوں کی جڑ ہے
سخت لوہا کوٹنے سے کچھ نہیں بنتا لوہا آگ میں نرم کر کے کچھ بنایا جاتا ہے۔ آٹا پانی سے نرم ہو کر روٹی وغیرہ بنتا ہے۔ زمین نرم ہو
کر قابل کاشت ہوتی ہے یوں ہی دل نرم ہو کر اللہ کی رحمت کے قابل ہوتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے جب تم سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کر لیا کرو اور نہ کہا کرو اس سے
اے ایمان والو جب تم جہاد کو چلو تو تحقیق کر لو اور جو تمہیں سلام کرے

لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
جو پیش کرے تمہاری طرف سلام کہ نہیں ہے تو مومن تلاش کرتے ہو تم سامان زندگانی دنیا کا
اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں تم جیتی دنیا کا اسباب چاہتے ہو تو اللہ کے پاس
فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ
تو نزدیک اللہ کے غنیمتیں ہیں بہت اسی طرح تھے تم پہلے پس احسان کیا اللہ نے تم پر تو
بہتری غنیمتیں ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر احسان کیا تو تم پر
فَتَبَيَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾
تحقیق کر لیا کرو بے شک اللہ ہے اس پر جو کرتے ہو تم خبردار
تحقیق کرنا لازم ہے بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں قتل خطاء اور قتل عمد میں فرق بیان کیا گیا تھا۔ قتل خطا کے احکام کچھ ہلکے بیان ہوئے تھے۔ اب قتل خطاء کے متعلق ضروری احکام بیان ہو رہے ہیں کہ تحقیق مومن میں کوتاہی نہ کرنا۔ اگر تم کوتاہی سے خطا کر گئے تو تم سخت مجرم ہو گے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں قتل عمد پر سخت سزا کا ذکر ہوا۔ اب قتل عمد کی ایک اور صورت بیان ہو رہی ہے کہ علامت ایمان ہوتے ہوئے کسی کو محض شبہ کی بنا پر قتل کر دیا جائے۔ تحقیق نہ کی جائے' یہ بھی گویا قتل عمد کی ہی ایک شاخ تصور ہو گی۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں قتل خطا کے بعد توبہ کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ جس پر شبہ ہو سکتا تھا کہ خطا تو گناہ ہی نہیں پھر اس پر توبہ کیسی۔ اب اس آیت میں توبہ کی گویا وجہ بیان ہو رہی ہے کہ خطا کی وجہ تمہارا تحقیقات میں کوتاہی کرنا ہوتا ہے۔

شان نزول : اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ (۱) علاقہ فدک میں کفار کی ایک قوم آباد تھی بنی مرہ ابن عوف اس قوم میں صرف ایک صاحب ایمان لائے تھے مرداس ابن نہیک۔ ان کے سوا اس قوم میں کوئی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک پر جہاد کرنے کو ایک جماعت بھیجی جن کا افسر غالب ابن بضالہ لیثی کو مقرر فرمایا جب یہ لشکر اسلام فدک کے قریب پہنچا تو تمام قوم بھاگ گئی مگر مرداس نہ بھاگے۔ وہ مطمئن تھے کہ میں تو مسلمان ہو چکا ہوں' مجھ سے کوئی کچھ نہ کہے گا۔ مگر چونکہ انہیں بھی یہ شبہ ہوا کہ شاید یہ لشکر مسلمانوں کا نہ ہو کسی اور قوم کا ہو۔ یہ اپنی بکریاں اور اونٹ لے کر قریبی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے' جب لشکر اسلام اس جگہ پہنچا اور لشکر سے نعرہ تکبیر بلند ہوا تو مرداس کو بہت خوشی ہوئی اور یہ بھی مع اپنی بکریوں کے نعرۂ تکبیر لگاتے پہاڑ سے اترے۔ اترتے وقت پڑھ رہے تھے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور مسلمانوں سے کہا السلام علیکم میں مومن ہوں۔ اس لشکر میں اسامہ ابن زید بھی تھے' یہ سمجھے کہ یہ ہے تو کافر اپنی جان و بکریاں بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے' ہم کو سلام کرتا ہے۔ حضرت اسامہ نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریوں و اونٹ پر قبضہ کر لیا۔ جب یہ لشکر مدینہ

منورہ پہنچا تو حضرت اسامہ نے یہ ماجرا بارگاہ رسالت میں پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو بہت صدمہ ہوا' آپ بار بار فرماتے تھے کہ تم نے اسے مال کے لالچ میں قتل کیا۔ حضرت اسامہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے حق میں دعاء مغفرت فرمائیں۔ فرمایا اے اسامہ تم اس کے کلمہ کا کیا علاج کرو گے۔ حضرت اسامہ کو بہت سخت رنج و غم ہوا' آخر حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے بہت دیر کے بعد ان کے لئے دعاء مغفرت فرمائی اور فرمایا یہ بکریاں مرداس کے بال بچوں کو واپس کر دو اور ایک غلام آزاد کرو۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر' خازن' خزائن العرفان' روح المعانی و بیان وغیرہ)۔ (2) محلم ابن جثامہ اور عامر ابن اضبط میں زمانہ جاہلیت میں کچھ عداوت تھی۔ محلم مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آگئے اور عامر اپنی قوم میں رہے' مگر مسلمان یہ بھی ہو گئے تھے۔ ایک موقعہ پر محلم اور عامر کی ملاقات ہو گئی' عامر نے اپنا اسلام ظاہر کرنے کے لئے محلم کو سلام کیا محلم نے اسی قدیمی دشمنی کی بنا پر اس کے سلام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انہیں قتل کر دیا۔ یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو ہوئی آپ ناراض ہوئے محلم نے دعاء مغفرت کی درخواست کی حضور نے فرمایا تیرے لئے دعا نہ کروں گا۔ ایک ہفتہ کے اندر محلم فوت ہو گیا' اسے دفن کیا گیا تو زمین نے اسے نکال پھینکا۔ بارہا دفن کیا گیا مگر زمین نے اسے ہر بار پھینک دیا۔ تب حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ زمین تو مشرک و کافر کو بھی اپنے میں لے لیتی ہے مگر رب تعالیٰ نے چاہا کہ تم کو دکھائے کہ قتل مومن کتنا خطرناک گناہ ہے اس لئے یہ واقعہ ظاہر فرمایا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر) پھر اس محلم کی نعش پہاڑ کے دامن میں رکھ کر پتھروں سے ڈھک دی گئی (کبیر و روح)۔ (3) یہ آیت حضرت مقداد ابن اسود رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی جن کا واقعہ حضرت اسامہ ابن زید کی طرح ہوا تھا آخر انہوں نے بھی توبہ کی' مقتول کی بکریاں اس کے بچوں کو واپس کیں اور ایک غلام آزاد کیا (کبیر)۔ (4) یہ آیت کریمہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔ جنہوں نے ایک نو مسلم شخص کو اس کے کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کر دیا تھا یہی سمجھ کر کہ یہ جان و مال بچانے کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہے (روح وغیرہ) مگر ان روایات میں کچھ تعارض نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ چند واقعات یکے بعد دیگرے قریب ہوئے ہوں تب یہ آیت آئی ہو (کبیر)۔

تفسیر : **یایها الذین امنوا اذا ضربتم فی سبیل اللہ**۔ اگرچہ اس آیت کریمہ کا نزول خاص صحابہ کرام کے متعلق ہوا مگر حکم سب کو عام ہے۔ اسی لئے اس ندا میں سارے مسلمانوں سے خطاب ہے۔ صحابی ہوں یا دوسرے غازی ہوں یا کوئی اور۔ ضربتم ضرب سے بنا جس کے لغوی معنی ہیں ہلانا' جنبش دینا' اصطلاح میں اس کے معنی ہیں مارنا کہ مارتے وقت ہاتھ ہلائے جاتے ہیں' سفر کرنا کہ اس میں انسان ہاتھ پاؤں چلتے وقت ہلاتا ہے' مثال بیان کرنا کہ بیان کے وقت ہونٹ و زبان ہلتے ہیں' یہاں دوسرے معنی یعنی سفر کرنا مراد ہیں۔ **اذا** شرطیہ ہے۔ سبیل اللہ سے مراد ہر وہ راستہ ہے جو رضاء الٰہی کے لئے طے کیا جائے جیسے مسجد کا راستہ' دینی مدرسے کا راستہ' حج و عمرہ کا راستہ بزرگوں سے ملاقات کرنے کا راستہ' جہاد کا راستہ۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں یعنی میدان جہاد کا راستہ مراد ہے۔ یعنی اے مسلمانو جب تم راہ خدا میں جہاد کے لئے سفر کرو **فتبینوا** یہ جملہ اذا کی جزا ہے ہماری قرات میں ہے۔ **فتبینوا** بیان سے۔ بعض قراتوں میں ہے۔ **فتثبتوا**۔ ثبوت سے (مدارک وغیرہ) یعنی معاملہ کا بیان یا اس کا ثبوت طلب کر لیا کرو یعنی تحقیق کر لیا کرو۔ تثبت اور تبین قریباً" ہم معنی ہی ہیں **ولا تقولوا لمن القی الیکم السلم لست مومنا**۔ یہ دوسرا حکم ہے جو فتبینوا کو واضح کر رہا ہے اگرچہ مرداس نے کلمہ بھی پڑھا تھا اور سلام بھی کیا تھا مگر یہاں کلمہ پڑھنے کا

ذکر نہ فرمایا یہ بتانے کے لئے کہ صرف اسلامی سلام کرنے پر بھی احتیاط کیا کرو اس نے تو کلمہ بھی سنایا تھا۔ سلام سے مراد اسلامی سلام ہے جو ملاقات کے وقت کیا جاتا ہے۔ یعنی السلام علیکم کفار عرب کا سلام تھا۔ انعم صباحا ' یا حیاک اللہ جیسے آج بعض قوموں کا سلام ہے گڈ مارننگ یا آداب' علماء فرماتے ہیں کہ یہاں سلام پیش کرنے سے مراد علامت اسلامی کا پایا جانا ہے ہماری قرات میں مومنا میم کے کسرہ سے ہے' معنی مسلمان بعض قرات میں مومنا میم کے فتح سے ہے' یعنی امان یافتہ یعنی بحالت جہاد وغیرہ جو مستور الحال تم کو اسلامی سلام کرے اپنا اسلام ظاہر کرنے کے لئے تو بلا دلیل یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں یا تجھ کو امان نہیں تبتغون عرض الحیوۃ الدنیا یہ جملہ نیا ہے اس کا تعلق لاتقولوا سے نہیں ورنہ نون اعرابی نہ آتا۔ تبتغون بغی سے بنا' معنی چاہنا' تلاش کرنا' یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ عرض اصطلاح میں روپیہ پیسہ کے علاوہ دوسرے سامان کو کہتے ہیں' یعنی روپیہ پیسہ' ثمن و قیمت ہے باقی چیزیں عرض و سامان عرض کے معنی ہیں عارضی چیز جس کے لئے بقا نہ ہو۔ اس لئے منطقی و علم کلام والے غیر مستقل چیز کو عرض کہتے ہیں مستقل فی الوجود کو جوہر۔ دنیاوی زندگی وہ ہے جو دو قبروں کے درمیان ہو' یعنی ماں کے پیٹ اور قبر کے غار کے بیچ یعنی اے غازیو تم نے اس وقت مرداس کے قتل میں جلدی اس لئے کی کہ تم دنیاوی سامان یعنی اس کی بکریوں کی خواہش رکھتے تھے کہ یہ قتل ہو جائے تو اس کا یہ مال غنیمت بن جائے۔ دنیا یا تو دنو' معنی قرب سے بنا یا دنا' معنی حقارت سے بنا یعنی قریب الفنا یا حقیر چیز جس چیز میں نیت کا اخلاص نہ ہو وہ دنیا ہے اور اخلاص کے ساتھ ہو وہ دین ہے چونکہ اس موقعہ پر ان غازیوں کا ارادہ یہ ہو گیا تھا اس لئے اس مال کو حیات دنیا کا عرض فرمایا فعند اللہ مغانم کثیرۃ۔ یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے ان کنتم شائقین للغنائم۔ عند اللہ سے مراد یا اللہ کا قبضہ ہے یا آخرت میں اللہ کے ہاں۔ غنائم جمع غنیمت کی ہے۔ غنیمت وہ مال جو با آسانی حاصل ہو جہاد میں کفار سے چھینے ہوئے مال کو اسی لئے غنیمت کہتے ہیں کہ وہ یکدم بغیر ہمارے کمائے ہوئے حاصل ہو جاتا ہے۔ یہاں غنائم سے مراد یا تو وہ غنیمت کے مال ہیں جو آئندہ خصوصاً عہد فاروقی میں مسلمانوں کو عطا ہونے والے تھے یا آخرت کے ثواب پہلی صورت میں کثیرۃ سے مراد ہیں۔ تعداد و مقدار میں زیادہ۔ دوسری صورت میں کثیرۃ سے مراد ہے دائمی و لازوال اور ہو سکتا ہے کہ ان غنیمتوں کو ہی کثیرہ' معنی لازوال نعمت فرمایا گیا ہو کہ جو مال رضاء الٰہی کے لئے حاصل اور خرچ کیا جائے وہ دنیا نہیں بلکہ عین دین ہے۔ فاروقی غنیمتیں و فتوحات عین دین ہیں یعنی اگر تم کو غنیمت کا شوق ہے تو مت گھبراؤ اللہ کے قبضہ میں بہت غنیمتیں ہیں جو تم کو آئندہ عطا ہونے والی ہیں تم جلدی کیوں کرتے ہو یا ان غنیمتوں میں دل کیوں لگاتے ہو اللہ کے ہاں دائمی لازوال جنت کی نعمتیں ہیں جو تمہارے نامزد ہو چکی ہیں کذلک کنتم من قبل یہ علیحدہ جملہ ہے۔ جس میں دوسری طرح ان غازیوں کو سمجھا کر ان کی تسلی کی گئی یہاں ان غازیوں کو مرداس سے تشبیہ دی گئی کیونکہ ان غازیوں میں اکثر حضرات کفر سے اسلام میں آئے تھے اور بعض تو وہ بھی تھے جو بحالت جنگ مسلمان ہوئے تھے۔ ذلک کا اشارہ مرداس کی طرف ہے کنتم میں خطاب ان غازیوں سے ہے اور قبل سے مراد ان بزرگوں کے اسلام لاتے وقت کی حالت ہے یعنی اس سے پہلے جب تم مسلمان ہوئے تھے تو تمہارا بھی وہی حال تھا جو اس وقت مرداس کا تھا کہ تم نے کلمہ پڑھا اور ہمارے محبوب نے تم پر اسلام کے احکام جاری فرما دیئے۔ فمن اللہ علیکم ف تعقیبیہ ہے من اور نعمت دونوں کے معنی ہیں بلا معاوضہ عطیہ۔ اجرت و قیمت کا مقابل مگر نعمت ہر انعام و عطیہ کو کہتے ہیں۔ اور من عالیشان عطیہ کو کہا جاتا ہے۔ جس کا احسان جتایا جائے۔ فرماتا ہے لا تبطلوا صدقتکم بالمن والاذی اللہ تعالیٰ نے تین نعمتوں کے لئے خصوصیت سے من

ارشاد فرمایا حضور کی تشریف آوری لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا ۔ ایمان کی توفیق ملنا بل اللہ یمن علیکم ان ھدکم للایمان اور حضور کی بارگاہ میں قبولیت جس کا ذکر یہاں ہے من اللہ یعنی اللہ کے احسان سے مراد یا تو اسلام لاتے وقت ان کی کلمہ خوانی کا اعتبار فرمالینا ہے دل کی گہرائی کی تلاش نہ فرمانا ہے یا بعد میں ان حضرات کا اسلام مشہور کر دینا ہے جس سے دیکھنے والے ان کو صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ مسلمان گر ماننے لگے ان دونوں صورتوں میں اللہ کے احسان سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے کیونکہ اس وقت ان کی کلمہ گوئی کا اعتبار بھی حضور نے ہی کیا تھا اور بعد میں ان حضرات کے ایمان کی شہرت ان کے فضائل کا بیان وغیرہ حضور ہی کی طرف سے ہوا حضور کا احسان اللہ کا احسان ہے لہذا یہ نسبت بالکل درست ہے یعنی تم پر اللہ نے احسان فرمایا کہ تمہارے مسلمان ہوتے وقت صرف تمہاری کلمہ گوئی کا اعتبار کر لیا گیا کوئی اور تفتیش نہ کی گئی نہ تم پر کوئی شبہ کیا گیا یا یہ مطلب ہے کہ ہمارے محبوب کا تم کو قبول فرمانا تمہیں اپنی جماعت میں لے لینا تم پر اللہ کا بڑا احسان ہے کیونکہ اس قبولیت سرکار کی وجہ سے تمہاری دین و دنیا میں عزت ہو گئی۔ رب تعالیٰ نے اعلیٰ چیزیں حقیروں میں رکھی ہیں تاکہ حقیروں کی عزت ہو جائے دودھ جیسی نعمت جانور بھینس کے تھن میں رکھی تاکہ بھینس کی عزت ہو جائے مشک اور شہد' ہرن و مکھی میں رکھی تاکہ ان جانوروں کی عزت افزائی ہو جائے سونا چاندی پتھروں میں موتی کڑوے پانی کی سیپ میں رکھے تاکہ ان کا احترام بڑھ جائے یوں ہی ایمان جیسی نعمت ہم گنہگاروں کے دلوں میں رکھی تاکہ اس سے ہم ناقدروں کی قدر ہو جائے دودھ کی وجہ سے انسان اشرف الخلق بھینس کی خدمت کرتا ہے ایمان کی وجہ سے فرشتے مرد مومن کی خدمت کرتے ہیں۔ فتبینوا یہ اس حکم کا دوبارہ ذکر ہے جو پہلے دیا جا چکا ہے بار بار ایک حکم دینا تاکید کے لئے ہے یعنی آئندہ تحقیق کر لیا کرو بلا وجہ کسی کو کافر کہہ دیا کرو اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی نو مسلم کے اسلام کا اعتبار نہ کیا کرو بلکہ اس کے اسلام کی تحقیقات کیا کرو کہ یہ مطلب آیت کریمہ کے منشاء کے خلاف ہے۔ ان اللہ کان بما تعملون خبیرا ۔ یہ جملہ بظاہر وعید و عتاب ہے یعنی اللہ تعالیٰ خبردار ہے تمہاری اس قسم کی کوتاہیوں پر لہذا آئندہ ایسی جلدی اور تحقیق میں کوتاہی نہ کرنا اور ہو سکتا ہے کہ یہ وعدہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ اس مرداس کے قتل پر نہ دنیا میں تم پر پکڑ فرمائے گا کہ تم پر قصاص فرض فرمائے نہ آخرت میں کہ تم کو قتل مومن کی سزا دے کیونکہ اسے تمہارے اعمال تمہاری نیتوں تمہارے ارادوں کی خبر ہے وہ جانتا ہے کہ تم سے جو کچھ ہوا غلطی سے ہوا۔ کان دوام و استمرار کے لئے ہے۔ یعنی رب تعالیٰ کو تمہارے ہر کام کی ہمیشہ سے خبر ہے۔ وہ پہلے بھی جانتا تھا کہ تم سے یہ کام ہوں گے تمہارے اعمال آئندہ مسلمانوں کے لئے نمونہ ہیں تمہاری غلطیاں آئندہ کے لئے ذریعہ اصلاح ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانو جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے جایا کرو تو ہر بات کی تحقیق کر لیا کرو' کسی کام میں جلدی نہ کیا کرو' اور خیال رکھو کہ بحالت جہاد اگر کوئی شخص تم کو اسلامی سلام پیش کرے' یعنی تم سے کہے السلام علیکم یا اور طرح اظہار اسلام کرے اور اس پر کوئی کفر یا دھوکہ دہی کی علامت موجود نہ ہو تو تم بلا وجہ نہ کہہ دیا کرو کہ تو دل سے مومن نہیں' صرف زبان سے کلمہ پڑھ کر دھوکہ دے رہا ہے۔ تم اس جلدی میں دنیاوی سامان یعنی مال غنیمت چاہتے ہو۔ اگر تم کو غنیمت کا اتنا شوق ہے تو گھبراؤ مت اللہ کے قبضہ میں بہت غنیمتیں ہیں وہ تم کو آئندہ اتنی غنیمتیں عطا فرمائے گا کہ تمہارے گھر دولت سے بھر جائیں گے۔ جلدی نہ کرو انتظار کرو' خلافت فاروقی کا زمانہ آ رہا ہے۔ جب روم و ایران کے سونے چاندی کے ڈھیر مدینہ میں پہنچیں گے اور شہزادے و شہزادیاں تمہارے لونڈی و غلام بنیں گے۔ خیال رہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد بہت غنیمتیں زمانہ فاروقی

میں ہی آئیں کہ حضور کے زمانہ میں اب جو فتح مکہ ہوئی اس میں غنیمت بالکل نہ لی گئی مکہ والوں کو عام معافی دے دی گئی غزوہ حنین میں بھی بہت زیادہ غنائم نہ آئیں۔ لہٰذا اس سے مراد فاروقی غنیمتیں ہیں اس میں اشارۃً خلافت فاروقی کی خبر دی گئی ہے۔ اس کی حقانیت کا ذکر کیا گیا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے ہاں دائمی غنیمتیں ہیں جو تم کو آخرت میں عطا ہوں گی۔ تم اپنی گذشتہ حالت میں غور کرو کہ جو حال آج مرداس کا تھا اس سے پہلے تمہارا بھی وہی حال تھا کہ تم کفر سے جب ایمان میں آئے تو تم نے اظہار ایمان کے لئے کلمہ ہی تو پڑھا تھا۔ اللہ رسول نے تم پر احسان فرمایا کہ تمہاری اس کلمہ گوئی کا اعتبار فرمایا تمہارے متعلق کوئی شک و شبہ نہ کیا گیا پھر تمہارا ایمان مشہور فرمادیا کہ دلوں میں تمہارا اعتبار بیٹھ گیا تو تم بھی نو مسلموں پر بلاوجہ بدگمانی نہ کرو تحقیق کر لیا کرو۔ خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سارے کاموں کی خبر ہے آئندہ ایسی جلدی سے کام نہ کرنا ورنہ تم کو سزا دی جائے گی یا اللہ کو تمہارے کام تمہارے ارادے کی خبر ہے وہ جانتا ہے کہ تم سے اس وقت غلطی ہو گئی تمہاری نیت بری نہ تھی اس لئے تم پر کوئی عتاب نہ فرمایا گیا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: جس شخص میں ایمان کی علامت ہو کفر کی علامت موجود نہ ہو اسے کافر نہ کہو یہ ضرور خیال رہے کہ اس میں علامت کفر موجود نہ ہو یہ مطلب نہیں کہ ہزارہا کفر کرے کفر کی علامات موجود ہوں صرف السلام علیکم کہہ دے تو اسے کافر نہ کہو۔ حضور کے زمانہ پاک میں منافقین کلمہ پڑھتے تھے نمازیں پڑھتے تھے مگر ان کے باوجود رب نے فرمایا **ان المنافقین لکاذبون**۔ **دوسرا فائدہ**: جو مسلمان کافروں میں رہتا ہو اس کے اسلام کی لوگوں کو خبر نہ ہو تو اس کے قتل سے دیت وغیرہ لازم نہ ہو گی نہ قصاص دیکھو حضرت اسامہ ابن زید پر اس قتل کی وجہ سے نہ قصاص واجب ہوا نہ کفارہ۔ **تیسرا فائدہ**: خطاء اجتہادی معاف ہے اگرچہ مجتہد کتنی ہی بڑی خطا کرے دیکھو حضرت اسامہ نے خطاء اجتہادی میں مرداس کو قتل بھی کر دیا۔ رب تعالیٰ نے ان پر کوئی عتاب نہ فرمایا بلکہ نہایت کرم سے ان کو سمجھا دیا لہٰذا حضرت امیر معاویہ و علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو برائی سے یاد نہ کرنا چاہئے کہ ان کے درمیان جو کچھ ہوا خطاء اجتہادی سے ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: جس شخص میں علامات کفر موجود ہوں جن سے اس کا کفر معلوم ہوتا ہو تو اس کی کلمہ گوئی یا سلام کرنا بالکل معتبر نہیں اسے کافر ہی کہا جائے گا جیسا کہ **فتبینوا** سے معلوم ہوا اگر ہر کلمہ گو کو اندھا دھند مسلمان کہہ دیا جایا کرے تو **فتبینو**ا کے کیا معنی ہوں گے۔ یہ فائدہ ضرور خیال رہے۔ **پانچواں فائدہ**: انسان اپنی اصل کبھی نہ بھولے ہمیشہ اپنا گزرا وقت یاد رکھے جیسا کہ **کذلک کنتم** سے معلوم ہوا۔

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو | جائز ہے جہازوں میں اڑو چرخ پہ جھولو
مگر ایک سخن بندۂ مسکین کا رہے یاد | اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

چھٹا فائدہ: تفسیر روح المعانی نے یہاں فرمایا کہ مجبور کا ایمان قبول ہے کیونکہ بظاہر یہ شخص یعنی مرداس مجبوراً اسلام ظاہر کر رہا تھا مگر اس کا ایمان قبول ہوا۔ خیال رہے کہ بچہ کا ایمان قبول ہے مگر بعد ایمان اس کا ارتداد معتبر نہیں ہاں جب بالغ ہو کر کافر ہو گا تب اسے مرتد مانا جائے گا اس لئے اسلامی گمراہ فرقے جن کی گمراہی حد کفر تک پہنچ گئی انہیں مرتد مانا جاتا ہے جیسے قادیانی چکڑالوی وغیرہ کہ ان کے چھوٹے بچے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں مگر پھر اپنے عقائد باطلہ مان کر کافر نہیں ہوتے پھر جب

بالغ ہو کر اپنے کفریہ عقیدے مانتے ہیں تو اب مرتد ہوتے ہیں۔ یوں ہی منافق جب کفر کا اظہار کرے تو مرتد ہو گا کہ اس کو قتل کیا جائے گا۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے اس منافق کو قتل فرمادیا تھا جو حضور کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا تھا۔ کیونکہ اس کا نفاق والا ایمان شرعاً معتبر تھا شریعت میں اسے مسلمان مان لیا گیا تھا پھر کفر کا اظہار ارتداد ہے۔

مسئلہ : اگر جہاد وغیرہ میں کوئی عیسائی یا یہودی کہہ دے کہ میں ایمان لاتا ہوں یا میں مومن ہوں یا کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم' رسول اللہ ہیں اس سے وہ مسلمان نہ ہو گا۔ کیونکہ وہ اپنے عقائد کو ایمان سمجھتا ہے اور بعض عیسائی یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کا رسول مانتے ہیں بلکہ ضروری ہے کہ وہ صاف کہے میں نے اپنا فلاں دین چھوڑ دیا اسلام قبول کر لیا (تفسیر کبیر و روح البیان وغیرہ) صرف کلمہ پڑھنا مشرکین کا ایمان ثابت نہ کرے گا۔ علامہ شامی نے اس کی بہت نفیس تفصیل فرمائی ہے کہ کسی کافر کو کیسے مسلمان کیا جائے عیسائی یہودی توحیدے قادیانی وغیرہ صرف کلمہ پڑھ دینے سے مسلمان نہ ہوں گے کہ وہ تو پہلے بھی کلمہ پڑھتے تھے لا الہ الا اللہ تو عیسائی یہودی مرزائی ہو کر بھی کہتے تھے۔ **ساتواں فائدہ:** حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت حق ہے اور آپ کے زمانہ کی غنیمتیں حق تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جیسے کہ مغانم کثیرہ کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا رب تعالیٰ نے ان غنیمتوں کو عند اللہ فرمایا۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر اسلامی سلام کرنے والا آدمی مومن ہے جو سلام کرے اسے کافر نہ کہو تو آج تم مرزائیوں' چکڑالویوں' بہائیوں وغیرہم کو مرتد کافر کیوں کہتے ہو وہ تو سلام کرتے ہیں۔ نوٹ مولوی محمد علی صاحب لاہوری مرزائی نے بہت شدومد سے یہ اعتراض اس آیت کے ماتحت اپنی تفسیر بیان القرآن میں کیا ہے۔ **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی' دوسرا تحقیقی' جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم بھی مرزا کے مخالفین کو کافر کیوں کہتے ہو سلام اسلامی تو وہ بھی کرتے ہیں تم غیر مرزائیوں کا جنازہ نہیں پڑھتے انہیں اپنے مخصوص وطن ربوہ میں رہنے نہیں دیتے۔ جو وہاں غلطی سے رہ پڑے تو تمہارے ہاتھوں اس کی جان محفوظ نہیں ہوتی اس وقت تم یہ آیت کیوں بھول جاتے ہو۔ **جواب تحقیقی** اس آیت کریمہ میں دے دیا گیا ہے کہ پہلے فرمایا گیا فتبینوا اے غازیو تحقیق کر لیا کرو مطلب واضح ہو گیا کہ جو شخص ہم کو اسلامی سلام کرے اور اس پر علامت کفر کوئی موجود نہ ہو تو اسے بلاوجہ کافر نہ کہو لیکن اگر تحقیق سے اس کا کفر معلوم ہو جائے تو وہ لاکھ سلام کرے' کلمہ پڑھے' نمازیں پڑھے بے دین ہو گا یہاں فتبینوا میں یہ ہی فرمایا گیا جب ہم کسی کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ مرزا کو نبی مان رہا ہے نماز پنجگانہ کا منکر ہے۔ قرآن مجید میں تحریف کا قائل ہے یا بہائی ہے کہتا ہے کہ یہ قرآن بہاؤ اللہ نے منسوخ کر دیا تو پھر صرف سلام کر دینے سے مومن کیسے ہو جائے گا۔ حضور کے زمانہ میں منافقین کلمہ' نماز' سلام سب پر عامل تھے مگر بے دین مانے گئے۔ **دوسرا اعتراض:** قرآن مجید کی اس آیت کی وجہ سے مسلمانوں کے ہاتھ بندھ گئے اور کسی کافر کو قتل کے تمام راستے بند ہو گئے۔ جہاد میں ایک کافر صدہا مسلمانوں کو تہ تیغ کر دے جب مسلمانوں کے ہاتھ چڑھے تو سلام کر دے یا کلمہ پڑھ دے اب مسلمان اسے نہیں مار سکتا پھر یہاں سے بچ کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دے۔ ابھی پاکستان بنتے وقت دو لاکھ مسلمان کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے مگر پاکستانی ہندو کلمہ پڑھ کر بچ گئے پھر موقعہ پا کر بھارت روانہ ہو گئے۔ اپنی جان مال سب محفوظ لے گئے اس قانون کا یہ نتیجہ ہے اس قانون سے مسلمانوں کی جانیں غیر محفوظ ہو گئیں مگر کفار کے جان و مال محفوظ ہو گئے (بعض پاکستانی

تاوان)۔ جواب یہ قانون بالکل درست ہے مسلمان اس کے سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں تو نقصان اٹھاتے ہیں یہاں ایک لفظ تبینوا میں سب کچھ سمجھا دیا گیا ہے بتایا گیا کہ کافر کے سلام یا کلمہ پڑھ لینے پر تحقیق کرلو کہ یہ اخلاص سے کام کر رہا ہے یا دھوکہ دینے کے لئے اگر دھوکہ دینے کے لئے کر رہا ہو تو نہ اس کے کلمہ کا اعتبار کرو نہ سلام کا اسے فوراً قتل کر دو ہاں اگر اخلاص کی علامت موجود ہو دھوکہ دہی یا کفر کی کوئی علامت نہ ہو تو بلاوجہ اس پر بدگمانی نہ کرو کہ اس صورت میں کفار کے ایمان لانے کی کوئی صورت نہ رہے گی اور مقصود ہے کفار کو ہدایت دینا لیکن اگر علامت کفر موجود ہے کہ ایک کافر زرا فریب دینے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے اور فکر میں ہے کہ کب موقع ملے کب کفار سے جاملوں یا بار بار کلمہ پڑھ کر مومن اور بعد میں کافر ہو تا رہتا ہے تو اسے مار دو کہ علامت کفر موجود ہے۔ قرآن کریم تو فرما رہا ہے کہ جو کافر موقع ملنے کے باوجود مسلمان نہ ہو مسلمانوں میں رہے سے مگر کافر رہے پھر اسلامی فتح کے وقت جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ لے تو اس کا یہ ایمان قبول نہیں۔ رب فرماتا ہے **قل یوم الفتح لا ینفع الذین کفروا ایمانہم ولا ھم ینظرون**۔ چنانچہ خاص فتح مکہ کے دن بنی کنانہ قوم بھاگی۔ حضرت خالد ابن ولید نے ان کا تعاقب کیا وہ گھبرا کر کلمہ پڑھنے لگے حضرت خالد نے ان کے کلمہ کا اعتبار نہ فرمایا سب کو قتل کر دیا (خزائن و تفسیر نور العرفان) یہ تھا اس آیت پر عمل فہم قرآن بہت ضروری ہے پاکستان بنتے وقت مسلمانوں کی اپنی غلطی تھی۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا **کذلک کنتم** تم بھی پہلے ایسے ہی تھے یہ بات تو درست نہیں کیونکہ یہ غازی بحالت جنگ تلوار کے نیچے ایمان نہ لائے تھے بلکہ سکون کی حالت میں مومن ہوئے تھے۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر میں گذر گیا کہ بعض ان میں سے ایسی مجبوری میں ایمان لائے تھے اور اگر تمہارا ایمان درست ہو تو تشبیہ صرف اس میں دی جا رہی ہے کہ پہلے تم کافر تھے کلمہ پڑھ کر ہی مومن بنے۔ تمہارے کلمہ گوئی کا اعتبار کیا گیا تم پر بدگمانی نہ کی گئی۔ تشبیہ کے لئے اتنی مشارکت کافی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: ذکر الٰہی تین قسم کے ہیں ذکر لسانی ذکر جنانی ذکر روحانی ذکر لسانی یعنی زبان سے کلمہ پڑھنا یہاں کے عذاب یعنی تلوار اسلامی سے بچاتا ہے مگر ذکر جنانی آخرت کے عذاب سے بچائے گا اور ذکر روحانی معرفت رحمانی کے دروازے تک پہنچائے گا انسان کو چاہئے کہ صرف ذکر لسانی پر قناعت نہ کرے بلکہ آگے بڑھے اگرچہ یہ ذکر بھی یہاں کی سزا سے بچا لیتا ہے۔

حکایت: ایک چور چوری کرنے کسی گھر میں گھسا مال لے کر نکلا تو لوگ جاگ لئے شور مچ گیا محلہ والوں نے اس کا پیچھا کیا یہ چور لوگوں کو آتے دیکھ کر مسجد میں گھس گیا مال تو دروازہ مسجد پر پھینکا اور خود بے وضو ہی نماز پڑھنے لگا لوگ بھی مسجد میں گھس آئے مال پر تو قبضہ کر لیا مگر چور کی تلاش میں ادھر ادھر بھاگنے لگے جب اس بے وضو نمازی نے سلام پھیرا تو اس سے پوچھا کہ ملاجی تم نے چور دیکھا ہے یہ بولا نہیں آخر کار لوگ واپس ہو گئے ادھر لوگ لوٹے ادھر اس چور کا دل لوٹ گیا رو کر بولا مولیٰ بے وضو پڑھی تھی جھوٹی پڑھی تھی تو یہاں کی پکڑ سے بچ گیا اگر میں سچی نماز پڑھتا تو تیرا کتنا کرم ہوتا یہ کہہ کر خوب رویا توبہ کی سچا مسلمان بن گیا انسان جیسا جئے گا ویسا ہی مرے گا اور جیسا مرے گا ویسا اٹھے گا۔ یہاں مشائخ کرام سے خطاب ہے کہ اے راہ الٰہی طے کرنے والے مسافرو! جب تم یہ راستہ طے کر رہے ہو اور تمہارا ایمان ایقان اور ایقان احسان اور احسان عیان اور عیان غیب بن جائے اور غیب عیاں ہو جائے غائب شہادۃ اور شہادت شہود اور پھر شہود مشہود ہو جائے اس حال میں تمہیں کوئی مرید ملے تو اس پر بلاوجہ طالب صادق نہ ہونے کا الزام نہ لگاؤ جو تمہارا دامن پکڑے تم کو اطاعت کا سلام کرے تو اس کا سلام استسلام قبول کرلو

...ے اپنے ساتھ لے لو اس سے نرم گفتگو کرو تم غنی ہو وہ مقتدی تم بھی مقتدی تھے ہم نے تم کو قبول کیا تم بھی ہر طالب پر کلوب
...ے کی بدگمانی نہ کرو تم غنیمت معنوی چاہتے ہو۔ ہمارے پاس بہت غنیمتیں ہیں اگر تم اپنے ساتھ لاکھوں کو ہمارے دروازے
...لے آؤ تو ہمارے خزانوں میں کمی نہیں تمہارا حصہ تم کو پورا پورا دیں گے (از روح البیان)۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جو مال
...رام ذریعہ سے آئے وہ دوزخ کا ایندھن ہے اس کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے **انما یاکلون فی بطونہم نارا** " اور جو
...ی حلال ذریعہ سے آئے مگر اس میں نیت رضاالٰہی کی نہ ہو وہ مال **عرض الحیوة الدنیا** ہے جو بہت جلد فنا ہو جائے گا اور
...س مال کے حاصل کرنے خرچ کرنے میں محض رضاالٰہی مقصود ہو وہ مال باقیات صالحات سے ہے اس کے لئے فنا نہیں دیکھو مرد
...س کی یہ بکریاں جو حاصل کی گئیں۔ منشاالٰہی کے مطابق نہ تھیں انہیں رب تعالیٰ نے عرض الحیوة الدنیا فرمایا اسی طرح علم ہے کہ
...ئی علم حجاب ہے کوئی علم معرفت ہے اللہ تعالیٰ بہت خیر عطا فرمائے۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ

نہیں برابر ہیں بیٹھ رہنے والے مسلمانوں میں سے سوا تکلیف والوں کے اور جہاد کرنے والے

برابر نہیں وہ مسلمان کہ بے عذر جہاد سے بیٹھ رہیں اور وہ کہ

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَا

اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے بزرگی دی اللہ نے جہاد کرنے والوں کو اپنے

راہ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں اللہ نے اپنے

لِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ

مالوں سے اور اپنی جانوں سے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ کی اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے اچھی چیز کا اور

مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کا درجہ بیٹھنے والوں سے بڑا کیا اور اللہ نے سب

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ

بزرگی دی اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑے ثواب سے بہت درجے اس کی طرف سے

سے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور اللہ نے جہاد والوں کو بیٹھنے والوں پر بڑے ثواب سے فضیلت دی اس کی طرف

وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾

اور معافی اور رحمت اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان ہے

سے درجے اور بخشش اور رحمت اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دی پھر جہاد کے متعلق کچھ احکام فرمائے کہ بحالت جہاد بغیر تحقیق کسی کلمہ گو کو قتل نہ کریں۔ اب جہاد کے کچھ فضائل و مسائل بیان ہو رہے ہیں۔ جہاد کے حکم کے بعد متعلقات جہاد کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں مجاہدین کو بہت احتیاط کا حکم دیا گیا تھا کہ کسی کو بغیر تحقیق قتل نہ کریں جس سے احتمال تھا کہ لوگ جہاد ہی چھوڑ دیں' یہ سمجھ کر جہاد میں اس قسم کی غلطیاں ہو جانے کا ہر وقت احتمال ہے نہ ہم جہاد کریں نہ ایسی غلطیاں ہم سے سادر ہوں۔ لہٰذا اب جہاد کے فضائل فرما کر بتایا جا رہا ہے کہ واقعی جہاد میں مشقت بھی ہے' احتیاط بھی لازم ہے' مگر جہاد کے فضائل بھی تو بہت ہیں یہ فضائل و فوائد مفت تو نہیں ملتے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں غازی صحابہ کو ان کی ایک غلطی پر متنبہ فرمایا گیا تھا اب جہاد کے فضائل بتا کر فرمایا جا رہا ہے کہ جہاد ایسی عبادت ہے اسے ان جیسی غلطیوں سے بچاؤ تاکہ ثواب کامل پاؤ (تفسیر کبیر)۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں بعض مجاہدین کی ایک غلطی کا ذکر تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ اگرچہ مجاہد سے غلطیاں صادر ہو جائیں مگر وہ بیٹھ رہنے والوں سے افضل و اعلیٰ ہے ان غلطیوں کی وجہ سے اس کا درجہ نہیں گر جاتا۔ عالم سے اگر غلطی ہو جائے تب بھی وہ غیر عالم سے افضل ہے۔

شان نزول : غزوۂ بدر کے موقعہ پر بعض صحابہ کرام غزوہ میں شریک ہوئے بعض نہیں ہوئے مدینہ منورہ میں ہی بیٹھے رہے ان دونوں جماعتوں کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (2) غزوۂ تبوک میں تمام صحابہ کرام شریک ہوئے مگر حضرت کعب ابن مالک ہلال ابن امیہ' مرارہ ابن ربیع نہ شریک ہوئے جن پر بعد میں عتاب ہوا پھر معافی ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ اگرچہ ان تینوں بزرگوں کی معافی تو ہو گئی مگر درجہ انہیں کا زیادہ ہے جو اس جہاد میں گئے مگر پہلی روایت زیادہ قوی ہے جیسا کہ تاریخ دانوں پر مخفی نہیں حتیٰ کہ بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں یوں روایت ہے **هم القاعدون عن بدر** (روح المعانی)۔

روایت : حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے مجھے یہ آیت لکھوائی آپ کی ران میری ران پر تھی آپ بول رہے تھے میں لکھ رہا تھا کہ حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم نابینا صحابی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اگر مجھ میں جہاد کی قوت ہوتی تو ضرور جہادوں میں شریک ہوتا۔ اسی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ و سلم پر وحی آئی اور آپ کی ران شریف اتنی بھاری ہو گئی کہ مجھے خوف ہوا کہ میری ران ٹوٹ جائے گی اور یہ لفظ غیر اولی الضرر نازل ہوا۔ پہلے اس آیت میں یہ لفظ نہ تھا (بخاری۔ خازن وغیرہ) اس واقعہ سے حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم صحابی کی شان کا پتہ لگا کہ رب تعالیٰ نے ان کی عرض و معروض پر اپنی آیت میں ترمیم فرما دی اور حکم میں قید لگا دی ہمارے حضور کی خواہش مبارک پر تو مسلمانوں کا قبلہ ہی بدل دیا اور سارے نظام اسلام میں تبدیلی فرما دی۔

تفسیر : **لا يستوى القاعدون من المؤمنين** یستوی استواء سے بنا جس کا مادہ سوی ہے بمعنی برابری و یکسانیت برابری مقدار کی بھی ہوتی ہے درجہ کی بھی یہاں درجے کی برابری مراد ہے۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے کیونکہ تمام صحابہ ایمان' صحابیت وغیرہ میں تو برابر ہیں ہاں درجات میں مختلف ہیں جیسے تمام نبی نبوت میں یکساں مگر درجات میں مختلف رب فرماتا

ہے تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض۔ لا یستوی مضارع ہے۔ جس میں حال و استقبال دونوں زمانوں کا احتمال ہے اور دوام کی بھی گنجائش یہاں تینوں احتمال درست ہیں یعنی نہیں برابر ہیں یا نہیں برابر ہوں گے یا نہ تو اب دنیا میں برابر ہیں نہ آخرت میں برابر ہونگے کہ غازیوں کے درجہ دنیا' برزخ اور قیامت و جنت میں غیر غازیوں سے بڑے ہیں القاعدون سے مراد جہاد میں شرکت نہ کرنے والے ہیں بلا عذر اور یہ ذکر اس وقت کا ہے جب جہاد فرض عین نہ ہو گیا ہو جب کہ جہاد میں روانہ ہونے کا سرکاری حکم نہ ہوا ہو جیسے غزوۂ بدر میں تھا لیکن اگر جہاد فرض عین ہو گیا تھا تب تو بلا وجہ بیٹھ رہنے والے عتاب و سزا کے مستحق ہوں گے لہٰذا آیت واضح ہے من المومنین میں من بیانیہ ہے۔ جس نے قاعدون کا بیان کر دیا۔ خیال رہے کہ سستی سے غزوات میں شرکت نہ کرنے والے صحابہ تو قاعدون ہیں اور منافقت کی بنا پر جہاد سے جان چرانے والے منافقین مخلفون کہلاتے ہیں رب فرماتا ہے۔ فرح المخلفون بمقعدهم خلاف رسول اللہ۔ اور جنہیں خود حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم مدینہ منورہ چھوڑ جائیں وہ نہ قاعدون ہیں نہ مخلفین بلکہ وہ متروکین یا مخلفین ہیں۔ یہاں روئے سخن پہلی جماعت کی طرف ہے ان حضرات کو مومنون فرما کر اشارۃً فرمایا گیا کہ یہ حضرات اس بیٹھ رہنے کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہو گئے پکے مومن ہی رہے کہ ان کا رشتہ غلامی حضور انور سے قائم ہے۔ قرآن کریم نے دوسری جگہ کلمہ گویوں کو کافر و منافق فرمایا اور گنہگاروں کو مومن قرار دیا معلوم ہوا کہ ایمان کا مدار حضور سے رشتہ غلامی قائم رہنے پر ہے یا یہ بتانا مقصود ہے کہ ہم مخلفین منافقوں کا ذکر نہیں کر رہے ہیں بلکہ قاعدین مومنوں کا ذکر فرما رہے ہیں۔ فعل ایک ہے یعنی جہاد میں نہ جانا مگر نتیجے مختلف ہیں۔ جیسی نیت ویسا انجام غیر اولی الضرر ہماری قراءۃ میں غیر مرفوع ہے کہ یا تو قاعدون کی صفت ہے یا اس سے بدل "تابع" ابن عامر و امام کسائی کی قراءت میں غیر منصوب ہے کہ یہ قاعدون سے حال ہے یا مستثنٰی ہے اور مستثنٰی کا اعراب جوف استثناء یعنی غیر پر آ گیا۔ بعض قراءتوں میں غیر جر سے ہے المومنین کی صفت یا اس کا بدل (روح المعانی و تفسیر کبیر)۔ لہٰذا اس عبارت کی چھ ترکیبیں اور ساتھ ہی چھ تفسیریں ہیں اولی ذوی کی جمع بغیر لفظ ہے ضرر کے معنی ہیں نقصان و تکلیف نقصان خواہ اندھا پن یا لولا لنگڑا پن یا کسی اور بیماری کی وجہ سے ہو یا تیاری نہ کرنے کی بنا پر یعنی وہ بیٹھ رہنے والے غازیوں کے برابر نہیں جو ضرر والے نہ ہوں رہے مجبور و معذور وہ اپنی صدق نیت کی وجہ سے غازیوں کے برابر ہیں۔ والمجاهدون فی سبیل اللہ باموالهم و انفسهم یہ عبارت القاعدون پر معطوف ہے۔ مجاہدین سے مراد یا تو کفار سے جنگ کرنے والے ہی ہیں یا ہر قسم کے جہاد کرنے والے بعض جہاد گھر میں رہ کر بھی ہوتے ہیں خصوصاً" زمانہ صحابہ کرام میں کہ جن لوگوں کو مدینہ منورہ میں چھوڑا جاتا تھا یا جو حضور کی خدمت کی وجہ سے سرایا اور جہادوں میں نہ جاتے تھے مدینہ پاک میں رہ کر حضور کی خدمات انجام دیتے تھے وہ بھی مجاہدین ہی تھے۔ غزوۂ بدر میں عثمان غنی کو اور غزوہ تبوک میں جناب علی مرتضٰی کو حضور انور نے مدینہ پاک میں چھوڑا وہ بھی مجاہدین ہی میں شمار ہوئے حتی کہ عثمان غنی کو بدر کی غنیمت سے حصہ دیا گیا اموالهم و انفسهم میں ادنٰی سے اعلٰی کی طرف ترقی ہے یعنی غیر معذورین بلا وجہ جہاد سے بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں و جانوں سے جہاد کرنے والے برابر نہیں مجاہدین بڑی شانوں کے مالک ہیں۔ فضل اللہ المجاهدین باموالهم وانفسهم علی القعدین درجة یہ جملہ گذشتہ جملہ لا یستوی کا بیان ہے اور یہاں القاعدین سے وہ ہی بلا عذر جہاد میں نہ جانے والے حضرات مراد ہیں درجۃ کی تنوین تعظیم کی ہے اور

درجہ سے مراد جنس درجہ ہے نہ کہ فرد درجہ لہٰذا مجاہد بہت درجوں غیر مجاہد سے افضل ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں نہ جہاد کرنے والوں پر ایسے بڑے درجہ سے بزرگی دی ہے جو مخلوق کے وہم و گمان سے وراء ہے یہ درجہ خاص قسم کا ہے جو مجاہدوں کو غیر مجاہدوں پر حاصل ہے درجہ ایمان و تقویٰ نہیں کہ اس میں تو یہ دونوں برابر ہیں **وکلا وعد اللہ الحسنی** یہ علیحدہ جملہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ان غازیوں اور غیر معذور جہاد سے رہ جانے والوں میں فرق تو یہ ہے مگر جنتی سب ہیں **کلا** سے مراد تمام صحابہ کرام ہیں غازی ہوں یا غیر غازی معذور رہوں **کلا** منصوب ہے وعد کا مفعول مقدم ہے اس کے مقدم ہونے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ حسنیٰ احسن کا مونث ہے بمعنی اچھی چیز اگرچہ اچھی چیز میں دین و دنیا کی ساری بھلائیاں داخل تھیں دنیا میں نیک اعمال کی توفیق مرتے وقت ایمان قائم رہنا حساب قبر میں آسانی و کامیابی قیامت میں چھٹکارا پل صراط سے بخیریت گذر جانا جنت کا داخلہ۔ مگر عام مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں حسنیٰ سے مراد جنت ہے کہ اس میں باقی بھلائیاں خود بخود ہی آجاتی ہیں جنت میں وہ ہی جائے گا جو دنیا میں نیک کار مرتے وقت مومن قبر میں کامیاب حشر میں نجات یافتہ وغیرہ ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کرام سے جنت کا وعدہ فرما لیا خواہ وہ غازی ہوں یا گھر میں بیٹھنے والے معذور رہوں یا غیر معذور صحابیت اللہ کی بڑی نعمت ہے مگر یہ وعدہ عامہ صرف صحابہ سے ہے۔ **وفضل اللہ المجاھدین علی القاعدین اجرا" عظیما** یہ جملہ ان جنتیوں میں فرق مراتب بیان فرمانے کے لئے ارشاد ہوا۔ جن کا ذکر ابھی گذرا یہاں قاعدین سے مراد معذور صحابہ ہیں جو عذر کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ لہٰذا یہ جملہ مکرر نہیں فضل تفضیل سے بنا بمعنی بزرگی و فضیلت دینا باب تفعیل مبالغہ کے لئے ہے یعنی بہت بزرگی دی مجاہدین سے مراد وہ ہی صحابہ مجاہدین ہیں جو غزوۂ بدر یا غزوۂ تبوک میں شامل ہوئے جن کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی **اجرا" عظیما** بہ تنوین فعل پوشیدہ کا مفعول ہے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان مجاہدین کو غیر مجاہدین پر بہت زیادہ فضیلت بخشی کہ انہیں قاعدین سے کہیں زیادہ ثواب دیا جائے گا جو تمہارے وہم و گمان میں نہیں آسکتا کیونکہ ان معذورین کے پاس اخلاص اچھی نیت نیک ارادہ تو ہے مگر جہاد کا عمل نہیں اور مجاہدین کے پاس اخلاص وغیرہ کے ساتھ جہاد کے اعمال مصیبتیں جھیلنا زخم کھانا بھوک پیاس برداشت کرنا وغیرہ نیک اعمال بھی ہیں **درجت منہ و مغفرۃ و رحمۃ** درجات اجر عظیم کا بدل یا صفت ہے منہ کی ضمیر حق تعالیٰ کی طرف ہے۔ مغفرت سے مراد خطاؤں گناہوں کی معافی ہے اور رحمت سے مراد اعمال کے اجر سے زیادہ رب تعالیٰ کے عطیے ہیں یہ درجات 70 یا 100 ہیں ہر دو درجوں کے درمیان وہ فاصلہ ہے جو آسمان و زمین کے درمیان ہے جیسا کہ احادیث شریفہ میں وارد ہے چونکہ بعض غازی شہید بھی ہو جاتے ہیں اور شہادت کو نبوت سے بہت ہی قرب ہے کہ نبی کی نیند وضو نہیں توڑتی اور شہید کی موت غسل نہیں توڑتی اور نبی کے فضلات امت کے لئے پاک ہیں اور شہید کا خون پاک ہے اس لئے یہاں وہ ہی لفظ درجات ارشاد ہوا جو نبوت کے لے ارشاد ہوا ہے **ورفع بعضھم درجات**۔ خیال رہے کہ درجات کی جمع کثرت بتا رہی ہے اور تنوین عظمت ظاہر کر رہی ہے۔ یعنی بہت سے اور بڑے بڑے درجے۔ یعنی غازیوں کو غیر غازیوں پر بہت درجوں بلند کیا جائے گا رب تعالیٰ ان کے سارے گناہ خطائیں بخش دے گا اور انہیں ان کے اعمال صالحہ سے زیادہ عطیہ خسروانہ کے طور پر ایسی رحمتیں عطا فرمائے گا جو تمہارے وہم و خیال میں نہ آسکیں۔ خیال رہے کہ یہاں مغفرت سے مراد وہ بخشش ہے جو غیر مجاہدین کو تمام نیکیوں کے ذریعہ میسر نہ ہو سکے وہ

غازیوں کو جہاد کی برکت سے نصیب ہوگی (روح المعانی) **وکان اللہ غفورا** " **رحیما** یہ عبارت گذشتہ مضمون کی تاکید کرتی ہے چونکہ ابھی مغفرت رحمت کا ہی ذکر ہوا اس لئے یہاں رب تعالیٰ کی صفت غفاری و رحمت کا بیان ہوا یعنی اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے جب ایسا غفور رحیم مغفرت و رحمت کا وعدہ فرمارہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ مغفرت و رحمت کس درجہ کی ہوگی فعل کی بڑائی فاعل کی عظمت سے معلوم ہوتی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیو یا اے مسلمانو تم جہاد کے متعلق گذشتہ پابندیوں کو سن کر جہاد نہ چھوڑ نہ بیٹھنا خیال رکھو کہ جہاد اللہ کی بڑی نعمت ہے خیال رکھو کہ جو لوگ معذور نہ ہوں اور جہاد سے بیٹھ رہیں وہ اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرنے والے کبھی برابر نہیں ہوسکتے۔ خواہ یہ غیر مجاہدین کتنے ہی نیک اعمال کریں مگر غازیوں کے درجوں کو نہیں پہنچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے مال و جان سے راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کو بلاوجہ جہاد نہ کرنے والوں پر بہت ہی فضیلت دی ان کا درجہ بہت ہی اونچا فرمایا جہاں تک یہ غیر مجاہدین کسی عمل سے نہیں پہنچ سکتے ہاں یہ بات ضروری ہے کہ رب تعالیٰ نے سارے صحابہ سے جنت کا وعدہ فرمایا غازی ہوں یا غیر غازی ان میں دوزخی کوئی نہیں سب جنتی ہیں پھر یہ بھی خیال رکھو کہ معذور غیر مجاہد جو عذر کی وجہ سے جہاد نہ کرسکیں وہ اگرچہ اپنے اخلاص نیک نیتی نیک ارادوں کی وجہ سے غازیوں کی برابر تو ہوگئے اور وہ بھی حکما" غازی مانے گئے انہیں غازیوں جیسا ثواب دیا گیا مگر پھر بھی غازیوں کے درجے ان سے بھی اونچے ہیں کہ ان کے پاس صرف نیت و ارادہ ہے اور غازیوں کے پاس نیت و ارادہ کے ساتھ ساتھ جہاد کا عمل بھی ہے اس زیادتی کی وجہ سے ان کے درجے بھی زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان غازیوں کی بہت اجر بہت درجے خاص مغفرت مخصوص رحمت عطا فرما کر ان کو غیر مجاہدین سے بہت اونچا کردیا کیوں نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے۔ ایسی شان والا غفور رحیم جس سے مغفرت و رحمت کا وعدہ فرمالے تو سوچ لو کہ وہ مغفرت و رحمت کیسی ہوگی اور یہ رحمت و مغفرت والے کس شان کے مالک ہوں گے۔ مسلم شریف نے حضرت جابر سے روایت کی کہ ہم ایک جہاد میں حضور کے ساتھ تھے فرمایا مدینہ منورہ میں بعض وہ لوگ ہیں جو مدینہ میں رہتے ہوئے تمہارے ساتھ ہیں۔ وہ ہیں جنہیں مرض نے روک لیا ہے۔ بخاری شریف نے حضرت انس سے روایت کی فرماتے ہیں میں غزوہ تبوک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا فرمایا کہ معذور لوگ مدینہ میں رہ گئے ہیں۔ ہم جس جنگل و پہاڑی میں گئے وہ ہمارے ساتھ ہی تھے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں عذر نے روک لیا ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں اسلام کا دوسرا درجہ ہے ہجرت کا دوسرا درجہ جہاد کا دوسرا درجہ۔ حضرت ابن زاہد فرماتے ہیں کہ مومن کے سات درجے ہیں۔ جن میں یہ لوگ متفاوت رہتے ہیں ابن محیریز فرماتے ہیں کہ مجاہد و غیر مجاہد کے درمیان ستر درجوں کا فاصلہ ہے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ تیز گھوڑا ستر سال میں طے نہ کرسکے (تفسیر خازن وغیرہ)

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: جہاد مال کا بھی ہے جان کا بھی زبان کا بھی قلم کا بھی ان میں سے ہر ایک کے علیحدہ درجے ہیں جیسا کہ **باموالھم وانفسھم** سے معلوم ہوا۔ جیسا موقع ہو ویسا ہی جہاد ہے۔
دوسرا فائدہ: غیر مجاہد مسلمان کتنی ہی نیکیاں کرے مجاہد مسلمان کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا جیسا کہ **لایستوی** سے معلوم ہوا۔
تیسرا فائدہ: معذور مسلمان جو کسی مجبوری کی وجہ سے جہاد نہ کرسکے اور اس کا دل جہاد کے لئے بے قرار ہو وہ کل انشاء اللہ

مجاہدوں کے ساتھ اٹھے گا جیسا کہ غیر اولی الضرر سے معلوم ہوا۔ یہی حال ہر نیکی کا ہے۔ خیرات کرنے والا امیر تمنا خیرات رکھنے والا فقیر انشاء اللہ محشر میں ساتھ ہوں گے۔ **چوتھا فائدہ:** اس برابری کے باوجود پھر بھی مجاہد کا درجہ غیر مجاہد سے اونچا ہی ہو گا کہ اس کے پاس اخلاص نیت ارادہ بھی ہے عمل جہاد بھی اور معذور کے پاس عمل نہیں جیسا کہ **فضل اللہ المجاہدین** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** سارے صحابہ عادل ہیں ان میں کوئی فاسق نہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے سب سے جنت کا وعدہ فرمالیا۔ فاسق سے جنت کا وعدہ نہیں ہوتا جو تاریخ ان حضرات میں سے کسی کا فسق ثابت کرے وہ جھوٹی ہے۔ قرآن مجید سچا ہے جیسا کہ **کلا وعد اللہ الحسنی** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** کوئی غیر صحابی مسلمان کتنا ہی بڑا عامل ہو۔ صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ ان بزرگوں سے وعدہ جنت ہو چکا ہم سے نہیں ہوا یہ بھی **کلا وعد اللہ** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** صحابہ کرام کے سوا کسی سے خصوصی طور پر جنت کا وعدہ نہیں ہوا یہاں وعدہ اوصاف کی بنا پر ہے وہاں وعدہ ان کی ذات سے ہو چکا ہے جیسا کہ **کلا** کو **وعد اللہ** پر مقدم فرمانے سے معلوم ہوا۔ صحابیت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رب تعالیٰ کو ایسے محبوب و پیارے ہیں کہ ان کے عرض و معروضات پر رب تعالیٰ قرآنی احکام میں ترمیم فرمادیتا ہے۔ دیکھو حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کی عرض پر یہاں غیر اولی الضرر کا اضافہ فرماکر حکم قرآن میں ترمیم فرمادی۔ جیسا کہ اس کے شان نزول اور تفسیر سے معلوم ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق بہت سے احکام قرآنی آئے ان کی برکت سے روزوں کی راتوں میں بیویوں سے صحبت درست ہوئی اور کیوں نہ ہو کہ یہ حضرات اس نازنین محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام ہیں جن کی رضا کے لئے کعبہ کو قبلہ بنایا گیا۔ جن کی محبوبہ زوجہ عائشہ صدیقہ کی عصمت کی گواہی خود رب تعالیٰ نے دی جن کے خدام کی مقربیت کا یہ حال ہے تو خود محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کن منزلوں کن درجوں کے مالک ہوں گے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

پہلا اعتراض: غیر اولی الضرر بقاعدہ نحوی نکرہ ہے کیونکہ اولی غیر معرفہ کی طرف مضاف ہو کر بھی نکرہ رہتا ہے تو یہ القاعدون معرفہ کی صفت کیسے ہو گیا معرفہ کی صفت معرفہ چاہئے۔ **جواب:** غیر اولی الضرر القاعدون کا بدل ہے اور نکرہ معرفہ کا بدل ہو سکتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ** اگر صفت ہو جب بھی درست ہے۔ کیونکہ **القاعدون** میں الف لام عہد ذہنی ہے اور لام عہد ذہنی معرفہ نہیں کرتا لہٰذا **القاعدون** بھی نکرہ ہے اور غیر اولی الضرر بھی نکرہ۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں دو جگہ ارشاد ہوا۔ **فضل اللہ المجاھدین** دو جگہ ایک مضمون لانے کی کیا ضرورت تھی ایک ہی جگہ کافی تھا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گذر گیا کہ پہلی جگہ **القاعدین** سے مراد وہ لوگ ہیں جو بلا عذر جہاد سے بیٹھ رہیں اور دوسری جگہ **القاعدین** سے مراد وہ حضرات ہیں جو عذر و مجبوری کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کر سکیں۔ لہٰذا یہ مضمون مکرر نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں پہلی جگہ ارشاد ہوا **علی القاعدین درجۃ** دوسری جگہ ارشاد ہوا درجات منہ بیان میں یہ اختلاف کیوں ہے۔ **جواب:** پہلی جگہ درجہ سے مراد جنس درجہ ہے جنس میں درجہ کے بہت انواع و افراد داخل ہیں۔ دوسری جگہ درجات سے مراد درجہ کے افراد ہیں وحدت جنسی ہے اور کثرت فردی لہٰذا ان دونوں میں فرق نہیں یا یوں کہ مجاہدین کو غیر معذور لوگوں پر بہت درجہ فضیلت حاصل ہے اور معذوروں پر ایک درجہ عظمت ہے۔ اس صورت میں ترتیب ہو گی کہ پہلے قاعدین سے مراد

معذورین ہوں گے اور دوسرے قاعدین سے مراد غیر معذور لوگ جو جہاد میں شرکت نہ کریں یا یہ کہو کہ پہلی جگہ دنیاوی فضیلت مراد ہے اور دوسری جگہ اخروی فضیلت مراد یعنی مجاہدین کو غیر مجاہدین پر دنیا میں تو ایک بزرگی ہے مگر آخرت میں بہت سی بزرگیاں خصوصی مغفرت و رحمت وغیرہ یا یہ کہو کہ پہلی جگہ مجاہدین سے مراد کفار کے مقابل تلوار سے جہاد کرنے والے ہیں انہیں بیٹھ رہنے والوں پر ایک درجہ فضیلت ہے یعنی غنیمت یا شہادت اور دوسری جگہ مجاہدین سے مراد شیطان و نفس امارہ سے جہاد کرنے والے ہیں ان مجاہدوں کو غیر مجاہدوں پر بہت درجہ فضیلت حاصل ہے اس لئے اس جہاد کو جہاد اکبر فرمایا گیا ہے کفار سے جہاد آسان ہے اور کبھی کبھی ہوتا ہے مگر نفس ناہنجار سے جہاد بہت مشکل ہے اور ہر وقت ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ جو غازی صحابہ حضور کے بغیر جہاد کرتے تھے ان کو قاعدین پر ایک درجہ فوقیت تھی اور جو حضور کے ساتھ جہاد میں شرکت کرتے تھے ان کو صدہا درجہ قاعدین پر فوقیت ہوتی تھی۔ حضور کے ساتھ کی عبادات علیحدہ عبادات سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ جب مدینہ پاک مسجد نبوی کی ایک نیکی کا پچاس ہزار گنا ثواب ہے۔ صرف حضور انور کی قبر اطہر کے قرب کی وجہ سے تو جو سجدے حضور انور کے ساتھ ادا ہوئے ان کی عظمتوں کا کیا پوچھنا۔ اچھوں کی ہمراہی کا ثواب تمام ثوابوں سے زیادہ ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت علی شیر خدا جناب صدیق اکبر و عمر فاروق سے افضل ہیں۔ کیونکہ یہاں ارشاد ہوا کہ مجاہد غیر مجاہد سے اعلیٰ ہے اور حضرت علی نے بمقابلہ صدیق اکبر جہاد زیادہ کئے ہیں تو وہ حضرت صدیق سے افضل ہوئے (شیعہ)۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ پھر تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہونے چاہئیں کہ علی مرتضیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ جہاد کئے کہ حضور کے ساتھ بھی جہادوں میں جاتے تھے اور بہت دفعہ حضور آپ کو جہاد میں بھیج دیتے تھے خود نہ جاتے تھے۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابو بکر صدیق ان جہادوں میں ضرور شریک ہوئے جن میں حضور تشریف لے گئے۔ جن میں حضور تشریف نہ لے گئے ان میں خود حضور نے جناب صدیق کو اپنی صحبت و خدمت میں رکھا۔ یہ صحبت و خدمت ان کے لئے جہاد کی شرکت سے کہیں افضل تھی۔ اس آیت میں ان قاعدین کا ذکر ہے جو سستی کی بنا پر جہاد میں نہ جائیں افضلیت تو حضور کی رضا جوئی سے ملتی ہے حضرت علی مرتضیٰ غزوۂ تبوک کے موقع پر مدینہ منورہ رکھے گئے دوسرے حضرات غزوہ میں گئے اس سے علی مرتضیٰ کی فضیلت میں کوئی فرق نہ آیا کہ آپ مدینہ پاک میں رہ کر جہاد میں شریک رہے حضور چاہیں تو گھر کو میدان جہاد بنا دیں چاہیں تو میدان جہاد کو گھر کر دیں ساری بہار ان کی رضا کی ہے۔ تیسرے یہ کہ خلافت صدیقی و فاروقی کے زمانہ میں بہت جہاد ہوئے اور علی مرتضیٰ کے زمانہ میں کفار سے کوئی جہاد نہ ہوا۔ جیسا کہ تاریخ دان حضرات پر ظاہر ہے لہذا اس پر بھی وہ دونوں حضرات افضل رہے۔ چوتھے یہ کہ حضرت صدیق اکبر مدینہ پاک میں رہ کر بھی مجاہد رہتے تھے تبلیغ دین کی خدمات برابر کرتے رہتے تھے آپ کی تبلیغ سے حضرت عثمان، طلحہ، زبیر، سعد ابن ابی وقاص، عثمان ابن مظعون جیسے شاندار اصحاب ایمان لائے یہ تمام حضرات حضرت صدیق اکبر کے مسلمان بنائے ہوئے ہیں۔ خیال رہے کہ عشرہ مبشرہ جو قطعی جنتی ہیں وہ کل دس ہیں۔

دہ یار بہشتی اند قطعی بوبکر و عمر عثمان و علی
سعد است و سعید بو عبیدہ طلحہ زبیر عبدالرحمٰن

اس مبارک جماعت کے اکثر و بیشتر حضرات ابو بکر صدیق کی کوشش سے اسلام لائے ہیں۔

وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

اے ابو بکر تیرے نعلین کی خاک پر ہماری جانیں قربان ہم روسیاہ گنہگاروں کو بھی اپنے دامن میں لے لے۔

تو ہے آزاد سقر سے ترے بندے آزاد ہے یہ سالک بھی ترا بندۂ بے زر صدیق

نوٹ: یہ سوال اور اس کے یہ جوابات اسی مقام پر تفسیر کبیر نے ذکر فرمائے اور یہاں بہت نفیس تقریر فرمائی رحمۃ اللہ علی مصنفہ۔ **پانچواں اعتراض:** قرآن کریم میں یہاں ارشاد ہوا۔ **المجاھدین باموالہم وانفسہم** یعنی مال کا ذکر جان کے ذکر سے پہلے ہوا۔ مگر دوسرے مقام پر ارشاد ہوا **ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ** کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جان و مال جنت کے عوض خرید لئے۔ یہاں جان کا ذکر مال سے پہلے ہوا اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ **جواب:** وہاں اس آیت میں رب تعالیٰ کی خریداری کا ذکر ہے اور خریدار ہمیشہ اعلیٰ چیز پہلے لینا چاہتا ہے۔ ادنیٰ چیز اس کے تابع کر کے لیتا ہے اس لئے وہاں اعلیٰ چیز یعنی نفس مومن کا ذکر پہلے ہوا مال مومن کا ذکر بعد میں ہوا یہاں تاجرین یعنی مجاہدین کا ذکر ہے جو رب کے ہاتھ اپنے سودے بیچ رہے ہیں اور ہمیشہ تاجر اپنی معمولی چیز پہلے فروخت کرتا ہے۔ اعلیٰ چیز بعد میں۔ وہ کہتا ہے کہ اعلیٰ چیز تو نکل ہی جائے گی پہلے ادنیٰ کو نکالو اس لئے یہاں اموال کا ذکر پہلے ہے۔ جو ادنیٰ ہے اور نفس مومن کا ذکر بعد میں جو اعلیٰ ہے دونوں جگہ پر یہ ترتیب نہایت ہی موزوں و مناسب ہے (تفسیر کبیر)۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام کو نبوت میں اور حضرات اولیاء اللہ کو ولایت میں برابری دی مگر ان کے درجات مختلف رکھے بعض غنی ہیں بعض اغنیٰ بعض کبیر ہیں بعض اکبر تارے سارے نورانی ہیں مگر چاند زیادہ نورانی پھر سورج سب سے زیادہ نورانی کہ اس کے طلوع ہوتے ہی تمام تارے و چاند چھپ جاتے ہیں۔ یوں ہی جنت مشترک جگہ ہے جہاں واصلین' بالغین' طالبین' منقطعین' معذورین' عام مومنین قاعدین وغیرہم سب ہی ہوں گے مگر واصلین اور مقام پر ہیں اور قاعدین دوسرے مقام پر ہوں گے۔ یہ حضرات برابر نہیں۔ مولانا جامی فرماتے ہیں۔

اے کمند بدن چو طفل صغیر ماند در دست خواب غفلت اسیر

پیش ازاں کت اجل کند بیدار گر نمردی ز خواب سر بردار

انما السائرون کل رواح یحمدوان سری لدی الاصباح

اس میدان میں سبقت ہم سے ہے نہ کہ قدم سے اس جماعت میں داخل ہو جاؤ' مجاہدین ہو یا قاعدین۔ انشاء اللہ بخشے جاؤ گے رب نے وعدہ فرمایا۔ **کلا وعد اللہ الحسنی** زندگی کی دو بڑی نعمتیں ہیں صحت و فراغت۔ جو لوگ دنیا کے جھگڑوں میں پھنسے ہوئے ہیں وہ صوفیاء کی اصطلاح میں اولی الضرر یعنی بیمار ہیں اور جو دنیا سے فارغ ہیں وہ غیر اولی الضرر ہیں جسے اللہ تعالیٰ صحت بھی دے فراغت بھی' پھر وہ مجاہدہ نہ کرے تو وہ بڑے خسارے میں ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد میں جان و مال کا ذکر تو فرمایا مگر دل کا ذکر نہ کیا یہ نہ فرمایا کہ دلوں سے جہاد کرنے والے۔ اس کی دو وجہ ہیں ایک یہ کہ جہاد جان و مال سے ہوتا ہے مگر دل کے لئے ہوتا ہے چوروں کا ہتھیاروں سے مقابلہ کرتے ہیں دولت بچانے کے لئے لہذا دل بچانے کے لئے جان و مال سے جہاد چاہیے۔ دوسرے یہ کہ اپنی چیز خرچ کی جاتی ہے نہ کہ دوسرے کی امانت رب تعالیٰ نے ہم کو اپنے جان و مال کا مالک کر دیا

ہے۔ لہٰذا وہ جہاد میں خرچ کئے جائیں مگر ہمارے دل رب کی تجلی گاہ ہیں۔ اس کی امانت ہیں ہم اسے نہ جہاد میں خرچ کر سکیں نہ کسی اور کو اس میں بسا سکیں یہ کاشانہ یار ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ہم سے جنت کے عوض ہمارے جان و مال خریدے مگر دل نہ خریدا کیونکہ وہ تو ہے ہی اس کا ہمارا ہے ہی نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا
بے شک وہ لوگ کہ موت دی انہیں فرشتوں نے ظلم کرتے ہوئے جانوں پر اپنی بولے فرشتے کس میں تھے تم وہ بولے
وہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے ان سے فرشتے کہتے
مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا
تھے ہم کمزور کئے ہوئے زمین میں بولے فرشتے کیا نہ تھی اللہ کی زمین فراخ تاکہ ہجرت کر جاتے تم
تم کاہے میں تھے کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور تھے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم
فِيْهَا ۭ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ اِلَّا
اس میں پس یہ ہی لوگ ہیں کہ ٹھکانا ان کا دوزخ ہے اور برا ہے وہ ٹھکانا سوا ان
اس میں ہجرت کرتے تو ایسوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور بہت بری جگہ پلٹنے کی مگر وہ
الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
کے جو کمزور کر دیئے گئے مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو کہ طاقت نہیں رکھتے کسی تدبیر کی
جو دبا لئے گئے مرد اور عورتیں اور بچے اور جنہیں نہ کوئی تدبیر بن پڑے نہ
حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ
اور نہ ہدایت پائیں راستہ کی پس یہی لوگ ہیں کہ قریب ہے کہ معاف کر
راستہ جانیں تو قریب ہے ایسوں کو اللہ معاف فرمائے
عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝
دے اللہ انہیں اور ہے اللہ معاف فرمانے والا بخشنے والا
اور اللہ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں جہاد کی تاکید فرمائی گئی تھی۔ اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی تاکید فرمائی جارہی ہے ہجرت جہاد کیلئے ایسی ضروری ہے جیسے وضو نماز کیلئے کفار کے ملک میں رہ کر مسلمان کبھی جہاد نہیں کر سکتے پہلے مہاجر بنیں پھر مجاہد جیسا کہ صحابہ کرام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ

حضرات مدینہ منورہ میں پہنچ کر مجاہد بنے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں انکے فضائل کا ذکر تھا جو جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اب اس آیت میں ان لوگوں کی برائی کا تذکرہ ہے جو جہاد سے بیٹھ رہیں اور کفار کے ملک میں دب کر رہنے سہنے پر راضی ہو جائیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ مجاہدین کے گناہ خطائیں قصور جہاد کی برکت سے معاف ہو جاتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے جو کوئی قادر ہوتے ہوئے ہجرت نہ کرے اس کی نیکیاں ضبط ہو جاتی ہیں۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ تمنا جہاد بھی بڑی نیکی ہے جو مجبور و معذور مسلمان جہاد کی آرزو کرے اللہ اس پر فضل فرماتا ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ جہاد نہ کرنا اس کی آرزو بھی رکھنا کفار کے ملک میں دب کر رہنے پر راضی رہنا رب تعالیٰ کا عذاب ہے۔ تاکہ مسلمان پہلی نیکی کریں اور اس دوسرے گناہ سے بچیں۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ (1) طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ کچھ لوگ مکہ معظمہ میں مسلمان ہو گئے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مہاجرین نے ہجرت کی تو انہوں نے وطن و گھربار کی محبت میں ہجرت نہ کی انکے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (2) ابن جریر نے حضرت ضحاک سے روایت کی کہ بعض لوگ مکہ معظمہ میں ایمان لائے مگر مدینہ پاک ہجرت کر کے نہ آئے۔ جنگ بدر میں کفار مکہ کے ساتھ مسلمانوں کے مقابل آگئے اور مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے یہ منافقین کی ہی ایک قسم تھی انکے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ 3 حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ قیس ابن فاکہ ابن مغیرہ۔ حارث ابن زمعہ ابن اسود قیس ابن ولید ابن مغیرہ اور ابو العاص ابن منبہ ابن حجاج اور علی ابن امیہ ابن خلف وغیرھم کے متعلق نازل ہوئی جو مکہ معظمہ میں ایمان لے آئے تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت فرمانے کے بعد مرتد ہو گئے اور کفار مکہ کے ساتھ جنگ بدر میں مسلمانوں کے مقابل آئے اور مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے (تفسیر روح المعانی و تفسیر کبیر و روح البیان و جلالین وغیرہ) خیال رہے کہ اولاً اسلام میں ہجرت فرض تھی جو کوئی بغیر وجہ ہجرت نہ کرتا وہ سخت گناہگار ہوتا تھا بلکہ اس کا اسلام بھی ناقابل قبول تھا فتح مکہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا (روح البیان) حضور نے فتح مکہ کے دن اعلان فرمادیا کہ **لا ہجرۃ بعد الیوم** اب اسکے بعد ہجرت نہیں یعنی مکہ معظمہ سے مدینہ پاک کی طرف ہجرت نہیں۔ اب بھی اگر خدا نہ کرے کہیں ایسے حالات پیدا ہو جائیں جو فتح مکہ سے پہلے مکہ معظمہ کے تھے تو اب بھی بشرط قدرت ہجرت فرض ہے۔

تفسیر: **ان الذین توفھم الملئکۃ** چونکہ اس آیت کا مضمون یعنی ہجرت نہایت اہم تھا اس کی اہمیت ظاہر فرمانے کیلئے اسے ان سے شروع فرمایا گیا۔ کیونکہ بوقت ضرورت ہجرت ایسی ہی لازم ہوتی ہے جیسے نماز و روزہ اس لئے کہ کفار کے ملک میں رہ کر مسلمان کوئی دینی کام آزادی سے نہیں کر سکتے اور فرض کا موقوف علیہ بھی فرض ہوتا ہے جیسے نماز کا موقوف علیہ وضو بھی فرض ہے یا یہاں ایک وہم دور فرمانے کیلئے ان ارشاد ہوا۔ شاید کوئی کہتا کہ مکہ معظمہ پیشہ سے متبرک مقام ہے نیز یہاں کعبہ زمزم مقام ابراہیم وغیرہ لہٰذا یہاں سے ہجرت نہ کرنی چاہئے فرمایا گیا ان بے شک یہاں سے ہجرت نہ کرنیوالے ظالم ہیں کیونکہ ڈھانچہ مکہ معظمہ میں ہے روح یعنی حضور انور مدینہ پاک میں یا برات یہاں ہے۔ دولہا مدینہ منورہ میں الذین سے مراد وہ لوگ ہیں جو مکہ معظمہ میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے تھے پھر بلا عذر ہجرت نہ کر کے مجرم ہو گئے۔ خواہ مرتد ہو گئے یا منافق یا جنگ بدر

میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے غرضیکہ یہاں روئے سخن کفار کی طرف نہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے **توفّٰھم** یا تو ماضی مطلق باب تفعل کا ہے یا مضارع ہے کہ اس کی پہلی تخفیف کیلئے اڑا دی گئی اصل میں **تتوفّٰھم** تھا ہمارا ترجمہ اسکو ماضی مان کر ہے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ اسے مضارع مان کر ہے یہ توفّی سے بنا بمعنی وفات یا موت دینا قرآن کریم میں وفات تین معنی میں استعمال ہوا ہے موت جیسے یہاں ہے نیند رب فرماتا ہے **یتوفّٰکم باللیل** اور پورا کرنا یا پورا لینا رب فرماتا ہے **وابراہیم الذی وفّی** اور فرماتا ہے **یا عیسیٰ انی متوفیک** اس آیت میں بمعنی موت ہے ھم کا مرجع الذین ہے ملائکہ سے مراد یا تو حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں کہ وہ اگرچہ اکیلے ہیں مگر انکا احترام بہت ہے انکا احترام عظمت دکھانے کیلئے جمع کا لفظ ارشاد ہوا یا اس سے مراد حضرت عزرائیل بھی ہیں اور انکے معاون و مددگار فرشتے بھی جو جان نکالتے وقت انکے ساتھ تشریف لاتے ہیں (کبیر خازن) خیال رہے کہ یہ معاون و مددگار فرشتے کل چھ ہیں جو ہر شخص کی قبض روح کے وقت ملک الموت علیہ السلام کے ساتھ جاتے ہیں' مومن کی روح ایک قسم کے تین فرشتے ساتھ میں قبض کرتے ہیں یا قبض کرنے کے بعد لیتے ہیں اور کافر کی روح دوسری قسم کے تین فرشتے قبض کرتے ہیں (روح المعانی و خازن وغیرہ) جمہور مفسرین کا قول یہی ہے کہ یہاں ملائکہ سے مراد صرف حضرت عزرائیل ہیں (روح المعانی) قرآن کریم میں موت دینے کو کہیں رب تعالیٰ کی طرف نسبت کیا گیا جیسے **اللہ یتوفی الانفس حین موتھا** اور کہیں فرشتوں کی طرف جیسے یہاں کیونکہ محبوب بندوں کا کام رب کا کام ہے اور رب کا کام بندوں کا کام ہے لہٰذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضور نے ہم کو ایمان عرفان دیا **ظالمی انفسھم** یہ عبارت توفّٰھم کی ضمیر ھم سے حال ہے چونکہ ظالمی کی اضافت انفس کی طرف بقاعدہ نحوی اضافت لفظی ہے اس لئے یہ نکرہ ہے اور نکرہ حال ہو سکتا ہے ظلم سے مراد یا تو کفر و نفاق ہے جیسا کہ شان نزول نمبر 2'3 سے معلوم ہوا یا گناہ ہے یعنی ہجرت نہ کرنا جیسا کہ شان نزول نمبر 1 سے معلوم ہوا قرآن کریم میں کفر و شرک کو بھی ظلم فرمایا گیا ہے **ان الشرک لظلم عظیم** اور گناہ کو بھی جیسے **فمنھم ظالم لنفسہ** نفس کی جمع ہے' بمعنی ذات یا جان ھم کا مرجع وہی الذین ہے جو پہلے مذکور ہوا یعنی وہ کلمہ گو مکہ کے باشندے جو باوجود قدرت کے مہاجر نہ بنے جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مرتد یا منافق ہو کر مارے گئے یا جو مکہ معظمہ میں تارک ہجرت ہوتے ہوئے مرے جب فرشتوں نے انکی جان قبض کی اس حال میں کہ وہ اپنے نفس پر ظالم تھے مرتد یا منافق تھے یا سخت گنہگار تھے **قالوا فیم کنتم** یہ عبارت یا تو ان کی خبر ہے یا اس کی خبر **فاولٰئک** ہے یہ جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں لایا گیا ہے قالوا کا فاعل وہ جان نکالنے والے فرشتے ہیں فیما میں ما سے مراد حالت ہے یا جماعت یعنی ان فرشتوں نے ان مرنے والوں سے پوچھا کہ تم کس حال میں تھے یا کس جماعت میں تھے تم کفار کے ساتھ کیوں رہے یا جنگ بدر میں مسلمانوں کے مقابل کیوں آئے **قالوا کنا مستضعفین فی الارض** یہ عبارت فرشتوں کے سوال مذکورہ کا جواب ہے جس میں معذرت بھی ہے اور اس مجبوری کا اظہار بھی جس کی وجہ سے انہوں نے ہجرت نہ کی یا وہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے مقابل آئے کنا میں اپنی زندگی کے زمانہ کا ذکر ہے۔ مستضعفین باب استفعال کا اسم مفعول ہے یہاں استفعال مبالغہ کیلئے ہے اسکے معنی ہیں بہت ہی کمزور و مجبور الارض سے مراد زمین مکہ معظمہ ہے یعنی ہم نہ تو مکہ معظمہ میں رہ کر اپنے دین کے ارکان ادا کر سکے نہ وہاں سے ہجرت ہی کر سکے یا بہت ہی کمزور جس کمزوری کی وجہ سے وہ مجبوراً جنگ بدر میں مسلمانوں کے مقابل لائے گئے ورنہ وہ یہاں آنے پر تیار نہ تھے **قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا** یہ فرشتوں کا تردیدی جواب ہے یہ گفتگو ان ہی فرشتوں کی ہے جو جان نکالنے آئے ہوں الم میں

استفہام انکاری و تو بیخی ہے ارض ہے ارض اللہ میں زمین کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف خلقت اور ملکیت کی ہے نہ کہ رہنے بسنے کی اس سے مراد یا حبشہ کی زمین ہے یا تمام وہ زمین جہاں رہ کر آزادی سے اسلام پر قائم رہا جا سکے یا ارض اللہ سے مراد خطہ مدینہ ہے کہ اگرچہ ساری زمین اللہ کی مخلوق ہے مگر جہاں اللہ کے محبوب رہتے بستے ہیں وہ اللہ کے ملنے اللہ کی رحمت کی زمین ہے جس محل میں بادشاہ کے زن و فرزند بسیں وہ بادشاہ کا گھر ہے کہ بادشاہ وہاں ہی رہتا ہے وہاں ہی ملتا ہے اگرچہ نوکروں چاکروں کے کوارٹر بھی بادشاہ ہی کی ملک ہیں۔ لہٰذا یہاں ارض اللہ سے مراد مدینہ منورہ ہے کہ یہاں اللہ کی رضا و رحمت ہے۔ **واسعۃ** وسعت سے بنا بمعنی فراخی و گنجائش یعنی تمہارا یہ عذر نا قابل توجہ ہے کیا اللہ کی مملوکہ مقبوضہ زمین گنجائش والی فراخ نہ تھی جہاں تم ہجرت کر کے چلے جاتے اور وہاں آزادی سے اللہ کی عبادت کرتے ضرور گنجائش تھی تم نے محض وطن گھر بار مال اولاد کی محبت میں ہجرت نہ کی یا یہ معنی ہیں کہ کیا اللہ کی زمین یعنی مدینہ منورہ وسیع نہ تھی جو باوجود چھوٹی بستی ہونے کے لاکھوں مہاجرین حجاج اور ہم جیسے گناہگاروں کو سنبھال لیتی ہیں کہ وہاں کوئی بے گھر بے زر بے زور بے سہارا نہیں رہتا۔

مدینہ کے خطے خدا تجھ کو رکھے! غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

نیز زمین مدینہ میں خوبی ہے کہ وہ سب کو فیض دے دیتی ہے کسی کی برائی سے متاثر نہیں ہوتی جیسے سمندر ناپاکوں کو پاک تو کر دیتا ہے مگر خود نہ ناپاک ہوتا ہے نہ گدلا یا دھوپ کو ناپاک زمین کو پاک کر تو کر دیتی ہے مگر خود ناپاک نہیں ہوتی یہ ہے زمین مدینہ کی روحانی وسعت حدیث شریف میں زمین مدینہ کو بھٹی فرمایا گیا جیسے بھٹی گندے لوہے کو صاف و پاک کر دیتی ہے مگر خود گندی نہیں ہوتی ایسے ہی زمین مدینہ ہے یہ ہر حال زمین مدینہ وسعت والی بھی ہے اور روحانی وسعت والی بھی اس لئے اسے **واسعۃ** فرمایا گیا **فاولئک ماوھم جھنم** ظاہر یہ ہے کہ ف جزائیہ ہے یہ جملہ پوشیدہ شرط کی جزاء ماوا کے معنی ہیں ٹھکانہ اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب منافقین و مرتدین سے ہے کہ دوزخ کفار ہی کا ٹھکانہ ہوتا ہے نہ کہ گناہگار مسلمانوں کا یعنی جب ان مرنیوالوں اور فرشتوں کی گفتگو یہ ہوگی اور یہ مرنیوالے لاجواب و خاموش ہو جائیں گے تو انکا ٹھکانہ دوزخ قرار دیا جائے گا کہ قبر میں دوزخ انکے پاس پہنچے گا اور بعد قیامت میں وہ دوزخ میں رہیں گے **وساءت مصیرا** مصیر کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں۔ لوٹنے کی جگہ یعنی دوزخ بری پلٹنے کی جگہ ہے ساءت فعل ذم ہے اور ھی کا فاعل ممیز مصیرا اس کی تمیز اور ایک پوشیدہ ضمیری ساءت کا مخصوص بالذم **الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان** یہ عبارت اولئک سے مستثنیٰ منقطع ہے مستضعفین سے مراد واقعی کمزور اور لاچار لوگ ہیں جو ہجرت کرنے پر قادر نہ تھے خواہ مرد ہوں جیسے عیاش ابن ابی ربیعہ، سلمہ ابن ہشام اور ولید ابن ولید وغیرہم یا عورتیں ہوں جیسے حضرت ام ہانی اور لبابہ بنت حارث یعنی ام الفضل جو عبداللہ ابن عباس کی والدہ ہیں یا چھوٹے مجبور بچے جیسے خود عبداللہ ابن عباس وغیرہم کا یہ حضرات کسی طرح ہجرت کرنے پر قادر نہ تھے کیونکہ **لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا** یہ ان کی ضعیف و کمزوری کا بیان ہے حیلہ سے مراد ہجرت کا سامان سواری توشہ و تندرستی وغیرہ ہے اور **سبیلا** سے مراد ہے مدینہ منورہ یا حبشہ کا راستہ جہاں ہجرت کر کے جانا چاہئے تھا یعنی وہ مجبور لوگ نہ تو اپنے پاس سامان سفر ہی پاتے ہیں نہ انکو مدینہ پاک وغیرہ اسلامی ملکوں کے راستہ ہی کا پتہ ہے تاکہ وہاں پیدل ہی پہنچ جائیں نہ کوئی انہیں رہبر میسر ہے جو راستہ بتائے **فاولئک عسی اللہ ان یعفو عنھم ف** تفضیلیہ یا تعقیب کی ہے **اولئک** سے اشارہ انہیں مجبوروں معذوروں کی طرف ہے عسی امید دلانے کیلئے ہے اور کریم کا امید دلانا بھی وعدہ ہوتا ہے عفو سے مراد یا تو ہجرت نہ کرنے

کا گناہ معاف فرماتا ہے یا مجبور از جنگ بدر میں لائے جانے کا گناہ پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں اگرچہ دوسرے معنی کی بھی گنجائش ہے یعنی ایسے مجبور معذور لوگوں کے متعلق امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو معافی دیدے۔ **وکان اللہ عفوا غفورا** یہ جملہ عسی اللہ کی دلیل ہے جیسے مضمون کا ذکر ہو چکا ہو اس قسم کی رب تعالیٰ کی صفات پر آیت کا ختم فرمانا مناسب ہوتا ہے چونکہ ابھی معافی کا ذکر تھا اس لئے یہاں عفو و مغفرت پر آیت ختم فرمائی گئی۔ عفو اور مغفرت دونوں قریب المعنی ہیں جن میں مختلف طرح فرق کیا جاتا ہے چھوٹے گناہ معاف فرمانا عفو ہے بڑے گناہ معاف فرمانا مغفرت دنیا میں معاف فرمانا عفو ہے آخرت میں پکڑ نہ فرمانا مغفرت ہے بالکل معاف کردینا عفو ہے گناہ چھپالینا کہ اس پر کسی کو اطلاع نہ ہو مغفرت یقینی گناہ معاف فرمادینا عفو ہے اور مشکوک مشتبہ گناہ بخش دینا مغفرت۔ بغیر توبہ گناہ معاف فرمادینا عفو ہے توبہ قبول فرما کر معاف فرمادینا مغفرت، مرحال عفو اور غفور مکرر ہیں یعنی ان تمام معافیوں کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانوں جیسے جہاد اسلام کا بڑا اہم فریضہ ہے کہ ضرورت کے وقت ہر قادر پر جہاد لازم ہے ایسے ہی دار الکفر سے ہجرت کر جانا اور وہاں جا کر رہنا جہاں اسلامی آزادی ہو فرض ہے جو لوگ قادر ہوتے ہوئے بھی ہجرت نہیں کرتے یعنی مکہ والوں نے کلمہ پڑھ لیا اور باوجود قادر ہونے کے ہجرت نہ کی اسی حال میں ان کو موت آگئی یا مسلمانوں کے مقابل آئے اور مسلمانوں کے ہاتھوں مرگئے ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب فرشتے انکی جان نکالنے آتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں تم کس حال میں تھے کفر پر یا اسلام میں یا تم کس قوم سے تھے کافر قوم سے یا مسلم قوم سے تو یہ لوگ کہتے کہ ہم تھے تو مسلمان مگر زمین کفر میں مجبور اور بے بس تھے اسی لئے احکام اسلام پر عمل نہ کرسکے یا اس لئے کفار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابل مجبور الائے گئے فرشتے کہتے ہیں تم جھوٹے ہو تم مجبور نہ تھے کیا اللہ کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم کسی اسلامی ملک میں یا امان کی جگہ چلے جاتے وہاں رہ کر آزادی سے اسلامی کام کرتے تم نے محض مال اولاد گھر بار وطن کی محبت میں ہجرت نہ کی اس جواب پر یہ لوگ خاموش ہو جاتے ہیں ایسے بہانہ بازوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور تم کو خبر ہی ہے کہ دوزخ تو بہت ہی بری جگہ ہے ہاں مجبور معذور مرد عورتیں بچے جن کے پاس نہ تو سامان سفر تھا کہ وہ ہجرت کر جاتے نہ انہیں کسی اسلامی ملک مدینہ منورہ حبشہ وغیرہ کا راستہ ہی معلوم تھا کہ وہاں پیدل پہنچ جاتے ایسے معذوروں کے متعلق امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں معافی دیدے وہ بڑا ہی غفور رحیم ہے معافی دینا بخشنا اس کی عادت ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں اور میری والدہ ام الفضل انہیں مجبوروں میں تھے جنکا یہاں استثناء فرمایا گیا مسلم بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دوسری رکعت کے رکوع سے جب سر اٹھاتے تو دعا فرماتے الہی ولید ابن ولید سلمہ ابن ہشام عیاش ابن ربیعہ اور دیگر مکہ میں پھنسے ہوئے ضعیف مسلمانوں کو نجات دے الہی مضر قبیلہ پر سخت پکڑ فرما ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی قحط سالی بھیج دے (تفسیر خازن) غرضیکہ واقعی معذور ہونا اور چیز ہے اور اپنے کو معذور کہنا کچھ اور چیز واقعی معذور کی معافی ہے۔ دوسروں کو پکڑ۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: اگر اپنے وطن میں مسلمانوں کو مذہبی آزادی نہ ملے اور ان میں ہجرت پر قدرت ہو تو ایسی حالت میں وطن چھوڑ دینا وہاں سے ایسے ملک کی طرف چلا جانا جہاں مذہبی آزادی ہو فرض ہے جیسا کہ فرشتوں کی اس گفتگو اور حق تعالیٰ کے اس فرمان عالی سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: جو شخص ہجرت پر قادر نہ ہو

اسے وار کفر میں ہی رہنا اور بقدر طاقت اسلام پر عمل کرنا درست ہے اس پر اس کی پکڑ نہیں جیسا کہ **الا المستضعفین** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جان نکالنے کیلئے صرف حضرت عزرائیل علیہ السلام ہی میت کے پاس نہیں آتے بلکہ انکے ساتھ انکے مددگار معاون دوسرے فرشتے بھی آتے ہیں جیسا کہ الملا ئکۃ جمع فرمانے سے معلوم ہوا جیسے آج آپریشن کے وقت آپریشن کرنے والے ڈاکٹر کے ساتھ کمپوڈر نرسیں وغیرہ ہوتی ہیں جو ڈاکٹر کی مدد کرتی ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** حضرت ملک الموت اور یہ فرشتے عالم کے ذرہ ذرہ میں حاضر و ناظر ہیں۔ دیکھو بیک وقت ہزارہا جگہ صدہا انسان و جانور مرتے ہیں مگر یہ فرشتے سب جگہ پہنچ کر جان نکالتے ہیں۔ ساری دنیا انکے سامنے ایسی ہے جیسی کھانے والے کے آگے دسترخوان کہ جہاں سے چاہا لقمہ اٹھایا لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر ماننا کفر و شرک نہیں۔ **پانچواں فائدہ:** جان نکالنے والے فرشتے جان نکالنے سے پہلے مرنے والے سے بات چیت بلکہ مناظرہ کرتے ہیں مجرموں سے غضب کا کلام کرتے ہیں مقبولوں سے رحمت کی گفتگو پھر جان نکالتے ہیں۔ غضب کے کلام کا یہاں ذکر ہے رحمت کے کلام کا اس آیت میں ذکر ہے **یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربک۔** **چھٹا فائدہ:** مکہ مکرمہ سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو فتح مکہ تک مسلمانوں کو بغیر سخت مجبوری **مکہ معظمہ** میں رہنا حرام ہو گیا تھا اس لئے نہیں کہ وہاں اسلامی آزادی مسلمانوں کو میسر نہ تھی بلکہ اس لئے کہ مکہ کو اس وقت حضور نے چھوڑ دیا تھا ورنہ اسلامی آزادی نہ ہونا تو حضور کی ہجرت سے پہلے بھی تھا فتح مکہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا تھا دیکھو رب تعالیٰ نے اس زمانہ میں **مکہ معظمہ** رہنے والے مسلمانوں کو ظالمی انفسھم فرمایا حالانکہ اس وقت **کعبہ معظمہ** سنگ اسود، مقام ابراہیم، زمزم، منیٰ، مزدلفہ سب کچھ **مکہ معظمہ** میں موجود تھا اور **مکہ معظمہ** وہ جگہ ہے جہاں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے معلوم ہوا کہ حضور انور روح ہیں اور باقی کعبہ وغیرہ برات اور برات کی عزت دولہا کے دم سے ہے ایسے جس عالم کے پاس علم و عمل۔ قرآن و حدیث سب کچھ ہو مگر اسکے دل میں حضور کی عظمت و توقیر نہ ہو اس عالم سے دور بھاگنا لازم ہے۔ **ساتواں فائدہ:** ملک الموت اور انکے مددگار فرشتوں کو انسانوں کے تمام نیک و بد اعمال کی خبر ہے جیسا کہ فرشتوں کی اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ ان فرشتوں کو خبر ہے کہ ان لوگوں پر ہجرت فرض تھی مگر انہوں نے نہ کی تب ہی تو اس مرنے والے پر یوں عتاب کر رہے ہیں **لہذا** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہمارے تمام نیک و بد اعمال کی خبر ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعلم الخلق ہیں کیا تم کو نہیں خبر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں کے متعلق خبر دی کہ ان قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے وجہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک چرولا تھا پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچتا تھا، دوسرا چغل خور تھا حضور ہمارے دلوں کے راز سے خبردار ہیں۔ ع

اے رخ تو صبح انوار ظہور چشم تو بینندۂ مافی الصدور!

رب تعالیٰ کاتبین فرشتوں کے متعلق فرماتا ہے **ویعلمون ما تفعلون۔** کاتب تقدیر فرشتہ ماں کے پیٹ میں ہی بچے کی سعادت بدبختی اسکے اعمال، عمر وغیرہ لکھ جاتا ہے وہ سب کے ہر حال سے خبردار ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے کام اسکے نیک بندوں کی طرف منسوب ہو سکتے ہیں۔ دیکھو موت دینا اللہ کا کام ہے فرماتا ہے **اللہ یتوفی الانفس حین موتها** مگر یہاں فرمایا گیا کہ فرشتے موت دیتے ہیں دوسری جگہ فرماتا ہے **قل یتوفا کم ملک الموت الذی وکل بکم** ایک ہی لفظ **یتوفی** اللہ تعالیٰ کا بھی فعل قرار دیا گیا اور ملک الموت کا بھی اور اس فرشتوں کا بھی دیکھو مردہ کو زندہ کرنا بیماروں کو شفا دینا اللہ

تعالیٰ کا کام ہے مگر جناب عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ باذن پروردگار میں مردے جلاتا ہوں میں اندھے کوڑھے اچھے کرتا ہوں (قرآن مجید) لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ایمان عزت دیتے ہیں حضور بہ اذن پروردگار ہم کو جنت دیں گے دوزخ سے بچائیں گے انہیں کے رب کی قسم اللہ کی ہر نعمت سب کو انہیں کے ہاتھوں ملتی ہے صحابہ کرام نے تو حضور سے جنت مانگی ہے کیا دنیا کی مال و دولت اولاد جنت سے بڑھ کر ہے۔

لاؤ رب الیت جو جس کو ملا ان سے ملا بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

نواں فائدہ: تقیہ کرنا یعنی ایمان چھپا کر کفارہ میں رہنا حرام ہے۔ تقیہ اسلام کے خلاف ہے اگر تقیہ کی کچھ حقیقت ہوتی تو فرشتے مکہ معظمہ میں رہ جانے والوں پر یہ عتاب نہ کرتے بلکہ انکی تعریف کرتے کہ تم نے اچھا کیا کہ تقیہ کر کے مکہ معظمہ میں رہے بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین مکہ معظمہ سے ہجرت نہ کرتے بلکہ وہاں ہی تقیہ کر کے رہتے لہٰذا اگر خلفاء ثلثہ کے زمانہ حجاز خصوصا حرمین شریفین دارا لکفر بن گئے تھے کہ وہاں قرآن کریم کی تحریف ہو رہی تھی خلافت غصب ہو چکی تھی تو حضرت علی مرتضیٰ پر واجب تھا کہ یا ان سے جہاد کرتے یا وہاں سے ہجرت کر جاتے انکی خوشامدیں کر کے وہاں مدینہ پاک میں نہ رہتے جب علی مرتضیٰ پر واجب تھے کہ یا ان سے جہاد کرتے یا وہاں سے ہجرت کر جاتے انکی خوشامدیں کر کے وہاں مدینہ پاک میں نہ رہتے جب علی مرتضیٰ حضرت معاویہ سے بغاوت کی بنا پر اور امام حسین یزید پلید سے فسق کی بنا پر جنگ کر سکتے تھے ان کو خلفاء ثلثہ سے بھی جنگ کرنا ضرور چاہئے تھا۔ دسواں فائدہ: جو معذور مسلمان دارا لکفر سے ہجرت نہ کر سکیں کہ اور جگہ انہیں رہنے سہنے کی اجازت نہ ملے یا انہیں دارالسلام کے راستہ کی خبر نہ ہو وہ ہجرت نہ کرنے سے گنہگار نہیں ہوگا جیسا کہ یہاں **الا المستضعفین** سے معلوم ہوا۔ گیارھواں فائدہ: گنہگار مسلمان بھی سزا کیلئے دوزخ میں جائیں گے اور بہت عرصہ کیلئے دوزخ ان کا ماویٰ و ٹھکانا ہو گا جیسا کہ اولئک کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کیونکہ صرف معذوروں کا استثناء فرمایا گیا ہے۔ **الا المستضعفین** غیر معذور مسلمان اس سزا میں داخل رکھے گئے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بہت سے فرشتے جان نکالتے ہیں کیونکہ ملٰئکۃ جمع ارشاد ہوا مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک فرشتہ جان نکالتا ہے رب فرماتا ہے **قل یتوفکم ملک الموت الذی و کل بکم** اور تیسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود رب تعالیٰ موت دیتا ہے کہ فرماتا ہے **اللہ یتوفی الانفس۔** ان میں سے کونسی آیت درست ہے آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: تینوں آیات درست ہیں رب تعالیٰ حقیقۃ موت دینے والا ہے خالق زندگی و موت وہی ہے حضرت ملک الموت یقیناً موت دیتے ہیں کہ جان قبض کرتے ہیں روح کو جسم سے کھینچ کر نکالتے ہیں انکے مددگار فرشتے جان نکالنے میں انکی مدد کرتے ہیں یہ تین آیتیں تین عمل کے متعلق ہیں۔

لطیفہ: اس زمانہ کے بعض نادان مفسرین نے کہا ہے کہ ایک ملک الموت تمام کی روحیں قبض نہیں کرتے بلکہ اس کام کیلئے فرشتوں کی ایک جماعت مقرر ہے جنکے حلقے اور امیر بے مقرر ہیں۔ ہر حلقہ کے الگ فرشتے اور ان نادانوں نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے اور انہیں یہ دردسری اس لئے کرنی پڑی تاکہ ملک الموت علیہ السلام کو تمام جہان میں حاضر ناظر نہ ماننا پڑے کہ ایک فرشتہ سب جگہ کیسے پہنچتا ہے اور جانیں کیسے نکالتا ہے مگر ان بزرگوں نے یہ نہ سوچا کہ قرآن کریم دوسری جگہ فرمارہا ہے

قل یتوفا کم ملک الموت الذی و کل بکم یہاں ملک واحد ہے معلوم کہ ایک ہی فرشتہ سب کی جان نکالتا ہے نیز اگر ایک حلقہ میں بہ یک وقت چند جگہ لوگ مریں تو اس حلقہ کے فرشتے ان تمام جگہوں میں حاضر ناظر ہو گئے کہ انہوں نے بیک وقت اپنے حلقہ میں مختلف مقامات پر پہنچ کر جانیں نکالیں مثلاً ضلع گجرات پر جو فرشتے جان نکالنے کیلئے مقرر ہیں اگر ہمارے اس ضلع میں آج دو پہر بارہ بجے سرائے عالمگیر اور جلالپور رجّاں اور دریائے چناب میں لوگ مریں تو یہ فرشتے ایک ہی وقت میں ان مقامات پر موجود ہوں گے۔ دوسرا اعتراض: جب معذور و مجبور لوگ ہجرت نہ کرنے پر گناہگار ہی نہیں تو انکے متعلق یہ کیوں فرمایا گیا کہ عسی اللہ ان یعفو عنھم ممکن ہے کہ اللہ انہیں معاف فرمائے معافی تو گناہ کی ہوتی ہے اور وہ گناہگار نہیں پھر معافی کیسی جواب: کبھی کوئی شخص حقیقتہً معذور نہیں ہوتا مگر غلطی سے اپنے کو معذور سمجھ لیتا ہے اور ہجرت نہیں کرتا اسکے گنہگار ہونے کا خطرہ ہے اس لئے یہ ارشاد ہوا پھر ہجرت کی اہمیت دکھانے کیلئے عسی اللہ فرمایا یعنی اسے اپنی مغفرت کا یقین نہ چاہئے صرف رب کے کرم سے امید ہی چاہئے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت میں توفا اور قالوا ماضی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گفتگو اور سزائیں صرف مکہ معظمہ کے مسلمانوں سے متعلق ہیں آئندہ ہجرت نہ کرنے والوں کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔ جواب: تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یا تو یہ صیغے لفظاً ماضی ہیں معنی دوام استمرار کیلئے یا ماضی بمعنی مضارع ہیں اور اگر ماضی ہی ہوں تب بھی علت مشترک ہونے سے حکم بھی مشترک ہو جاتا ہے لہٰذا جو بھی بوقت فرضیت ہجرت۔ بلا وجہ گھر میں بیٹھا رہے اور اس عتاب و سزا میں داخل ہے۔ بہر حال آیت کریمہ بے غبار ہے۔

سعدیا حب وطن گرچہ حدیث است صحیح نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زادم

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جان نکالنے والے فرشتوں کو ہر انسان کے ہر نیک و بد اعمال بلکہ دلی احوال کی خبر ہے کہ وہ بہانہ باز معذوروں سے تو عتابانہ گفتگو کرتے ہیں اور واقعی معذورین سے یہ گفتگو نہیں کرتے تو فرشتوں اور خدا میں فرق کیا ہوا علم غیب تو خدا کی صفت ہے بندوں میں اس کا ماننا شرک ہے۔ جواب: کسی بندے میں خدا کا سا علم قدرت سمع بصر ماننا شرک ہے بے نیازی والا علم حیوۃ سمع بصر رب کی صفت ہے اور نیاز مندی والی یہ صفات بندوں کی صفات ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جسمانی ہجرت تو کسی کسی پر کبھی فرض ہوتی ہے مگر روحانی ہجرت ہر مسلمان پر ہر وقت ضروری ہے وطن چھوڑنا جسمانی ہجرت ہے اور نفسانی خواہشات کا ترک حب دنیا اور دنیاوی دوستوں سے تعلق توڑنا ہجرت روحانی ہے اسکی طرف حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ مہاجر وہ ہے جو اللہ رسول کی نافرمانی چھوڑ دے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں جس کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا نہ ہو وہ واجب الترک ہے اگرچہ کتنا ہی اعلیٰ معلوم ہوتا ہو دیکھو مکہ معظمہ میں کعبہ سنگ اسود مقام ابراہیم اور دیگر تمام متبرک چیزیں موجود تھیں مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے نکل گئے تو ان متبرکات کے باوجود مکہ میں رہنا شقاوت و ظلم ہو گیا اور پھر جب حضور نے مکہ فتح فرمالیا تو مکہ میں رہنا سعادت ہو گیا کہ اب وہاں کی ایک عبادت ایک لاکھ کے برابر ہو گئی یہ سب حضور کے دم کی بہار ہے۔ جس عالم کی سینہ میں عالم اور ظاہر میں تقویٰ وغیرہ سب کچھ ہو مگر اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت نہ ہو وہ فتح مکہ سے پہلے والا مکہ ہے۔ جس سے دور رہنا ضروری ہے ایسے لوگ جو روحانی ہجرت نہ کریں ان سے بوقت موت فرشتے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں ہم معذور تھے جب دنیا سے قطع تعلق نہ

کر سکتے تھے تب فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین تنگ تھی تم نے نفس سے منتقل ہو کر دل کی دنیا کیوں نہ بسائی ایسے لوگوں کیلئے رب سے دوری کا دوزخ اور یہ بڑی بری پلٹنے کی جگہ ہے یہ نہ سمجھو کہ ہجرت ختم ہو گئی تاقیامت یہ ہجرت باقی رہیگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی ہو جائے اس کا چھوڑ دینا اس سے ہجرت کرجانا ضروری ہے جب مکہ معظمہ ان سے خالی ہو گیا تو اس کا چھوڑ دینا مسلمانوں پر فرض ہو گیا جب سجدہ نماز مسجد تلاوت علم تصوف ان سے بے تعلق ہو جائے تو اس سے کنارہ کشی ضروری ہے۔

گر بہ ادائے نماز تو نہ شوی بے نقاب ہست رکوعم حجاب ہست سجودم حجاب
مکہ سے جب مدینہ شہ بحر و بر چلے کعبہ پکار اٹھا مجھے ویران کر چلے
آباد وہی دل ہے جس میں تمہاری یاد ہے جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِى الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا

اور جو کوئی ہجرت کرے اللہ کی راہ میں وہ پائے گا زمین میں جگہ بہت اور

اور جو اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑ کر نکلے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور گنجائش

وَّسَعَةً ۗ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ

گنجائش اور جو نکلے اپنے گھر سے ہجرت کرتا ہوا طرف اللہ اور اس کے رسول کے پھر

پائے گا اور جو اپنے گھر سے نکلا اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرتا ہے پھر اسے

يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا

پالے اس کو موت بس بے شک واقع ہوگیا ثواب اس کا اوپر اللہ کے اور اللہ بخشنے والا

موت نے آلیا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہو گیا اور ہے اللہ بخشنے والا

رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾

مہربان ہے

مہربان

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں بلا عذر ہجرت نہ کرنے والوں پر عتاب تھا اب ہجرت کی رغبت دی جا رہی ہے ترہیب کے بعد ترغیب ہے۔ بعض لوگ ڈر سے اطاعت کرتے ہیں۔ بعض لالچ سے۔ ڈر والوں کے لئے پچھلی آیت تھی۔ لالچ والوں کے لئے یہ آیت ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ترک

ہجرت پر اخروی وبال کا ذکر تھا کہ ان کو مرتے وقت اور مرنے کے بعد اس جرم کی یہ سزا ملے گی اب اس آیت میں ہجرت کے دنیاوی فوائد کا ذکر ہے کہ مہاجر انشاء اللہ آرام سے رہتا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ہجرت کے لئے فی سبیل اللہ کی قید لگائی گئی تھی کہ اس سے محض رضاء الٰہی مقصود ہونی چاہئے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ہجرت میں دنیاوی نفع بھی مل جائے تو اس سے ثواب کم نہ ہو گا جبکہ مہاجر کی نیت میں اخلاص ہو۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ان کا ذکر تھا جو ہجرت کر کے گھر سے نکلیں ہی نہیں۔ اب ان کا ذکر ہے جو مہاجر ہو کر گھر سے نکل تو جائیں مگر منزل مقصود پر پہنچیں نہیں ابتداءً نہ کرنے والوں کا ذکر پہلے تھا انتہا تک نہ پہنچنے والوں کا ذکر اب ہے۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ (۱) جب پچھلی آیت **ان الذین توفهم** نازل ہوئی تو کسی طرح یہ آیت مکہ معظمہ کے مسلمانوں نے سن لی ان سننے والوں میں حضرت جندع ابن ضمیرہ لیثی بھی تھے جب انہوں نے آیت سنی تو اپنے بچوں کو بلا کر فرمایا کہ مجھے ہجرت سے کوئی مانع موجود نہیں ہیں۔ صاحب مال بھی ہوں اور مدینہ منورہ کے راستہ سے خبردار بھی ہاں بہت بوڑھا ہوں۔ اونٹ پر بیٹھ نہیں سکتا تم مجھے ونٹ پر پالان رکھ کر اس میں سوار کر دو اونٹ کو مدینہ پاک کی طرف ہانک دو اور مجھے **ارحم الرحمین** کے حوالہ کر دو۔ اب میں مکہ معظمہ میں ایک رات بھی نہ گذاروں گا بچوں نے بہت کچھ منع کیا مگر آپ نہ مانے آخر کار ان کے لڑکوں نے ان کی ہدایت کے بموجب انہیں اونٹ پر سوار کر کے اونٹ کو مدینہ کی طرف ہانک دیا۔ آپ پہلی منزل مقام تنعیم پر ہی پہنچے تھے کہ آپ کو موت کے آثار معلوم ہوئے آپ نے اپنا بایاں ہاتھ اٹھایا اور بولے کہ یہ ہاتھ میرا ہے اور داہنا ہاتھ اٹھایا بولے یہ ہاتھ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ الٰہی تو گواہ رہنا کہ میں ہجرت پر تیرے رسول سے بیعت کرتا ہوں یہ کہہ کر وفات پا گئے جب وفات کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو صحابہ کرام کو بہت صدمہ ہوا۔ بولے کاش کہ جندع مدینہ منورہ آ کر وفات پاتے انہوں نے ہجرت کی مگر پوری نہ کر سکے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح المعانی، خازن، روح البیان، صاوی)۔ (۲) ابن ابی حاتم نے حضرت زبیر سے روایت کی کہ خالد ابن حزام مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے حبشہ روانہ ہوئے راستہ میں انہیں سانپ نے کاٹ لیا جس سے ان کی وفات ہو گئی ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح المعانی)۔ امام شعبی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ یہ آیت کریمہ اکثم ابن صیفی کے متعلق نازل ہوئی جو مسلمان ہو کر مدینہ پاک چلے راہ میں وفات پا گئے (روح المعانی)۔

تفسیر: **ومن یہاجر فی سبیل اللہ** جملہ نیا ہے اس لئے واو ابتدائیہ ہے من سے مراد ہر مسلمان ہے مرد ہو یا عورت بوڑھا ہو یا جوان کیونکہ کافر کی نہ ہجرت قبول نہ کوئی اور عمل یہاجر مہاجرت سے بنا بمعنی چھوڑنا یہاں وطن چھوڑنا مراد ہے پھر وطن چھوڑنا ملازمت کاروبار وغیرہ بہت سے دنیاوی کاموں کے لئے ہوتا ہے مگر ثواب اس وطن چھوڑنے کا ہے جو رب تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے ہو کہ اپنے وطن میں عبادات کرنے کی آزادی نہ ہو کفار کا زور ہو تو ایسے مقام پر جا رہے جہاں آزادی سے رب کی عبادت اسلامی احکام پر عمل ہو صرف اس نیت سے ہجرت ہو اس لئے **فی سبیل اللہ** کی قید لگائی **یجد فی الارض مرغما کثیرا و سعة** یہ عبارت من مذکور کی خبر ہے۔ یجد متعدی بیک مفعول ہے مراغم اسم مفعول بمعنی ظرف ہے رغام سے بنا بمعنی مٹی اس لئے مٹی میں ناک رگڑنے کو رغم الانف کہتے ہیں۔ مراغم کے معنی ہوئے مٹی کی جگہ اصطلاح میں

منزل یا ہجرت گاہ یا ٹھکانا کہ کہتے ہیں کہ وہ بھی زمین کا ایک حصہ ہی ہوتا ہے۔ یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ مراغم سے مراد وہ جگہ جہاں مہاجر پہنچے تو اس کے ہم وطن کفار کی ناک رگڑ جائے وہ ذلیل ہو جائیں کہ وہ تو اس مہاجر کو پریشان کرنا چاہتے تھے مگر یہ آرام کی جگہ میں، آزادی سے رہنے لگا (کبیر روح المعانی و بیان وغیرہ)۔ کثیر مراغم کی صفت ہے اور سعۃ مراغما" پر معطوف ہے اس سے مراد ہے وسعت رزق وغیرہ ظاہر یہ ہے کہ یہ وعدہ مہاجرین مکہ کے لئے تھا جو پورا ہو چکا یعنی جو مکہ میں مسلمان ہو جانے والا رضاء الٰہی کے لئے ہجرت کرے گا۔ اس سے ہمارا وعدہ ہے کہ اسے اس زمین حجاز یا حبشہ وغیرہ میں بہت جگہ ملے گی اور وہاں اسے گنجائشیں بھی میسر ہوں گی ہم اسے پریشان نہ ہونے دیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مہاجرین مکہ بحمدہ تعالیٰ حبشہ یا مدینہ منورہ جاکر آرام سے رہے۔ **ومن یخرج من بیتہ مہاجرا الی اللہ ورسولہ** یہ نیا جملہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ پہلے جملہ پر معطوف ہو اور واؤ عاطفہ ہو پہلے مہاجرین کو دنیاوی نفع کا وعدہ دیا گیا تھا اب ان سے اخری وعدہ فرمایا جا رہا ہے من سے مراد یا مہاجر مکی ہی ہیں یا عام مہاجر تا روز قیامت عربی میں بیت کوٹھری کو کہتے ہیں۔ اور دار پورے گھر کو اور منزل پوری کوٹھی کو جس میں اصطبل اور نوکروں کے کوارٹر وغیرہ سب ہوں یہاں بیت فرما کر یہ بتایا کہ انسان بارادہ ہجرت اپنی کوٹھڑی سے نکلنے پر گھر کے دروازے پر پہنچ کر ہی مہاجر ہو جاتا ہے جیسے حاجی بارادہ حج گھر سے نکلتے ہی حاجی اور مقبول الدعا بن جاتا ہے اس لئے اس وقت ہی اس سے دعا کراتے ہیں۔ مہاجرا" یخرج کی ضمیر سے حال ہے **الی اللہ ورسولہ** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ **الی اللہ** سے مراد وہ جگہ ہے جہاں یہ اللہ اللہ کرنے کی آزادی حاصل کرنے جا رہا ہے تو گویا رب تعالیٰ ہی کی طرف جا رہا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا **انی ذاھب الی ربی سیھدین** اور **ورسولہ** اس کا عطف بیان ہو مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف یعنی رسول اللہ کی خدمت میں ہجرت کر کے جائے دوسرے یہ کہ الی اللہ برکت کے لئے ہے اصل میں **الی رسولہ** کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت کر کے رسول اللہ کے پاس جائے جو حقیقت میں اللہ کے پاس جانا ہے ان دونوں صورتوں میں اس سے مراد مہاجرین مکہ ہوں گے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہجرت کر کے حاضر ہوتے تھے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ہجرت الی اللہ ورسولہ سے مراد ہو اللہ رسول کو راضی کرنے کے لئے ترک وطن کرنا تو یہ آیت تا قیامت سارے مخلصین مہاجرین کے لئے ہوگی تیسرے معنی زیادہ قوی ہیں کہ اگرچہ اس آیت کا شان نزول خاص ہے مگر الفاظ شریفہ عام ہیں۔ **ثم یدرکہ الموت ثم محض عطف و تعقیب** کے لئے ہے دیر و تراخی کی قید نہیں مطلب یہ ہے کہ مدینہ منورہ یا منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے اسے موت آجائے یا گھر کے دروازے پر یا جنگل میں خواہ پرانی بیماری و کمزوری کی وجہ سے موت آجائے یا کسی فوری حادثہ سے غرضیکہ موت آنا سب کو شامل ہے۔ خیال رہے کہ یہ جملہ یخرج پر معطوف ہے اور **یدرکہ** کی ضمیر من کی طرف لوٹ رہی ہے یدرکہ الموت فرما کر یہ بتایا۔ کہ اسے موت پکڑے وہ موت کو نہ پکڑے خودکشی نہ کرے۔ **فقد وقع اجرہ علی اللہ** یہ عبارت من یخرج کی خبر ہے چونکہ من میں شرط کے معنی تھے اس لئے یہاں خبر میں ف آئی وقع بمعنی ثبت یا بمعنی وجب یا بمعنی لزم ہے اجرہ سے مراد ہجرت کا ثواب ہے یعنی تو یقیناً اس کی ہجرت کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر واجب ثابت لازم ہو گیا اور وہ شخص مہاجر بن گیا اس کی ہجرت قبول ہو گئی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز بذات خود لازم و واجب نہیں مگر جب وہ کریم خود ہی اپنے کرم سے کسی کے لئے جزاء واجب و لازم فرمائے تو اس کا کرم ہے یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں اللہ کے وعدے سچے ہیں اس لئے آگے مغفرت و رحمت کا ذکر فرمایا کہ یہ واجب و لازم ہونا اس کریم و رحیم کی

رحمت و کرم سے ہے۔ **وکان اللہ غفورا رحیما** - اس جملہ کے معانی بارہا بیان ہو چکے ہیں کان دوام و استمرار کے لئے ہے غفور کے معنی ہیں گناہ بخشنے والا رحیم کے معنی ہیں بندوں پر رحمت و کرم فرمانے والا کہ انہیں بغیر ان کے حق کے کروڑوں نعمتوں سے نوازتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بخشنے والا مہربان ہے اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ اس مہاجر کے اگر راستہ میں وفات پا جائے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس پر وہی مہربانیاں کرم نوازیاں کرے گا جو دوسرے مہاجرین پر فرماتا ہے دنیا و آخرت میں اس کا شمار مہاجرین میں ہو گا اور انہیں کل جنت میں مہاجرین کے درجہ میں رکھا جائے گا اور ہجرت میں دیر لگانے کا جو گناہ اس پر تھا کہ یہ شخص اب تک وطن میں ہی رہا وہ بخش دے گا کیونکہ وہ غفور بھی ہے رحیم بھی۔ کسی کام کا معاوضہ اجرت کہلاتا ہے معاوضہ کے ساتھ کچھ فاضل دے دینا فضل ہے اور بغیر کام عطیہ دینا رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں پر رحیم ہے کہ دنیا و آخرت میں بغیر معاوضہ نعمتیں دیتا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مکہ کے مجبور و کفار میں پھنسے ہوئے مسلمانو ہمت کر کے ہجرت کرو ڈرو مت ہمارا وعدہ ہے کہ تم میں سے جو مسلمان اخلاص کے ساتھ رضاء الٰہی کے لئے مکہ مکرمہ سے ہجرت کرے گا وہ اللہ کی زمین میں بہت جگہ پائے گا بے گھر اور آوارہ نہ پھرے گا اور رزق وغیرہ میں بہت گنجائش پائے گا۔ ہم اپنے فضل و کرم سے اسے غنی کر دیں گے یہ تو اس مہاجر کے لئے ہے جو ہجرت کر کے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائے مگر جو مسلمان بہ ارادہ ہجرت اپنے گھر سے باہر قدم نکال دے اور اللہ رسول کی طرف روانہ ہو جائے دل میں اخلاص ہو ارادہ درست ہو پھر اسے راستہ میں ہی موت آجائے اور جہاں جانا چاہتا تھا وہاں نہ پہنچ سکے تو اس کا اجر و ثواب اور ہجرت کا درجہ اللہ کے ذمہ کرم پر لازم و واجب ہو چکا وہ مہاجر ہو گیا اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے وہ ارادہ و نیت کو دیکھتا ہے اس لئے اس شخص کے سارے گناہ معاف فرمادے گا اور اس پر بہت رحم و کرم فرمائے گا۔ خیال رہے کہ موت سب کے لئے ہے مگر کسی کو موت آتی ہے کسی کو پاتی ہے کسی کو پکڑتی۔ دشمن رسول کو پکڑتی عام مومنوں کو آتی ہے اور جو اللہ رسول کی تلاش میں ہوں ان کو ڈھونڈھتی ہوئی پاتی ہے جیسے کسی محبوب چیز کو تلاش کر کے پالیا جائے گویا موت اور موت کے فرشتے ان کے مشتاق اور متلاشی ہیں یوں ہی قیامت میں متقی لوگ وفد کی شکل میں بارگاہ الٰہی میں اس طرح حاضر ہوں گے جیسے دوست سے ملا کرتے ہیں اور کفار دوزخ کی طرف ایسے ہانکے جائیں گے جیسے ذبح کے لئے جانور مذبح کی طرف۔ **نحشر المتقین الی الرحمن وفدا و نسوق المجرمین الی جهنم وردا** -

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اللہ کی راہ میں ہجرت بہت اعلیٰ عبادت ہے رب تعالیٰ نے اس پر بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ دیکھو ہمارا اسلامی سنہ ہجری کہلاتا ہے کہ یہ سنہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت شریف کی یادگار ہے۔ قریباً سارے انبیاء کرام نے ہجرت فرمائی ہے ہجرت سنت انبیاء ہے۔ **دوسرا فائدہ**: اللہ تعالیٰ کے سارے وعدے سچے ہیں۔ دیکھو اس نے مہاجرین سے وعدہ فرمایا کہ تم کو بہت زمین دی جائے گی اور فراخی رزق عطا ہو گی یہ وعدہ جس شان سے پورا ہوا اس پر تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان مکہ معظمہ سے کس حالت میں مدینہ منورہ آئے اور پھر یہاں آکر کس شان و شوکت کے مالک ہوئے۔ **تیسرا فائدہ**: ہجرت وہی قبول ہے جو رضاء الٰہی کے لئے ہو۔ بیوی، زمین، پیسہ کمانے کی نیت سے ترک وطن اسلامی ہجرت نہیں اور نہ یہ شخص مہاجر ہے جیسا کہ **یهاجر فی سبیل اللہ** سے معلوم ہوا۔

وتھافائدہ: مسلمان مسافر تو بنتا ہے اپنی بستی سے نکل کر مگر مہاجر بن جاتا ہے اپنے دروازہ کی چوکھٹ سے قدم نکال کر جیساکہ
ن بیتہ سے معلوم ہوا یہ رب تعالیٰ کی بندہ نوازی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** جو شخص کوئی نیک کام شروع کردے مگر اسے مکمل نہ
کرسکے تو اسے نیکی کا ثواب مل گیا کوئی حفظ قرآن علم دین سیکھنا شروع کردے حج یا جہاد کو روانہ ہو جائے اور مرجائے تو وہ حافظ
عالم غازی بن گیا ابو یعلیٰ اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حج کو روانہ ہوا یا
عمرہ کو راستہ میں مرگیا تو تاقیامت ہر سال اسے حج و عمرہ کا ثواب ملے گا (روح المعانی) یہ اسلام کا قانون کلی ہے۔ **چھٹا فائدہ:**
عبادات میں رضاالٰہی کے ساتھ حضور کو راضی کرنے کی نیت کرنا شرک یا ریا نہیں بلکہ اس سے عبادت کی تکمیل ہو جاتی ہے۔
جیساکہ **مهاجرا الی الله ورسوله** سے معلوم ہوا۔ ہجرت اسلامی عبادت ہے مگر اس میں اللہ رسول کو راضی کرنے کی نیت
کرنے کی ہدایت کی گئی۔ لہٰذا نماز روزہ حج وزکوۃ بلکہ ایمان واسلام اور جہاد ہر عبادت میں اللہ رسول کو راضی کرنے کی نیت کرنی
چاہئے۔ رب فرماتا ہے **والله ورسوله احق ان يرضوه** بخاری شریف میں ہے۔ **ومن كان هجرة الى الله**
ورسوله **ساتواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری رب تعالیٰ کے پاس حاضر ہونا ہے۔ جیساکہ **مهاجرا**
الى الله ورسوله کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ جو حضور سے قریب ہے وہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہے۔ جو حضور سے دور ہے
وہ رب تعالیٰ سے دور ہے بلکہ جو حضور کا ہے وہ رب کا ہے۔ جو حضور کا نہیں وہ رب کا نہیں ہم نے عرض کیا ہے۔

وہ رب کے ہیں رب ان کا ہے جو ان کا ہے وہ رب کا ہے
بے ان کے جو رب سے ملا چاہے دیوانہ ہے سودائی ہے

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں مہاجرین سے وعدہ فرمایا گیا ہے کہ انہیں ہجرت کرنے پر بہت زمین بھی ملے گی اور بہت
وسعت و گنجائش بھی۔ مگر بارہا مہاجرین کو نہ زمین ملتی ہے نہ گنجائش ایک بار ہندوستان سے بہت لوگ کابل گئے مگر وہاں سے
نہایت پریشان ہو کر لوٹے یہاں سے گھر بار فروخت کر گئے تھے جب لوٹے تو یہاں بھی پریشان رہے آج ہزارہا بھارت کے مہاجر
پاکستان میں خانماں برباد پھر رہے ہیں نہ انہیں زمین ملی نہ کوئی اور وسعت۔ یہ وعدہ الٰہی پورا کیوں نہیں ہوتا۔ **جواب:** اس کا
جواب تفسیر میں گذر گیا کہ یہ وعدہ مہاجرین مکہ کے لئے تھا جو پورا ہو چکا وہ حضرات مدینہ منورہ میں آکر کیسے پھلے پھولے وہ سب
کو معلوم ہے۔ **من يهاجر** میں **من** سے مراد اہل مکہ مومنین ہیں سارے مہاجرین سے یہ وعدہ نہیں جیسے جہادوں میں
فرشتوں کا مسلمانوں کی مدد کے لئے آنا غزوہ بدر و حنین کے لئے تھا ہمیشہ ہر جہاد میں ان امدادوں کا آنا لازم نہیں۔ **دوسرا اعتراض:**
ان مہاجرین میں کیا خصوصیت تھی جو ان سے ایسے عظیم الشان وعدے کئے گئے دوسرے تاقیامت مہاجرین سے یہ وعدے
کیوں نہیں عجیب معاملہ ہے کہ عمل ایک مگر عاملین کی جزاء میں فرق۔ **جواب:** اس فرق مراتب کی بہت وجہیں ہیں ایک یہ کہ
وہ مہاجرین ہجرت کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچتے آپ سے فیض پاتے تھے اب مہاجرین کو یہ نعمت میسر نہیں جیسے
حضور کے پیچھے نمازیں پڑھنے والوں کی نمازیں ہماری نمازوں سے افضل ہیں ایسے ہی ان کی ہجرت ہماری ہجرت سے افضل۔
دوسری یہ کہ وہ حضرات اسلام میں پہلے مہاجر تھے بعد کے مہاجرین ان کے نقش قدم پر چلنے والے اور نیکی ایجاد کرنے والوں کا
ثواب دوسرے متبعین سے زیادہ ہوتا ہے بلکہ خود ان حضرات میں بھی بعض حضرات مہاجرین اولین تھے جنہوں نے حضور سے

پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی ان کا درجہ بہت اعلیٰ ہے جگہ جگہ قرآن کریم میں ان کے فضائل بیان ہوئے **السبقون الاولون من المھاجرین** اس طرح فتح مکہ سے پہلے اسلام پر خرچ کرنے والوں کا ثواب بعد فتح خرچ کرنے والوں سے زیادہ **لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل۔ اولئک اعظم درجۃ۔** تیسرے یہ کہ ان کے جہاد ان کی ہجرتیں گویا اسلام کی بنیاد تھی۔ ہماری ہجرتیں و جہاد شاخیں اور ظاہر ہے کہ اسلام کی بنیاد کا درجہ شاخوں سے زیادہ ہو گا آج تمام جہان کے غازی مجاہد ایک غازی بدر احد و حنین کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مہاجر کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ پر واجب و لازم ہے مگر تمہارا عقیدہ ہے کہ رب تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں جیسا کہ علم کلام پڑھنے والوں پر ظاہر ہے تمہارا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** وجوب و الزام دو طرح کا ہوتا ہے دوسرے کے زور و حکم سے کسی پر کچھ واجب و لازم ہو جانا۔ جیسے ہم پر نماز و روزہ واجب ہے کیوں اللہ رسول کے حکم سے خود اپنے ذمہ کوئی چیز لازم کر لینا اپنی مہربانی سے جیسے کریم کسی کو بھیک دینے کا وعدہ فرمالے تو اب اس کے لئے یہ بھیک دینا لازم ہو گیا مگر اپنے آپ لازم کر لینے سے۔ اللہ تعالیٰ پر پہلی قسم کا واجب کچھ نہیں۔ دوسری قسم کے واجب ذمہ کرم پر بہت ہیں ہمارے عقیدے میں پہلے قسم کے وجوب کی نفی ہے آیت کریمہ میں دوسری قسم کے وجوب کا ثبوت لہٰذا ہمارا عقیدہ بھی درست ہے اور آیت کریمہ بھی بالکل صحیح ہے۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیاء فرماتے ہیں کہ گناہ نفس کا وطن ہے اور نیک اعمال دل کا وطن۔ گناہ تین قسم کے ہیں بظاہر نفع بخش جیسے جوا' سود' چوری' رشوت۔ دوسرے بظاہر لذیذ جیسے زنا' کھیل تماشہ وغیرہ۔ تیسرے وہ جو نافع ہیں نہ لذیذ نفس محض خباثت سے انہیں پسند کرتا ہے جیسے غیبت' قتل' چغلی' کینہ حسد وغیرہ' جو کوئی نفس کے اس وطن یعنی گناہوں کو چھوڑ دے تو وہ دل کی زمین میں بڑی جگہ پائے گا خیال رہے کہ اعلیٰ زمین میں خراب بیج بویا جائے تو زہریلے خار دار درخت پیدا ہوتے ہیں اور اگر اچھا تخم بویا جائے تو پھل پھول اگتے ہیں۔ یونہی ترک گناہ کرنے والے کے دل میں غوثیت قطبیت کے پھل لگتے ہیں دل وہ شیشہ ہے جس میں سارا کارخانہ قدرت بلکہ خود کارخانہ دار بھی ہے مراغم جمع ہے' مرغم کی بمعنی جگہ و خانہ یعنی گناہ چھوڑنے والا اپنے دل میں بہت سے خانے پائے گا جیسے ایک گھر میں مختلف خانے ہوتے ہیں۔ اغیار خانی (بیٹھک' یار خانہ' آرام کمرہ) باورچی خانہ' موز خانہ' جانور خانہ' غسل خانہ' ایسے ہی وہ دل میں رحمت خدا خانہ' نبی خانہ' ایمان خانہ' عرفان خانہ' نور خانہ پائے گا اور بڑی وسعت پائے گا کہ اسے رحمت کی وسعتیں دعا کی قبولیتیں نماز میں لذتیں عطا ہوں گی۔ خیال رہے کہ کسبی کمال کو فنا ہے وہبی کمال لازوال ہے۔ جو اجر رب تعالیٰ اپنے ذمہ لازم فرمائے اسے فنا و زوال نہیں' حضرت یوسف علیہ السلام کا پہنایا ہوا کنگن بنیامین کے بھائی اس سے نہ چھین سکے' ہر بار بنیامین کے بازو میں آجاتا تھا۔ تو حضور کا عطا فرمودہ ایمان و عرفان' شیطان کیسے چھین سکتا ہے اس لئے ارشاد ہوا **وقع اجرہ علی اللہ** اس کا ثواب اللہ کے ذمہ لازم ہو چکا۔ کسبی ایمان' علم عبادات شیطان چھین سکتا ہے وہبی عطائی نہیں چھین سکتا۔ اپنے کسبی عمل کو اپنا کمال نہ جانو عطاء ذوالجلال مانو۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ہر غرض دینی کے لئے ترک وطن کرنا ہجرت **الی اللہ ورسولہ** ہے بلکہ دینی مقصد کے لئے سفر کرنا بھی عارضی ہجرت ہے۔ طلب علم' حج' جہاد' تلاش حلال روزی کے لئے سفر ہجرت **الی اللہ ورسولہ** ہے ان میں سے کسی کو راستہ میں موت آجائے تو رب تعالیٰ وہاں

ہی کسی مقبول بندے کی روح کے ذریعہ اس کی تکمیل کرادیتا ہے۔ خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ جو قرآن مجید حفظ کرتے کرتے مرجائے تو رب تعالیٰ برزخ میں کسی مقبول کے ذریعہ اس کی تکمیل کرادیتا ہے۔ یہی حال طلب علم دین کا ہے اور یہی حال حج و جہاد وغیرہ کا ہے۔ ان کی تکمیل ان کے قبروں میں کرادی جاتی ہے۔ بعض اہل کشف نے اس کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔ مگر یہ تکمیل **مخلصین** کے لئے ہے۔ انسان کو چاہئے کہ طلب میں جیئے جستجو میں مرے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ان تمام ہجرتوں میں افضل ہجرت وہ ہے جو طلب مولیٰ میں نفس و نفسانیات سے روح و روحانیات کی طرف ہو جو اللہ کی طلب میں اپنے نفس کی بستی سے نکلے گا تو اسے روح سر خفی و اخفی کی بڑی وسیع بستیاں ملیں گی جہاں بڑے وسیع رزق کے پہاڑ ہیں۔ مومن کا قلب اتنا وسیع ہے کہ رب بھی اس قلب میں رہتا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ مجھے نہ زمین لے سکے نہ آسمان' میں مومن کے قلب میں رہتا ہوں۔ وہ میرا عرش ہے جو اس طلب میں نکلے پھر وہاں پہنچنے سے پہلے مرجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر لازم ہو چکا کہ پہلے وہ خدا کا طالب تھا مگر اب رب تعالیٰ اس کا طالب ہوتا ہے' وہ رب کا مطلوب و محبوب۔ اللہ تعالیٰ وہ ہجرت نصیب فرمادے۔ یہ سفر بہت طویل ہے اس کے مسافر بہت کم (تفسیر روح البیان)۔ بچہ اپنے ماں کے پیٹ میں سمجھتا ہے کہ یہ پیٹ ہی میری وسیع دنیا ہے وہاں اپنے کو بڑے عیش و آرام میں جانتا ہے وہاں سے آنا نہیں چاہتا قدرت جب اسے وہاں سے نکال کر زمین پر بھیجتی ہے تو روتا چیختا آتا ہے مگر یہاں اس دنیا کی وسعت کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اب تک میں قید خانہ میں تھا دنیا تو یہ ہے۔ ایسے ہی ہم اس دنیا کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ یہ بڑی ہی لمبی چوڑی دنیا ہے یہاں سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے جسے اللہ تعالیٰ عالم روحانیات کی طرف ہجرت کی توفیق دیتا ہے تو وہ اس عالم کو دیکھ کر کہتا ہے کہ وہ اجسام والی دنیا تو جیل خانہ اور کال کوٹھڑی تھی وسیع دنیا تو یہ ہے۔ رب تعالیٰ اس عالم کی سیر نصیب کرے۔ اب پڑھو یہ کہ جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بڑی جگہ اور وہاں بہت گنجائش پائے گا وہ گنجائش والا عالم ہماری عقل و فہم سے وراء ہے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں!۔

کارواں رفت تو دور راہ کمیں گہ بخواب ۔۔۔ وہ کہ بس بے خبر از غلغل و چندے جرسی

بال بکشاء و صفیر از شجر طوبیٰ زن ۔۔۔ حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسی

یہ جہاں بلبل قلب کے لئے قفس و پنجرا ہے۔ وہ جہان صحرا جو ادھر جانے کی کوشش کرے اور نہ پہنچے وہ بھی اجر و ثواب سے محروم نہیں۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا
اور جب سفر کرو ۔ تم زمین میں ۔ تو نہیں ہے ۔ اور تمہارے کوئی گناہ ۔ کہ کمی کرو
اور جب تم زمین میں سفر کرو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے
مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ
بعض نمازوں میں ۔ اگر ڈرو تم ۔ کہ کافر تمہیں ایذا دیں گے ۔ بیشک ۔ کفار
پڑھو ۔ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں گے بے شک

اَلْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝
ہیں تمہارے دشمن کھلے ہوئے
کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد اور ہجرت کا پرزور حکم دیا ان دونوں میں اکثر سفر کرنا پڑتا ہے لہذا اب سفر کے کچھ احکام بیان فرمائے تاکہ مجاہدین اور مہاجرین دوران سفر میں ان پر عمل کریں غلطی نہ کریں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے ہجرت فی سبیل اللہ کے اخروی فوائد اور وہاں کی رعایتوں کا ذکر فرمایا تھا اب اس ہجرت کی دنیاوی رعایتوں کا ذکر ہے کہ مہاجر اگر سفر کرکے ہجرت کرے تو دوران سفر میں اسے نماز میں یہ رعایت دی جائے گی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ مہاجر ہجرت شروع کرتے ہی مہاجر بن جاتا ہے۔ اگرچہ منزل مقصود پر نہ پہنچے اب فرمایا جارہا ہے کہ مسافر سفر شروع کرنے میں رعایت سفر کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اپنی بستی سے نکلتے ہی قصر نماز پڑھنے لگتا ہے غرضیکہ ہجرت کی رعایتیں بیان فرما کر سفر کی رعایتوں کا تذکرہ فرمایا جارہا ہے تاکہ یہ مسئلہ ذہن نشین ہو جائے۔

تفسیر : **واذا ضربتم فی الارض** یہاں اذا عموم ظرف کے لئے ہے یعنی جب کبھی خواہ نزول قرآن کے زمانہ میں یا تاقیامت کسی اور وقت ضرب کی معانی ابھی کچھ پہلے بیان ہو چکے یہاں معنی سفر ہے۔ **ضربتم** میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے کیونکہ کفار پر نہ نماز فرض ہے نہ ان کے لئے قصر وغیرہ لہذا اس میں متقی گنہگار جائز سفر کرنے والے اور ناجائز سفر کرنے والے سب ہی داخل ہیں۔ لہذا قصر نماز سفر حج میں بھی ہوگا اور رعایت یا چوری ڈکیتی کے سفر میں بھی جیسے یہاں سفر ہجرت کی قید نہیں ایسے ہی سفر مباح کی بھی پابندی نہیں چونکہ عموماً سفر زمین ہی میں ہوتا ہے اس لئے **فی الارض** فرمایا گیا ورنہ دریائی سفر ہوائی سفر پہاڑی سفر سب کے یہی احکام ہیں جو یہاں ذکر ہو رہے ہیں یا یوں کہو کہ ان تمام بحری ہوائی سفروں میں مقصود ہوتا ہے زمین کا طے کرنا۔ اس لئے **فی الارض** فرمایا گیا غرضیکہ **فی الارض** کا ذکر عموم سفر کے لحاظ سے اتفاقی ہے نہ کہ احترازی او ہو سکتا ہے کہ **فی الارض** فرما کر یہ بتایا گیا ہو کہ قصر زمینی مسافت طے کرنے میں ہوگا نہ کہ پہاڑی یا فضائی مسافت طے کرنے میں لہذا اگر کوئی سو میل اونچا اڑ جائے مگر رہے اپنے وطن کے مقابل یا اپنے وطن کے اونچے پہاڑ پر چڑھ جائے وہ [illegible] میں قصر نہیں کر سکتا۔ **فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ** میں ان ہی مسلمانوں سے خطاب ہے جن سے **ضربتم** میں خطاب تھا جناح کے لغوی معنی ہیں میلان رب فرماتا ہے **فان جنحوا للسلم فاجنح لھا** گناہ کو جناح اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں انسان اچھائی سے برائی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ **تقصروا** قصر سے بنا یعنی کم کرنا اس کا مقابل ہے مد اسی لئے بال کٹوانے کو قصر کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے **ومقصرین لا تخافون** اور پست قد کو قصیر کہتے ہیں روکنے کو بھی قصر کہا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے حور مقصورات فی الخیام۔ محل کو قصر اس لئے کہتے ہیں کہ یہ غیروں کو داخل ہونے سے روکتا ہے یہاں یہ تصریح نہیں کہ قصر سے مراد نماز کی رکعتیں کم کرنا ہیں یا نماز کے ارکان کم کرنا یا نماز کے بعض صفات کم کرنا احادیث صحیحہ نے بتایا کہ یہاں

رکعات نماز کی کمی مراد ہے اگرچہ بعض حالات میں سفر میں ارکان نماز بھی کم کردیئے جاتے ہیں کہ سخت ضرورت کے وقت سواری پر اشاروں سے نماز جائز کردی جاتی ہے۔ قیام ' رکوع ' سجدہ ' وغیرہ معاف کردیئے جاتے ہیں مگر وہ کمی یہاں مراد نہیں اس کے لئے دوسری آیات ہیں جو اپنے مقام پر آئیں گی **من الصلوۃ** میں **من تبعیضیہ** ہے **تقصروا** کا مفعول **شیئا** پوشیدہ ہے کیونکہ ہر نماز میں مسافر قصر نہیں کرتا بلکہ چار رکعت والی نمازوں میں ہی کرتا ہے جیسے نماز ظہرو عصرو عشا کہ ان میں بجائے چار کے دو رکعت فرض پڑھتا ہے۔ نیز ان قصری نمازوں میں بھی صرف فرض نمازوں میں قصر ہوتا ہے وتر ' سنت ' نفل سب پورے پڑھے جاتے ہیں ان میں قصر مطلقاً" نہیں ہوتا اس لئے یہاں **من الصلوۃ** فرمایا **من تبعیضیہ** کے ساتھ **ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا** چونکہ زمانہ نبوی میں اکثر سفر خطرناک ہوتے تھے کفار کا خوف ہر مسافر کو لگا رہتا تھا اس واقعہ کے بیان کے لئے یہ ارشاد ہوا غرضیکہ خوف کفار کی قید بیان واقعہ کے لئے اتفاقی ہے احترازی نہیں۔ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ بحالت امن بھی سفر میں قصر واجب ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے **یفتنکم** میں خطاب ان ہی مسافر مسلمانوں سے ہیں جن سے خطاب ابھی **علیکم** اور **ان تقصروا** میں تھا۔ فتنہ سے مراد ہے ایذاء پہنچانا۔ **کفروا** سے مراد ہر قسم کے حربی کفار ہیں اہل کتاب ہوں یا مشرکین یعنی اگر تمہیں خوف ہو کہ کفار تم کو نماز میں ستائیں گے کہ تم تو نماز میں مشغول ہوگے وہ تم پر حملہ کر دیں گے تو تم فرض نماز میں قصر کرلیا کرو تاکہ تم کو اداء نماز میں دیر نہ لگے اور کفار کو تم پر حملہ کرنے کا زیادہ موقعہ نہ ملے ' رہے نفل و سنت وہ تو تم سواری پر بھی پڑھ سکتے ہو اس لئے نہ اس میں کفار کے حملہ کا اندیشہ ہے نہ قصر کی ضرورت **ان الکفرین کانوا لکم عدوا مبینا** ۔ یہ اس گذشتہ مضمون کو گویا علت ہے کافرین جمع ہے اس لئے **کانو** جمع ارشاد ہوا مگر چونکہ **عدوا** اسم جنس ہے جو ایک اور زیادہ سب پر بولا جاتا ہے اس لئے **اعداء** " جمع نہ فرمایا بلکہ **عدو** اور واحد ہی ارشاد ہوا نیز کفار خواہ کسی قسم کے ہوں مسلمانوں سے سب کو عداوت ایک ہی قسم ہے گویا وہ نوعیت عداوت میں ایک ہی ہیں کہ سب دینی روحانی دشمن ہیں۔ اگرچہ بعض نادان دشمن ہیں اور بعض دانا دشمن۔ جب ہمارا کفار کا خدا ' رسول ' قرآن ' کلمہ ' نماز وغیرہ کچھ بھی ایک نہیں تو ان سے محبت کیسے ہو سکتی ہے ' اس لئے بھی **عدو واحد** آیا **مبینا** کے معنی ہیں کھلا ہوا ظاہر روشن یعنی کفار تمہارے کھلے ہوئے ظاہر دشمن ہیں وہ تمہاری ہر مشغولیت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں ' لہٰذا ان سے ہوشیار رہو۔ قصر نماز کی اس آیت کو کفار کی عداوت کے ذکر پر ختم فرما کر اشارۃً " بتایا کہ قصر نماز تاقیامت اس لئے باقی رکھی کہ تم کو عداوت کفار یاد رہے طواف کا رمل ظہرو عصر کی نمازوں میں آہستہ قرات اور سفر کا قصر اس عداوت کو یاد دلانے کے لئے ہے خیال رکھو کہ مسلمانوں کی آپس میں عداوت عارضی ہے دنیا میں یا بعد موت ختم ہو جائے گی اور کفار سے دوستی عارضی ہے دنیا یا آخرت میں ختم ہو جائے گی۔ رب فرماتا ہے **الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین** خونی محبتیں فانی ہیں دینی اسلامی محبتیں باقی ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانو جب بھی تم کسی مقصد کے لئے سفر کرو تو اس میں گناہ نہ سمجھو کہ بعض نمازوں میں قصر کرلیا کرو کہ چار رکعت والے فرض دو رکعت پڑھو باقی سنتیں نفل و وتر وغیرہ پوری پڑھو اگر تم کو یہ خوف ہو کہ تمہاری دراز نمازوں کی مشغولیت میں کفار تم کو نقصان پہنچائیں گے۔ ان کے یہ برے ارادے ہیں اس لئے ہم نے نماز فرض میں تخفیف کردی کہ چار کے دو کر دیئے باقی نوافل وغیرہ میں نہ سفر تو ڑنا پڑتا ہے نہ زمین پر اتر کر پڑھنا ہوتی ہیں لہٰذا وہ پوری پڑھو سواری پر چلتے چلتے پڑھو

کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں اگرچہ کافر کسی قسم کا ہو مگر مسلمانوں کی دشمنی میں برابر ہے اس سے پرخطر رہو۔ خیال رہے کہ سفر میں نفل و سنت سواری پر بھی پڑھے جاسکتے ہیں مگر فرض نیچے اتر کر پڑھنا ضروری ہے یا اب کھڑی ریل میں پڑھ سکتے ہیں اس مسئلہ کی دلیل یہ ہی آیت کریمہ ہے اب جو لوگ چلتی ریل میں فرض نماز جائز کہتے ہیں اس آیت کریمہ کے خلاف کرتے ہیں اگر فرض چلتی سواری پر جائز ہوتے تو نہ خطر کا حکم ہوتا نہ اس قید کا کچھ فائدہ ہوتا کہ **ان خفتم ان یفتنکم** الخ

سفر میں قصر : ساری امت کا اس پر اجماع ہے کہ سفر میں نماز کا قصر ہے یعنی چار رکعت فرض دو رکعت پڑھی جائیں گی اس میں اختلاف ہے کہ قصر جائز ہے یا واجب ہم احناف کے ہاں قصر واجب ہے حضرت عمر و علی و عبد اللہ ابن عمر جابر ابن عبد اللہ و ابن عباس خواجہ حسن بصری عمر ابن عبد العزیز قتادہ امام مالک یہ ہی فرماتے ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ پہلے ہر نماز دو رکعت فرض ہوئی پھر نماز سفر تو اسی طرح دو رکعت رہی اور وطن کی نمازیں بڑھادی گئیں (مسلم و بخاری) امام شافعی فرماتے ہیں کہ قصر جائز ہے مسافر کو اختیار ہے دو رکعت پڑھنے یا چار مگر قصر افضل ہے (خازن) مگر مذہب حنفی نہایت قوی ہے اس کے لئے ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم کا مطالعہ فرماؤ۔

ہر سفر میں قصر ہے : ہمارے احناف کے ہاں سفر خواہ مباح ہو جیسے تجارت نوکری سیر و تفریح کا سفر یا ثواب جیسے جہاد حج طلب علم دین کا سفر یا گناہ جیسے چوری ڈکیتی کے لئے سفر ہر سفر میں قصر ہے مگر امام شافعی کے ہاں سفر گناہ میں قصر جائز نہیں احناف کا قول نہایت ہی قوی ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے یہاں **واذا ضربتم فی الارض۔ مطلقاً** فرمایا اس میں کوئی قید سفر جائز یا ثواب کی نہ لگائی معلوم ہوا کہ ہر سفر میں قصر ہے۔ نیز جب مجرم مسافر موزوں پر مسح تین دن کر سکتا ہے اور سفر کی اس رعایت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے تو قصر کی رعایت سے فائدہ کیوں نہ اٹھائے نیز سفر بذات خود کوئی برا نہیں ہوتا وہ کام برا ہوتا ہے جو وہاں کیا جائے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص گھر سے نکلے چوری کے لئے مگر بعد میں اس سفر میں بجائے چوری کے حج کر آئے یا اس کے برعکس گھر سے روانہ ہو حج یا جہاد کے لئے مگر بجائے اس کے ڈکیتی کر آئے ایسے سفر کے متعلق حضرت امام شافعی کیا فرمائیں گے۔ حضرت عمر گھر سے نکلے تھے حضور انور کو شہید کرنے مگر منزل مقصود پر پہنچ کر مومن صحابی ہو گئے۔ فرعونی جادوگر اپنے گھروں سے آئے تھے جادو کرنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے مگر اس سفر کے ذریعہ انہیں ایمان مل گیا۔ دیکھو چلنے کی ابتداء کفر پر ہے انتہاء ایمان و عرفان پر موسیٰ علیہ السلام گئے تھے مدین سے مصر یہ سفر مباح تھا پھر راہ میں گئے تھے آگ لینے یہ چلنا بھی مباح تھا مگر اس سفر میں نبوت جیسی نعمت مل گئی غرضیکہ سفر بذات خود برا یا اچھا نہیں نتیجہ کا اعتبار ہے۔ یہ بہر حال مذہب حنفی قوی ہے ہر سفر میں قصر واجب ہے۔

سفر کی مسافت : احناف کے ہاں سفر کی مسافت تین دن کی راہ ہے اس سے کم سفر میں قصر نہیں جو موجودہ سرکاری میلوں کے حساب سے تقریباً" ستاون 57 میل بنتے ہیں جو شخص ستاون میل کے ارادے سے گھر سے نکلے تو بستی چھوڑتے ہی قصر کرے اور واپسی میں داخل ہونے تک قصر کرتا رہے گا۔ امام شافعی کے ہاں چار برید یعنی سولہ فرسخ کے سفر میں قصر ہو جاتا ہے ہر فرسخ 3 میل کا کل 48 میل ہوئے۔ میل ہاشمی معتبر ہے ہر میل چھ ہزار ہاتھ کا مگر مذہب حنفی بہت قوی ہے اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم کا مطالعہ فرماؤ۔

مدت قیام : احناف کے نزدیک مسافر جس جگہ دوران سفر میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلے تو وہ وہاں عارضی مقیم ہو گیا اور اب وہاں رہتے ہوئے قصر نہیں کر سکتا نماز پوری پڑھے گا یہ حکم عارضی قیام کا ہے اپنے وطن میں اگر پانچ منٹ کے لئے بھی آئے تو مقیم ہو گا اور نماز پوری پڑھے گا بعض ائمہ کے ہاں دس دن قیام پر نماز پوری ہو جاتی ہے۔ مگر مذہب حنفی بہت قوی ہے۔ اس کے لئے ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم کا مطالعہ فرماؤ۔

سفر میں نفل : اس پر علماء امت کا اتفاق ہے کہ قصر صرف فرض نماز میں ہے وہ بھی چار رکعت والی نمازوں میں فرض کے علاوہ دوسری تمام نمازیں سنت' نفل' وتر وغیرہ میں نہ قصر ہے نہ معافی۔ مگر اس زمانہ کے بعض آرام طلب مدعیان علم یا لحدیث اور مرزائی کہتے ہیں کہ سفر میں نفل بالکل معاف ہیں۔ دیکھو تفسیر بیان القرآن مصنفہ مولوی محمد علی مرزائی لاہوری مگر ان لوگوں کا یہ قول درست نہیں کیونکہ یہاں آیت کریمہ میں فرمایا گیا **ان تقصروا من الصلوۃ من تبعیضیہ** سے معلوم ہوا کہ نہ پوری نماز میں قصر ہے نہ ہر نماز میں صرف چار رکعت والی نمازوں میں صرف فرض میں قصر ہو گا نیز حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام نے ہمیشہ سفر میں سنتیں وغیرہ پوری پڑھی ہیں ان حضرات کا یہ عمل اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے اس کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں ملاحظہ فرماؤ غرضیکہ نماز سفر کا مسئلہ بڑا اہم اور پیچیدہ ہے۔

پہلا اعتراض : یہاں آیت کریمہ میں فرمایا گیا **فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ** تم پر بعض نمازوں میں قصر کر لینے میں گناہ نہیں معلوم ہوا کہ قصر کرنا واجب نہیں بلکہ صرف مباح یہ عبارت مباح ہونے پر دلالت کرتی ہے نہ کہ وجوب پر (شافعی) **جواب** یہ قاعدہ درست نہیں قرآن کریم میں یہ عبارت واجب و فرض کے لئے بھی بولی گئی رب فرماتا ہے **فلا جناح علیہ ان یطوف بھما** ۔ جو حج یا عمرہ کرے اس پر صفا مروہ دوڑنے میں گناہ نہیں حالانکہ صفا مروہ دوڑنا حج میں ہمارے ہاں واجب ہے امام شافعی کے ہاں فرض ہے نیز مباح یا مستحب کی پہچان یہ ہے کہ اس کے نہ کرنے میں گناہ نہ ہو۔ کرنے میں گناہ نہ ہونا مباح مستحب فرض واجب سب کو شامل ہے۔ **دوسرا اعتراض** : حضرت عثمان نے اپنی خلافت کے آخری دور میں مکہ معظمہ میں حج کے لئے پہنچ کر نمازیں پوری پڑھیں حالانکہ آپ وہاں مسافر تھے۔ مہاجرین کو مکہ معظمہ میں دس دن سے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت ہی نہ تھی یوں ہی حضرت عائشہ صدیقہ آخر عمر شریف میں سفر میں پوری نماز پڑھتی تھیں اگر قصر واجب ہوتا تو یہ حضرات پوری نمازیں کیوں پڑھتے (شافعی)۔ نوٹ امام نووی نے یہ دلیل نہایت فخر سے شرح مسلم میں بیان فرمائی۔ **جواب**: ان بزرگوں کا عمل بتا رہا ہے کہ سفر میں قصر مباح نہیں بلکہ واجب ہے کیونکہ ان کا عمل یہ نہ تھا کہ کبھی قصر پڑھ لی کبھی پوری بلکہ جب انہوں نے قصر کی تو پوری کبھی نہ پڑھی اور جب پوری پڑھی تو قصر کبھی نہ کی عثمان غنی نے آخر خلافت میں مکہ معظمہ میں نکاح کر لیا تھا اور وہاں ہی مکان بنا کر اور بیوی صاحبہ کو رکھا تھا۔ اب چونکہ آپ کا گھر بن گیا اگر پانچ منٹ کے لئے بھی آئے تو پوری نماز پڑھتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے آخر میں فرمایا کہ تمام مسلمان میری اولاد ہیں۔ میں بحکم قرآن سب کی ماں ہوں جہاں جس کے گھر دس منٹ کے لئے بھی جاؤں میں مقیم ہوں۔ سب گھر میرے بچوں کے ہیں تو میرے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (روح المعانی۔ جاء الحق حصہ دوم) لہذا ان بزرگوں کا یہ عمل مذہب احناف کے خلاف نہیں۔ **نوٹ**: اس کے متعلق اور سوال و جواب ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں دیکھو۔ **تیسرا اعتراض**: حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اے

مکہ والو چار برید سے کم میں قصر نہ پڑھو مکہ سے عسفان جتنی مسافت میں قصر ہے معلوم ہوا کہ سفر کی مسافت تین دن کا راہ نہیں بلکہ اس سے کم ہے (شوافع)۔ **جواب:** اس حدیث کی اسناد میں عبدالوہاب ابن مجاہد ہے وہ محدثین کے نزدیک سخت ضعیف ہے حتی کہ سفیان ابن عیینہ اسے کاذب و جھوٹا کہتے ہیں۔ لہذا یہ حدیث سخت ضعیف ہے احادیث صحیحہ میں ہے کہ مسافر کے لئے موزوں پر مسح کی مدت تین دن ہے اور فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عورت بغیر محرم تین دن کا سفر نہ کرے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسافت سفر تین دن کا راہ ہے (جاء الحق حصہ دوم و روح المعانی)۔ **چوتھا اعتراض:** احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ پہنچ کر نماز قصر پڑھی حالانکہ ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے صرف تین میل دور ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ تین میل پر بھی قصر ہو جاتا ہے (غیر مقلد)۔ **نوٹ:** ان حضرات کے ہاں جو شخص اپنے کھیت پر یا جنگل سیر کے لئے جائے وہ قصر کرے۔ **جواب:** اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارادہ حج مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے تھے۔ تب آپ نے ذوالحلیفہ پہنچ کر قصر نماز پڑھی یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے اور واقعی جو شخص دراز سفر کے ارادہ سے نکلے وہ بستی نکلتے ہی قصر پڑھے گا' لہذا یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** کوئی شخص گناہ کے ذریعہ رحمت الٰہی کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ گناہ کے لئے سفر کرنا بھی گناہ ہے تو ایسے گنہگار مسافر کو قصر کی رعایت نہیں ملنی چاہئے صرف جائز سفر میں قصر درست ہے (شوافع)۔ **جواب:** یہ قاعدہ غلط ہے گناہ کے ذریعہ احکام شرعیہ مرتب ہو جاتے ہیں چوری کی چھری سے جانور ذبح کیا حلال ہے' چوری کے موزے پہن لئے اس پر مسح کر سکتا ہے' گناہ اور چیز ہے قانون کچھ اور چیز نیز کسی سفر کی متعلق یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ گناہ ہے جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **چھٹا اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ ایک سفر میں سیدنا عبداللہ ابن عمر نے کچھ لوگوں کو بعد نماز ظہر منزل پر سنتیں پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ اگر میں نے سنتیں پڑھنی ہوتیں تو فرض ہی پورے کیوں نہ پڑھ لیتا میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر میں سنتیں پڑھتے نہ دیکھا معلوم ہوا کہ سفر میں صرف چار فرض کی بجائے دو فرض پڑھنے چاہئیں سنتیں نفل وغیرہ نہ پڑھنے چاہئیں (غیر مقلد)۔ **جواب:** اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ سفر میں جلدی ہو اور سنتوں نفلوں کے لئے سفر روکنا زمین پر باقاعدہ کھڑے ہو کر ادا کرنا مناسب نہیں بلکہ یہ چیزیں سواری پر ہی پڑھ لینا چاہئیں ان کے لئے سفر روکنا نہ چاہئے یہاں اہتمام پر انکار ہے نہ کہ نفل ادا کرنے پر ورنہ انہیں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بہت روایات ہیں کہ میں نے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری پر نفل پڑھتے دیکھا یا حضور نے ظہر کی سنتیں سفر و حضر کہیں نہ چھوڑیں۔ **ساتواں اعتراض:** تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے فرض بجائے چار کے دو فرمادے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سنتوں میں رعایت نہ فرمائیں۔ حضور تو رحمت عالم ہیں پھر رحم کیوں نہیں فرماتے (غیر مقلد)۔ **جواب:** حضور رحمۃ للعالمین ہیں' اس لئے سنتیں کم نہیں فرماتے نماز رحمت ہے رحمت کا کم نہ ہونا ہی اچھا ہے فرض میں قصر کی وجہ ہم بیان کر چکے کہ فرض کے لئے سفر روکنا سواری سے اترنا پڑتا ہے سنت و نفل میں یہ پابندی نہیں سواری پر سفر کرتے ہوئے پڑھی جاسکتی ہیں اس لئے اس کے قصر کی ضرورت پیش نہ آئی۔ **آٹھواں اعتراض:** یہاں قرآن مجید نے قصر کے لئے خوف کفار کی قید لگائی۔ معلوم ہوا کہ امن کی حالت میں سفر میں قصر نہیں (داؤد اہل ظواہر)۔ **جواب:** قرآن کریم میں لفظ **ان** تین موقعوں پر استعمال ہوا ہے۔ تہدید کے لیعنی ڈرانے کے لئے جیسے **ان کان من عندالله ثم کفرتم به** بیان حالت کے لئے جیسے **ان اردن تحصنا** جسے اتفاقی کہتے ہیں۔ قید لگانے کے لئے جیسے **وانتم الاعلون ان کنتم مومنین** یہاں یہ قید اتفاقی ہے احترازی

نہیں چونکہ اس زمانہ میں عموماً سفر خطرناک ہوتے تھے اس لئے اس کا ذکر فرمایا گیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ خوف نہ ہو تو قصر بھی نہ کرو رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا تکرھوا فتیتکم علی البغاء ان اردن تحصنا** اگر تمہاری لونڈیاں زنا سے بچنا چاہیں تو انہیں زنا پر مجبور نہ کرو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر نہ بچنا چاہیں تو ان سے خوب زنا کراؤ یا فرماتا ہے اگر تم گناہ کبیرہ سے بچتے رہو گے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ معاف فرمادیں گے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر گناہ کبیرہ سے نہ بچو گے تو چھوٹے گناہ بھی معاف نہ ہوں گے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہم نے نہایت امن کے زمانہ میں منیٰ میں حضور کے ساتھ دو رکعتیں فرض پڑھے۔ حضرت عمر نے یہی سوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا تو فرمایا یہ قصر اللہ کا صدقہ ہے اسے قبول کرو۔ اگر مان بھی لیا جائے کہ اس وقت خوف کفار کی بناء پر سفر میں قصر تھا تو قصر کی ابتداء خوف کی بنا پر تھی مگر اس کا بقا مطلقاً ہے دیکھو طواف میں رمل کی ابتداء کفار مکہ کو مسلمانوں کی طاقت دکھانے کے لئے تھی مگر اب رمل کی بقاء مطلقاً ہے یوں ہی نماز ظہر و عصر میں آہستہ قرات کی ابتداء کفار مکہ کے خوف کی بنا پر تھی مگر اس کی بقا مطلقاً ہے۔ **نواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **ضربتم فی الارض** کیوں فرمایا گیا۔ بحری و ہوائی سفر میں قصر نہیں ہونا۔ **جواب:** اہل عرب کے سفر عموماً زمین میں ہی ہوتے تھے۔ ہوائی جہاز اس زمانہ میں تھے ہی نہیں سمندری کشتیوں میں دراز سفر نہ ہوتے تھے۔ نیز اب بھی سفر کا مبدا اور انتہا زمین ہی ہے کہ انسان زمین پر ہی رہتا ہے اور ہوائی سفر و بحری سفر میں بھی زمین طے کرنا مقصود ہوتی ہے اس لئے **فی الارض** فرمایا گیا۔ نیز **فی الارض** فرما کر بتایا گیا کہ سفر میں زمین کی مسافت کا اعتبار ہے فضا کی یا پہاڑ کی بلندی کی مسافت معتبر نہیں فضا میں بذریعہ راکٹ ہزار میل اونچے اڑ جاؤ مگر رہو اپنے شہر کے اوپر تو تم نہ مسافر ہو نہ وہاں قصر پڑھو گے نیز ضربتم میں اشارۃً ارشاد ہے کہ زمین کی مسافت میں قدم کی رفتار معتبر ہے۔ موٹر ریل یا ولی کی طی الارض معتبر نہیں اور زمین میں عام رہنے بسنے کی زمین کا لحاظ ہے رستہ پتھریلا علاقہ کا اعتبار نہیں۔ **دسواں اعتراض:** یہاں فی الارض مطلق ہے تین دن یا ان کی مسافت کی قید نہیں تو چاہئے کہ مطلقاً سفر میں قصر ہو جائے اگرچہ ایک میل ہی کا ہو۔ (غیر مقلد)۔ **جواب:** یہ آیت مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مفصل فرمایا کہ اتنے دراز سفر میں قصر ہے اس سے کم میں نہیں ورنہ پھر چاہئے کہ گھر سے مسجد تک جاؤ تو قصر پڑھو بلکہ کوٹھڑی سے گھر کے صحن میں آؤ تو قصر پڑھو کیونکہ **ضربتم فی الارض** فرمایا ہے۔ جس کے معنی ہیں تم زمین میں چلو۔ چلنا مسجد تک ہو یا گھر کی کوٹھڑی تک۔ **گیارھواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **کانوا لکم عدوا مبینا** کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں قاعدہ چاہتا تھا کہ **اعداء مبینا** فرمایا جائے کہ **کانوا** جمع ہے تو **عدوا** واحد کیوں لایا گیا۔ **جواب:** **عدو** اسم جنس ہے جو واحد و جمع سب پر بولا جاتا ہے یہاں جمع پر بولا گیا ہے چونکہ تمام کفار کی عداوت مسلمانوں سے یکساں طور پر ہے یعنی دینی ایمانی عداوت اس لئے **عدو** ارشاد ہوا بہر حال آیت کریمہ واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں مسلمان جب نیک اعمال خصوصاً نماز ادا کرتا ہے تو وہ گویا آخرت کی طرف سفر کرتا ہے اعمال صالحہ کرنا اپنے اصلی وطن کی طرف سفر کرنا ہے۔ پردیس سے دیس میں ہو جاتا ہے۔ اتمام نماز یہ ہے کہ صرف فرائض پنجگانہ پر قناعت نہ کی جائے بلکہ اشراق، چاشت، تہجد، اوابین وغیرہ بھی ادا کئے جائیں نماز کا قصر صوفیاء کے ہاں یہ ہے کہ فرائض پنجگانہ پر قناعت کی جائے نفس و شیاطین ہمارے دشمن کفار ہیں، فرمایا جا رہا ہے کہ جب تم بذریعہ اتمام نماز سفر آخرت کرو اور تم پر نفس امارہ

نیند، سستی، کمزوری وغیرہ واقع کر کے فتنہ میں مبتلا کر دے تو اس میں گناہ نہیں کہ تم ایسی مجبوری میں صرف فرائض پنجگانہ پر قصر یعنی کفایت کر لو اور نیند کی بے خودی میں نوافل نہ پڑھو کہ ممکن ہے اس نیند کی حالت میں تم پڑھو کچھ اور منہ سے نکلے کچھ۔ اس کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر شخص بقدر خوشی نوافل پڑھے' نیند کے غلبہ پر آرام کرے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ شیطان کا فریب یہ بھی ہوتا ہے کہ مسلمان کو ایک دفعہ تو تمام رات نوافل پڑھوا دے اور دوسرے دن فرض پڑھنے کے قابل نہ رکھے' بہترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہو یہ آیت کریمہ اعمال میں میانہ روی کی تعلیم دے رہی ہے نفس و شیطان کھلے دشمن ہیں اگر یہ تم سے نفل عبادات کرائیں تو اس میں بھی ان کی چال ہے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ **ان تقصروا** میں ہم سے خطاب فرما کر یہ بتایا کہ نماز سفر میں قصر تمہاری طرف سے ہوگا کہ چار کی بجائے تم دو پڑھو گے ہماری طرف سے قصر یعنی کمی نہ ہوگی ہم ثواب چار رکعت کا دیں گے یا حضر میں قصر کی نماز کا ثواب بخشیں گے۔ کیونکہ بیمار کو تندرستی کی عبادات کا ثواب ملتا ہے اور مسافر کو گھر کی عبادات کا ثواب عطا ہوتا ہے اور فرماتے ہیں کہ یہاں **ان خفتم** کے خطاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر عوام مسلمان تک سب داخل ہیں حضرات انبیاء و اولیاء کی واردات مختلف ہیں' کبھی ان پر بشریت کا ظہور ہوتا ہے تب ان کو بھوک پیاس خوف اور کفار سے خطرہ سب کچھ لاحق ہوتا ہے' موسیٰ علیہ السلام نے خوف فرعون کا اظہار فرمایا **ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی**۔ حضور ہجرت کی شب غار ثور میں پردہ پوش ہوئے کبھی ان پر نورانیت کی جلوہ گری ہوتی ہے تو نہ انہیں غذا و پانی کی ضرورت ہوتی ہے نہ کسی سے خوف' حضور کو غزوۂ حنین میں کفار نے گھیر لیا تو تن تنہا سب کو بھگا دیا کوئی خوف نہ فرمایا فرعونی جادوگر مومن ہو کر فرعون سے بولے **فاقض ما انت قاض** جو تجھ سے ہو سکے کر لے' عیسیٰ علیہ السلام بغیر غذا صدہا سال سے آسمان پر ہیں حضور صوم وصال میں متواتر کئی دن تک کھاتے پیتے نہ تھے یہ تھی نورانیت کی جلوہ گری یہاں **اذا خفتم** میں حضور بھی داخل ہیں اور بشریت کے ظہور کا ذکر ہے۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ

اور جب ہو تم ان میں پھر قائم کرو ان کے لئے نماز کو تو چاہیے کہ کھڑا ہو ایک گروہ ان میں سے

اور اے محبوب جب تم ان میں تشریف فرما ہو پھر نماز میں ان کی امامت کرو تو چاہیے کہ ان میں ایک

مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ

ساتھ تمہارے اور وہ لئے رہیں ہتھیار اپنے پھر جب سجدہ کر لیں وہ تو ہو جائیں تمہارے پیچھے اور چاہیے

جماعت تمہارے ساتھ ہو اور وہ اپنے ہتھیار لئے رہیں پھر جب وہ سجدہ کر لیں تو ہٹ کر پیچھے ہو جائیں

وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا

کہ آ جائے گروہ دوسرا جس نے نہ نماز پڑھی [illegible] اور [illegible]

اور اب دوسری [illegible] تمہارے مقتدی ہوں اور چاہیے کہ

حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ

اپنے بچاؤ ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا کہ کسی طرح غافل ہو جاؤ تم اپنے

اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں اور کافروں کی تمنا ہے کہ کہیں تم اپنے ہتھیاروں

اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا

سامانوں سے تو ٹوٹ پڑیں تم پر یک بارگی اور نہیں

اور اپنے اسباب سے غافل ہو جاؤ تو ایک دفعہ تم پر جھک پڑیں اور تم پر

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ

ہے گناہ اوپر تمہارے اگر ہو تم کو تکلیف بارش سے یا ہو تم بیمار یہ کہ رکھ دو

مضائقہ نہیں اگر تمہیں مینہ کے سبب تکلیف ہو یا بیمار ہو کہ اپنے ہتھیار کھول رکھو

تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا

تم ہتھیار اپنے اور لئے رہو تم بچاؤ اپنا بیشک اللہ نے تیار کیا ہے واسطے کافروں

اور اپنی پناہ لئے رہو بے شک اللہ نے کافروں کے لئے خواری کا عذاب تیار

مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾

کے عذاب ذلت والا

کر رکھا ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں عام سفروں میں دی ہوئی رعایت کا ذکر تھا یعنی نماز کا قصر کرنا اس آیت کریمہ میں خاص سفر جہاد میں بحالت خوف دی ہوئی رعایت کا ذکر ہے یعنی نماز خوف کا طریقہ بتایا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں قصر رکعات کا ذکر تھا کہ مسافر سفر میں بجائے چار کے دو رکعت فرض ادا کرے اب خاص صورتوں میں نماز قصر کے احکام کا ذکر ہے کہ نمازی مجاہد بحالت خوف نماز میں چل پھر بھی سکتا ہے ہتھیار وغیرہ بھی اٹھا سکتا ہے غرضیکہ ایک قسم کے قصر کا ذکر فرما کر دوسرے قسم کے قصر کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسافر کی اس رعایت کا ذکر تھا جس کا تعلق ہر مسافر سے ہے خوف ہو یا نہ ہو۔ اب اس رعایت کا ذکر ہے جس کا تعلق بعض مسافروں سے ہے یعنی خوف و ہراس میں مبتلا مسافر۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں اس رعایت کا ذکر تھا جو اکیلے نماز پڑھنے والے مسافر سے بھی متعلق تھی اور باجماعت نماز پڑھنے والے مسافروں سے بھی اب اس خاص رعایت کا ذکر ہے جو صرف باجماعت نماز پڑھنے والے بعض مسافروں سے تعلق رکھتی ہے غرضیکہ عمومی رعایت کے بعد خصوصی رعایت کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **پانچواں تعلق:** نماز تین طرح کی ہے گھر کی نماز' سفر کی نماز' ڈر کی نماز۔ گھر کی نماز کا ذکر تو قرآن کریم میں بارہا کیا گیا ہے۔ پچھلی آیت میں سفر کی

نماز کاذکر تھا اب ڈر کی نماز کا ذکر ہے۔

شان نزول : اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ ایک یہ کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غازی صحابہ کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع میں تشریف لے گئے جب میدان کارزار میں پہنچے۔ وقت ظہر آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو نماز باجماعت پڑھائی بعد نماز مشرکین افسوس کرنے لگے کہ ہم نے بڑا اچھا موقعہ ہاتھ سے کھودیا جب یہ لوگ سجدہ میں گئے تھے تو ایک دم ان پر حملہ کر دیتے کسی مسلمان کو سجدے سے اٹھنے ہی نہ دیتے۔ تب کفار کے بوڑھے بولے کہ مت گھبراؤ ابھی کچھ دیر بعد مسلمانوں کی نماز عصر آرہی ہے جو ان کو جان ومال واولاد سے زیادہ پیاری ہے۔ تیار رہو جب سجدہ میں جائیں تو ایک دم حملہ کر کے سب کو تہ تیغ کر دو۔ تب نماز عصر سے پہلے ہی یہ آیت کریمہ آئی جس میں نماز خوف پڑھنے کا طریقہ سکھایا گیا کہ مسلمان باجماعت نماز بھی پڑھ لیں اور کفار کی شر سے محفوظ بھی رہیں۔ دوسری یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام عسفان میں غازی صحابہ کرام کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ مشرکین سے مقابلہ تھا۔ اس وقت لشکر کفار کے جرنیل حضرت خالد ابن ولید تھے جو بعد میں مسلمان بنے 'سیف اللہ بنے' اسلام کے جرنیل اعظم بنے۔ وہاں یہی مذکورہ واقعہ پیش آیا۔ حضرت خالد ابن ولید نے نماز ظہر دیکھ کر افسوس کیا اور نماز عصر میں مسلمانوں کو قتل کر دینے کی تدبیر کی تب ظہر وعصر کے درمیان یہ آیت آئی (خازن' روح البیان' روح المعانی' کبیر وغیرہ)۔ تیسری یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی محارب اور بنی انمار پر حملہ کیا۔ رب تعالیٰ نے فتح دی تمام کفار بھاگ گئے میدان میں ایک کافر نہ رہا۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم استنجا فرمانے لشکر سے دور نکل گئے۔ تیز بارش آگئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا ایک ببول کی جڑ میں بارش رکنے کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ خالی ہاتھ تھے 'لشکر سے کافی دور تھے' اکیلے تھے' کہ ایک کافر غورث ابن حارث محاربی یہ موقع دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے بولا کہ خدا مجھے غارت کرے اگر میں اس وقت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل نہ کروں۔ یہ مع اپنی جماعت کے ایک پہاڑی کی چوٹی پر تھا' تلوار لے کر اترا اور جب بالکل حضور انور کے سر مبارک کے پاس پہنچ گیا تو حضور نے اسے دیکھا یہ تلوار سونتے ہوئے تھا۔ بولا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا۔ حضور نے فرمایا میرا اللہ مجھے بچائے گا' پھر دعا کی الٰہی مجھے غورث ابن حارث کے شر سے بچالے ابھی آپ کی دعا پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ غورث کے پاؤں میں زور کی لغزش ہوئی اوندھے منہ گرا اور اس کی تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا پڑی اب وہی تلوار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھالی اور اس کے سر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا۔ وہ بولا کوئی نہیں فرمایا بول کیا کلمہ پڑھتا ہے بولا میں کلمہ تو نہیں پڑھتا۔ مگر آپ سے عہد کرتا ہوں کہ عمر بھر نہ تو آپ سے جنگ کروں گا نہ آپ کے دشمن کو جنگ میں مدد دوں گا آپ نے اسے چھوڑ دیا اور اس کی تلوار اسی کو دے دی۔ وہ بولا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مجھ سے اچھے ہیں فرمایا میں اچھائی کے لئے ہی بھیجا گیا ہوں۔ جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا تو اس کے ساتھیوں نے اس سے کہا کہ تو نے ایسا موقعہ ہاتھ سے کیوں کھودیا وہ بولا قسم خدا کی مجھے خبر نہیں مجھے کس نے گرادیا اور سارا ماجرا بیان کیا اسی وقت ان میں سے بہت لوگ مسلمان ہوگئے اس موقعہ پر آیت کریمہ کا آخری حصہ **ان کان بکم اذی من مطر** الخ نازل ہوا۔ (خازن' روح المعانی' تفسیر صاوی وغیرہ) تفسیر صاوی نے فرمایا کہ غورث پھر اسی پہاڑی پر رہنے بسنے لگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ساری پہاڑی مع اس جنگل کے غورث کے ساتھیوں کو عطا فرمادی یہ ہے اس کریم کی بندہ نوازی۔

کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو تم ایسے رحمۃ للعالمین ہو

تفسیر: **واذا کنت فیھم** کنت میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور فیھم کی ضمیر غازیان صحابہ کرام کی طرف راجع ہے **اذا ظرفیہ** ہے۔ جس میں شرط کے معنی شامل ہیں **فاقمت لھم الصلوۃ** یہ عبارت کنت الخ پر معطوف ہے ف عاطفہ ہے اقامت نماز سے مراد ہے نماز پڑھانے کا ارادہ کرنا لھم کا مرجع وہی غازیان صحابہ ہیں اور صلوٰۃ سے مراد فرض نماز ہے۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب غازیان صحابہ کے ساتھ غزوہ میں آپ بھی تشریف فرما ہوں جنگ کی حالت ہو اور نماز کا وقت آجائے آپ غازیوں کو نماز پڑھانا چاہیں دشمن کا خطرہ سخت ہو اور قوی اندیشہ ہو کہ آپ نماز میں مشغول ہوں تو کفار حملہ کردیں اتنی شرطوں کا خیال رہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہ حکم تاقیامت جاری ہے اور غازیوں میں علماء صلحاء کی موجودگی گویا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی موجودگی ہے۔ جمہور صحابہ اور عام علما مجتہدین کا یہی مذہب لہٰذا یہ آیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص نہیں اور یہ نماز خوف تاقیامت جاری ہے۔ **فلتقم طائفۃ منھم معک** یہ عبارت اذا کی جزاء ہے۔ **منھم** کا مرجع وہ غازی صحابہ ہیں **معک** سے مراد نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا ہے یعنی آپ ایسی خطرناک حالت میں غازیوں کی دو جماعتیں کردیں ایک جماعت تو آپ کے ساتھ نماز میں کھڑی ہو جائے اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل کھڑی رہے خواہ دشمن جانب قبلہ میں ہو یا کسی اور طرف کیونکہ اس آیت میں کوئی قید نہیں لگائی گئی۔ خیال رہے کہ معک سے مراد نماز میں ہمراہی ہے نہ کہ جگہ میں کیونکہ مقتدی امام سے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔ ساتھ نہیں کھڑے ہوتے ہاں نماز میں ساتھ ہوتے ہیں۔ **ولیاخذوا اسلحتھم** یہ غازیوں کو دوسرا حکم ہے اور یہ عبارت **فلتقم** پر معطوف **یاخذوا** کا فاعل یہ غازی لوگ ہیں یا دشمن کے مقابل کھڑے ہونے والے یا دونوں (خازن) اگر غازی لوگ فاعل ہیں تو اسلحہ یعنی ہتھیاروں سے مراد وہ ہتھیار ہوں گے جو لوائے نماز میں رکاوٹ نہ بنیں جیسے تلوار، خنجر یا آج کل بندوق برین گن وغیرہ جو ہتھیار نماز نہ پڑھنے دیں وہ مراد نہیں جیسے اس زمانہ میں کمان تیر نیزے بھالے اور آج کل توپ وغیرہ (تفسیر روح المعانی) اور اگر لیاخذوا کا فاعل دوسری جماعت ہے جو دشمن کے مقابل کھڑی ہے تو اسلحہ سے مراد عام ہتھیار ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ ابھی نماز میں نہیں انہیں رکوع سجدہ کرنا نہیں۔ یعنی یہ نمازی لوگ یا وہ دشمن کے مقابل حضرات یا یہ دونوں جماعتیں اپنے ہتھیار لئے رہیں کیونکہ خطرہ قوی ہے۔ خیال رہے کہ یہاں لیاخذوا کے معنی ہیں لئے رہیں نہ یہ کہ اب نماز میں اٹھالیں۔ **فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم** یہ دوسرا حکم ہے۔ جس کا تعلق اس نماز پڑھنے والی جماعت سے ہے۔ **سجدوا** سے مراد رکعت اولیٰ کا دوسرا سجدہ ہے جس پر پہلی رکعت ختم ہو جاتی ہے۔ **ورائکم** سے مراد ہے نماز سے علیحدہ ہو جانا دشمن کے مقابل پہنچ جانا خواہ دشمن سامنے جانب قبلہ ہو یا دائیں یا بائیں یا پیچھے یعنی جب یہ گروہ جو آپ کے ساتھ نماز میں شامل ہے آپ کے ہمراہ دوسرا سجدہ رکعت اول کا کرے اور اگر نماز مغرب ہے۔ جس میں قصر نہیں یا نماز خوف بحالت اقامت ہو رہی ہے پوری چار رکعتیں پڑھنا ہیں اور دوسری رکعت کا دوسرا سجدہ کرلیں تو نماز سے ہٹ کر پیچھے ہو جائیں دشمن کے مقابل پہنچ جائیں۔ **ولتات طائفۃ اخری** دوسرے گروہ سے وہ جماعت مراد ہے۔ جو اب تک ہتھیار بند دشمن کے مقابل تھی تلت سے مراد ہے دشمن کے مقابلہ سے ہٹ کر امام کے پیچھے آجانا چونکہ اس جماعت کا ذکر اس سے پہلے نہیں ہوا تھا اس لئے طائفۃ نکرہ لایا گیا۔ **لم یصلوا فلیصلوا معک۔ لم یصلوا**

طائفۃ کی دوسری صفت ہے اس سے مراد ہے اب تک نماز میں شریک نہ ہونا اور **یصلوا معک** سے مراد ہے دوسری رکعت پڑھنا۔ جو امام کی دوسری صفت ہے اور ان کی پہلی یا امام کی تیسری ہے اور ان کی پہلی یہ جماعت مسبوق ہے۔ جیسے پہلی جماعت لاحق تھی یعنی رکعت اول یا بعض صورتوں میں رکعت دوم کا دوسرا سجدہ کرنے کے بعد پہلی جماعت تو دشمن کے مقابل چلی جائے۔ اور اب دوسری جماعت آپ کے پیچھے آجائے جنہوں نے اب تک نماز نہیں پڑھی ہے وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اسی طرح کہ آپ کی یہ رکعت دوم یا سوم ہے اور ان کی رکعت اول **ولیاخذوا حذرھم واسلحتھم**۔ یہ اس دوسری جماعت کو دوسرا حکم دیا جا رہا ہے۔ **لیاخذوا** کا فاعل یہی دوسری جماعت ہے جو اب نماز میں شریک ہوئی **حذرھم** سے مراد ہے دفاع کا سامان جیسے ڈھال وغیرہ اور اسلحہ سے مراد ہے جارحانہ حملہ کرنے کے ہتھیار چونکہ پہلی رکعت میں کفار کو مسلمانوں کی نماز کا پتہ نہ لگا تھا کہ ایک جماعت ان کے مقابل تھی اب اسی جماعت کے جانے اور اس دوسری جماعت کے امام کے پیچھے آنے سے انہیں نماز کا پتہ لگ گیا۔ اب وہ ضرور حملہ کرنا چاہیں گے کیونکہ وہ نماز کے منتظر تھے اسی لئے یہاں ہتھیار کے ساتھ **حذرھم** کا ذکر بھی فرمایا ممکن ہے کہ اسی **لیاخذوا** کا فاعل دونوں جماعتیں ہی ہوں۔ یعنی یہ دوسری جماعت والے یا دونوں اپنے دفاع کا سامان بھی ساتھ رکھیں اور ہتھیار بھی کہ اب خطرہ زیادہ ہے **ود الذین کفروا لو تغفلون عن اسلحتکم وامتعتکم**۔ یہ گذشتہ حکموں کی وجہ و حکمت کا ذکر ہے اور یہاں خطاب دونوں فریق سے ہے نماز پڑھنے والوں سے بھی اور دشمن کے مقابلین سے بھی **کفروا** سے مراد وہی کافر ہیں جن کی سازش کو ناکام بنانے کے لئے یہ آیت کریمہ آئی **لو** بمعنی ان ہے۔ جس میں تمنا کے معنی شامل ہیں۔ **اسلحہ** سے مراد ہے ہتھیار جمع سلاح کی اور **امتعۃ** سے مراد ہے راشن وغیرہ کا دوسرا سامان جمع متاع کی چونکہ حضرات صحابہ کرام بحالت نماز دنیا **و مافیہا** سے بے خبر ہو کر متوجہ الی اللہ ہو جاتے تھے اس لئے یہاں نماز پڑھنے کو **تغفلون** فرمایا۔ کفار کا مقصد یہ تھا کہ سارے مسلمان نماز میں مشغول ہو جائیں تو ہم اپنا کام کریں رب تعالیٰ نے نماز پڑھنے کو **تغفلون** فرمایا۔ لہذا اس جملہ پر یہ اعتراض نہیں کہ رب تعالیٰ نے صحابہ کی نماز کو غفلت کیوں فرمایا۔ خیال رہے کہ جب حضرات صحابہ کی خطرناک موقعوں کی نمازیں ایسی خشوع خضوع والی ہوتی تھیں تو امن کی حالت میں اطمینان والی نمازیں کیسی ہوتی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے صدقہ میں ہم کو ایسی بے خبری و بے خودی کی نمازیں نصیب کرے۔ **فیمیلون علیکم میلۃ واحدۃ**۔ یہ عبارت **لو تغفلون** کی جزاء ہے۔ **یمیلون** میل سے بنا بمعنی جھکنا مائل ہونا یہاں مراد ہے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑنا **میلۃ واحدۃ** سے مراد ہے اچانک حملہ کر دینا جس کا مسلمانوں کو وہم بھی نہ ہو یا تمام کفار کا مل کر حملہ بول دینا کہ مسلمان سجدے ہی میں قتل کر دیئے جائیں اور سر نہ اٹھا سکیں یعنی کفار کی آرزو تو یہ تھی کہ تم سب نماز میں مشغول ہو کر اپنے ہتھیاروں سامانوں سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر اچانک یکبارگی حملہ کر دیں جس سے تم سب مارے جاؤ اور تمہارا سامان ان کے قبضہ میں آجائے رب تعالیٰ نے ان کی یہ تدبیر بیکار کر دی۔ **ولا جناح علیکم ان کان بکم اذی من مطر او کنتم مرضی ان تضعوا اسلحتکم**۔ یہ دوسرا نیا حکم ہے۔ جس میں ان نمازیوں پر آسانی فرمائی جا رہی ہے **اذی** سے مراد ہے تکلیف اس کا بیان ہے **من مطر** چونکہ بارش میں بعض سامان جنگ بھیگ کر بھاری بھی ہو جاتا ہے اور بارش میں سامان لئے ہوئے نماز پڑھنا بہت مشکل بھی ہوتا ہے اور سخت بارش میں جنگ بھی عموماً" نہیں ہوا کرتی اسی طرح نمازی بیماری میں کمزوری کی وجہ سے بھاری ہتھیار لے کر نماز نہیں پڑھ سکتا۔ حضرت عبدالرحمن ابن عوف فرماتے ہیں کہ اسی غزوہ میں میں بیمار تھا۔ جب یہ نماز خوف پڑھی گئی تو میرے متعلق یہ رعایت دی

گئی یعنی اگر تم کو اس حالت میں بارش کی تکلیف پیش آجائے یا تم بیمار ہو تو تم کو ہتھیار کھول دینے کی اجازت ہے کہ اس سے تم کو نماز میں سخت تکلیف ہوگی۔ **لاجناح** فرما کر اشارۃً بتایا گیا کہ جو نمازی ایسی حالت میں بلا ہتھیار لئے امن کی سی نماز پڑھے وہ گنہگار ہے اس حالت میں ویسی ہی نماز پڑھو جیسی اللہ رسول بتائیں۔ اور جیسی صحابہ کرام فرمائیں۔ کیونکہ نفس نماز نفس حج و زکوۃ بذات خود عبادت نہیں عبادت تو ان کی اطاعت ہے اس لئے بعض وقت روزہ نماز حرام ہو جاتی ہیں۔ طلوع غروب کے وقت سجدہ حرام عید کے دن روزہ حرام۔ لہذا امن کی حالت میں سکون کی نماز عبادت ہے اور ایسی خوف کی حالت میں بھاگ دوڑ اور بے اطمینانی کی نماز عبادت ہے ادا کا حکم ہو تو ادا عبادت ہے۔ قضا کا حکم ہو تو ادا حرام قضا واجب مگر خیال رکھنا کہ ایسی حالت میں ہتھیار تو کھول دو مگر **وخذوا حذرکم** ایسی حالت میں بھی اپنا سامان دفاع لئے رہو کہ بالکل نہتے نہ ہو جاؤ۔ یہ جنگ کی حالت میں سخت خطرناک ہے۔ **ان اللہ اعد للکافرین عذابا مہینا**۔ اس مضمون کا مقصد یہ ہے کہ ہمارا تم پر بڑا ہی کرم ہے کہ تم کو ایسے نازک موقعوں پر کفار سے بچاتے ہیں اور کفار پر ہمارا سخت غضب ہے کہ یہاں تمہارے ہاتھوں انہیں قتل کراتے ہیں کل بعد قیامت ان کو سخت عذاب دیں گے رسوائی والا۔ لہذا تم جنگوں میں ہوشیار ہو تاکہ تمہارے ذریعہ کفار کو یہاں پٹوایا جائے۔ آگے عذاب کے فرشتے ان کی سزا کے لئے تیار ہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

محال است چوں دوست دارد ترا   کہ در دست دشمن گذارد ترا

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد میں غازی جانباز صحابہ کرام کے ساتھ آپ تشریف فرما ہوں اور وقت نماز آجائے۔ نماز بھی دو رکعت فرض کی ہوں جیسے فجر یا قصر سفر اور دشمن کے متعلق سخت خطرہ ہو کہ مسلمان نماز میں ہوں تو وہ لوگ حملہ کردیں گے تب آپ غازی صحابہ کی دو جماعتیں کردیں ایک جماعت تو آپ کے پیچھے صف بستہ ہو کر نماز میں کھڑی جائے اور یہ نمازی جماعت بھی نہتی نہ ہو بلکہ ہتھیار بند ہو کر نماز پڑھے اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل کھڑی رہے۔ یہ بھی ہتھیار بند ہو کہ جب نمازی لوگ ہتھیار بند ہیں تو یہ لوگ بدرجہ اولیٰ ہتھیار بند چاہئیں جب یہ نمازی جماعت آپ کے ہمراہ ایک رکعت پڑھ لے اور اسی کا دوسرا سجدہ کرلے اور اگر نماز مغرب ہو یا چار فرض پڑھتیں ہوں کہ اقامت کی حالت میں جہاد ہو تو یہ جماعت دو رکعت آپ کے پیچھے پڑھیں۔ پھر یہ نمازی لوگ تو ہٹ کر دشمن کے مقابل چلے جائیں اور دوسری جماعت جو اب تک دشمن کے مقابل تھی وہ آپ کے پیچھے صف بستہ نماز میں کھڑی ہو جائے اور بقیہ نماز ایک رکعت یا چار فرض ہوں تو دو رکعت آپ کے پیچھے پڑھے مگر یہ لوگ ہتھیار بند بھی رہیں اور دفاع کا سامان ڈھال وغیرہ بھی اپنے ساتھ رکھیں کیونکہ اب دشمن کا خطرہ زیادہ ہے کہ انہیں تمہاری اس نقل و حرکت سے تمہارے نماز میں مشغول ہونے کا پتہ لگ گیا ہے کفار نے تو چاہا تھا کہ تم نماز میں مشغول ہو کر اپنے ہتھیاروں اپنے دفاعی وغیرہ سامانوں سے بے خبر ہو جاؤ تو تم پر اچانک یکبارگی بلہ بول کر تم پر ٹوٹ پڑیں۔ مگر اللہ نے ان کی اس تدبیر کو ناکام بنا دیا ہاں اگر اے نمازیو اس حالت میں تم کو بارش کی تکلیف ہو یا تم میں سے کوئی بیمار ہو جس سے پورے ہتھیار اور دفاعی سامان اٹھا کر نماز نہ پڑھ سکے تو تم کو اس مجبوری میں ہتھیار کھول دینے کی اجازت ہے مگر دفاعی سامان پھر بھی اپنے ساتھ رکھنا چاہئے تاکہ تم دشمن سے محفوظ رہو اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے ذلت و خواری کا عذاب تیار کر رکھا ہے وہ چاہتا ہے کہ تم کو ان کے شر سے محفوظ رکھے اور دنیا میں تمہارے ہاتھوں سے آخرت میں فرشتوں کے ذریعہ انہیں سخت

عذاب دے۔ خیال رہے کہ اس آیت میں ان دونوں جماعتوں کی اس رکعت کا تو ذکر فرمادیا گیا جو امام کے پیچھے پڑھی جائے گی ان کی دوسری رکعت کا ذکر نہ فرمایا اسے حدیث شریف نے بتایا کہ امام جب دونوں جماعتوں کو ایک ایک رکعت پڑھائے گا تو ان جماعتوں کی تو ایک ایک رکعت ہو گی امام کی دونوں رکعتیں ہو چکی ہوں گی لہذا امام تو سلام پھیر دے گا اور اب پہلی جماعت جو پہلی رکعت میں امام کے ساتھ تھی اپنی آخری رکعت بغیر قراءت کے ادا کر کے سلام پھیر دے گی کیونکہ یہ لاحق ہے۔ لاحق پر قراءت نہیں ہوتی۔ پھر دوسری جماعت جس نے دوسری رکعت امام کے پیچھے پڑھی ہے وہ اپنی پہلی رکعت مع قرات پڑھ کر سلام پھیر دے گی۔ کیونکہ یہ مسبوق ہے اور مسبوق پر قراءت لازم ہے اس طرح ان دونوں جماعتوں کی نماز پوری ہو جائے گی۔

نماز خوف : نماز خوف کے متعلق علماء امت و مجتہدین ملت و صحابہ کرام میں بڑا اختلاف ہے چنانچہ احناف میں سے امام ابو یوسف اور حسن ابن زیاد اور شوافع میں سے امام مزنی فرماتے ہیں کہ یہ نماز خوف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے تھی۔ آپ کے سوا کسی کو اس طرح نماز پڑھانے کا حق نہیں حضور کے بعد یہ نماز بھی دیگر نمازوں کی طرح پڑھی جائے ان کی دلیل اس آیت کریمہ میں **فاذا کنت فیھم** ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر حضور انور موجود ہوں تو اس طرح نماز پڑھائیں۔ اگر نہ ہوں تو اس طرح نماز نہیں ہو سکتی۔ اور حضرت عبداللہ ابن عباس، جابر ابن عبداللہ و مجاہد کا قول ہے کہ نماز خوف ہو گی تو ہمیشہ ایسے خوف کے وقت، مگر اس میں امام دو رکعتیں پڑھے گا اور غازی مقتدی صرف ایک ایک رکعت امام کے پیچھے پڑھ کر ہی سلام پھیر دیں گے وہ فرماتے ہیں کہ یہاں قرآن مجید میں ان کی ایک رکعت ہی کا ذکر ہے۔ جو امام کے ساتھ پڑھی جائے دوسری رکعت کا ذکر نہیں جو علیحدہ پڑھی جائے نیز حدیث شریف میں ہے کہ نماز سفر دو رکعتیں ہیں۔ نماز خوف ایک رکعت خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ امام پہلی جماعت کو بھی دو رکعت پڑھائے اور دوسری جماعت کو بھی یعنی ایسی حالت میں امام دو بار نماز پڑھائے ہر دفعہ دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دے امام بھی پیچھے والے بھی۔ امام شافعی و سہل حثمہ فرماتے ہیں کہ امام پہلی جماعت کو ایک رکعت پڑھائے پھر خاموش کھڑا رہے حتیٰ کہ یہ جماعت دوسری رکعت اور التحیات پڑھ کر سلام پھیر کر دشمن کے مقابل چلی جائے پھر دوسری جماعت امام کے پیچھے آجائے۔ انہیں امام دوسری رکعت پڑھائے پھر امام التحیات میں خاموش بیٹھا رہے۔ حتیٰ کہ یہ جماعت اپنی باقی ماندہ رکعت پڑھ لے پھر امام ان کے ساتھ سلام پھیر دے۔ سیدنا عبداللہ ابن مسعود اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان وہ ہے جو ابھی خلاصہ تفسیر کے آخر میں بیان ہوا کہ امام پہلی جماعت کو ایک رکعت پڑھائے پھر یہ جماعت دشمن کے مقابل چلی جائے۔ دوسری جماعت امام کے پیچھے آجائے انہیں امام دوسری رکعت پڑھائے پھر امام تو التحیات پڑھ کر سلام پھیر دے اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل کھڑی ہو جائے۔ پہلی جماعت اپنی دوسری رکعت بطریق لاحق بغیر قراءت کے پڑھ کر سلام پھیرے اور دشمن کے مقابل کھڑی ہو جائے۔ پھر دوسری جماعت اپنی رکعت بطریق مسبوق قرات کے ساتھ رکعت پوری کر کے سلام پھیر دے غرضیکہ نماز خوف کے متعلق یہ پانچ قول ہیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف کئی بار پڑھائی ہے اور طریقہ ادا میں اختلاف رہا ہے اس لئے ائمہ دین میں اختلاف ہوا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور نے آخری نماز خوف جو پڑھائی وہ یہ ہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔ لہذا پچھلے طریقے منسوخ ہو گئے (از تفسیر کبیر و خازن)

ز خوف کے حالات : خیال رہے کہ جو طریقہ نماز خوف کا ذکر ہوا وہ ہر حال میں ہے۔ خواہ دشمن جانب قبلہ میں ہو یا
میں بائیں یا پیچھے لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر دشمن جانب قبلہ میں ہو تو تمام نمازی امام کے پیچھے نماز شروع کردیں۔ قیام
کوع سب ایک ساتھ کریں سجدہ کے وقت پہلی صف سجدہ کرے دوسری صف کھڑی رہے دشمن کی نگرانی کرے دو سجدے ختم
نے پر یہ آخری صف سجدہ کرے پھر آخری صف آگے بڑھ کر صف اول بن جائے اور پہلی صف دوسری صف بن جائے اور
سری رکعت میں وہی عمل ہو جو پہلی رکعت میں ہوا تھا پھر تمام غازیان ایک ساتھ سلام پھیریں مگر ہمارے ہاں صرف ایک ہی
یقہ نماز خوف کا ہے جو ابھی مذکور ہوا۔ دشمن خواہ کدھر ہی ہو مسئلہ جب دشمن کا خطرہ بہت زیادہ ہو اس مذکور طریقہ سے نماز
پڑھی جا سکے تو امام شافعی کے ہاں گھوڑوں پر اور پیدل دوڑتے ہوئے فرض نماز اشاروں سے پڑھ لی جائے۔ ہمارے امام اعظم
کے ہاں اس طرح نہ پڑھے بلکہ ایسی حالت میں نماز قضا کردے۔ بعد امن باقاعدہ پڑھے (خازن)۔

ئدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نماز بلکہ نماز کی جماعت بہت ہی اہم چیز ہے کہ
ی خطرناک حالت میں بھی نہ نماز معاف ہوئی نہ جماعت بلکہ بہت کچھ فرق کرکے جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ افسوس
ہے ان لوگوں پر جو امن و امان کی حالت میں بلاوجہ نماز چھوڑ دیتے ہیں یا بلاوجہ جماعت ترک کردیتے ہیں۔ اکیلے پڑھ لیتے ہیں۔
ا کا خوف چاہیے۔ رب تعالیٰ نماز باجماعت کی توفیق دے۔ **دوسرا فائدہ:** بعض موقعہ پر نماز میں چلنا پھرنا قبلہ سے منہ پھر جانا
ل کثیر وغیرہ سب جائز ہو جاتا ہے۔ دیکھو نماز خوف میں یہ تمام چیزیں جائز کردی گئیں اسی طرح اگر کسی کا نماز میں وضو ٹوٹ
ئے تو وہ اس حالت میں جا کر وضو کرے نمازی ہی میں رہے گا۔ اسی طرح اگر کسی نمازی کو بحالت نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم
ئیں تو یہ نمازی اس حالت میں حضور کے پاس حاضر ہو جائے جو کام کرائیں کرے بازار بھیجیں ہو آئے مگر نمازی ہی میں رہے گا کہ
غ ہو کر بقیہ نماز پوری کرے رب تعالیٰ فرماتا ہے **استجیبوا اللہ وللرسول اذا دعا کم** ۔ **تیسرا فائدہ:** نماز خوف
تھیار لے کر ادا کرنی چاہیے اس ہتھیار بندی سے اس کی نماز میں خلل نہ ہو گا جیسا کہ **ولیاخذوا** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:**
الت معذوری نماز خوف میں ہتھیار کھول دے۔ مگر ڈھال وغیرہ بچاؤ کا سامان ضرور ساتھ رکھے جیسا کہ **خذوا حذرکم** سے
علوم ہوا۔ حق یہ ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے اگر غازی زیادہ خطرہ محسوس نہ کرے تو ہتھیار کھول کر بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔
نچواں فائدہ: حضرات صحابہ کرام بحالت نماز دنیا **و مافیہا** سے بے خبر ہو کر متوجہ الی اللہ ہو جاتے تھے ان کی نماز نہایت
ستغراق کی تھی۔ جیسا کہ **لو تغفلون** الخ سے معلوم ہوا مگر یہ حضرات نمازوں میں دنیا سے تو غافل ہوتے تھے اللہ رسول سے
افل نہ ہوتے تھے دیکھو وفات شریف کے دن صحابہ کرام نے بحالت نماز دیکھ لیا کہ حضور نے دروازہ کھولا تبسم فرمایا گریہ فرمایا
یکھو نماز میں حضور کی جنبش تبسم گریہ کو دیکھ رہے ہیں۔ مکہ والی نمازوں میں کعبہ کو دیکھا جاتا ہے۔ مدینہ والی نمازوں میں
تاب مصطفیٰ کو دیکھا جاتا تھا۔۔

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری!

ٹھا فائدہ: اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر بڑا ہی مہربان ہے کہ انہیں دشمن سے بچاتا ہے۔ دیکھو اس غزوہ میں دشمن نے کیسی خطرناک
بیر سوچی مگر رب تعالیٰ نے ہر وقت مسلمانوں کو بچا لیا رب تعالیٰ ہم کو بھی اپنی اطاعت کی توفیق دے۔ **ساتواں فائدہ:**

اگر خطرہ اتنا قوی ہو کہ اس طرح بھی نماز پڑھنا نا ممکن ہو جائے تو نماز قضا کر دی جائے مگر نماز معاف نہیں آج ہوائی جہازوں اور بم کی لڑائی ہے اب اگر بحالت جنگ یہ تدبیر نماز خوف کی کارگر نہ ہو تو قضا کر کے نماز پڑھی جائے مگر نماز معاف نہیں بعض فوجیوں کو دیکھا گیا کہ جنگ کی حالت میں نماز معاف سمجھتے ہیں یہ غلط ہے۔ بعض حاجی صاحبان نماز کی پرواہ نہیں کرتے بڑے افسوس کی بات ہے۔ جہاد میں خوف موت زیادہ ہے اس وقت کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ **آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کی خود حفاظت بلکہ پرورش فرماتا ہے بلکہ ان کی حفاظت کی خاطر اپنے قوانین میں ترمیم فرما دیتا ہے۔ دیکھو یہاں حضرات صحابہ کرام کی حفاظت کے لئے نماز میں چلنا پھرنا کعبہ سے سینہ پھیرنا سب جائز کر دیا۔ **من کان للہ کان اللہ لہ** موسیٰ علیہ السلام کی پرورش خود رب نے فرمائی کہ انہیں کشتی سے بچپن میں فرعون کے ہاں پہنچایا پھر فرعون دشمن کے گھر ان کی حفاظت کی۔ فرمایا **لتصنع علی عینی**۔ **نواں فائدہ:** ہم پر حضرات صحابہ کا بڑا احسان ہے کہ ان کے طفیل ہم کو شرعی آسانیاں ملیں۔ ماں ہماری محسن ہے کہ رب کا دودھ اس کے پستان سے ہمیں ملا۔ حضرات صحابہ ہمارے محسن ہیں کہ ایسی آسانیوں کی آیات ان کے صدقہ اللہ نے ہمیں دیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز خوف صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی پڑھا سکتے تھے۔ حضور کے بغیر نماز خوف اس طرح نہیں پڑھنی چاہئے۔ دیکھو فرمایا گیا **واذا کنت فیھم** جب آپ ان میں ہوں تو اس طرح نماز پڑھائیں (امام ابو یوسف) **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت میں یہ نہ فرمایا گیا کہ اے محبوب نماز خوف صرف آپ پڑھیں آپ کے سواء کوئی نہ پڑھے جیسے زیادہ بیویوں کے متعلق فرمایا گیا۔ خالصۃ "**لک من دون المومنین**" لہٰذا نماز خوف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے نہ ہوئی۔ مسلمانوں کو حضور کی اتباع کا حکم ہے **فاتبعونی یحببکم اللہ** سرکار فرماتے ہیں۔ **صلوا کما رایتمونی اصلی** جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا تم بھی ویسے ہی نماز پڑھو۔ دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **خذ من اموالھم صدقۃ**"۔ اے محبوب آپ ان کے مالوں کی زکوٰۃ وصول فرماؤ تو کیا حضور کے بعد کسی پر زکوٰۃ فرض نہ رہی ضرور فرض ہے۔ اب سلاطین اسلامیہ حضور کے نائب ہو کر زکوٰۃ اموال ظاہری وصول فرما سکتے ہیں ایسے ہی تاقیامت اسلامی حکام علماء حضور کے نائب ہیں وہ غازیوں کو نماز خوف پڑھا سکتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ حضور کے بعد صحابہ کرام نے نماز خوف پڑھی ہے پڑھائی ہے۔ چنانچہ ابو داؤد' نسائی' ابن حبان وغیر ھم نے حضرت ثعلبہ ابن زہدم سے روایت کی کہ ہم جنگ طبرستان میں سعید ابن عاص کے ساتھ تھے سعید ابن عاص نے دریافت کیا کہ تم میں سے کس نے حضور کے ساتھ نماز خوف پڑھی ہے۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا میں نے پھر انہوں نے نماز خوف کا طریقہ بتایا اور تمام حاضرین کو نماز خوف پڑھائی تمام صحابہ نے یہ نماز خوف پڑھی اور کسی نے اعتراض نہ کیا (روح المعانی و خازن) نیز حضرت علی مرتضیٰ نے لیلۃ الہریر میں اپنے ساتھیوں کو نماز خوف پڑھائی ایک موقعہ پر حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اپنے ساتھیوں کو نماز خوف پڑھائی ان واقعات میں عام صحابہ کرام موجود تھے کسی نے اعتراض نہ کیا (تفسیر خازن) چوتھے یہ کہ مشروط میں متقابل سے سکوت ہوتا ہے اس کی نفی نہیں ہوتی اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر حضور تشریف فرما ہوں تو نماز خوف پڑھائیں لیکن اگر موجود نہ ہوں تو نماز خوف نہ پڑھی جائے اس کا ذکر نہیں بلکہ اس سے سکوت ہے رب فرماتا ہے اگر تمہاری لونڈیاں زنا سے بچنا چاہیں تو انہیں زنا پر مجبور نہ کرو اس کا مطلب یہ

یں کہ اگر نہ بچنا چاہیں تو ان سے زنا کرا لو یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز خوف
رف ایک رکعت پڑھنی چاہئے کہ یہاں فرمایا گیا کہ پہلے ایک جماعت آپ کے ساتھ نماز پڑھ لے بعد کو دوسری جماعت نیز
یث شریف میں ہے کہ نماز سفر دو رکعت ہیں اور نماز خوف ایک رکعت یہ حدیث ایک رکعت ہی بتا رہی ہے (ابن عباس)۔
اب: یہاں جماعت کے ساتھ ایک رکعت پڑھنے کا ذکر ہے۔ دوسری رکعت اکیلے پڑھی جائے گی۔ اس کا ذکر یہاں نہیں۔
ے سنت نے بیان فرمایا۔ نیز یہاں آیت میں تو ایک رکعت کا بھی ذکر نہیں ایک دو رکعت کا پتہ بھی حدیث شریف سے ہی معلوم
ا۔ حدیث پیش کردہ کا مطلب بھی یہ ہی ہے کہ خوف کی حالت میں نماز با جماعت ایک رکعت ہے وہ حدیث اس آیت کی شرح
ے یہ ایک رکعت بھی ان نمازوں میں ہے جن کی دو رکعتیں پڑھی جائیں۔ جیسے فجر یا سفر میں قصر پوری چار رکعت والی نماز میں ہر
اعت دو رکعت جماعت سے ادا کرے گی۔ دو اکیلے اور نماز مغرب پہلی جماعت دو رکعتیں پڑھے گی۔ دوسری ایک رکعت یہ
م تفصیل حدیث شریف نے بتائی۔ **تیسرا اعتراض:** نماز میں چلنا پھرنا کعبہ سے سینہ پھر جانا اور سارے عمل کثیر نماز توڑ دیتے
ں۔ پھر نماز خوف میں یہ سب باتیں ہونے کے باوجود نماز ٹوٹتی کیوں نہیں یہ چیز خلاف قانون ہے۔ **جواب:** قانون وہی ہے جو
د تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتا دیں۔ ہماری عقل کو دخل نہیں جب قرآن و حدیث نے نماز خوف میں یہ تمام کام
ز کر دیئے تو اسی نماز کے لئے یہ ہی قانون بن گیا ہم تم اس پر اعتراض کرنے والے کون ہیں۔ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔ نماز میں
صو جاتا رہے تو بھی چلنا پھرنا وضو کے لئے جانا سینہ کا کعبہ سے پھر جانا نماز نہیں توڑتا۔ کسی کو نماز میں سلام کرو تو نماز جاتی رہتی ہے
ر حضور کو سلام کرنا واجب ہے التحیات میں پڑھا جاتا ہے اسلام علیک ایہا النبی یہ ہے قانون کہ اور کو سلام کرو تو نماز نہ ہو مگر
ضور کو سلام نہ کرو تو نماز نہ ہو۔

سیر صوفیانہ : جیسے نماز بدن جب خوف کی حالت میں پڑھی جائے تو دشمن سے بچاؤ کا خیال رکھا جاتا ہے کہ بعض غازی نماز
ں رہتے ہیں اور بعض دشمن کے مقابل ان دونوں کو نماز کا ثواب ملتا ہے اور دونوں نماز میں متصور ہوتے ہیں۔ ایسے ہی دنیا میں
کر جب نماز عشق ادا کی جائے تو دل و دماغ و روح اس نماز میں مشغول ہو کر کافر نفس دشمن شیطان سے غافل نہ ہو جائیں خطرہ
ے کہ وہ ہم کو غافل پا کر ہلاک کر دیں۔ لہذا اس نماز کو بھی یوں ادا کرو کہ دل رب کی طرف متوجہ ہو دماغ و روح ان کافروں سے
ابلہ کے لئے تیار رہے اور کبھی دماغ و روح یہ نماز پڑھیں اور دل و عقل ان موذیوں کا مقابلہ کرتے رہیں تب یہ نماز خیریت سے
ہو گی پھر ان سب پر لازم ہے کہ شریعت کے ہتھیار طریقت کی ڈھال اپنے ساتھ رکھیں شریعت جارحانہ حملہ کا ہتھیار ہے۔
یقت دفاع کا سامان حضور غوث پاک پر عین نماز تہجد میں شیطان دشمن نے حملہ کیا کہ وہ ملعون خدا بن کر سامنے آگیا تو آپ نے
یعت کے ہتھیار سے ہی اس کو ایسی شکست فاش دی جو آج تک اسے یاد ہو گی غرضیکہ سر کی نماز خوف تو کبھی کبھی ادا ہوتی ہے
ر نماز عشق ہمیشہ ہی نماز خوف کے طریقہ سے ادا کرنی چاہئے ہر مسلمان کو مرتے وقت تک اس موذی کا خوف چاہئے جب
ت ربانی کی خاص بارشیں ہو رہی ہوں اس وقت اگر ہتھیار سے ہلکے ہو کر نماز پڑھو تو درست ہے مگر سامان دفاع سے جب بھی
فل نہ رہو۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى

پس جب پوری کر چکو تم نماز تو ذکر کرو اللہ کا کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور اوپر

پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں

جُنُوْبِكُمْ فَإِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى

کروٹوں اپنی کے پھر جب مطمئن ہو جاؤ تم تو قائم کرو نماز کو تحقیق نماز ہے اوپر

پر پھر جب مطمئن ہو جاؤ تو حسب دستور نماز قائم کرو بے شک نماز مسلمانوں پر

الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿١٠٣﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ اِنْ تَكُوْنُوْا

مسلمانوں کے فرض وقت وقت کی ہوئی اور نہ سستی کرو تم قوم کی تلاش کرنے میں اگر ہو تم

وقت بندھا ہوا فرض ہے اور کافروں کی تلاش میں سستی نہ کرو اگر تمہیں دکھ

تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا

رنج پاتے تو بے شک وہ بھی رنج پاتے ہیں جیسے رنج پاتے ہو تم اور امید کرتے ہو تم اللہ سے

پہنچتا ہے تو انہیں بھی دکھ پہنچتا ہے اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو

يَرْجُوْنَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٠٤﴾

وہ جو نہیں امید کرتے وہ اور ہے اللہ علم والا حکمت والا

وہ نہیں رکھتے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں غازیوں کو میدان جہاد میں نماز باجماعت ادا کرنے کا تاکیدی حکم دیا گیا تھا اب انہیں بعد نماز اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ نماز کے بعد ذکر اللہ سے غافل نہ رہو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں غازی مسلمانوں کو ظاہری ہتھیار جنگ اور بچاؤ کا سامان ساتھ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا اب ان ہی غازیوں کو روحانی ہتھیار اور سامان جنگ ساتھ رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ جنگ میں ذکر اللہ میں مشغول رہو یہ وہ ہتھیار ہے جو کفار کے پاس نہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں غازی مسلمانوں کو خطرناک حالت میں نماز خوف پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ حکم عارضی تھا۔ خطرہ جاتے ہی نماز اسی طرح پڑھو جس طرح عام امان کی حالت میں پڑھی جاتی ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں اس حالت کا ذکر تھا جب مسلمانوں کے پیچھے کفار پڑے ہوں اور مسلمان خدا گھرے ہوں اب اس کے مقابل دوسری حالت کا ذکر ہے جب مسلمان کفار کی تلاش میں نکلیں **وَلَا تَهِنُوْا** الخ غرضکہ کرنے کے بعد دشمن کے تعاقب کرنے کا ذکر فرمایا جو اپنے بچاؤ کی ایک قسم ہے۔

...ان نزول : غزوۂ احد شریف سے فارغ ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ نکلو کفار کا پیچھا ...رو مبادا پھر لوٹ کر مدینہ منورہ پر حملہ نہ کر دیں تو حضرات صحابہ نے سخت زخمی ہونے کی شکایت کی تب دوسری آیت کریمہ **...لا تھنوا** الخ نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کی ہمت بندھائی گئی اور کفار کی جراءت کا ذکر فرما کر ان حضرات کو دلیر کیا گیا (تفسیر ...زن) تفسیر روح البیان نے اس آیت کا نزول بدر صغریٰ کے متعلق ذکر فرمایا تفسیر روح المعانی نے دونوں احتمال بیان فرمائے۔

...فسیر : **فاذا قضیتم الصلوة** چونکہ اگلا حکم نماز خوف ادا کر چکنے کے بعد کے متعلق ہے اس لئے ف تعقیبیہ داخل ...ئی۔ الصلوة سے مراد وہی نماز خوف ہے جس کا ذکر ابھی ہو چکا یہاں قضا بمعنی ادا ہے نہ کہ ادا کا مقابل۔ ہو سکتا ہے کہ اسی ...کو قضا سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ اس میں نماز کے سارے شرائط پورے طور پر ادا نہ ہو سکے اور اطمینان کی نماز میں تمام شرائط ...ری طور پر ادا ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کے متعلق آ رہا ہے **فاقیموا الصلوة** اور ہو سکتا ہے کہ یہاں قضا کے معنی ہوں حق ...ادا کر دینا رب تعالیٰ حضرت انس ابن نضر کی شہادت کے متعلق فرماتا ہے۔ **منھم من قضی نحبہ** چونکہ بحالت خوف ایسی ...ز پڑھنے میں انسان بیک وقت غازی بھی ہوتا ہے نمازی بھی اس لئے وہ نماز کا حق ادا کر دیتا ہے کہ اگرچہ نماز بے اطمینانی کی ہے ...ں میں چلنا پھرنا بھی مگر حقیقتہً "حق نماز یہی ادا کرتا ہے۔

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سایہ میں ۔۔۔ نماز عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سایہ میں

...ضیتم میں خطاب انہی نمازیوں سے ہے جن کا ذکر ابھی ہو چکا یعنی اے غازیو جب تم نماز خوف بطریق مذکور ادا کر چکو تو **فاذکروا** **...لله قیاما وقعودا وعلی جنوبکم**۔ یہ جملہ اذا شرطیہ کی جزا ہے۔ لہذا یہ ف جزائیہ ہے **اذکروا** میں بھی خطاب انہی ...زیوں سے ہے ظاہر یہ ہے کہ یہاں ذکر اللہ سے مراد تکبیر تہلیل درود شریف اور دیگر ورد وظائف ہیں قیام و قعود وغیرہ سے ...راد ہے ہر حالت کیونکہ انسان کی تین ہی حالتیں ہوتی ہیں۔ کھڑا ہونا' بیٹھنا' لیٹنا' ان تینوں حالتوں کا ذکر فرما کر اشارۃً " بتایا کہ ...الت جہاد نماز ادا کر کے ہر حالت میں ہر طرح اللہ کا ذکر کرو۔ جنگ کا نقشہ یہ ہو کہ تمہارے ہاتھ میں تلوار ہو اور زبان پر ذکر یار ہو ...ا مار رہے ہو یا مر رہے ہو۔ خواہ بھاگ رہے ہو یا بھگا رہے ہو۔ بعض صاحبوں نے فرمایا کہ یہاں ذکر اللہ سے مراد امن کے زمانہ ...ں نمازیں ہیں۔ قیام سے مراد ہے تندرستی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا قعود سے مراد ہے بیماری میں بیٹھ کر نماز ادا کرنا اور **وعلی ...نوبکم** سے مراد ہے بہت سخت بیماری میں جب کہ بیٹھ بھی نہ سکو تو لیٹ کر نماز پڑھنا۔ وہ اس کا مطلب یوں کرتے ہیں کہ تم ...ف کی نمازیں پڑھ چکو اور زمانہ امن کا پاؤ تو تندرستی میں کھڑے ہو کر بیماری میں بیٹھ کر لاچاری میں لیٹ کر نماز پڑھو مگر پہلی تفسیر ...یادہ قوی ہے کہ امن کی نمازوں کا ذکر تو آگے آ رہا ہے خیال رہے کہ یہاں کروٹ سے مراد مطلقاً لیٹنا ہے خواہ چت ہو کر یا داہنی ...ائیں کروٹ پر غرضکہ لیٹنے کی ایک صورت کا ذکر فرما کر تمام صورتیں مراد لیں۔ جنوب جمع ہے جنب کی بمعنی کروٹ و پسلیاں ...ر ہو سکتا ہے کہ **فاذا قضیتم** اور **فاذکروا** میں خطاب نمازیوں سے ہو یعنی نماز میں تو تم پر پابندی تھی کہ فلاں فلاں وقت نمازیں نہ ...ھو اور بحالت نماز بھی پابندیاں ہیں کہ قیام میں درود نہ پڑھو۔ بعد تشہد قرآن نہ پڑھو جب نماز پڑھ چکو تو ہر حال میں ہر طرح ہر ...م کا ذکر اللہ کرو' اب نماز کی پابندیاں جاتی رہیں۔ **فاذا اطمانتم فاقیموا الصلوة** ظاہر یہ ہے کہ ف تعقیبیہ ہے اور ...طمینان سے مراد جنگی خوف کے بعد کا امن و امان ہے اور اقامت سے مراد ہے نماز کے تمام شرائط و ارکان فرائض و واجبات و

سنن و مستحبات کے ساتھ نماز ادا کرنا کہ اقامت نماز کے ایک معنی یہ بھی ہیں۔ درست طور پر نماز پڑھنا یعنی اے غازیو تم کو نماز میں چل پھر لینے وغیرہ کی اجازت صرف خوف کی حالت میں تھی پھر جب یہ خوف جاتا رہے اور تم امن و امان کی حالت پاؤ تو پہلے کی طرح نماز نہایت درست طور پر ادا کرو' اور ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی نماز قائم کرنے سے مراد ہمیشہ نماز پڑھنا ہو یعنی اے مسلمانو صرف خوف و ڈر میں ہی نماز محدود نہ کرو بلکہ بحالت امن میں بھی ہمیشہ نماز پڑھو یا مضبوط نماز پڑھو کہ ارکان نماز ظاہری اعضاء سے ادا ہوں اور خشوع و خضوع دل سے ادا ہو۔ بنیاد والی دیوار جڑ والا درخت مضبوط ہے ایسے ہی دل سے تعلق رکھنے والی نماز مضبوط ہے یا نماز کا رخ سیدھا کرو کہ نماز کسی بندے کے لئے نہ پڑھو اللہ رسول کے لئے پڑھو۔ خیال رہے کہ **اقیموا** صرف نماز کے لئے ارشاد ہوا روزہ' زکوٰۃ حج وغیرہ کسی عبادت کے لئے **اقیموا** نہ فرمایا کیونکہ وہ عبادات کبھی کبھی ہوتی ہیں۔ مگر نماز دن میں پانچ دفعہ' نیز نماز بعد موت بھی ہوگی دوسری عبادات مرتے ہی ختم ہو جائیں گی۔ نیز نماز کو ہم قائم کریں تو نماز ہم کو اور ہماری دوسری عبادات کو سیدھا کر دے گی۔ کیونکہ **ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا**۔ نماز کی اہمیت ظاہر فرمانے کے لئے اس جملہ کو ان سے شروع فرمایا گیا **الصلوۃ** سے مراد نماز پنجگانہ ہے کہ یہی فرض ہے نماز عید وغیرہ واجب ہے **المومنین** سے مراد سارے ہی مسلمان ہیں خواہ کسی درجہ کے ہوں۔ غوث ولی قطب' شاہ و گدا ہر مسلمان پر نماز فرض عین ہے کتاب بمعنی مکتوب ہے۔ بہت اہم ضروری فریضہ کو کتاب یا مکتوب فرمایا جاتا ہے۔ اس سے مراد یا لوح محفوظ میں لکھی ہوئی یا قرآن مجید میں یا گذشتہ نبیوں کی کتابوں صحیفوں میں تحریر شدہ فریضہ۔ موقوتا" وقت سے بنا بمعنی وقتوں پر تقسیم کی ہوئی کہ ہر نماز اپنے وقت سے پہلے نہیں پڑھی جاسکتی اور اگر بعد وقت پڑھی جائے تو قضا ہوتی ہے یعنی یقیناً نماز پنجگانہ سارے مسلمانوں پر پابندی وقت کے ساتھ فرض ہے کہ ہر نماز اس کے وقت مقررہ پر پڑھی جائے **ولا تھنوا فی ابتغاء القوم** ان ہی غازیوں کو یہ دوسرا حکم دیا جا رہا ہے **تھنوا وھن** سے بنا۔ بمعنی سستی یا کمزوری **ابتغاء** بغی سے بنا ہے نہ کہ **بغاوۃ** سے۔ بغی کے معنی ہیں تلاش و جستجو بغاوت کے معنی ہیں سلطان اسلام کی مخالفت۔ القوم میں الف لام عہدی ہے اس سے مراد کفار مکہ ہیں یعنی ابو سفیان اور ان کے ساتھی دوسرے کفار۔ اگرچہ یہ حکم ان غازیوں کا تھا مگر اس میں سبق تمام غازیان اسلام کو ہے۔ جو تا قیامت باقی ہیں۔ یعنی اے مسلمانو ان کفار قوم کی تلاش و جستجو اور ان کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرو۔ **ان تکونوا تالمون فانھم یالمون کما تالمون**۔ یہاں ان شرطیہ شک کے لئے نہیں۔ کہ ان حضرات کو زخم و تکلیف تو یقیناً پہنچی تھی بلکہ شجاعت دلانے کو۔ کہیں رغبت دینے کے موقع پر اگر وغیرہ بولا جاتا ہے۔ باپ اپنے بیٹے سے کہتا ہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری اطاعت کر۔ **تالمون الم** سے بنا بمعنی رنج خواہ جسمانی تکلیف کی وجہ سے ہو یا روحانی تکلیف کی بنا پر **فانھم** میں **ھم** سے مراد وہی قوم کفار ہے یعنی اے غازیو اگر تم کو ان جنگوں میں جسمانی یا روحانی درد پہنچتا ہے تو ان کفار کو بھی تو پہنچتا ہے یہ تکلیف تم میں ان میں مشترک ہے **وترجون من اللہ ما لا یرجون**۔ یہ مسلمانوں کی برتری کا ذکر ہے **ترجون رجا** سے بنا بمعنی امید کرنا یعنی تم کو فتح و شکست دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی ان رحمتوں کی امید ہے جو کفار کو نہیں کہ تم اللہ کے دین کے لئے لڑتے ہو وہ محض ملک و قوم کے لئے نیز تم قیامت جنت و دوزخ کے قائل ہو ان کا ان چیزوں پر ایمان ہی نہیں تو انہیں اجر و ثواب کی امید کیسے ہو سکتی ہے۔ لہذا تم ان سے [illegible] وکھاؤ۔ **وکان اللہ علیما حکیما**۔ اس عبارت میں مسلمانوں کو مطمئن فرمایا گیا کہ تم اپنی تکالیف و شکست پر غم نہ کرو۔ یہ سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ان تمام میں اس کی صدہا حکمتیں ہیں۔ کیونکہ

وہ علیم بھی ہے حکیم بھی حکیم کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

خلاصہ ء تفسیر : اے غازیو جب تم نماز خوف مذکورہ طریقہ سے ادا کر چکو تو رب تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ ہو بلکہ ہر حال میں کھڑے ' بیٹھے ' لیٹے ' چلتے پھرتے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر طرح کرو کہ تم جنگ میں خطرناک حالات سے دوچار ہو اس وقت اللہ کا ذکر تمہارے لئے بہترین حفاظت ہے۔ یا اے نمازیو تم صرف نماز پر قناعت نہ کیا کرو بلکہ بعد نماز ہر حال میں اللہ کا ذکر کیا کرو کیونکہ اللہ کے ذکر میں تمہاری عزت ہے اللہ کا ذکر دلوں کا چین ہے اللہ کے ذکر سے اللہ کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے اور محبت سے اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اللہ کا ذکر زبانی بھی ہوتا ہے۔ جنانی بھی ارکانی بھی سر سے پاؤں تک کے اعضاء کا ذکر علیحدہ ہے ہر قسم کا ذکر کر کے مکمل ذاکر بلکہ خود ذکر اللہ بن جاؤ۔ پھر اللہ کی ذات و صفات کا ذکر بھی ذکر اللہ ہے اور اس کے محبوبوں کا محبت سے ذکر بھی ذکر اللہ ہے اور اس کے دشمنوں کا نفرت سے ذکر بھی ذکر اللہ ہے۔ تلاوت قرآن ذکر اللہ ہے حالانکہ قرآن کریم میں انبیاء و اولیاء کا عزت سے ذکر بھی ہے اور فرعون و ہامان کا اہانت سے ذکر بھی ہے۔ پھر جب جنگ ختم ہو جائے حالات نارمل اور پر سکون ہو جائیں تم امن سے ہو جاؤ تو ہمیشہ کی طرح نمازیں پڑھا کرو تمام شرائط و ارکان ادا کرکے کہ نماز خوف کی آسانیاں ایک عارضی چیز تھیں۔ یہ خیال رکھو کہ نماز تمام مسلمانوں پر اپنے اپنے وقت میں ادا کرنا فرض ہے بلکہ اہم فرض کوئی مسلمان کسی درجہ پر پہنچ کر نماز سے علیحدہ نہیں ہو سکتا اور اے غازیو بطور رو قوم کفار کے تعاقب ان کی طلب میں سستی نہ کرو فوراً نکلو ان کا پیچھا کرو تاکہ ان کو پلٹ کر تم پر دوبارہ حملہ کرنے کی ہمت نہ ہو سکے ہم جانتے ہیں کہ کل احد کی جنگ میں تم کو تکلیف پہنچی ہے مگر سوچو تو سہی کہ اگر تم کو تکلیف پہنچی ہے تو تمہارے دشمن کفار کو بھی تو تکلیف پہنچی اس تکلیف میں تم اور وہ مشترک ہو اس کے ساتھ ہی تم کو اللہ تعالیٰ کے کرم سے وہ امیدیں ہیں جو کفار کو نہیں ہم مار لو تو غازی مر جاؤ تو شہید لٹ جاؤ تو تمہارا روزہ لوٹ لاؤ تو عید تم تو ہر طرح نفع میں ہو۔ لہذا تم کیوں سستی کرتے ہو۔ جب کفار نہیں تھکتے تو تم کیوں تھکے جاتے ہو جان لو کہ اللہ تعالیٰ علم والا بھی ہے ' حکمت والا بھی اس کے تمام احکام علم و حکمت سے ہوتے ہیں۔ احد میں تم کو تکلیف پہنچنا ابو سفیان کا واپس ہو کر مدینہ پر دوبارہ چڑھائی کرنے کا ارادہ کرنا پھر یہ خبر تم تک پہنچنا پھر تمہارا اس زخم و تکلیف کی حالت میں مقابلہ کے لئے تیار ہو جانا یہ سب کچھ ہماری طرف سے ہے ان میں سے ہر کلام میں ہماری صدہا حکمتیں ہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جہاد جیسی خطرناک حالت میں بھی مسلمان کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہونا چاہئے زبان ذکر اللہ سے تر رہے۔ امن کی حالت میں تو بدرجہ اولیٰ اللہ کا ذکر ہر وقت چاہئے۔ اللہ کے ذکر کی برکت سے بگڑے کام بن جاتے ہیں۔ مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** نماز با جماعت کے بعد ذکر اللہ تسبیح تہلیل درود شریف وغیرہ آہستہ یا بلند آواز سے کرنا رب تعالیٰ کی بہت پسند ہے ' جیسا کہ **فاذکروا اللہ** کی ف تعقیبیہ سے معلوم ہوا مسلمان بعد نماز ذکر بالجہر کرتے ہیں بالکل جائز ہے۔ اس کا ماخذ یہ آیت کریمہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعد نماز اس قدر بلند آواز سے ذکر اللہ ہوتا تھا کہ محلہ گونج جاتا تھا۔ جیسا کہ مسلم وغیرہ کی احادیث سے ثابت ہے۔ ذکر بالجہر کی نفیس تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ فرماؤ یہاں **فاذکروا اللہ** مطلق ہے۔ جس میں ذکر بالجہر بھی شامل ہے۔ **تیسرا فائدہ:** اداء نماز کو قضاء کہنا درست ہے جیسا کہ **فاذا قضیتم** سے معلوم ہوا۔ لہذا اداء بہ نیت قضا اور قضاء بہ نیت ادا

درست ہے۔ **چوتھا فائدہ:** ذکر اللہ ہر طرح ہر حال میں کرنا چاہئے کھڑے بیٹھ لیٹے پاک ناپاک ہر وقت ذکر اللہ کرو جیسا کہ **قیاما وقعودا** "سے معلوم ہوا" لہذا جنبی' حائضہ نفاس والی عورتیں کلمہ شریف درود شریف پڑھ سکتی ہیں ناپاک آدمی کو صرف تلاوت قرآن مجید حرام ہے جبکہ بہ نیت تلاوت پڑھے بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ چلتے پھرتے درود شریف پڑھنا بیماری پیدا کرتا ہے' غلط ہے درود شریف بیماریوں کا علاج ہے نہ کہ بیماری ہاں نجس جگہ پاخانہ وغیرہ میں ذکر اللہ حرام ہے۔ خیال رہے: کہ بعضے ذکر اللہ ہر وقت کرنے کے ہیں جیسے کلمہ طیبہ' درود شریف' تسبیح و تہلیل وغیرہ اور بعض خصوصی ذکر خاص حالات میں کرنے کے ہیں۔ جیسے غم کی خبر پر اناللہ اور خوشی کی خبر پر الحمدللہ ناگوار بات سن کر لاحول اور خوشی کی بات سن کر ماشاءاللہ وغیرہ۔ ذکر اللہ' قرآن' حضور کی نعت کبھی پرانے نہیں ہوتے عمر بھر پڑھو ہر بار نیا لطف دیتے ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** بحالت امن نماز تمام شرائط و سنن کے ساتھ ادا کرنی چاہئے نماز میں چلنا پھرنا صرف خاص ضرورتوں میں ہی جائز ہے جیسے نماز خوف یا نماز میں وضو ٹوٹ جانے کی صورت میں جیسا کہ **فاقیموا الصلوة** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** نماز صرف مسلمانوں پر فرض ہے کفار پر نہیں' نماز کی فرضیت کے لئے ایمان شرط ہے۔ جیسا کہ **علی المومنین** سے معلوم ہوا۔ اس لئے کافر جب مسلمان ہو تو اس پر زمانہ کفر کی نمازیں قضا کرنا واجب نہیں۔ **ساتواں فائدہ:** ہر نماز وقت پر پڑھنی چاہئے وقت سے پہلے نماز نہیں ہو سکتی اور وقت کے بعد قضا ہو گی یہ فائدہ کتابا "موقوتا سے حاصل ہوا۔ لہذا سفر حضر وغیرہ میں نمازیں جمع کرنا جائز نہیں۔ یہ جمع کرنا اس آیت کریمہ کے خلاف ہے دیکھو نماز خوف میں چلنے پھرنے کی اجازت دی گئی۔ مگر چند نمازیں بہ یک وقت پڑھ لینے کی اجازت نہیں دی گئی کہ رات گئے جب دو طرفہ جنگ بند ہو جائے تو تم آئندہ کل کی ساری نمازیں اکٹھی کر کے پڑھ لو اور کل دن بھر خوب جہاد کرو نماز کی فکر نہ رہے۔ لہذا مذہب حنفی بہت قوی ہے۔ نمازوں کا جمع کرنا ہرگز درست نہیں اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں ملاحظہ کرو۔ خیال رہے کہ پانچ نمازیں فرض۔ تین نمازیں واجب۔ وتر' فطر' اضحیٰ اور چار نمازیں نفل تہجد' اشراق' چاشت' اور اوابین' ان کے اوقات شرعا" مقرر ہیں باقی اور نمازوں کے اوقات مقرر نہیں پھر وقت تین قسم کے ہیں وقت جواز' وقت مستحب' وقت مکروہ۔ چنانچہ نماز فجر کا وقت پو پھٹنے سے طلوع آفتاب تک ہے اور ظہر کا وقت سورج ڈھلنے سے ہر چیز کا سایہ دو گنا ہونے تک سواء اصل سایہ کے اور عصر کا وقت اس وقت سے آفتاب ڈوبنے تک اور مغرب کا وقت غروب سے شفق غائب ہونے تک اور عشاء کا وقت شفق غائب ہونے سے پو پھٹنے تک نماز وتر کا وقت فرض عشاء کے بعد سے پو پھٹنے تک عیدین کا وقت طلوع سے بیس منٹ کے بعد سے دوپہر نصف النہار تک تہجد کا وقت عشاء پڑھ کر سو رہنے کے بعد سے پو پھٹنے تک اشراق کا وقت طلوع کے بیس منٹ بعد سے چہارم دن تک اور چاشت کا وقت چہارم دن سے دوپہر نصف النہار تک۔ **آٹھواں فائدہ:** نماز تمام فرائض سے اہم فریضہ ہے دیکھو بحالت سفر خصوصا" جہاد میں روزہ کی قضا کا حکم دے دیا گیا۔ مگر نماز کی قضا کی اجازت نہ دی گئی بلکہ نماز خوف پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ فرشتے صرف نماز پڑھتے ہیں۔ کہ کوئی رکوع میں ہے کوئی سجدہ میں کوئی قیام میں کوئی قعدہ میں نماز کے سواء کوئی عبادت فرشتے نہیں کرتے نہ زکوۃ نہ حج وغیرہ غرضیکہ نماز عبادت مشترکہ ہے بلکہ تمام مخلوق نماز کے کچھ ارکان ضرور ادا کرتی ہے ہم اس کی تفصیل پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں یہ فائدہ کتابا" سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ نماز پانچ وقت کی فرض ہے یہ پانچ وقت پانچ آیتوں سے ثابت ہیں۔ ایک **حافظوا علی الصلوت** دوسری آیت **اقم الصلوة لدلوک الشمس** تیسری آیت **فسبحن الله حين تمسون وحين تصبحون** چوتھی

آیت اقم الصلوۃ طرفی النہار وزلفا من الیل۔ پانچویں آیت فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس و قبل الغروب (تفسیر کبیر) ان اوقات کی خصوصیت ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں' نواں فائدہ: مومن کا جہاد ملک گیری یا مال حاصل کرنے یا خدمت قوم کے لئے نہ ہونا چاہئے۔ صرف خدمت اسلام اور رضا الٰہی کے لئے ہونا چاہئے کہ قومی' ملکی جنگ تو کفار بھی کرتے ہیں۔ مگر اس پر انہیں کسی اجر و ثواب کی امید نہیں اگر مسلمان بھی قومی ملکی جنگیں کریں گے تو انہیں بھی کسی ثواب کی امید نہ چاہئے۔ یہ فائدہ و ترجون من اللہ سے حاصل ہوا۔

جنگ کافر فتنہ و غارتگری است ۔۔۔ جنگ مومن سنت پیغمبری است!

دسواں فائدہ: دوسری قوموں کے ذکر ان کی جرائتیں ہمتیں بیان کرکے مسلمان سپاہیوں کی ہمت بندھانا سنت الٰہیہ ہے دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے کفار مکہ کا ذکر فرمایا مومن غازیوں کو جوش دلانے کے لئے تاکہ ہم ان سے بڑھ چڑھ کر ہمت کریں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومن کو اٹھتے بیٹھتے لیٹتے چلتے پھرتے اللہ کا ذکر چاہئے تو جو لوگ اٹھتے بیٹھتے یارسول اللہ یا غوث وغیرہ کہتے ہیں وہ مشرک ہیں۔ (نوٹ) یہ اعتراض مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مقام وینا نگر پنجاب میں ایک مناظرہ کے موقع پر ہم سے کیا تھا۔ جواب: اس اعتراض کے بہت جواب جو ہم نے تفصیل کے ساتھ مولوی ثناء اللہ صاحب سے بیان کئے تھے جاء الحق حصہ اول میں بہت مفصل بیان عرض کئے گئے ہیں۔ یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا ذکر بھی بالواسطہ رب تعالیٰ ہی کا ذکر ہے یہاں ذکر اللہ مطلق ہے خواہ بلاواسطہ ذکر ہو یا بالواسطہ اٹھتے بیٹھتے درود شریف پڑھنا شرک کیسے ہو سکتا ہے نیز ذکر اللہ ہر حال میں کرنا چاہئے اس سے یہ مسئلہ کیسے ثابت ہوا کہ کسی اور کا ذکر شرک ہے۔ صرف و نحو کا طالب علم اٹھتے بیٹھتے صیغوں کی گردانیں کرتا ہے اٹھتے بیٹھتے ضرب زید عمرو اکہتا ہے کیا مشرک ہے۔ معاذ اللہ۔ آیت کریمہ کا مقصد ہی کچھ اور ہے تم کہہ رہے ہو کچھ اور اس کے باقی جوابات جاء الحق میں دیکھو' خیال رہے کہ خالص اللہ کا ذکر کفار کا طریقہ ہے مومن کا ذکر تو الوہیت و نبوت کو ملا کر ہے' کلمہ' نماز وغیرہ سب میں مخلوط ذکر ہے' بجلی دو پاوروں سے جلتی ہے۔ دل کی بجلی بھی الوہیت و نبوت کی پاور سے روشن ہوتی ہے۔ مومن سنہری جالیوں کے جھروکوں سے کعبہ کو دیکھتا ہے۔ براہ راست کعبہ کو ابوجہل و ابولہب بھی دیکھتے تھے۔

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو ۔۔۔ واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے!

دوسرا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جب امن میں ہو جاؤ تو نماز قائم کرو کیا امن کے سوا' دیگر حالات میں نماز قائم نہ کرنا چاہئے یہ آیت اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ کے خلاف ہے۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا۔ کہ یہاں نماز قائم کرنے سے مراد تمام شرائط و سنن و مستحبات کیساتھ نماز ادا کرنا ہے وہ واقعی امن میں ہی ہو سکتا ہے نماز خوف میں چلنے پھرنے کعبہ سے پیٹھ لینے کی بھی اجازت ہے وہاں آیت اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ میں نماز قائم کرنے سے مراد ہمیشہ پڑھنا درست پڑھنا دل لگا کر پڑھنا ہے لہذا آیات متعارض نہیں۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نماز اپنے وقت پر پڑھنا چاہئے مگر حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ظہر و عصر یوں ہی مغرب و عشاء ملا کر پڑھتے تھے وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب: وہاں جمع صوری مراد ہے نہ کہ جمع حقیقی یعنی نماز ظہر آخر وقت میں

اور نماز عصر اول وقت میں یوں ہی نماز مغرب آخر وقت میں اور نماز عشاء اول وقت میں پڑھتے تھے ہر نماز اپنے ہی وقت میں ہوتی تھی بظاہر مجتمع معلوم ہوتی تھی۔ اس کا مفصل جواب جاء الحق حصہ دوم میں ملاحظہ کرو۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز اپنے وقت میں چاہئے تو حجاج کرام حج کے دن عرفات میں عصر کی نماز ظہر کے وقت میں کیوں پڑھ لیتے ہیں۔ **جواب:** اس تاریخ میں حاجی کے لئے نماز ظہر پڑھتے ہی نماز عصر کا وقت آجاتا ہے آج اس کے لئے وقت عصر یہ ہی ہے جیسے نماز عشاء پڑھتے ہی نماز وتر کا وقت ہو جاتا ہے اور جس نے ابھی عشاء نہ پڑھی ہو اس کے لئے ابھی وتر کا وقت نہیں ہوا یوں ہی عشاء پڑھ کر سونے کے بعد جب آنکھ کھل جائے تو وقت تہجد اس کے لئے ہو جاتا ہے مگر جس نے ابھی عشاء نہ پڑھی ہو وہ ابھی سویا نہ ہو اس کے لئے یہ وقت تہجد نہیں اسی طرح غیر حاجی کے لئے یا جو حاجی ظہر بغیر جماعت ادا کرے اس کے لئے ابھی وقت عصر نہیں ہوا مگر جو حاجی جماعت سے ظہر پڑھ لے اس کے لئے وقت عصر ظہر پڑھتے ہی آگیا یہ قاعدہ خوب اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔ **پانچواں اعتراض:** اگر نماز اپنے وقت پر پڑھنی چاہئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے موقع پر پانچ نمازیں ایک وقت میں کیوں ادا کیں۔ **جواب:** اس دن خندق کھودنے میں اس قدر مشغولیت تھی کہ نمازیں پڑھنے کا موقعہ نہ ملا دشمن کا سخت خطرہ تھا مسلمانان مدینہ کے جان و مال غیر محفوظ ہو چکے تھے اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن چار نمازیں قضا اور ایک نماز ادا پڑھی اب بھی قضا نماز دوسری نماز کے وقت میں پڑھی جاتی ہے۔ یہ اوقات ادا نماز کے لئے ہیں قضاء ہر وقت ہو سکتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اطاعت کی نمازوں کے لئے اوقات شرائط وغیرہ مقرر ہیں شرعی عبادات کی حدود ہیں کہ نمازیں دن رات میں پانچ روزے سال میں ایک ماہ زکوٰۃ سال میں ایک بار حج عمر میں ایک بار مگر نماز عشق کے لئے وقت خاص نہیں وہ ہمیشہ ہر حال میں ادا ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **هم فی صلوتهم دائمون** ہمارے عشاق ہمیشہ نماز ہی میں ہیں۔ تقسیم اوقات عابدوں کے لئے ہے۔ اور سارے اوقات ذکر یار کے لئے وقف کر دینا عارفوں کے لئے ہے مولانا فرماتے ہیں۔

پنج وقت آمد نماز و رہنموں — عاشقانش فی صلوۃ دائمون
نیست زر غبا وظیفہ ماہیاں — زانکہ بے دریا ندارد انس و جان
ہیچ کس باخویش زر غبا نمود — ہیچ کس باخو نوبت یار بود
در دل عاشق بجز معشوق نیست — درمیاں شاں فارق و فاروق نیست

خشکی کی مخلوق سمندر میں کبھی کبھی جاتی ہے مگر مچھلی ہمیشہ سمندر میں رہتی ہے۔ نماز شریعت میں سر کا سجدہ خاص وقت میں ہے نماز حقیقت میں دل کا سجدہ ہر وقت ہے۔

یہ کوچہ حبیب ہے صحن حرم نہیں — یاں سر رکھا تو سر کا اٹھانا حرام ہے
پینا حرام ہے نہ پلانا حرام ہے — البتہ پی کے ہوش میں آنا حرام ہے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب نے یہاں فرمایا جب تم کو اطمینان ہو جائے تو نماز قائم کرو یعنی جب تم نفس و جان و مال سب کو رب کے حوالہ کر دو اور تمہیں ان سب سے فراغت نصیب ہو جائے تب تم نماز عشق ایسی قائم کرو کہ کبھی اس نماز سے فارغ ہی نہ ہو یہ

نماز کبھی ختم نہیں ہوتی۔ بیرون دل میں دوسروں کی محبت رہے تو رہے مگر اندرون دل میں صرف یار کی محبت ہو اور اس کے محبوبوں کی۔ گھر کی بیٹھک میں یار و اغیار سب آسکتے ہیں مگر خلوت خانہ میں سوا اپنے بال بچوں کے کوئی نہیں آتا اداء نماز کے لئے جسم کا وضو کرو قبولیت نماز کے لئے دل کا وضو کرو **لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ** محبت دنیا کے نشہ میں نماز عشق کے قریب نہیں جاسکتے۔ جسے اللہ تعالیٰ یہ نماز نصیب کردے اس کی زندگانی کبھی ختم نہیں ہوتی اس کے لئے بقاء ہے۔ کسی عاشق نے کیا خوب فرمایا میں مروں تو جگ مرے خبر ہے میری ' سچے گر کا بالکا مرے نہ ارا جا!۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اللہ تعالیٰ کبھی وہ دائمی نماز نصیب فرمادے۔ جس کا سلام کبھی نہیں پھرتا امام حسین نے کربلا کے میدان میں وہ دائمی نماز پڑھی جو تاقیامت ختم نہ ہوگی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب نے فرمایا قوم کی جستجو میں سستی نہ کرو یعنی ہر وقت اپنے نفس امارہ کے عیب تلاش کرکے اس کی اصلاح کرتے رہو۔ جب نفس طلب دنیا طلب شہوات طلب لذات میں نہیں تھکتا تو تم اس کی پکڑ میں کیوں سستی کرتے ہو۔ حالانکہ نفس و نفسانیات کو ان طلبوں پر ثواب کی امید نہیں اور تم کو نفس کی پکڑ اس کی سزا پر بڑے اجر و ثواب کی امید ہے۔ لہٰذا نفس کی اصلاح سے کبھی غافل نہ رہو۔ خیال رہے کہ ہمارے دشمن چند ہیں جو مرتے وقت تک ہمارے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ نفس امارہ ' ابلیس اور اس کی ذریت برے ساتھی خواہ گمراہ کن عالم ہوں یا بے دین پیر' یہ سب دشمن ہیں ایک قوم ہیں کبھی ان سے غافل نہ رہ' آدم علیہ السلام نبی معصوم ہیں' اور جنت جگہ محفوظ مگر ابلیس نے وہاں بھی داؤ مار دیا تو ہم کس طرح اس کے فریب سے بچ سکتے ہیں۔ لہٰذا **لا تھنوا فی ابتغاء القوم** اس دشمن قوم کی فریبوں کے جستجو میں مرتے دم تک رہو۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ
بے شک ہم نے اتاری آپ کی طرف کتاب ساتھ حق کے تاکہ فیصلہ کریں آپ درمیان لوگوں کے اس سے جو دکھائے
اے محبوب بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے
اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآىٕنِیْنَ خَصِیْمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
آپ کو اللہ اور نہ ہوں آپ خیانت والوں کے لئے مقابل اور آپ بخشش مانگیں اللہ سے بے شک اللہ
اور دغا والوں کی طرف سے نہ جھگڑو اور اللہ سے معافی چاہو بے شک اللہ
غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ
بخشنے والا مہربان اور نہ جھگڑا کریں آپ ان لوگوں کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنی جانوں سے
مہربان ہے اور ان کی طرف سے نہ جھگڑو جو اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾

بیشک اللہ نہیں پسند فرماتا اُسے جو ہو بہت بڑا خائن مجرم

بے شک اللہ نہیں چاہتا کسی بڑے دغا باز گنہگار کو

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار سے جہاد کرنے کی تاکید فرمائی گئی تھی۔ اور جہاد میں چوکنے رہنے کا حکم دیا تھا اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ تو جہاد کا حکم تھا لیکن اگر کافر کا مقدمہ تمہارے ہاں آجائے تو عدل و انصاف کرو کفار پر جہاد کرو ان پر ظلم نہ کرو اگر مقدمہ میں مسلمان جھوٹا ہو کافر سچا تو مسلمان کی رعایت نہ کرو کافر کے حق میں فیصلہ کرو میدان جہاد کے احکام بیان فرمانے کے بعد اسلامی عدالت کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں عبادات درست کرنے کا حکم دیا گیا تھا کہ کسی حال میں نماز نہ چھوڑو اب معاملات ٹھیک رکھنے کی تاکید فرمائی جا رہی ہے کہ کسی حال میں عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں بہت سے شرعی احکام بیان ہوئے اب فرمایا جارہا ہے' یہ تمام احکام سب پر واجب العمل ہیں۔ نبی کو بھی حق نہیں کہ ان میں ردوبدل کرے کسی اور کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ غرضیکہ احکام کا ذکر پہلے تھا ان پر عمل کی تاکید اب فرمائی جارہی ہے۔

شان نزول : قبیلہ انصار میں ایک شخص تھا بشر اس کا لقب تھا طعمہ ابن ابیرق خاندان بنی ظفر سے تھا بڑا منافق اور چور علاوی چالباز' وہ ایک رات اپنے پڑوسی قتادہ ابن نعمان کے گھر میں گھس گیا وہاں سے ایک تھیلہ چرا لیا جس میں آٹا بھی تھا اور زرہ بھی تھیلہ پھٹا ہوا تھا جس سے آٹا گرتا ہوا گیا' طعمہ یہ تھیلہ ایک یہودی زید ابن سمین کے ہاں اپنی امانت کرکے رکھ آیا۔ صبح کو اس تھیلہ کی تلاشی ہوئی طعمہ پر شبہ کیا گیا اس سے پوچھا گیا وہ قسم کھا گیا کہ نہ میں نے تھیلہ چرایا ہے نہ مجھے اس کے متعلق کچھ خبر۔ قتادہ کے گھر والوں نے گرے ہوئے آٹے کی ذریعہ چوری کا کھوج لگایا چونکہ آٹا یہودی کے گھر تک گرتا ہوا گیا تھا اس لئے یہ لوگ یہودی کے گھر پہنچے اور اس کے گھر سے تھیلا برآمد کرلیا یہودی کو پکڑ لیا یہودی بولا کہ یہ تھیلا آج رات طعمہ میرے گھر اپنی امانت کرکے رکھ گیا ہے یہودیوں کی ایک جماعت نے اس واقعہ کی گواہی دی یہ مقدمہ بارگاہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہوا طعمہ کے تمام عزیز و اقارب نے پرزور طریقہ سے طعمہ کی حمایت کی اور یہودی کو سخت سزا دینے کا مطالبہ کیا کہ مال برآمد ہوا یہودی کے گھر سے چور وہی ہے اسی نے چوری بھی کی پھر چوری کا انکار بھی کیا پھر ایک بندہ مسلمان یعنی طعمہ کو چوری کا بہتان بھی لگایا یہ تین سزاؤں کا مستحق ہے طعمہ کے ان عزیزوں قریبیوں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ جس طرح ہوسکا طعمہ کو چھوڑائیں گے یہودی کو پھنسائیں گے تاکہ اپنی قوم رسوا نہ ہو چونکہ طعمہ مسلمان ہے اور اس کے مقابل یہودی اس لئے فیصلہ طعمہ کے حق میں ہوگا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فریقین کا بیان سن کر کوئی فیصلہ نہ فرمایا اور طعمہ کے گواہوں پر کوئی خاص جرح بھی نہ کی کیونکہ بظاہر یہودی ملزم بن چکا تھا' اس کے گھر سے مال برآمد ہو چکا تھا اس موقعہ پر یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں جن میں طعمہ اور اس کے ساتھیوں کے تکذیب کی گئی اور یہودی اور اس کے گواہوں کی تصدیق فرمائی گئی چنانچہ بارگاہ رسالت سے یہودی کے حق میں فیصلہ ہوا طعمہ کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا طعمہ یہ فیصلہ سن کر اسلام سے مرتد ہو گیا اور مکہ معظمہ پہنچ کر کفار سے مل گیا

کفار مکہ نے اسے بہت عزت و محبت سے رکھ لیا' وہاں اس نے ایک کافر حجاج ابن علاط کے گھر رات کو نقب لگائی تاکہ گھر میں گھس کر چوری کرے وہ نقب لگا رہا تھا کہ دیوار کا ایک پتھر اس کے سر پر لگا جس سے وہ سخت زخمی ہو گیا صبح کو کفار مکہ کو پتہ لگا تو انہوں نے اسے مکہ معظمہ سے نکال دیا یہ مردود ایک مسافروں کے قافلہ میں گیا اور بولا میں مسافر بھوکا ہوں تمہارے ساتھ سفر کرنا چاہتا ہوں انہوں نے اسے ساتھ لے لیا رات کے وقت اس نے ایک مسافر کی چوری کی قافلہ والوں نے اسے پکڑ لیا اور پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا۔ غرضیکہ طعمہ مرتد ہو کر اس طرح ہلاک ہوا۔

قسم خدا کی نہ وہ اٹھ سکا قیامت تک کہ جس کو تو نے نظر سے گرا کے چھوڑ دیا

(تفسیر خازن' روح البیان' تفسیر کبیر' تفسیر صاوی' خزائن' العرفان وغیرہ) ان آیات کے شان نزول کے متعلق اور بھی روایات ہیں مگر یہ روایت قوی ہے۔

تفسیر : **انا انزلنا الیک الکتب بالحق** چونکہ ان آیات کا مضمون بہت اہم ہے اس لئے انہیں انا حرف تاکید سے شروع فرمایا گیا۔ کیونکہ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عامہ کا ذکر بھی ہے جس کے کفار منکر تھے اور آپ کی حکومت عامہ کا بھی **لتحکم بین الناس** اور آپ کے عمومی اختیار کا ذکر بھی **بما ارک اللہ** جن دونوں کے کلمہ گو بھی منکر ہیں۔ ان کے انکار کی وجہ سے ان تاکیدی ارشاد ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کا نزول کئی بار ہوا۔ ہر سال ماہ رمضان میں جبرائیل امین پورا قرآن شریف حضور کو سنا جاتے تھے۔ یہ نزول ایک دم تھا۔ پھر 23 سال میں حسب موقعہ آیات نازل ہوتی رہتی تھیں یہ آہستگی سے نزول تھا پہلے نزول کے لحاظ سے انزلنا فرمایا جاتا ہے۔ دوسرے نزول کے لحاظ سے نزلنا یہاں پہلے نزول کے لحاظ سے انزلنا فرمایا گیا ہے۔ اگرچہ حضور پر قرآن لانے والے جبریل علیہ السلام ہیں۔ مگر چونکہ یہ لانا رب تعالیٰ کے حکم سے تھا اس لئے **انزلنا** فرمایا گیا ہے۔ کہ ہم نے اتارا نیز حضور کے کان شریف پر الفاظ قرآن کا نزول بواسطہ جبریل ہوتا تھا مگر معانی قرآن کا نزول حضور کے دماغ شریف پر' رموز و اسرار قرآن کا نزول دل مبارک پر احکام قرآن کا نزول زبان مبارک پر بلاواسطہ جبریل رب تعالیٰ کی طرف سے ہوا اس لئے انزلنا ارشاد ہوا۔ **الیک** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ نزول قرآن کے منتہی حضور ہی ہیں۔ خیال رہے کہ حضور نزول قرآن کے منتہی ہیں۔ اور تبلیغ قرآن کے مبتدا یعنی مخلوق کو قرآن آپ سے ملا ہے۔ ع

مبتدا منتہی سلام علیک

یہاں چونکہ نزول کا ذکر ہے لہذا **الیک** ارشاد ہوا۔ حضور ایمان عرفان' قرآن رحمت رحمان فیضان کے مبتداء منتہی ہیں کہ سب کو جو ملا ان سے ملا۔ خیال رہے کہ **الیک** میں الی کے معنی طرف بھی ہو سکتے ہیں اور تک بھی یعنی ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف اتاری کہ نزول قرآن کا مطمع نظر آپ ہیں جیسے نمازی کا رخ کعبہ کی طرف ہوتا ہے' ایسے ہی قرآن کا رخ تمہاری طرف ہے کہ تم عربی ہو' لہذا قرآن عربی جب تک تم مکی رہے تب تک آیات قرآنیہ اترنے والی مکی ہوئیں اور جب تم مدنی ہو گئے تب آیات قرآنیہ جو نازل ہوئی مدنی کہلائیں۔ تم نے چاہا کہ کعبہ قبلہ اسلام بنے تو قرآن نے فرمایا **فلنولینک قبلتہ ترضھا** ۔ یا ہم نے کتاب تم تک اتاری کہ نزول قرآن کے منتہی تم ہو **الکتاب** میں الف لام عہدی ہے اس سے مراد قرآن شریف ہے۔ قرآن

شریف کے 32 بتیس نام ہیں ایک نام کتاب بھی ہے جیساکہ **الم** کے شروع میں **ذالک الکتب** کی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ خیال رہے کہ حضور مطلوب قرآن ہیں۔ دوسرے انبیاء طالب کتاب تھے اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کتاب لینے طور پر گئے اور چلہ کرکے لائے اور حضور کے بستر میں گھر میں سفر میں قرآن آیا۔ حضور کی زبان میں آیا۔ کیوں نہ ہو کہ حضور اللہ کے محبوب و مطلوب ہیں۔ **بالحق** یا تو **انزلنا** کے متعلق ہے یا ثابت کے متعلق ہو کر **الکتب** کا حال یا **الکتاب** کی صفت اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ تیسری توجیہ کے مطابق ہے ہمارا ترجمہ پہلی توجیہ کے موافق ہے۔ حق کے تین معنی ہیں۔ سچ و درست۔ غیر زائل یعنی ثابت و مضبوط غیر منسوخ' حکمت۔ یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں قرآن سچا بھی ہے' ناقابل نسخ بھی کہ اب کوئی نبی کوئی کتاب نہ آئے گی۔ جو اسے منسوخ کرے اور حکمت والا بھی کہ اس کا کوئی فرمان حکمت سے خالی نہیں۔ نیز اس کا حضور پر نازل ہونا حق ہے ایسی کتاب کے لئے ایسے شاندار رسول لائق تھے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے یہ قرآن آپ پر سچائی کے ساتھ اتارا کہ اس کا ہماری طرف سے چلنا بھی حق ہے۔ جبریل امین کا لانا بھی حق آپ کا لینا بھی حق یا اے محبوب ہم نے سچی کتاب آپ پر اتاری **لتحکم بین الناس بما ارک اللہ** یہ جملہ **انزلنا** کے متعلق ہے۔ **تحکم** حکم سے بنا بمعنی فیصلہ فرمانا لوگوں پر احکام نافذ کرنا **الناس** سے مراد سارے ہی انسان ہیں کافر ہوں یا مومن یا منافق کیونکہ قرآنی عبادات صرف مسلمانوں کے لئے ہیں۔ مگر قرآنی معاملات تمام انسانوں کے لئے بلکہ قرآنی عقائد جن وانس سب کے لئے یہاں معاملاتی فیصلے مراد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت تو جن وانس فرشتے جانور چاند و سورج وغیرہ تمام ملک الٰہی پر ہے کہ حضور کے حکم سے چاند پھٹا سورج لوٹا کنکروں لکڑیوں نے کلمہ پڑھا مگر قرآنی حکم صرف انسانوں پر جاری ہیں۔ یہاں **تحکم** سے قرآنی حکم جاری فرمانا مراد ہے اس لئے **بین الناس** فرمایا گیا **بین العلمین** نہ فرمایا نبوت و حکومت و رحمت کے لئے **للعالمین** ارشاد ہوا **لیکون للعالمین نذیرا** اور **رحمتہ للعالمین تحکم** مخاطب کا صیغہ فرماکر بتایا گیا کہ حکم تو قرآن ہے مگر حاکم حضور ہیں۔ قرآن حاکم نہیں۔ نیز یہ بتایا کہ قرآن سے فیصلہ کرنا صرف حضور انور کا کام ہے اور کوئی صرف قرآن سے فیصلہ نہیں کرسکتا اور قرآنی فیصلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں کرے گا۔ اسی لئے **لیحکمو** جمع غائب نہ فرمایا **ارک اراءۃ** سے بنا جس کا مادہ **رویتہ** ہے رویت کے معنی ہیں دیکھنا جاننا پہچاننا یہاں بمعنی پہچاننا ہے یا دیکھنا **ارک اللہ** اللہ آپ کو دکھائے یا اللہ آپ کو پہچان کرائے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ دکھانے کے مطابق ہے چونکہ خفیہ چیز علامات سے مثل دیکھی ہوئی کے ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اسے دکھانا فرمانا بالکل درست ہے۔ یعنی قرآن مجید اس لئے آپ پر اتارا کہ آپ لوگوں کے درمیان وہ فیصلہ کریں جو رب تعالیٰ آپ کو مثل محسوس کے دکھاوے پہچان کرائے' **ولا تکن للخائنین خصیما** اس میں بظاہر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں مگر فہمائش سارے اسلامی حکام و کلاء علماء' مفتیان مشائخ بلکہ تمام مسلمانوں سے ہے۔ **لا تکن** نہی استمرار کے لئے ہے یعنی نہ ہوں نہ بنیں نہ رہیں۔ **خائنین** جمع ہے **خائن** کی جس کا ماخذ خیانت ہے امانت کی مقابل۔ خائن بمعنی امانت مارنے والا اس سے مراد طعمہ اور اس کے تمام ہم قوم ہیں جو اس کی حمایت میں تھے **للخائنین** میں لام اجل کا ہے یا صلہ کا **خصیم** خصومت سے بنا بمعنی مقابلہ یا کسی کی حمایت یعنی اس کے دشمن سے مقابلہ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کبھی بھی چوروں اور چوروں کے حامیوں' مددگاروں کے حمایتی نہ بنیں ہمیشہ فیصلہ حق کریں۔ اگرچہ کافر ہی کے حق میں ہو اور کسی کلمہ گو کے خلاف ہی ہو۔ **واستغفرا اللہ** یہ دوسرا حکم ہے اس میں بھی خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور

فہمائش مسلمانوں کو یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم امت کے لئے ہمیشہ دعا مغفرت کیا کریں تاکہ مسلمان یہ دعا آپ سے سیکھیں یا طعمہ کی قوم والوں کے لئے دعاء مغفرت کریں۔ جنہوں نے قومی پچھ میں طعمہ کو چور جانتے ہوئے اس کی حمایت کی مگر ہیں یہ سب مسلمان ان کے لئے دعاء فرمادیں۔ **ان اللہ کان غفورا رحیما** اس آیت کی تفسیر بارہا کی جاچکی ہے کہ **کان** استمرار کے لئے ہے **غفور** معنی گناہ بخشنے والا رحیم معنی مہربانی کرنے والا یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے گناہ بخشنے والا بندوں پر مہربان ہے۔ **ولا تجادل عن الذین یختانون انفسھم** ۔ اس حکم میں بھی خطاب حضور والا سے ہے اور فہمائش سب کو **تجادل** **جدال** سے بنا معنی جھگڑنا جدال خصومت سے عام ہے۔ خصومت خاص حمایت کو کہتے ہیں جو وکیل یا حاکم بااختیار شخص کرے جدال عام حمایت کو جو کوئی بھی کرے یہاں بھی **الذین یختانون** سے مراد وہی طعمہ کے حمایتی لوگ ہیں۔ چونکہ ہر گناہ میں گنہگار اپنی نفس کی خیانت بھی کرتا ہے۔ اس پر ظلم بھی لہذا **یختانون انفسھم** فرمانا بالکل درست ہے ہمارے نفس اللہ کی امانتیں ہیں نفس کے متعلق شرعی احکام بھی رب تعالیٰ کے امانتیں ہیں۔ اسی لئے اس کی خلاف ورزی خیانت ہے۔ **ان اللہ لا یحب من کان خوانا اثیما** ۔ یہ ان تمام احکام کی علت ہے **لا یحب** سے مراد ہے ناراض ہونا غضب فرمانا یہ مقصد نہیں کہ یہ لوگ نہ ہمارے محبوب ہیں نہ مردود خوان خیانت کا مبالغہ ہے۔ **اثیما اثم** معنی گناہ کا صفت مشبہ یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ بڑے خائن عادی گنہگار سے سخت ناراض ہے۔ تو جو ان کی حمایت کرے گا اس سے بھی ناراض ہوگا کیونکہ دشمن کا دوست بھی دشمن ہوتا ہے جیسے دوست کا دوست بھی دوست ہوتا ہے اور دشمن کا دشمن بھی اپنا دوست ہوتا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صفات عالیہ کا ذکر فرمایا آپ کا صاحب کتاب رسول ہونا **انزلنا الیک الکتب** آپ کا رب تعالیٰ کی طرف سے تمام انسانوں کا حاکم مطلق ہونا **لتحکم بین الناس** آپ کا رب کی طرف سے **ماذون** و مختار ہونا **بما ارک اللہ** یہ آیت حضور کی صفات عالیہ کی مظہر ہے چنانچہ ارشاد ہوا۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ پر یہ سچا قرآن اس لئے اتارا ہے کہ آپ لوگوں کے فیصلے اس کے مطابق کریں جو اللہ تعالیٰ آپ کو دکھادے سمجھادے خواہ بذریعہ وحی یا بذریعہ دلائل یا بذریعہ کشف یا بذریعہ اجتہاد یا خواب جس طرح بھی آپ حقیقت حال کو پہنچیں اس کے مطابق فیصلہ کریں کبھی چوروں اور چوروں کے حامی خائنوں کے حمایتی نہ بنیں ان کی طرف سے دوسروں سے خصومت نہ کریں۔ ہاں یہ حمایتی لوگ ہیں تو مسلمان اگرچہ قومی حمایت میں طعمہ کی طرفداری کر بیٹھے ان کے لئے دعاء مغفرت کریں اور ان کو آئندہ کے لئے تاکید فرمادیں کہ ایسی حرکت نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بخشنے والا مہربان ہے کہ کیسا ہی گنہگار اس کی بارگاہ میں آجائے وہ نکالتا نہیں۔ نیز آئندہ اس قسم کے خائنوں کی طرف سے جو اپنے نفس کے متعلق خیانت کرتے ہیں کسی سے جھگڑا نہ کریں کہ اس میں ان کی ظاہری حمایت ہے۔ یقین فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ خیانت گروں بڑی مجرموں کو سخت ناپسند کرتا ہے تو جو ان مردودوں کی حمایت کرے گا یا ان کی طرف سے لوگوں سے جھگڑے گا وہ بھی اس زد میں آجائے گا۔ اس لئے آپ ہمیشہ حق فیصلہ کریں اگرچہ حق کافر کی جانب ہو اور کسی کلمہ گو کے خلاف ہو۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلق کے حاکم ہیں اپنی رائے عالی سے فیصلہ فرمانے کے مختار ہیں **ارک اللہ** میں رائے عالی بھی داخل ہے۔ دوسرا فائدہ: حضور کے کشف الہام

خواب رائے سب اللہ کی طرف سے ہیں۔ ان میں سے کوئی چیز شیطان کی طرف سے نہیں۔ یہ فائدہ بھی اراک اللہ سے حاصل ہوا اگر حضور کا فیصلہ کسی کے لئے قرآن کے خلاف بھی ہو جائے تو حق ہے حضرت کعب ابن مالک کے بائیکاٹ کے زمانہ میں سلام' جواب سلام ان کو اپنی بیوی سے صحبت سب کچھ منع کر دی گئی۔ حالانکہ مسلمان کو سلام کرنا' سنت ہے سلام کا جواب دینا فرض ہے' بیوی حلال ہے یہ ہے حضور کا اختیار اور یہ ہے **بما اراک اللہ** کا ظہور۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ عموماً اپنے بندوں کی پہلے جرم پر پکڑ نہیں فرماتا وہ ستار عیوب بارہا بندے کے عیب چھپاتا ہے جب بندہ اس کی ستاری سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے تو اس کو رسوا کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ طعمہ کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ یہ منافق بڑا پرانا چور تھا اس دفعہ اس کی چوری پکڑی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوئی چور پکڑا آیا آپ نے اس کے ہاتھ کاٹ ڈالنے کا حکم دیا چور کی ماں روتی ہوئی حاضر ہوئی بولی یہ اس کی پہلی چوری ہے اسے معاف دے دیں۔ آئندہ نہ کرے گا آپ نے فرمایا تو جھوٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو پہلے جرم پر نہیں پکڑتا (روح البیان' خازن وغیرہ)۔ **چوتھا فائدہ:** چور یا کسی اور مجرم کی حمایت کرنا اسے چھوڑانے کی کوشش کرنا جرم ہے کہ اس سے ملکی نظام خراب ہوتا ہے۔ شریعت کی حدیں ٹوٹتی ہیں۔ دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے طعمہ کے حمایتوں کو خائنین یعنی خیانت مجرمانہ کرنے والا قرار دیا۔ **پانچواں فائدہ:** مجرم کی وکالت کرنا اسے چھوڑانا یا چھوڑانے کی کوشش کرنا یا حاکم وقت کا اسے چھوڑ دینا حرام ہے جیسا کہ **ولا تکن للخائنین خصیما** سے معلوم ہوا۔ اس سے وکلاء عبرت پکڑیں جو دانستہ طور پر مجرموں کی حمایت کرتے انہیں چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ نیز وہ حکام بھی عبرت پکڑیں جو دانستہ طور پر مجرموں کو چھوڑ دیتے ہیں۔

نکوئی با بداں کردن چناں است ‌ ‌ ‌ ‌ کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

چھٹا فائدہ: قرآن مجید قانون الٰہی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ قانون چلانے والے نافذ فرمانے والے ہیں۔ آپ ڈاکیہ کی طرح صرف پہنچانے والے نہیں آپ حاکم مطلق ہیں۔ جیسا کہ **لتحکم بین الناس** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے حاکم مطلق ہیں خواہ آپ کے زمانہ کے لوگ ہوں یا بعد کے تا قیامت جیسا کہ بین الناس کے عموم سے معلوم ہوا۔ آپ کے بعد کے مفتیان شرع اسلامیہ حکام حضور کے نوکر چاکر حضور کے نائب ہیں ان کے فیصلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے فیصلے قطعاً درست و صحیح ہوتے تھے جیسا کہ **بما اراک اللہ** سے معلوم ہوا آپ کے فیصلے رب تعالیٰ کی مدد سے ہوتے تھے۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے وہی فیصلہ کیا ہے۔ جو مجھے رب تعالیٰ نے دکھایا بتایا کیونکہ یہ شان تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تھی کہ آپ حق تعالیٰ کے دکھانے بتانے پر فیصلہ فرماتے تھے۔ حضور علیہ السلام کی رائے بھی نہایت ہی درست ہوتی تھی کہ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی تھی۔ ہماری رائے درست بھی ہو سکتی ہے۔ غلط بھی (تفسیر کبیر و خازن)۔ **نواں فائدہ:** تمام صحابہ گناہوں سے معصوم یا محفوظ نہیں ان سے گناہ سرزد ہو جاتے تھے مگر رب تعالیٰ انہیں گناہ پر قائم نہیں رکھتا دنیا میں انہیں توبہ کی توفیق دیتا ہے جس سے ان کی بخشش ہو جاتی ہے۔ دیکھو طعمہ کے حمایتی لوگوں نے غلطی کی مگر معافی بھی ہو گئی کہ اپنے محبوب سے فرمایا گیا۔ ان کے لئے دعاء مغفرت فرماؤ۔ لہذا تمام صحابہ عادل ہیں ثقہ ہیں مغفور ہیں۔ **دسواں فائدہ:** گناہ کتنا ہی بڑا ہو مگر اس سے انسان کافر نہیں ہوتا کفر فساد عقیدہ سے آتا ہے۔ دیکھو طعمہ کے حمایتوں سے یہ بڑا گناہ سرزد ہوا مگر

رب تعالیٰ نے انہیں کافر قرار نہ دیا بلکہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حق میں دعاء مغفرت کا حکم دیا۔ گیارھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے وحی الٰہی یا نور نبوت پر مبنی ہوتے تھے اس لئے اٹل تھے جن کی اپیل نہ ہو سکتی تھی بعد کے حکام و قاضیوں کے فیصلے ایسے نہیں لہٰذا ان کی اپیل ہو سکتی ہے کہ ان کے فیصلے صرف گواہیوں پر ہوتے ہیں۔ گواہی جھوٹی بھی ہو سکتی ہے یہ فائدہ **بما اریٰک اللہ** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجتہاد کرنے کا حق نہ تھا صرف وحی الٰہی کی پیروی کرنا آپ پر لازم تھی آپ پر ضروری تھا کہ صریح نص سے فیصلے کریں پھر تم اجتہاد کیوں جائز کہتے ہو۔ دوسری جگہ رب فرماتا ہے **ان اتبع الا ما یوحی الی** میں صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں اب بھی ہم لوگوں کو صرف وحی کی پیروی چاہئے نہ کہ اماموں مجتہدوں کی (غیر مقلد وہابی)۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر حدیث بھی ختم ہوئی چکڑالوی کہہ سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف قرآن کی پیروی کا حکم تھا اب تم نے حدیث کہاں سے نکال لی اور جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا **بما اریٰک اللہ** جو اللہ آپ کو دکھائے اس سے فیصلہ فرماویں دکھانا عام ہے خواہ قرآن نازل فرما کر بتائے یا الہام و کشف سے آپ کو اصل حقیقت پر مطلع کر دے یا اجتہاد سے آپ کو خبردار فرما دے یا خواب سے یا رائے سے اگر صرف وحی یا قرآن کی پیروی آپ پر لازم ہوتی تو اتنی بڑی عبارت کیوں فرمائی جاتی **بما اریٰک اللہ** آپ کی پیش کردہ دوسری آیت میں بھی وحی سے مراد عام ہے۔ خواہ وحی جلی ہو یعنی قرآن یا وحی خفی ہو۔ یعنی حضور کا الہام و اجتہاد تو بڑی چیز ہے نبی کی خواب بھی وحی ہوتی ہے ابراہیم علیہ السلام نے ذبح فرزند کا خواب ہی تو دیکھا تھا اس خواب کی بنا پر فرزند کو ذبح فرمانے کی تیاری فرمائی حالانکہ بے قصور بچے کی جان لینا کسی شریعت میں جائز نہیں۔ آپ کی خواب نے وہ شرعی حکم کو منسوخ کر دیا۔ خضر علیہ السلام نے اپنے کشف کی بنا پر ایک بے قصور بچے کو جان سے مار دیا حضور کے اجتہاد **بما اریٰک اللہ** میں داخل ہیں۔ دوسرا اعتراض: اگر حضور انور کو ہر طرح فیصلہ فرمالینے کا حق ہے خواب رائے اور اجتہاد سے تو حضور کے بعض فیصلوں پر عتاب الٰہی کیوں آئے اور وہ فیصلے غلط کیوں ہوئے۔ دیکھو بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا حضور کا اجتہادی فیصلہ تھا جو غلط ہوا اور اس پر عتاب آیا (دیوبندی) جواب: وہ فیصلہ غلط نہ تھا اسی لئے فدیہ میں لیا ہوا مال حلال رہا اور آئندہ کے لئے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا درست رہا۔ **فاما منا بعد واما فداء**" وہاں عتاب اس پر ہے کہ آپ نے یہ فیصلہ خود کیوں کیا رب سے کیوں نہ کرایا تاکہ آپ پر اعتراض نہ ہو تا اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ **تیسرا اعتراض**: حضور فرماتے ہیں کہ اگر میں کسی کی تیز زبانی پر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں تو وہ شئی اس کے لئے حلال نہ ہو جائے گی۔ معلوم ہوا کہ آپ کے فیصلے غلط بھی ہو جاتے ہیں۔ جواب: اس فرمان کا مقصد ہے تا قیامت حکام کے لئے مثال قائم فرما دینا کہ حاکم کے خلاف حق فیصلے جیتنے والے فریق کو وہ شئی حلال نہ کریں گے ایک ہے حضور انور کا فیصلہ فرمانا **بما اریٰک اللہ** سے یہ اور چیز ہے اور ایک ہے غلط بیانی جھوٹی گواہی قائم کر کے حضور سے اس گواہی پر شرعی فیصلہ لے لینا اس کی نوعیت کچھ اور ہے۔ یہ ہے حکام کے لئے مثال قائم فرمانا یہ خلاف واقعہ ہو سکتا ہے نور نبوت اور رائے عالی سے جو فیصلہ ہو گا وہ **من اللہ** ہو گا۔ **خیال رہے** کہ حضرات انبیاء کرام کی خطاء اجتہادی بھی رب کی طرف سے ہوتی ہے۔ جس میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ تمام دنیا کا ظہور حضرت آدم علیہ

السلام کی ایک خطاء کا نتیجہ ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے معصوم نہیں۔ حضور نے یہاں طعمہ کے حق میں فیصلہ کر دیا تھا۔ جس کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور آخر میں حضور کو معافی مانگنے توبہ کرنے کا حکم دیا گیا کہ ارشاد ہوا **واستغفرا اللہ** (بعض نئے بے دین)۔ **جواب:** اس قسم کے اعتراضات کے جوابات ہم نے اپنی کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں دیدیئے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہاں **واستغفرا اللہ** میں یا تو خطاب ہے طعمہ سے کہ وہ اپنی اس چوری کی معافی رب تعالیٰ سے مانگے یا خطاب ہے طعمہ کے ہر حمائتی سے کہ اے حمائتی تو اپنی اس غلط حمایت کی رب تعالیٰ سے معافی مانگ یا خطاب ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور مطلب یہ ہے کہ اے محبوب آپ طعمہ کے حمائتیوں کے لئے دعا مغفرت کریں تاکہ آپ کی شفاعت سے ہم ان کے گناہ معاف فرمائیں اور اگر یہ ہی مان لو کہ اس کے معنی یہی ہیں کہ آپ اپنے لئے معافی مانگیں تو مطلب ظاہر ہے کہ استغفار پڑھا کریں تاکہ لوگوں کے لئے استغفار پڑھنا سنت ہو جائے اور لوگوں کو رب تعالیٰ سے معافی مانگنا آجائے۔ شرعی لحاظ سے یہودی ملزم ہو چکا تھا کہ مال کا سراغ یعنی آٹے کا نشان پھر مال کا اس کے گھر سے نکل آنا پھر طعمہ کی برادری جو مسلمان تھی اس کا طعمہ کی برات کی گواہی دیدینا فتوے و فیصلے کے لئے کافی دلائل تھے اگر حضور انور ان دلائل کی بنا پر طعمہ کے حق میں فیصلہ فرما بھی دیتے تو شرعاً گناہ نہ ہوتا کیونکہ شریعت کے احکام ظاہر پر ہوتے ہیں مگر رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اس سے بھی بچالیا اور آئندہ کے لئے ارشاد فرمادیا کہ آپ صرف گواہوں و علامات پر فیصلے نہ کیا کریں یہ فیصلے دوسرے حکام کے لئے ہیں آپ حاکم بھی ہیں ہمارے نبی بھی کھلی چھپی باتیں جاننے والے بھی لہذا یہ آیت کریمہ حضور کی اعلیٰ درجہ کی نعت ہے جو مجھ جیسے بے علم گنہگار کے بیان سے باہر ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور نے طعمہ کے حق میں فیصلہ دیا بلکہ آگے آنے والی آیات سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور نے بالکل ایسا فیصلہ نہ فرمایا ارشاد ہو رہا ہے **ولولا فضل اللہ علیک ورحمتہ لھمت طائفتہ منھم ان یضلوک** نیز اگلی آیات بتارہی ہیں کہ طعمہ کی حمایت انصار نے کی تھی نہ کہ حضور انور نے ارشاد ہو رہا ہے **ھا نتم ھئولاء جادلتم عنھم**۔ الخ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ خائن تھے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے انہیں خائن فرمایا لہذا ہمارا یہ قول درست ہے کہ حضرت صدیق و فاروق نے علی مرتضیٰ کے حق کی خیانت کی کہ خلافت خود سنبھال لی جو حضرت علی کا حق تھا۔ (روافض) **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں مراد خیانت سے کسی کا حق مارنا کسی پر ظلم کرنا نہیں۔ بلکہ اپنی قوم کی بیجا حمایت کرنا ہے چونکہ یہ بھی شرعاً ممنوع ہے اسی لئے اسے خیانت فرمایا گیا ہر گناہ خیانت ہے یعنی حق تعالیٰ کی امانت کے خلاف آدم علیہ السلام نے عرض کیا **ربنا ظلمنا انفسنا** حضرت یونس علیہ اسلام نے دعا کی **انی کنت من الظلمین** اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وعصی ادم ربہ فغوی** کیا تم ان آیات کی بنا پر ان حضرات انبیاء کو ظالم' عاصی' غاوی کہہ سکتے ہو اگر کہو گے تو پورے بے ایمان ہو گے۔ اگر حضرت صدیق و فاروق خائن غاصب ظالم تھے تو ان کی ہاتھ پر بیعت کر کے علی مرتضیٰ کون ہوں گے خدا کے لئے صحابہ کی دشمنی میں حضرات اہل بیت پر تبرا نہ کرو۔ قرآن کریم میں خیانت' ظلم' ضلال' عصیان خطاء کو بھی فرمایا جاتا ہے فعل کے معنی فاعل کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ آنکھ بیٹھ گئی۔ دل بیٹھ گیا' دوکان بیٹھ گئی' زید بیٹھ گیا' تیر نشانہ پر بیٹھ گیا ان سب میں بیٹھ جانا ایک ہے مگر اس کے معانی مختلف رب تعالیٰ قرآن کی سچی سمجھ دے قرآن کریم میں خود رب تعالیٰ کے لئے ایسے الفاظ آئے ہیں جن کے ظاہری معنی صریح کفر ہیں **مکروا ومکر اللہ۔ یخادعون اللہ وھو خادعھم** وغیرہ غرضیکہ فہم قرآن چیز دوسری ہے۔

تفسیر صوفیانہ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول انعام الہیہ کے منتہی ہیں۔ تقسیم انعامات کے مبداء رب نے یہاں فرمایا **انزلنا الیک الکتاب۔ الی انتہا** کے لئے آتا ہے آپ وہ برزخ کبریٰ ہیں جہاں ابتداء انتہا جمع ہیں۔

مخزن اسرار علام الغیوب برزخ بحرین امکاں و وجوب

قرآن کا بھیجنے والا بھی حق لانے والا بھی حق لینے والا بھی حق اور خود قرآن بھی حق اس لئے ارشاد ہوا **بالحق** قرآن ہر طرح حق ہے۔

نور آیا نور لایا نور پر نورانی رات اس لئے رمضاں کا سارا مہینہ نور ہے

فرمایا جارہا ہے کہ محبوب تم منتہائے قرآن ہو تم سراپا حق ہو تم قرآن کے جاء نزول ہو۔ جو سراپا حق ہے۔ طعمہ باطل ہے اس کے اعمال باطل حق و باطل کا اجتماع ناممکن لہذا تمہارے منہ سے کوئی کلمہ ایسا نہ نکلنے پائے جس میں باطل کی طرف میلان ہو تمہاری زبان حق کی کلن ہے اس زبان سے حق ہی نکلے گا ہم نے تم کو تمام جہان کا حاکم برحق بنا کر بھیجا دنیا کی کوئی طاقت تمہیں حق سے مائل نہ کرسکے آپ کے فیصلے صرف گواہیوں صرف علامات صرف نشانات سے نہ ہوں بلکہ اس حق سے ہوں جو آپ کے سینہ پر نور میں جلوہ گر ہے۔ اگر آپ نے بھی ان خبروں پر فیصلے فرمائے تو آپ میں اور دوسرے حکام میں فرق کیا ہو گا اوروں کے فیصلے کاغذوں پر لکھے جاتے ہیں۔ تمہارے فیصلے لوح محفوظ کی تحریر ہیں۔ دوسرے حکام اپنے فیصلوں کے خود ذمہ دار ہیں تمہارے فیصلوں کے ہم ذمہ دار ہیں کہ زبان تمہاری ہوتی ہے کلام ہمارا۔ لہذا تمہارے فیصلے ہمارے فیصلے ہیں۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ دنیاوی حکام میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت میں چند طرح فرق ہے ایک یہ کہ ان حکام کے اختیارات محدود ہیں۔ دیوانی کا جج پھانسی کا حکم نہیں دے سکتا اور سیشن جج دیوانی کے فیصلے نہیں کرسکتا مگر حضور کی عدالت سے ہر چھوٹے بڑے حکم جاری ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ دیگر حکام کے فیصلے قانون کے ماتحت ہوتے ہیں۔ مگر حضور کے فیصلوں سے قانون بنتے ہیں۔ حضور قانون کے بادشاہ ہیں۔ تیسرے یہ کہ دیگر حکام اپنے خصوصی علم پر فیصلہ نہیں کرسکتے گواہ و شاہد پر کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خصوصی علم پر بھی فیصلہ فرماسکتے ہیں۔ **تحکم بین الناس بما ارک اللہ** سے یہ مسائل بخوبی حل ہوتے ہیں۔ گواہی و شہادت پر فیصلے شریعت ہیں اور حکام کی تعلیم کے لئے علم خصوصی پر فیصلے طریقت ہیں اور حضور کی خصوصیات سے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تہمت پر تحقیقات فرمانا شریعت ہے اور طعمہ ابن ابیرق پر ہاتھ کاٹنے کا حکم دینا حالانکہ چوری کا ثبوت یہودی پر تھا یہ ہے طریقت رب تعالیٰ نے شیطان کو بغیر سجدہ کے انکار کے مردود نہ کیا اور قیامت میں مجرموں کو بہت تحقیق و تفتیش کے بعد سزا دیگا۔ یہ ہے شریعت حضرت خضر علیہ السلام نے محض اپنے علم پر بچے کو قتل کردیا۔ حالانکہ وہ ناکردہ گناہ تھا یہ ہے طریقت **بما ارک اللہ** طریقت کا سرچشمہ ہے۔ بلکہ آپ کے بعض خدام سے جو اس کی طرف میلان ظاہر ہوا ان کے لئے بھی دعاء مغفرت فرمائیں کہ آپ کی شفاعت سے ہم گنہگاروں کو بخشتے ہیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ممانعتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے نہیں کہ حضور گناہ تک نہ پہنچیں وہ تو خدا تک پہنچے ہوئے ہیں گناہ تک کیسے پہنچیں گے۔ بلکہ اس لئے ہیں کہ گناہ حضور تک نہ پہنچیں اور ہم کو ممانعتیں اس لئے ہیں کہ ہم گناہ تک نہ پہنچیں۔ جیسے پرندہ کے آس پاس پنجرے کی تیلیاں اس لئے ہیں کہ پرندہ نکل کر فضا و ہوا میں نہ پہنچے اور فانوس پر چمنی اس لئے

ہے کہ ہوا اس کے نور یا حق تک نہ پہنچے گناہ تک ہمارا جانا اور ہے اور ہم تک گناہ کا پہنچنا کچھ اور ہم تماشہ دیکھنے گانا سننے کہیں جائیں تو ہم گناہ تک گئے لیکن اگر ہم مسجد یا گھر میں ہیں اور گانے کی آواز ہم تک آئے ہم اس سے لذت لیں یا ہمارے دروازے پر تماشہ آجائے جس سے ہم لطف اندوز ہوں تو گناہ ہم تک پہنچا اللہ کے فضل سے نہ تو نبی گناہ تک پہنچے ہیں اور نہ ان ممانعتوں کی برکت سے گناہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں۔ اگر ان کے سامنے گانا تماشہ ہو تو انہیں اس کا لطف نہیں آتا غصہ آتا ہے اسے وہ مٹانے کی کوشش فرما کر ثواب پاتے ہیں یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ممانعتیں اسی نوعیت کی ہیں غرضیکہ شریعت کی حدود ہمارے لئے حفاظتی قفس کی تیلیاں ہیں حضور کے لئے حفاظتی چمنی۔

يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ
چھپ جاتے ہیں وہ لوگوں سے اور نہیں چھپ سکتے وہ اللہ سے حالانکہ وہ انکے ساتھ ہے جبکہ
لوگوں سے چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے اور اللہ ان کے پاس ہے جب دل میں وہ بات
يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾
راتوں میں سوچتے ہیں غیر پسندیدہ باتیں اور ہے اللہ اس کو گھیرے جو وہ کام کرتے ہیں
تجویز کرتے ہیں جو اللہ کو ناپسند ہے اور اللہ ان کے کاموں کو گھیرے ہوئے ہے
هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۣ فَمَنْ يُّجَادِلُ
آگاہ رہو تم وہ ہو کہ ان کی طرف سے جھگڑتے ہو زندگانی دنیاوی میں بس کون ہے جو جھگڑے
سنتے ہو جو تم ہو دنیا کی زندگانی میں تو ان کی طرف سے جھگڑتے ہو تو ان کی
اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾
گا اللہ سے ان کی طرف سے قیامت کے دن یا کون ان کا کارساز ہوگا
طرف سے کون جھگڑے گا اللہ سے قیامت کے دن یا کون ان کا وکیل ہوگا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں طعمہ اور اس کے حامیوں کی خیانت کا ذکر تھا۔ طعمہ کا چوری کرنا حامیوں کا اس کی چوری کو چھپانا اب ان خیانتوں کے عبث و بیکار ہونے کا تذکرہ ہے کہ یہ لوگ ایسی حرکتوں سے گنہگار تو ہو جاتے ہیں مگر فائدہ کچھ نہیں اٹھاتے گناہ بے فائدہ کرتے ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں طعمہ اور اس کی قوم کی خطاؤں کا ذکر تھا اب ان خطاؤں کی وجہ کا تذکرہ ہے کہ یہ گناہ ان لوگوں سے اس لئے ہو جاتے ہیں کہ انہیں یہ خیال نہیں رہتا کہ ہماری ان تدبیروں کے وقت رب تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں مذکورہ لوگوں کے گناہوں کا ذکر تھا۔ یعنی طعمہ کا چوری کرنا قوم کا اسے چھپانا اب اس کے بے کار ہونے کا ذکر ہے کہ اللہ سے یہ جرم نہ

چھپ سکیں گے۔

شان نزول : جب طعمہ ابن ابیرق کا مقدمہ عدالت عالیہ مصطفویہ میں پیش تھا تحقیقات جاری تھی تو ایک دن رات کے وقت طعمہ اور اس کی قوم والے بنی ظفر کسی جگہ جمع ہوئے طعمہ نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ معاملہ قوم کی عزت و ذلت کا ہے اگر میں چور ثابت ہو گیا تو ساری قوم کی رسوائی ہو گی اس لئے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بے گناہی کی قسم کھا جاؤں گا یہودی بھی قسم کھائے گا چونکہ میں کلمہ گو مسلمان ہوں اور یہودی کھلا کافر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری قسم قبول فرمائیں گے یہودی کی قسم قبول نہ کریں گے نیز یہودی کی قوم اس کی بے گناہی پاکدامنی کی گواہی دے گی تم لوگ میری عصمت و پاکدامنی و نیک چلن کی گواہی دے دینا چونکہ تم لوگ مسلمان ہو یہودی کے گواہ کفار ہیں بارگاہ رسالت میں تمہاری گواہی قبول ہو گی کفار کی گواہی رد ہو گی اس تدبیر سے اپنی قوم کی عزت رہ جائے گی یہ بھولے بھالے مسلمان طعمہ کی اس عیاری میں آگئے اور اس کی بتائی تدبیر پر عمل پیرا ہوئے۔ رب تعالیٰ نے نہ چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کا دھوکا دیا جا سکے اس نے یہ آیت نازل فرما کر سرکار عالی کو سارے واقعہ کی اطلاع دے دی اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کو اس سازش کا تذکرہ ہے (تفسیر خازن)۔

تفسیر : **یستخفون من الناس**۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ مستقل ہے اسے گذشتہ جملہ سے ترکیبی تعلق کوئی نہیں بعض نے فرمایا کہ یہ جملہ **من کان خوانا** کا حال ہے لہذا منصوبی حالت میں ہے مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے **یستخفون استخفاء** سے بنا جس کا مادہ خفی ہے۔ خفی چھپنا پوشیدہ ہونا یہاں شرم کے باعث چھپنا مراد ہے باب استفعال میں آکر کوشش یا مبالغہ کے معنی پیدا ہو گئے اس کا فاعل وہ طعمہ اور اس کی قوم کے بھولے مسلمان ہیں۔ جو طعمہ کے چکمہ میں آگئے تھے **الناس** سے مراد عام اہل مدینہ ہیں جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ حقیقت چھپی نہ رہے گی۔ اولاً تو ان کی نگاہ نبوت ظاہر و باطن کو دیکھتی ہے۔ جیسے نگاہ عیسوی گھر میں کھائے بچائے کھانے کو دیکھتی تھی دوسرے رب تعالیٰ اس حرکت سے خبردار ہے وہ بذریعہ وحی حضور کو مطلع فرما دے گا ان کا مقصد یہ تھا کہ حضور مسلمانوں کے پردہ پوش ہیں ہماری مکاری ظاہر نہ فرمائیں گے اور ہم کو رسوا نہ ہونے دیں گے شرعی قاعدے کے مطابق ہماری گواہی طعمہ کی قسم پر اعتبار کریں گے یہودی اور اس کے ساتھی کفار کی گواہیوں اور قسم کا اعتبار نہ فرمائیں گے۔ یہاں قانون سے کام لیں گے، اسی لئے انہوں نے یہ حرکت کی یعنی طعمہ اور اس کے ہم قوم مسلمان عام اہل مدینہ سے شرم و حیا کرتے ہوئے چھپنے کی کوشش کرتے ہیں یا کریں گے یا ان لوگوں سے بہت ہی چھپتے ہیں۔ کسی طرح ظاہر نہیں ہونے دیتے **ولا یستخفون من اللہ** پہلے جملہ میں ان کی کوشش کا ذکر تھا اس جملہ میں حقیقت حال کا تذکرہ ہے لفظ اللہ سے مراد یا تو رب تعالیٰ کی ذات عالی ہے یا یہاں رسول پوشیدہ ہے۔ جیسا **یخادعون اللہ** میں بعض کے نزدیک **یخادعون رسول اللہ** مراد ہے یہاں استخفاء سے مراد یا چھپ جانا ہے یا چھپنے کی کوشش کرنا ہے۔ یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول سے نہیں چھپ سکتے یا یہ لوگ اللہ رسول سے چھپنے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں۔ شرم کی وجہ سے لوگوں سے چھپنے کی کوشش میں ہیں۔ **وھو معھم اذ یبیتون ما لا یرضی من القول**۔ یہ جملہ یا تو علیحدہ ہے یا **یستخفون** کے فاعل سے حال اور واؤ حالیہ ہے **ھو** کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا مرجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں کہ حضور انور مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ **النبی**

اولی بالمؤمنین من انفسھم۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے معیت زمانی بھی ہوتی ہے 'مکانی بھی 'کرم کی بھی 'غضب کی بھی' علم کی بھی 'قدرت کی بھی 'قرآن کریم میں لفظ مع تمام ہمراہیوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ **والذین امنو معہ** میں اور قسم کی معیت ہے اور **ان اللہ مع الصابرین** میں دوسری قسم کی معیت و ہمراہی ہے۔ یہاں معیت سے مراد علم و قدرت کی ہمراہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مکانی و زمانی معیت سے پاک ہے کہ وہ جگہ 'وقت سے پاک یا غضب و غصہ و ناراضی کی ہمراہی مراد ہے۔ اذ ظرف ہے معیت کا ظرف **یبیتون** ہے۔ جو بنا ہے **تبییت** سے بمعنی رات میں مشورے کرنا رات میں کسی پر حملہ کرنا شب خون مارنے کو بھی تبیت کہا جاتا ہے۔ کہ اس میں دشمن پر رات میں حملہ ہوتا ہے۔ یہاں رات میں تدبیر سوچنے کی معنی میں ہے۔ چونکہ انہوں نے رات میں ہی تدبیریں سوچی تھیں رب تعالیٰ نے اسی ہی کا ذکر فرمایا۔ ما اسم موصول ہے اور **یبیتون** کا مفعول بہ **لا یرضی ما** کا صلہ ہے اور **من القول ما** کا بیان **یرضی** کے بعد ہ پوشیدہ ہے چونکہ وہ تدبیریں کلام 'گفتگو کے ذریعہ سوچی گئی تھیں اس لئے ان تدبیروں کو قول فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت و نظر اس وقت بھی ان کے ساتھ تھی جبکہ وہ ناپسندیدہ باتوں سے رات میں تدبیریں سوچ رہے تھے تدبیریں کر رہے تھے۔ **وکان اللہ بما یعملون محیطا** یہ اللہ تعالیٰ کی وسعت علم و قدرت کا بیان ہے۔ **ما یعملون** سے سارے اعمال مراد ہیں۔ بدنی ہوں یا قولی یا قلبی۔ محیط احاطہ سے بنا بمعنی گھیر لینا اپنے میں لے لینا یہاں علم و قدرت کا احاطہ مراد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بذات خود محیط نہیں وہ مکان سے پاک ہے اس لئے روح المعانی وغیرہ نے محیط بمعنی حفیظ لیا یعنی اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت ان کے سارے کھلے چھپے بدنی قولی دلی اعمال کو گھیرے ہوئے ہیں اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اگر وہ لوگ اس بات کا خیال رکھتے تو ایسی حرکتوں کی ہمت و جرات نہ کرتے بعض جرموں کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے۔ آخرت میں بھی جیسے چوری 'زنا' ارتداد وغیرہ کہ ان کی دنیاوی سزا ہاتھ کٹنا رجم اور قتل ہے۔ آخرت کی سزا دوزخ مگر دنیاوی سزا دنیاوی حکام کے ذریعہ دلوائی جاتی ہے۔ اخروی سزا کا براہ راست رب تعالیٰ فیصلہ کرے گا۔ اس لئے دنیا میں گواہی' وکالت 'قسم وغیرہ حکام کے سامنے ہوتی ہے اب تک دنیاوی سزا سے بچانے کی غلط تدبیروں کا ذکر ہوا اب اخروی سزا کا ذکر ہے جہاں یہ تدبیریں کارگر نہ ہوں گی اس لئے اس مضمون کے بعد ارشاد ہوا **ھانتم ھٰؤلاء** یہ فرمان عالی اظہار ناراضی کے لئے ہے ہا حرف تنبیہ ہے **انتم** میں خطاب طعمہ کی قوم سے ہے **ھٰؤلاء** اسم اشارہ **انتم** کی خبر ہے **انتم** سے مراد ہے ان کی ذات اور **ھٰؤلاء** سے اشارہ ہے ان کے حال یا وصف کی طرف جس کا ذکر **جادلتم** میں ہے۔ یعنی اے قوم طعمہ خبردار ہو جاؤ مطلع رہو تم ہی وہ لوگ ہو یا ایسے لوگ ہو سبحان اللہ ناراضی کے ساتھ کرم بھی ہے کہ رب نے **انتم** کہہ کر پکارا کافر 'ظالم' فاسق وغیرہ کہہ کر نہ پکارا کہ اس جرم کی حمایت کی وجہ سے ان حضرات کا رشتہ غلامی حضور سے ٹوٹا نہیں۔ **جادلتم عنھم فی الحیوۃ الدنیا** یہ **ھٰؤلاء** کا بیان ہے **جادلتم** جدال سے بنا۔ جس کا مادہ ہے جدل بمعنی قوت و طاقت اس لئے شکرا کو اجدل کہتے ہیں یعنی بڑا طاقتور شکاری پرندہ۔ قوی جھگڑے کو جدال اور معمولی جھگڑے کو خصومت کہتے ہیں۔ یہاں جدال سے مراد جنگ وغیرہ نہیں بلکہ طعمہ کی طرف سے مقدمہ کی جھوٹی پیروی کرنا ہے اور اس یہودی کے مقابلہ میں جھگڑا کرنا یا یہودی کی قوم سے قانونی لڑنا اگرچہ طعمہ اکیلا تھا مگر چونکہ اس ایک کی حمایت سارے منافقوں کی درپردہ حمایت تھی اس لئے **عنھم** میں ضمیر جمع ارشاد ہوئی نیز اگر اس موقعہ پر طعمہ کامیاب ہو جاتا تو آئندہ منافقوں کو چوری وغیرہ جرموں پر جرات ہو جاتی ہے اس لئے اس اکیلے کی حمایت سارے بدمعاشوں منافقوں کی حمایت تھی اس لئے عنھم فرمایا **حیوۃ الدنیا** سے مراد یہ ظاہری زندگی ہے جو مرنے پر ختم ہو جاتی ہے یعنی

اے قوم طعمہ کے بھولے مسلمانو تم جیتے جی تو طعمہ وغیرہ منافقین کی طرف سے ان کے مقابلوں سے لڑ رہے ہو۔ جھگڑ رہے ہو' صرف دنیاوی زندگی تک تمہارے یہ جھگڑے ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ کے ماسویٰ کا نام ہے عالم اس کی بہت قسمیں ہیں عالم انوار' عالم ارواح' عالم امکان' عالم اجسام جن میں سے عالم اجسام خصوصاً" سفلیات کا نام ہے' دنیا' زندگی تین قسم کی ہے دنیاوی زندگی' برزخی زندگی اور اخروی زندگی جن میں سے دنیاوی زندگی بہت چھوٹی ہے' برزخی زندگی جو مرنے سے قیامت تک ہے وہ اس سے بڑی اور اخروی زندگی جو قیامت سے ابدالاباد تک ہے وہ بہت ہی بڑی چونکہ دنیاوی زندگی کام کی ہے برزخی زندگی کام کے بعد آرام کی اور اخروی زندگی کام کے انعام کی رب تعالیٰ کریم ہے اس لئے اس نے کام کا وقت بہت چھوٹا رکھا آرام کا وقت بہت دراز اور انعام کا وقت ابدالاباد نیز دنیاوی زندگی مصیبتوں سے گھری ہے **لقد خلقنا الانسان فی کبد** وہ دونوں زندگیاں مقبولوں کے لئے آزادی کی اس لئے یہ زندگی بہت چھوٹی رکھی گئی لہذا اسے اچھے کاموں میں خرچ کرو۔ **فمن یجادل اللہ عنہم یوم القیمۃ** یہاں بھی جدال سے وہی مراد ہے یعنی پیروی کرنا حمایت کرنا یعنی جب قیامت کے دن یہی طعمہ کا مقدمہ بارگاہ الٰہی میں پیش ہو گا جہاں دودھ کا دودھ ہے پانی کا پانی تو ان کی حمایت میں رب کی بارگاہ میں کون پیش ہو گا۔ جب اللہ کی بارگاہ میں تم ان کی حمایت قیامت میں نہیں کر سکتے تو رسول اللہ کی عدالت میں ان کی حمایت کیوں کرتے ہو۔ **ام من یکون علیہم وکیلا** یہ ام عاطفہ ہے من سے وہی عام حمایتی مراد ہیں' جو **من یجادل اللہ** میں من سے مراد تھے **وکیلا** کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں' جس کو اپنا مقدمہ یا اپنا کام سپرد کر دیا جائے وہ وکیل ہے اسی لئے حمایتی' کارساز کو وکیل کہا جاتا ہے بلکہ کار مختار کو بھی وکیل کہا کرتے ہیں۔ وکیل بمعنی طرف دار انسان کی صفت ہے اور بمعنی کارساز رب تعالیٰ کی صفت ہے رب تعالیٰ کا نام وکیل ہے اسی معنی سے یہاں دونوں معنی درست ہیں کہ کفار کے لئے نہ حضور طرف دار نہ رب تعالیٰ کارساز مسلمانوں کے لئے دونوں نعمتیں حاصل ہیں یعنی کل قیامت میں ان کا حمایتی وکیل کون ہو گا یعنی کوئی نہیں۔ لہذا یہاں دنیا میں بھی ان کی حمایت چھوڑ دو۔

خلاصہ ء تفسیر : یہ طعمہ اور اس کے ہم قوم بنی ظفر لوگوں سے شرم کرتے ہوئے اصل واقعہ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں یہ سب کچھ تدبیریں اسی سلسلے میں ہیں مگر وہ کسی طرح اللہ سے یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں چھپا سکتے وہ رب تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہے جب وہ رات کی اندھیروں میں جمع ہو کر بری تدبیریں اور بری باتیں سوچتے ہیں اس کے علم اس کی قدرت سے کہاں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت تو اس کے سارے ظاہری خفیہ جسمانی زبانی جنانی اعمال کو گھیرے ہوئے ہے۔ گھرا ہوا گھیرے ہوئے سے کیسے نکل سکتا ہے۔ خبردار ہو اے طعمہ کی قوم والے بھولے بھالے مسلمانو تم دنیاوی زندگی میں تو طعمہ وغیرہ منافقین کی طرف سے طعمہ کے مخالفوں سے لڑتے جھگڑتے ہو۔ اور ان کی جھوٹی حمایت کرتے ہو۔ سوچو تو کل جب طعمہ کا مقدمہ قیامت میں بارگاہ الٰہی میں پیش ہو گا۔ تو کس میں طاقت ہے کہ رب کے سامنے اس کی جھوٹی حمایت کر سکے اور کون ہے جو طعمہ کا وکیل بن سکے۔ لہذا دنیا میں ایسی ناجائز کوششیں کر کے گنہگار نہ ہو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** یہ آیت کریمہ تقویٰ و طہارت کی اصل ہے اگر انسان یہ خیال رکھے کہ میرا کوئی حال اللہ تعالیٰ سے چھپا نہیں وہ مجھے ہر وقت دیکھ رہا ہے تو گناہ کرنے کی ہمت نہ کرے جیسا کہ **لا یستخفون من اللہ** سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپا نہیں ہر شخص کے

ہر حال سے حضور خبردار ہیں۔ دیکھو یہاں **یستخفون من الناس** فرمایا یہ نہ فرمایا **یستخفون منک** یعنی وہ لوگوں سے چھپتے ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ آپ سے چھپتے ہیں حضور کا ذکر اپنے ساتھ فرمایا **یستخفون من اللہ** اگر یہ عقیدہ پختہ ہو جائے کہ حضور میرا ہر حال دیکھ رہے ہیں تو گناہ پر کبھی دلیری نہ کرے۔ رب فرماتا ہے **انا ارسلنک شاھدا** " اور فرماتا ہے **النبی اولی بالمومنین من انفسھم** حضور نے دو قبروں پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ان دونوں مردوں کو عذاب قبر ہو رہا ہے کیونکہ یہ چھوٹا تھا پیشاب سے نہ بچتا تھا اور یہ دوسرا چغل خور تھا معلوم ہوا کہ ہر شخص کے ہر عمل سے واقف ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے خلاف سازش ان کے خلاف گفتگو سے رب تعالیٰ سخت ناراض ہوتا ہے۔ جیسا کہ **لا یرضی من القول** سے معلوم ہوا۔ لہٰذا ان مقبولوں کی حمایت ان کے محبت کی گفتگو سے رب تعالیٰ راضی ہے اسی طرح کفار کی حمایت سے رب ناراض ہے ان کی مخالفت سے رب راضی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** قیامت کے دن کوئی کسی کافر و منافق کی شفاعت نہ کر سکے گا جیسا کہ **فمن یجادل اللہ عنھم** سے معلوم ہوا ان شاء اللہ مومن کی شفاعت بھی ہوگی اور اس کی طرف سے جھگڑا بھی جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے **عنھم** کی قید سے لطف دے دیا۔ قیامت کا اول وقت ظہور عدل کا ہے اس وقت کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں شفاعت کبریٰ ہو جائے گی دروازہ شفاعت کھل جائے گا تو ظہور فضل ہو گا پھر شفاعت صغریٰ مسلمانوں کی بہت طرف سے ہوگی مگر کفار منافقین اب اس حالت میں بھی وکالت شفاعت سے محروم ہوں گے۔ یہاں اسی کا ذکر ہے۔ **پانچواں فائدہ:** قیامت میں کفار و منافقین کا وکیل و حامی کوئی نہیں۔ مسلمانوں کے وکیل بھی ہوں گے حامی بھی جیسا کہ **علیھم وکیلا** سے معلوم ہوا کیونکہ کفار و منافقین کے احوال سے مومنین کے احوال جدا گانہ ہوں گے۔ **چھٹا فائدہ:** گناہ سے انسان کافر نہیں ہو جاتا اگرچہ گناہ کیسا ہی سنگین ہو دیکھو منافقین کی حمایت اور بارگاہ رسالت میں ان کے بحث و تمحیص جسے **جادلتم** فرمایا گیا اپنی قوم کی بیجا طرفداری بری چیزیں ہیں مگر اس کے باوجود طعمہ کے وہ حمایتی مسلمان ہی رہے۔ انہیں کافر نہ کہا گیا یہ فائدہ **جادلتم** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کفار منافقین مجرمین کے ساتھ ہے مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **ان اللہ مع الذین اتقوا** اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے ان دونوں میں کون سی آیت درست ہے آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** دونوں آیتیں درست ہیں اللہ تعالیٰ رحم و کرم سے متقیوں کے ساتھ ہے۔ غضب و قہر سے کفار و منافقین کے ساتھ ہے اور علم و قدرت کے لحاظ سے سب کے ساتھ ہے۔ نصرت مدد کے لحاظ سے صابرین کے ساتھ **ان اللہ مع الصابرین** یہاں ناراض و غضب کے لحاظ سے ہمراہی مراد ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس وقت ان کے ساتھ تھا جب وہ ناپسندیدہ سازشیں کر رہے تھے تو کیا دوسرے وقت ان کے ساتھ نہیں تھا فرمایا گیا۔ **اذیبیتون مالا یرضی**۔ **جواب:** سوال و جواب میں لفظ ہی اور بھی کا فرق ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے ناپسندیدہ باتوں کے وقت بھی رب تعالیٰ ان کے ساتھ ہے لہٰذا انہیں رب سے ڈرنا چاہیے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت میں کوئی کسی کی طرف سے رب سے نہ جھگڑ سکے گا مگر حدیث پاک میں ہے کہ کچا بچہ اپنے ماں باپ کی شفاعت میں رب سے جھگڑے گا یہ آیت اس حدیث کے خلاف ہے۔ **جواب:** حدیث شریف میں ناز و نیاز کا جھگڑا مراد ہے جیسے نازنین بچے اپنے ماں باپ سے ضد کر کے لڑ جھگڑ کر اپنی بات منوا لیتے ہیں کچا بچہ اس قسم کا جھگڑا رب سے کرے گا اس کا یہ جھگڑا بھی رب کو پیارا ہو گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فلسمع اللہ**

قول الذی تجادلک فی زوجھا - اللہ نے اس بی بی کا کلام سن لیا جو اپنے خاوند کے متعلق آپ سے جھگڑ رہی ہیں۔ سبحان اللہ محبوبوں کے جھگڑے بھی پیارے کسی پنجابی شاعر نے کیا خوب کہا۔

وقت اخیری سجنا آجا تو نیڑے نیڑے   وکھڑے میں کتوں وساں جھگڑے ہیں میرے تیرے

اور ساں دوسری قسم کا جھگڑا مراد ہے دھوکے دینے کے لئے کفار کی سفارش کے لئے جھگڑنا یہاں کس کی مجال ہے جو رب کی بارگاہ میں اس قسم کی باتوں میں دم بھی مار سکے۔

نہ بر حرف اوجائے انگشت کس   ہمہ تا بعش مرغ و مور و مگس

یہ بہرحال جھگڑوں کی نوعیتیں جداگانہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے ساتھ ایسے ہیں۔ جیسے جسم میں جان یا آنکھوں میں نظر کہ ہر کام جاتی ہے مگر نظر نہیں آتی ہر چیز کو نظر دیکھتی ہے مگر خود دکھائی نہیں دیتی۔

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظریوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جاں
ہیں مجھ میں وہ لیکن مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے

خود چھپے ہوئے ہیں مگر ہر ذرے میں جلوہ دکھا رہے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اے خفی الذات محسوس العطاء   انت کالماء و نحن کا لرحے!
انت کا لریح و نحن کا لغباء   یختفی الریح وغبراہ جہاء!

مجرم و بدکار اس اندھے چور کی طرح ہیں جو کسی کے گھر میں چوری کرے خواہ مالک اور اس کے خدام اسے چوری کرتے دیکھ رہے ہوں تو وہ اس کے اندھے پن و حماقت پر ہنس رہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کے رسول اس کے فرشتے ہمارے ہر حال کو دیکھ رہے ہیں۔ ہم اپنے اندھے پن سے انہیں بے خبر جان کر خوب گناہ کر رہے ہیں یہ آیت کریمہ ہم کو جگا رہی ہے کہ فرما رہی ہے **وھو معھم اذیبیتون** ان کی رات کی سازشوں کے وقت اللہ یا اللہ کا رسول ان کے ساتھ ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ برے ارادے بری نیت سے کلمہ پڑھنا قرآن مجید کی تلاوت نماز درود وغیرہ عبادات بھی رب کے ہاں ناپسندیدہ ہیں کہ طعنہ وغیرہ کی تمام باتوں کو ناپسندیدہ فرمایا گیا **مالا یرضی من القول**۔ اگرچہ ان لوگوں نے اس مجلس میں اللہ رسول کا نام بھی لیا ہوگا۔ مگر سب ناپسندیدہ ہوا کہ ان کی نیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی تھی بڑی نیت سے تعمیر کی ہوئی مسجد کو ضرار قرار دیا گیا بری نیت سے کلمہ پڑھنے کو دھوکہ بازی فرمایا گیا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قیامت میں جب حضرات انبیاء کرام نفسی نفسی کہیں گے تو ہم مجرم گنہگار وہاں کیا کریں گے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

دراں روز کز فعل پرسند و قول   اولو العزم را دل بلرزد زھول
بجائے کہ دہشت خورند انبیاء   تو عذر گنہ را چہ داری بیا!

لہٰذا ضروری ہے کہ ہم مجرم گنہگار بندے مرنے سے پہلے توبہ کر لیں۔ ذرہ ذرہ حقوق عباد حقوق شرعی حقوق ادا کر کے مریں ابھی فرصت ہے اسے غنیمت جانیں ہم جو کچھ کر رہے ہیں۔ رب تعالیٰ و رسول و فرشتے دیکھ رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں

ارے اے مجرم بے پروا دیکھ سر پہ تلوار ہے کیا ہونا ہے
لے وہ حاکم کے سپاہی آئے صبح اظہار ہے کیا ہونا ہے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اپنے برے کاموں کو اچھا ثابت کرنے کی کوشش کرنا اپنے نفس کی وکالت کرنا اسے اچھا سمجھنا بھی اس آیت کریمہ میں داخل ہے۔ اپنے عیب فوراً تسلیم کرلو۔ بہانہ نہ بناؤ توبہ کرو وہ مدینہ کا منافق طعمہ مرگیا ہم میں سے ہر ایک کے اندر طعمہ موجود ہے' جو چوری کرکے بہانہ بنا تا رہتا ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ
اور جو گناہ کرے اور ستائے اپنی جان کو پھر معافی لے اللہ سے پائے گا اللہ کو
اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ
بخشنے والا مہربان اور جو کمائے گناہ تو اس کے سوا نہیں کہ کماتا ہے اسے اپنی جان پر
والا مہربان پائے گا اور جو گناہ کمائے تو اس کی کمائی اس کی جان پر پڑے اور اللہ
اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ
اور ہے اللہ علم والا حکمت والا اور جو کمائے خطاء یا گناہ پھر لگا دے
علم و حکمت والا ہے اور جو کوئی خطا یا گناہ کمائے پھر اسے کسی بے گناہ
بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع ۱۴
اسے کسی بے گناہ پر تو بے شک اٹھایا اس نے بہتان اور کھلا گناہ
پر تھوپ دے اس نے ضرور بہتان اور کھلا گناہ اٹھایا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں طعمہ اور اس کے ہم قوم مسلمانوں پر اظہار ناراضی فرمایا گیا تھا اب ان کو توبہ و استغفار کی دعوت دی جارہی ہے کہ توبہ کرلو ہم بخش دیں گے۔ **دوسرا تعلق:** بعض لوگ ڈر سے اطاعت کرتے ہیں' بعض لوگ امید و لالچ سے قرآن کریم تمام خلقت کے لئے آیا اس میں ہر قسم کے لوگوں کو تبلیغ ہے لہذا ڈر پچھلی آیات میں سنایا گیا تھا امید و لالچ ان آیات میں دی جارہی ہے تاکہ پہلی قسم کے لوگ ان آیات سے سبق لیں دوسری قسم کے لوگ ان آیات سے رجوع الی اللہ کریں۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیات میں طعمہ اور اس کے حمائتیوں کی خطاؤں کا ذکر تھا اب فرمایا جارہا ہے کہ ہر خطاء کار اپنی خطا کا ذمہ دار ہوگا اس کا بوجھ دوسرے پر نہ پڑے گا۔ لہذا مجرم کو توبہ میں جلدی کرنا چاہئے۔

نزول : بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیات کریمہ طعمہ ابن ابیرق کو توبہ کی طرف مائل کرنے کے لئے نازل ہوئیں۔ جس نے چوری بھی کی جھوٹ بھی بولا بے قصور یہودی کو بہتان بھی لگایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکھا دینا بھی چاہا غرضیکہ چار گناہ کئے وہ بھی حضور انور کی موجودگی میں بعض نے فرمایا کہ یہ آیات کریمہ طعمہ کی قوم کے متعلق نازل ہوئیں جنہوں نے طعمہ جیسے مجرم و خطاکار کی غلط حمایت کی مجرم کی حمایت بھی جرم ہے بعض مفسرین کا فرمان ہے کہ یہ آیات تاقیامت تمام گنہگاروں کے متعلق ہیں کہ اگرچہ نزول کا سبب خاص ہے مگر اس کی عبارت عام ہے (تفسیر خازن)۔

تفسیر : **ومن یعمل سوءا او یظلم نفسہ** ظاہر یہ ہے کہ من سے مراد ہر گنہگار انسان ہے کافر ہو یا مومن جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے معصوم و محفوظ انسان اس سے علیحدہ ہیں 'یعمل' میں بڑی وسعت ہے۔ کب عمل کرے 'کہاں عمل کرے' کتنے عمل کرے 'اگر دن بھر میں ہزار گناہ کرے' تب بھی مایوس نہ ہو کہ اس کی رحمت ہمارے گناہوں سے زیادہ۔ سوءا یہ وہ برائی ہے جو دوسرے کو غمگین کرے جس کا اثر دوسرے پر پڑے کہ سوء رنج و غم کو کہتے ہیں۔ اور ظلم سے مراد ہر گناہ ہے جس کا تعلق اپنی ذات سے ہے۔ دوسرے پر اثر نہیں پڑتا لہذا بہتان جھوٹی قسم کھا کر دوسرے کو پھنسانا سوء ہے اور شراب خواری ترک نماز وغیرہ ظلم ہے طعمہ کا چوری کرنا یہودی کو بہتان لگانا سوء تھا اور جھوٹی قسم کھانا کہ میں نے چوری نہیں کی ظلم ہے بعض نے فرمایا کہ بدعملی سوء ہے اور بدعقیدگی شرک 'کفر وغیرہ ظلم ہے رب فرماتا ہے **ان الشرک لظلم عظیم** بعض نے فرمایا ہر گناہ صغیرہ سوء ہے اور ہر گناہ کبیرہ ظلم غرضیکہ سوء و ظلم میں کئی طرح فرق ہے۔ یعنی جو شخص بھی معمولی گناہ کرے یا بڑا گناہ کرے یا جو شخص بدعملی کرے یا بدعقیدگی یا جو کوئی حق العبد مارے یا حق اللہ تلف کرے۔ **ثم یستغفر اللہ** یہ عبارت "عمل" پر معطوف ہے اور من کا صلہ ثم فرما کر بتایا گیا کہ پرانے گناہ سے بھی توبہ ہو سکتی ہے پرانا مجرم بھی ہماری کرم نوازی سے مایوس نہ ہو۔ اگر بجائے ثم کے واو یا ف ارشاد ہوتی تو معلوم ہوتا کہ گناہ کے ساتھ یا اس سے متصل ہی چاہئے ثم نے توبہ کے وقت میں بڑی وسعت دے دی۔ نماز' روزہ' حج وغیرہ کے اوقات تنگ اور محدود ہیں۔ مگر رب کریم نے توبہ کا وقت بہت فراخ رکھا کہ ساری زندگی اس کا وقت ہے۔ استغفار زبان سے معافی مانگنے کو کہتے ہیں اور توبہ دل کی شرمندگی و ندامت اور آئندہ باز رہنے کے ارادہ کو کہا جاتا ہے۔ یہاں استغفار بمعنی توبہ ہے کیونکہ بغیر دل کی توبہ کے صرف زبان سے استغفار پڑھ لینا مذاق و دل لگی ہے۔ یہاں استغفار فرما کر یہ بتایا کہ دلی توبہ کے ساتھ زبان سے بھی معافی مانگنا چاہئے کہ یہ بھی ایک عبادت ہے خیال رہے کہ جیسا گناہ ویسی توبہ چاہئے۔ **حق اللہ** کی توبہ صرف شرمندگی و ندامت آئندہ عہد کر لینا ہے حقوق شرعیہ سے توبہ کے لئے قضاء یا کفارہ ضروری ہے نمازیں رہ گئی ہیں تو قضا کرے روزہ توڑا ہے کفارہ دے اور حقوق العباد سے توبہ کے لئے اداء حقوق ضروری ہے کسی کا قرض مارا ہے تو پہلے ادا کرے کسی کو گالی دی ہے تو پہلے اس سے معافی چاہے پھر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کے الفاظ ادا کرے آنکھ سے آنسو بہائے۔ یہ ہے استغفار صحیح 'یہاں صحیح و مقبول توبہ مراد ہے ان دو لفظوں میں مسائل کے دریا بہہ رہے ہیں۔ **یجد اللہ غفورا رحیما** یہ عبارت "عمل سوء" کی جزاء ہے یجد کے معنی یا تو یہ ہیں کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو پائے گا۔ یا مطلب یہ ہے کہ دنیا ہی میں اس کی مغفرت و رحمت پائے گا۔ اس طرح کہ گناہوں خطاؤں کی وجہ سے جو دنیاوی مصیبتیں آ گئی تھیں وہ استغفار کی برکت سے دور ہو جائیں گی یا دنیا میں اور مرتے وقت قبر میں اور حشر میں ہر جگہ رب کو غفور رحیم پائے گا۔ یہ تیسرے معنی بہت وسیع ہیں۔ ہر جگہ اس کے لائق و مناسب مغفرت و رحمت ہو گی۔ غفور سے

مراد ہے، بہت بخشنے والا رحیم سے مراد ہے۔ بہت مہربانی فرما کر بہت کچھ رحمتیں دینے والا کہ توبہ کرنے والے کو بجائے سزا دینے کے انعامات و الطاف کریمانہ سے نوازتا ہے یعنی وہ توبہ کرنے والا دنیا میں یا آخرت میں یا ہر جگہ دنیا قبر و حشر میں اللہ کو بخشنے والا بھی پائے گا اور مہربان کریم بھی کہ وہ کریم توبہ کے عوض اسے بہت رحمتیں بخشے گا۔ توبہ ایک ہے مگر اس کے عوض بدلے دو ہیں گناہ کی معافی، عطاء بے مثال **ومن یکسب اثما**۔ یہاں بھی من عام ہے، جس میں ہر گنہگار داخل ہے مومن ہو یا کافر حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ اس میں داخل نہیں کیونکہ حضرات انبیاء گناہوں سے معصوم ہیں اور یہ خاص اولیاء اللہ محفوظ اور یہاں ذکر ہے کسب گناہ کا۔ یکسب سے مراد کسبی گناہ ہیں۔ یعنی اعضاء ظاہری سے کئے ہوئے، چونکہ دل و دماغ کے برے خیالات و وہم معاف ہیں ان پر پکڑ نہیں اس لئے "عمل نہ فرمایا" یکسب فرمایا نیز خطاء و بھول چوک کی غلطیاں معاف ہیں اس لئے یکسب ارشاد ہوا کسب ارادی کام کو کہا جاتا ہے خیال رہے کہ نیکی اگر بلا ارادہ بھی صادر ہو جائے تو اس پر ثواب مل جاتا ہے جیسے کسی کے کنوئیں سے کسی پیاسے کا پانی پی لینا یا کھیت سے چڑیوں جانوروں کا کچھ کھا لینا۔ کسی کی روشنی میں کسی کا نماز یا قرآن مجید پڑھ لینا مگر گناہ کے لئے ارادہ و عمد کی قید ہے یہ اس کریم کی کرم نوازی ہے اس لئے یہاں "عمل یا۔ صدر کی بجائے" یکسب فرمایا۔ اثم سے مراد ہر گناہ ہے چھوٹا ہو یا بڑا تفسیر کبیر نے فرمایا کہ کسب وہ کام ہے جو نفع حاصل کرنے یا نقصان دفع کرنے کے لئے کیا جائے۔ اس لئے رب تعالیٰ کے اعمال کو کسب نہیں کہتے یعنی جو کوئی کسی قسم کا گناہ کرے کبھی کرے۔ **فانما یکسبہ علی نفسہ** یہ عبارت **من یکسب** کی جزاء ہے۔ خیال رہے کہ اس جملہ کے تین معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جو شخص کوئی چھوٹا بڑا گناہ کرے تو وہ گناہ اس کی ذات پر ہی پڑے گا کسی کو اس کا عذاب بخش نہیں سکتے۔ نیکی کا ثواب بخشنا جائز ہے گناہ کا عذاب بخشنا جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ جو شخص گناہ کبیرہ کرے وہ اس کے نفس پر لازم ہے۔ بغیر توبہ معاف نہیں ہوتا۔ صغیرہ گناہ نیکیوں وغیرہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ جو شخص گناہ کرے اس کا اخروی وبال اسی پر ہے اس کے جرم میں دوسرے لوگ گرفتار نہیں کیونکہ علیٰ ضرر و نقصان کے لئے آتا ہے۔ یہاں ضرر آخرت مراد ہے۔ یعنی عذاب اور آخرت کی سزا۔ دنیاوی نقصان مراد نہیں کہ دنیا میں کبھی کسی کے گناہ کا وبال دوسروں پر بھی پڑ جاتا ہے یعنی وہ شخص اس کسب جرم سے اپنا نقصان کر رہا ہے کہ اس کا گناہ خود اس پر ہی پڑے گا۔ دوسرے پر نہ پڑے گا **وکان اللہ علیما حکیما** یہ عبارت انتہائی اظہار غضب کے لئے ہے۔ یعنی مجرم حاکم کے قہر سے جب ہی بچ سکتا ہے کہ یا تو حاکم بے خبر ہو یا مجبور و عاجز کہ مجرم کو پکڑ نہ سکے اللہ تعالیٰ نہ بے خبر ہے نہ مجبور لہٰذا اس کی پکڑ سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ بجز اس کے کہ اس کی بارگاہ میں سچی توبہ کی جائے ہاں وہ حکمت والا ہے کہ جلدی نہیں پکڑتا اس مہلت و ڈھیل میں اس کی لاکھوں حکمتیں ہیں **ومن یکسب خطیئۃ او اثما** یہاں تیسرے قسم کے لوگوں کا ذکر ہے۔ جو خود قصور کر کے دوسروں کے سر تھوپ دیں۔ یہاں بھی من سے عام انسان مراد ہیں۔ یکسب کی تحقیق ابھی ہو چکی خطاء سے مراد یا گناہ صغیرہ ہیں یا غلطی سے صادر ہو جانے والے گناہ اور اثم سے مراد یا گناہ کبیرہ ہیں۔ یا عمداً" کئے ہوئے گناہ خطاء سے مراد لازم گناہ صغیرہ ہیں یا غلطی سے صادر ہو جانے والے گناہ اور اثم سے مراد یا گناہ کبیرہ ہیں یا عمداً" کئے ہوئے گناہ یا **خطیئۃ** سے مراد لازم گناہ ہیں جس کا اثر دوسرے پر نہ پڑے صرف کرنے والے پر رہے اور اثم سے مراد متعدی گناہ جس کا اثر دوسرے پر بھی پڑے۔ یا خطاء سے مراد زرہ کی چوری ہے اور اثم سے مراد جھوٹی قسم ہے جیسا کہ طعمہ سے ہوا (خازن)۔ **ثم یرم بہ بریا** " یہ عبارت یکسب پر معطوف ہے اور من کا صلہ یرمی رمی سے بنا معنی پھینکنا مارنا نشانہ بنانا

یہاں گناہ کو تیر سے تشبیہ دی گئی اور بہتان لگانے کو تیر مارنے سے بہ کا مرجع وہی خطایاً گناہ ہے بریاء" براۃ سے بنا معنی دور رہونا علیحدہ ہونا بیزار ہونا یہاں مراد ہے بے گناہ کہ وہ اس گناہ سے دور تھا یعنی پھر اپنا کیا ہوا گناہ دوسرے کے سر تھوپ دے کہ فلاں نے کیا جیسا کہ طعمہ نے کیا تھا کہ چوری خود کی اور لگا دی بے قصور یہودی کو خیال رہے کہ تہمت لگانا قولی بھی ہوتا ہے اور عملی بھی طعمہ کا آٹا یہودی کے دروازے تک گرانا عملی بہتان تھا اور زبان سے کہنا کہ یہودی نے چوری کی قولی بہتان یہ دونوں قسم کے بہتان سخت جرم ہیں۔ **فقد احتمل بهتانا واثما مبينا** ۔یہ عبارت **من يكسب** کی جزاء ہے۔ احتمال کے معنی ہیں بھاری بوجھ اٹھانا چونکہ بہتان بڑا جرم ہے۔ جس کی سزا بہت سخت اس لئے اس کے اٹھانے و برداشت کرنے کو احتمال باب افتعال سے لایا گیا بہتان بنا ہے۔ **بهت** سے معنی حیرانی رب فرماتا ہے **فبهت الذى كفروه** کافر حیران رہ گیا چونکہ بہتان لگانے میں سامنے والا حیران رہ جاتا ہے کہ خدایا یہ کیا ہوا۔ میں نے کیا کچھ نہیں اور بدنام ہو گیا۔ مصیبت میں پھنس گیا۔ اس لئے اسے بہتان کہتے ہیں۔ واؤ عطف تفسیری کا ہے اور **اثما مبينا** بہتان کی تفسیر چونکہ بہتان لگانا کسی دین میں جائز نہ ہوا۔ نیز عقل سلیم بھی اسے برا سمجھتی ہے۔ نیز خود بہتان لگانے والے کا نفس اسے ملامت کرتا ہے کہ تو نے یہ کیا غضب کیا اس۔ لئے وہ بہتان کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے نہیں چاہتا کہ کسی طرح اس کا یہ فریب ظاہر ہو جائے اس لئے اسے اثم مبین یعنی کھلا ہوا گناہ فرمایا گیا۔

خلاصہ ء تفسیر : ان تینوں آیتوں میں تین قسم کے مجرموں کا ذکر ہے ایک وہ جو گناہ کر کے توبہ کر لیں۔ دوسرے وہ جو گناہ کریں۔ مگر توبہ نہ کریں۔ تیسرے وہ چالباز جو گناہ کر کے دوسروں پر لگا دیں خود اچھے بن جائیں دوسرے کو مجرم قرار دے دیں ان تین مجرموں کے تین انجام کا ذکر ہوا کہ فرمایا گیا کہ جو کوئی بھی کسی قسم کا چھوٹا بڑا عملی اعتقادی حق العبد یا حق اللہ کا جرم کرے پھر فوراً یا عرصہ کے بعد درست توبہ کر لے۔ جس توبہ میں تمام شرائط و ارکان توبہ کی سنتیں مستحبات سب جمع ہوں تو وہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا کہ وہ اس کے گناہ بخش دے گا اور توبہ پر بہت ثواب دے گا۔ خیال رکھو کہ جو کوئی گناہ کرے تو وہ اپنے پر ہی کرتا ہے کہ اس کا وبال خود اس پر ہی پڑے گا یہ نہ ہو گا کہ یہ بچ جائے دوسرا پھنس جائے نہ یہ ہو گا کہ یہ اپنا گناہ دوسرے کو بخش دے اور خود بچ جائے۔ اللہ کی پکڑ سے چھوٹنا غیر ممکن ہے کہ وہ علیم و خبیر بھی ہے قدیر بھی ہاں چونکہ وہ حکیم ہے اس لئے جلد پکڑ نہیں کرتا اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ خیال رہے کہ جو کوئی چھوٹا بڑا گناہ کر کے دوسرے پر اس کا بہتان لگا دے جو اس سے بالکل بری ہو وہ سخت بہتان بھی اٹھاتا ہے اور سخت گناہ کا ارتکاب بھی کرتا ہے۔ جس کا گناہ ہونا ہر دین میں مسلم ہے عقل سلیم بھی اسے گناونا تی ہے۔ لہٰذا اس سے ضرور بچنا چاہئے۔ دنیا چند روزہ ہے آخر رب کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ خیال رہے کہ بے عیب کو عیب لگانا بہتان ہے اور عیب دار کا واقعی عیب پس پشت بیان کرنا غیبت ہے۔ بہتان مطلقاً حرام ہے کسی کو لگائے کسی طرح لگائے بھر اللہ رسول کو بہتان لگانا کفر مقبول اولیاء علماء کو بہتان لگانا بڑے وبال کا باعث عام انسانوں کو بہتان لگانا بڑا جرم مگر غیبت کے حرام ہونے کی تین شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ جس کی غیبت کی جائے وہ مومن ہو کفار کی غیبت جائز ہے اس کا عیب علانیہ نہ ہو خفیہ ہو علانیہ عیب پس پشت بیان کرنا جائز ہے۔ تیسرے یہ کہ بلا ضرورت ہو۔ ضرورۃً غیبت جائز ہے جیسے راویان حدیث کے عیوب بیان کرنا یا کسی کے شر سے بچانے کے لئے اس کی خفیہ چال بازی بتا دینا یا اصلاح کے لئے شاگرد کی شکایت استاد سے کرنا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ہر گناہ سے توبہ ہو سکتی ہے گناہ کفرو شرک ہو یا کوئی اور صغیرہ ہو یا کبیرہ جیساکہ سوء کے عموم سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** ہر گناہ کی توبہ جداگانہ ہے۔ کفرو شرک سے توبہ ایمان لانا ہے۔ حقوق العباد سے توبہ ان کا ادا کر دینا ہے۔ حقوق شرعیہ سے توبہ رہی ہوئی عبادتوں کی قضا کر دینا ہے۔ توبہ کی حقیقت یہ نہیں کہ چوری کرو قتل کرڈالو صرف منہ سے توبہ کر لو' ہرگز نہیں۔ یہ فائدہ **یستغفر اللہ** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** توبہ کے لئے اصلاح اعمال کے ساتھ منہ سے توبہ کے الفاظ کہنا بھی چاہئیں۔ جیساکہ **یستغفر اللہ** سے معلوم ہوا ہر گناہ میں حق اللہ بھی شامل ہوتا ہے۔ جس کے لئے اس کریم سے معافی مانگنا ضروری ہے۔ **چوتھا فائدہ:** پرانے گناہ سے بھی توبہ ہو سکتی ہے توبہ کا وقت مرتے دم تک ہے جیساکہ ثم' فرمانے سے معلوم ہوا۔ کفر سے توبہ غرغرہ سے پہلے پہلے ہو سکتی ہے غرغرہ کے وقت جب فرشتوں اور عذاب کو آنکھوں دیکھ لیا کفر سے توبہ نہیں ہو سکتی ہے کہ ایمان بالغیب چاہئے تھا مگر وہ دیکھ کر ایمان لا رہا ہے فرعون نے ڈوبتے وقت توبہ کی قبول نہ ہوئی۔ گناہوں سے توبہ غرغرہ پر بھی ہو سکتی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** ہر مجرم کو اپنی سزا بھگتنی پڑے گی۔ یہ نہ ہو گا کہ کرے کوئی بھرے کوئی جیساکہ **علی نفسہ** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** گناہ کر کے دوسرے کو تہمت لگانا سخت جرم ہے کہ اسے قرآن کریم نے بہتان بھی فرمایا اور اثم مبین یعنی کھلا گناہ بھی کہ اس میں کئی جرم جمع ہو جاتے ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** کسی کافر کو بھی بہتان لگانا جائز نہیں دیکھو طعمہ نے یہودی کو چوری کا بہتان لگایا تو اس پر اس قدر سخت عتاب فرمایا گیا۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو دن رات مسلمانوں کو بہتان لگاتے رہتے ہیں اور کوئی پروا نہیں کرتے۔

مسئلہ : جیسے نماز وغیرہ عبادات کے لئے کچھ شرطیں ہیں کچھ ارکان' کچھ سنتیں' کچھ مستحبات اور ان کے لئے اوقات مقرر ہیں۔ ایسے ہی توبہ کے لئے شرائط' ارکان' سنتیں' مستحبات وغیرہ ہیں چنانچہ ارکان توبہ تین ہیں گذشتہ جرم پر ندامت' آئندہ نہ کرنے کا عہد' معافی مانگنا' تین ہی شرطیں ہیں' حقوق کی ادائیگی اور کوتاہی جو ہو چکی اس کی تلافی کر دینا کسی مقبول بندے کا توسل' آنکھ کلپانی اس کی نفیس تحقیق چوتھے پارہ میں کی جا چکی ہے۔ مستحب یہ ہے کہ توبہ میں جلدی کرے موت سے پہلے توبہ کر لو فوت سے پہلے نماز پڑھ لو۔ حضرت علی مرتضٰی فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابو بکر صدیق نے حدیث بیان کی ابو بکر نے سچ فرمایا جو بندہ گناہ کرے پھر وضو کر کے دو نفل پڑھے پھر اللہ سے معافی چاہے تو اس کی بخشش کی جائے گی۔ پھر آپ نے یہ ہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ **آٹھواں فائدہ:** نیکی کا ایصال ثواب کرنا جائز ہے مگر گناہ کر کے اس کا عذاب کسی کو بخشنا جائز نہیں۔ جیساکہ **فانما یکسب علی نفسہ** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ اگر نیکی کا ثواب بخشنا بھی ناجائز ہو تو اس آیت میں **انما** کی قید عبث تھی۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ کا وبال صرف گناہگار ہی پر پڑتا ہے۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں فرمایا گیا۔ **ولیحملن اثقالھم و اثقالا مع اثقالھم** یہ لوگ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور دوسروں کے بھی۔ ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** یہاں گناہ کی سزا اور وبال کا ذکر ہے۔ اس دوسری آیت کریمہ میں گناہ کے بوجھ کا ذکر ہے۔ لہٰذا آیتوں میں تعارض نہیں گناہ کی سزا صرف مجرم کو ملے گی اور گناہ کا بوجھ گناہ کرانے والے' گناہ کی رغبت دینے والے' گناہ کی مدد کرنے والے پر بھی پڑے گا بلکہ یہ بوجھ بھی اس کے اپنے جرم سے ہو گا۔ گناہ کرانا' رغبت دینا' مدد دینا بھی تو گناہ ہے۔ اس کی پوری

تحقیق سورۂ بقر کی آخری آیات کے ماتحت کر دی گئی۔ **لها ما کسبت و علیها ما اکتسبت**۔ کی تفسیر دیکھو۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ کی سزا صرف گنہگار کو ملتی ہے مگر دنیا میں بعض کے گناہ سے ایسی آفات آتی ہیں۔ جن میں بے گناہ بھی رگڑے جاتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ **واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ**۔ زکوٰۃ نہ دینے سے بارشیں نہیں آتیں' زنا سے وبائیں فتنے پھیلتے ہیں۔ ان کی تکلیف سب ہی کو ہوتی ہے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ آخرت میں عذاب صرف مجرم کو ہو گا بے گناہ کو نہ ہو گا۔ دنیا کی آفات بے گناہوں پر آجاتی ہیں مگر وہ آفات گنہگاروں کے لئے دنیاوی سزا ہوتی ہیں اور بے گناہوں کے لئے رحمت۔ جس کے عوض رب تعالیٰ ان لوگوں کو آخرت میں درجات دے گا۔ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ جیسے باغیوں کی بستی پر بم باری کر کے اسے تباہ کر دیا جائے تو اس میں بعض وفاداروں کے مکان بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ انہیں بعد میں معاوضہ دے دیا جاتا ہے۔ اعتراض ارشاد ہوا **بهتانا و اثما مبینا**۔ جس سے معلوم ہوا کہ خطاء ہو یا گناہ اس کا بہتان لگانا بڑا بھاری گناہ ہے۔ حالانکہ خطاء و نسیان گناہ ہی نہیں اگر گناہ ہوں بھی تو کبیرہ نہیں پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** گناہ صغیرہ و کبیرہ کا فرق یوں ہی خطاء نسیان اور عمد کا فرق اپنے عمل کے لحاظ سے ہے دوسروں کو بہتان خواہ گناہ صغیرہ کا لگائے۔ یا کبیرہ کا بہتان لگانا ہر حال گناہ کبیرہ ہے جیسے نجاست غلیظہ و خفیفہ کا فرق کپڑے یا جسم کے لئے ہے۔ پانی کو نجس کرنے کے لئے ہر نجاست غلیظہ ہی ہے۔ کنویں میں ایک قطرہ پیشاب گر جائے تو اسے ناپاک کر دے گا۔ خواہ کتے گدھے کا پیشاب ہو یا بکری و گائے کا' لہٰذا ہر گناہ و خطا کا بہتان لگانا اثم مبین ہے۔ **تیسرا اعتراض:** **ثم یستغفر اللہ** سے معلوم ہوا کہ گناہ سے توبہ بہت عرصہ بعد کرنا چاہئے کیونکہ ثم تاخیر اور دیر کے لئے آتا ہے حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ توبہ میں جلدی کرنا چاہئے۔ لواء قرض' لڑکی کی شادی' توبہ میں دیر نہ لگاؤ' آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس کا جواب بھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ بہت عرصہ کے بعد بھی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ پرانا مجرم یہ نہ کہے کہ میرے جرم بہت پرانے ہیں۔ اب بخشش کیا ہو گی۔ موسیٰ علیہ السلام کے مقابل جادوگر آئے جو اسی برس کے مجرم تھے۔ آج ان کی زندگی کا آخری دن بلکہ آخری وقت تھا کہ دوپہر کے بعد ان کو سولی ہو جاتی تھی مگر توبہ کی توفیق ملتے ہی انہوں نے توبہ کی اور بخشے گئے' یہ ہے **ثم یستغفر اللہ** کا ظہور۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ جو اللہ سے بخشش مانگے گا وہ اللہ کو غفور رحیم پائے گا مگر دوسرے مقام پر فرمایا گیا کہ جو مجرم اے محبوب تمہارے پاس آکر بخشش مانگے گا وہ اللہ کو غفور رحیم پائے گا ان دونوں آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** کوئی تعارض نہیں حضور کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہونا قبول توبہ کی شرط ہے۔ وہ آیت کریمہ اس آیت پاک کی تفسیر ہے۔ یہاں اس شرط کا ذکر نہیں وہاں یہ شرط بیان فرما دی گئی ہے۔ جیسے کہا جائے کہ نماز پڑھنا فرض ہے پھر کہا جائے کہ وضو کر کے نماز پڑھنا فرض ہے۔ دونوں باتیں ٹھیک ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **خطیئۃ او اثما** فرما کر توبہ کی قید لگائی جس سے معلوم ہوا کہ جو استغفار کرے گا وہ اللہ کو غفور رحیم پائے گا تو جو توبہ نہ کرے یا توبہ کا موقع نہ پائے خدا اس کے لئے غفور رحیم نہیں۔ **جواب:** توبہ کرنے والے کے لئے مغفرت کا وعدہ ہے جو توبہ نہ کرے اس کے لئے بخشش کا وعدہ نہیں وہ رب تعالیٰ کے کرم پر موقوف ہے **و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء** میں اس وعدہ کا ذکر ہے۔

تفسیر صوفیانہ: ہر چیز کی صفائی مختلف چیزوں سے ہے۔ میلا کپڑا صابن سے دھل کر صاف ہوتا ہے۔ میلا برتن قلعی سے

میلا گھر چونے سے مصفیٰ ہوتا ہے۔ یوں ہی میلا دل استغفار و توبہ کے صابن آنکھوں کے آنسو سے صاف ہوتا ہے اور کسی نظر والے کی نظر کرم سے گویا استغفار صابن ہے۔ آنسو پانی اللہ والے کی نگاہ دھونے والا ہاتھ پہلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اے گندے دل والو مرنے سے پہلے دل دھو لو تاکہ رضاء رب نصیب ہو جائے۔

اے کہ بے حد گناہ کردہ ای ے نتری ازاں افعال شنیع
توبہ کن تا رضاء حق یابی کہ بہ از توبہ نیست ہیچ شفیع

جو کوئی گناہ کرتا ہے وہ اپنے نفس پر کرتا ہے کہ اس سے اس کا دل زنگ خوردہ میلا ہو جاتا ہے اور آئینہ دل کو گناہ دھندلا کر دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ آخر میں یہ نکلتا ہے کہ اس کی آنکھیں حق دیکھ نہیں سکتیں، کان حق سننے سے بہرے ہو جاتے ہیں، زبان حق بولنے سے معذور ہو جاتی ہے۔ دل میلا ہونے کا اثر سارے اعضاء پر پڑتا ہے، جو اپنا گناہ دوسروں پر ڈال دے کہ اسے بہتان لگا دے اس کا دل سراپا کھال بن جاتا ہے۔ یہ بڑی ہی بد نصیبی ہے۔ رب فرماتا ہے **کلما نضجت جلودھم بدلنھم جلودا غیرھا** جب بھی دوزخیوں کی کھال گل جائے گی ہم دوسری کھال بدل دیں گے۔ کیونکہ انہوں نے دنیا میں مغز کو کھال کی شکل میں تبدیل کر دیا تھا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمارے سارے نیک و بد اعمال میں وزن ہے۔ جو ہم کو یہاں محسوس نہیں ہوتا کل قیامت میں میزان میں پہنچ کر یا مجرم کے سر پر پہنچ کر یہ وزن دیں گے اس لئے رب تعالیٰ نے بہتان کے متعلق فرمایا **احتمل بھتانا و اثما مبینا**۔ جیسے پانی کے تالاب کی تہ میں بیٹھنے والے کے سر پر صدہا من پانی ہوتا ہے مگر اس کا وزن محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن اگر گھڑے میں بھر کر دس سیر پانی سر پر رکھ دیا جائے تو وزن دیتا ہے۔ آج سائنس کی تحقیق کے مطابق ہوا میں بھی وزن ہے ہم لاکھوں من ہوا اپنے سر پر اٹھائے پھرتے ہیں۔ مگر محسوس نہیں کرتے یہی ہوا کسی ربڑ کے تھیلے میں بند کر کے تولی جاوے تو وزن دیتی ہے۔ گناہ بھی وزن قیامت میں دیں گے۔ استغفار کی حقیقت ہے، مخلوق سے خالق کی طرف بھاگو جو اس کی طرف بھاگتا ہے وہ وہی اسے پالیتا ہے۔ لہٰذا بندے کو ہر وقت توبہ و استغفار کرنا چاہیے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ بادشاہ بغیر عدل و انصاف ایسا ہے جیسے نہر بغیر پانی عالم بغیر عمل گھر ہے بغیر چھت مالدار بغیر سخاوت بادل ہے بغیر بارش جوان آدمی بغیر توبہ کے درخت ہے بغیر پھل کے فقیر بغیر صبر کے قندیل ہے بغیر نور کے عورت بغیر حیا کے کھانا ہے بغیر نمک کے لہٰذا موت سے پہلے اپنی اصلاح کر لینا طریقہ صالحین ہے نیک اعمال اچھے ساتھی ہیں۔ برے اعمال برے ساتھی (از روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ بہتان تین طرح کے ہیں۔ ایک یہ کہ خود گناہ کر کے دوسرے کے سر تھوپ دینا جیسے زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو لگایا یہ اول نمبر جرم ہے اس کی سزا سخت تر اسی لئے بعد میں زلیخا نابینا ہو کر ٹھوکریں کھاتی پھری اگرچہ بعد میں معافی ہو گئی پھر آنکھیں اور جوانی واپس ہوئی اور یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آئی دوسرے کسی کو بلاوجہ بلا علامت بہتان لگا دینا جیسے افک والوں نے حضرت عائشہ صدیقہ کو تہمت لگائی یہ نمبر دو کا جرم ہے۔ جس کی سزا پہلے سے کم ہے اس لئے اہل افک کو اسی کوڑے مارے گئے اور دنیا میں ان کو تکلیف پہنچی۔ تیسرے کسی کو بہتان لگانا کسی علامت اور شبہ کی بناء پر جیسے حضرت مریم کو قوم کا بہتان لگانا کہ وہ بغیر نکاح بچے کی پیدائش کی بنا پر تھا۔ اس کا جرم پہلے دو سے ہلکا ہے۔ اس لئے اس قوم پر کسی عذاب کا ذکر نہ ہوا۔ اس آیت میں پہلی قسم کے بہتان کا ذکر ہے یعنی خود جرم کر کے دوسرے پر تھوپ دینا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ

اور اگر نہ ہوتی اللہ کی مہربانی تم پر اور اس کی رحمت تو قصد کر لیتا ایک گروہ ان میں سے یہ کہ دھوکا دیں

اور اے محبوب اگر اللہ کا فضل و رحمت نہ ہوتا تو ان میں سے کچھ لوگ یہ چاہتے کہ تمہیں دھوکا دیں

يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ ؕ

تم کو اور نہیں دھوکا دیتے وہ مگر جانوں اپنی کو اور نہیں نقصان دیں گے وہ تم کو کچھ بھی۔

اور وہ اپنے آپ ہی کو بہکا رہے ہیں اور تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اللہ نے

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ

اور اتاری اللہ نے اوپر تمہارے یہ کتاب اور حکمت باتیں اور سکھا دیا تم کو تمام وہ جو نہ تھے تم جانتے

تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

اور ہے اللہ کی مہربانی تم پر بہت بڑی

اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں طعمہ اور اس کی قوم کے گناہوں کی بدتری بیان فرمائی گئی تھی کہ انہوں نے ایک جرم نہ کیا بلکہ بہت سے جرم کئے۔ اب ان کے مذکورہ جرموں کی خطرناکی بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے ایسے خطرناک جرم کئے کہ اگر آپ معصوم اور رب کی طرف سے غیوب پر مطلع نہ ہوتے تو یہ آپ کو دھوکا دے دیتے اور غلط فیصلہ کرا لیتے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ ان کے گناہوں کا وبال خود ان پر پڑے گا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ آپ پر ان کے گناہ کا کوئی اثر نہ پڑ سکے گا کیونکہ ہم نے آپ کو معصوم و محفوظ اور غیوب کا جاننے والا بنایا ہے۔ ان کے دھوکا دینے کا ذکر فرما کر آپ کے دھوکا نہ کھانے کا تذکرہ فرمایا گیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں طعمہ اور قوم طعمہ کے عیوب کا ذکر فرمایا گیا تھا اب حضور عالی کے فضائل و مراتب کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ایسے استقامت کا پہاڑ ہیں۔ کہ ایسی قوم میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود آپ کے پائے استقامت میں جنبش نہیں آتی غرضیکہ ان کی زیادتی جرم سے آپ کی عصمت کا ظہور ہے کہ ایسی قوم میں رہ کر مستقل رہنا بلکہ انہیں درست کر دینا آپ کا بڑا معجزہ ہے۔

سب چمک والے اجلوں میں چمکا کئے   اندھے شیشوں میں چمکا ہمارا نبی!

تفسیر : **ولولا فضل اللہ علیک ورحمتہ** تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ لولا کا منشا یہ ہوتا ہے کہ جزاء موجود نہیں کیونکہ شرط موجود ہے۔ یہاں بھی یہی مقصد ہے کہ وہ آپ کو دھوکا نہ دے سکے کیونکہ آپ پر اللہ کا فضل و رحمت موجود ہے۔ فضل کے لغوی معنی ہیں زیادتی حدیث پاک میں ہے **والفضل ربوا**

رحمت کے معنی ہیں مہربانی' اصطلاح میں فضل وہ عطیہ ہے جو استحقاق سے زیادہ دیا جائے رحمت وہ جو بغیر استحقاق دیا جائے' مزدور کو اجرت سے زیادہ دے دینا یہ زیادتی فضل ہے اور بغیر کام کرائے کچھ دے دینا یہ ہے رحمت' جس کو کسی جگہ کا حاکم بنایا جائے اسے حکومت کے لوازمات دینا حق کا دینا ہے۔ جیسے دفتر کلرک کو کاغذات سرکاری وغیرہ اور اس سے زیادہ کی عطا فضل جیسے کوٹھی' موٹر' نوکر' دینا' اور سلطان جو مہربانی کے طور پر دے جیسے ترقی تمغہ' قرب خاص یہ ہے رحمت۔ حضور کو نبوت کے لوازمات دینا جیسے وحی' معجزہ' الہام یہ ہے ان کا حق دینا۔ اس پر زیادتی فرمادینا جیسے قرآن دینا خاتم النبین بنانا یہ ہے فضل۔ اس کے علاوہ کی عطا جیسے حضور کو علم غیب یا معراج کی عطا یا عالم کا شہنشاہ بنادینا یہ ہے اس کی رحمت حضرات انبیاء کرام کو صرف نبوت کے لوازمات ہی نہیں دیئے جاتے اور بھی بہت دیا جاتا ہے۔ حضرت سلیمٰن کی عام سلطنت ہوا پر حکومت لازمہ ء نبوت نہ تھی بلکہ فضل خدا تھا۔ یہاں فضل سے مراد حضور کو علوم غیبیہ پر مطلع فرمانا ہے اور رحمت سے مراد آپ کی استقامت ہے یا فضل اللہ سے مراد معصومیت مطلقہ ہے اور رحمت سے مراد حضور کی نبوت خاصہ۔ خیال رہے کہ نبوت کسبی چیز نہیں عطاء ربانی ہے۔ مگر بعض انبیاء کرام کی نبوت میں کسی کی دعا کو دخل ہے' جیسے حضرت ہارون ولوط علیہم السلام اور بعض کی نبوت میں میراث کو دخل ہے جیسے حضرات یحیٰی و شیث علیہم السلام (قرآن) مگر حضور کی نبوت میں کسی کی دعا یا وراثت کی مدد نہیں صرف عطیہ پروردگار ہے رب فرماتا ہے **ما کنت ترجوا ان یلقی الیک الکتب الا رحمتہ من ربک** جناب ابراہیم نے حضور کی نبوت کی دعا نہ کی تھی بلکہ مکہ معظمہ میں ولادت کی دعا کی تھی یہ۔ بہرحال حضور کی نبوت کو رحمت فرمانا نہایت ہی موزوں ہے۔ یا فضل سے مراد نبوت ہے اور رحمت سے مراد مسلسل وحی کا آتے رہنا یا فضل سے مراد حضور کی حفاظت ہے اور رحمت سے مراد حضور کی حراست یا فضل اللہ سے مراد قرآن کریم ہے اور رحمت سے مراد حدیث پاک یا فضل سے مراد الفاظ قرآن کا عطا فرمانا ہے اور رحمت سے مراد اسرار قرآن پر مطلع فرمانا غرضیکہ اس چھوٹی سی عبارت میں اللہ تعالیٰ نے ان لاکھوں عطیوں کا ذکر فرمادیا جو حضور کو خصوصی طور پر عطا فرمائے گئے۔ اگلی آیت اس اجمال کی کچھ تفصیل ہے اور اس متن کی شرح۔ **لھمت طائفتہ منھم ان یضلوک** یہ عبارت لولا کی جزاء ہے منہم کی ضمیر قبیلہ بنی ظفر کی طرف ہے۔ یعنی طعمہ کی قوم چونکہ سارا قبیلہ حضور کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوا تھا۔ بلکہ اس قبیلہ کے بعض لوگ طعمہ کی جھوٹی حمایت کرنے آئے تھے اس لئے **طائفتہ منھم** فرمایا' **ان یضلوک** مفعول ہے **لھمت** کا یہ کلمہ اضلال سے بنا معنی بہکادینا دھوکا دے دینا یہاں دوسرے معنی مراد ہیں یعنی جھوٹی گواہی دے کر آپ سے غلط فیصلہ کرالینا طعمہ کو چھڑا دینا جو واقعی مجرم تھا اور بے گناہ یہودی کو پھنسادینا ہو سکتا ہے کہ **لولا** کی جزاء پوشیدہ ہو اور **لھمت طائفتہ** اس جزاء کی علت اس صورت میں آیت کے معنی بہت واضح ہوں گے مگر اعلٰحضرت قدس سرہ کا ترجمہ پہلی توجیہ پر ہے یعنی اگر آپ پر اللہ کا فضل و رحمت نہ ہوتی کہ اس نے آپ کو معصوم و نبی نہ بنایا ہوتا تو یہ لوگ آپ کو دھوکا دینے کی پوری کوشش کرتے مگر چونکہ ان کو معلوم ہے کہ آپ پر کوئی راز نہانی چھپا نہیں۔ اسی لئے انہوں نے طعمہ کی جھوٹی حمایت تو کی مگر آپ کو دھوکا دینے کی پوری کوشش نہ کی جھوٹی گواہی دیتے تھے مگر ساتھ میں گھبراتے بھی تھے۔ فقیر کی اس تفسیر کو خوب خیال میں رکھو یا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم و رحم نہ ہوتا تو آپ ان کی گواہی پر بغیر جرح فرمائے غیر درست فیصلہ کر دیتے کیونکہ ان لوگوں نے آپ کو دھوکا دینے کی بہت ہی کوشش کی اس صورت میں ان کی کوشش کی نفی نہیں بلکہ کوشش کے اثر کی نفی ہے۔ روح البیان وغیرہ نے اسی توجیہ کو اختیار فرمایا۔ **وما یضلون**

الا انفسہم -اس جملہ کی کئی تفسیریں ہیں- ایک یہ کہ اگر آپ ان کی گواہی پر فیصلہ فرما بھی دیتے اور طعمہ کو بری یہودی کو ملزم قرار بھی دے دیتے تو بھی گنہگار یہ لوگ ہی ہوتے نہ کہ آپ کیونکہ حاکم کا فیصلہ گواہی پر ہوتا ہے۔ جھوٹا گواہ مجرم ہوتا ہے نہ کہ اس گواہی پر فیصلہ کرنے والا حاکم- دوسری یہ کہ اب یہ لوگ اس کوشش میں اپنے ہی کو بہکا رہے ہیں- کہ ان حرکتوں سے آپ سے غلط فیصلہ کراتے نہیں- لور یہ لوگ بدنام ہو جاتے ہیں- تیسرے یہ کہ یہ جملہ آئندہ کی خبر ہے کہ تاقیامت آپ کو کوئی دھوکا نہ دے سکے گا دھوکا دینے والا خود منہ کی کھائے گا- کیونکہ آپ معصوم اور علوم غیبیہ پر مطلع ہیں- علیم و خبیر کو دھوکا کون دے سکتا ہے- پہلی صورت میں روئے سخن ان انصار سے ہے- جو طعمہ کے حمایتی تھے- دوسری صورت میں توجہ عتاب اس زمانہ کے منافقین سے ہے جو اسلام اور بانی اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے- تیسری صورت میں قیامت تک کے بدگویوں سے خطاب ہے- **وما یضرونک من شئی** یہ جملہ **وما یضلون** پر معطوف ہے اس جملہ کی بھی وہی تین تفسیریں ہیں جو ابھی پہلے جملہ میں عرض کی گئیں- اس جملہ کی اصل عبارت یوں تھی **وما یضرونک شیا**" **من الضرر** یعنی یہ لوگ آپ کو مطلقاً" نقصان نہیں پہنچا سکتے یا مطلقاً" نقصان نہیں پہنچاتے ہیں یا مطلقاً" نقصان نہ پہنچا سکیں گے غرضیکہ یہ دونوں جملے بڑے لذیذ ہیں جن سے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی ظاہر ہوتی ہے- نور مصطفوی سورج کی طرح ہے کہ پھونکنے والوں کی کوشش سے بجھ نہیں سکتا یا اس لیمپ کی روشنی کی طرح ہے- جسے کوئی بیرونی ہوا بجھا نہیں سکتی- رب تعالیٰ فرماتا ہے **کمشکوۃ فیہا** مصباح- خیال رہے کہ حضور کی تعریف و خدمت کرنے سے حضور کا بھلا نہیں ہوتا بلکہ تعریف کرنے والے خدمت گار کا بھلا ہو جاتا ہے کہ دنیا میں اس کی تعریف و خدمت ہونے لگتی ہے اور حضور کی بدگوئی و گستاخی کرنے سے حضور کا نقصان نہیں ہوتا گستاخ و بدگو خاک میں مل جاتا ہے- نعت گوئی کی تجلی خود نعت گو پر پڑتی ہے جیسے خدا کا نام جپنے والے پر اس نام کی تجلی جپنے والے پر پڑتی ہے- یارزاق جپو رزق ملے گا یا غنی کا ورد کرو غنی ہو جاؤ گے- حضور کے گیت گاؤ عزت پاؤ گے یہ معنی ہیں **لا یضرونک من شئی** کے **وانزل اللہ علیک الکتب والحکمۃ** یہ جملہ بظاہر نیا ہے- مگر درحقیقت پہلے مضمون کی علت ہے- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے لئے تو سارا قرآن کریم آپ کو ایک دم عطا ہوا کہ ہر ماہ رمضان میں جبریل امین پورے قرآن کا دور حضور کے ساتھ کر جاتے تھے- مگر احکام جاری کرنے کے لئے نزول تئیس سال میں ہوا- پہلے نزول کا ذکر یہاں ہے اسی لئے انزل فرمایا گیا' دوسرے نزول کے لحاظ سے نزل فرمایا جاتا ہے چونکہ نزول الفاظ قرآن حضور کے کان شریف پر ہوا اور نزول معانی قرآن دماغ شریف پر اور نزول اسرار قرآن دل مبارک پر اس لئے علیک فرمایا جس میں یہ سارے اعضاء آجاتے ہیں- الکتب سے مراد قرآن شریف ہے ان چاروں چیزوں کا جامع- اور حکمت سے مراد ہے وہ الفاظ مبارک جو آپ کے منہ سے بطور حدیث نکلتے ہیں- چونکہ ان کے مضامین بھی رب کی وحی ہوتے ہیں- اس لئے ان کو انزل فرمانا بالکل درست ہے- حکمت کے معنی ہیں مفید بات یا مضبوط بات چونکہ حضور کا کوئی فرمان فائدہ سے خالی نہیں ہر کلمہ میں ہزارہا فائدے ہیں یا حضور کا ہر فرمان نہایت پختہ اور مضبوط ہے کہ اسے زمانہ مٹا نہیں سکتا تاقیامت ہر فرمان قائم رہے گا- اس لئے حضور کے فرمان کو حکمت فرمایا حضور حکیم مطلق ہیں- آپ کے کام و کلام حکمت **وعلمک مالم تکن تعلم**-اس جملہ میں یا تو نئے انعام و فضل کا ذکر ہے یا انزل اللہ کے نتیجہ کا بیان **علم** تفعیل کا ماضی مبالغہ کے لئے ہے یعنی تم کو خوب اور بہت سکھا دیا جیسے آدم علیہ السلام کے لئے فرمایا **علم ادم الاسماء کلہا**' ما سے مراد احکام شرع امور دین علوم غیبیہ چھپی

ہوئی چیزیں دلوں کے ارادے و بھید سینوں کے اسرار اگلے پچھلوں کی خبریں سب ہی کچھ ہیں (تفسیر خازن۔ بیضاوی۔ مدارک۔ تفسیر کبیر۔ تفسیر روح المعانی۔ روح البیان) غرضیکہ ما میں کوئی قید نہیں سارے علوم غیبیہ مراد ہیں **لم تکن تعلم** اس کا بیان ہے۔ یعنی آپ نزول وحی یا نزول قرآن یا ہمارے بتانے سے پہلے جو کچھ نہ جانتے تھے وہ سب کچھ آپ کو رب نے اچھی طرح خوب سکھا دیا۔ خیال رہے کہ سکھانے اور بتانے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ واعظ لوگوں کو آدھ گھنٹے میں بہت سے مسائل سنا دیتا ہے بتا دیتا ہے مگر سامعین اس وعظ سے عالم نہیں بن جاتے۔ مدرس طلباء کو برسوں میں علوم سکھاتا ہے۔ جس سے وہ عالم بن جاتے ہیں۔ یہاں علم فرمایا انباء یا اخبر نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ ہم نے سب کچھ سکھا دیا تم نے سب کچھ سیکھ لیا۔ **وکان فضل اللہ علیک عظیما** ۔یہ جملہ یا تو علمک کا بیان ہے اور فضل اللہ سے مراد یہ علوم غیبیہ ہیں۔ جو ابھی مذکور ہوئے یا علیحدہ نعمت کا ذکر ہے اور فضل اللہ سے مراد نبوت عامہ کی عطا شفاعت کبریٰ حکومت کل ریاست تامہ کہ جس کا رب خالق ہے اس کے حضور نبی ہیں (روح البیان) عظیم فرما کر یہ بتایا کہ جو نعمتیں اور خصوصی انعام رب نے آپ کو دیئے۔ وہ کسی کے بیان میں نہیں آسکتے تصور و خیال میں نہیں سما سکتے' وہم و گمان میں نہیں گھر سکتے کہ بیان و خیال و وہم و گمان محدود ہیں۔ اور جو تمہیں رب نے دیا وہ غیر محدود ہے (تفسیر روح المعانی) غرضیکہ یہ آیت کریمہ ہمارے خیال و وہم سے وراء ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم نہ ہوتا اور آپ کو اس نے نبی عالم "معصوم' عالم غیوب نہ بنایا ہوتا تو یہ لوگ آپ کو دھوکھا دے دیتے کیونکہ ان میں سے ایک گروہ آپ کو دھوکھا دے کر غلط فیصلہ کرا لینے کا پورا ارادہ کر چکا تھا مگر اب وہ ہر داؤ فریب پر اپنے ہی کو بہکائیں گے اپنے ہی کو دھوکا دیں گے خود دھوکا کھائیں گے آپ کو بالکل نقصان نہ دے سکیں گے کوئی غلط فیصلہ نہ کرا سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر تو قرآن شریف اور مضامین احادیث شریف نازل فرمائے اور آپ کو تمام علوم غیبیہ دین و دنیا کے خفیہ امور لوگوں کے دلوں کے ارادوں غرضیکہ جو کچھ آپ نہ جانتے تھے وہ سب کچھ آپ کو علیٰ وجہ الکمال سکھا دیا آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل و کرم ہے۔ جو کسی کے بیان گمان و وہم میں نہیں آسکتا پھر کوئی کس طرح آپ کو دھوکھا دے سکتا ہے۔

نوٹ : اس آیت کریمہ کی اور چند تفسیریں ہیں۔ جو ہم نے اشارۃ" تفسیر میں بتا دیں۔ خلاصہ تفسیر میں صرف ایک تفسیر بیان کی گئی۔ باقی تفاسیر' تفسیر سے معلوم کر لو۔ خیال رہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان آٹھ خصوصی انعامات کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصیت سے عطا فرمائے۔ اللہ کا فضل اس کی خصوصی رحمت دنیا کا آپ کو دھوکھا نہ دے سکنا۔ جو آپ کو دھوکا دینا چاہے اس کا خود دھوکا کھا جانا گمراہ ہو جانا۔ تمام دنیا کا مل کر آپ کو ذرہ برابر نقصان نہ پہنچا سکنا۔ آپ پر کتاب اتارنا' حکمت نازل فرمانا تمام علوم غیبیہ پر آپ کو مطلع فرمانا آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہونا' ترتیب یہ رکھی کہ اولا" فضل و رحمت کا ذکر فرمایا پھر حضور کی معصومیت کا پھر محفوظیت کا پھر نزول کتاب و حکمت کا' پھر علوم غیبیہ کی عطا کا پھر بڑے فضل کا اس ترتیب میں حکمت یہ ہے کہ دنیا کو معلوم ہو کہ حضور پر فضل رحمت' معصومیت' محفوظیت' نزول قرآن پر موقوف نہیں۔ قرآن تو چالیس سال کی عمر شریف میں نازل ہوا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول ہی سے معصوم و محفوظ تھے۔ نیز اس ترتیب میں یہ بتایا کہ اے محبوب تم تاقیامت محفوظ ہو کیونکہ ہم نے تمہارے ذکر' عزت' عصمت' تمہارے دین کی

حفاظت کے لئے قرآن اتارا تاقیامت قرآن تمہاری ایسی حفاظت کرے گا جیسے لیمپ کی چمنی لیمپ کے نور کی دیکھ لو آج ہر گستاخ و بے دین کے جواب قرآن کریم ہی دیتا ہے پھر قرآن آپ تمام پر اترا نہ کہ صرف کان یا دماغ پر۔ اگر عجمی سے عربی میں بات کرو تو اس کے کان الفاظ سن لیں گے مگر دماغ اس کے معنی نہ سمجھے گا وہ کلام کان میں جائے گا۔ دماغ میں دل میں روح میں نہ جائے گا۔ معنی سمجھنے والے کے دماغ میں بھی پہنچے گا مگر دل و روح میں نہ پہنچے گا۔ اسرار سمجھنے والے کے کان' دماغ' دل سب میں پہنچے گا۔ مجمع میں کسی سے کہو تمہارا وہ کام ہو گیا لوگ اس کے معنی سمجھ لیں گے مگر خوش یا غمگین نہ ہوں گے۔ جو صاحب اسرار ہے اس کا دل خوشی سے اچھل پڑے گا کہ وہ معنی کے ساتھ مطلب و مقصد سے بھی واقف ہے۔ چونکہ حضور قرآن کریم کے اسرار سے واقف ہیں۔ لہٰذا آپ کے ان اعضاء پر قرآن کریم کے تمام اجزاء کا نزول ہوا۔ علیک میں علیٰ فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ اگرچہ قرآن کی تلاوت سب کریں گے اس کے فوائد سب حاصل کریں گے مگر اس کے نزول کا مقصود صرف تم ہو بارش سے فائدہ تمام جانور بھی پاتے ہیں مگر مقصود انسان ہوتے ہیں اس لئے نزول بارش میں علیکم فرمایا گیا۔ نیز علیٰ لزوم کے لئے بھی آتا ہے مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید آپ کے ساتھ ایسا لازم ہے' جیسے سورج کے لئے نور جس دل میں تم نہ ہو گے وہاں قرآن نہ پہنچے گا اگرچہ وہ ہندوؤں' آریوں کی طرح قرآن پڑھ لیا کرے جانور پر کتابیں لادو وہ بوجھ سے دبے گا مگر کتاب سے فیض نہ لیگا۔ حدیث کو حکمت یا اس لئے ارشاد ہوا کہ حدیث مضبوط ہے۔ جسے زمانہ اور زمانہ والے نہ مٹا سکیں گے۔ یا کوئی حدیث مصلحتوں سے خالی نہیں' حضور کے اقوال' اعمال' افعال' احوال میں لاکھوں مصلحتیں ہوتی ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ دینی و دنیاوی نعمتوں میں علم سب سے اعلیٰ نعمت ہے کہ رب تعالیٰ نے علم سے حضرت آدم کا استحقاق خلافت ثابت فرمایا۔ اور بے گناہ دائمی عابدین نوری مخلوق سے آپ کو سجدہ کرایا نیز اگرچہ بعض علم بعض سے اشرف ہیں جیسے معرفت خدا اور رسول دوسرے علوم سے افضل ہے مگر کوئی علم برا نہیں ورنہ رب تعالیٰ ان برے علموں سے پاک ہوتا۔ حالانکہ وہ **بکل شئی علیم** ہے اور آدم علیہ السلام کو ہر بری بھلی چیز کا علم نہ دیا جاتا۔ حضرات انبیاء کرام کو بقدر درجہ علوم دیئے گئے۔ آدم علیہ السلام کو تمام ناموں کا علم' داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانے کا علم و علمناہ صنعۃ لبوس۔ سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولیوں کا علم **علمنا منطق الطیر**۔ مگر ہمارے حضور کو سارے علم **وعلمک مالم تکن تعلم** جیسے نفس ناطقہ میں تمام اعضاء کے علوم جمع ہیں ایسے ہی حضور میں تمام اولین و آخرین کے علوم جمع ہیں۔ خیال رہے کہ **وکان فضل اللہ علیک عظیما** میں کان دوام کے لئے ہے۔ جیسے **کان اللہ علیما حکیما** میں یعنی آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل تھا اور ہے اور ہو گا' یا رہے گا۔ چنانچہ تمام نبیوں پر اللہ کا فضل ان کی پیدائش کے بعد ہوا۔ خلافت حضرت آدم' کلام موسیٰ علیہ السلام' لحن داؤد علیہ السلام وغیرہ ان بزرگوں کی پیدائش کے بعد ہوا مگر حضور پر درود الٰہی مخلوق کی پیدائش سے پہلے سے ہے درود ملائکہ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے سے ہے۔ **ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی** حضور کی نبوت حضرت آدم کی خلقت سے پہلے ہے کہ عالم ارواح میں سارے نبی حضور کے مدرسہ سے فیض لیتے رہے **کنت نبیا وادم بین الماء والطین** حضور کی اتباع و خدمت کا عہد عالم ارواح میں تمام نبیوں سے لیا گیا۔ **واذ اخذ اللہ میثاق النبیین** الخ حضور کے توسل سے پچھلی امتیں اور ان کے نبی دعائیں کرتے تھے۔ **وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا**۔ نیز ارشاد باری ہے **فتلقی ادم من ربہ کلمات فتاب علیہ**۔ مخلوق میں رب تعالیٰ کے سب سے پہلے عابد و ساجد حضور ہیں۔ کروڑوں سال عالم بننے سے پہلے صرف رب معبود رہا ہے اور صرف نور محمدی عابد' اول

ماخلق اللہ نوری رب تعالیٰ فرماتا ہے **لو کان للرحمن ولد فانا اول العابدین۔** یعنی اے محبوب فرمادو اگر رحمٰن کے لولاد ہوتی تو اس کا پہلا عابد میں ہوتا کیونکہ رب کا پہلا عابد میں ہی ہوں اور حضور کی ظاہری حیات شریف میں بھی رب تعالیٰ کا بڑا ہی فضل حضور پر رہا کہ گذشتہ انبیاء کرام کو گنتی کے معجزے ایک ایک دو دو عطا ہوئے حضور کو ان گنت معجزے ملے بلکہ حضور خود سراپا معجزہ ہے۔

دیئے معجزے انبیاء کو خدا نے ہمارا نبی معجزہ بن کے آیا

حضور نے بگڑی قوم کو ایسا بنایا کہ ان میں سے صدیق و فاروق ظاہر ہوئے' بچھڑوں کو ایسا ملایا کہ صدیوں کی لڑائیاں ختم فرمادیں۔

بد خلق جو تھے وہ نیک ہوئے لڑتے تھے ہمیشہ وہ ایک ہوئے
جھگڑے تو نے آ کے میٹ دیئے تری فہم و ذکا کا کیا کہنا

یہ سب اللہ کا فضل تھا جو آپ پر حیات شریف میں ہوا۔ بعد حیات ظاہری بھی حضور پر اللہ کا بڑا فضل ہے کہ بعض فضل قیامت تک ظاہر ہوں گے بعض فضل قیامت کے دن اور بعض قیامت کے بعد ابد الاباد تک جنت میں۔ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ انبیاء کرام کو چار نعمتیں بخشیں۔ وحی' معجزات' کتاب' دین جن میں سے وحی تو تمام نبیوں کو عطا ہوئی مگر باقی تین نعمتیں کسی کو ملیں کسی کو نہ ملیں۔ حضرت ہارون' حضرت لوط وغیرہم ہزار انبیا کرام ایسے ہیں جنھیں کوئی معجزہ عطا نہ ہوا اور سواء چار نبیوں کے کتاب و دین کسی نبی کو نہ عطا ہوئے۔ ان حضرات کے پردہ فرمانے کے بعد ان کی وحی ان کے معجزے' ان کی کتابیں ان کے دین سب ختم کر دیئے جاتے رہے۔ معجزے تو وفات پاتے ہی مگر دین اور کتابیں دوسرے نبی کے تشریف لانے پر' دیکھو وفات موسیٰ علیہ السلام کے بعد عصا تو کچھ دن رہا مگر سانپ نہ بن سکا۔ حضور کی وحی' حضور کے ہزاروں معجزے حضور کا دین حضور کی کتاب قیامت تک حضور کی محبوبیت' حضور کی عزت حضور کا ذکر کثیر حضور کے ظاہری باطنی فیوض' حضور کے اولیاء اللہ ان کی کرامتیں تا قیامت باقی یہ وہ فضل ہے جو قیامت تک رہے گا پھر قیامت کا پچاس ہزار برس کا دن اس میں حساب صرف چار گھنٹے میں ہو گا **ان اللہ سریع الحساب** ۔ باقی دن میں حضور کی تلاش حضور کی شفاعت حضور کا مقام محمود پر انبیاء کرام' ان کی امتوں تمام عالم بلکہ خود رب تعالیٰ کی نعت گوئی میں ہو گی ہے۔

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

بعد قیامت حضور کی آمد پر دروازہ جنت کھلنا' جنت میں کوثر کے کوزوں پر طوبیٰ کے پتوں پر' حوروں کی آنکھوں کی پتلیوں میں غلمانوں کے سینہ پر حضور کا کلمہ ہو گا یہ رب تعالیٰ کا فضل ہے۔ جو بعد قیامت ابد الاباد تک حضور پر رہے گا۔ غرضیکہ **کان فضل اللہ علیک عظیما** بہت وسیع آیت ہے کس میں طاقت ہے کہ شمار کر سکے۔ خیال رہے کہ غنی کے مال میں فقیروں مسکینوں کا بھی حصہ ہوتا ہے **وفی اموالھم حق للسائل والمحروم** ان شاءاللہ حضور کے افضال میں ہم امتیوں کا بھی حصہ ہے۔

ہاتھ اٹھا کر ایک ٹکڑا اے کریم ہیں غنی کے مال میں حقدار ہم

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف نبوت اور نبوت کے لوازمات ہی نہیں بخشے بلکہ اس کے علاوہ اور بہت سے عطاؤں سے مالا مال کیا جن میں سے بعض عطائیں لوازمات نبوت سے زائد ہیں اور بعض عطائیں ان کے علاوہ یہ فائدہ **فضل اللہ** اور **رحمۃ** سے حاصل ہوا۔ خاتم النبیین ہونا رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین ہونا علوم غیبیہ اور اولین و آخرین کی حکمتیں آپ کو عطا ہونا یہ وہ خصوصی عطیات ہیں جو حضور کے سواء کسی کو عطا نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معصوم و محفوظ کیا خود رب تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہے کوئی آپ کو دھوکا نہیں دے سکتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ جو آپ کو بے خبر جانے یا غیر معصوم وہ خود دھوکا کھاتا ہے۔ جیسا کہ **وما یضلون الا انفسہم** سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** آپ کی معصومیت محفوظیت کی تجلی آپ کے بعض خدام پر بھی پڑی ہے۔ وہ بفضلہ تعالیٰ محفوظ ہیں۔ جیسے عام صحابہ کرام اور خاص اولیاء اللہ رب تعالیٰ صحابہ کرام کے متعلق صفائی بیان فرماتے ہوئے فرماتا ہے۔ **وما یخدعون الا انفسہم وما یشعرون** جو کلمات حضور کی عصمت کے لئے ارشاد ہوئے وہی صحابہ کرام کی حفاظت کے لئے فرمائے گئے۔ لہٰذا ان حضرات کا ایمان و حفاظت قطعی ہوئے۔ **تیسرا فائدہ:** نزول قرآن صرف کان شریف پر نہ ہوا بلکہ الفاظ قرآن کان شریف پر مضامین قرآن دماغ پاک پر اسرار قرآن دل پر نازل ہوئے یہ سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جیسا کہ **انزل اللہ علیک** فرمانے سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** قرآن مجید کی طرح حدیث پاک بھی رب کی طرف سے ہے۔ جس کی وحی حضور کے دل پر کی گئی قرآن مجید کے الفاظ و معانی سب رب کی طرف سے ہیں اور حدیث شریف کے معانی رب کی طرف سے الفاظ حضور کے اپنے جیسا کہ **والحکمۃ** فرمانے سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** قرآن شریف کی طرح حدیث شریف بھی واجب العمل ہے بلکہ حدیث کے بغیر قرآن پاک پر عمل ناممکن ہے۔ یہ فائدہ بھی **والحکمۃ** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو تمامی علوم غیبیہ پر مطلع فرمایا جیسا کہ **ما لم تکن تعلم** سے معلوم ہوا **ما** عام ہے اس میں کوئی قید نہیں۔ حضور کے علوم بے قید ہیں۔۔

ابن مالک کو دی بشارت تاج — اے مرے غیب داں ترے صدقے

مجھ خطا کار پر عطا ہی عطا — اے مرے مہرباں ترے صدقے

ساتواں فائدہ: علم اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں علوم نبی کو **فضل اللہ** فرمایا۔ **آٹھواں فائدہ:** حضور کے علوم اور آپ کے فضائل و مراتب کسی سے نہ بیان ہو سکتے ہیں نہ کسی کے خیال میں آسکتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے دنیاوی نعمتوں کو قلیل فرمایا۔ **قل متاع الدنیا قلیل** وہ کسی سے شمار نہیں ہو سکتی تو جسے رب تعالیٰ عظیم فرمائے وہ کون بیان کر سکتا ہے۔۔

دع ما ادعتہ النصاری فی نبیہم — واحکم بما شئت من شرف ومن عظمۃ

فان فضل رسول اللہ لیس لہ — حد فیعرب عنہ ناطق بفمی!

یعنی جو عیسائیوں نے اپنے نبی کے متعلق کہا وہ تم حضور کے لئے نہ کہو اس کے سوا جو شرف عظمت چاہو حضور کی طرف منسوب کرو کیونکہ حضور کے فضائل کی حد نہیں جو کوئی بیان کرنے والا بیان کر سکے۔ **نواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کے راز تا قیامت لوگوں کے ارادوں سے خبردار ہیں اس لئے کوئی آپ کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ اللہ نے حضور کو پتھروں کے دلوں

کے راز بتادیئے ہیں۔ انسان کی حقیقت ہی کیا ہے فرماتے ہیں احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ غیر پہاڑ ہم سے عداوت رکھتا ہے ہم اس سے عداوت رکھتے ہیں۔ غرضیکہ یہ آیت کریمہ حضور کی عصمت حفاظت کمال علم کی اعلیٰ دلیل ہے۔ دسواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام چیزوں کو حقیر' اوٹی قلیل فرمایا۔ مگر حضور کے اخلاق کریمانہ کو عظیم کہا **انک لعلی خلق عظیم** حضور پر جو اللہ کا فضل ہے اسے عظیم فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ حضور خود اعظم الخلق ہیں جس کی صفات عظیم ہوں۔ خود وہ موصوف اعظم ہوگا۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے حکام کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بہکایا جاسکتا ہے۔ دیکھو رب نے فرمایا کہ اگر ہمارا فضل آپ پر نہ ہوتا تو آپ کو یہ لوگ بہکا دیتے دھوکہ دے دیتے جس سے آپ کے علم غیب وغیرہ تمام کی نفی ہوگئی۔ جواب: بے شک اللہ تعالیٰ کا فضل حضور کو مخلوق کی دھوکہ بازیوں سے بچاتا ہے۔ وہ فضل کیا ہے حضور کو علوم غیبیہ عطا فرمانا آپ کو پیدائشی معصوم بنانا یعنی چونکہ پہلے سے آپ کو یہ صفات عطا فرمادی گئی ہیں اس لئے آپ پر کسی کا فریب نہیں چلتا یہ آیت تو حضور کے علم و عصمت کی دلیل ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ کے معنی آپ نے یہ کئے کہ اگر آپ پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو یہ لوگ آپ کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے۔ اور لوگوں نے دھوکا دینے کی تو کوشش کی تھی پھر یہ ترجمہ کیونکر درست ہوا۔ جواب: اس کے بہت نفیس جوابات ابھی تفسیر میں دیئے جاچکے ہیں کہ اس جملہ کے تین معنی ہیں۔ جن میں سے ایک معنی وہ ہیں جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کئے۔ تب مطلب یہ ہے کہ اگر آپ پر اللہ کا فضل و رحم نہ ہوتا تو یہ لوگ دھوکا دینے کی جان توڑ کوشش کرتے **هم** ہر کوشش کو نہیں کہتے بہت سخت کوشش کو کہتے ہیں سعی اور هم میں بڑا فرق ہے اور دوسری مذکورہ توجیہوں کی بنا پر یہ اعتراض پڑتا ہی نہیں۔ دیکھو ہماری ابھی عرض کی ہوئی تفسیر۔ تیسرا اعتراض: قرآن کریم تو آہستہ آہستہ 23 سال میں نازل ہوا پھر انزل علیکم کیوں فرمایا گیا انزال تو یکدم اتارنے کو کہتے ہیں۔ جواب: اس کا جواب بھی ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ احکام جاری کرنے کے لئے نزول قرآن 23 سال میں ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے لئے قرآن ہر ماہ رمضان میں نازل ہوتا تھا۔ حضور کو حضرت جبریل دور کراتے تھے یہاں دوسرا نزول مراد ہے اس لئے اس کے بعد ہی حضور کے علم کا ذکر ہے۔ **وعلمک مالم تکن تعلم**۔ چوتھا اعتراض: یہاں والحکمۃ سے مراد قرآن کریم کے رموز و اسرار ہیں نہ کہ حدیث حضور پر صرف قرآن کا نزول ہوا ہے (چکڑالوی)۔ جواب: رموز قرآن تو الکتاب میں آگئے تھے کہ کتاب ان تمام چیزوں کا نام ہے الفاظ' معانی' اسرار' احکام وغیرہ پھر الحکمۃ سے مراد کتاب کے علاوہ کوئی اور چیز ہی چاہئے۔ وہ اور چیز حدیث ہی تو ہے۔ پانچواں اعتراض: **علمک مالم تکن تعلم** سے مراد دینی مسائل اور دینی چیزیں ہیں نہ کہ تمام علوم غیبیہ اس لئے تفسیر خازن نے یہاں فرمایا من احکام الشرع وامور الدین تم لوگوں کا اس آیت سے حضور کا علم غیب ثابت کرنا غلط ہے (وہابی)۔ جواب: کسی مفسر نے خواہ وہ خازن ہوں یا جلالین یا کوئی اور اس آیت کی تفسیر میں یہ نہ فرمایا کہ قرآنیہ اور احکام شرعیہ کا علم دیا اور دوسرا علم نہ دیا۔ دوسرے علم کی کسی نے نفی نہیں فرمائی بلکہ اس کے برعکس یہاں تفسیر خازن نے فرمایا و قیل **علمک علم الغیب مالم تکن تعلم** وقیل معناہ وعلمک من خفیات الامور واطلعک علی ضمائر القلوب اور تفسیر بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا من خفیات الامورا ومن امور الدین

والاحکام اور تفسیر روح البیان نے فرمایا۔ **بالوحی من الغیب وخفیات الامو** تفسیر روح المعانی نے فرمایا من **خفیات الامور و ضمائر القلوب** ان تمام تفاسیر سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور کو رب تعالیٰ نے دلوں کے ارادوں خفیہ چیزوں غیبی اشیاء کا علم بخشا بدایۃ النہایہ میں ہے کہ آپ کو لوگ دھوکا نہیں دے سکتے اس کی وجہ سے بیان ہوئی کہ ہم نے آپ کو نہ جانی چیزیں بتادی ہیں اگر ان نہ جانی چیزوں سے مراد نماز روزے کے مسائل ہوں تو یہ دلیل دعوے کے مطابق کیسے ہوگی۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ ہی ہے کہ وہ لوگ آپ کو دھوکا نہیں دے سکتے کیونکہ آپ کو رب تعالیٰ نے خفیہ باتوں مقدمات کی حقیقتوں لوگوں کے ارادوں پر مطلع فرمادیا ہے ایسے علیم و خبیر کو کوئی دھوکا کیسے دے سکتا ہے۔ آج بڑے بڑے مولویوں مفتیوں احکام شرع جاننے والوں کو لوگ دھوکا دے دیتے ہیں۔ مسائل کا جاننا دھوکے سے نہیں بچا سکتا۔ **چھٹا اعتراض:** اگر رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم غیبیہ پر اطلاع بخشی ہے تو بہت موقعہ پر آپ کو اصل شیئی کا علم نہ ہوا آپ سے باتیں پوچھی گئیں نہ بتائیں۔ جس کی صدہا مثالیں موجود ہیں تو معنی کیونکر درست ہو سکتے ہیں۔ **جواب:** اس سوال کے بہت جوابات ہم نے اپنی کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیئے ہیں۔ یہاں صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ نہ جاننا اور چیز ہے نہ بتانا کچھ اور بتانے کی نفی سے جاننے کی نفی نہیں ہو جاتی' نیز حضور کا علم عطائی ہے۔ حادث ہے محدود ہے رب تعالیٰ کے قبضہ میں ہے جب چاہے نبی کو معلوم چیز پر متوجہ فرمادے کہ وہ سارے عالم کو کف دست کی طرح ملاحظہ فرمالیں' اور جب چاہے ادھر سے غیر متوجہ کردے کہ اپنی بھی خبر نہ رہے اسی کو حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے دو شعروں میں سمجھادیا ہے۔

بگفت احوال ما برق جہانست دمے پیدا و دیگر دم نہانست
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم! گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

ہمارے حالات بجلی کی کوند کی طرح ہیں کہ دم میں ظاہر دم میں پوشیدہ ہم کبھی اونچی اٹاری پر ہوتے ہیں کہ عرش و فرش کو دیکھتے ہیں اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت کو بھی ملاحظہ نہیں فرماتے بے علمی' بے توجہی ذہول نسیان میں فرق کرنا ضروری ہے' **ساتواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں جب حضور کو علم' حکمت' عصمت دیئے جانے کا ذکر فرمادیا تو پھر اللہ کے فضل سے کیا مراد ہے جو آخر میں فرمایا گیا اللہ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔ **جواب:** یہ تو دینے والا رب جانے یا لینے والے محبوب جانیں کہ کریم نے کیا دیا حبیب نے کیا لیا۔ وہاں ہمارے علم کی رسائی نہیں فرش و عرش پر حضور کا راج' شفاعت کبریٰ کا سہرا سرپاک پر ہونا۔ تمام دنیا کا آپ کے در کا بھکاری ہونا' آپ کا سخی و داتا ہونا' تمام عالم میں آپ کا چرچہ ہونا ہو دل میں آپ کی محبت ہونا تاقیامت آپ کی امت میں اولیاء علماء کا ہونا آپ پر ہمیشہ درود شریف پڑھا جانا آپ کی ہر زبان میں نعت خوانی ہمیشہ ہونا آپ کا دین منسوخ نہ ہونا آپ کا قرآن ہمیشہ رہنا وغیرہ لاکھوں خصوصی عطائیں ہیں۔ جو رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عطا ہوئیں۔ مجھ جیسا مجہول کیا کہہ سکتا ہے کہ حضور کو کیا ملا حضور کو وہ ملا جو کسی کو نہ ملا۔

فہم رازش چہ کنم من عجمی او عربی لاف مہرش چہ زنم من حبشی او قرشی!

آٹھواں اعتراض: نبی صرف تبلیغ دین کے لئے آتے ہیں۔ انہیں صرف دین کا علم عطا ہونا کافی ہے۔ علوم غیبیہ اور حاضر ناظر ہونا ملک الٰہی میں راج قائم ہونا ان کے عہدے کے لئے ضروری نہیں پھر یہ صفات ان میں بلاوجہ کیوں مانے جائیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں

کے نام بتانا' حضرت سلیمان کو تمام جن وانس کا مالک بنا دینا' ہوا کو ان کے تابع فرمان کر دینا' حضرت یوسف کو سات سال تک قاسم رزق اللہ بنا دینا کہ تمام دنیا ان کے لنگر سے پلے سب غلط ہونا چاہئے۔ نبوت کو ان چیزوں کی کیا ضرورت ہے وہ تو صرف مبلغ ہوتے ہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ حضرات انبیاء مظہر ذات الٰہی ہیں اور ہمارے حضور تو مظہر اتم ہیں۔ اور مظہر میں ذات کے کمالات کا ظہور چاہئے۔ اس لئے رب تعالیٰ ان حضرات کو اپنی صفات بخشتا ہے۔ علم قدرت' ملک' رحمت خدا تعالیٰ کی صفات ہیں تو چاہئے کہ حضور میں پائی جائیں۔ تاکہ مظہریت کا ظہور ہو رب فرماتا ہے **هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق** نیز حضور کے یہ صفات اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت ہیں اور فضل کہتے ہیں اسے ہی جو استحقاق سے زیادہ ہو اور رحمت کہتے ہی اسے ہیں جو بلا استحقاق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ہر قسم کی عطائیں بخشیں۔

تفسیر صوفیانہ : فضائل دو طرح کے ہوتے ہیں۔ کسبی اور عطائی۔ کسبی فضائل میں انسان کے اپنے کسب و عمل کو دخل ہوتا ہے وہ دوسرے کی کوشش یا اپنی غلطی سے مٹ سکتے ہیں کہ کسبی چیز کو کسب فنا کر سکتا ہے مگر عطائی خوبیاں کسی کی کوشش سے ضائع نہیں ہو سکتیں چراغ کا نور پھونکوں سے بجھ سکتا ہے کہ یہ نور کسبی ہے مگر چاند سورج کا نور پھونکوں سے نہیں بجھ سکتا کہ یہ نور عطائی ہے۔ یہاں فرمایا گیا اے محبوب طعمہ اور طعمہ کی قوم نے سازشیں کر کے آپ سے غلط فیصلہ کرانا چاہا یہ تھا ان کا کسب آپ کی عصمت آپ کے علوم غیبیہ آپ کو قرآن حدیث کے علوم کی عطا ہماری طرف سے ہے۔ جس میں کسی کے کسب کو دخل نہیں۔ لہٰذا ان کی کوششیں بیکار ہوئیں۔ آپ کے آستانہ عالیہ غلط فیصلہ نہ کرا سکے آئندہ بھی کوئی شخص آپ کو نقصان نہ دے سکے گا۔ آپ کو دھوکا دینے کی کوشش سے خود اپنا ہی نقصان کرے گا صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلق پر اللہ کا فضل عظیم ہیں اور آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے یعنی ذات الٰہی آپ پر فضل اور ذات رسول مخلوق پر فضل (روح البیان)۔

رب اعلیٰ کی نعمت پر اعلیٰ درود حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

دنیا میں کوئی شخص آپ جیسا عالم نہیں ہو سکتا کہ سب مخلوق کے شاگرد ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خالق کے شاگرد **علمک مالم تکن تعلم** حضرت جبریل پیغام رساں ہیں۔ علم دینے والا رب تعالیٰ ہے۔

لَاخَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ

نہیں ہے بھلائی ان کی بہت سرگوشیوں میں مگر جو حکم کرے صدقہ کا یا بھلائی کا یا اتفاق کرانے

ان کے اکثر مشوروں میں کچھ بھلائی نہیں مگر جو حکم دے خیرات یا اچھی بات یا لوگوں میں

اِصْلَاحٍۭ بَیْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ

کا درمیان کے اور جو چاہنے کے لئے مرضی اللہ تعالیٰ کی

صلح کا اور جو اللہ کی رضا چاہنے کو ایسا کرے اسے عنقریب ہم بڑا ثواب دیں گے اور جو

اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١١٤﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ

بس عنقریب دیں گے ہم اس کو ثواب بڑا اور جو مخالفت کرے ان رسول کے پیچھے

رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ

اس کے کہ ظاہر ہو چکی اس کے لئے ہدایت اور اتباع کرے غیر راہ مسلمانوں کی تو پھیر دیں

مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے

مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿١١٥﴾

گے اسے ہم ادھر جدھر وہ پھرا اور داخل کریں گے ہم اس کو دوزخ میں اور برا ہے وہ ٹھکانا

حال پر چھوڑ دیں گے اسے دوزخ میں داخل کریں گے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ان لوگوں کی یہ سازشیں اے محبوب آپ کو نقصان دہ نہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ بلکہ خود ان کو ہی یہ سازشیں مضر ہیں۔ یعنی ان سازشوں کی تصویر کا ایک رخ مضر نہ ہونا پہلے بیان ہو اتھا اب اس تصویر کا دوسرا رخ بیان ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ ان کی سازشیں ان ہی کے لئے وبال ہیں۔ اب اس کی تفصیل فرمائی جا رہی ہے کہ طعمہ کو اس حرکت سے یہ نقصان پہنچے گا اور اس کی قوم کے لوگوں کو جو اس فریب میں اس کے مددگار بنے یہ نقصان ہو گا گویا یہ آیت پچھلی آیات کی تفصیل ہے۔ **تیسرا فائدہ:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ جو آپ کے قدم سے وابستہ ہو جائے وہ بھی اس فضل سے حصہ پاتا ہے اور جو آپ سے لگ رہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے جیسے طعمہ کا حال ہوا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ نے آپ پر کتاب و حکمت اتاری اب ارشاد ہو رہا کہ جو ان دونوں کی اتباع کرے گا کہ بھلائیوں کا حکم برائیوں سے روکنا لوگوں میں صلح کرانے کا عمل کرے گا وہ ثواب کا مستحق ہو گا جو ان سے روگردانی کرے گا سزا پائے گا۔ گویا پچھلی آیت میں کتاب و سنت کا ذکر تھا اب ان پر عمل کرنے کے فوائد اور عمل نہ کرنے کے نقصانات کا ذکر ہے۔

شان نزول: جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مذکورہ مقدمہ کا فیصلہ سنایا جس میں یہودی کو بری کر دیا گیا اور طعمہ کے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا گیا تو طعمہ حکم عالی سے سرتابی کرتے ہوئے مرتد ہو کر مکہ **معظمہ** بھاگ گیا۔ کفر و شرک اختیار کر لیا اور مرتد ہو کر مرا اس کے متعلق دوسری آیت کریمہ **ومن یشاقق الرسول** نازل ہوئی (تفسیر خازن، روح البیان، تفسیر کبیر وغیرہ)

تفسیر: **لا خیر فی کثیر من نجوٰھم** لا نفی جنس ہے جس نے خیر کی مطلقاً نفی کر دی جنس کی نفی جب ہو سکتی ہے جب کہ اس کی ہر نوع ہر فرد کی نفی ہو جائے۔ خیر سے مراد ہے بہتری دنیاکی ہو یا آخرت کی یعنی ثواب اخروی بعض مشورے ثواب ہوتے ہیں بعض گناہ بعض نہ ثواب نہ گناہ یہاں ثواب والے مشوروں کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے اسی لئے فی کثیر فرمایا گیا۔ نجویٰ

نجی سے بنا معنی علیحدگی پھر اصطلاح میں ہر مشورے کو نجویٰ کہنے لگے کہ وہ علیحدگی میں کیا جاتا ہے اسی سے ہے مناجات علیحدگی میں مانگی ہوئی دعا۔ نجویٰ مصدر بھی آتا ہے رب فرماتا ہے **ما یکون من نجوی ثلثة الا ھو رابعھم** الخ اور مشورے کرنے والوں کی جماعت کو بھی نجویٰ کہا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے **واذھم نجوی** (تفسیر کبیر و خازن وغیرہ) یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی سرگوشی و مشورہ خفیہ تدبیر سوچنا اور ہو سکتا ہے کہ نجویٰ نجی کی جمع ہو۔ معنی مشورہ کرنے والے (کبیر) جیسے قیام مصدر بھی ہے اور قائم کی جمع بھی رب فرماتا ہے **فاذاھم قیام ینظرون** معنی قائمین۔ **الا من امر بصدقة او معروف او اصلاح بین الناس**۔ یہ عبارت لاخیر سے مستثنیٰ ہے اگر وہاں نجویٰ نجی کی جمع تھا تو یہاں کسی لفظ کے پوشیدہ ماننے کی ضرورت نہیں اور اگر وہاں نجویٰ مصدر تھا تو یہاں من سے پہلے نجویٰ پوشیدہ ہو گا لہٰذا اس عبارت کے دو ترجمہ اور دو تفسیریں ہوں گی صدقہ سے مراد یا صدقہ واجبہ ہے جیسے زکوٰۃ' فطرہ قربانی اور نذر مانی ہوئی خیرات یا ہر واجب و نفل صدقہ و خیرات دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ معروف ہر نیکی کو کہا جاتا ہے یہاں یا تو ہر عبادت و معاملات مراد ہیں یا اچھے معاملے مراد جیسے مظلوم کی دادرسی مقروض کی معافی راہ بھولے ہوئے کو ہدایت دینا وغیرہ کیونکہ مالی عبادات کا ذکر بصدقة میں ہو چکا تو اس سے مراد کوئی ایسی چیز ہونی چاہئے جو صدقہ کے علاوہ ہو (کبیر و روح) اصلاح بین الناس میں اصلاح سے مراد ہے۔ لڑتے ہوؤں کو ملانا صلح کرانا الناس سے مراد یا عام مسلمان ہیں یا اسلامی حکومتیں۔ یا مومنین و کفار دونوں کہ کفار کو مسلمان ہو جانے کی رغبت دینا تاکہ وہ مسلمانوں سے رل مل جائیں یا اسلامی حکومت کا کفار کی حکومت سے صلح کرانا اگر اس صلح میں مسلمانوں کا فائدہ ہو۔ حضور نے حضرت عثمان کو صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ معظمہ بھیجا تاکہ مشرکین مکہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مصالحت کی کوشش کریں۔ یا مسلم حکومتیں اگر لڑ پڑیں تو ان میں صلح صفائی کرانا یا عام مسلمان دو بھائی باپ بیٹے محلہ والے بستی والے جب لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دینا اگرچہ معروف میں یہ بھی داخل تھا مگر چونکہ یہ اصلاح بین الناس بڑی ہی نیکی ہے' جس کے بڑے فضائل ہیں اس لئے ذکر علیحدہ فرمایا۔ دیکھو حضور صلی اللہ و سلم بنی سلمہ میں صلح کرانے تشریف لے گئے واپسی میں اتنی دیر ہوئی کہ آپ کے پیچھے جماعت نماز قائم ہو گئی یعنی ہاں خیر و بھلائی ان لوگوں کے مشورے میں ہے یا خیر و بھلائی ان مشورہ کرنے والے میں ہے جو اپنے مشوروں میں لوگوں کو صدقہ دینے نیکیوں کا حکم کرنے لڑے ہوؤں کو ملانے کی تدبیریں سوچیں کہ یہ مشورے و سرگوشیاں عبادت ہیں ان کے لئے جمع ہونا عبادت یہ لوگ بڑے ثواب کے مستحق **ومن یفعل ذلک ابتغاء مرضات اللہ** یہ جملہ اس جماعت کے ثواب کا ذکر فرمانے کے لئے ارشاد ہوا من سے مراد ہر مسلمان ہے **ذلک** سے اشارہ ہے ان ہی مذکورہ مشوروں کی طرف جن کا ذکر ابھی ہوا۔ **ابتغاء' یفعل** کا مفعول لہ ہے بغی سے بنا معنی تلاش کرنا چاہنا مرضات رضا کا مبالغہ ہے یعنی جو مسلمان ان نیک کاموں کے لئے مشورے کرے۔ مگر دنیاوی غرض یا سرداری حاصل کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ صرف رضاء الٰہی کی طلب کے لئے تو **فسوف نوتیہ اجرا عظیما** یہ عبارت من یفعل کی جزا ہے سوف نے نوتیہ کو معنی مستقبل کر دیا۔ اجر عظیم فرما کر بتایا کہ ایسے مشوروں پر اتنا بڑا ثواب ملے گا جو کسی کے بیان میں نہیں آسکتا اس نیکی کا کچھ نتیجہ دنیا میں مل جاتا ہے کچھ قبر میں کہ ایسے لوگوں کی لوگ خود بخود تعظیم و توقیر کرتے ہیں مرے بعد ان کو دعاء خیر ذکر خیر سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی وفات کے دن ان کے عرس منائے جاتے ہیں اور آخرت میں جو ثواب ملے گا وہ تو سب سے کہیں زیادہ ہے چونکہ آخرت آرہی ہے اور ہر آنے والی چیز قریب ہے اس لئے یہاں سوف ارشاد ہوا **ومن یشاقق الرسول**۔ اگرچہ اس

آیت کا نزول طعمہ ابن ابیرق کے متعلق ہوا جو کلمہ پڑھ کر حضور کی بارگاہ میں عرصہ تک حاضر ہوتا رہا پھر مرتد ہو گیا مگر اس سے مراد ہر انسان ہے کیونکہ حضور کی مخالفت سب ہی کے لئے عذاب کا باعث ہے۔ ساری عبادات سب پر فرض نہیں حائضہ عورت پر نماز مسافر و زیادہ بوڑھے پر روزہ غریب آدمی پر زکوۃ و حج فرض نہیں مگر اطاعت رسول کے حکم سے کوئی علیحدہ نہیں اس لئے من عام فرمایا گیا۔ نیز ساری عبادات کے لئے وقت مقرر ہیں۔ نماز دن میں پانچ بار روزہ و زکوۃ سال میں ایک بار حج عمر میں ایک دفعہ مگر اطاعت رسول ہر وقت واجب و ضروری جیسے کھانے پینے سونے کے لئے وقت مقرر ہیں مگر سانس ہر وقت لی جاتی ہے نیز ساری عبادات مرتے ہی ختم مگر حضور کی غلامی برزخ و جنت میں بھی رہے گی۔ دیکھو اعمال کا حساب قیامت کے دن ہو گا۔ مگر حضور کی پہچان کا حساب قبر میں ہی ہو جاتا ہے۔ اس لئے من فرمایا گیا۔ **یشاقق** شق سے بنا بمعنی کنارہ و جانب مخالفت کو شقاق اس لئے کہتے ہیں کہ مخالف' فریق دوم سے علیحدہ کنارہ پر ہو جاتا ہے اس سے ٹوٹ کر الگ ہو جاتا ہے۔ مشورہ کے وقت حضور سے اختلاف رائے جائز ہے جیسا کہ جنگ احد میں صحابہ نے کیا اپنے کو گنہگار سمجھتے ہوئے نافرمانی کرنا گناہ ہے جس سے انسان کافر نہیں ہوتا مگر مخالفت رسول کفر ہے کہ ان کے کسی قول یا فعل کو برا سمجھنا۔ اختلاف رائے' نافرمانی اور مخالفت کا فرق دھیان میں رہے۔ مشورہ کے وقت فرشتوں نے خلافت کے مسئلہ میں رب سے اختلاف رائے کا اظہار کیا گنہگار نہ ہوئے۔ مگر حکم سجدہ کے وقت شیطان نے رب کی مخالفت کی لعنتی ہو گیا۔ الرسول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مخالفت اگرچہ فعلی قولی ہر مخالفت کو کہا جاتا ہے مگر یہاں وہ مخالفت مراد ہے جو باعث ارتداد ہو گنہگار مسلمان اگرچہ حضور کے مخالف اعمال کر لیتا ہے مگر اپنے کو گنہگار جاننے کی وجہ سے مرتد نہیں ہوتا حضور کے قدم سے وابستہ رہتا ہے۔ **من بعد ما تبین له الهدی** اس کا تعلق یشاقق سے ہے۔ ہدیٰ سے مراد توحید و عقائد اسلامیہ اور حضور کے صفات عالیہ ہیں کیونکہ حضور کے صفات ہی اصل ہدایت ہیں جس نے حضور کے صفات مان لئے اس نے تمام عقائد کو مان لیا۔ تبین سے مراد ہے دلائل' معجزات وغیرہ کے ذریعہ اسلامی عقائد کی حقانیت معلوم ہو جانا اگرچہ مطلقاً" کفر و شرک جرم ہے مگر اسلام کی حقانیت سے واقف ہو چکنے' دلائل اسلام معلوم کر لینے کے بعد مرتد ہونا بہت سخت جرم۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذاتی دشمنی سخت جرم ہے خیال رہے: کہ جیسے محبت کبھی طبعی ہوتی ہے کبھی عقلی' ایسے ہی عداوت طبعی بھی ہوتی ہے عقلی بھی۔ عارضی عداوت والے کو ایمان مل سکتا ہے مگر طبعی عداوت والے کو ایمان ہرگز نہیں مل سکتا۔ حضرت عمر حضور کو شہید کرنے گئے تھے' مگر ایمان مل گیا کہ ان کی مخالفت عارضی تھی۔ ابو جہل کو ایمان نہ ملا کہ اس کی عداوت ذاتی و اصلی تھی۔ یہاں عداوت اصلی مراد ہے۔ جو طعمہ کو تھی' اس لئے یہاں اس کی قید لگائی گئی یعنی جو شخص اسلام کی حقانیت معلوم کر لینے کے بعد پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہو کر مرتد ہو جائے۔ **ویتبع غیر سبیل المؤمنین**۔ یہ جملہ یا تو یشاقق کا ہی بیان ہے یا ارتداد کی دوسری صورت ہے۔ یعنی وہ مسلمانوں کی راہ کے سوا دوسرا راستہ اختیار کرے کہ مسلمان تو موحد ہیں۔ یہ مشرک بت پرست ہو جائے مسلمان تو مومن ہیں یہ کافر ہو جائے یا یہ مرتد اپنے کو مسلمان ہی کہتا رہے مگر اسلام میں وہ راستہ اختیار کرے جو مسلمانوں کے راہ کے خلاف ہے۔ مثلاً کہے کہ حضور آخری نبی نہیں آپ کے بعد اور نبی آ سکتے ہیں۔ یا کہے کہ یہ موجودہ قرآن مکمل نہیں اس کا کچھ حصہ صحابہ نے چھپا لیا ہے' یا کہے کہ پانچ نمازیں فرض نہیں صرف دو نمازیں ہیں' یا کہے کہ نماز ظہر دو رکعت فرض ہے کہ یہ تمام باتیں عام مسلمانوں کے عقائد کے خلاف ہیں۔ یعنی مسلمانوں کی راہ کے علاوہ اور کوئی راستہ اختیار کرے خیال رہے کہ مخالفت رسول علیحدہ

مستقل کفر ہے اور اجماع مسلمین کی مخالفت علیحدہ مستقل کفر ہے۔ چونکہ یہ دونوں چیزیں تاقیامت کفر کی جڑیں ہیں اس لئے رب تعالیٰ نے انہیں علیحدہ علیحدہ بیان فرمایا اور ان دونوں حرکتوں کو یکساں کفر قرار دیا۔ **نولہ ما تولی ونصلہ جھنم** یہ عبارت من کی جزاء ہے جس میں ارتداد کی دو سزاؤں کا ذکر ہوا ایک دنیاوی دوسری اخروی نولی بنا ہے تو لیت سے معنی والی بنانا یہاں مراد ہے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دینا اس کی دستگیری نہ فرمانا خود اسے اس کے اپنے اعمال کا ذمہ دار کر دینا **ماتولی** مفعول دوم ہے **نولہ** کا اور ما سے مراد وہ عقائد و اعمال ہیں جو اس مرتد نے اپنی رائے سے اختیار کر لئے یہ تو اس کا دنیاوی عذاب ہوا اور اخروی عذاب یہ ہے کہ نصلہ جہنم' دوزخ میں پہنچانے سے مراد ہے 'بعد قیامت وہاں پہنچنا کیونکہ کافر کی قبر میں دوزخ کی تپش وغیرہ آتی ہے وہ خود ابھی وہاں نہیں پہنچتا۔ یعنی ہم اس کو دنیا میں اس کے حال پر چھوڑ دیں گے جدھر جائے گا ادھری اسے جانے دیں گے اس کی دستگیری و رہبری نہ کریں گے۔ چرواہے کی حفاظت سے نکل کر ریوڑ سے الگ ہو جانے والی بکری اپنی خود ذمہ دار ہے بہت جلد شکار ہو جائے گی۔ پھر اسے دوزخ میں داخل کریں گے اللہ کی پناہ **وساءت مصیرا** یہ دوزخ کی حالت کا بیان ہے' مصیر کے معنی ہیں رجوع کرنے لوٹنے کی جگہ یعنی دوزخ بہت برا ٹھکانہ ہے اس سے بچو دنیا میں وہ راہ اختیار نہ کرو' جو دوزخ تک پہنچا دے۔

خلاصہ ء تفسیر : پچھلی آیت کے آخر میں بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کے آستانہ کو فضل و رحمت کا ڈپو و مرکز بنایا ہے جیسے سمندر پانی کا مرکز ہے سورج روشنی کا مرکز کھیت باغ دانہ و پھل کا مرکز کہ حضور کے آستانہ سے دنیا کو فضل و رحمت ملتا ہے اب بتایا جا رہا ہے کہ اس مرکز سے فضل و رحمت کون لے سکتا ہے کون نہیں لے سکتا۔ اگرچہ کنویں سے پانی ملتا ہے مگر اسے جو رسی ڈول گھڑا وغیرہ رکھتا ہو ایسے ہی حضور سے فضل ملتا ہے۔ مگر اسے جو عقیدہ' عقیدت اتباع سنت کے برتن رکھتا ہو چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اس منافق طعمہ اور اس کے حمایتیوں کی بہت سی تدبیروں' سرگوشیوں' مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں ان میں سخت برائی ہے کہ وہ بری باتوں کے مشورہ کرتے ہیں۔ مجرم کو چھڑانے بے قصور کو پھنسانے آپ سے غلط فیصلہ صادر کرانے کی تدبیریں سوچتے ہیں۔ لاخیر میں جنس خیر کی نفی فرما کر دنیا' برزخ آخرت کی تمام خیروں کی نفی کر دی یوں ہی بلاواسطہ اور بالواسطہ خیر کی نفی کر دی۔ مشورے ان کے فائدہ مند ہیں جو صدقہ دینے صدقہ دلانے اچھے کام کرنے اچھے کام کرانے اور لڑے ہوئے لوگوں میں صلح کرانے کی تدبیریں سوچنے کے لئے کئے جائیں ایسے مشورہ مبارک ہیں مشورہ کرنے والے اللہ کے مقبول ان کی یہ مجلسیں عبادت ہیں' جو کوئی اس قسم کے مشورہ نام نمود دکھلاوے عزت حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ رب تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کرے' ہم اس کو دنیا میں' قبر میں' آخرت میں' بہت بڑے ثواب عطا فرمائیں گے کہ دنیا والوں کے دلوں میں اس کی عزت قائم کریں گے' بعد موت اس کا ذکر خیر قائم رکھیں گے' بعد قیامت اس کو جنت کا اعلیٰ درجہ عطا کریں گے۔ خیال رہے کہ جیسے بارش سے بلاواسطہ خیر بھی ملتی ہے اور بالواسطہ خیر بھی حاصل ہوتی ہے پانی' تالاب بلاواسطہ خیر ہے اور پھل پھول بواسطہ باغ کے خیر ہے' دانہ غلہ بواسطہ کھیت خیر ہے کہ یہ سب کچھ بارش کا ہی فیض ہے اسی طرح حدیث و قرآن حضور کا بلاواسطہ فیض ہے اور مشائخ و علماء کے فیوض حضور کے بالواسطہ فیض ہیں' یہ دونوں قسم کے فیض انہیں کو ملیں گے کی خلوت و جلوت تنہائی اور جلسے حضور کے زیر فرمان ہوں اور جو شخص اس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف چلے کہ عقائد و اعمال ان کے مخالف اختیار کرے کھلا کافر بن جاوے۔ ایسے ہی جو شخص عام مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر کوئی اور راستہ

اختیار کرے اسلام میں رخنہ اندازی کرے اس کو دنیا میں تو یہ سزا ملے گی کہ ہم اس کی دستگیری چھوڑ دیں گے جدھر چلے گا اسے جانے دیں گے جس کی دستگیری ہم چھوڑ دیں پھر اس کے راہ پر آنے کی کیا صورت ہے اور آخرت میں یہ سزا دیں گے کہ اسے دوزخ میں داخل کریں گے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور دوزخ تو برا ٹھکانہ ہے اس سے بچنا چاہئے۔ چونکہ طعمہ نے اس موقعہ پر حضور ہی کے فیصلہ کو غلط کہا تھا قرآن کے خلاف بتایا تھا اس لئے یہاں صرف رسول کی مخالفت کا ذکر ہوا جو قرآن کی آڑ میں حضور کی مخالفت کرے وہ ابو جہل کے برابر سزا کا مستحق ہے۔ خیال رہے کہ ایمانی عقائد میں نبوت ایسی ہے جیسے درخت کے لئے جڑ مکان کے لئے بنیاد اور گاڑی کے لئے دھرا کہ نبی کی مخالفت سے توحید وغیرہ سارے ایمانیات محض بیکار ہیں۔ شیطان سارے عقائد کو مانتا ہے صرف نبوت کا انکاری ہے تو کفر کا مرکز بن گیا تمام آسمانی دین یہودیت عیسائیت وغیرہ مختلف دین ہیں صرف اس لئے کہ ان کے نبی مختلف ہیں' ورنہ سب دین والوں کا خدا جبریل ایک ہی ہے اسی طرح سب قیامت جنت دوزخ کو یکساں مانتے ہیں' معلوم ہوا کہ نبی بدل جانے سے دین بدل جاتا ہے مدار ایمان توحید وغیرہ نہیں صرف نبوت ہے ان وجوہ سے یہاں یشاقق الرسول فرمایا گیا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مشورے تین قسم کے ہیں جائز' ثواب اور حرام دنیاوی کاروبار کے لئے مشورے جائز ہیں۔ خدمت دین خدمت مسلمین کے لئے مشورے ثواب اور بہتر ہیں۔ اسلام کے خلاف یا مسلمانوں کو نقصان دینے کے لئے مشورے حرام ہیں' جیسا کہ **لا خیر فی کثیر** سے معلوم ہوا ان مشوروں میں حکومتوں کی کانفرنسیں۔ اسمبلیوں کے اجلاس قومی پنچائتیں' خانگی امور میں مشورے سب شامل ہیں یہ سب اگر نیک کاموں کے لئے ہیں' تو اچھے ہیں ورنہ برے' یہ آیت بہت چیزوں کو اپنے میں لئے ہوئے ہے۔ دوسرا فائدہ: بچھڑوں کو ملانا لڑے ہوؤں میں صلح کرانا بہترین عمل ہے جس کا بڑا ثواب ہے۔ دیکھو معروف میں ساری نیکیاں آگئی تھیں مگر پھر خصوصیت سے اصلاح بین الناس کا ذکر فرمایا ترمذی و ابو داؤد نے حضرت ابو الدرداء سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں تم کو ایسی چیز بتاؤں جو روزے' نماز' صدقہ سے افضل ہے عرض کیا گیا ہاں ضرور بتایئے فرمایا دو لڑے ہوؤں کو ملانا ہے' ترمذی میں یہ بھی ہے کہ فرمایا لوگوں کو لڑانا دین کی حجامت کر دیتا ہے' جس سے دین ختم ہو جاتا ہے۔ مسلم بخاری نے ام کلثوم بنت عقبہ ابن ابی معیط سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹا وہ شخص نہیں جو لڑے ہوئے میں صلح کرا دے مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین موقعہ پر خلاف واقعہ بات کہنے کی اجازت دی جنگ و جہاد کی حالت میں دوؤں میں صلح کرانے کے لئے اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لئے (تفسیر خازن) تیسرا فائدہ: ہر نیکی کا ثواب اخلاص سے ملتا ہے ریاکار کرنے کی بے مغز کا بادام ہے جس کی کوئی قیمت نہیں یہ فائدہ ابتغاء مرضات اللہ سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: جسے اسلام کی تبلیغ نہ پہنچی ہو اس پر شرعی احکام لازم نہیں اس کے لئے عقیدہ توحید ہی نجات کا ذریعہ ہے یہ فائدہ **من یشاقق الرسول** الخ سے حاصل ہوا کہ نبی کی مخالفت عذاب کا باعث ہے بے خبری میں مخالفت نہیں ہوتی۔ جس بدبخت کو حضور سے ذاتی عناد ہو جائے وہ کبھی ہدایت پر نہیں آسکتا جو غلط فہمی میں حضور کا مخالف ہوا اسے ایمان نصیب ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر کو ایمان عرفان سب کچھ میسر ہو گیا مگر ابو جہل بے ایمان ہی رہا ذاتی عناد والوں کے لئے ارشاد ہے **لا یؤمنون**۔ پانچواں فائدہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدہ میں مخالفت کفر ہے اعمال میں مخالفت فسق یہاں مخالفت فی العقیدہ مراد جیسا کہ نصلہ جہنم سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں کہ آپ سے گناہ سرزد ہو سکتا ہی نہیں کیونکہ گنہگار کی مخالفت واجب ہوتی ہے مگر یہاں حضور کی مطلقاً مخالفت کو جرم قرار دیا گیا اگر حضور سے گناہ کا صدور رہو تا تو کہا جاتا کہ اگر وہ گناہ کریں تو ان کی مخالفت کرنا غیر ممنوع باتوں میں ان کی اطاعت کرنا مگر حضور کی مخالفت کو قطعاً جرم قرار دیا (کبیر)۔ ساتواں فائدہ: حضور کے افعال واقوال سب میں حضور کی پیروی چاہئے جیسا کہ **من یشاقق الرسول** کے اطلاق سے معلوم ہوا (کبیر)۔ آٹھواں فائدہ: عالم کا گناہ جاہل کے گناہ سے سخت تر ہے کہ وہ جان بوجھ کر جرم کرتا ہے۔ جیسا کہ **من بعد ما تبین لہ الھدی** سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: شرعی مسائل دلائل سے معلوم کرنے چاہئیں نہ کہ محض اپنی رائے سے یہ فائدہ بھی تبین لہ الھدی سے حاصل ہوا (کبیر) اگر سب مسلمان عاشق' جانباز بن جائیں تو دین کو کون سنبھالے دین علماء سے قائم ہے۔ دسواں فائدہ: اجماع امت دلیل قطعی ہے اس کا انکار ویسا ہی کفر ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کفر ہے یہ فائدہ **ویتبع غیر سبیل المؤمنین** سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے مخالفت رسول اور مخالفت اجماع دونوں کی سزا جہنم قرار دی۔ لہٰذا خلافت صدیق وفاروق کا منکر قطعی کافر ہے کہ وہ اجماع صحابہ کا انکاری ہے۔ لطیفہ: کسی نے حضرت امام شافعی سے سوال کیا کہ حجیت اجماع پر کوئی قرآنی آیات پیش کیجئے' آپ نے تین بار مکمل قرآن کی تلاوت فرمائی' آخر میں آپ کی نظر اس آیت پر پڑی اور آپ نے یہ آیت پیش فرمائی (تفسیر کبیر' روح المعانی' خازن وغیرہ)۔ گیارھواں فائدہ: تقلید آئمہ ضروری ہے کیونکہ یہ عام مسلمانوں کا راستہ ہے۔ تمام اولیاء علماء محدثین' مفسرین مقلد ہوئے ان کی مخالفت کرکے غیر مقلد بننا مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راہ اختیار کرنا ہے اور اس آیت کے تحت داخل ہے۔ بارھواں فائدہ: اسی طرح میلاد شریف ختم بزرگان فاتحہ تمام امور خیر عام مسلمانوں کا راستہ ہے اسے حرام کہنا اس راستہ کو چھوڑنا ہے سرکار فرماتے ہیں' جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ تیرھواں فائدہ: حضور کی مخالفت کرنے والا مسلمانوں کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ چلنے والا مشکل سے ہی ہدایت پر آتا ہے اسے ہدایت نصیب نہیں ہوتی کیونکہ رحمت خداوندی اس کی دستگیری چھوڑ دیتی ہے وہ اس بکری کی طرح ہے جو ریوڑ سے دور مالک کی حفاظت سے علیحدہ ہو جائے اسے خدا ہی لائے تو ریوڑ میں آئے ورنہ وہ کسی شکاری کا شکار ہوگی یہ فائدہ نولہ ماتولی سے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی جماعت میں رکھے۔ چودھواں فائدہ: ہمیشہ وہی عقائد رکھو جو آج تک عام مسلمانوں کے ہیں عام اہل اسلام کے خلاف عقیدہ اختیار نہ کرو لہٰذا نمازیں پانچ ہی فرض مانو حضور کو آخری نبی مانو موجود قرآن کو مکمل کتاب اللہ مانو صحابہ کرام کو برحق مانو حضور کو شفیع المذنبین رحمتہ للعالمین مانو کہ یہ ہی مسلمانوں کے عقیدے ہیں۔ پندرھواں فائدہ: دنیا میں اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا غضب یہ ہے کہ انسان کو بے سایہ کر دیا جائے جیسے انسان جسمانی زندگی میں ہمیشہ کسی سایہ کا حاجت مند ہے کہ پیدا ہوتے ہیں ماں کی تربیت ہوش سنبھالتے ہی باپ کی تربیت کچھ آگے چل کر استاد کی تعلیم وہاں سے فارغ ہونے پر حکومت کا سایہ ضروری ہے اگر یہ سائے نہ ہوں تو اس کی زندگی برباد ہو جائے یوں ہی روحانی زندگی میں دینی عالم شیخ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ لازمی ہیں اگر کوئی ان کے سایہ سے نکل جائے تو ایسے کام کرے گا جو شیطان بھی نہ کر سکے۔ نولہ ماتولی کا مطلب یہ ہی ہے کہ اسے بے سایہ کر دیا جائے گا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں خصوصیت سے تین چیزوں کا ذکر کیوں فرمایا صدقہ' اچھائی کا حکم' دنیا لوگوں میں صلح کرانا

اور نیکیوں کا ذکر کیوں نہ فرمایا۔ **جواب:** اس لئے کہ یہ تین چیزیں تمام نیکیوں کی جڑ ہیں۔ کیونکہ نیکی و بھلائی دو قسم کی ہے دوسروں کو نفع پہنچانا اور دوسروں کو نقصان سے بچانا نفع جسمانی بھی ہوتا ہے اور روحانی بھی صدقہ نفع جسمانی ہے بھلائی کا حکم دینا نفع روحانی اور لڑوں کو اانا نقصان سے بچانا ہے ان تین چیزوں میں تمام بھلائیاں آگئیں (تفسیر کبیر)۔ **دوسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ یہاں فرمایا گیا **من یشاقق الرسول** دو قافوں میں ادغام نہ کیا گیا اور سورہ حشر میں فرمایا گیا **من یشاق اللہ** قاف کے ادغام سے۔ **جواب:** اس لئے کہ لفظ اللہ کے لئے الف لام لازم ہے اور الرسول کے لئے لازم نہیں اور لزوم لام ثقل کا سبب ہے اس لئے اللہ کے ساتھ قافوں کا ادغام رکھا گیا تاکہ اس خفت سے ثقل کو ہلکا کر دیا جائے یہاں چونکہ لام لازم نہیں تو ادغام کی خفت ضروری نہیں (تفسیر روح المعانی)۔ **تیسرا اعتراض:** سورہ انفال میں ہے **ومن یشاقق اللہ ورسولہ** وہاں لفظ اللہ کے ساتھ بھی ادغام دور کر دیا گیا کیا وجہ ہے۔ **جواب:** اس لئے کہ وہاں اللہ کے نام کے ساتھ الرسول بھی ہے۔ جس کے لئے لام لازم نہیں۔ وہاں اس خفت سے فائدہ حاصل فرمایا گیا (روح المعانی)۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص حضور کی بھی مخالفت کرے اور اجماع کی بھی وہ دوزخی ہے لہذا صرف اجماع کا منکر دوزخی نہ ہونا چاہئے کہ حضور کی مخالفت تو نہیں کر رہا ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی' دوسرا تحقیقی' جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر جو شخص صرف حضور کی مخالفت کرے وہ بھی گنہگار نہ ہو۔ کیونکہ دو کی مخالفت پر دوزخ کی وعید ہے وہ صرف ایک کی مخالفت کر رہا ہے تو چاہئے کہ ابوجہل ابولہب وغیرہ مجرم نہ ہوں کہ انہوں نے صرف حضور کی مخالفت کی تھی اجماع کی مخالفت نہ کی تھی کہ حضور کے زمانہ میں اجماع' مومنین منعقد نہیں ہو سکتا اجماع بعد کی چیز ہے کہ اجماع غیر منصوص پر ہوتا ہے اور اس زمانہ میں حضور حیات ہیں ہر مسئلہ سرکار سے پوچھا جا سکتا ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں واؤ افراد جمع کے لئے ہے نہ کہ مجموعی جمع کے لئے یعنی ان دونوں چیزوں پر علیحدہ علیحدہ' دوزخ کی وعید ہے نہ کہ دونوں کے مجموعہ پر لہذا مخالف رسول بھی دوزخی ہے اور مخالف اجماع بھی دوزخی۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس پر ہدایت ظاہر ہو جائے اگر وہ شخص رسول کی مخالفت یا اجماع کے خلاف کرے وہ دوزخی ہے تو کیا جس پر ہدایت ظاہر نہ ہوئی وہ مخالفت رسول کرے وہ دوزخی نہیں اگر ایسا ہے تو ابوجہل ابولہب وغیرہ دوزخی نہ ہونے چاہئیں کہ ان پر ہدایت ظاہر نہ ہوئی تھی' انہوں نے اس بے علمی میں حضور کی مخالفت کی تھی۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب تفسیر سے معلوم ہو گئے۔ ایک یہ کہ جس شخص تک نبوت کا نور نہ پہنچا ہو اسے کسی نبی کی تشریف آوری کی خبر ہی نہ ہوئی۔ اس کو عند اللہ معذور مانا جائے گا ان کی نجات کے لئے صرف عقیدہ توحید کافی ہے۔ جیسے حضور کے والدین کریمین یا اس زمانہ کے اور موحدین۔ جسے نبوت رسول کی خبر پہنچی پھر وہ مخالف رہا وہ دوزخی ہے دوسرے یہ کہ بے علم کا گناہ ہلکا ہے عالم کا گناہ بھاری یہاں سخت سزا کا ذکر ہے کہ وہ اس کو ہو گی جو علم ہدایت پہنچنے کے بعد رسول کی یا اجماع کی مخالفت کرے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت میں حضور کو رسول کیوں فرمایا؟ **ومن یشاقق الرسول** نبی یا مزمل وغیرہ کیوں نہ کہا۔ **جواب:** اس لئے کہ رسول کے معنی ہیں فیضان رساں جیسے گھر میں بجلی کا فٹنگ ہوتا ہے اور پاور ہاؤس میں پاور بنتا ہے تو پاور ہاؤس سے گھر تک پاور کا پہنچانا درمیانی تار کا کام جس کا ایک کنارہ پاور ہاؤس سے وابستہ ہے دوسرا ہمارے گھر سے اگر یہ تار کٹ جائے تو سارا فٹنگ بیکار ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام نعمتیں بنائیں۔ حضور نے پہنچائیں اگر حضور سے ہی کٹ جائے تو اس کی ساری عبادات بیکار ہیں رسول سے مخالفت گویا اس تار سے علیحدگی ہے اس لئے کلمہ میں حضور کو رسول اللہ فرمایا ہے نبی اللہ

نہیں کہا قرآن کریم میں بھی جہاں جہاں گواہی بشارت و نذارت کا ذکر ہے وہاں حضور کو نبی کہا ہے **یا ایھا النبی انا ارسلنا ک شاھدا** اور جہاں اطاعت یا بھیجنے کا ذکر ہے وہاں رسول کہا **لقد جاء کم رسول** اور **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول** وغیرہ کیونکہ نبی کی معنی ہیں فرمان رساں اور رسول کے معنی ہیں فیضان رساں فرمان اور فیضان کے فرق کا خیال رکھو۔

تفسیر صوفیانہ : رب تعالیٰ نے ہم کو ظاہری و باطنی بہت سے اعضاء دیئے ہیں اور ہر عضو کے گناہ بھی بہت ہیں نیکیاں بھی بہت دماغ کا کام ہے سوچنا یہ سوچنا گناہ بھی ہے عبادت بھی تنہائی میں سوچنے کا نام فکر ہے اور جماعت میں سوچنے کا نام نجویٰ (مشورہ) قرآن کریم نے رب کی صفت حضور کی صفات سوچنے کا حکم دیا کہ فرمایا **ویتفکرون فی خلق السموت والارض** حضور کی صفات سوچنے کی تاکید فرمائی کہ فرمایا **ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنتہ** ایک ساعت کی فکر ہزار برس کے ذکر سے افضل ہے نجویٰ کا بھی حکم دیا یہ آیت ان آیات میں سے ایک ہے جن میں نجویٰ کی برائی بھی کی گئی اور تعریف بھی اچھی نیت کی میٹنگ اچھی ہے بری نیت کی کمیٹی بری۔ دنیا کی ہر چیز زہر ہے اللہ رسول کی اطاعت اس کا تریاق دنیا کی کمیٹیاں مشورے مجلسیں اگر اطاعت اللہ و رسول کے ماتحت نہیں وہ سب وبال ہیں جن کا انجام برا ہے اور جن مشوروں کمیٹیوں میں اطاعت اللہ رسول ہو وہ اللہ کی رحمت ہیں اخلاص جڑ ہے اعمال شاخیں بغیر جڑ کے صرف شاخوں سے پھل نہیں ملتا ایسے ہی بغیر اخلاص عمل میں ثواب یا قبولیت کا پھل نہیں لگتا اس لئے یہاں فرمایا گیا **ابتغاء مرضات اللہ** کہ مومن جو کام بھی کرے رضاء الٰہی کی تلاش کے لئے کرے ریاکار پروردگار سے جزا نہیں مانگ سکتا کہ وہ کام تو کرتا ہے دنیا والوں کے لئے جزا خدا سے کیسے چاہے جس کا کام کرے اسی سے مزدوری لے شیخ سعدی قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

گرت بیخ اخلاص در بوم نیست از یں در کسے چوں تو محروم نیست
زعمرو اے پسر چشم اجرت مدار چو در خانہ زید باشی بکار!

اللہ رسول کی مزدوری کرو ان سے مزدوری ملے گی اللہ تعالیٰ اخلاص نصیب کرے اخلاص بھی اس کے کرم سے ملتا ہے مخلص کے لئے وعدہ ہے کہ ہم اسے اجر عظیم دیں گے صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس و شیطان سے مشورے نہ کرو ان کے مشوروں میں خیر نہیں وہ تو برائیوں کا ہی مشورہ دیں گے بلکہ اللہ رسول سے مشورے کرو کہ وہ تم کو صدقات خیرات اچھے کام اور اصلاح کا مشورہ دیں گے۔ خواہ فرشتہ کے ذریعہ یا بلاواسطہ الہام فرما کر کبھی الہام کا شعور بندے کو نہیں ہوتا کبھی ہو جاتا ہے جب دل میں اچھا ارادہ پیدا ہو تو سمجھو کہ یہ اللہ رسول کی طرف سے ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا بھیڑیوں کا جنگل ہے ہم لوگ بھولی بھیڑیں ہیں مسلمانوں کی جماعت ہمارا گلہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے محافظ شریعت اسلامیہ ہماری پناہ گاہ جب تک ہم حضور کی حفاظت میں اسلام کی پناہ میں مسلمانوں کے گلہ میں رہیں گے ان شکاری بھیڑیوں سے محفوظ رہیں گے اور جب ان سے علیحدہ ہوئے شکار بن جائیں گے اور جہنم میں جائیں گے خود ہمارا نفس ہمارے لئے اندرونی بھیڑیا اور شیطان بیرونی شیر جو ہر وقت ہمارے ساتھ ہماری تاک میں لگے ہیں۔ ان کے سوا برے یار بے دین عالم بے ایمان پیر فقیر ہزاروں دشمن ہیں۔ ہم اکیلے شکاری بہت اللہ اس جنگل سے بخیریت نکالے اسی لئے یہاں ارشاد ہوا کہ جو رسول کی مخالفت کرے مسلمانوں کی راہ کے سوا اور راہ اختیار کرے اسے ہم

اسی راہ پر چھوڑ دیں گے پھر دوزخ میں پہنچائیں گے قرآن کریم نے یہ ایسا عمل بتایا ہے۔ جس سے ہم ہر بے دین سے بچ سکتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کے نام جگہ اور مقام کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ ایک شخص کچہری میں حاکم ہے قاضی ہے اور مسجد میں نمازی کہلاتا ہے۔ گھر پہنچ کر اسے بچے ابا جی کہہ کر پکارتے ہیں۔ ایسے ہی حضور دنیا میں آئے تو نبی ہیں رسول ہیں قرآن نے انہیں ان ہی ناموں سے پکارا مگر جب معراج میں گئے تو عبدہ کے نام سے پکارے گئے سبحان الذی اسریٰ بعبدہ۔ چونکہ مخالفت کا ذکر تھا اور حضور کے مخالفوں کے عذاب کا تذکرہ اس لئے انہیں رسول فرمایا ومن یشاقق الرسول دنیا حضور کا دفتر ہے وہ عالم حضور کا اپنا گھر خیال رکھو کہ رسول سے۔ جس کا ذاتی عناد ہو گا وہ کبھی ہدایت پر نہیں آسکتا عارضی عناد والے کو ہدایت مل سکتی ہے۔ گیلی لکڑی سے تری نکل جائے وہ آگ میں جل سکتی ہے۔ پتھر کیا جلے عارضی عناد والوں کا عناد اچھی صحبت قرآن کی تلاوت وغیرہ سے دور ہو سکتا ہے حضرت عمر قرآن کی سورت سن کر تڑپ گئے وہ عناد کی رطوبت نکل گئی مومن ہو گئے۔

نمی دانی کہ سوز قرات تو دگر گوں کو تقدیر عمر را

اس لئے فرمایا من بعد ما تبین لہ الھدیٰ۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ
بے شک اللہ نہیں بخشتا یہ کہ کفر کیا جاوے اس کے ساتھ اور بخشدے گا اس سے کم جسے چاہے گا
اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جاوے اور اس کے نیچے جسے چاہے معاف فرما
يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ
اور جس نے کفر کیا اللہ کا بس بے شک وہ گمراہ ہوا دور کی گمراہی نہیں
دیتا اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ دور کی گمراہی میں پڑا یہ شرک والے
يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾
عبادت کرتے وہ اللہ کے سوا مگر عورتوں کی اور نہیں عبادت کرتے مگر سرکش شیطان کی
اللہ کے سوا نہیں پوجتے مگر عورتوں کو اور نہیں پوجتے مگر سرکش شیطان
لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾
اللہ نے اسے پھٹکار دیا اور بولا کہ میں لوں گا تیرے بندوں میں سے حصہ علیحدہ کیا ہوا
کو جس پر اللہ نے لعنت کی اور بولا قسم ہے میں ضرور تیرے بندوں میں سے کچھ ٹھہرایا ہوا حصہ لوں گا

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں غلط مشورے کرنے کا بھی ذکر ہوا تھا اور حضور کی مخالفت کا بھی اب ارشاد ہو رہا ہے کہ غلط و ناجائز مشورے قابل معافی گناہ ہیں کہ یہ فسق ہیں۔ مگر ہمارے رسول کی مخالفت ناقابل معافی گناہ ہے کہ یہ شرک یعنی کفر ہے گویا پہلے گناہوں کا ذکر تھا اب ان کے درجوں کا۔ دوسرا تعلق: پچھلی

آیت میں مخالفت رسول کی سزا کاذکر تھا اب فرمایا جارہا ہے کہ مخالف رسول کو یہ سزا ضرور ملے گی اسے بخشا نہ جائے گا کہ یہ جرم قابل معافی نہیں۔ **تیسرا فائدہ:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ رسول کی مخالفت اجماع مسلمین سے علیحدگی اختیار کرنے والا دوزخ کے قابل ہے اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ ایسا آدمی شیطان کا پجاری وہاں ہی جائے گا۔ جہاں شیطان جائے گا۔

شان نزول : سیدنا عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک بوڑھا آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا بولا یا رسول اللہ میں عمر بھر گناہوں میں گرفتار رہا مگر جب سے میں اللہ پر ایمان لایا میں نے اس کا کوئی شریک نہیں ٹھہرایا اور میں نے گناہ کئے مگر اللہ پر دلیری کر کے نہ کئے بلکہ غلطی سے کئے کبھی میرے دل میں یہ وہم بھی نہ گذرا کہ میں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بھاگ سکتا ہوں میں اب توبہ کرتا ہوں اپنے گناہوں پر نادم ہوں فرمایا جائے میرا کیا حال ہو گا۔ اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں اس کی مغفرت کی بشارت دی گئی (تفسیر خازن' روح البیان' روح المعانی' بیضاوی وغیرہ)۔

تفسیر : ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ۔ یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی گویا دلیل ہے پہلے ارشاد ہوا تھا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اور اجماع امت کے خلاف چلے وہ دوزخی ہے اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ حرکت کفر ہے اور کفر ناقابل معافی گناہ چونکہ اہل عرب عموماً" شرک کے عادی تھے ان سے شرک چھوڑانا بڑا اہم تھا اور مسلمان اس آیت میں دھوکا کھا سکتے تھے اس لئے اسے ان' سے شروع فرمایا گیا۔ نیز چونکہ کوئی کہہ سکتا تھا کہ اتنے بڑے بڑے گناہ کیسے بخشے جاسکتے ہیں۔ کہ سواء کفر کے باقی سارے گناہ عمر بھر کی بدکاریاں پل بھر میں معاف ہو جائیں۔ لہذا ان' فرما کر یہ وہم دور کر دیا گیا کہ یہ بخشش شک کے لائق نہیں گنہگار گندے ہیں رب کی رحمت سمندر گندے آدمی کے غسل کرنے سے سمندر ناپاک نہیں ہوتا البتہ گندا پاک ہو جاتا ہے' مشرک نجس العین ہے۔ جیسے گوبر وہ اس سمندر سے بھی پاک نہیں ہو سکتا بہرحال ان فرمانے میں بہت حکمتیں ہیں۔ **لا یغفر** استقبال کے لئے ہے یعنی قیامت میں نہ بخشے گا دنیا میں جو مشرک توبہ کر لے اسے بخش دیتا ہے' شرک سے مراد ہے **یکفر بہ** شرک بمعنی کفر ہے نوع بول کر جنس مراد لی گئی یا جزء فرما کر کل کیونکہ کوئی کفر قابل بخشش نہیں خواہ شرک ہو خواہ رب کا انکار خواہ قرآن یا نبی کا انکار لہذا دہریئے' عیسائی' یہودی' آریہ وغیرہ کوئی کافر ہرگز نہ بخشا جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ فساد عقیدہ اگر کفر تک پہنچ جائے تو اس کی بخشش نہیں یہاں بھی شرک سے کفر مراد ہے اور آیت کریمہ **لا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا** میں بھی شرک سے مراد کفر ہے کہ مومنہ عورت کا نکاح کسی کافر مرد سے درست نہیں۔ خواہ عیسائی یہودی ہو خواہ آریہ یا ہندو ہو یوں ہی **ما کان للمشرکین ان یعمروا مسجد اللہ** میں بھی مشرکین سے کفار مراد ہیں۔ یہ بات خوب خیال میں رکھو' یہاں بہت لوگوں نے دھوکہ کھایا ہے۔ نیز شرک ناقابل معافی جب ہے جبکہ مشرک بغیر توبہ مرجائے جیسا کہ **لا یغفر** مستقبل فرمانے سے معلوم ہوا موت سے پہلے توبہ کرے معاف ہے کہ اب وہ مشرک نہ رہا رب فرماتا ہے **قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفرلھم ما قد سلف** وہ آیت اس آیت کو واضح فرما رہی ہے۔ **و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء** یہاں بھی **یغفر** مستقبل ہے ما سے مراد تمام گناہ اور تمام بدعقیدگیاں ہیں جو حد کفر تک نہ پہنچی ہوں **دون** بمعنی سوا' یا بمعنی کم ہے ذالک سے اشارہ شرک یعنی کفر کی طرف ہے اگرچہ اس کا ذکر ابھی ہوا مگر چونکہ کفر و شرک بندے کی شان سے بہت دور ہے'۔ اس لئے **ذالک** اشارہ بعید فرمایا گیا من سے مراد گنہگار بندہ ہے یعنی کفر سے کم جو گناہ یا بدعقیدگی ہے اللہ اسے

بخش دے گا جسے چاہے گا جسے نہ چاہے گا نہ بخشے گا بلکہ عذاب دے کر پاک وصاف فرما کر جنت میں بھیجے گا۔ کیونکہ کافر کے سواء کسی کو دوزخ میں ہمیشگی نہیں۔ **ومن یشرک باللہ فقد ضل ضللا بعیدا** من سے مراد ہر جن وانس ہے یشرک شرک سے بنا بمعنی حصہ اور برابری رب فرماتا ہے **ام لھم شرک فی السموٰت** شریعت میں شرک کے معنی ہیں کسی کو رب کے برابر اونچا سمجھنا یا رب کو کسی کے برابر نیچا سمجھنا' حصہ دار جاننا مشرکین عرب تین قسم کے شرک کرتے تھے' فرشتوں اور بعض بتوں کو رب کی بیوی بچے مانتے تھے بیوی اولاد جنس وقوم میں باپ کے برابر ہوتے ہیں۔ 2 بعض بتوں کو مستقل خالق و مالک مانتے تھے۔ خالق خیر خدا کو کہتے ہیں اور خالق شر اہرمن کو' 3 بعض مشرک کہتے تھے کہ رب تعالیٰ عالم بنا کر تھک گیا۔ اب عالم چلانے والے ہمارے بعض بت ہیں ان کی تردید میں رب نے فرمایا **ولم یکن لہ کفوا احد** اور فرمایا **خالق کل شئی** اور فرمایا **ما مسنا من لغوب** بہرحال شرک کا دارومدار رب سے ہمسری وبرابری پر ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **بربھم یعدلون** اور فرماتا ہے **اذ نسویکم برب العلمین** بغیر برابری کے عقیدے کے شرک نہیں ہوتا۔ کرایہ دار مالک مکان کا نہ حصہ دار ہوتا ہے نہ شریک یہاں شرک میں یہ تینوں قسم کے شرک مراد ہیں پھر خواہ کسی انسان کو رب کے برابر مانے یا کسی اور چیز کو ایک کو شریک مانے یا بہت کو سب ہی ایک لفظ میں شامل ہیں۔ جیسا کہ تفسیر روح المعانی نے اس کی طرف اشارہ کیا **ضل ضلال** سے بنا ضلال کی تحقیق سورہ فاتحہ میں **ولا الضالین** کی تفسیر میں ہوچکی۔ بعید کے معنی ہیں دور عقل سے دور یا ہدایت سے دور کیونکہ مشرک اپنی عقل سے اتنا نہیں سمجھتا کہ ہمیشہ کثرت کی انتہا وحدت پر ہوتی ہے درخت کے پتوں وشاخوں' پھل پھولوں کی انتہاء ایک جڑ پر ہے بہت تاروں کی انتہا ایک سورج پر' جسم کے بہت اعضاء کی انتہا ایک دل پر خاندان کی انتہاء ایک مورث اعلیٰ پر نمازیوں کی انتہاء ایک امام پر ملک کی رعایا کی انتہاء' ایک بادشاہ یا صدر پر ہے تو چاہئے کہ مخلوق کی انتہاء' ایک خالق پر ہو اگر خالق بھی چند ہوں تو اس کے لئے اور خالق ماننا پڑے' نیز مشرک یہ نہیں سمجھتا کہ ہم کو خالق کی حاجت اس لئے ہے کہ ہم غنی نہیں محتاج ہیں۔ تو جس کو وہ پوجتا ہے وہ بھی ہماری طرح ہی محتاج ہے تو وہ معبود یا خالق کیسے بن گیا جب وجہ مخلوقیت مشترک ہے تو مخلوقیت بھی مشترک چاہئے۔ یا رب کی رحمت سے دور یا جنت کی راہ سے بہت دور یا ایمان سے دور یعنی جس شخص نے کسی قسم کا کفر و شرک کیا وہ دور کی گمراہی میں گرفتار ہوا۔ جنت وغیرہ سے دوری کے بہت مرتبے ہیں ان سب میں شرک سب سے بدتر ہے۔ خیال رہے کہ گناہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو وہ بندے کو خدا تعالیٰ کی رحمت سے محجوب تو کردیتا ہے۔ دور نہیں کرتا مگر شرک و کفر رحمت الٰہی سے بندہ کو بہت دور کردیتے ہیں۔ سورج اگر بادل کی حجاب میں آجائے تو اگرچہ دھوپ نہ رہے گی۔ مگر دن رہے گا مگر جب ڈوب جائے اور دور ہو جائے تو رات ہو جائے گی۔ بچہ پیشاب پاخانہ قے کردے بیمار ہو جائے مگر ماں کی گود سے دور نہ ہو جائے گا۔ صاف کرنے کے لئے عارضی طور پر دور کرے گی پھر گود میں لے لے گی۔ مگر جب مرجائے تو گود سے دور ہو کر گور یعنی قبر میں پہنچ جائے گا۔ یوں ہی بندہ مومن کیسا ہی گنہگار ہو مگر رحمت الٰہی کی آغوش سے دور نہ ہوگا کفر کرے گا دور ہو جائے گا۔

ان یدعون من دونہ الا انثا اس میں ضلال بعید کا بیان ہے ان نافیہ ہے۔ **یدعون** بمعنی **یعبدون** ہے کیونکہ پجاری پوجا کے وقت بتوں کو پکارا جاتا ہے اور ضرورتوں مصیبتوں میں اس کی پکار کو ذریعہ نجات سمجھتا ہے (معانی' روح البیان' تفسیر کبیر' خازن بیضاوی وغیرہ) **یدعون** کا فاعل کفار عرب ہیں **دونہ** کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے **دون** بمعنی سواء ہے یا بمعنی مقابل کیونکہ خدا کے سوا جس کی عبادت کی جائے اسے خدا تعالیٰ کا مقابل مان لیا جاتا ہے **انا ثا**' **انثی** بمعنی عورت کی جمع ہے عرب

کے ہر قبیلہ کا بت علیحدہ تھا۔ ان بتوں میں اکثر عورتوں کے نام پر تھے جیسے لات الٰہ کا مونث عزیٰ عزیز کا مونث' حضرت عائشہ صدیقہ کی قراءت میں **الا اوثانا** ہے اور حضرت ابن عباس کی روایت میں **الا اثنا** جمع وثن جیسے اسد کی جمع اسد بعض کے نزدیک وثن اصل میں اثن تھا ہمزہ واؤ سے بدل گیا بعض کے نزدیک اس کے برعکس ہے۔ اثنا اصل میں اثہ تھا۔ واؤ ہمزہ سے بدل گیا جیسے اقتت اصل میں وقتت تھا۔ مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی لڑکیاں سمجھ کر پوجتے تھے اور جو بت مردوں کے نام پر تھے جیسے ہبل' ود' سواع' ذا الخلصہ انہیں بھی عورتوں کی طرح زیوروں سے آراستہ کرتے تھے۔ نیز وہ پتھروں' چاند سورج' تاروں کو عورت سمجھ کر پوجتے تھے۔ نیز بے جان بے عقل چیزوں کو عربی میں مثل عورت کے مانا جاتا ہے اسی لئے ان کی طرف ضمیر مونث لوٹتی ہے۔ اب بھی ہندو رام چندر کرشن کے بتوں کو زیور پہناتے ہیں۔ کالی دیوی کو عورت مانتے ہیں۔ زمین ہند کو بھارت ماتا کہتے ہیں۔ لہٰذا یہ آیت کریمہ بالکل برحق ہے کہ یہ بے عقل مرد ہو کر عورتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ **وان یدعون الا شیطانا مریدا**۔ یہاں یا تو **یدعون** بمعنی **یطیعون** ہے یا **یدعون** اپنے ہی معنی میں ہے اور یہاں حقیقت کا ذکر ہے یعنی ان بتوں کی عبادت میں وہ شیطان کی اطاعت کرتے ہیں یا در حقیقت وہ شیطان کو پوجتے ہیں کہ ہر بت کے پاس شیطان ہوتا ہے یہ بت کو سجدہ کرتے ہیں۔ جو در حقیقت شیطان کو ہوتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ شیطان سے مراد ابلیس ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد قرین شیطان ہو' یا وہ شیطان جو بتوں کے پاس رہتے ہیں مرید اور متمرد سب کے معنی ہیں سرکش یہ الفاظ مرد سے بنے۔ بمعنی چکنا صاف' خالی اس لئے بے داڑھی والے بچہ کو امرد کہتے ہیں۔ جس درخت کے پتے جھڑ گئے ہوں اسے مردہ کہا جاتا ہے' صاف چکنے پتھر کو مرد کہا جاتا ہے' صرح ممرد من قواریر سخت سرکش کو مرید اس لئے کہتے ہیں کہ وہ چکنے پتھر کی طرح ہے جہاں کوئی چیز نہ ٹھہرتی ہے نہ کوئی دانہ اس پر اگتا ہے۔ ایسے ہی اس سرکش کے دل میں نصیحت اثر نہیں کرتی (کبیر و روح المعانی وغیرہ) **لعنہ اللہ** یہ عبارت شیطان کی دوسری صفت ہے۔ بعض نے فرمایا یہ دعائیہ عبارت ہے اظہار غضب کے لئے یعنی خدا تعالیٰ نے اس شیطان پر لعنت فرمائی ہے یا لعنت فرمائے لعنت جب حق تعالیٰ کا فعل ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں رحمت سے دور کر دینا اور جب بندوں کی طرف منسوب ہو بندے اس کا فاعل ہوں تو معنی ہوتے ہیں دوری رحمت کی بددعا کرنا' بہر حال اس کے معنی ہیں پھٹکار۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان بے راندہ بارگاہ رب کا دھتکارا' پھٹکارا ہوا تو جو اس کا دوست یا پجاری ہو گا وہ بھی اس کی طرح پھٹکارا ہو گا۔ **وقال لا تخذن من عبادک نصیبا مفروضا**۔ یہ جملہ پہلے جملہ **لعنہ اللہ** پر معطوف ہے۔ اس میں شیطان کی انسان دشمنی کا ذکر ہے۔ اگرچہ جنات کفار بھی شیطان کے بہکانے سے ہی بہکتے ہیں مگر اس کی اصل عداوت انسانوں سے ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی وجہ سے پھٹکارا گیا اس لئے یہاں عبادک سے مراد انسان ہیں چونکہ شیطان جانتا تھا کہ سارے انسان میرے بہکائے نہ بہکیں گے اس لئے اس نے من تبعیضیہ کہہ کر ظاہر کر دیا کہ تیرے بعض انسانوں کو بہکا سکوں گا۔ خیال رہے کہ شیطان بہکاتا سب کو ہے مگر بہکتے ہیں بعض انسان ہی اس کی حصہ میں بعض ہی آتے ہیں۔ اس لئے نصیب یعنی حصہ کہتے ہوئے **من عبادک** کہا نصیب نصب سے بنا بمعنی قائم کرنا نصیب قائم ہوا حصہ مفروض بنا ہے فرض سے بمعنی کاٹنا قطع کرنا اس لئے نہر کے کٹے ہوئے حصہ کو فرضہ کہتے ہیں۔ کمان کی تانت کے ٹکڑے کو فرضۃ القوس کہا جاتا ہے لازم کی ہوئی عبادت کو فرض کہا جاتا ہے کہ اس میں بندوں کا اختیار قطع کر دیا گیا ہے' کر لازم کر دیا گیا لہٰذا مفروض کے معنی ہوئے کاٹا ہوا علیحدہ کیا ہوا حصہ۔ یعنی تیرے بندوں انسانوں میں سے کچھ حصہ میں لے لوں گا۔ جو تیرے نیک بندوں سے کٹ جائیں گے الگ ہو جائیں

گے' فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ حصہ فی ہزار نو سو ننانوے ہیں۔ یعنی ہزار انسانوں میں سے ایک مومن ہے اور نو سو ننانوے کافر ایک انسان اللہ کا ہے' باقی نو سو ننانوے شیطان کے (کبیر و روح المعانی) خیال رہے کہ یہ نو سو ننانوے مع یاجوج و ماجوج کے ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ سارے مومن اس ایک میں ہی داخل ہیں۔

خلاصہء تفسیر : اللہ تعالیٰ قیامت میں شرک یعنی کفر کو ہرگز نہ بخشے گا کہ جو بندہ کافر ہو کر مرے وہ کسی طرح نہ بخشا جائے گا۔ کفر کے سواء سارے گناہ ساری بد عقیدگیاں جو کفر تک نہ پہنچی ہوں وہ جسے چاہے گا بخش دے گا۔ لہٰذا کوئی بندہ کفر نہ کرے اس سے بہت ڈرے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا اس کا انکار کیا وہ ایسی گمراہی میں مبتلا ہوا جو اللہ کی رحمت' جنت' بخشش' بلکہ انسانیت و عقل سے بہت دور ہے' عقل انسانی کا تقاضا ہے کہ جس کا کھایا جائے اس کا گایا جائے یہ بے عقل کھاتا ہے اللہ کا گاتا ہے دوسرے کا۔ مشرکین جو خدا کے سواء اور کی پرستش کرتے ہیں وہ عورتوں ہی کو پوجتے ہیں کہ عورتوں کے نام کے بت بناتے ہیں اور جن مردوں کے نام کے بت ہیں انہیں بھی زیور پہنا کر عورتوں کی طرح سجاتے ہیں۔ پھر ان کی پوجا کرتے ہیں' فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مان کر پوجتے ہیں' چاند' سورج' تارے' پتھروں' درختوں' پانیوں کو جانوروں کو پوجتے ہیں۔ جو عورتوں کی طرح محکوم ہیں اس لئے ان کی طرف عربی میں ضمیر مونث' لوٹائی جاتی ہے' یہ کفار ان کی پرستش میں در حقیقت شیطان کی پرستش کرتے ہیں کہ شیطان ہی ان سے یہ پرستش کراتا ہے اور ان کے بتوں کے پاس وہ موجود ہوتا ہے' یہ تو شیطان کو پوجتے ہیں اور شیطان کا حال یہ ہے کہ وہ رب کی بارگاہ کا سرکش ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے پھٹکار فرمائی ہے لہٰذا جو انسان اس کی پرستش کرے گا وہ اس کی طرح رب کی پھٹکار میں آجائے گا اور شیطان انسان کا ایسا کھلا دشمن ہے کہ اس نے مردود ہوتے وقت ہی بارگاہ الٰہی میں عرض کر دیا تھا کہ میں انسانوں میں سے اپنا حصہ علیحدہ کرلوں گا جو تجھ سے دور اور تیرے بندوں سے الگ ہو جائیں گے وہ تو ان کا ایسا پکا دشمن ہے اور یہ اس کی اطاعت میں مشغول ہیں کیسے بے وقوف ہیں۔ خیال رہے کہ شرک کا دار صرف ایک چیز پر ہے کہ کسی کو خدا تعالیٰ کے برابر سمجھنا یعنی اسے رب سے بے نیاز جاننا یا رب تعالیٰ کو اس کا نیاز مند ماننا فرماتا ہے۔ **اللہ الغنی وانتم الفقراء** اس کے سواء کوئی بد عقیدگی شرک نہیں۔ کفر کے معنی ہیں کسی ایسے عقیدے کا انکار کرنا جس کو ماننا مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے۔ لہٰذا رب تعالیٰ کی ہستی یا نبی کی نبوت یا قیامت یا کتاب الٰہی یا جنت دوزخ فرشتوں وغیرہ کا انکار کفر ہے شرک نہیں اس لئے رب تعالیٰ نے شیطان کو کافر تو فرمایا مشرک نہ فرمایا چنانچہ ارشاد ہو **وکان من الکفرین۔** کیونکہ وہ نبوت کا انکاری تھا کسی کو خدا تعالیٰ کے برابر نہ جانتا تھا۔ یہ بھی خیال رہے کہ شرک کے لئے بے علمی عذر نہیں مگر کفریات کے لئے ان لوگوں کی بے علمی عذر ہے جنہیں نبی کی تعلیم نہ پہنچی ہو لہٰذا ظہور اسلام سے پہلے والے لوگوں پر عقیدہ توحید ضروری تھا اس کے علاوہ کسی چیز کا ماننا لازم نہ تھا۔ کفر و شرک کا یہ فرق ضرور خیال میں رہے۔ کفر و شرک دونوں ناقابل معافی جرم ہیں۔ بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز رب فرماتا ہے۔ **قل ما کنت بدعا من الرسل** اس لئے ایجاد کو بدع اور موجد کو بدیع کہا جاتا ہے' بدیع السموات والارض شریعت میں بدعت عملی یہ چھ قسم کی ہے' بدعت جائزہ جیسے اعلیٰ مکان اعلیٰ لباس و غذائیں بدعت مستحب جیسے شاندار مسجدیں قرآن کریم کی اعلیٰ جلدیں بدعت واجبہ صرف و نحو وغیرہ علوم میں مدد بدعت فرض جیسے قرآن کا جمع کرنا اس میں اعراب لگانا بدعت مکروہ' بدعت حرام' جیسے اردو زبان میں نماز' اذان' تلاوت بدعت عام ہے دنیاوی چیزیں یا دینی اور زمانہ صحابہ کی ایجاد ہوں یا بعد کی دیکھو ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جو بد عقیدگی کفر تک پہنچ جائے اور بندہ اس سے توبہ کئے بغیر مر جائے وہ ہرگز معافی کے قابل نہیں اس کی بخشش نہیں ہو سکتی جیسا کہ **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** کفار مردوں کو مرحوم یا مغفور یا غفرلہ یا رحمتہ اللہ علیہ کہنا ان کے لئے دعاء مغفرت کرنا انہیں ایصال ثواب کرنا ان کے نام کے ختم فاتحہ کرنا حرام ہے ان کی نماز جنازہ پڑھنا حرام ہے کہ ان سب میں ان کفار کے لئے دعاء مغفرت ہے اور کفار مغفرت کے لائق نہیں۔ ناممکن چیز کی دعا مانگنا حرام ہے۔ اس سے وہ مسلمان عبرت پکڑیں جو مشرکین و کفار کی خوشامد میں ہندو لیڈروں کو مرحوم یا جنتی یا بیکنٹھ باشی کہتے ہیں یا ان کے لئے ختم وغیرہ پڑھتے ہیں۔ رب تعالیٰ غیرت ایمانی نصیب کرے۔ **تیسرا فائدہ:** کفر کے سواء سارے گناہ قابل معافی ہیں خواہ گناہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد اگرچہ ان میں سے ہر قسم کی معافی کا طریقہ علیحدہ ہوگا۔ مثلاً حقوق العباد کی معافی کا طریقہ یہ ہوگا کہ رب تعالیٰ صاحب حق سے معافی دلوا دے گا۔ **چوتھا فائدہ:** گناہوں کی معافی کی اللہ کے کرم سے امید رکھنی چاہئے یقین نہیں کرنا چاہئے۔ لہذا رب سے خوف بھی رکھو امید بھی جیسا کہ لمن یشاء' سے معلوم ہوا۔ یہ آیت گناہوں پر دلیر نہیں کر رہی ہے بلکہ گناہوں سے روک رہی ہے' **پانچواں فائدہ:** خلف وعدہ ناممکن ہے مگر خلف وعید جائز بلکہ واقع ہے 'خلف وعدہ جھوٹ ہے خلف وعید کرم و مہربانی بلکہ معافی کو خلف وعید صرف ظاہرا" کہا جاتا ہے۔ حقیقت میں یہ خلف وعید نہیں کہ تمام وعیدیں رب کی مشیت پر موقوف ہیں چاہے بخشے چاہے نہ بخشے۔ **چھٹا فائدہ:** حضور کو چھوڑ کر جو راستہ بھی اختیار کیا جائے وہ گمراہی ہے اور اس میں شیطان کی پیروی جیسا کہ **ان یدعون** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** عورت پرستی زن مریدی طریقہ کفار ہے کہ ان کے اکثر معبود عورتیں ہیں اور جن مردوں کی بھی وہ پوجا کرتے ہیں انہیں بھی عورتوں کی طرح ہی سجا بنا کر پوجتے ہیں۔ اپنے ملک و زمین کو عورت تصور کرتے ہیں۔ آج کل زن پرستی فیشن بن چکی ہے حتی کہ دوکانوں مکانوں کو عورتوں کے فوٹوؤں سے سجاتے ہیں۔ گھروں میں مردوں پر عورتوں کا راج ہے عورتیں کار مختار ہیں۔ یہ سب زن پرستی ہے۔ جو ہم نے عیسائیوں سے سیکھی۔ **آٹھواں فائدہ:** تقیہ ایسی بری لعنت ہے کہ رب کے سامنے شیطان نے بھی نہ کیا اس نے وہی کہا جو اسے کرنا تھا جو شخص دعویٰ اسلام کر کے تقیہ کرے وہ شیطان سے بھی زیادہ بیوقوف ہے۔ **نواں فائدہ:** بری جگہ شیاطین کا مسکن ہیں اور اچھی جگہ رحمٰن کی تجلی گاہ رب سے ملنا ہے تو اس کے مقبول بندوں کے پاس جاؤ شیطان سے ملنا ہو تو عورتوں کی مریدی کرو عورتیں شیطان کا وہ جال ہیں جس سے وہ بڑے مردوں کا شکار کرتا ہے 'حضرت آدم پر اس کا داؤ بذریعہ حوا چلا پہلا قتل بذریعہ عورت ہوا' یہ فائدہ **ان یدعون الا شیطانا** سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** شیطان کو رب تعالیٰ نے گمراہ کرنے کے لئے بہت بڑا وسیع علم دیا وہ جانتا ہے کہ کون میرے بہکانے میں آئے گا۔ جیسا کہ **من عبادک** میں **من** فرمانے سے معلوم ہوا وہ مردود بہکنے والوں کو جانتا ہے یہ بھی جانتا ہے کہ کون کس طریقہ سے بہکے گا تمام کے دلی ارادوں نیتوں تک سے واقف ہے کہ جہاں کسی نے نیکی کا ارادہ کیا اس نے آکر بہکایا۔ جب گمراہ کرنے والے ابلیس کو اتنا وسیع علم دیا گیا تو سوچو کہ ہدایت دینے والے انبیاء کرام کو کتنا وسیع علم دیا گیا ہوگا۔ دوا کی طاقت مرض کی طاقت سے زیادہ چاہئے' **گیارہواں فائدہ:** شیطان بھی حضرات انبیاء کو معصوم اور خاص اولیاء اللہ کو محفوظ مانتا ہے کہ کہہ رہا ہے **من عبادک نصیبا مفروضا** دوسری جگہ کہتا ہے **الا عبادک منہم المخلصین** جو شخص ان بزرگوں کو گنہگار مانے وہ شیطان سے بھی زیادہ گمراہ ہے 'عصمت انبیاء حفاظت اولیاء' بہت ظاہر مسئلہ ہے اس کی تحقیق ہماری

کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں ملاحظہ کرو۔

پہلا اعتراض : تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ شرک صرف اس کا نام ہے کہ کسی کو رب تعالیٰ کے برابر یا بے نیاز مانا جائے تو کیا جو شخص کسی کو خدا کا بندہ مان کر قدیم یعنی ازلی مان لے یا خالق مان لے وہ مشرک نہیں' اگر ایسا ہے تو سارے مشرک موحد ہوگئے وہ اپنے معبودوں کو خدا کا بندہ مان کر ازلی' قدیم اور خالق مانتے ہیں۔ **جواب**: کسی کو خالق ماننا شرک ہے کہ خالق وہی ہو سکتا ہے جو بے نیاز ہو' نیاز مند بندہ جو خدا کی چیزوں کو استعمال کرکے کچھ بنائے وہ کاسب ہے خالق نہیں جیسے آج سائنسی ایجاد والے اللہ کی چیزوں سے ہوائی جہاز وغیرہ بناتے ہیں۔ اسی لئے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر**۔ یعنی میں اللہ کی مٹی سے پرندہ بناتا ہوں یعنی خالق نہیں ہوں کاسب ہوں' رب کا نیاز مند ہوں لہٰذا کسی کو خالق ماننا شرک ہے' رہا کسی کو ازلی ماننا اگر اسے خدا سے بے نیاز ہو کر ازلی مانتا ہے تو شرک ہے جیسے آریہ روح و مادہ کو ازلی مانتے ہیں' اور اگر اس کو رب کا بندہ مان کر قدیم مانتا ہے کہ رب سے وہ صادر ہیں وہ مشرک نہیں کافر ہے جیسے فلاسفہ کہ وہ دس عقلوں کو خدا سے صادر مان کر قدیم مانتے ہیں وہ کافر ہیں کیونکہ اس آیت کے منکر ہیں۔ **خالق کل شئی** خیال رہے: کہ رب تعالیٰ کے سوا کوئی چیز ازلی یعنی قدیم نہیں مگر بہت سی مخلوق ابدی یعنی دائمی ہے کہ رب تعالیٰ ان کو ہمیشہ رکھے گا جیسے جنت دوزخ اور وہاں کے لوگ اور وہاں کی نعمتیں کہ یہ ابدالاباد تک رہیں گی۔ رب فرماتا ہے **خالدین فیھا ازلی**۔ **دوسرا اعتراض**: جب اسلام میں شرک و کفر نا قابل معافی گناہ ہیں تو مسلمان کفار کو دعوت اسلام کیوں دیتے ہیں اور کفار کو مسلمان کیوں کرتے ہیں (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہوا کہ **یغفر** مضارع بمعنی مستقبل ہے جس میں قیامت کا ذکر ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو بندہ شرک و کفر کرتا ہوا بغیر توبہ مرجائے اسے قیامت میں اللہ تعالیٰ نہ بخشے گا جو مشرک و کافر دنیا میں ہی توبہ کرکے مسلمان ہو جائے اسے دنیا میں ہی بخش دیا جائے گا۔ اسلام سے پہلے عرب میں قریبا" سارے مشرک و کفار ہی تھے وہ ہی سب مسلمان صاحب عرفان بنے اس آیت کی تفسیر خود قرآن کریم دوسری جگہ فرمارہا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ **قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفرلھم ما قد سلف** آپ کفار سے فرمادو کہ اگر کفر سے باز آجائیں تو ان کے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک کے سوا ہر جرم بخش دیا جائے گا تو چاہئے کہ عیسائیت' یہودیت' دہریت بھی قابل بخشش ہو اور آریہ بھی بخشے جائیں کیونکہ ان میں سے کوئی شرعی مشرک نہیں پھر ان مذہبوں کو اسلامی تبلیغ کیوں کی جاتی ہے نیز اس سے معلوم ہوا کہ صرف اسلام میں ہی نجات نہیں دوسرے دین شرک کے سوا سب میں رہ کر نجات و بخشش ہو سکتی ہے (آریہ)۔ **جواب**: اس کا جواب بھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں اور ان جیسی آیتوں میں شرک سے مراد کفر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار شرک ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخسرین**۔ جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے گا اس کا وہ دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان والوں سے ہوگا۔ وہ آیت کریمہ اس آیت کی تفسیر ہے۔ **چوتھا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا کے سوا کسی اور کو پکارنا یا رسول اللہ یا غوث کہنا شرک ہے اور شیطان کی پرستش ہے۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا **وان یدعون الا شیطانا مریدا** (عام دیوبندی' وہابی)۔ **جواب**: اس قسم کی تمام آیات میں دعا بمعنی عبادت ہوتا ہے نہ کہ بمعنی پکارنا اسی معنی پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے اگر یہاں دعا سے مراد پکارنا ہو اور غیر خدا کو پکارنا شرک ہو تو ہر نمازی مشرک ہو گا کہ وہ التحیات

میں عرض کرتا ہے السلام علیک ایہا النبی نیز حضرات انبیاء کرام نعوذ باللہ مشرک ٹھہریں گے کہ انہوں نے مدد کے لیے لوگوں کو پکارا (قرآن کریم) بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا **ثم ادعهن یاتینک سعیا**۔ ان مرے جانوروں کو پکارو وہ دوڑتے آئیں گے۔ نیز حضرت ابراہیم نے کعبہ بنا کر قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کو پکارا کہ اللہ کے بندوں اللہ کے گھر کی طرف آؤ حالانکہ بہت سے انسان اس وقت پیدا نہ ہوئے تھے رب فرماتا ہے **واذن فی الناس بالحج** اگر کسی کو پکارنا شرک ٹھہرے تو نہ خدا تعالیٰ شرک سے بچے گا کہ اس نے قرآن مجید میں انبیاؤ اولیاء' مومنین بلکہ کفار بلکہ زمین و آسمان و پہاڑوں کو پکارا ہے نہ حضرات انبیاء بچیں گے نہ عام مسلمان اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سچی فہم عطا فرمادے' غرضیکہ یہاں دعا کے "نی پکارنا کرنا سخت غلطی ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین صرف عورتوں کی پوجا کرتے ہیں کیونکہ الا حصر کے لئے ہے حالانکہ وہ تو مردوں کی بھی پوجا کرتے تھے۔ جیسے مشرکین عرب 'ود' 'یغوث' نسر کی پرستش کرتے تھے اور مشرکین ہند رام چندر' ہنومان' گنیش کی پوجا کرتے ہیں۔ تو یہ آیت کیسے درست ہوئی۔ **جواب:** اس کا جواب بھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ ان کے معبود یا حقیقتہ" عورتیں ہیں یا مصنوعی عورتیں کہ وہ اپنے معبود مردوں کو عورتوں کی طرح زیور پہنا کر پوجتے ہیں۔ لہذا آیت واضح ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسانوں میں فی ہزار نو سے ننانوے شیطان کے حصہ کے ہیں اور ایک اللہ تعالیٰ کا بندہ پھر ہزار میں ایک کون ہو گا جو نجات پائے سب ہی دوزخی ہو گئے۔ **جواب:** اس سوال کا جواب اسی حدیث میں دے دیا گیا ہے۔ جس میں یہ تعداد بیان ہوئی ہے کہ اولا" تو کفار مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ دوسرے یاجوج و ماجوج جو سب ہی کافر ہیں اس قدر زیادہ ہیں کہ یہ انسان ان کے مقابل ہزار میں ایک ہیں یہ گنتی پوری کرنے کے لئے وہ یاجوج و ماجوج کافی ہیں۔ **ساتواں اعتراض:** جب کفار مسلمانوں سے اس قدر زیادہ ہیں تو کفار کو **نصیبا** مفروضا" کیوں فرمایا۔ نصیب یعنی حصہ ہمیشہ تھوڑی مقدار کو کہتے ہیں۔ **جواب:** یا اس لئے کہ انسان مسلماں' انسان کفار سے بہت تھوڑے ہیں لیکن جب ان کے ساتھ فرشتوں کو بھی ملا لیا جائے کہ وہ سارے ہی مومن ہیں تو مومنوں کی تعداد بہت ہی بڑھ جاتی ہے فرشتوں کی تعداد تمام خلق سے زیادہ ہے یا اس لئے کہ تھوڑے مسلمان درجہ میں بہت ہیں اور بہت سے کفار درجہ میں کم لہذا بہت سے کفار تھوڑے مسلمانوں کا حصہ ہوئے (تفسیر کبیر)۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے نیکیاں انسان کو جنت سے قریب کرنے والی ہیں مگر بعض نیکیاں جنت سے بہت قریب کرتی ہیں بعض کم اس طرح گناہ' انسان کو جنت سے دور کرتے ہیں۔ بعض گناہ کم دور کرتے ہیں' بعض بہت دور کرتے ہیں' کلمہ توحید و عقائد کی درستگی انسان کو جنت سے بہت قریب کرتی ہے دوزخ سے بہت دور اور شرک و کفر و بد عقیدگی انسان کو جنت سے بہت دور کرتی ہے دوزخ سے بہت قریب اس لئے رب تعالیٰ نے اسے ضلال بعید فرمایا صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان رب تعالیٰ کا تعمیر فرمودہ محل ہے محل میں عام کمرے چیزوں کے لئے بنائے جاتے ہیں مگر خاص کمرہ بادشاہ کے رہنے کے لئے چیزوں کے کمروں میں سب کچھ رہے مگر بادشاہ کے آرام کمرہ میں کسی کو ٹھہرنے کی اجازت نہیں انسان کے باقی اعضاء دنیاوی کاروبار کے لئے بھی ہیں مگر دل خاص یار کی تجلی گاہ ہے تمام اعضاء سے گناہ کر لینے والا قابل بخشش ہے مگر دل سے شرک و کفر کرنے والا لائق معافی نہیں کیونکہ اس نے رب کی تجلی گاہ خاص میں دوسرے کو بسایا دل تو صرف یار کے رہنے کی منزل ہے۔ مشرک خود کم ہمت عورت ہے

اپنی جنس عورتوں کی طرف مائل ہوتا ہے سو من موحد بہادر مرد ہے وہ اپنے ہم جنس بہادروں کی طرف مائل ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ مشرکین عورتوں کے پجاری ہیں۔ دنیا خود ایسی عورت ہے جو صدہا خاوند کر کے چھوڑ چکی ہے مشرک اس دنیا کے پجاری نفس کے پجاری' ہوس و خواہش کے پجاری غرضیکہ عورتیں مرد کے تابع ہوتی ہیں مگر مشرک ان عورتوں کا تابع ہے شیطان معلون ہے جو اس کے ساتھ رہا وہ بھی معلون مقبول بندے محبوب ہیں' جو ان کے ساتھ رہا وہ بھی محبوب الٰہی ہو لہ اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ دنیا میں اچھوں کے ساتھ رہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا **ان معی ربی سیھدین** میرے ساتھ میرا رب ہے جو میری رہنمائی کریگا یعنی رب میرے ساتھ ہے تم میرے ساتھ لگ جاؤ رب تمہارے ساتھ بھی ہو گا غرضیکہ بارگاہ سے درروں کا سنگ دور کر دیتا ہے حضور والوں کا سنگ حضور نصیب کرتا ہے۔

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ

اور البتہ گمراہ کروں گا میں انہیں اور البتہ خواہش دلاؤں گا میں انہیں اور البتہ حکم دونگا میں انہیں تو چیریں گے وہ

قسم ہے میں ضرور بہکا دوں گا اور ضرور انہیں آرزوئیں دونگا اور ضرور انہیں کہوں گا کہ جو پایوں کے کان چیریں گے

الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّخِذِ

کان جانوروں کے اور حکم دونگا میں انہیں پس ضرور بدلیں گے وہ اللہ کی پیدائش کو اور جو بنائے شیطان کو

اور ضرور انہیں کہوں گا کہ وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں بدل دیں گے اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو

الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُ

دوست اللہ کے سوا وہ بے شک کھلے نقصان میں پڑا شیطان

دوست بنائے وہ صریح ٹوٹے میں پڑا شیطان انہیں

هُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ

ان سے وعدے کرتا ہے اور انہیں خواہش دلاتا ہے اور نہیں وعدے کرتا ان سے شیطان مگر دھوکے کے یہ

وعدے دیتا ہے اور آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان انہیں وعدے نہیں دیتا مگر فریب کے

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾

وہ ہیں کہ ٹھکانہ ان کا دوزخ ہے اور نہ پائیں گے وہ اس سے چھٹکارے کی جگہ

ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اس سے بچنے کی جگہ نہ پائیں گے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں شرک و کفر کے ناقابل معافی جرم ہونے کا ذکر تھا اب شرک کے علامات اور مشرکوں کے اعمال کا تذکرہ ہے تاکہ مسلمان شرک سے بھی بچیں اور مشرکوں کے اعمال سے بھی پرہیز کریں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ مشرک پرلے درجہ کا گمراہ ہے اس کی گمراہی بے راہی عقل

ہے بھی دور ہے اب اس کے ثبوت میں مشرکوں کی بے ہودہ لغو حرکات کا ذکر ہے کہ مشرک ہو کر انسان بالکل خلاف عقل کام کرنے لگتا ہے جو جانور بھی نہیں کرتے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ شیطان نے انسانوں میں سے اپنا حصہ لینے کا پہلے سے ہی ارادہ کر لیا ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ جو انسان شیطان کا حصہ بن جاتے ہیں وہ حسب ذیل کام کرتے ہیں۔

تفسیر: ولا ضلنهم ولا منینهم ان آیات میں شیطان کی ان چالوں کا ذکر ہے جو وہ انسان کے لئے چلتا ہے اس کی کچھ چالوں کا تعلق انسان کے عقائد سے ہے اور کچھ کا تعلق انسان کے اعمال سے عقائد کی متعلقہ چالوں میں پہلی چال ہے حق سے بہکانا دلوں میں وسوسہ ڈال کر باطل میں پھنسا دینا جھوٹی چیزوں کو آراستہ کر کے دکھانا اچھی چیزوں کو ہیبت ناک کرنا کہ انسان کلول جھوٹ کی طرف لگے اضلال سے یہ ہی مراد ہے بعض لوگ اپنی خوبصورت بیویوں کو منہ نہیں لگاتے بدصورت رنڈیوں سے رغبت کرتے ہیں یہ ہے شیطان کا اضلال اور بہکانا زکوۃ دینے سے گھبراتے ہیں حرام رسموں میں خوب اڑاتے ہیں غرضیکہ اضلال عام ہے **خیال رہے:** کہ جیسے بعض بیماریاں آنکھوں' زبان' کان کے احساس کو ماؤف کر دیتی ہے کہ زبان میٹھی چیز کو کڑوی اور کڑوی کو میٹھی محسوس کرنے لگتی ہے' ایسے ہی شیطان کا تسلط انسان کے خیال کو بگاڑ دیتا ہے اس خیال کے بگاڑنے کا نام اضلال ہے۔ اضلال کے چند معنی ہیں گمراہ و بے دین کر دینا۔ یہ صرف کفار کے لئے ہے بہکا کر گناہ کرا دینا یہ عام مسلمانوں کے لئے بھی ہے۔ دھوکہ دیدینا یہ داؤں حضرات اولیا بعض انبیاء پر بھی چل جاتا ہے دیکھو شیطان نے حضرت آدم کو دھوکہ دے دیا کہ انہیں گندم کھلا دیا۔ دھوکہ دینے کی کوشش کرنا یہ سارے انسانوں کے لئے ہے حتی کہ تمام انبیاء کرام کے لئے بھی۔ یہاں **لاضلنهم** کی چار صورتیں ہوئیں ہر صورت کا تعلق الگ الگ نوعیت کا ہے اس لئے **هم** کے مرجع میں چار احتمال ہوں گے۔ **لا منینهم**' امنیتہ سے بنا معنی خواہش و رغبت اسی سے ہے امانی' جھوٹی خواہشات فضول تمنائیں' یعنی ان کے دلوں میں برے خیالات پیدا کروں گا کہ نہ حشر ہے نہ نشر نہ حساب و کتاب جو ہو سکے دنیا میں مزے اڑا لو یا تم ابھی بہت جیو گے آخر عمر میں توبہ کر لینا ابھی عیش کر لو دیکھا گیا ہے کہ بعض مسلمان قدرت و طاقت کے باوجود حج نہیں کرتے اسی خیال میں رہتے ہیں کہ بڑھاپے میں کریں گے۔ یا بڑھاپے سے پہلے مرجاتے ہیں یا بڑھاپے میں حج کے قابل نہیں رہتے یہ ہے شیطان کا امنیتہ نا جائز امید بندھانی دراز عمر کی آرزو دلانی۔ **ولا مرنهم فلیبتکن اذان الانعام** یہ شیطان کا تیسرا فریب ہے جس کا تعلق انسان کے اعمال سے ہے امر سے مراد یا تو مشورے و دل میں ارادہ پیدا کرنا ہے یا اپنے کارندے شیطانی انسانوں کے ذریعہ حکم دلوانا ہے وہ انسان خواہ شیطانی عالم ہوں یا مرشد یا شیطانی حکام یا شیطانی دوست ہوں۔ یا یہ مطلب ہے کہ میں خود شکل انسان میں لوگوں کے پاس جاکر ان سے یہ کہوں گا جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ شیطان انسانی شکل میں آکر کوئی بات کہہ جاتا ہے اور وہ پھیل جاتی ہے بیتکن بنا ہے بیکت سے جس کا مادہ بکت ہے **ھتک** اور بتک قریب المعنی ہیں ھتک کے معنی ہیں پھاڑنا بتک کے معنی ہیں چیرنا کاٹنا۔ انعام سے مراد اونٹ ہے اسی جملہ میں کفار عرب کے ایک خاص عمل کی طرف اشارہ ہے کہ جب کسی کی اونٹنی پانچ بار بچے دے لیتی اور پانچواں بچہ نر ہوتا تو وہ لوگ اس کا کان چیر کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اسے بحیرہ کہتے تھے۔ یعنی کان چیری ہوئی اونٹنی پھر نہ اس پر سواری کرتے تھے نہ اسے کسی کھیت یا کنویں سے کھانے پینے سے روکتے تھے۔ جب وہ مرجاتی تو اس کا گوشت سب مرد و زن کھا لیتے تھے آیت میں بتایا جارہا ہے کہ ان کی یہ حرکتیں شیطانی اغواء اور اس کے بہکانے سے ہیں وہ ان حرکتوں کا ذکر پہلے

ہی کرچکا ہے۔ **ولامرنھم فلیغیرن خلق اللہ** ۔ یہ شیطان کا چوتھا فریب و دھوکہ ہے۔ جس کا تعلق بھی انسان کے اعمال سے ہے یہاں بھی امر کے وہی تینوں معنی ہیں جو ابھی بیان ہوئے **یغیرن تغیر** سے بنا بمعنی وصف و حالت کا بدلنا ذات بدلنے کو تبدیلی کہتے ہیں کبھی تغیر بمعنی تبدیل بھی آتا ہے۔ یہ بہت وسیع کلمہ ہے جس میں بہت جرم شامل ہیں اونٹ کی ایک آنکھ پھوڑ کر اسے کانا کردینا جس کسی کے پاس ایک ہزار اونٹ ہوجاتے تھے تو ایک کو کانا کردیتا تھا یہ ہے اللہ کی خلق کی صورت بگاڑنا غلاموں کو خصی کردینا اپنے چہرہ و ہاتھوں پر گود کر نیل بھروالینا جیسا کہ اب بھی بعض ہندو کرتے ہیں۔ دانت پتلے کرانا مشین کے ذریعہ چھوٹے بال والی عورت کا دوسری عورت کے بال جوڑ کر اپنے بال لمبے کرنا' عورتوں کا عورتوں سے زنا کرنا جسے عربی میں سحق کہتے ہیں۔ خود خصی ہوکر مخنث یا ہیجڑا بن جانا' لواطت کرنا' عورتوں کا سر منڈانا یا بال کٹوانا فیشن کے لئے' مردوں کا عورتوں کے سے بال رکھنا چوڑیاں یا زیور پہننا' بلا ضرورت جانور کو خصی کرنا' سیاہ خضاب لگانا' ڈاڑھی منڈانا' مونچھیں بہت لمبی رکھنا یا منڈا دینا یہ سب عمل خلق اللہ کی تغیر و تبدیلی ہے جو حرام ہے ان کے متعلق بہت احادیث وارد ہیں (از روح المعانی و بیان خازن) چاند تاروں پتھروں کی پوجا کرنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا کہ یہ تغیر اعتقادی ہے کیونکہ ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے اب جوان ہوکر دوسرا دین اختیار کرنا اپنی خلقت کی تبدیلی ہے۔ نیز چاند تاروں پتھروں کو ہماری خدمت کے لئے پیدا فرمایا گیا ہے یہ ہمارے خدام ہیں ہم ان کے مخدوم انہیں اپنا معبود بنالینا تبدیلی خلق اللہ ہے یہ تبدیلی کفر ہے۔ غرضیکہ یہ ایک جملہ عقائد و اعمال کی بہت صورتوں کو شامل ہے۔ یہ سب شیطانی دھوکہ ہے جس کا ذکر وہ پہلے ہی کرچکا ہے۔ **ومن یتخذ الشیطن ولیا من دون اللہ** یہ ان تمام مذکورہ بدعملیوں کے نتیجہ کا بیان ہے جس میں بتایا گیا کہ بدعملوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے کام کرنے والا شیطان کا دوست ہوجاتا ہے اور شیطان اس کا محب دوست بن جاتا ہے۔ من سے مراد سارے جن و انس ہیں کہ یہی دو گروہ شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ شیطان سے مراد یا تو ابلیس ہے جو تمام شیاطین کا مورث اعلیٰ ہے یا ہر شخص کا ساتھی شیطان جسے قرین کہا جاتا ہے ولی سے مراد یہاں دوست یا مطاع یا معبود ہے **دون** کے لغوی معنی ہیں قطع ہوجانا کٹ جانا اصطلاح میں بمعنی مقابل اور ورے آتا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ووجد من دونھم امراتین تذودان** خیال رہے: کہ الا اور غیر اور دون تینوں کے معنی کئے جاتے ہیں سوا کے مگر الا کے معنی ہیں ہر سوا اور علاوہ خواہ اپنا ہو یا غیر جیسے **لا تعبدوا الا ایاہ** یا جیسے **لا الہ الا اللہ** ۔ دیکھو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں نہ نبی نہ ولی نہ کوئی اور مگر غیر وہ سوا ہے جو اپنا نہ ہو غیر ہو رب فرماتا ہے **افغیر اللہ تامرونی اعبد ایھا الجاھلون**' یعنی جب اللہ کے اپنے محبوب بندے معبود نہ ہوئے تو جو رب تعالیٰ کے غیر ہیں کیا انہیں میں پوج سکتا ہوں۔ اور **دون** وہ سوا جو رب کے مقابل اور دشمن ہوں فرماتا ہے۔ **وادعوا شھداء کم من دون اللہ ان کنتم صادقین** ۔ اگر تم قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں شک کرتے ہو تو اس جیسی ایک سورت لاؤ اور اللہ کے مقابل تمام مددگاروں کو بلالو یہاں **دون اللہ** سے مراد انبیاء اولیاء نہیں بلکہ کفار کے سردار مراد ہیں۔ یہاں اس جملہ نے ان تمام آیات کی تفسیر کردی جن میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار اور دوست نہیں۔ یعنی اللہ کے مقابل تمہارا کوئی نہ مددگار ہے نہ دوست ولی اللہ اور ہیں **ولی من دون اللہ** کچھ اور۔ اور ہوسکتا ہے کہ شیطان سے مراد شیطانی لوگ ہوں یعنی گمراہ کرنے والے یعنی جو کوئی ابلیس یا قرین شیطان یا بہکانے والے انسانوں کو جو انسان نما شیطان ہیں دوست یا مددگار بنائے اللہ کو چھوڑ کر یا اللہ کے مقابل تو **فقد خسر خسرانا مبینا** یہ جملہ اس شرط کی جزا ہے خسران پورے پورے نقصان کو کہتے ہیں' جس میں اصل پونجی بھی برباد ہوجائے' **مبینا** ایسا ظاہر جس میں

کسی قسم کی پوشیدگی نہ ہو یعنی وہ شخص بہت کھلے نقصان میں رہا کہ اس کی دنیا برزخ' عاقبت سب ہی برباد ہوئی اس کی بربادی ہر عقل و ہوش والے پر ظاہر ہے **یعدهم و یمنیهم** یہ نیا جملہ ہے۔ جس میں شیطانی وعدوں اس کی ڈالی ہوئی آرزوؤں کا ذکر ہے۔ عد یا تو وعد سے بنا ہے یا وعید معنی ڈرانے سے ان دونوں کا تعلق آئندہ سے ہے یعنی شیطان برے کام پر صرف وعدے کرتا ہے اور اچھے کام پر صرف ڈراتا ہے کہ تم بد معاشیوں میں خوب خرچ کرو تمہارا نام ہو گا۔ اللہ کے نام پر ایک پیسہ مت دو غریب ہو جاؤ گے اسی طرح آرزوئیں دلاتا ہے کہ ابھی تم بہت جیو گے تمہاری صحت' دولت' عزت ہمیشہ رہے گی آرام کرو یہ دولت لازوال ہے۔ **وما یعدهم الشیطن الا غرورا** یہ شیطانی وعدوں کی حقیقت ہے کہ شیطان کے تمام وعدے وعیدیں آرزوئیں' تمنائیں محض ایک دھوکہ اور فریب ہے۔ جس کی حقیقت کچھ نہیں یہ مردود عین وقت پر دھوکہ دیتا ہے جیسا کہ دن رات تجربہ ہو رہا ہے۔

ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے — یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا

کہاں گیا قارون اور اس کا خزانہ کہاں گیا نمرود و فرعون و شداد اور ان کی عزت و دولت وہ ختم ہو گئے اور ان پر لعنت باقی رہ گئی۔

نہ ماند ستم گار بد روزگار — بماند برو لعنت پائیدار

اولئک ماوهم جهنم یہ شیطان کی اطاعت کرنے والوں کا انجام ہے اولئک سے اشارہ' **ومن یتخذ** کے من کی طرف ہے چونکہ **من لفظا** واحد تھا مگر معنی" جمع اس لئے اولئک جمع ارشاد ہوا اس سے مراد تمام وہ جن و انس ہیں جو شیطان کی پیروی کریں ماوی سے مراد ہے ٹھکانہ دائمی قیام کی جگہ اس کا مادہ ہے اوئ یعنی یہ شیطان کو اپنا ولی بنانے والے لوگ وہ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ **ولا یجدون عنها محیصا** یہ ان کا دوسرا حال ہے' محیص اسم ظرف ہے حیص سے معنی بچنا یعنی یہ شیطان کے مطیع انسان و جن دوزخ میں جا کر وہاں سے نہ نکلیں گے نہ وہاں آرام ہی پائیں دائمی عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے لوگو شیطان جب مردود کر کے نکالا گیا تو اس نے ہم سے تمہارے متعلق چند باتیں کہیں ہیں جن پر وہ ہمیشہ کاربند رہے گا اس نے کہا کہ مولیٰ تو نے مجھے آدم علیہ السلام کی وجہ سے مردود کیا۔ میں ان کی اولاد سے بدلہ لوں گا جو میرے حصہ میں آئیں گے انہیں بہکا کر بد عقیدہ بناؤں گا۔ ان کے دلوں میں لمبی امیدیں دراز تمنائیں بندھاؤں گا ان آرزوؤں کی وجہ سے وہ دنیا میں پھنسے رہیں گے کبھی آخرت کا خیال بھی نہ کریں گے انہیں مشورے وسوسے دے کر ان سے برے کام کراؤں گا۔ چنانچہ وہ لوگ میرے وسوسہ کی بناء پر جانوروں کے کان کاٹا کریں گے اللہ کے خلق میں تبدیلیاں کیا کریں گے جس سے رب تعالیٰ ناراض ہو گا اپنی سیرتوں' صورتوں' اخلاق' عادات' عقائد کو بدل ڈالیں گے۔ خیال رکھو: کہ جو بھی اللہ کے مقابل شیطان کو دوست بنائے گا وہ سخت نقصان میں رہے گا کہ اپنی اصل دولت عمر برباد کرے گا۔ مگر اپنے نقصان کا پتہ اسے جب چلے گا جبکہ پتہ چلنا کام نہ آئے گا۔ یہ بھی خیال رہے: کہ انسان جس کے لئے کام کرے گا اس کے دل میں اسی کی محبت پیدا ہو گی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قربانی جو جناب خلیل کا عمل ہے صفا مروہ پر دوڑنا جو جناب ہاجرا کا عمل ہے طواف میں رمل کرنا یعنی اکڑ کے چلنا جو پیارے محبوب کا عمل ہے اسلام میں باقی رکھے کیوں تاکہ ان کاموں کی وجہ سے ان کام والوں کی محبت دل میں پیدا ہو تو جو کوئی شیطانی کام کرے گا اسے شیطانی لوگوں سے محبت ہو گی اور ان سے محبت رب تعالیٰ سے دوری ہے اے مسلمانو خیال رکھو کہ شیطان صرف وعدے ہی کرتا ہے وعدے پورے نہیں کرتا تمنائیں دلوں میں ڈالتا ہے مگر اس کی ڈالی ہوئی تمنا پوری نہ ہو گی۔ یہ سب اس کا

فریب ہے جو لوگ اس مردود کی باتوں میں آجائیں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے 'جہاں سے وہ کبھی آزاد نہ ہوں گے۔ لہذا اس کی باتوں میں نہ آؤ اپنا انجام سوچو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: دراز عمر زیادتی عمر وغیرہ کی تمنا جو رب سے غافل کردے شیطانی کام ہے اس نے دراز عمر اپنے لئے مانگی تھی لوگوں کو بہکانے کے لئے جیسا کہ **ولا منینھم** کی تفسیر سے معلوم ہوا البتہ یہ چیزیں اللہ کی عبادت اس کی رضا کے لئے مانگنا بہتر ہے 'دوسرا فائدہ: گائے کی تعظیم کرنا یا ہولی دیوالی کے جانوروں کے سینگ رنگنا یا مشرکین و کفار کی سی رسمیں کرنا شیطانی کام ہیں۔ مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے جیسا کہ **فلیبتکن اذان الانعام** کی تفسیر سے معلوم ہوا بلکہ کفار کے بڑے دنوں کی تعظیم کرنا گنگا وغیرہ کا احترام کرنا کفر ہے مسلمانوں کو اس سب سے نفرت کرنی چاہئے۔ تیسرا فائدہ: مردوں کو ڈاڑھی منڈانا عورتوں کو سر منڈانا اسی طرح مردوں کو زنانہ لباس وضع قطع اور عورتوں کو مردانہ لباس وضع قطع کرنا حرام ہے کہ یہ سب تغیر خلق اللہ ہے یوں ہی لواطت کرنا حرام ہے کہ یہ سب چیزیں تغیر خلق اللہ میں داخل ہیں اس کی کچھ تفصیل ہم بھی تفسیر میں عرض کر چکے اور پوری تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو فقہاء تو فرماتے ہیں کہ تیمم میں چہرے یا ہاتھوں پر خاک نہ ملے بلکہ ہاتھ جھاڑ کر منہ پر پھیرے کہ منہ پر خاک ملنا تغیر خلق اللہ ہے اسی طرح پوڈر وغیرہ لگا کر چہرے کا رنگ بدلنا ممنوع ہے کہ ان سب میں خلق اللہ کی تبدیلی ہے۔ چوتھا فائدہ: جیسے نیک عقیدے اور نیک اعمال کا موجد اللہ تعالیٰ ہے اور بندہ اس کی توفیق سے نیک بنتا ہے ایسے ہی برے عقیدے اور برے اعمال کا موجد شیطان ہے کہ انسان اس کے بہکانے سے بدین اور بد عمل بنتا ہے۔ چنانچہ ظلماً "قتل شیطان نے قابیل کو سکھایا" آتش بازی نمرود کو سکھائی 'کھیل تماشے فرعون کو تعلیم کئے وغیرہ آج بری رسمیں برے اور گندے گیت دراصل شیطان ہی کی ایجاد ہیں ورنہ دیکھو کہ نیکیاں تو قرآن و حدیث و فقہ میں لکھی ہیں اچھی نظمیں بزرگوں کی تصانیف میں ہیں مگر زنا بدکاریاں اور بد معاشی کی رسمیں گندے گیت کہاں لکھے ہیں یہ کہاں سے مروج ہوئے یہ سب شیطان کی ایجاد ہے یہ فائدہ ولا مرنھم سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: برے عالم برے پیر برے حکام جو گناہوں بد عقیدگیوں 'بدکاریوں کو رائج کریں شیطان کے ایجنٹ ہیں یہ بھی لا مرنھم کی تفسیر سے معلوم ہوا ان کے کلام 'کام 'تقریریں 'شیطانی ہیں 'ان کے منہ میں شیطان بولتا ہے۔ چھٹا فائدہ: شیطان اور شیطانی لوگ **ولی من دون اللہ** ہیں۔ جہاں کہیں اولیاء **من دون اللہ** کی برائیاں آتی ہیں وہاں یہ ہی مراد ہیں۔ یہ آیت ان آیات کی تفسیر ہے دیکھو یہاں فرمایا **من یتخذ الشیطان ولیا من دون اللہ** ایک جگہ قرآن کریم فرماتا ہے **اولیاء ھم الطاغوت** رب ولی اللہ ان سے نسبت رکھنا دونوں جہان کی عزت کا باعث ہے 'اصحاب کہف کا کتا ان بزرگوں کی صحبت کی وجہ سے عظمت پا گیا اولیاء اللہ کے ذریعہ مشکلیں کھلتی ہیں قسمتیں جاگ جاتی ہیں۔ ساتواں فائدہ: بری رسموں مالی دولت فضول خرچیوں کو عہدوں 'وزارتوں کو عزت کا ذریعہ سمجھنا شیطانی دھوکا ہے۔ جیسا کہ الا غرورا سے معلوم ہوا۔ عزت و عظمت اللہ رسول کی فرمانبرداری میں ہے آج مسلمان بہت زیادہ اس دھوکے میں ہیں ان عزتوں کی بنیاد کھوکھلی ہے بہت جلد ختم ہو جاتی ہیں۔ آٹھواں فائدہ: رب تعالیٰ نے شیطان کو علوم غیب دیئے کیوں بہکانے کے لئے دیکھو جو کچھ اس نے انسانوں کے متعلق بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا ہو بہو درست نکلا۔ آج یہ سب کچھ دیکھنے میں آرہا ہے جب اس فسادی کو اتنا وسیع علم دیا گیا تو مقبول بندے جو اس مردود کا فساد مٹانے

کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ان کا علم اس ملعون سے زیادہ ہونا چاہئے کہ دوا کی طاقت بیماری سے زیادہ ہونا لازم ہے۔ نواں فائدہ: ہر کافر اپنی خلقت و فطرت کو بدلتا ہے کہ رب نے اسے ایمان پر پیدا فرمایا اس نے کفر کر کے اپنی پیدائشی فطرت کو بدل لیا جیسا کہ **فلیغیرن خلق اللہ** کی تفصیل سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: جانوروں کے کان چیرنے میں کیا حرج ہے جسے رب تعالیٰ نے اس قدر اہتمام سے یہاں ذکر فرمایا ہم جانوروں کے ناک چھید کر اس میں ناتھ ڈالتے ہیں عورتوں کے کان چیر کر اس میں زیور پہناتے ہیں کیا یہ بھی حرام اور تبدیلی خلق اللہ ہے۔ جواب: یہاں وہ کان چیرنا مراد ہے جو بتوں کے نام پر چھوڑے جانے کی علامت ہو' کفر کی علامت بھی کفر ہے۔ زنار ایک دھاگہ ہے مگر اس کا باندھنا کفر ہے کہ یہ کفر کی علامت ہے جانوروں کی ناک چیرنا ضرورت کے لئے ہے عورتوں کی ناک کان چھیدنا زینت کے لئے اسے کفر سے کوئی نسبت نہیں۔ دوسرا اعتراض: اگر خلق اللہ کی تغیر و تبدیل ممنوع ہے تو چاہئے کہ حجامت کرانا ختنہ کرانا بکرے یا بیل کو خصی کرنا مہندی وغیرہ کا خضاب کرنا سب ہی حرام ہو جائے کہ ان سب میں تبدیلی خلق اللہ ہے جس طرح رب نے پیدا کیا اسی طرح رہنا چاہئے۔ جواب: ہم حکم کے بندے ہیں۔ جن تبدیلیوں کا رب نے حکم دیا وہ تبدیلیاں کرنا عبادت ہے جن تبدیلیوں سے منع فرمایا وہ تبدیلی حرام ہے داڑھی کے بال منڈانا حرام زیر ناف کے بال نہ منڈانا حرام حالانکہ بظاہر یہ دونوں بال ہی ہیں حلال جانوروں کو خصی کرنا گوشت اعلیٰ ہونے کا ذریعہ ہے یہ جائز ہے حتی کہ خصی جانور کی قربانی بھی درست ہے۔ بیل بھینسے کو خصی کرنا انہیں طاقتور کرنے کا ذریعہ ہے حلال ہے۔ کتے وغیرہ حرام جانوروں کو خصی کرنا بلا وجہ ہے لہذا حرام ہے' غرضیکہ تغیر خلق اللہ میں عقل کو دخل کم ہے' عبادت و علامت کفر و اسلام میں فرق کرنے والی چیز زبان پاک مصطفیٰ ہے صلی اللہ علیہ وسلم اس زبان پاک نے جسے عبادت کہہ دیا وہ عبادت بن گیا جسے کفر فرما دیا وہ کفر ہو گیا داڑھی رکھنا عبادت اور سر پر چوٹی رکھنا کفر ہے۔ آب زمزم کی تعظیم عبادت ہے گنگا کے پانی کی تعظیم کفر ہے کیوں صرف فرمان عالی کی وجہ سے بحیرہ جانور کا کان چیرنا کفر ہے اور ہدی کے جانور کا کوہان چیرنا عبادت ہے یہ فرق ضرور خیال رکھنا چاہئے۔ تیسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ نے ایسے بے ادب گستاخ شیطان کو پیدا ہی کیوں کیا جو رب تعالیٰ کے سامنے ایسی دلیری و بے ادبی سے گفتگو کر رہا ہے اور اسے سزا کیوں نہ دی' نیز اس کی ایسی گستاخیوں کو قرآن کریم میں نقل کیوں فرمایا۔ جواب: شیطان کی پیدائش کی حکمتیں ہم پارہ اول میں عرض کر چکے ہیں کہ اس ایک مردود سے ہی دنیا کا نظام قائم ہے اس کی وجہ سے جہاد وغیرہ بہت سی عبادات دنیا میں موجود ہیں۔ سزا کے لئے قیامت کا دن مقرر ہے آج ہم صدہا گناہ بے ادبیاں کر لیتے ہیں۔ ہم کو سزا کیوں نہیں ملتی بعض انسانوں نے تو دعویٰ خدائی کر دیا مگر جلد سزا نہ ملی ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے' اس کی بکواس قرآن کریم میں نقل فرما کر ہم کو آگاہ کیا گیا ہے کہ ہوشیار رہنا یہ چور ان راستوں سے تم پر حملہ کرے گا۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ گار مسلمان بھی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے دیکھو رب نے فرمایا **ماوٰھم جہنم** اور فرمایا **ولا یجدون عنہا محیصا** مگر تمہارا عقیدہ ہے کہ کوئی گنہگار مسلمان دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا۔ جواب: یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جو شیطان کا حصہ بن گئے۔ جیسا کہ پچھلی آیت میں معلوم ہوا کہ فرمایا گیا نصیبا مفروضا" اور ظاہر ہے کہ شیطان کا حصہ صرف کفار ہیں جن کے عقائد بھی فاسد ہو جائیں جو لوگ مذکورہ گناہ انہیں اچھا سمجھ کر کریں وہ کافر ہوئے اور دوزخ میں ہمیشگی کے مستحق ہیں۔ پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ

شیطان کے صرف دو ہی فریب ہیں جھوٹے وعدے وعیدیں' زیادہ خواہشات مگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے فریب بہت زیادہ ہیں ہمارے جسم کے بالوں سے اس کے فریب زیادہ ہیں۔ ان میں تعارض ہے۔ **جواب:** اصلی فریب صرف یہ دو ہیں باقی فروعی فریب بہت ہیں جن سب کی بنا یہ دو ہیں' درخت کی جڑ ایک ہے پتے لاکھوں جو شخص ان دو فریبوں سے بچ جائے وہ غافل نہیں ہو سکتا اور جو غفلت سے بچ گیا وہ شیطان سے امن میں آگیا چور اس گھر میں جاتا ہے۔ جس کا مالک غافل ہو دنیاوی مشاغل میں امیدیں غفلت کی جڑ ہیں۔ لہٰذا آیت و احادیث میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے جنت بنائی اور اس کے لئے بعض انسان پیدا کئے۔ اسی طرح دوزخ پیدا فرمائی اور اس کے لئے بعض انسان بنائے جنت کے مستحقین سعید لوگ ہیں دوزخ کے مستحق شقی و بد بخت ہیں ان دونوں کے لئے دلال اور دوائی پیدا فرمائے۔ شیطان بد بختوں کا دلال ہے۔ جو انہیں دوزخ کی طرف بلا رہا ہے خواہشات نفسانیہ دنیا کی زینتیں اس کے آلات ہیں جن کے ذریعہ وہ لوگوں کو پھانستا ہے۔ جو انسان اس کی پیروی کریں وہ اس کا حصہ ہیں اور جو اس سے نفرت کریں وہ رحمانی جماعت ہے رب نے فرمایا **رحمتی وسعت کل شئی** میری رحمت ہر چیز کو وسیع ہے شیطان اور شیطانی لوگ بولے ہم بھی [illegible] ہیں وہ مارے گئے مقبولوں نے کہا ہم لاشی ہیں کچھ بھی نہیں وہ کامیاب رہے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب نے انسان کو دل دیا اس کی بات ماننے کے لئے نفس دیا اس کی مخالفت کرنے کو جو دل کی نہ مانے نفس کی مانے اس نے خلق اللہ تبدیل کر دی وہ عذاب کا مستحق ہے رب نے سانپ بچھو پیدا فرمائے بچنے کے لئے بجینس بنائی نفع حاصل کرنے کو جو سانپ سے دوستی کرے وہ تبدیلی [illegible] کرتا ہے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا نفس شیطان اور شیطانی لوگوں کو اپنا دوست نہ سمجھو ورنہ دھوکہ کھاؤ گے اپنے دل کو خوف خدا اور محبت رسول سے ایسا بھر دو کہ وہاں شیطانی وعدے وعیدیں کے سمانے یا جانے کی جگہ ہی نہ رہے' شیطانی وعدے دنیاوی خواہشات ان ہی دلوں میں پہنچتے اور رہتے ہیں جہاں ان کے رہنے کی جگہ ہے۔

بے محابا نہ درآ اندریں کاشانہ ما کہ بجز درد و تو کس نیست دریں خانہ ما

اللہ تعالیٰ اس خانہ دل میں اپنا خوف حضور کی محبت ایسی بھر دے کہ وہاں کسی اور چیز کی گنجائش ہی نہ رہے پھر نور محمدی دل میں بے حجاب آئے گا۔ پردہ اپنوں سے نہیں ہوتا غیروں سے ہوتا ہے جس دل میں اغیار ہیں وہاں یار کیسے آئے **گا خیال رکھو:** کہ دوکان کے جیسے سودے ویسے ہی اس کے خریدار شراب کی دوکان پر نمازی خریداری نہیں کرتے دل میں سودے اچھے رکھو تاکہ اس کا خریدار اللہ ہو۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ
اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام کئے نیک عنقریب داخل فرمائیں گے ہم انہیں باغات میں
اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے کچھ دیر جاتی ہے کہ ہم انہیں باغوں میں لے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ

کہ بہشتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں وعدہ اللہ کا سچا اور کون

جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ان میں رہیں اللہ کا سچا وعدہ

اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَیْسَ بِاَمَانِیِّكُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَهْلِ

ہے زیادہ سچی بات والا اللہ سے نہیں ہے تمہاری خواہشوں پر اور نہ کتابیوں کی

اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی کام نہ کچھ تمہارے خیالوں پر ہے اور نہ

الْكِتٰبِ ؕ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ

خواہشوں پر جو کوئی عمل کرے گا برے جزاء دیا جاوے گا اس کی اور نہ پائے گا واسطے اپنے

کتاب والوں کی ہوس پر جو برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا اور اللہ کے سوا

اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۱۲۳﴾

اللہ کے مقابل دوست یا اور نہ مددگار

نہ کوئی اپنا حمایتی پائے گا نہ مددگار

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار اور ان کی بدکاریوں کا ذکر تھا اب اس آیت میں مسلمانوں اور ان کی نیک عملیوں کا ذکر ہے تاکہ لوگ ان بدکاریوں سے بچیں اور یہ اعمال اختیار کریں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں شیطان کے جھوٹے وعدوں کا ذکر تھا اب اللہ تعالیٰ کے سچے وعدوں کا ذکر ہے تاکہ لوگ شیطان کے جھوٹے وعدوں پر اعتبار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کے سچے وعدوں پر بھروسہ کریں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں شیطانی ٹولہ کا ذکر تھا جن کے متعلق فرمایا گیا تھا۔ **نصیبا مفروضا** اب رحمانی ٹولہ کا ذکر ہے تاکہ ہر شخص شیطانی ٹولہ سے بچے رحمانی ٹولہ میں آنے کی کوشش کرے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں شیطان کے فریبوں اور دھوکوں کا ذکر تھا۔ اب ان دھوکوں سے بچنے کا ذریعہ بتایا جا رہا ہے 'ایمان و نیک اعمال'۔ بھیڑیوں کے بن میں وہی بھیڑ بکریاں محفوظ رہ سکتی ہیں جو چرواہے' مالک کے محفوظ طویلہ میں رہیں اور چوکیداروں کی حفاظت میں رہیں۔ دنیا میں شیطان درندہ ہمارے پیچھے پڑا ہے ہم کو چاہئے کہ ایمان کے قلعہ اور نبی ولی کی حفاظت میں رہیں ورنہ شکار ہو جائیں گے۔

شان نزول : ابن جریر و ابن ابی حاتم نے حضرت امام سدی سے روایت کی کہ ایک بار مسلمانوں اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ میں مناظرہ ہوا۔ یہود بولے ہمارے نبی موسیٰ علیہ السلام تمہارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور افضل ہیں۔ ہماری کتاب توریت تمہاری کتاب قرآن مجید سے پہلے ہے۔ ہمارا قبلہ بیت المقدس تمہارے قبلہ کعبہ سے پہلے ہے۔ لہٰذا ہم بہرحال جنتی ہیں خواہ کچھ بھی کریں قریباً یہی بات عیسائیوں نے کی مسلمانوں نے ان کے جواب میں کہا کہ ہمارے

نبی خاتم النبیین ہیں۔ ہمارا قرآن غیر منسوخ ہے۔ ہمارا قبلہ کعبہ معظمہ بیت المقدس سے **افضل و اعلیٰ و مقدم ہے۔ لہذا تم سے ہم افضل و بہتر و لائق بخشش ہیں۔ اس پر یہ آیت کریمہ لیس باما نیکم** الخ نازل ہوئی۔ (روح المعانی و خازن وغیرہ)۔ مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ میں مناظرہ ہوا یہود بولے ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ ہم کو کوئی گناہ مضر نہیں ہم کو صرف چند دن آگ پہنچے گی پھر معافی ہو جائے گی۔ مشرکین بولے کہ نہ قیامت ہے نہ حساب و کتاب پھر سزا جزاء کیسی ان کے متعلق یہ آیت کریمہ **لیس باما نیکم** الخ نازل ہوئی (خازن و کبیر روح المعانی وغیرہ)۔

روایت : جب یہ آیت **من یعمل سوء ا یجز بہ** نازل ہوئی تو مسلمانوں کو بہت ہی فکر لاحق ہوئی کہ جب ہر برائی کا بدلہ ملنا ہے تو ہم میں سے بخشا کون جائے گا۔ ہم سب ہی برے کام کر لیتے ہیں۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کی دنیاوی تکالیف کفارہ بن جاتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت کریمہ **من یعمل سواء" یجز بہ** نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر صدیق نے بارگاہ رسالت میں یہی سوال فرمایا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو بکر تم اور سارے مسلمان ان شاء اللہ دنیاوی تکالیف فکر و غم وغیرہ برداشت کرنے کی وجہ سے پاک و صاف ہو کر دنیا سے جاؤ گے (خازن) اس کے متعلق اور روایت بھی ہیں۔

تفسیر : **والذین اٰمنوا و عملوا الصلحٰت** یہ نیا جملہ ہے لہذا واؤ استینافیہ ہے **الذین** سے مراد صرف انسان ہیں کیونکہ جنت اور وہاں کی نعمتیں صرف مومن انسانوں کے لئے ہیں۔ جن و فرشتوں کے لئے نہیں **اٰمنوا** میں تمام عقائد کا اجمالی ذکر ہے اور **عملوا الصلحٰت** میں سارے اعمال صالحہ بدنی مالی عبادات و درستی معاملات 'اخلاقیات' سیاسیات دوستوں' قریبیوں سے تعلقات سب ہی داخل ہیں۔ ایمان کا ذکر پہلے فرمایا کیونکہ ایمان اعمال سے مقدم ہے۔ ایمان جڑ ہے 'اعمال شاخیں اعمال کا ذکر ایمان کے ساتھ فرمایا تاکہ پتہ لگے کہ صرف ایمان پر اعتماد کر کے اعمال سے بے نیاز ہو جانا سخت غلطی ہے۔ پھل وہی کھائے گا جو جڑ اور شاخیں دونوں کی نگہبانی کرے گا۔ **عملوا الصلحات** کو مطلق رکھا تاکہ پتہ چلے کہ عمل بقدر طاقت لازم ہیں۔ **خیال رہے**: کہ مدار نجات توحید نہیں بلکہ ایمان ہے نبوت کے علاوہ دیگر چیزوں ذات الٰہی فرشتوں جنت دوزخ قیامت وغیرہ کو ماننا صرف توحید ہے اور نبوت کو ماننا ایمان ہے شیطان نبوت کے سواء تمام چیزیں مانتا ہے وہ موحد ہے مومن نہیں یا اللہ تعالیٰ کو ماننا توحید ہے اور اسے نبوت کے ذریعہ ماننا ایمان ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ نیک اعمال کسبی جنت کے لئے ضروری ہیں۔ وہبی اور عطائی جنت کے لئے لازم نہیں مسلمانوں کے چھوٹے بچوں کو وہبی جنت ملے گی اور جو مخلوق جنت بھرنے کے لئے پیدا کی جائے گی انہیں عطائی جنت ملے گی جنت کا حاصل ہونا تین طرح کا ہے۔ کسبی' وہبی' عطائی مگر دوزخ کا حاصل ہونا صرف ایک طرح کا ہے یعنی کسبی لہذا مومنوں کے بچے تو جنتی ہیں مگر کفار کے بچے دوزخی نہیں۔ **سند خلھم جنٰت تجری من تحتھا الانھر** یہ عبارت **والذین** مبتدا کی خبر ہے اگرچہ مسلمانوں کو جنت کا جسمانی داخلہ قیامت کے بعد ملے گا مگر چونکہ قیامت آ رہی ہے اور یقیناً آ رہی ہے اور ہر آنے والی چیز قریب ہے اس لئے سین داخل فرمایا گیا جو قرب کے لئے آتا ہے۔ یا رب کے ہاں ایک دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہے لہذا اس حساب سے جنت ملنا قریب ہے۔ عشاق کہتے ہیں کہ مومن متقی دنیا میں ہی جنت میں رہتا ہے دنیا کے رنج و خوشی کا دل میں نہ آنا وہاں یار کے جلوے رہنا۔ دنیا کی جنت ہے جس میں شریعت و طریقت

حقیقت معرفت کی نہریں بہہ رہی ہیں ان جنتوں سے مسلمان کبھی نہیں نکلتا بہرحال اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں نیز ہر مسلمان کو کئی کئی جنتیں ملیں گی اس لئے جنت جمع ارشاد ہوا **من تحتھا** فرما کر یہ بتایا گیا کہ نہریں دور نہ ہوں گی۔ جہاں سے پانی وغیرہ لایا جائے بلکہ ان باغوں کے درختوں کے نیچے ہی رواں ہوں گی۔ جن سے باغ بھی سرسبز و شاداب رہیں گے اور پانی دودھ وغیرہ لینے میں آسانی ہوگی۔ انہار اور بحار کا فرق بارہا بیان کیا جا چکا ہے کہ جنت کے درختوں کے نیچے نہریں کیوں ہیں' بحریں یعنی دریا کیوں نہیں؟ ہر جنت کے نیچے چار نہریں ہوں گی۔ پانی کی' دودھ کی' شہد کی' شراب طہور کی۔ اس لئے انہار جمع ارشاد ہوا یعنی ہم ایسے باعمل مومنوں کو ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے مختلف چیزوں کی نہریں ہمیشہ رواں ہیں۔ جنت میں باغات کی سبزی پانی سے نہ ہوگی وہ تو قدرتاً" سبز رہیں گے۔ جیسے جنتی لوگوں کا پانی پینا زندگی کے لئے نہ ہوگا وہ تو اللہ کے ذکر سے جئیں گے یہ نہریں جنت کی زینت کے لئے ہوں گی۔ پانی 'کنوئیں' چشمے' تالاب' نہر' دریا میں ہوتا ہے مگر چونکہ کنوئیں' تالاب' چشمہ کا پانی بہتا نہیں اس میں حسن نہیں اس لئے وہاں یہ چیزیں نہ ہوں گی۔ نہر و دریا کا پانی بہتا ہے مگر نہر میں حسن ہے۔ جو بحر میں نہیں اس لئے وہاں صرف نہریں ہوں گی۔ ندخل فرمایا کر بتایا کہ وہاں کا داخلہ ہمارے کرم سے ہوگا۔ خیال رہے کہ جنت میں داخلہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جنت ہمارے پاس آجائے۔ دوسرے یہ کہ ہم جنت میں پہنچ جائیں۔ مومن کو مرتے وقت اور قبر کے امتحان میں پاس ہو کر جنت کا پہلا داخلہ مل جاتا ہے کہ جنت کی ہوائیں' خوشبوئیں' پھل قبر میں ہی پہنچتے ہیں اور موت تو بہت قریب ہے۔ لہذا یہ داخلہ بھی قریب اور دوسرا داخلہ بعد قیامت ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں پہلا داخلہ مراد ہو۔ اس لئے سندخل سین کے ساتھ فرمایا۔ **خلدین فیھا ابدا**" یہ عبارت سندخلھم کی ضمیر مفعول سے حال ہے۔ خلود کے معنی ہیں ٹھہرنا دراز۔ جب اس کے ساتھ **ابدا** آجائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں ہمیشہ ٹھہرنا کہ وہاں نہ مرنا ہو نہ زندگی میں نکلنا (خازن)۔ یعنی جنتی اپنی جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ مریں گے نہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔ **وعد اللہ حقا**" ۔ یہ عبارت اصل میں یوں تھی۔ **وعد اللہ وعدا**" **و حق حقا** اور ہو سکتا ہے کہ حقا وعد اللہ کا حال ہو (کبیر و خازن) یعنی شیطان کے وعدے تو سارے جھوٹے ہیں۔ اللہ کے سارے وعدے سچے ہیں جن کے خلاف ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ **و من اصدق من اللہ قیلا**" من سوال انکاری کے لئے ہے اصدق صدق کا اسم تفضیل ہے۔ قیلا اصدق کی ضمیر سے تمیز یعنی سوچو تو خدا تعالیٰ سے بڑھ کر سچے کلام اور سچے وعدے والا کون ہے یعنی کوئی نہیں کیونکہ اس کا جھوٹ ناممکن بالذات ہے کیونکہ جھوٹ ایسا عیب ہے جو الوہیت کے خلاف ہے۔ تو جب تم دنیاوی حکومتوں کے وعدوں پر پورا اعتماد کر لیتے ہو۔ تو اللہ کے وعدوں پر ضرور بھروسہ کرو۔ **لیس بامانیکم** یہ نیا جملہ ہے جس میں گذشتہ ثوابوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ بیان فرمایا گیا۔ لیس فعل ناقصہ ہے جس کا اسم پوشیدہ ہے **ھو**۔ اس سے مراد یا مذکورہ ثواب ہے یا مذکورہ وعدے یا دین یا ثواب و عذاب دونوں مگر پہلی دو توجیہیں زیادہ قوی ہیں کہ ثواب اور وعدے کا ذکر ابھی ہو چکا ہے امانی امنیہ کی جمع ہے بروزن افعولہ اصل میں امنویۃ تھا۔ واؤ۔ ی میں ادغام ہو گیا امنیہ باطل خیال کو کہتے ہیں آرزو و خواہش کو بھی۔ کبھی کلام اور قرات کو بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی تحقیق اس آیت میں ہوگی **الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ** یہاں باطل خیال جھوٹی آرزو کے معنی میں ہے کم میں خطاب یا تو مسلمانوں سے ہے یا مشرکین عرب سے جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا۔ **ولا امانی اھل الکتب** یہ عبارت امانیکم پر معطوف ہے لا تاکید نفی کے لئے مکرر لایا گیا یعنی جن ثواب یا وعدوں کا ذکر ہوا یہ نہ تو اے مسلمانو یا اے مشرکین تمہارے باطل خیالات سے

حاصل ہو سکتے ہیں نہ اہل کتاب کی باطل تمناؤں و آرزوؤں سے بلکہ ان کا حصول ایمان و نیک اعمال سے ہو سکتا ہے۔ اگر ان کی خواہش ہے تو اعمال کرو۔ **من یعمل سوء** " **یجز بہ** یہاں من سے مراد ہر جن و انس ہے کیونکہ گناہوں کی سزا ان دونوں جماعتوں کو ملے گی اگر سوء سے مراد کفر و شرک ہو تب تو **یجز بہ** سے مراد ہے اخروی عذاب اور اگر مراد گناہ ہوں تو **یجز بہ** سے عام سزائیں مراد ہیں۔ دنیاوی ہوں یا اخروی لہذا آیت کریمہ بالکل واضح ہے۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ آگے جس چیز کا ذکر آ رہا ہے۔ دوست و مددگار نہ ہونا یہ کفار سے خاص ہے۔ (تفسیر کبیر) یعنی جو جن و انس کفر و شرک کر تا مرے گا۔ اسے آخرت میں ضرور سزا ملے گی یا جو گناہ کرے گا اسے ضرور سزا ملے گی دنیا میں یا آخرت میں اس کی نیکیاں کم دی جائیں گی۔ **ولا یجد لہ من دون اللہ ولیا** " **ولا نصیرا** " ۔ یہ جملہ یجزبہ پر معطوف ہے اور اس مجرم کی دوسری سزا لہ کا مرجع من ہے دون یا معنی سوا ہے یا معنی مقابل دوسرے معنی زیادہ موزوں ہیں کیونکہ اگر سواء کے معنی کئے جائیں تو مطلب یہ بھی ہو سکے گا کہ اس کا مددگار اللہ تعالیٰ تو ہو گا' دوسرا اور کوئی نہ ہو گا یہ محض باطل ہے اگر معنی مقابل ہو تو بالکل واضح ہے ولی اور نصیر کے معانی اور ان میں فرق بارہا بیان ہو چکا ہے۔ یعنی وہ مجرم اپنے لئے اللہ کے مقابل نہ کوئی ولی و دوست پائے گا جو دوستی کے ذریعہ رب کے عذاب سے چھڑا لے نہ مددگار جو قوت و طاقت کے ذریعہ اس سے چھوڑا لے۔ یہاں تفسیر خازن میں فرمایا کہ اس جگہ روئے سخن کفار و مشرکین سے ہے کیونکہ قیامت میں گنہگار مومن کے لئے اللہ تعالیٰ بہت سے مددگار مقرر فرماوے گا۔ بعض نے فرمایا کہ اس آیت میں من سے مراد کافر ہے اور سوء سے ہر گناہ ہے۔ معنی یہ ہیں کہ جو کافر کوئی بھی گناہ کرے گا چھوٹا یا بڑا اس کی سزا ضرور پائے گا اس کا کوئی گناہ معاف نہ ہو گا۔ معافی مومن کے لئے ہے۔

خلاصہ تفسیر : جو لوگ تمام عقائد اسلامیہ اختیار کر کے مومن ہوئے اور انہوں نے بقدر طاقت ہر قسم کے نیک اعمال کئے ہم عنقریب انہیں بعد قیامت ان دائمی باغوں میں داخل فرمائیں گے۔ جن کے نیچے پانی' شہد' دودھ اور شراب طہور کی نہریں ہمیشہ بہتی ہیں۔ ان چیزوں کے کنوئیں یا تالاب یا چشمے نہیں ہیں تاکہ ان میں حسن و خوبصورتی نہ ہو اور اہل جنت کو پانی وغیرہ لانے کے لئے دور جانا پڑے نہ دریا ہیں جن میں سیلاب وغیرہ کا خطرہ ہو بلکہ نہریں ہیں۔ وہ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ نے سچا وعدہ کیا ہوا ہے اپنی کتابوں توریت و انجیل و زبور و قرآن میں یا اپنے رسولوں کی زبان پر۔ کتابوں اور رسولوں کے وعدے خود رب تعالیٰ کے وعدے ہیں۔ خود سوچ لو کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر سچے کلام اور سچے وعدہ والا کون ہے کہ رب تعالیٰ کو وعدہ پورا کرنے سے نہ تو کوئی مجبوری ہے نہ وہ وعدہ خلافی کا عادی ہے۔ وعدہ خلافی تو شان الوہیت کے خلاف ہے اے مسلمانو یا اے مشرکو یہ ثواب یہ وعدے نہ تو صرف تمہاری خواہشات و خیالات باطلہ سے مل سکتے ہیں نہ اہل کتاب کے جھوٹے خیالات سے کہ تم کہو کہ چونکہ ہم مسلمان ہو چکے' جنت ہماری ہو گئی' اعمال کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں یا مشرکین یہ سمجھ لیں کہ چونکہ بہت ہمارے مددگار ہیں ہم کو بہر حال جنت دلوا دیں گے یا یہود و نصاریٰ یہ سمجھ لیں کہ چونکہ ہم دین موسوی و عیسوی پر ہیں ہم کو عذاب نہ ہو گا۔ یہ سب باطل خیالات ہیں۔ جنت لینا ہے تو ایمان و تقویٰ دو چیزیں اختیار کرو۔ خیال رکھو کہ جو جن و انس کافر ہو کر کوئی گناہ کرے گا اسے سزا ضرور دی جائے گی' بعد قیامت اس کا کوئی چھوٹا بڑا گناہ معاف نہ ہو گا۔ یا جو شخص شرک و کفر کرے گا قیامت میں سزا ضرور دیا جائے گا یا جو مسلمان گناہ کرے گا وہ بدلہ دیا جائے گا اس طرح کہ اس پر دنیا میں تکالیف آئیں گی یا اس طرح کہ آخرت میں سزا دیدی جائے یا اس طرح کہ اس کی نیکیاں کم کر دی جائیں اور کفار مشرکین قیامت میں نہ اپنا کوئی دوست پائیں

گے نہ مددگار جو رب تعالیٰ سے مقابلہ کر کے انہیں عذاب سے چھوڑا لے اگر ہمارے عذاب سے بچنا ہے تو ہماری اطاعت کرو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اعمال پر ایمان مقدم ہے کہ بغیر ایمان کوئی نیکی قبول نہیں۔ جیسا کہ ایمان کو اعمال پر مقدم فرمانے سے معلوم ہوا۔ کفار کتنے ہی صدقے خیرات کریں بیکار ہے۔ جڑ کٹا درخت شاخوں کو پانی دینے سے ہرا نہیں ہو سکتا۔ **دوسرا فائدہ:** ایمان کے ساتھ نیک اعمال کی بھی ضرورت ہے جیسا کہ **و عملوا الصلحت** سے معلوم ہوا جو شخص کہے کہ مسلمان کو نیک عمل کی ضرورت نہیں وہ اس آیت کے خلاف کہتا ہے۔ **تیسرا فائدہ** : اعمال نہ عین ایمان ہیں' نہ جزو ایمان بلکہ ایمان کے علاوہ ہیں۔ کیونکہ یہاں اعمال کو ایمان پر معطوف کیا گیا اور معطوف ہمیشہ معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** قیامت بہت قریب ہے۔ اگرچہ ہم کو دور معلوم ہو۔ جیسا کہ **سند خلهم** کے سین سے معلوم ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اقتربت الساعة وانشق القمر**۔ **پانچواں فائدہ:** متقی مومن کا جنتی ہونا یقینی ہے کہ رب تعالیٰ اس کا وعدہ فرما چکا ہے اب جو شخص صحابہ کرام خصوصاً" حضرت صدیق اکبر کو جن کے ایمان و تقویٰ کی گواہی قرآن مجید دے رہا ہے انہیں دوزخی کہے وہ جھوٹا ہے اس آیت کا منکر ہے۔ خود دوزخی ہے۔ صحابہ کرام وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت' اسلام کی اشاعت' قرآن کی حفاظت کے لئے چن لیا۔ مہربان باپ اپنے بچے کو بروں کی صحبت سے بچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بروں سے الگ رکھا' اچھوں کو حضور کے ساتھ رکھا۔ صحابہ کرام کے اخلاص میں شک کرنے والوں کو انہیں ریاکار کہنے والے منافقوں کے متعلق فرمایا۔ **ان تستغفرلهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم** اگر آپ ستر بار بھی ان کے لئے بخشش کی دعا کریں اللہ انہیں نہ بخشے گا۔ تو ان حضرات کو کافر یا منافق کہنے والوں کا کیا انجام ہو گا۔ خود اپنے ایمان سے فیصلہ کرالو۔ **چھٹا فائدہ:** صرف نسب اور نسبتوں پر فخر کرنا' اعمال کی کوشش نہ کرنا' پھر اپنے کو جنتی سمجھنا' جھوٹی ہوس اور خیال خام ہے۔ جیسا کہ **ليس بامانيكم** الخ سے معلوم ہوا۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں' جو محب حسین ہونے کا دعویٰ کر کے اپنے کو نماز روزے سے بے نیاز سمجھتے ہیں۔

گندم از گندم بروید جوز جو' از مکافات عمل غافل مشو!

جو بو کر گندم کیسے کاٹ سکتے ہو؟ **ساتواں فائدہ:** کفار کا مددگار و دوست قیامت میں کوئی نہ ہو گا۔ جیسا کہ **لا يجد لهم** الخ سے معلوم ہوا۔ وہاں کفار کی دوستیاں قرابتداریاں دشمنی میں تبدیل ہو جائیں گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الاخلاء يومئذ بعضهم لبعض عدو الا المتقين** مومنوں کے مددگار دوست بہت ہوں گے۔ **انما وليكم الله و رسوله والذين امنوا**۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنتی ہونے کے لئے ایمان و اعمال دونوں ہی یکساں ضروری ہیں جیسا کہ **امنو و عملو الصلحت** سے پتہ لگا تو لازم آیا کہ جیسے کوئی شخص بغیر ایمان جنت میں نہیں جا سکتا ایسے ہی بغیر نیک اعمال جنت میں نہ جا سکے۔ حالانکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ بے عمل مومن بھی جنتی ہے نیز جو لوگ ایمان لاتے ہی فوت ہو جائیں وہ بھی جنتی ہیں اگرچہ انہیں کسی عمل کا وقت نہ ملے یہ دونوں عقیدے اس آیت کے خلاف ہیں۔ **جواب:** ایمان سے جنت کا داخلہ ہے اور اعمال سے جنت کا اول داخلہ گنہگار مسلمان ممکن ہے کہ اول سے جنت میں نہ جا سکے کچھ سزا پا کر جائے یہاں **سند خلهم** سے مراد

جنت کا اولی داخلہ ہے جیسا کہ سین سے معلوم ہوا اگر یہ تفصیل نہ کی جائے تو بہت سی آیات و احادیث سے تعارض ہو گا۔ نیز اعمال بقدر طاقت ضروری ہیں جو مسلمان ہوتے ہی فوت ہو جائے اس کو عمل کی قدرت ہی نہ ملی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لا یکلف اللہ نفسا" الا وسعھا**۔ دوسرا اعتراض: یہاں سند خلھم جمع متکلم کا صیغہ کیوں فرمایا؟ سید خلھم واحد غائب چاہئے تھا یعنی ان کے ایمان و اعمال انہیں جنت میں داخل کریں گے کیونکہ یہی چیزیں اسے جنت میں لے گئیں۔ جواب: یہ بتانے کے لئے کہ کوئی شخص اپنے اعمال پر نازاں نہ ہو جنت کا داخلہ در حقیقت ہمارے کرم سے ہو گا ایمان و اعمال تو اس کا سبب ہیں۔ جیسے دنیا میں ہم روزی کے لئے کسب کرتے ہیں مگر رزاق روزی رساں رب تعالیٰ ہی ہے اس کا کرم نہ ہو تو کسب کام نہیں آتا۔

اگر بہ ہر سر مویت ہنر دو صد باشد　　ہنر بہ کار نہ آید چو بخت بد باشد!

تیسرا اعتراض: یہاں جنت جمع کیوں فرمایا گیا جنت تو ایک ہی ہے جیسے دوزخ ایک ہے۔ جواب: جنت کے معنی ہیں چھپا ہوا باغ۔ یہ اسم جنس ہے پورے باغ کو بھی جنت کہتے ہیں اس کے اجزاء کو بھی جنت ہی کہا جاتا ہے۔ پوری جنت تو ایک ہے مگر اس کے مجموعی حصے آٹھ یا سات پھر افرادی حصے بے شمار ایک ایک جنتی کو بہت سی جنتیں عطا ہوں گی۔ نماز کی جنت علیحدہ روزے کی علیحدہ' زکوٰۃ کی علیحدہ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وہ کریم ہے اس نے دینے کے بہت سے ذریعہ بہانہ بنا دیئے ہیں۔

رحمت حق بہا نمی طلبد　　رحمت حق بہانہ می طلبد

اللہ کی رحمت قیمت نہیں مانگتی وہ تو بہانہ چاہتی ہے' وہ دینے کو تیار ہے ہم لینے والے نہیں۔ لہٰذا جمع فرمانا درست ہے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی گنہگار کا کوئی گناہ معاف نہ ہو گا ہر گناہ کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ دیکھو فرمایا گیا۔ **من یعمل سوء ا یجز بہ** جو شخص کوئی گناہ کرے سزا دیا جائے گا۔ من بھی عام ہے سوء" بھی مطلق لہٰذا بخشش۔ شفاعت کوئی چیز نہیں (معتزلہ)۔ جواب: اس اعتراض کے چند جواب تفسیر سے معلوم ہو گئے۔ ایک یہ کہ من اور سوء مطلق نہیں بلکہ مجمل ہیں۔ ان کی تفصیل و تفسیر دوسری آیات و احادیث میں ہے کہ یا تو من سے مراد کافر ہے تو سوء" سے مراد ہر گناہ ہے۔ صغیرہ ہو یا کبیرہ کافر کا کوئی گناہ معاف نہیں یعنی جو کافر و مشرک کوئی گناہ کرے گا سزا دیا جائے گا۔ یا من سے مراد مطلقاً" انسان ہے تو سوء سے مراد کفر ہے یعنی جو جن و انس کفر کرے گا ضرور سزا دیا جائے گا۔ کفر کی بخشش نہیں یا من سے مراد مسلمان ہے اور سوء سے مراد ہر گناہ تو **یجز بہ** سے مراد مطلقاً" سزا ہے دنیا میں ہو یا آخرت میں مومن کے لئے دنیا کی بیماریاں پریشانیاں تفکرات گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے۔ اس کے متعلق حضرت ابو بکر صدیق کی حدیث ہم شان نزول کے سلسلہ میں عرض کر چکے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومن کو اگر کانٹا یا پھانس لگ جائے وہ بھی اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔ (تفسیر کبیر)۔ یا من سے مراد مومن ہے اور سوء" سے مراد ہر گناہ ہے اور جزاء سے مراد قیامت کی سزا ہے۔ تو سزا یہ ہے کہ گنہگار مسلمان کی نیکیاں کم ہو جائیں اس کا درجہ گھٹ جائے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ان الحسنات یذھبن السیات** کلبی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ اس آیت کے نزول پر صحابہ کرام نے یہی سوال بارگاہ رسالت میں عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے نیکی پر دس گنا کا وعدہ فرمایا ہے اور بدی پر ایک عذاب کی خبر دی ہے اگر گناہ کی سزا دی گئی تو ایک گناہ ایک نیکی کم کرے گا تو پھر بھی باقی رہیں گے بدیاں اکائیاں ہیں نیکیاں دہائیاں (تفسیر کبیر) دینے والے تیرے ہاتھ پاک پر ہم گنہگاروں کی جنتیں

قربان ہم گنہگاروں کو نکالنے کے لئے کتنے دروازے بنادیئے ہیں۔ مگر ان سب جوابوں میں جواب اول بہت قوی ہے۔ یہاں کفار کی سزا کا ذکر ہے کیونکہ اگلا مضمون کفار کے متعلق ہی ہے کہ وہ اپنے لئے مددگار دوست نہ پائے گا۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ ظالم کافروں کا مددگار کوئی نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وما للظلمین من انصار۔** خیال رہے کہ یہ اعتراض خود معتزلہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ بھی صغیرہ گناہوں کی معافی کے قائل ہیں وہ صرف گناہ کبیرہ کی بخشش نہیں مانتے۔ **پانچواں اعتراض:** جس قدر جوابات دیئے گئے یہ مان لئے جائیں تب بھی شفاعت تو ختم ہو گئی جب ہر گناہ کا بدلہ ضرور ملتا ہے خواہ کسی نوعیت کا ہو تو شفاعت سے بخشش تو نہ رہی۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ آیت کفار کے لئے ہے اور کافر کو شفاعت ہی نہیں ہوگی۔ رب تعالیٰ حضور کی شفاعت سے مسلمان کی دنیاوی تکالیف کو کفارہ گناہ بنادے گا وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ یہ ذکر قانون و عدل کا ہے شفاعت اس کریم کا فضل ہے۔ قانون کے پابند ہم ہیں وہ نہیں فضل فرمائے تو ہم جیسے کروڑوں گنہگاروں کو آن میں بخش دے۔

عدل کرے تے تھر تھر کنبن اچیاں شاناں والے ۔۔۔ فضل کرے تے بخشے جاون مجھ جیسے منہ کالے

ایم پر گناہ تو دریائے رحمتی ۔۔۔ آنجا کہ فضل تست چہ باشد گناہ ما

سمندر کے آگے گندے جسموں کی کوئی حقیقت نہیں اور دریائے رحمت کے سامنے گندے دلوں یعنی گنہگاروں کی کچھ حقیقت نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے میرے ظالم بندو! اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخش دے گا یہ ہے اس کریم کے فضل و کرم کا سمندر بے پایاں جس میں انشاء اللہ ہم گنہگار غوطے لگا کر پاک و صاف ہوں گے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلم و کافر یکساں ہیں کسی کی کوئی رعایت نہیں۔ مسلمان گناہ کرے سزا پائے گا۔ کافر نیکیاں کرے بخشا جائے گا۔ دیکھو فرمایا گیا **لیس بامانیکم ولا امانی اهل الکتب۔** **نوٹ:** یہ اعتراض مولوی محمد علی لاہوری مرزائی نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں اس جگہ لکھا اور مولوی ابوالکلام آزاد کو بھی یہی خبط ہوا تھا۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو دعوت اسلام کیوں دی۔ صرف یہ فرمادیتے کہ اپنے اپنے دین میں رہ کر صدقہ خیرات وغیرہ نیکیاں کئے جاؤ اور آج تم لوگوں کو مرزائیت قادیانیت کی دعوت کیوں دیتے ہو انسان ہر مذہب میں رہ کر جنتی بن سکتا ہے۔ **جواب تحقیقی** وہ ہے جو ابھی تفسیر میں گزرا کہ بامانیکم میں خطاب مشرکین سے ہے یعنی اے مشرکو! تم جو کہتے ہو کہ قیامت حساب کتاب کچھ بھی نہیں اور اگر ہوا تو ہمارے بت بخشوالیں گے۔ ان خواہشات پر نجات نہیں۔ اور اگر خطاب مسلمانوں سے بھی ہو تب بھی اس سے مسلمانوں کے غلط خیالات مراد ہیں۔ کہ کلمہ پڑھ لینے یا محرم میں سینہ کوٹ لینے یا فلاں پیر کے مرید ہو جانے کے بعد کسی عمل کی ضرورت نہیں جیساکہ پرچیہ۔ دتہ شاہی بھنگی، چرسی سمجھے بیٹھے ہیں کہ یہ عقیدے کفر ہیں۔ اور کفر ناقابل بخشش گناہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ: مومن کا ایمان اور اس کے نیک اعمال اگر قبول ہو جائیں تو سدا بہار گلشن ہیں۔ جس میں کبھی خزاں نہیں آتی رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **تؤتی اکلها کل حین** الخ مومن کے مرے بعد بھی لوگ اس کے گلشن سے پھل پھول حاصل کرتے ہیں۔ مومن کی اولاد " نیک ہوتی ہے۔ مومن کی کتابوں سے لوگ ایمان حاصل کرتے ہیں۔ مومن کے شاگردوں

مردوں سے فیض باقی رہتا ہے۔ لہٰذا اسے جنت دی جائے گی کہ وہ بھی سدا بہار گلشن ہے۔ **ھل جزاء الاحسان الا الاحسان** رب سچا اس کے وعدے سچے اس کے رسول سچے اس کی کتابیں سچی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رجاء امید عبادت بلکہ ایمان ہے۔ امنیۃ کفر ہے۔ رجاء وہ امید ہے جس کے ساتھ عمل بھی ہو۔ امنیۃ وہ امید جو بغیر عمل کے ہو جو بو کر گندم کی امید امنیہ ہے۔ گندم بو کر گندم کی امید رجاء و امید ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومن وہ جس کے عمل عقیدے درست ہوں۔ عامل صالح وہ جس کی نیت درست ہو۔ اخلاص والا عمل صالح ہے اگرچہ کھانا پینا ہو ریاکاری کا عمل گناہ ہے اگرچہ نماز و حج ہو جس شخص میں ایمان و اخلاص جمع ہوں وہ جنتی ہے۔ نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ جسمانی زندگی کے لئے مختلف قسم کی غذائیں، دوائیں ضروریات لازمی ہیں۔ ہوا پانی، روٹی پھر پھل فروٹ لباس مکان ضروری ہے ایسے ہی روحانی زندگی کے لئے بدنی مالی (مخلوط بدن مال سے) نیکیاں لازم ہیں۔ اسی لئے یہاں صالحات جمع ارشاد ہوا کہ ہر قسم کی نیکیاں کرو۔ پھر نیکی وہ ہے جسے حضور نیکی فرمادیں اور گناہ وہ ہے جسے حضور گناہ قرار دے دیں۔ طلوع و غروب کے وقت نماز عید کے دن روزہ رکھنا گناہ ہے کیونکہ اسے حضور نے گناہ کہہ دیا۔ مخمصہ کی حالت میں مردار کھالینا نیکی ہے کہ اسے اللہ رسول نے نیکی قرار دیدیا اس لئے یہاں صالحات کو مجمل رکھا گیا۔

اے عام لوگو! جو گناہ کر کے توبہ نہیں کرو پھر بخشش کے امیدوار ہو نہ تو تمہارے ان خیالوں پر بخشش ہے اور نہ اہل کتاب یعنی علماء سوء جو قرآن پڑھنے، دھوکہ دینے کو لوگوں پر راہ طلب بند کرتے ہیں۔ نہ ان کے خیالات پر بخشش ہے۔ جو گناہ کرے گا۔ عوض دیا جائے گا کہ اس کے دل پر گناہ کی وجہ سے داغ لگے گا۔ اگر توبہ کرے گا صیقل ہو جائے گی۔ ورنہ یہ داغ بڑھتا جائے گا اسے اللہ کے مقابل نہ کوئی ولی ملے جو گناہوں کی اندھیریوں سے توبہ کی روشنی کی طرف نکال دے نہ کوئی مددگار ملے جو اسے نفس و شیطان کے مقابل فتح دے (از روح البیان مع زیادۃ) صوفیاء کا ارشاد ہے کہ نبی کی نبوت منسوخ ہو جانے سے ان کا دین گمراہی بن جاتا ہے ان کی کتاب ناقابل عمل ہو جاتی ہے ان کے اعمال ناقابل پیروی ہو جاتے ہیں۔ جیسے درخت کی جڑ سوکھ جانے سے پتے شاخیں کلیاں پھل پھول سب ختم ہو جاتے ہیں۔ ان کے اولیاء کے فیوض بند ہو جاتے ہیں۔ جیسے سورج کے ڈوب جانے سے ذروں کی چمک جاتی رہتی ہے۔ دیکھو اب عیسائیت یہودیت کفر ہے۔ بنی اسرائیل کے اولیاء آصف ابن برخیا۔ حضرت مریم کے فیوض بند ہو گئے۔ لہٰذا یہاں سوء سے مراد یہودیت عیسائیت ہے یعنی اب جو بھی یہودیت عیسائیت پر عمل کرے گا اسے سزا دی جائے گی۔ حضور غوث پاک خواجہ اجمیری کے فیوض تاقیامت باقی ہیں۔ کیونکہ ان ذروں کا چمکانے والا سورج ڈوبا نہیں۔ اسی لئے قرآن قابل عمل کتاب ہے۔ اسلام میں ہدایت ہے ساری بہار نبوت سے ہے نہ کہ توحید سے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ
اور جو کوئی کام کرے اچھے خواہ مرد ہو یا عورت حالانکہ وہ مسلمان ہیں
اور جو کچھ بھلے کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور ہو مسلمان تو
فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا
تو یہ لوگ جائیں گے جنت میں اور نہ ظلم کئے جائیں گے کھجور کے گڑھے برابر اور کون ہے بہتر
وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے اور انہیں تل بھر نقصان نہ دیا جائے گا اور اس سے بہتر کس کا دین

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

(کنز الایمان) اور اس سے بہتر کس کا دین جس نے اپنا منہ اللہ کے لئے جھکا دیا اور وہ نیکی والا ہے اور ابراہیم کے دین پر چلا جو

(ترجمہ) اور اچھا ہے دین کے اس سے جو اطاعت کرے اللہ کی حالانکہ وہ اور نیکوکار ہوا اور پیروی کرے دین ابراہیم

حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

کی ہر برائی سے دور اور بنایا اللہ نے ابراہیم کو خاص دوست اور اللہ ہی کا ہے وہ جو آسمانوں

باطل سے جدا تھا اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنایا اور اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں میں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

میں ہے اور وہ جو زمین میں ہے اور ہے اللہ ہر چیز کو گھیرے

ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور ہر چیز پر اللہ کا قابو ہے

تعلق : ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ بخشش و نجات کسی کے خواہشوں و خیال سے نہیں ہوگی۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ نعمتیں ایمان اور نیک اعمال سے ملیں گی اگر نجات چاہتے ہو تو ان چیزوں کو اختیار کرو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ جو برے کام کرے گا سزا دیا جائے گا۔ اب ارشاد ہے کہ جو ایمان اور نیک اعمال کرے گا ثواب دیا جائے گا یعنی مضر اعمال کا ذکر پہلے تھا مفید اعمال کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی گذشتہ آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جو مومن نیک اعمال کرے گا جنتی ہوگا اس سے شبہ ہوتا تھا کہ جنتی ہونے کے لئے سارے نیک اعمال کرنے چاہئیں اب اس شبہ کو دور فرمانے کے لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ بقدر طاقت بعض نیک اعمال کافی ہیں **من الصلحت**۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں ایمان و اعمال نیک کو نجات کا مدار قرار دیا گیا تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ ایمان نام ہے ملت ابراہیمی کی اتباع کا گویا یہ آیات ان آیات کے اجمال کی تفصیل ہیں۔

شان نزول : جب پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ جو برائی کرے گا سزا دیا جائے گا تو اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ بولے کہ اے مسلمانو ہم تم دونوں برابر ہیں تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہم تم دونوں بارگاہ الٰہی میں یکساں ہیں نیکی کرلیں ثواب لے لیں گناہ کرلیں سزا بھگت لیں۔ تب ان کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں جن میں مسلمانوں کی افضلیت کفار پر ثابت کی گئی اور بتایا گیا کہ کفار کی نیکیاں غیر مقبول ہیں۔ مومنوں کی نیکیاں مقبول (تفسیر کبیر، خازن وغیرہ)۔

تفسیر : ومن یعمل من الصلحت من ذکر او انثی۔ یہاں بھی من کی وہی تحقیق ہے جو اس سے پہلے کی گئی کہ اس سے انسان مراد ہیں کیونکہ فرشتوں اور مومن جنات کے لئے جنت نہیں۔ **یعمل** سے مراد جسمانی و مالی نیکیاں ہیں۔ کیونکہ قلبی نیکیوں یعنی ایمان کا ذکر تو **وھو مؤمن** میں ہے۔ عمل مضارع فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ نیکیاں صرف ایک بار ہی کر کے بس نہ کر دے بلکہ کرتا رہے۔ جیسے جسمانی زندگانی کے لئے سانس تو ہر وقت لیتے ہیں۔ پانی دن رات میں آٹھ دس

بار پیتے ہیں- غذا دو تین بار کھاتے ہیں- مکان عمر میں ایک بار بناتے ہیں لباس چھ سات ماہ میں بناتے ہیں- ایسے ہی روحانی زندگی کے لئے خوف خدا عشق جناب مصطفیٰ ذکر اللہ و رسول تو ہر وقت ہی چاہئے- نمازوں میں پانچ بار روزہ سال میں ایک دفعہ زکوٰۃ سال میں ایک بار و حج عمر میں ایک بار کرنا لازم ہے- عمل کے دوام میں بہت وسعت ہے- **من الصلحت** میں من تبعیضیہ ہے- اور **من ذکر** الخ میں من بیانیہ ہے' و من عمل کا بیان لہذا من الصالحات سے بقدر طاقت نیکیاں مراد ہیں- خواہ بدنی نیکیاں ہوں یا مالی غریب آدمی پر زکوٰۃ' حج فرض نہیں ناپاک عورت بیہوش' دیوانہ' پاگل پر نماز فرض نہیں اس من تبعیضیہ نے مسئلہ بالکل واضح کر دیا- ذکر وانثی میں قیامت تک کے مسلمان داخل ہیں- یعنی جو انسان مرد ہو یا عورت جس قدر بن پڑے اس قدر نیک اعمال کرے- خیال رہے کہ رجل اور امراۃ صرف بالغ مرد و عورت کو کہتے ہیں مگر ذکر وانثی ہر مذکر مونث کو خواہ بالغ ہو یا نابالغ- یہاں ذکر وانثی فرما کر اشارۃً بتایا کہ نابالغ مرد و عورت کی نیکیاں اگرچہ شرعاً معتبر نہیں مگر رب تعالیٰ ثواب اس پر بھی عطا فرمائے گا جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ چھوٹے بچے کے حج کا ثواب والدین کو بھی ملتا ہے اور بچوں کی تلاوت قرآن سے ماں باپ کی بخشش ہوتی ہے اگر بچوں کی نیکیوں پر ثواب نہ ہو تو یہ نتیجے کیسے نیز اگرچہ عورت نبوت' امامت' قضا' جہاد' دائمی روزہ' نماز سے محروم و مجبور ہے- مگر رب تعالیٰ کے ہاں ثواب مرد کے برابر پائے گی- نیکیاں کم ثواب برابر مقام جنت میں خاوند کے ساتھ مگر شرط یہ ہے' **وھو مومن**- خیال رہے کہ **من ذکر او انثی** عمل کے فاعل ھو سے حال بیانیہ تھا اور یہ عبارت بھی اسی کا حال شرطیہ ہے- لہذا واؤ حالیہ ہے اور ھو کا مرجع من عمل کا من ہے جو لفظاً" واحد ہے معنیً" جمع اس لئے یہاں ھو واحد لایا گیا مومن سے مراد ہے دین اسلام کا پیروکار یعنی مسلمان یا تو نیکیاں کرتے وقت ہی مومن ہو یا مرتے وقت مومن ہو- جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ کافر اگر مسلمان ہو جائے تو زمانہ کفر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس زمانہ کی نیکیوں پر ثواب مل جاتا ہے لیکن اگر مسلمان کافر و مرتد ہو جائے تو اس کے عکس کہ گناہ لازم نیکیاں برباد- **فاولئک یدخلون الجنۃ** یہ جملہ من عمل کی خبر یعنی" جزاء ہے **اولئک** سے اشارہ من عمل کے من کی طرف ہے- جو معنیً جمع تھا- اس لئے **اولئک** جمع لایا گیا اگرچہ ان کا ذکر ابھی گزرا مگر چونکہ یہ لوگ اونچی شان والے ہیں- لہذا **اولئک** اشارہ بعید فرمایا گیا ہماری قرات میں یدخلون معروف کے صیغہ سے ہے مگر ابن کثیر ابو بکر عن عاصم کی قرات میں ی کے پیش خ کے فتح سے ہے مجہول- اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ غالباً" اسی قرات پر ہے یعنی داخل ہوں گے- روحانی طور پر تو بعض مومنین مرتے ہی جنت میں داخل ہو جائیں گے جیسے شہدا مگر جسمانی طور پر سب کا داخلہ بعد قیامت ہوگا- **ولا یظلمون نقیرا**" یہ جملہ یدخلون پر معطوف ہے لہذا اولئک کی خبر ہے یہاں ظلم سے مراد ہے ان کی نیکیاں کم کر دینا اور اونچے واعلیٰ مقام کے مستحقین مومنین کو ادنیٰ جنتی مقام دینا **نقیر** بنا ہے نقر سے یعنی کھودنا گڑھا کرنا اصطلاح میں نقیر کھجور کی گٹھلی کے گڑھے کو کہتے ہیں- جس سے درخت اگتا ہے- اہل عرب اس کو معنی معمولی و حقیر استعمال کرتے ہیں- یعنی یہ مومن معمولی سا ظلم بھی نہ کئے جائیں گے- اپنے اعمال کا بدلہ پورا دیئے جائیں گے- **و من احسن دینا**" یہ جملہ نیا ہے واؤ ابتدائیہ ہے- من استفہام انکاری کے لئے دیناً" احسن کی تمیز دین کے چند معنی ہیں- بدلہ' مالک یوم الدین- طریقہ' کما تدین تدان- مذہب و ملت یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں- اس سے بہتر بدلہ کا مستحق کون ہے- اس سے اچھا طریقہ والا کون ہے- اس سے اچھا دین و ملت والا کون ہے- خیال رہے کہ دین اور ملت دونوں عقائد پر بولے جاتے ہیں- مگر عقائد باعتبار اطاعت کے دین کہلاتے ہیں اور اس اعتبار سے کہ وہ لکھے جاتے ہیں

ان کی تبلیغ کی جاتی ہے' ملت کہے جاتے ہیں' لہٰذا دین و ملت میں فرق اعتباری ہے اس کی مکمل بحث پہلے پارے میں ہو چکی۔ **ممن اسلم وجھہ للہ** یہ عبارت احسن کے متعلق ہے اسلم اسلام سے بنا بمعنی جھکا دینا یا خاص کر دینا یا سپرد کرنا۔ وجہ سے مراد یا چہرہ ہے' یا توجہ ہے' یا ذات' یا نفس۔ یعنی اس سے بہتر کس کا دین ہو سکتا ہے جو اپنا چہرہ اللہ کے لئے جھکا دے یا جو اپنی توجہ رب کے لئے خاص کر دے یا جو اپنی ذات و نفس اللہ کے سپرد کر دے کہ سمجھے میرا کچھ نہیں' جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کا ہے۔ **ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العلمین۔** یہ ہے اسلم وجہہ" کا خلاصہ مہربان ماں بمقابلہ بالغ یا سمجھدار اولاد کے شیر خوار اور ناسمجھ بچہ کی بہت زیادہ نگہداشت رکھتی ہے اس کے پیشاب' پاخانے کھانے پینے' آرام کی ہر وقت فکر رکھتی ہے۔ کیوں' اس لئے کہ اس شیر خوار نے اپنے کو ماں کے سپرد کر دیا ہے۔ سمجھدار اولاد اپنے پاؤں پر کھڑی ہو چکی ہے ایسے ہی جو اللہ والے اپنے کو رب کے حوالہ کر دیں رب تعالیٰ ان کے سارے کام خود بنا تا ہے انہیں دوسری فکروں سے آزاد کر دیتا ہے۔ **وھو محسن** یہ عبارت اسلم کے فاعل سے حال ہے اگر اسلم وجہہ سے مراد عقائد تھے تو ھو محسن سے مراد ہے ہر قسم کی نیکیاں کرنے والا اور اگر اسلم وجہہ سے مراد اعمال صالحہ تھے تو محسن سے مراد ہے اخلاص سے اعمال کرنے والا۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت یوں کرے گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے اگر یہ تصور نہ کر سکے تو سمجھ کہ خدا تعالیٰ تجھ کو دیکھ رہا ہے بہرحال محسن کے چند معنی ہو سکتے اسلم وجہہ کے مطابق اس کے معنی کئے جاویں گے۔ چونکہ سارے کفار کہہ سکتے تھے کہ ہم مسلم بھی ہیں محسن بھی۔ ہمارے عقائد بھی اچھے ہیں اعمال بھی بھلے اس لئے اب ارشاد ہوا۔ **واتبع ملۃ ابرھیم حنیفا**" ۔ یہ عبارت در حقیقت اسلم وجہہ اور وھو محسن کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ مسلم اور محسن وہ ہے جو ملت ابراہیمی کا متبع ہو۔ چونکہ یہ اتباع گزشتہ دونوں چیزوں یعنی اسلم وجہہ' اور وھو محسن کی شرط ہے اس لئے اسے بعد میں بیان فرمایا گیا۔ جیسے کہا جائے کہ نماز نام ہے قیام تلاوت رکوع سجود کا جبکہ وہ وضو کے ساتھ ہوں۔ جو نیکی نبوت کی روشنی میں کی جائے وہ نیکی ہے اور جو نیکی صرف اپنی رائے سے کی جائے وہ نیکی نہیں فعل عبث ہے۔ جیسے کفار کے صدقے و خیرات و ترک دنیا وغیرہ یہاں ملت ابراہیمی سے مراد دین محمدی ہے' اسلام کہ اس میں تمام ملت ابراہیمی ایسی موجود ہے جیسے شرح میں متن یا تفصیل میں اجمال ہم دین اور ملت کا فرق ابھی عرض کر چکے۔ ابراہیم کے معنی اور آپ کے حالات زندگی پہلے پارہ کی تفسیر میں بیان ہو چکے ہیں کہ اس کے معنی ہیں اب رحیم مہربان باپ چونکہ آپ انبیاء کرام کے والد ہیں لہٰذا آپ باپ ہوئے اور چونکہ آپ جمالی رسول ہیں نہ کہ جلالی لہٰذا آپ رحیم ہیں۔ حنف کے معنی پہلے عرض ہو چکے ہیں کہ یہ لفظ حنف سے بنا بمعنی کسی چیز سے علیحدگی حنف کسی کی طرف جھکنا' جنف کسی سے دوری کی طرف جھکنا۔ خیال رہے کہ یہاں حنیفا یا ابراہیم سے حال ہے یا ملت ابراہیم سے یا' واتبع کے فاعل ھو سے کہ مومن وہ ہے جو ملت ابراہیمی کی اتباع کرے اور ہر بے دین سے علیحدہ رہے یا مومن وہ جو دین ابراہیمی کی اتباع کرے۔ جو ابراہیم یا جو ملت ابراہیم ہر برائی سے الگ تھے۔ **واتخذ اللہ ابرھیم خلیلا**" یہ نیا جملہ ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت کا ذکر ہے آپ کی عظمت سے ملت ابراہیمی کی عظمت معلوم ہوتی ہے فاعل سے فعل کی اور منسوب الیہ سے منسوب کی عزت ظاہر ہوتی ہے اتخذ فعل ماضی ہے۔ جس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ جناب ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنا چکا کب بنایا اس کے متعلق مختلف روایتیں ہیں۔ قوی تر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی پیدائش سے پہلے ہی آپ کو رب نے اپنے خلیل بنا لیا تھا مگر اس کا ظہور کسی واقعہ خاص پر ہوا۔ چنانچہ تفسیر کبیر' روح المعانی' روح البیان وغیرہ نے روایت کی کہ

مصر میں آپ کا ایک دوست تھا جس سے آپ اپنے مہمانوں کے لئے گندم" آٹا وغیرہ منگایا کرتے تھے۔ آپ کا گھر مہمانوں کا مرکز تھا لب سڑک گھر تھا۔ ہر راہ گیر آپ کا مہمان ہوتا تھا۔ اکثر اوقات مہمانوں کے میلے لگے رہتے تھے۔ ایک بار ملک میں قحط پڑ گیا۔ گندم کی بہت قلت ہو گئی آپ نے اپنے غلام اور اونٹ اس مصری بیوپاری کے ہاں گندم کے لئے بھیجے وہ بولا اگر صرف ابراہیم اپنے واسطے گندم منگاتے میں دے دیتا ان کے بے پناہ مہمانوں کے لائق میرے پاس گندم نہیں گندم کی ملک میں بہت تنگی ہے۔ غلاموں نے سوچا کہ اگر خالی اونٹ ہم لے گئے تو مہمان دیکھ کر بہت مایوس ہوں گے۔ لاؤ ریتے سے بوریاں بھر لو تاکہ مہمان بھرے بورے لدے اونٹ دیکھ کر کچھ تو مطمئن ہو جائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا جب جناب ابراہیم کے گھر میں اونٹ پہنچے تو مہمانوں مسافروں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ آٹا آگیا یہ بورے گھر میں پہنچا دیئے گئے اور یہ غلام سو رہے۔ بی بی سارہ اسے آٹا سمجھ کر اٹھیں بوریاں کھولیں تو سب میں نہایت نفیس گندم کا آٹا تھا۔ چنانچہ پراٹھے 'شیرمال' روٹیاں لنگر کے لئے پکنے لگے۔ جناب ابراہیم بیدار ہوئے کھانے کی خوشبو پا کر بی بی سارا سے پوچھا آٹا کہاں سے آیا بولیں تمہارے مصری خلیل کے ہاں سے آپ بولے نہیں بلکہ میرے عرشی خلیل رب جلیل کے ہاں سے آیا ہے۔ یہ لفظ رب تعالیٰ کو ایسا پیارا معلوم ہوا کہ اس دن سے آپ کو خلیل اللہ کا خطاب دیا گیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آپ کے ہاں جانور بھیڑ بکریاں گائے اس قدر تھے کہ ان کی حفاظت کے لئے پانچ ہزار کتے پالے گئے تھے۔ جن کے گلوں میں سونے کے پٹے تھے 'ایک فرشتہ بشکل انسانی ایک پہاڑ کے غار میں بیٹھ کر حمد الٰہی بہ آواز بلند کرنے لگا۔ **سبوح قدوس ربنا و رب الملائکۃ والروح** آپ آواز پر وہاں پہنچے اور بیٹھ کر سننے لگے آپ کو وجد آگیا۔ فرشتہ خاموش ہو گیا آپ بولے یار کلاذکر اور سناؤ وہ بولا اجرت لوائیے آپ نے اپنی ساریاں بکریاں اسے دے دیں۔ پھر اس نے کچھ ذکر الٰہی کیا۔ جب خاموش ہوا آپ نے فرمایا یار کلاذکر اور سنا۔ وہ بولا پہلی اجرت ختم ہو گئی اور اجرت لائیے۔ آپ نے اپنے سارے اونٹ دے دیئے غرضیکہ اسی طرح باری باری سے جائیداد مکانات جانور سب سامان دے دیا۔ آخر کار آپ نے فرمایا اب تو مجھے اجرت میں لے لے اور ذکر یار سنا۔ تب فرشتے نے کہ آپ اللہ کے خلیل ہیں یعنی سب سے منقطع اللہ سے واصل اسی دن سے آپکا لقب خلیل اللہ ہوا۔ (روح البیان) تیسری روایت میں ہے کہ ایک دن کوئی بے دین شخص آپ کا مہمان ہوا۔ اسے کھانا پیش کیا اس نے بغیر بسم اللہ کے کھانا شروع کرنا چاہا آپ نے فرمایا اللہ کے بندے 'اللہ کا رزق' اللہ کا نام لے کر کھا۔ بسم اللہ پڑھ 'اس نے کہا میں خدا کا منکر ہوں اور آپ کے دو لقموں کی وجہ سے اپنے باپ دادا کا دین نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ نے اس کے آگے سے کھانا اٹھالیا۔ وہ بھوکا چلا گیا۔ وحی الٰہی آئی کہ اے ابراہیم میں اس کو ستر سال سے اس کے کفر کے باوجود روزی دے رہا ہوں تم اسے ایک لقمہ نہ کھلا سکے۔ آپ فوراً اس کے پیچھے دوڑے۔ اسے وحی الٰہی سنائی اور اسے واپس لائے' کھانا پیش کیا وہ یہ سن کر اور یہ حالات دیکھ کر بہت رویا۔ بولا الٰہی مجھ جیسا کوئی لئیم نہیں تجھ جیسا کوئی کریم نہیں۔ توبہ کر کے مسلمان ہو گیا۔ تب آپ کو خلیل اللہ کا لقب ملا۔ (روح البیان)۔ تفسیر کبیر نے اس کے متعلق اور روایات لکھی ہیں غرض یہ اوقات خلت کے ظہور کے ہیں۔ ورنہ آپ خلیل پیدائش سے پہلے ہی تھے۔ **خلیلا** " یہ لفظ بنا ہے **خلتہ**' بضم خا یا خلال سے۔ بکسر خاء' بمعنی درمیان اللہ اخلیل وہ جس کی محبت دل کے درمیان ہو شاعر کہتا ہے۔

قد تخللت مسلک الروح منی　　ولذا سمی الخلیل خلیلا

یا بنا ہے خلل سے بمعنی شگاف خلیل وہ جو دوست کے ہر خلل اور شگاف کو بھرے یا بنا ہے خل بفتح خا بمعنی رستہ میں راستہ'

خلیل وہ جو محبوب کے ساتھ ہر دشواری میں رہے یا خلتہ بفتح خلہ سے بنا بمعنی خصلت و خلق۔ خلیل وہ جو اپنے محبوب کی سی عادت و خصلت اختیار کرے اس کا مظہر اتم ہو یا بنا ہے ' خلتہ ' بمعنی حاجت سے خلیل وہ جو ہر وقت اپنے محبوب کا حاجت مند اس کے حکم کا منتظر ہو کسی وقت اس سے غافل نہ ہو (تفسیر روح المعانی و تفسیر کبیر وغیرہ)۔ اصطلاح میں **فنا فی المحبوب** کو خلیل کہتے ہیں۔ جس کی مرضی محبوب کی مرضی میں فنا ہو چکی ہو جس پر محبوب ایسا چھا گیا ہو جیسے جسم پر جان چھائی ہوتی ہے غرضیکہ خلت بڑا ہی عظیم الشان درجہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا اس خلت کا اثر ہے کہ آپ تمام دینوں میں محبوب ہیں۔ یہودی ' عیسائی ' داؤدی ' مسلمان بلکہ ہندو تک آپ کا ادب کرتے ہیں۔ چنانچہ ہندو آپ کو کرشن کہہ کر پرستش کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی خلت کا ذکر فرما کر رب تعالیٰ اپنی وسعت سلطنت کا ذکر فرماتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ جو ہمارا خلیل ہے اس کی خلت زمین و آسمان میں ہے جہاں تک سلطان کی بادشاہی وہاں تک وزیر کی وزارت و عظمت اور وہاں تک ہی اس کے سکے کا چلن ہوتا ہے۔ اللہ کے محبوب و خلیل دونوں جہاں میں راج کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا **و لله ما فی السموت وما فی الارض**۔ یہاں للہ میں لام ملکیت کا ہے آسمان و زمین عالم جسمانی کے دو کنارے ہیں جو ہم کو محسوس ہوتے ہیں۔ اس سے مراد سارا عالم اجسام ہے لہٰذا اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ سارا عالم اجسام اللہ تعالیٰ کا ہی ہے کسی چیز میں کسی کی شرکت نہیں چونکہ یہی عالم نظر آ رہا ہے۔ اس لئے صرف اسی کا ذکر فرمایا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ سارے عالموں کا مالک حقیقی ہے۔ عالم اجسام ' عالم انوار عالم امر وغیرہ **و کان اللہ بکل شیء محیطا** " یہ رب تعالیٰ کی دوسری صفت کا بیان ہے کان دوام و استمرار کے لئے ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا محیط بنا ہے احاطہ سے بمعنی گھیر لینا کسی چیز کو اپنے اندر لے لینا یہاں علم و قدرت کا گھیرنا مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا علم اس کی قدرت اس کا قبضہ ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے کہ عالم کی کوئی چیز اس کے علم و قدرت سے خارج نہیں اسی شئی میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات داخل نہیں بلکہ تمام ما سوی اللہ داخل ہے۔

خلاصہ تفسیر : جو بھی انسان مرد ہو یا عورت بقدر طاقت عمل کرے نیک اور ہو وہ مومن صحیح العقیدہ اس کی جزا یہ ہے کہ وہ بعد قیامت جنت میں جائے گا۔ مطابق اعمال اسے جنت کا درجہ ملے گا اور ان پر تل برابر بھی ظلم نہ ہو گا کہ وہ ہوں تو بڑے درجہ کے مستحق اور بلا قصور ان کا درجہ گھٹا کر انہیں ادنیٰ درجہ میں داخل کر دیا جائے یہ ہرگز نہ ہو گا اے لوگو خود سوچو کہ اس سے زیادہ اچھے دین والا کون ہو گا جس کے اعمال بھی اچھے ہوں عقیدے بھی درست ہوں۔ اعمال تو اس طرح کہ وہ اپنے کو اللہ کے سپرد کر دے عقیدے اس طرح کہ وہ محسن ہو ' دلی اخلاص رکھتا ہو اور دین ابراہیمی یعنی اسلام کا پیرو کار ہو ' ہر برائی اور ہر برے سے دور رہے۔ خیال رکھو کہ ملت ابراہیمی ہمارے ہاں بڑی مقبول ہے۔ کیوں نہ ہو کہ یہ ملت ابراہیمی ہے ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہوا ہے۔ خلیل بھی اللہ کو پیارے اور خلیل کا دین بھی اللہ کو پیارا اللہ اجو اس پیارے کے پیارے دین کا پیرو ہو گا وہ بھی خدا تعالیٰ کو پیارا ہو گا۔ بڑوں سے نسبت چھوٹوں کو بڑا کر دیتی ہے۔ آب زمزم تمام پانیوں سے افضل۔ صفا مروہ تمام پہاڑوں سے بہتر مکہ معظمہ تمام شہروں سے بڑھ کر کیونکہ انہیں بزرگوں کے دم یا قدم سے نسبت ہے تو جو گنہگار مسلمان ہمارے مقبول بندے کا ہو جائے وہ مقبول ہو گا۔ خیال رکھو کہ تمام آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی مملوک حقیقی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت و قبضہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ کوئی چیز اس کی ملک و قبضہ سے خارج نہیں۔ لہٰذا کوئی مجرم اس سے

بچ نہیں سکتا اس کے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو اسے راضی رکھو۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ہر مسلمان پر بقدر طاقت نیک اعمال لازم ہیں۔ سارے اعمال ضروری نہیں۔ جیسا کہ **من الصلحت** کی من تبعیضیہ سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** انسان نیک اعمال صرف ایک بار ہی نہ کرے بلکہ ہمیشہ کرتا رہے جیسا کہ **من یعمل** کے مضارع فرمانے سے معلوم ہوا۔ جب رب تعالیٰ کا رزق ہمیشہ کھاتے ہو تو اس کی اطاعت بھی ہمیشہ کرو۔ **تیسرا فائدہ:** جزاء اعمال میں مرد و عورت برابر ہیں ہر ایک کو اعمال کا بدلہ ضرور ملے گا۔ جیسا کہ **من ذکر او انثی** سے معلوم ہوا۔ جتنا ثواب مرد کو نماز' روزہ' حج و زکوۃ کا ملتا ہے اتنا ہی عورت کو اگرچہ عورتوں پر بعض اعمال میں تخفیف کی گئی ہے کہ مرد تیس دن نماز پڑھتا ہے اور عورت میں پچیس دن یعنی ناپاکی میں نماز نہیں پڑھتی مگر ثواب برابر یا عورت کے حج کا ثواب مرد کے جہاد کے ثواب کے برابر ہے۔ **چوتھا فائدہ:** نیک عمل کی قبولیت بلکہ درستی کے لئے ایمان شرط ہے۔ بے ایمان کو کسی نیکی کا ثواب نہیں۔ جیسا کہ **وھو مؤمن** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** رب تعالیٰ نہ تو کسی کی نیکی ضائع کرے گا نہ ثواب کم کرے گا جیسا کہ **لا یظلمون نقیرا** سے معلوم ہوا۔ اگر کوئی خود ہی اپنی نیکیاں ضائع یا کم کرائے تو اس کی اپنی مرضی۔ **چھٹا فائدہ:** اسلام میں درستی عقائد اور درستی اعمال دونوں ضروری ہیں جیسا کہ من اسلم اور وھو محسن سے معلوم ہوا۔ من اسلم سے نیک اعمال کی طرف اشارہ ہے اور وھو محسن سے اچھے عقائد کی طرف اشارہ۔ **ساتواں فائدہ:** دین اسلام ہی دین ابراہیم کے مطابق ہے۔ یہودیت و نصرانیت وغیرہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ **واتبع ملۃ ابرھیم** سے معلوم ہوا۔ دیکھو حج' خانہ کعبہ کی طرف نماز' ختنہ' داڑھی بڑھانا' مونچھ' ناخن' ترشوانا غرضیکہ تمام ابراہیمی سنتیں صرف اسلام میں ہیں کسی اور دین میں نہیں۔ اب صرف مسلمان ہو کر ہی انسان دین ابراہیمی کی پیروی کر سکتا ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** دین کی عظمت دین والے نبی کی عظمت سے معلوم ہوتی ہے۔ لہذا دین و ملت کی عزت دکھانے کے لئے اس دین کے پیغمبر کی عزت و محبوبیت ظاہر کرنی چاہئے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا تو ساتھ ہی ابراہیم علیہ السلام کے فضائل ارشاد فرمائے کہ **واتخذ اللہ ابرھیم خلیلا** آج اگر اسلام کی عزت و عظمت ظاہر کرنا ہے تو حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و عظمت کے خطبے پڑھو مگر افسوس کہ اس زمانہ کے بعض مسلم نما مرتدین نے حضور کی شان گھٹانے کو توحید سمجھا' اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔ **نواں فائدہ:** خلت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ جو خصوصیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوئی اور آپ کا لقب خلیل اللہ ہوا۔ ہم خلت کے معانی ابھی تفسیر میں عرض کر چکے اور خلیل و حبیب کا فرق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں ملاحظہ کرو۔ خیال رہے کہ مودت' محبت' خلت تینوں قریبا" ہم معنی ہیں کبھی ان میں یہ فرق کیا جاتا ہے۔ کہ کسی چیز کو پسند کرنا مودت ہے۔ اور کسی کو چاہنا محبت ہے اور کسی کی محبت سے دل کا بھر جانا کہ پھر دل میں دوسری محبت کی گنجائش ہی نہ رہے یہ خلت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اس لئے کہ آپ حضرات انبیاء کرام خصوصا" حضور محمد مصطفیٰ کے والد ہیں۔ نیز اب تو الد خلیل ہی ہونا چاہئے نیز آپ حنیف ہیں۔ سب سے کٹ کر جھٹ کر اللہ کے ہو رہے۔ اور جو اللہ کا ہو رہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ لہذا آپ خلیل اللہ ہوئے خدا کرے کہ ہم بھی ماسوی اللہ سے کٹ کر اللہ کے ہو جائیں۔ **دسواں فائدہ:** مومن کو چاہئے کہ خالص نرا کھرا مومن ہو کسی بے دینی کا اس میں خلط نہ ہو یونہی اس

زمانہ میں ضروری ہے کہ خالص کھرا سی ہو کسی بدمذہبیت کی طرف اس کا میلان نہ ہو جیسا کہ حنیف سے معلوم ہوا ہم نماز شروع کرتے وقت اقرار کرتے ہیں' **حنیفا و اما انا من المشرکین** اور دعا قنوت میں پڑھتے ہیں۔ **و نخلع و نترک من یفجرک** اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنادے۔ بازار دنیا میں خالص سونے' خالص دودھ کی قدر و قیمت ہے اور کل بازار قیامت میں خالص مومن کی قدر و قیمت ہوگی بلکہ خلت کے ایک معنی ہیں' غیر سے کٹ جانا یا رکلی ہو جانا۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان و عمل سے انسان جنت میں جائے گا۔ تو مسلمانوں کے چھوٹے بچے جو ہوش سنبھالنے سے پہلے فوت ہو جائیں۔ جنتی نہ ہونے چاہئیں کہ انہیں نہ ایمان ملا نہ نیک اعمال کا وقت۔ **جواب**: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ قانون کسبی جنت کے لئے ہے عطائی اور وہبی جنت بغیر عمل ملے گی اس کے لئے دوسری آیات میں رب فرماتا ہے۔ **الحقنا بھم ذریتھم** الخ دوسرے یہ کہ ایسے بچوں کے لئے ان کے ماں باپ کے اعمال کام آئیں گے کہ وہ بالواسطہ ان بچوں کے اعمال مانے جائیں گے۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان عمل صالحہ سے پہلے اور اس کے ساتھ چاہئے ایمان سے پہلے کے نیک اعمال بیکار ہیں۔ کیونکہ **وھو مومن** حال ہے۔ عمل کے فاعل کا حال اور عامل ذوالحال کا زمانہ ایک چاہئے تو جب کافر مسلمان ہوتے وقت غسل کرے تبدیل لباس کرے پھر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو تو چاہئے کہ ان اعمال کا اسے ثواب نہ ملے کہ یہ اعمال ایمان لانے سے پہلے ہو چکے حالانکہ اسے ان کا بھی ثواب ملتا ہے۔ **جواب**: کافر جب ایمان لانے کا ارادہ کرتا ہے اس وقت وہ اللہ کے نزدیک مومن ہو چکتا ہے اب جو نیک اعمال کر رہا ہے' بحالت ایمان ہی کر رہا ہے بلکہ ایمان لانے کے بعد اسے زمانہ ء کفر کی ساری نیکیوں کا ثواب مل جاتا ہے۔ یہاں آیت کا منشاء یہ ہے کہ کافر کی نیکیاں مقبول نہیں اگر وہ کفر پر مرجائے' اگر مومن ہو کر مرا تو اس نیکیوں کی قبولیت بخبر حدیث ثابت ہے۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جنتی مومنوں پر ظلم نہ کرے گا۔ تو کیا دوزخی کافروں پر وہ ظلم کرے گا۔ **جواب**: نہیں' اس ظلم کی نفی بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گئی کہ جب رب تعالیٰ مومنوں پر یہ ظلم نہ کرے گا کہ بلاوجہ ان کا درجہ گھٹادے تو کفار پر تو یہ ظلم ناممکن ہے کہ بغیر گناہ انہیں دوزخ میں ڈال دے یا انہیں گناہ سے زیادہ سزا دے کہ یہ بہت بڑا عیب ہے اللہ تعالیٰ عیوب سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے ناسمجھ بچوں کو دوزخ میں نہ بھیجے گا کہ انہوں نے کفر و گناہ نہ کئے۔ **چوتھا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ملت ابراہیمی کی پیروی جنت میں داخلہ کے لئے کافی ہے تو اب دین محمدی یعنی اسلام لانے کی کیا ضرورت رہی۔ **جواب**: اس کا تفصیلی جواب ہم پہلے پارے میں دے چکے ہیں اور اجمالی جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اب دین محمدی یعنی اسلام ہی ملت ابراہیمی ہے اس کی پیروی ملت ابراہیمی کی پیروی ہے۔ اسلام میں ساری ملت ابراہیمی موجود ہے مع بہت زیادت کے ملت ابراہیمی متن ہے۔ دین اسلام اس کی شرح۔ ملت ابراہیمی جڑ ہے دین اسلام درخت۔ جس میں پھل پھول شاخیں وغیرہ بہت سی زیادتیاں موجود ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **و من یبتغ غیر الاسلام دینا " فلن یقبل منہ** وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے۔ **پانچواں اعتراض**: یہاں تین باتوں کا ذکر ہوا اسلم وجہہ' وھو محسن اور **واتبع ملتہ ابرھیم** ان میں فرق کیا ہے اور یہ ترتیب کیسی ہے۔ **جواب**: اس کا بیان ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اسلم وجہہ میں اعمال صالحہ کا ذکر ہے۔ اور وھو محسن میں عقائد اسلامیہ کی طرف اشارہ اور واتبع ملتہ ابراہیم میں عقائد اسلامیہ کی تعیین ہے کہ اسلام ملت ابراہیمی کی اتباع ہے لہذا اس آیت میں تکرار نہیں۔ **چھٹا اعتراض**: جب ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کہا جاسکتا ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ

یعنی خدا کا بیٹا کہنے میں کیا حرج ہے؟ بیٹا بھی خلیل اور دوست ہوتا ہے۔ (عیسائی)۔ **جواب:** اس سوال کا جواب تفسیر کبیر میں یہ دیا کہ دوستی و محبت، ملکیت' عبدیت' جنسیت نہیں چاہتی غیر جنس سے بھی ہو جاتی ہے۔ ہم جانوروں سے محبت کرتے ہیں ان کے مالک ہوتے ہیں مگر نکاح' نسب جنسیت چاہتا ہے۔ انسان کا نکاح جانور یا جن سے نہیں ہوتا انسان کا بچہ انسان ہی ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ جنس سے پاک ہے کوئی اس کا کفو یا ہم جنس نہیں کہ خدا تعالیٰ خود جنس سے بری ہے۔ لہذا بندے اس کے مملوک' مخلوق ہیں۔ بعض بندے محبوب و خلیل ہیں مگر کوئی بندہ اس کا بیٹا بیٹی بیوی نہیں۔ روح البیان میں فرمایا کہ خلت ابنیت سے اعلیٰ ہے کیونکہ کبھی بیٹے سے عداوت بھی ہو جاتی ہے مگر خلیل سے عداوت نہیں ہو سکتی۔ اگر عداوت ہو تو وہ خلیل نہیں رہتا۔ **ساتواں اعتراض:** **للہ ما فی السموٰت** سے یہ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آسمانی زمینی تمام چیزوں کا خالق و مالک ہے۔ مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ خود آسمان و زمین کا بھی مالک ہے یا نہیں۔ آیت نے پوری ملکیت کا ذکر نہیں کیا۔ **جواب:** اس آیت سے ہی آسمان و زمین کی ملکیت بھی معلوم ہو رہی ہے کیونکہ مکان کی غیر منقول چیزوں کا جو مالک ہو گا وہ مکان کا بھی مالک ہو گا یہ نہیں ہو سکتا کہ کڑی گاڈر چھت وغیرہ تو میری ہوں مگر مکان کسی اور کا۔ آسمانی و زمینی چیزیں' آسمان سے نکل نہیں سکتیں لہذا غیر منقول ہیں جب رب ان کا مالک ہے تو آسمان و زمین کا بھی مالک ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** جب تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی مملوک مقبوض مخلوق ہیں تو نبیوں ولیوں کو ان کا مالک ماننا شرک ہے پھر تم یہ کیوں کہتے ہو کہ جنت حضور کی ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی۔ دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ پھر تم بھی اپنے گھر بار سامان کے مالک کیسے ہو گئے جیسے تمہاری یہ ملکیت خدا تعالیٰ کی ملکیت کے خلاف نہیں ایسے ہی وہاں ہے۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ غلام اور غلام کی مملوک چیزیں سب مولیٰ کی ملک ہیں۔ یونہی ہی بندوں کی مجازی ملکیت کی چیزیں رب کی ملک ہیں کہ یہ لوگ خود رب کے ہیں۔ رب فرماتا ہے **مالک الملک تؤتی الملک من تشاء** معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ جسے چاہے اپنا ملک دے اور حضرت سلیمان نے دعا کی تھی۔ **رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی۔** رب تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی انہیں ہوا جن و انس کا مالک بنا دیا مگر اس مالک بنانے سے وہ چیزیں اللہ کی ملک سے نکل نہ گئیں۔ **نواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا۔ حضور کو خلیل نہ بنایا نہ آپ کا لقب خلیل اللہ ہوا۔ مگر تم کہتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق ہیں۔ **جواب:** اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا مگر ہمارے حضور کو اپنا حبیب بنایا اور آپ کا لقب حبیب اللہ ہوا بلکہ ان کے غلاموں اور متبعین کو محبت کا تمغہ بخشا کہ فرمایا۔ **فاتبعونی یحببکم اللہ** حضور پر خود درود نازل فرمایا اور تمام فرشتوں اور انسانوں سے ہمیشہ کے لئے درود پڑھوایا۔ خلت سے محبت اعلیٰ ہے کہ خلیل وہ جو خدا کی رضا چاہے مگر حبیب وہ کہ خدا تعالیٰ اس کی رضا چاہے۔ **و لسوف یعطیک ربک فترضی۔**

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضائے محمد!

کیا تمہیں نہیں خبر کہ ان کی رضا کے لئے کعبہ کو قبلہ بنایا۔ ان کی ذات سے حضرت ابراہیم کو شرف بخشا' تمام انبیاء کرام کو نام لے کر پکارا۔ مگر محبوب کو اعلیٰ خطابات سے۔

یا آدم است با پدر انبیاء خطاب یا ایہا النبی خطاب محمد است

اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "سلطنت مصطفیٰ" میں ملاحظہ کرو۔ دسواں اعتراض: دین اسلام سے ملت ابراہیمی منسوخ ہوئی یا نہیں اگر منسوخ ہو گئی تو اب اس کی اتباع کیسی منسوخ چیز چھوڑ دی جاتی ہے۔ اس کی اتباع نہیں کی جاتی۔ اور اگر منسوخ نہیں ہوئی تو اسلام اخروی دین۔ اور قرآن اخروی کتاب اور حضور آخری نبی نہ رہے کیونکہ آخری نبی وہ ہے جو تمام کی نبوتوں کو منسوخ کردے۔ کیا اسلام کے سواء اور ملت میں بھی ہدایت ہے؟ جواب: اسلام سے ملت ابراہیمی منسوخ ہے۔ اب ہم اس ملت کی براہ راست اتباع نہیں کرتے بلکہ بواسطہ اسلام اتباع کرتے ہیں۔ یعنی اس ملت کے احکام قرآنی احکام بن گئے تو ہم نے ان پر اس لئے عمل کیا کہ وہ اسلامی احکام ہیں۔ لہٰذا یہاں نسخ و اتباع میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : صوفیاء کی اصطلاح میں اخلاص والا عمل عمل صالح ہے۔ جس میں خلوص ہو ' ملاوٹ نہ ہو۔ دل مرد ہے' نفس عورت۔ مخلص شخص مومن۔ معنی یہ ہیں کہ دل اور نفس ان میں جو بھی خالص اللہ کے لئے عمل کرے کہ دل عالم سفلی سے علیحدگی اور عالم علوی کی طرف رجوع کرے۔ ماسوی اللہ سے آنکھ بند کرلے اور نفس جب اپنی خواہشات چھوڑ دے حق عبودیت ادا کرے اور رب کی طرف رجوع کرکے بجائے امارہ کے مطمئنہ بن جائے تو یہ دونوں قرب الٰہی کی جنت کے مستحق ہوں گے اور ان پر رائی برابر ظلم نہ ہوگا۔ جس درجہ کے ان کے اعمال ہوں گے اس درجہ کا نہیں قرب الٰہی میسر ہوگا۔ بارگاہ الٰہی میں اچھا وہ ہے جو اپنی ذات رب تعالیٰ کے حوالے کردے کہ اس کا اپنا کچھ نہ رہے سب رب تعالیٰ کا ہو جائے۔ کھائے پئے تو رب کے لئے سوئے جاگے تو اس کے لئے بلکہ جئے مرے اور اٹھے تو اسی کے لئے۔

مجھ میں تو ایسا سما جائے تو ہی تو ہو جائے تجھ میں ایسا سما جاؤں کہ میں ہی نہ رہوں

غرضیکہ صوفی آں باشد کہ نہ باشد کا ظہور ہو جائے۔ صوفی وہ ہے جو کچھ نہ رہے اور اس کے ساتھ وہ محسن بھی ہو کہ رب کی عبادت ' رب کو دیکھ کر کرے۔ بصیرت کی نگاہ رب کو جب دیکھتی ہے ' جب اس میں کسی بزرگ کے آستانہ کی خاک کا سرمہ ہو اور ساتھ ہی حضرت ابراہیم کے نقش قدم پر چلے کہ وہ خلیل اللہ تھے۔ یہ بھی خلت اختیار کرے تو کامیاب ہوگا۔ کسی نے مجنوں سے پوچھا تیرا نام کیا ہے بولا لیلیٰ ' جسم زندہ ہو جان سے اور جان زندہ ہو جاناں سے۔

جانکہ نہ قربانی و جانان بود بیضہ ء تن بہتر ازاں جاں بود

ہر کہ نہ شد کشتہ بہ شمشیر دوست لاشہ ء مردار بہ از جان اوست

صوفیاء فرماتے ہیں کہ خلیل وہ جس کے ہر خلل اور ہر خلا کو عشق بھرے عقل و ہوش و حواس سب کی جگہ پر عشق کا قبضہ ہو جائے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عشق آمد عقل خود آوارہ شد صبح آمد شمع خود بے چارہ شد!

ہم نے ترجمہ کیا

عشق آیا عقل رخصت ہو گئی صبح جب آئی تو مشعل سو گئی

عقل شمع ہے ' عشق سویرا۔ سویرا آنے پر شمع گل ہو جاتی ہے۔ جناب خلیل کا آتش نمرود میں کود پڑنا فرزند کو چھری سے ذبح کرنے لگ جانا۔ بیوی بچوں کو بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ آنا۔ اسی برس کی عمر میں جب ختنہ کا حکم ہوا تو چھری لے کر اپنا ختنہ

غلط طور پر کرلینا اور خونا خون ہو جانا۔ کرحق سن کر منتوں میں مال دے کر فقیر بن جانا۔ صرف اسی بناء پر تھا کہ۔

عشق آمد عقل خود آوارہ شد — صبح آمد شمع خود بے چارہ شد!

عقل ان باتوں کی مخالف تھی مگر مفتی عشق کا فتویٰ تھا کہ یہ سب کچھ اہم فرائض ہیں۔ اب پڑھو **واتخذ اللہ ابرھیم خلیلا** صوفیاء فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلیل اللہ ہیں' ابراہیم علیہ السلام خلیل الرحمٰن' دیگر انبیاء کرام خلیل الرحیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں انہیں تین خلتوں کی طرف اشارہ ہے' اسی لئے حضور نے مجھے' اللہ نے خلیل بنایا اگر میں کسی مخلوق کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ اور فرمایا ابوبکر تم سب سے روزہ' نماز کی سبب افضل نہیں بلکہ جذبہ قلبی کے سبب افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان محبوبوں کی سچی غلامی نصیب کرے۔ (از روح البیان مع زیادۃ)۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِى النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلٰى
اور فتویٰ مانگتے ہیں آپ سے یہ لوگ عورتوں کے متعلق فرماؤ اللہ تم کو فتویٰ دیتا ہے ان کے متعلق اور
اور تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرما دو کہ اللہ تمہیں ان کا فتویٰ دیتا
عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ فِى يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِى لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا
وہ جو تلاوت کیا جاتا ہے تم پر اس کتاب میں یتیمہ عورتوں کے متعلق وہ کہ نہیں دیتے تم انہیں جو لکھا گیا
ہے اور وہ جو تم پر قرآن میں پڑھا جاتا ہے ان یتیم لڑکیوں کے بارے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیتے جو ان
كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ اَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ
واسطے ان کے اور بے رغبتی کرتے ہو اس سے کہ نکاح کرو ان سے اور کمزور بچوں کے متعلق اور یہ کہ قائم رہو
کا مقرر ہے اور انہیں نکاح میں بھی لانے سے منہ پھیرتے ہو اور کمزور بچوں کے بارے
مِنَ الْوِلْدَانِ وَاَنْ تَقُومُوا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ
تم یتیموں کے واسطے ساتھ انصاف کے اور جو کچھ کرو گے تم بھلائی
میں یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف پر قائم رہو اور تم جو بھلائی
خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيمًا ﴿۱۲۷﴾
اللہ اس کا جاننے والا ہے
کرو تو اللہ کو اس کی خبر ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ آسمان و زمین کی ساری چیزوں کا اللہ مالک ہے اس کا علم و قدرت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ اب اپنے خصوصی احکام بندوں کو ارشاد فرما رہا ہے کہ ہم عالم کے بادشاہ مطلق ہیں تو ہمارے یہ حکم مانو اس پر عمل پیرا ہو کر اپنی بیویوں کو ان کے پورے حقوق دو گویا سلطان

حقیقی کی سلطنت کا ذکر پہلے تھا اور احکام شاہی کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ دین ابراہیمی کی پیروی کامیابی کا ذریعہ ہے اب بیویوں، یتیموں کے حقوق کا ذکر ہے، جو ملت ابراہیمی کے احکام تھے گویا اجمالی اتباع کا حکم دے کر اس کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اچھا دین اس کا ہے، جو اپنی ذات کو اللہ کے سپرد کردے اب ایک معاملہ کا حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر تم نے اپنے کو اللہ کے سپرد کردیا ہے تو اس کا یہ حکم مانو کہ اپنی بیویوں، یتیموں کو ان کے حقوق پورے پورے دو۔ صرف منہ سے کہہ دینے سے اسلم وجہہ، پر عمل نہیں ہو جاتا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جو مرد و عورت نیک عمل کرے وہ جنتی ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ نیک عمل صرف نماز، روزہ وغیرہ عبادات ہی کا نام نہیں بلکہ معاملات گھریلو اور عزیز و اقارب کے حقوق کی ادائیگی بھی نیک عمل میں داخل ہے گویا پہلے نیک عمل کا حکم تھا اور اب اس کی توسیع کا ذکر ہے۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک وہ، جو جریر و ابن منذر نے حضرت عبداللہ ابن جبیر سے روایت فرمائی کہ زمانہ جاہلیت میں میت کی میراث اس کے چھوٹے بچوں اور بیویوں کو نہ ملتی تھی۔ جب بیویوں کی میراث کے احکام نازل ہوئے تو مسلمانوں کو سخت تعجب ہوا وہ سمجھے کہ یہ حکم عارضی ہے۔ کچھ دن بعد ختم ہو جائے گا۔ مگر جب اس کی ناسخ کوئی آیت نازل نہ ہوئی تب انہوں نے اس میراث کی تفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح المعانی) تفسیر کبیر و تفسیر خازن نے بھی اسی کے قریب قریب روایت کی۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضرت عیینہ ابن حصین نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ آپ تو میت کی میراث سے بیٹی و بہن کو بھی نصف دے دیتے ہیں ہم تو صرف بالغ مردوں کو ہی دیا کرتے تھے۔ حضور نے فرمایا مجھے رب تعالیٰ کا یہی حکم ہے۔ تب یہ آیت اتری۔ اہل عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی نابالغہ یتیمہ مالدار لڑکی کسی کی پرورش میں ہوتی، اگر وہ خوبصورت ہوتی تو اس سے وہ خود نکاح کرتا مگر نہایت معمولی مہر پر اگر بدشکل ہوتی تو اس سے نہ خود نکاح کرتا کہ وہ اسے پسند نہ ہوتی نہ کسی دوسرے سے نکاح کراتا کہ مال اور جگہ نہ پہنچ جائے۔ بلکہ اس کے مرجانے کا انتظار کرتا تاکہ یہ مال خود لے لے اس کے متعلق یہ آیت آئی۔ جس میں ان لوگوں کو اس عمل بد سے، بہت تاکیدی ممانعت کی گئی (تفسیر کبیر)۔

تفسیر: **و یستفتونک فی النساء۔ استفتاء** اور **افتاء** بنا ہے فتویٰ یا فتی سے بمعنی قوت و طاقت۔ اسی لئے جوان طاقتور کو فتی کہتے ہیں اسی سے ہے فتویٰ یعنی مدلل طاقتور شرعی حکم۔ افتاء کے معنی ہیں مدلل حکم شرعی بتانا استفتاء کے معنی ہیں مدلل و مضبوط شرعی حکم پوچھنا۔ خواب کی تعبیر دینے کو بھی افتاء کہا جاتا ہے کہ اس میں مشکل چیز حل کی جاتی ہے یوسف علیہ السلام سے بادشاہ مصر کے ساقی نے عرض کیا تھا **افتنا فی سبع بقرات** الخ یہاں افتاء بمعنی تعبیر خواب دینا ہے۔ (کبیر۔ خازن) فی کے بعد حق پوشیدہ ہے النساء سے مراد یا میت کی بیویاں ہیں، جو میراث سے محروم کردی جاتی تھیں یا اس میت کی یتیمہ بچیاں جن پر وہ ظلم ہوتے تھے، جو ابھی شان نزول کی دوسری روایت میں مذکور ہوئے۔ قرآن کریم میں بچیوں کو بھی نساء فرمایا گیا ہے کہ آگے چل کر وہ نساء بننے والی ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **و یستحیون نساء کم** اے اسرائیلیو! فرعونی لوگ تمہاری بچیوں کو زندہ رکھتے تھے۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ مسلمان آپ سے بیوہ عورتوں یا یتیمہ بچیوں کے متعلق فتویٰ شرعی

پوچھتے ہیں اور یہ شرعی مشکل حل کرانا چاہتے ہیں۔ **قل اللہ یفتیکم فیھن**۔ یہ ان کے استفتاء کا جواب ہے اس میں بتایا گیا کہ یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ رب تعالیٰ اس کا فتویٰ خود دے رہا ہے بلاواسطہ پھر مضارع فرما کر بتایا کہ یہ فتویٰ تاقیامت جاری رہے گا اگرچہ فتویٰ جاری ایک بار ہو چکا مگر اس کا بقاء تاقیامت ہے حق یہ ہے کہ حکم میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ خطاب صرف صحابہ کرام سے ہو مگر اس کا تعلق تمام مسلمانوں سے۔ فیھن کا مرجع وہ النساء ہے جو پہلے مذکور تھی اگر وہاں بیوہ عورتیں مراد تھیں تو یہاں بھی وہی مراد ہیں اور اگر وہاں یتیمہ بچیاں مراد تھیں تو یہاں بھی وہی ہیں۔ **وما یتلی علیکم فی الکتاب** اس ما میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ مرفوع ہے اس لئے کہ مبتداء ہے اور فی الکتاب اس کی خبر اور کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ یعنی یہ فتویٰ جو تم پر تلاوت کیا جا رہا ہے یہ لوح محفوظ میں موجود ہے۔ بہت اہم ہے اس صورت میں یہ جملہ معترضہ ہے۔ یا فی الکتب سے مراد قرآن کریم ہے۔ یعنی یہ آیت کریمہ قرآن میں رہے گی کہ اس کی تلاوت اور اس پر عمل ہوتا رہے گا اس لئے مرفوع ہے کہ مبتداء ہے اور اس کی خبر پوشیدہ ہے یعنی جو حکم تم پر کتاب میں تلاوت کیا جا رہا ہے یہ عظیم الشان ہے۔ دوسرے یہ کہ **ما یتلی** **یفتیکم** کے فاعل پر معطوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ بھی تم کو اس کا فتویٰ دے رہا ہے اور قرآن کریم کی وہ آیات بھی فتویٰ دے رہی ہیں جو تم پر تلاوت کی جا رہی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قرآن نے نماز فرض فرما دی۔ یا یہ ما منصوب ہے۔ یعنی رب تعالیٰ تم کو فتویٰ دیتا ہے اور یہ آیات قرآنیہ تم پر بیان کرتا ہے یا یہ ما مجرور ہے۔ واؤ قسم کا ہے یعنی قسم ہے ان تلاوت والی آیتوں کی۔ رب تعالیٰ تم کو اس کا یقینی فتویٰ دے رہا ہے یا یہ ما فیھن کی ضمیر پر معطوف ہے۔ یعنی رب تعالیٰ تم کو ان عورتوں کے بارے میں بھی فتویٰ دے رہا ہے اور ان آیات کے بارے میں بھی جو تم پر کتاب میں تلاوت کی جا رہی ہیں۔ (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) غرضیکہ یہ آیت مشکل آیات سے ہے اور اس کی بہت تفسیریں ہیں۔ **فی یتمی النساء التی لا تؤتونھن ما کتب لھن**۔ یہ جار مجرور یتلی کے متعلق ہے۔ **یتامی النساء** دراصل **النساء الیتامی** تھا۔ یہاں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے جیسے کہا جاتا ہے حق الیقین بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ فی بمعنی لام ہے ماکتب سے مراد یا تو ان کی میراث ہے یا ان عورتوں کا مہر یعنی لاوارث یتیمہ بچیاں جن کو تم ان کے باپ کی میراث نہیں دیتے خود کھا جاتے ہو۔ یعنی جو میراث یا مہر ان کا شرعاً مقرر کیا گیا ہے وہ تم ان کو نہیں دیتے۔ عورت مہر مثل کی مستحق ہوتی ہے۔ **و ترغبون ان تنکحوھن** یہ جملہ لا تؤتونھن پر معطوف ہے اور التی کا صلہ۔ رغبت سے مراد یا تو بے رغبتی ہے تو ان سے پہلے عن پوشیدہ ہے۔ یا رغبت بمعنی خواہش ہے تو ان سے پہلے فی پوشیدہ ہے یعنی تم ان سے نکاح کرنے سے کتراتے ہو ان کی بدصورتی کی وجہ سے نکاح نہیں کرنا چاہتے یا تم ان سے نکاح کی خواہش کرتے ہو ان کے حسن کی وجہ سے مگر مہر پورا نہیں دیتے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ پہلے معنی پر ہے۔ **والمستضعفین من الولدان** یہ عبارت یتمی النساء پر معطوف ہے۔ مستضعفین کے معنی ہیں بہت کمزور یا کمزور سمجھے ہوئے۔ **من الولدان** اس کا بیان ہے اس میں بچے بچیاں سب شامل ہیں۔ یعنی رب تعالیٰ ان کمزور یتیموں کے متعلق بھی تم کو فتویٰ دیتا ہے جن کو تم کمزور سمجھ کر میراث نہیں دیتے۔ **و ان تقوموا للیتمی بالقسط** اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں۔ لہٰذا آسان تفسیر یہ ہے کہ **ان تقوموا مبتداء** اور خیر لکم اس کی خبر پوشیدہ اور خطاب حکام اسلام سے ہے۔ یعنی اے حاکمو تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ یتیموں میں انصاف قائم کرو اور ہو سکتا ہے کہ یہ عبارت **یفتیکم** گذشتہ کا مفعول ہو اور خطاب میت کے متولیوں سے ہو یعنی تم کو فتویٰ دیتا ہے کہ تم یتیموں میں انصاف کرو۔ اس طرح کہ ان کی

میراث وغیرہ کا پورا مال انہیں دو۔ اور اس مال کو جلد خرچ کردینے کی کوشش نہ کرو۔ اپنے بچوں کے ساتھ ان سے بھی پیار و محبت کرو کہ وہ بھی کسی کے بچے اور پیارے ہیں۔ اگر تم فوت ہو جاؤ اور تمہارے بچے یتیم ہو کر کسی کی پرورش میں جائیں تو جیسا برتاوا اپنے بچوں سے چاہتے ہو ویسا برتاوا دوسرے کے یتیم بچوں سے کرو۔ غرضیکہ انصاف میں بڑی گنجائش ہے۔ **وما تفعلوا من خیر فان اللہ کان بہ علیما** " یہ جملہ علیحدہ ہے **ما تفعلوا** مبتداء ہے اور **فان اللہ** الخ خبر ہے خیر سے مراد یا تو عورتوں یتیموں میں انصاف کرنا ہے اور ان کا حق پورا دینا یا حق کے علاوہ کچھ اور بھی دے دینا یا ان کی پرورش کرنا یا مطلق نیکی خواہ کوئی سی ہو غرضیکہ یہ جملہ بہت جامع ہے۔ یعنی تم جو بھلائی بھی کرو گے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے تم کو اس کا پورا پورا اجر بلکہ اجر کے علاوہ اور بہت دے گا۔ خیال رہے کہ یتیموں 'بیوگان کے حقوق واجبہ کا ادا کرنا تو انصاف تھا جس کا ذکر اوپر یا لقسط میں ہوا۔ اور حق کے علاوہ ان پر اور مہربانی کرنا خیر ہے جیسے ان کا کام کاج کرنا انہیں اچھی تعلیم و تربیت دینا' ان کا مال تجارت کے ذریعہ بڑھا دینا کہ اگر متروکہ مال میراث سو روپیہ تھا تو ان کے بالغ ہونے تک ہزار روپیہ بنا کر دو اس کا بڑا ہی ثواب ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا ہم ان میں سے صرف ایک تفسیر عرض کرتے ہیں جو واضح بھی ہے اور آسان بھی۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے بیوہ عورتوں' یتیم بچیوں کے متعلق فتویٰ پوچھتے ہیں کہ ان کے حقوق کیا ہیں اور ان سے برتاؤ کیسے کرنا چاہئے۔ فرما دو کہ اس کے متعلق رب تعالیٰ براہ راست تم کو فتویٰ دے رہا ہے تاکہ تم کو اس مسئلہ کی اہمیت کا پتہ چلے اور اس کے متعلق جو آیات قرآن مجید میں تلاوت کی جا رہی ہیں وہ تمام لوح محفوظ میں محفوظ ہیں۔ ناقابل نسخ ہیں یہ فتویٰ ان یتیم بچیوں کے متعلق ہے جن کو تم ان کا طے شدہ شرعی حق میراث وغیرہ نہیں دیتے۔ ان کا حق میراث خود کھا جاتے ہو اور ان کے ساتھ نکاح کرنے سے بھی منہ موڑتے ہو۔ کیونکہ تم کو وہ پسند نہیں ہوتیں۔ کیا ظلم ہے کہ نہ ان سے خود نکاح کرتے ہو نہ کسی سے ان کا نکاح کراتے ہو' نہ ان کا حق دیتے ہو۔ تم پر لازم ہے کہ ان کے ساتھ عدل و انصاف کرو۔ ان کے حقوق ادا کرو اور اللہ تعالیٰ تم کو ضعیف و ناتواں بچوں کے متعلق تاکیدی فتویٰ دیتا ہے کہ یتیموں کے حق میں انصاف کرو ان پر کسی قسم کا ظلم نہ کرو۔ خیال رکھو کہ تم جیتے جی جو کچھ اور بھلائی کر جاؤ گے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے وہ تمہیں اس کی جزاء ضرور بالضرور دے گا۔ غرضیکہ ان کے حقوق پورے پورے دو اور حقوق واجبہ کے سوا اور بھی سلوک کرو تاکہ اجر و ثواب بہت پاؤ۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ سے بہت بڑا قرب خصوصی حاصل ہے کہ سوال حضور انور سے کیا جاتا ہے اور جواب رب تعالیٰ دیتا ہے۔ دیکھو یہاں ارشاد ہوا کہ لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں اور فرمایا کہ اللہ انہیں فتویٰ دیتا ہے گویا حضور سے پوچھنا در حقیقت رب تعالیٰ سے پوچھنا ہے' حضور کو دیکھنا رب کو دیکھنا ہے' حضور سے مانگنا رب سے مانگنا ہے۔ اگر کوئی کہے حضور مجھے جنت دے دو' مجھے دوزخ سے بچا لو ان شاء اللہ جواب رب تعالیٰ کی طرف سے ملے کہ جنت دیدی' دوزخ سے بچا لیا۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا   او نشیند در حضور اولیاء

دوسرا فائدہ: بیوہ عورتوں' یتیم بچوں کے حقوق ادا کرنا اسلام میں اشد ضروری ہیں کہ رب تعالیٰ نے براہ راست ان کے متعلق

فتویٰ دیا صرف اپنے نبی سے نہ دلوایا۔ کیوں نہ ہو کہ یہ لوگ کمزور ہیں اور کمزوروں کا اللہ والی ہے۔ قرآن کریم میں سورہ نساء تو ہے مگر سورہ رجال کوئی نہیں۔ **تیسرا فائدہ:** نابالغہ بچی کو نساء کہا جاسکتا ہے کہ آگے چل کر وہ نساء یعنی عورتیں بنیں گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و یستحیون نساء کم۔** فرعونی لوگ تمہاری بچیوں کو زندہ باقی رکھتے تھے۔ **چوتھا فائدہ:** لڑکیوں کو میراث سے محروم کرنا مشرکین کا طریقہ ہے اور یہ ایسا بڑا ظلم ہے کہ توبہ سے بھی معاف نہیں ہو سکتا کہ حق العباد ہے۔ نیز یتیم بچیاں اگر خود بھی اپنا حق میراث معاف کردیں تو معاف نہیں ہوتا کہ نابالغ کی معافی معتبر نہیں۔ **پانچواں فائدہ:** میراث کے مسائل بڑے اہم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی تفصیل میراث کے مسائل کی فرمائی اتنی تفصیل دوسرے احکام کی نہ کی نیز میراث کے متعلق براہ راست فتویٰ دیا صرف اپنے نبی سے فتویٰ نہ دلوایا۔ دوسرے مسائل کا مفتی انسان ہے مگر ان کا فتویٰ دینے والا خود خالق الانس والجان ہے۔ **چھٹا فائدہ:** میراث کے اسلامی مسائل اور اس کی اسلامی تقسیم صرف مسلمانوں پر جاری ہوگی کفار کی میراث ان کے مذہب کے مطابق تقسیم کی جائے گی چنانچہ اگر حاکم اسلام کی کچہری میں کفار کی میراث کا مسئلہ پیش ہو تو وہ ان کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے یہ فائدہ یفتیکم میں ضمیر خطاب سے حاصل ہوا یعنی اے مسلمانو یہ فتویٰ تم کو دیا جا رہا ہے کہ تم پر جاری ہوگا۔ خیال رہے کہ سیاسی و انتظامی احکام ساری رعایا پر جاری ہوتے ہیں خواہ کسی مذہب کے لوگ ہوں مگر مذہبی احکام صرف مسلمانوں پر جاری ہوتے ہیں کفار کو مذہبی آزادی ہے لہذا قاتل کو قتل کیا جائے گا۔ چور کے ہاتھ کٹیں گے خواہ قاتل و چور کسی مذہب و ملت کا ہو مگر شرابی کو اسی کوڑے اور زانی کو رجم ہوگا جب مسلمان ہو۔ کفار کو شراب پینے' سود کھانے سے اسلامی حاکم نہ روکے گا چونکہ تقسیم میراث مذہبی حکم ہے لہذا اسلامی تقسیم مسلمانوں پر جاری ہوگی۔ **ساتواں فائدہ:** یتیموں کے ساتھ ادائے حقوق کے علاوہ اور مہربانیاں بھی کرنی چاہئے ان کو پوری میراث دینا۔ ان کا مال محفوظ رکھنا یہ تو واجب ہے اس کے علاوہ ان کے مال کو تجارت وغیرہ کے ذریعہ بڑھانا یا ان کے لئے آمدنی والی جائداد خرید دینا' انہیں اعلیٰ تعلیم اور تربیت دینا' ان کو اچھے اخلاق سکھانا' ہنر و حرفت سکھانا غرضیکہ جو سلوک اپنی اولاد سے کرتے ہو وہ سلوک یتیموں سے کرنا مستحب ہے۔ جس کا بڑا ثواب۔ یہ فائدہ من خیر کی تنکیر سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی طاقت و قوت دی ہے۔ دیکھو عرب میں یتیموں بیوگان پر۔ ظلم و ستم قریباً" پونے چار ہزار برس سے جاری تھے۔ جس کے اہل عرب عادی ہو چکے تھے۔ حضور نے چند سال میں یہ ظلم ایسے بند کردیئے کہ عرب سے ان کا نام و نشان مٹ گیا یہ آیت کریمہ بعد ہجرت نازل ہوئی اور بعد ہجرت حضور کی زندگی پاک دس سال ہے تو قریباً" چار ہزار سال کی بری خصلتوں کو چھ سات سال میں مٹا دینا غیبی طاقت ہی تو ہے۔ حضور نے مسلمانوں کے دلوں سے مال عزت دنیائی محبت نکال کر ان میں اللہ کا خوف اپنی محبت بھر دی۔ جس سے یہ ساری بری خصلتیں مٹ گئیں۔ حضور دلوں کے راجا ہیں۔ خدا کرے ہمارے دلوں پر نظر کرم فرمادیں۔ جس سے ہماری بری خصلتیں بھی چھوٹ جائیں۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب عرض کیا ہے۔۔

توفیق دے کہ آگے نہ پیدا ہو خوئے بد تبدیل کر جو خصلت بد پیشتر کی ہے

پہلا اعتراض: یفتیکم سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کو مفتی کہہ سکتے ہیں۔ مفتی تو ہمارے علماء ہوتے ہیں۔ **جواب:** رب تعالیٰ کو مفتی نہیں کہہ سکتے جیسے کہ رب تعالیٰ نے ہر ایک کو علم دیا مگر اسے ماسٹر یا معلم یا مولوی یا

مدرس نہیں کہہ سکتے۔ رب تعالیٰ سب کو شفا دیتا ہے۔ مگر اسے طبیب نہیں کہہ سکتے وہی کھیت اگاتا درختوں میں دانہ ڈالتا ہے مگر اسے حارث یا کسان یا زمیندار نہیں کہہ سکتے کہ یہ الفاظ ہلکے ہیں۔ پیشہ وروں پر استعمال ہوتے ہیں۔ رب تعالیٰ پر ان کا استعمال درست نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** آپ نے **وما یتلی علیکم** کی ایک ترکیب نحوی یہ بھی بیان کی کہ یہ لفظ اللہ پر معطوف ہے اور آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ تم کو اللہ تعالیٰ بھی فتویٰ دیتا ہے اور قرآن کریم کی یہ آیات بھی تو گیا قرآن کریم مفتی ہے۔ قرآن کا کام فتویٰ دینا نہیں پھر یہ ترکیب کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** جب فتویٰ کی نسبت قرآن کریم کی طرف ہوگی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ قرآن کریم سے فتویٰ حاصل کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم ہمارے لئے سبب فتویٰ ہے اور سبب کو بھی فاعل کہہ دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے بارش نے سبزہ اگایا حالانکہ بارش سبزہ اگنے کا سبب ہے۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے میراث اور حقوق بیوگان و حقوق یتامیٰ کی آیات قرآن میں اتاریں۔ نبی کو الہام یا کشف یا وحی خفی سے نہ بتادیا کہ تم کو اس کی اہمیت کا پتہ چلے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ان والیوں کے عیوب میں سے یہ بھی بیان فرمایا کہ تم ان سے نکاح کرنے سے منہ پھیرتے ہو۔ یہ تو کوئی جرم نہیں جس سے دل نہ لگے اس سے نکاح نہ کرے اسے جرموں کے سلسلے میں کیوں بیان فرمایا۔ **جواب:** صرف نکاح نہ کرنا جرم نہیں کہا گیا بلکہ نکاح نہ کرکے ان کے حقوق ادا نہ کرنا ان بچیوں کو یونہی معلقہ چھوڑے رکھنا کہ نہ ان سے خود نکاح کرنا نہ کسی سے ان کا نکاح کرانا ان کے حقوق نہ دینا ان کی موت کا منتظر رہنا کہ یہ یونہی بیٹھی رہیں اور جلد مر جائیں تاکہ ان کا مال ہم قبضہ میں لیں یہ جرم ہے اس لئے ترغبون سے پہلے فرمایا گیا **لا تؤتونھن** الخ اور بعد میں ارشاد ہوا **ان تقوموا للیتمی** الخ۔ **چوتھا اعتراض:** جب اہل عرب یتیم بچیوں کو میراث دیتے ہی نہ تھے تو ان کے پاس مال کہاں سے آتا تھا جس مال کی لالچ میں والی لوگ ان یتیم بچیوں کا نکاح اور جگہ نہ کرتے تھے جیسا کہ تم نے تفسیر میں بیان کیا۔ **جواب:** ان یتیم بچیوں کے پاس مال ہونے کی بہت صورتیں تھیں ان کا باپ اپنی زندگی میں انہیں کچھ مال دے گیا یا کچھ جائیداد ان کے نام لگا گیا۔ کسی اور عزیز نے ترس کھا کر انہیں کچھ دے دیا کسی نے ان کے نام سے کچھ روپیہ تجارت میں لگا دیا جس سے ان کے پاس کافی مال جمع ہو گیا غرضیکہ وہ صرف میراث سے محروم ہوتی تھیں اور ذریعہ بہت تھے اب بھی ایسا دیکھا جارہا ہے۔ غریبوں کے یتیم بچے امیر ہو جاتے ہیں آج یتیم خانہ کے ناظم سکریٹری وغیرہ یتیموں کے مال سے خوب مالدار بن جاتے ہیں یہ مال کہاں سے آتا ہے قوم کے مخیر حضرات کی جیبوں سے جو وصول کیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: عاقل پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اپنے پر لازم جانے اور غیر کا مال ظلماً ہرگز نہ استعمال کرے کہ اس میں اللہ رسول کی نافرمانی بھی ہے اور اپنے نفس و روح کو خراب کرنا بھی حرام غذا دل و روح نفس کو ایسے ہی خراب کرتی ہے جیسے خراب آب و ہوا جسم کو بیمار کر دیتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مالوں کے متعلق بہت تاکیدی احکام جاری فرمائے اور یتیموں بیوگان کے مال پر تو بہت ہی سختی فرمائی۔

حکایت: حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دکان پر ایک عورت آئی اور اس نے اعلیٰ درجہ کا تھان مانگا۔ آپ نے اسے تھان دکھایا جس کی قیمت چار سو درہم تھی۔ وہ بولی میں بیوہ ہوں میری بچی یتیم ہے اس کا نکاح کرنا چاہتی ہوں۔ اس کے لئے یہ کپڑا چاہئے کچھ رعایت فرمایئے اور بیچنے میں یہ کپڑا آپ کو پڑا ہے وہ قیمت مجھ سے لیجئے۔ آپ نے فرمایا اچھا صرف چار درہم دے

دے وہ بولی آپ مجھ سے مذاق کیوں کرتے ہیں۔ کہاں چار سو درہم اور کہاں صرف چار۔ آپ نے فرمایا میں نے دو تھان خریدے تھے جن میں سے ایک تھان دونوں تھانوں کی قیمت دے گیا صرف چار درہم کم آئے ہیں لہذا مجھے یہ تھان چار درہم میں پڑا ہے۔ اسی قیمت پر تو لے جاوہ ہنسی خوشی لے گئی۔ حاتم اصم فرماتے ہیں کہ جو شخص تین چیزوں کے بغیر تین چیزوں کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے جنت کی محبت کا دعویٰ کرے بغیر خیرات مال وہ جھوٹا ہے۔ خدا تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرے بغیر تقویٰ وہ جھوٹا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرے بغیر فقراء یتامیٰ بیوگان کی خدمت کے وہ جھوٹا ہے۔

بگیر اے جواں دست درویش پیر نہ خود را بیفگن کہ دستم بگیر!

کسی نیک بودے بہر دو سرائے کہ نیکی رساند بہ خلق خداء

صوفیاء فرماتے ہیں کہ روح انسانی گویا خاوند ہے اور نفس انسانی گویا بیوی جیسے مرد پر عورت کے حق ہیں۔ ویسے ہی روح پر نفس کے حق ہیں کھانا پینا' سونا' آرام کرنا نفس کے حقوق ہیں۔ ہم پر واجب ہے کہ عبادت بھی کریں اور آرام بھی۔ اس آیت کریمہ میں اسی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ بیویوں بیوگان یتیموں کے حقوق ادا کرنے میں سستی نہ کرو۔ نفس قوی ہو کر روح کو ترقی میں بڑی امداد دیتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے منہ میں شریعت کی لگام ہو یہ نفس تیز گھوڑا ہے۔ اس کے حقوق بھی ادا کرو اس کی نگرانی بھی کرو۔ (روح البیان)۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ

اور اگر کوئی عورت خوف کرے اپنے خاوند کی سختی کا یا منہ پھیرنے کا تو نہیں ہے گناہ ان دونوں پر

اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ کرے تو ان پر گناہ نہیں کہ آپس

عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ

کہ کر لیں صلح آپس میں اور صلح اچھی چیز ہے اور ڈال دیا گیا ہے

میں صلح کر لیں اور صلح خوب ہے اور دل لالچ کے

الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

دلوں میں بخل و ہوس اور اگر تم نیکی کرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے

پھندے میں ہیں اور اگر تم نیکی اور پرہیزگاری کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بیشک اللہ اس سے

خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾

جو تم کرتے ہو خبر ہے

جو تم کرتے ہو خبردار ہے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں یتیم بچوں، یتیمہ بچیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ یتیم وہ بچہ ہے جو اپنے باپ کے فوت ہو جانے کی وجہ سے اس سے کٹ گیا اور دوسروں کے رحم و کرم کا دست نگر ہو گیا۔ اب اپنی بیویوں سے صلح صفائی 'اچھے برتاوے کا حکم ہے۔ بیوی بھی اپنے ماں باپ بلکہ سارے میکے والوں سے کٹ کر ایک خاوند کی دست نگر ہو جاتی ہے۔ شادی کے بعد خاوند تو اپنے پیدائشی گھر میں ہی رہتا ہے مگر بیوی اس خاوند کی وجہ سے دیس چھوڑ پردیسی بن جاتی ہے' بیوی کو یتیم کے ساتھ مشابہت ہے اس لئے یتیم کے بعد بیویوں کا ذکر ہوا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں بیوہ عورتوں' یتیمہ بچیوں سے انصاف کرنے کا حکم تھا اب اپنی بیویوں کے ساتھ انصاف و صلح صفائی کا تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنی بیویاں بھی رعایت انصاف و صلح صفائی کی مستحق ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں یتیمہ لڑکیوں' بیوہ عورتوں کو ان کا حق دے دینے اور ان کے حق پر قبضہ ناجائز نہ کرنے کا حکم تھا کہ ان کے مال پر تم غاصبانہ قبضہ نہ کرو اب اپنی بیویوں کے حقوق نکاح یعنی اچھا برتاؤ ان کے ساتھ ہنسی خوشی سے رہنے کا حکم ہے گویا مالی حقوق کے بعد اخلاقی حقوق ادا کرنے کی تاکید فرمائی جا رہی ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم کو عورتوں کے متعلق فتویٰ دیتا ہے۔ جن میں سے بعض عورتوں یعنی بیوگان اور یتیمہ کے احکام پہلے بیان ہوئے اور اپنی خود کی ہوئی بیویوں کے متعلق فتویٰ اب دیا جا رہا ہے کہ تمہاری اپنی بیویاں بھی عورتیں ہیں۔ اللہ کی بندیاں ہیں گویا لاوارث عورتوں کا ذکر پہلے تھا اور وارث والی عورتیں جن کے لاوارث ہو جانے کا اندیشہ ہو ان کا ذکر اب ہے۔

شان نزول : اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ ایک یہ کہ عمرہ بنت محمد ابن مسلمہ جن کو خولہ بھی کہا جاتا تھا۔ سعد ابن ربیع کے نکاح میں تھیں جن کو رافع ابن خدیج بھی کہتے تھے یعنی ان کا نام سعد لقب رافع تھا ان کے باپ کا نام ربیع لقب خدیج تھا۔ سعد نے ان سے نکاح ان کی جوانی کے زمانہ میں ہی کیا تھا جب یہ بوڑھی ہو گئیں تو سعد نے ایک اور جوان عورت سے نکاح کر لیا اور اس کی طرف مائل ہو گئے عمرہ کی طرف سے لاپرواہ سے ہو گئے۔ حضرت عمرہ نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے خاوند کی اس بے رخی کی شکایت کی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن و روح البیان و روح المعانی) تب حضرت عمرہ اس پر راضی ہو گئیں کہ مجھے طلاق نہ دی جائے میں اپنے حقوق زوجیت کم کرتی ہوں۔ اس پر صلح ہو گئی (روح المعانی)۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ابن ابی السائب کی بیوی بوڑھی اور بہت اولاد والی تھیں۔ انہوں نے اس بیوی کو طلاق دے کر دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہا۔ ان بی بی صاحبہ نے عرض کیا کہ مجھے طلاق نہ دو مجھے اپنے بچوں میں رہنے دو میں تم سے زیادہ خرچ یا حقوق زوجیت نہیں چاہتی تم خوشی سے دوسرا نکاح کرو مجھے بقدر ضرورت مال دے دیا کرو جو مجھے اور میرے بچوں کو کافی ہو۔ اور رہو سوا اپنی دوسری بیوی کے ساتھ ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر) غرضیکہ یہ آیت کریمہ گھریلو جھگڑوں کے متعلق ہے۔

تفسیر : **وان امراۃ خافت من بعلها نشوزا او اعراضا** یہ نیا جملہ ہے واؤ ابتدائیہ ہے اور امراۃ سے پہلے خافت پوشیدہ ہے۔ جس کی تفسیر بعد والا خافت کر رہا ہے کیونکہ ان اسم پر نہیں آتا امراۃ سے مراد خاوند والی عورت ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے۔ خوف سے مراد ہے اندیشہ قوی جس کی علامات ظاہر ہوں۔ بعل کے لفظی معنی سردار

چونکہ خاوند بھی عورت کا سردار ہوتا ہے اسی لئے اسے بھی بعل کہتے ہیں۔ اس کی جمع بعولہ ہے نشوزبنا ہے نشز سے بمعنی ٹیلہ و اونچی زمین چونکہ اونچی جگہ پہنچ کر آدمی دوسرے نیچے والوں سے کٹ جاتا ہے اسی لئے سرکشی نافرمانی بے توجہی اور علیحدگی کو نشوز کہتے ہیں۔ اگر یہ عورت کی صفت ہو تو مراد ہوتی ہے نافرمانی اور اگر مرد یعنی خاوند کی صفت ہو تو مراد ہوتی ہے علیحدگی بے توجہی یہاں دوسرے معنی میں ہے کیونکہ خاوند کی طرف منسوب ہے۔ خاوند کی زیادتی یہ ہے کہ بیوی کو کھانے پینے کو نہ دے یا کم دے یا اسے بلاوجہ مارپیٹ کرے یا بدزبانی طعنہ بازی کرے اور اعراض یہ ہے کہ اس سے بول چال ترک کردے یا کم کردے محبت سے پیش نہ آئے۔ غرضیکہ نشوزا اور اعراض میں بڑا فرق ہے یعنی اگر کوئی بیوی اپنے خاوند کے متعلق سختی، زیادتی یا بے رخی کا اندازہ کرے۔ اسے محسوس ہو جائے کہ اس کا دل مجھ سے متنفر ہو چکا ہے۔ **فلا جناح علیهما ان یصلحا بینهما صلحا** یہ جملہ ان گذشتہ کی جزاء ہے۔ لہٰذا ف جزائیہ ہے علیهما کا مرجع خاوند بیوی دونوں ہیں۔ ان یصلحا کے معنی یا تو ہیں آپس میں خود ہی صلح کرلینا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دینا۔ حتیٰ کے گھر کے لوگوں کو بھی پتہ نہ لگنے دینا جیسا کہ عام عقل مند زوجین کرتے ہیں۔ یا کسی تیسرے کو بیچ میں ڈال کر صلح کرالینا مگر پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ جیسا کہ **بینهما** سے ظاہر ہے۔ صلحا مفعول مطلق یا مفعول بہ ہے یصلحا کا جس سے مراد ہے پوری پوری صلح کرلینا اس طرح کہ یہ صلح صفائی صرف رسمی اور زبانی نہ ہو بلکہ خاوند بیوی ایک دوسرے کی شکایت دور کرکے صلح کریں زبانی صلح محض عارضی ہوتی ہے اور عملی صلح دائمی۔ عورت کی طرف سے صلح یہ ہے کہ وہ اپنے کچھ حقوق مہر یا نفقہ میں رعایت کردے یا تو بالکل معاف کردے یا اس میں کمی کردے مرد کی طرف سے صلح یہ ہے کہ بے تکلف اس سے خوش خلقی سے پیش آئے۔ اور اسے گھر میں رہنے بسنے دے۔ طلاق نہ دے یا عورت کی طرف سے صلح یہ ہے کہ اپنی گذشتہ کوتاہیوں کو دور کردے اور ہر وہ جائز کام کرے جس سے مرد خوش ہو اور خاوند کی طرف سے صلح یہ ہے کہ بیوی کی گذشتہ کوتاہیوں سے درگزر کرے۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے عورت کی اس رعایت کے متعلق فرمایا **لا جناح** گناہ نہیں یعنی یہ لین دین رشوت نہیں۔ جس کا دینا عورت پر حرام ہو اور لینا مرد پر حرام ہو رشوت کے وہم کو دفع فرمانے کے لئے لاجناح فرمایا گیا (روح المعانی)۔ **والصلح خیر** یہاں الصلح سے مراد یہ صلح مذکور ہے۔ خاوند بیوی کی صلح۔ لام عہدی ہے خیر سے مراد ہے طلاق سے بہتر ہے کہ طلاق اگرچہ درست ہے مگر رب تعالیٰ کو ناپسند ہے اور اس صلح سے رب تعالیٰ راضی ہے۔ اس پر ثواب بھی عطا فرمائے گا عورت کو اس رعایت کرنے پر ثواب دے گا اور خاوند کو آباد کرلینے پر اجر عطا کرے گا۔ یعنی یہ صلح بہتر ہے اس سے جس کا اندیشہ تھا طلاق یا علیحدگی۔ کسی بزرگ کے پاس ایک عورت آئی۔ بولی کہ میرا خاوند مجھے منہ نہیں لگاتا، رنڈیوں کے پاس جاتا ہے۔ وہ بزرگ بولے کہ تو نالائق ہے تیرے پاس وہ کیا چیز نہیں ہے جو رنڈی کے پاس ہے تو بھی صاف ستھری آراستہ رہ خاوند کا دل لبھا ٹھیک ہو جائے گا۔ عورت نے یہ عمل شروع کردیا چند روز میں خاوند درست ہو گیا۔ **واحضرت الانفس الشح** یہ جملہ معترضہ ہے۔ احضرت احضار سے بنا بمعنی حاضر و موجود کردینا یہاں مراد ہے، ہر وقت دل کے ساتھ لگا رہنا انفس سے مراد ہے، مرد و عورت کے دل و نفس۔ شح اس بخل و کنجوسی کو کہتے ہیں۔ جس کے ساتھ حرص بھی ہو۔ احضرت میں فطرت انسانی کا ذکر ہے۔ یعنی فطری طور پر نفس انسانی پر خواہ مرد ہو یا عورت بخل کنجوسی حرص لازم کردیا گیا ہے۔ ہر شخص فطری طور پر اپنے حقوق کے چھوڑنے میں بخیل ہے زیادہ حقوق لینے میں حریص اپنے حقوق چھوڑنا نہیں چاہتا۔ زیادہ حقوق لینے پر حریص ہے مگر اس کے باوجود عورت نے اپنے حقوق میں کمی کردی اور خاوند نے اسے اپنے پاس رہنے دیا اچھا

کیا۔ **وان تحسنوا و تتقوا** یہ ظاہر یہ خطاب خاوندوں سے ہے احسان سے مراد ہے عورتوں پر مہربانی کرنا ان سے رعایت نہ کرانا اور تقویٰ سے مراد ہے ان پر زیادتی کرنے سے پرہیز کرنا اور اس شرط کی جزاء پوشیدہ ہے یعنی اے خاوند و تم مرد ہو حاکم ہو تمہارا دل وسیع چاہئے اگر تم عورت سے مہر وغیرہ معاف نہ کراؤ اس سے کچھ رعایت نہ کراؤ یونہی بھلائی سے اسے اپنے پاس رکھو اور اس کے معاملہ میں اللہ سے خوف کرو تو تمہارے واسطے یہ بہت ہی اچھا ہے کیونکہ **فان اللہ کان بما تعملون خبیرا** "یہ جملہ جزاء پوشیدہ کی علت ہے اور ف تعلیلیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال پر خبردار ہے تم کو اس عمل خیر کی بڑی اعلیٰ جزاء دے گا۔ لہذا اپنے آپس کے معاملات درست رکھو رب سے اجر کے امیدوار ہو۔ ناپسندیدہ عورت کو نباہنے کی کوشش کرو تو ہم بھی تمہارے ناپسندیدہ اعمال بخش دیں گے۔

خلاصہ ء تفسیر : اسلام نے ہم کو عبادات کے ساتھ درستی معاملات بھی سکھائے۔ معاملات میں سب سے نازک معاملہ خاوند بیوی کے تعلقات ہیں کہ ان پر زندگی کا مدار ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے ایک جگہ تو وہ صورت بیان کی کہ عورت نافرمان ہو جائے تو خاوند کیا کرے کہ فرمایا **واهجروهن فی المضاجع** انہیں اپنے بستروں میں چھوڑ دو یعنی گھر سے نکالو مت بلکہ انہیں گھر میں رہتے ہوئے ان کا بائیکاٹ کرو خود ٹھیک ہو جائیں گی۔ اب یہاں وہ صورت بیان ہو رہی ہے کہ مرد کی طرف سے بے رخی ہو تو بیوی کیا کرے۔ لہذا ارشاد ہوا کہ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے متعلق اس کی طرف سے زیادتی کا اندیشہ کرے یا بے توجہی اور بے رغبتی کا کہ یا تو خاوند اس کا خرچہ کم کر دے یا اسے اٹھتے بیٹھتے طعن تشنیع کرے یا اسے مارنا پیٹنا شروع کر دے۔ یا اس سے کنارہ کشی اور بے رغبتی اختیار کرے اور عورت اس کے گھر رہنا چاہے۔ یہاں سے نکلنا طلاق لینا اسے منظور نہ ہو تو دونوں خاوند و بیوی پر اس میں گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کر لیں اس طرح کہ کچھ تو عورت اپنے حقوق میں خاوند کو رعایت دیدے کہ اپنا مہر معاف یا کم کر دے' یا اپنا خرچہ کم کر دے' یا اپنی باری معاف کر دے یا کم کر دے اور خاوند باوجود اس سے دل برداشتہ ہونے کے اسے اپنے گھر میں رکھے طلاق نہ دے۔ خیال رکھو کہ اگرچہ طلاق باوجود ناپسندیدہ چیز ہونے کے مباح رکھی گئی لوگوں کی ضرورت کی بناء پر مگر طلاق سے صلح بہتر ہے یہ بھی خیال رکھو کہ فطری طور پر ہر انسان کے دل پر بخل و حرص چھائی ہوئی ہے۔ لالچ خمیر میں داخل ہے ان کے باوجود عورت کا اپنے حق سے دستبردار ہو جانا خاوند کا اسے اس حال میں رکھ لینا بہت اعلیٰ ہے اور اے خاوند و تم پھر مرد ہو بڑے ہو مرد کا دل وسیع ہونا چاہئے۔ اگر تم بیوی کے ساتھ بھلائی کرو کہ اس سے رعایت نہ کراؤ ویسے اسے بساؤ اور اس کے متعلق پرہیزگاری سے کام لو تو بہت ہی اچھا اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال پر خبردار ہے تم کو بہت بڑا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ خیال رہے کہ **تحسنوا** اور **تتقوا** میں خطاب مردوں سے کیا گیا۔ بیوی سے نہ کیا گیا اس لئے ان دونوں لفظوں کے بہت معنی ہو سکتے ہیں جو خاوندوں کے لائق ہیں۔ حقوق زوجیت کے سوا اور بھی سلوک و احسان بیوی کے ساتھ کرنا۔ بیوی کے میکے والوں سے اچھا سلوک کرنا۔ بیوی کی ہر بات پر گرفت نہ کرنا۔ بعض قصوروں سے درگزر کرنا۔ ان برتاؤں سے بیوی لونڈی کی طرح قبضہ میں آ جاتی ہے۔ متقی پرہیزگار بن کر رہنا کہ خاوند کے تقویٰ سے بیوی کے دل میں تقویٰ اور خوف خدا پیدا ہوتا ہے۔ یونہی تقویٰ سے مراد یا تو عورت پر ظلم سے بچنا ہے یا اپنے حقوق لینے کے ساتھ اس کے حقوق ادا کرنا ہے یا دل میں خوف خدا رکھنا ہے' جو ہر رحمت الٰہی کی اصل ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: جو عورت ناموافق خاوند سے نباہ کرلے وہ اللہ تعالیٰ کی مقبول بندی ہے کہ رب تعالیٰ نے اسے ایسی مجبوری کی حالت میں صلح کر لینے کا مشورہ دیا۔ **دوسرا فائدہ**: یونہی جو خاوند اپنی ناموافق بیوی کے ساتھ نباہ کرے رب تعالیٰ کا مقبول بندہ ہے۔ دیکھو اس کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا۔ **و ان تحسنوا و تتقوا الخ**۔ **تیسرا فائدہ**: طلاق اگرچہ اسلام میں جائز رکھی گئی ہے مگر بہ ناپسندیدہ چیز کہ اس سے گھر بگڑتا ہے۔ دو خاندان یعنی خاوند اور بیوی کے خاندان بچھڑ جاتے ہیں۔ بچے لاوارث ہو جاتے ہیں۔ طلاق سے صلح بہتر جیساکہ **و الصلح خیر** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: عورت کو چاہئے کہ اپنے خاوند کے حالات کا جائزہ لیتی رہے اس سے غافل نہ رہے اگر اسے خاوند کے آثار اچھے نظر نہ آئیں تو اس کا انتظام کرے اسے درست کرنے کی کوشش کرے جیساکہ **و ان خافت الخ** سے معلوم ہوا جو عورتیں اپنے خاوندوں سے بالکل بے نیاز رہتی ہیں وہ کبھی برباد ہو جاتی ہیں۔ خوف ہوتا ہے مصیبت سے پہلے۔ لہذا عورت کو چاہئے کہ خیال رکھے کہ خاوند رات کو دیر سے کیوں آتا ہے' مجھ سے بے رخی کیوں کرتا ہے۔ کسی نامحرم کے گھر زیادہ کیوں آتا جاتا ہے۔ غرضیکہ اس کی ہر حالت کی نگرانی کرے۔ حضرت عائشہ صدیقہ اس رات حضور کے پیچھے پیچھے اکیلی گئیں جبکہ حضور شب برات کے آخری حصہ میں جنت البقیع تشریف لے گئے تھے کیونکہ انہیں خطرہ ہو گیا تھا کہ حضور انور اپنی کسی اور بیوی کے ہاں میری باری میں تشریف لے جا رہے ہیں تو سوچا کہ کیوں جاتے ہیں۔ مجھ میں کیا کوتاہی ہے میں وہ اپنی کوتاہی دور کروں تاکہ آپ مجھ سے راضی رہیں یہ ہے ان امراۃ خافت پر عمل اور یہ ہے اس کی تفسیر۔ **پانچواں فائدہ**: مہر عورت کا اپنا حق ہے اسے کم کر دینے اور معاف کر دینے کا حق ہے جیساکہ ان۔ ملھا کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: یونہی نفقہ اور باری مقرر ہونا عورت کا اپنا حق ہے اگر چاہے تو وہ معاف کر سکتی ہے مگر مہر کی معافی اور خرچہ اور باری کی معافی میں فرق یہ ہے کہ مہر معاف کر چکنے کے بعد پھر اس کا مطالبہ نہیں کر سکتی کہ معافی اور استبراء لازم ہوتے ہیں اٹھ نہیں سکتے مگر خرچہ اور باری معاف کر دینے کے بعد بھی دوبارہ مانگ سکتی ہے کیونکہ ہر دن کا خرچہ نیا ہے۔ اور ہر دن کی باری علیحدہ گذشتہ خرچہ و باری کا بعد معافی مطالبہ نہیں مگر آئندہ خرچہ و باری کا مطالبہ درست ہے۔ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ کو دے دی تھی۔ چنانچہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج پاک کے پاس ایک ایک دن قیام فرماتے تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس دو دن۔ ایک دن تو ان کا اپنا دوسرا دن حضرت سودہ کا رضی اللہ عنہن اجمعین۔ **ساتواں فائدہ**: عموماً" ہر انسان اور خصوصاً" عورت فطری طور پر لالچی ہے۔ ہر شخص اپنے آرام و آسائش کو مقدم رکھتا ہے اپنے پر مشقت گوارا کر کے دوسرے کو آرام پہنچانا نہیں چاہتا۔ الاماشاء اللہ لہذا عورتوں کی اس خصلت پر ناراض نہ ہونا چاہئے یہ فطری چیز ہے۔ اگر عورت کی کوئی بات ناپسند ہو تو مرد اپنی خصلتوں میں غور کرے۔ بہت سی ناپسندیدہ چیزیں اپنے میں بھی نظر آئیں گی یہ فائدہ **و احضرت الا نفس الشح** سے **حاصل ہوا**۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ طلاق بہتر چیز نہیں' صلح اچھی ہے تو اسلام نے طلاق کا مسئلہ رکھا ہی کیوں بری چیز نکال دینی چاہئے تھی۔ **جواب**: انسانوں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے کبھی حالات ایسے نازک ہو جاتے ہیں کہ خاوند بیوی کا نباہ ناممکن ہو جاتا ہے اگر اس حالت میں طلاق کے ذریعہ علیحدگی نہ ہو تو آخر ان میں سے کسی کی جان جائے گی اس لئے طلاق کا مسئلہ رکھا گیا۔ **دوسرا اعتراض**: تو طلاق کا حق عورت کو بھی ہونا چاہئے تھا کہ وہ بھی خاوند کو طلاق دے سکے صرف

مرد کو اس کا حق کیوں دیا گیا۔ **جواب:** اس سے سخت خطرناک نتائج پیدا ہوتے۔ عورت کو طلاق کا حق دینا گویا دیوانہ کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے۔ جن قوموں نے عورتوں کو بھی طلاق کے حق دیئے ہیں وہاں کے لوگ سخت مصیبت میں گرفتار ہیں ان کی زندگیاں تلخ ہو گئی ہیں۔ بات بات پر وہاں گھر بگڑ رہے ہیں۔ چونکہ خاوند کے ذمہ عورت کا خرچہ مہر حتیٰ کہ کفن دفن تک رکھا ہے اس لئے اسے کچھ حقوق بھی دیئے ہیں۔ عورت فطری طور پر کم عقل جوشیلی واقع ہوئی ہے وہ جوش میں انجام سوچے بغیر نقصان وہ کام کر بیٹھتی ہے پھر پچھتاتی ہے اگر اس کے ہاتھ میں طلاق ہو تو بات بات پر گھر بگاڑ لیا کرے۔ **تیسرا اعتراض:** پھر عورت کو مردوں کے ظلم سے کیونکر بچایا جا سکے۔ ظالم خاوند اسے قید کر رکھتے ہیں نہ طلاق دیتے ہیں نہ بساتے ہیں پھر وہ کیا کریں۔ **جواب:** شریعت نے اس کے لئے دو صورتیں رکھی ہیں۔ خلع اور حاکم سے فریاد بہت صورتوں میں حاکم فسخ نکاح کر سکتا ہے۔ جیسے نامرد کی بیوی نکاح فسخ کرا سکتی ہے اور متعنت فی النفقہ کہ مرد نفقہ پر قادر ہو مگر نہ دے اس صورت میں امام مالک کے مذہب پر حاکم فسخ نکاح کر سکتا ہے۔ کچھ شرائط کے ماتحت اور بہت سی صورتیں رکھی ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس صورت میں عورت کا اپنے خاوند کو کچھ رعایتیں دینا رشوت ہے اور رشوت دینا بھی حرام لینا بھی حرام۔ پھر اس کی اجازت کیوں دی گئی۔ **جواب:** رشوت لینا بہرحال حرام ہے مگر رشوت دینا دفع ظلم کے لئے حلال ہے اور ظلم کرانے کے لئے رشوت دینا حرام' رشوت کی حقیقت یہ ہے کہ جو کام کرنا اپنے پر واجب ہو اس کام پر کچھ لینا رشوت ہے جیسے حاکم پر انصاف کرنا واجب ہے اگر وہ کچھ رقم مقدمہ والوں سے لے کر انصاف کرے تو یہ رقم رشوت ہے اور حرام کام کرنا کچھ لے کر یہ رشوت ہے تو رشوت کی دو صورتیں ہوئیں۔ یہاں جس کا ذکر آیت میں ہے دونوں میں کچھ نہیں۔ خاوند پر بی بی کو اپنے پاس رکھنا واجب نہیں طلاق دینے کا اسے حق ہے جب بیوی چاہے کہ میں بہرحال اس کے پاس ہی رہوں وہ مجھ سے رغبت رکھے یا نہ رکھے اس لئے اپنے حقوق سے دست بردار ہو جائے تو یہ دست برداری کسی صورت سے رشوت نہیں بنتی۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا کہ ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** قرآن کریم نے یہاں تو فرمایا **یصلحا بینھما** خاوند بیوی آپس میں ہی صلح کر لیں دوسروں کو کانوں کان خبر نہ ہو مگر دوسری جگہ فرماتا ہے۔ **فابعثوا حکما" من اھلہ و حکما من اھلھا** ایک پنچ مرد کے گھر والوں سے ایک پنچ بیوی کے گھر والوں سے بھیجو جس سے معلوم ہوا کہ خاوند بیوی میں پنچ صلح کرائیں۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس آیت کریمہ میں معمولی جھگڑے کا ذکر ہے جبکہ بیوی خاوند کے گھر میں ہو ایسے جھگڑے خفیہ طور پر چکا لینے چاہئیں اور وہاں اس آیت میں بڑے سخت جھگڑے کا ذکر ہے جبکہ عورت اپنے میکے جا کر بیٹھ رہی ہو۔ ایسے جھگڑے پنچ سے ہی طے ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: طریقت میں نفس امارہ کی مخالفت اسے دبائے رکھنا بہترین عبادت ہے اور تفریق کے مقابلہ میں جمع اعلیٰ درجہ کی اطاعت یہاں فرمایا گیا ہے کہ جب بیوی خاوند کی طرف سے بے توجہی دیکھے تو اس کا دل بھی بدلہ لینے کو چاہے گا لیکن اگر عورت ایسی حالت میں اپنے نفس پر قابو رکھے اور جس طرح بن پڑے اس خاوند کے ساتھ نباہے تو وہ طریقت کی بڑی عبادت کرتی ہے۔ اسی طرح جب خاوند کا دل عورت کو بسانے آباد کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ مگر پھر بھی دل کو روکے اور اس کے ساتھ نباہ کرے تو بندہ مقبول ہے۔ خصوصا" جبکہ بیوی سے اس کے معاوضہ میں کچھ رعایت نہ لے اسے بسائے تو بڑا بہادر ہے یہاں صرف زوجین کا ذکر ہے دنیا کی ہر غیر مرغوب چیز پر صبر کرنا ترقی درجات کا ذریعہ ہے۔ امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب "حسن

الحاضرہ فی احوال مصرو القاہرہ" میں فرماتے ہیں کہ اگر تو ابدال میں سے ہونا چاہتا ہے تو بچوں کی پانچ یہ خصلتیں اختیار کر۔ رزق کی فکر نہ کر، بیماری و تکالیف میں خالق کی شکایت نہ کرنا مل کر کھانا کھانا۔ ہر ناپسندیدہ بات پر آنسو بہا کر ماں کو بلا تاثر کر فوراً صلح کر لینا اگر جوانوں میں یہ خصلتیں پیدا ہو جائیں تو وہ ابدال بن جائیں۔ (روح البیان)۔

حکایت عجیبہ : ایک شخص بہت بد صورت تھا۔ اس کی بیوی نہایت ہی حسینہ جمیلہ۔ مرد اس عورت کی بہت خاطر کرتا تھا۔ عورت مرد کی بڑی مطیع تھی۔ ایک دن عورت نے مرد کو دیکھ کر کہا الحمد للہ اللہ کا شکر ہے۔ مرد نے پوچھا کس چیز کا شکر کرتی ہے۔ وہ بولی اس کا کہ اللہ نے تجھے بھی جنتی کیا اور مجھے بھی۔ مرد نے پوچھا وہ کیسے؟ بولی کہ تجھے مجھ جیسی بیوی ملی اور تو نے اس کا شکریہ ادا کیا اور مجھے تجھ جیسا خاوند ملا اور میں نے اس پر صبر کیا بحکم قرآن شاکر بھی جنتی ہے صابر بھی تو شاکر ہو کر جنتی بنا اور میں صابر ہو کر۔ (روح البیان)۔ قرآن کریم کی اس آیت نے ہم کو بہت بڑی عبادت کی تعلیم دی ہے جو عبادت بھی ہے اور تدبیر منزل بھی۔ رب تعالیٰ نے ہم کو بتایا کہ فطری طور پر ہر ایک کو لالچ ہے۔ جو اس لالچ کو اپنے میں سے نکال دے وہی بہادر ہے۔ **و من یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون۔** **حکایت:** ایک بار ابلیس حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا نوح علیہ السلام دو چیزوں سے پرہیز کرنا۔ حسد اور لالچ حسد کی وجہ سے میں جنت سے نکالا گیا اور لالچ کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو زمین پر تشریف لانی پڑی۔ اسی ابلیس نے یحییٰ علیہ السلام سے کہا کہ مجھے مومن بخیل بڑا پیارا ہے اور فاسق سخی سے بہت ڈرتا ہوں آپ نے پوچھا کیوں۔ بولا مومن بخیل اپنے بخل کی وجہ سے اپنا سب کیا کترا برباد کر لیتا ہے اور فاسق سخی اپنی سخاوت کی وجہ سے سب گناہ بخشوا لیتا ہے۔ (روح البیان)۔

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا

اور ہرگز طاقت نہ رکھو گے تم یہ کہ پورا انصاف کرو درمیان بیویوں کے اگرچہ تم اسکی حرص کرو بس نہ مائل

اور تم سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کو برابر رکھو اور چاہے کتنی ہی حرص کرو تو یہ تو نہ ہو کہ ایک طرف

كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ

ہو جاؤ پورا مائل ہونا کہ اسے چھوڑ دو مثل لٹکی کی طرح اور اگر اصلاح کرو اور متقی بنو تو بے شک اللہ

پورا جھک جاؤ اور دوسری کو ادھر میں لٹکتی چھوڑ دو اور اگر تم نیکی اور پرہیزگاری کرو تو بے شک اللہ

اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِنْ

ہے بخشنے والا مہربان اور اگر الگ ہو جاویں وہ دونوں تو غنی کر دیگا اللہ ہر ایک

بخشنے والا مہربان ہے اور اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ اپنی کشائش سے ہر ایک کو دوسرے سے

سَعَتِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

کو اپنی وسعت سے اور ہے اللہ وسعت والا حکمت والا

بے نیاز کر دے گا اور اللہ کشائش والا حکمت والا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں متنفر خاوند کو منانے' اس سے تعلقات قائم رکھنے اور روٹھے خاوند کو منانے کا ذکر تھا کہ اگر گھر بگڑنے لگے تو عقل مند بیوی اپنا گھر بگڑنے سے کیسے بچائے۔ اب نارمل حالات میں بیویوں کے درمیان عدل و انصاف رکھنے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔ گویا ہنگامی حالات کی اصلاح کے بعد نارمل حالات کی درستی کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں عورت کو حکم تھا کہ اپنے گھر کو نہ بگڑنے دے نازک حالات میں عقل مندی سے کام لے اب خاوند کو حکم ہے کہ اپنے گھر کا انتظام کیسے درست رکھے گا۔ گویا زوجین میں سے ایک کو تعلیم دینے کے بعد دوسرے کو یعنی زوج کو تعلیم دی جا رہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں خاوند کی زیادتی' سرد مہری کا ذکر تھا۔ جس کا علاج ممکن ہے اب خاوند کے میلان قلبی غیر اختیاری کا ذکر ہے۔ جس کا علاج ناممکن ہے مگر اس زیادتی میلان کا بہترین علاج بھی ارشاد ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں اس صورت کا ذکر تھا کہ خاوند دوسری بیوی کرنا چاہے موجودہ بیوی کو علیحدہ کر کے۔ اب اس صورت کا ذکر ہے جب چند بیویاں نکاح میں ہوں گویا چند بیویاں کرنے کا ذکر پہلے تھا اور چند بیویاں رکھنے کا ذکر اب ہے۔

شان نزول : حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں جن میں سرکار بے مثال انصاف فرماتے تھے حتیٰ کے سفر کے وقت اگر کسی بیوی صاحبہ کو ہمراہ لے جانا ہوتا تو قرعہ ڈالتے جس کا نام قرعہ میں نکلتا اسے ہمراہ لے جاتے۔ مگر قدرتی طور پر ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی اس کے متعلق بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے تھے الٰہی جو میرے بس کی بات ہے اس میں میرا معاملہ تو اس قدر برابری کا ہے مگر جو چیز میرے بس میں نہیں تیرے قبضہ میں ہے یعنی دلی میلان اور غیر اختیاری محبت اس میں تو مجھ پر ناراض نہ ہونا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور مسلمانوں کی تعلیم کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر روح المعانی)۔

تفسیر : **و لن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم** اگرچہ اس آیت کریمہ کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے مگر چونکہ عدل نہ کر سکنے کے ایک معنی ایسے بھی ہیں جو حضور کی شان کے لائق نہیں۔ اس لئے اس عدل نہ کر سکنے کو حضور کی طرف نسبت نہ فرمایا بلکہ عام مسلمانوں کی طرف نسبت کیا۔ جیسے حضور کی بارگاہ میں راعنا کہنے سے منع فرمایا گیا کہ اس کے ایک معنی اس بارگاہ کے لائق نہیں۔ دیکھو خضر علیہ السلام نے اپنے تین کاموں کی وجہ بیان فرماتے ہوئے فرمایا۔ **فاردت ان اعیبھا** میں نے چاہا کہ کشتی کو عیب دار کر دوں یعنی عیب دار کرنے کو رب کی طرف نسبت نہ کیا اور فرمایا **فاراد ربک ان یبدلھما ربھما** رب نے چاہا کہ انہیں اس بیٹے سے بہتر اولاد دے لہذا اس میں خطاب تمام مسلمانوں سے ہوا۔ اور یہی خبر دی گئی کہ کوئی شخص اپنی بیویوں میں پورا پورا انصاف جس میں مجامعت و میلان قلبی میں بھی برابری ہو نہیں کر سکتا۔ **لن**

تستطیعوا فرماکر ارشاد ہوا کہ یہ برابری و انصاف تمہاری طاقت سے باہر ہے اور طاقت سے باہر والی چیز پر رب تعالیٰ عتاب نہیں فرماتا ہم لوگ اپنی بیویوں میں اس لئے پورا انصاف نہیں کر سکتے کہ ہمارے نفس دوسری بیوی کی طرف مائل ہوتے ہیں ہم کو ہر نئی چیز پسند ہوتی ہے۔ چھوٹی بیوی' چھوٹی اولاد' نیا مکان' نئی چیز ہم کو پیاری ہے مگر حضور انور کے دل کا جناب عائشہ صدیقہ کی طرف زیادہ مائل ہونا رب تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ حضور کی محبت و نفرت نفسانی نہیں رحمانی ہے۔ ہر جگہ یہی فرق ہے' ہمارا کھانا پینا' سونا جاگنا' نفسانی شیطانی بھی ہو سکتا ہے مگر حضور کا رحمانی ہی ہے۔ **ان تعدلوا** عدل سے بنا بمعنی برابری کرنا' کسی طرف جھک نہ جانا یہاں عدل سے کامل عدل مراد ہے۔ بیویوں میں عدل کی صورتیں ہیں خرچہ میں برابری۔ باری میں برابری' صحبت و مجامعت میں برابری دلی محبت میں برابری۔ پہلی دو چیزوں میں عدل واجب ہے۔ مگر صحبت و محبت میں عدل واجب نہیں۔ یہاں عدل سے مراد ان چاروں مذکورہ چیزوں میں برابری ہے۔ کیونکہ انسان جن چیزوں میں برابری کر سکتا ہے۔ اس پر عمل اسے لازم ہے اگر ان میں فرق کرے گا۔ تو سخت مجرم ہو گا۔ بین النساء میں نساء سے مراد اپنی بیویاں ہیں **ولو حرصتم** وسلیہ ہے جس کے معنی ہیں اگرچہ حرصتم حرص سے بنا بمعنی زیادتی کی خواہش حرص دنیا بری ہے' حرص آخرت اچھی رب تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف بیان فرماتا ہے۔ **حریص علیکم** یہاں محمود کا ذکر ہے یعنی پوری کوشش کہ اے مسلمانو تم کتنی بھی کوشش کرو مگر اپنی بیویوں میں کامل پورا پورا عدل و انصاف نہ کر سکو گے۔ اس طرح کہ تمام بیویوں کے ساتھ صحبت بھی یکساں کرو اور دلی محبت بھی یکساں رکھو۔ یہ تمہارے بس کی بات نہیں کیونکہ تمہارے دل رب تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ اس میلان قلبی کی زیادتی کمی میں تم پر کوئی عتاب نہیں۔ **فلا تمیلوا کل المیل** یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے اور اس کی ف جزائیہ ہے **لا تمیلوا** میں انہی خاوندوں سے خطاب ہے جن کی چند بیویاں ہوں اور جن سے خطاب ابھی **لن تستطیعوا** میں تھا۔ میل کے معنی ہیں درمیان سے کسی طرف جھک جانا اسی لئے دشمن پر حملہ کرنے کو بھی میل کہا جاتا ہے مال علیہ اے حمل علیہ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فیمیلوا علیکم میلۃ" واحدۃ** " ظلم کو بھی میل کہتے ہیں کہ ظالم انصاف سے جھک جاتا ہے۔ مال کو مال اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ دوسری طرف جھکا رہتا ہے۔ دوسرے کے پاس جاتا رہتا ہے۔ آج کسی کے پاس ہے کل کسی کے پاس (غ) یہاں کل المیل سے مراد ہے جسمانی' جنانی یعنی قلبی و عملی ہر طرح ایک عورت کی طرف جھک جانا کہ دل سے بھی ایک عورت کو زیادہ چاہے اور خرچہ برتاو باری وغیرہ میں بھی فرق رکھے کہ یہ سخت گناہ ہے۔ جس پر سخت پکڑ ہو گی۔ غرض کہ غیر اختیاری میلان قابل معافی ہے۔ مگر عملی میلان پر پکڑ یعنی اگر تم دلی میلان میں برابری نہیں کر سکتے تو عملی برتاوے میں تو ایک کی طرف بالکل نہ جھک جاؤ کہ بعض بیویوں کو شاد بھی رکھو' آباد بھی اور دوسری بعض کو ناشاد اور غیر آباد کرو۔ **فتذروھا کالمعلقۃ** یہ جملہ کل المیل کی تفسیر و تفصیل ہے اور ف تفصیلیہ ہے۔ **تذرو** فعل ہے۔ جس کا مصدر کوئی نہیں اس کا صرف مضارع اور امر و نہی ہی آتا ہے۔ **و ذروا البیع ھا** مرجع وہ بیوی ہے۔ جس سے محبت کم ہو یا بالکل نہ ہو۔ معلقۃ تعلیق کا اسم مفعول ہے۔ جس کا مادہ علق ہے۔ بمعنی لٹک جانا یا پھنس جانا اسی سے ہے علقہ جس سے بچہ بنتا ہے۔ معلقہ وہ عورت جس کا خاوند گم ہو گیا ہو اور اس کا معاملہ پھنس گیا ہو۔ وہ نہ خاوند والی ہی ہو نہ بیوہ بیچ میں لٹکی ہو اگر خاوند والی ہوتی تو شاد و آباد ہوتی اگر بیوہ ہوتی تو اپنا نکاح کہیں کر لیتی نہ وہ بیچاری زمین میں ہے نہ آسمان میں (روح البیان و روح المعانی عن ابن عباس)۔ حضرت ابی ابن کعب کی قرات میں ہے کہ **کالمسجونۃ** اسے قیدی عورت کی طرح کر دو۔ **و ان تصلحوا و تتقوا** اس

عبارت میں گذشتہ کوتاہیوں کا علاج فرمایا گیا۔ **تصلحوا** سے مراد ہے گذشتہ کوتاہیوں کی عملی توبہ کرنا اور **تتقوا** سے مراد ہے آئندہ ظلم و تعدی سے پرہیز کرنا اس شرط کی جزا پوشیدہ ہے۔ یعنی اگر تم گذشتہ کی اصلاح کر لو اس سے توبہ کر لو اور آئندہ کے لئے تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو تو تمہارے سارے گذشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے کیونکہ **کان اللہ غفورا رحیما** " اللہ تعالیٰ بخشنے والا بھی ہے مہربان بھی وہ کریم توبہ کرنے والے کے سارے گناہ بخش دیتا ہے۔ **و ان یتفرقا یغن اللہ کلا** " من سعتہ یہ میلان قلبی نہ ہونے کا دوسرا رخ ہے۔ **یتفرقا** سے مراد ہے خاوند و بیوی کا علیحدہ ہو جانا۔ چونکہ اس علیحدگی کی وجہ کبھی خاوند کی طرف سے ہوتی ہے کہ عورت علیحدگی نہیں چاہتی مگر خاوند طلاق دے دیتا ہے اور کبھی عورت کی طرف سے کہ خاوند علیحدگی نہیں چاہتا مگر عورت مجبورا" بذریعہ خلع یا فسخ نکاح حاکم کی مدد سے علیحدگی اختیار کر لیتی ہے جیسے نامرد کی بیوی یا بعض اماموں کے ہاں نفقہ نہ دینے کی وجہ سے فسخ نکاح اور کبھی خاوند بیوی دونوں کی طرف سے کہ نہ خاوند بسانا چاہے' نہ بیوی بسنا اس لئے یہاں طلاق نہ فرمایا۔ بلکہ **یتفرقا** فرمایا۔ نیز خاوند بیوی کی علیحدگی' کبھی طلاق کے ذریعہ ہوتی ہے' کبھی فسخ اور خلع اور کسی اور وجہ سے اس لئے بھی **تتفرقا** ارشاد ہوا۔ غرضیکہ اس ایک کلمہ میں بہت وسعت ہے۔ **یغن** ان کی جزاء ہے اس کے معنی ہیں بے نیاز' بے پرواہ کر دینا۔ اس میں خاوند و بیوی دونوں کو تسلی ہے۔ یعنی اگر خاوند بیوی کی صلح صفائی نہ ہو سکے اور علیحدگی کی نوبت آ جائے تو عورت گھبرائے نہیں بلکہ اللہ پر توکل و بھروسہ رکھے۔ اللہ تعالیٰ خاوند کو اس بیوی سے اور بیوی کو اس خاوند سے مستغنی و بے نیاز کر دے گا کہ عورت کو اچھا خاوند میسر کر دے گا اور خاوند کو اچھی بیوی دے گا وہ بڑے فضل و کرم والا ہے۔ **و کان اللہ واسعا حکیما** " یہ عبارت یغن اللہ کی علت ہے واسعا" سے مراد ہے غنی خلق کو کافی۔ ہر چیز پر قادر۔ ہر شئی کا عالم ہر ایک کو گنجائش دینے والا۔ حکیم ہر کام میں حکمت والا یعنی اللہ تعالیٰ وسعت والا بھی ہے حکمت والا بھی اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اگر طلاق ہو گئی ہے تو رب تعالیٰ کی اس میں بھی کوئی حکمت ہے۔ لہذا فریقین کو صبر چاہئے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانو! تم کتنی بھی کوشش کرو اپنی بیویوں میں پورا پورا انصاف تو نہ کر سکو گے کہ جسمانی اور میلانی دونوں قسم کی پوری برابری کرو یہ ناممکن ہے تو یہ تو نہ کرو کہ کسی ایک بیوی کی طرف بالکل ہی جھک جاؤ کہ اس کے ساتھ رہو سہو' اس سے تعلقات رکھو' اس کو نفقہ وغیرہ دو۔ دوسری کو یونہی لٹکا ہوا چھوڑ دو کہ وہ تمہارے اس برے برتاوے سے نہ تو خاوند والی ہی ہو کہ اپنا گھر بنائے رہے بسے نہ بیوہ ہی ہو کہ دوسری جگہ اپنا نکاح کرے اگر تم نے اس قسم کا ظلم کیا تو تم کو سخت سزا دی جائے گی۔ زوجہ کے حقوق حق العبد ہیں جن کی معافی صرف زبانی توبہ سے بھی نہیں ہو سکتی اگر تم اپنا گذشتہ رویہ بدل دو بیویوں میں عدل و انصاف شروع کر دو اور آئندہ کے لئے تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو کہ رب تعالیٰ کی عبادت کرو گھر والوں کے حقوق ادا کرو تو رب تمہارے گناہ بخش دے گا۔ کیونکہ وہ غفور رحیم ہے اور اگر معاملہ اس قدر نازک ہو گیا ہو کہ اس بیوی سے نباہ ناممکن ہو جائے اور علیحدگی واقع ہو جائے تو تم اور تمہاری مطلقہ بیوی صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ تم دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا۔ اسے اچھا خاوند دیدے گا تم کو اچھی بیوی بخش دے گا۔ اللہ تعالیٰ بڑی وسعتوں والا بھی ہے کہ اس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں اور بڑی حکمتوں والا بھی ہے کہ اس کے ہر کام میں حکمت ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ خیال رہے کہ نکاح ختم ہونے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ زوجین میں سے ایک کی موت' خاوند کا مرتد ہو جانا' بیوی کا سسر وغیرہ سے بدکاری کر لینا' خاوند کا طلاق دے دینا' کسی شرعی وجہ سے عورت کا نکاح فسخ کرا لینا جیسے خیار بلوغ کی وجہ سے یا خاوند کی نامردی کی وجہ سے فسخ

نکاح' یا نفقہ وغیرہ نہ دینے کی وجہ سے امام مالک کے ہاں فسخ نکاح مگر یہاں تیفرقا میں طلاق یا فسخ نکاح مراد ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ کی روش سے معلوم ہو رہا ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جس کی چند بیویاں ہوں اس پر ان میں شرعی عدل انصاف کرنا اہم فرض ہے اگر اس انصاف میں کوتاہی کرے گا تو سخت سزا کا مستحق ہو گا۔ جیسا کہ **فلا تمیلوا** سے معلوم ہوا۔ احمد' ابو داؤد' ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً" روایت فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے دو بیویاں ہوں اور ایک کی طرف بالکل جھک جائے' دوسری سے بے پرواہ ہو جائے تو قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ مارا ہوا ہو گا (جیسا کہ فالج والے کا حال ہوتا ہے گویا اس سے تکلیف بھی ہو گی اور بدنامی بھی اور رسوائی بھی)۔ حضرت جابر ابن عبید فرماتے ہیں کہ میری دو بیویاں ہیں تو میں ان میں یہاں تک انصاف کرتا ہوں کہ بوس و کنار میں بھی برابری کرتا ہوں کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام کو دیکھا کہ وہ حضرات اپنی بیویوں میں عطر و خوشبو تک میں برابری کرتے تھے کہ ہر ایک کو برابر عطر دیتے۔ حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ جس کی دو بیویاں ہوں وہ ایک کی باری کی شب دوسری کے گھر وضو بھی نہ کرے (روح المعانی)۔ **دوسرا فائدہ:** جس کی دو بیویاں ہوں اس پر واجب ہے کہ دونوں کے درمیان خرچہ برتاؤ' باری یعنی شب باشی میں برابری کرے' ہاں اگر ان میں سے ایک بے اولاد ہے دوسری اولاد والی تو زوجیت کا خرچ دونوں کو برابر دے' دوسری کی اولاد کو خرچہ پرورش علیحدہ دے' یہ فائدہ بھی **فتذروھا** الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** قلبی محبت صحبت میں برابری لازم نہیں کہ صحبت و میلان قلبی غیر اختیاری چیز ہے یونہی مجامعت دل کے نشاط پر موقوف ہے۔ یہ انسان کے بس کی چیز نہیں۔ جب سفر میں جائے اور ایک بیوی کو ہمراہ لے جانا چاہے تو قرعہ ڈالے جس کا نام نکلے اسے لے جائے اس زمانہ سفر کی ہمراہی آئندہ کٹے گی نہیں یعنی واپسی پر باری نئی شروع ہو گی لیکن اگر پردیس میں رہنا چاہے تو وہاں باری باری سے ہر ایک کو رکھے مثلاً چھ ماہ ایک کو ساتھ رکھے' چھ ماہ دوسری کو (تفسیر خازن) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بیویوں میں عدل و انصاف واجب تھا قرآن کریم فرماتا ہے **ترجی من تشاء منھن وتئوی الیک من تشاء**' مگر اس کے باوجود عدل کا حال یہ تھا کہ مرض وفات کے زمانہ میں بھی ہر دن علیحدہ بیوی کے ہاں چارپائی پہنچائی جاتی تھی جب تمام ازواج پاک نے بخوشی عرض کیا کہ حضور جہاں چاہیں زمانہ مرض گزاریں ہم خوش ہیں۔ تب آپ نے حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے ہاں قیام فرمایا جو اتنا انصاف کر سکے وہ چند بیویاں رکھنے کی نیت کرے۔ **چوتھا فائدہ:** خاوند بیوی میں صلح کرانا بڑا ہی باعث ثواب ہے۔ جیسا کہ **و ان تصلحوا** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** کبھی عورت کو طلاق دے دینا دونوں کے لئے کشائش رزق کا سبب بن جاتا ہے جیسے کہ کبھی نکاح کرنا وسعت رزق کا ذریعہ ہے جیسا کہ **یغن اللہ** الخ سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** نہ تو عورت مرد کی بالکل محتاج ہے نہ مرد عورت کا بالکل حاجت مند سب رب تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ ہر شخص کا دوسرے کے بغیر کام چل سکتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **یغن اللہ** الخ سے معلوم ہوا۔

حکایت : امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت امیر معاویہ حاکم شام تھے۔ آپ نے ایک عیسائی اپنا میر منشی رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع فرمایا کہ کلیدی آسامی کافر کو دینا خطرناک ہے۔ جناب معاویہ نے عرض کیا کہ

اس سے بہتر کوئی حساب والا نہیں ملتا مجبوراً[1] اسے رکھا گیا ہے تو حضرت عمر نے فرمایا **ولئن مات النصرانی**۔ اگر یہ عیسائی مر
گیا تو کیا کرو گے۔ **ساتواں فائدہ:** اگرچہ انسان میلان قلبی میں بیویوں میں برابری نہیں کر سکتا یہ قدرتی چیز ہے لیکن اگر اس
کی بھی کوشش کرے تو ان شاء اللہ ثواب ضرور پائے گا۔ یہ فائدہ **ولو حرصتم** سے حاصل ہوا کہ اس کی کوشش کو رب تعالیٰ
نے حرص محمود قرار دیا۔ **آٹھواں فائدہ:** مذکورہ چیزوں میں برابری اپنی بیویوں کے درمیان ضروری ہے۔ لونڈی اور بیوی میں
مساوات لازم نہیں۔ جیسا کہ **بین النساء** سے معلوم ہوا۔ نساء بیوی کو کہا جاتا ہے نہ کہ لونڈی کو۔ افسوس کہ مسلمان آج
اس آیت پر نظر نہیں رکھتے اندھا دھند چند بیویاں کر لیتے ہیں۔ ایک کو آباد دوسری کو خوار رکھتے ہیں۔ دوسری قومیں ہمارے اس
ظلم کو دیکھ کر اسلام پر اعتراض کرتی ہیں کہ شاید اسلام نے ہی اس ظلم کی اجازت دی ہے ہماری حرکتوں نے ہمارے اسلام کا نام ڈبو
دیا۔ ہم اسلام کے دامن پر بدنما داغ ہیں۔ **نواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و احترام بارگاہ رب العالمین میں
اس قدر ہے کہ ہمارے بیان میں نہیں آسکتا۔ دیکھو اس آیت کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے مگر اس میں خطاب
مسلمانوں سے کیا گیا نہ کہ حضور اقدس سے کیونکہ اس میں انصاف نہ کر سکنے کا ذکر ہے۔ جس کے ایک معنی حضور کی شان کے
خلاف ہیں۔ جیسا کہ داؤد علیہ السلام کو ایک مسئلہ پر متوجہ فرمانے کے لئے دو فرشتوں کو شکل انسانی میں بھیجا جنہوں نے خود اپنی
طرف نسبت کر کے مسئلہ پوچھا یہ ہے حضرات انبیاء کا احترام۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورتوں میں پورا عدل و انصاف واجب نہیں، ہاں یہ برا ہے کہ ایک کو بالکل ہی
معلقہ کر دے لہٰذا اگر ایک کو سو روپیہ ماہوار دے۔ دوسری کو پچیس روپے ماہوار اور ایک کے پاس ایک مہینہ رہے، دوسری کے
پاس ایک دن تو بھی جائز ہے۔ دیکھو یہاں قرآن کریم نے خود گواہی دے دی کہ تم پورا انصاف نہ کر سکو گے صرف یہ حکم دیا کہ
دوسری کو معلقہ نہ چھوڑ دو (بعض بے دین)۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں عدل سے مراد دلی محبت اور
صحبت میں برابری ہے۔ یہ برابری واقعی ناممکن ہے۔ برتاوے اور سلوک کی برابری واجب ہے کہ یہ انسان کے قبضہ میں ہے اس
کی تفسیر وہ حدیث پاک ہے جو شان نزول میں عرض کی گئی۔ حضور کا عمل شریف اس آیت کی تفسیر ہے۔ **دوسرا اعتراض:**
اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک بیوی کی طرف کل میل نہ چاہئے۔ بعض میل جائز ہے۔ رب نے فرمایا **فلا تمیلوا کل
المیل**۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں کل میل سے مراد ہے عمل و برتاوے میں برابری نہ کرنا حرام ہے۔
اختیاری برتاوے میں پوری برابری فرض ہے اس میں فرق کرنا حرام۔ لا تمیلو نہی ہے اور نہی حرمت کے لئے آتی ہے۔ **تیسرا
اعتراض:** پیغمبر اسلام نے چند بیویاں کیوں رکھیں۔ نبی کو بیوی سے کیا کام اگر بیوی ضروری تھی تو ایک ہی کافی تھی۔ آج
مسلمان حضور کے اس عمل کو دلیل پکڑ کر دھڑا دھڑ چند بیویاں کر رہے ہیں اور ایسے ظلم کر رہے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ دیکھو
عیسائیوں کے نبی نے شادی ہی نہ کی۔ ہندوؤں کے بہت سے اوتاروں نے نکاح نہ کئے۔ برھماری زندگی گزاری۔ (بعض عیسائی
و ہندو نواز بے دین)۔ **جواب:** تعدد ازواج کی حکمت ہم مثنیٰ و ثلث و ربع کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ تعدد ازواج کثرت
اولاد، زنا سے بچانے اور ضروریات انسانی پوری کرنے کے لئے کبھی اشد ضروری ہوتا ہے۔ جن قوموں میں تعدد ازواج ممنوع
ہے ان میں زنا کی کثرت ہے۔ دیکھو امریکن اور انگریزوں وغیرہم کو۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چند نکاح کرنا عیش کے
لئے نہ تھا کہ عیش و جوانی کا زمانہ حضور نے ایک بوڑھی بیوی حضرت خدیجہ کے ساتھ گزارا کہ پچیس سال کی عمر شریف میں

چالیس سالہ بیوی صاحبہ سے نکاح کیا پھر بڑھاپے یعنی پینتالیس سال کی عمر میں دو سرے نکاح کیے۔ اس تعدد ازواج میں صدہا حکمتیں تھیں۔ عرب قبائل کو ایک کرو بنا ہر قبیلہ سے رشتہ قائم فرمانا کران میں تبلیغ فرمانا وغیرہ۔ اس تعدد نکاح کی برکت سے ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی دنیا میں آکر نکاح بھی کریں گے۔ صاحب اولاد بھی ہوں گے۔ ہندوؤں کے رجن لو تاروں مہاتماؤں نے شادیاں نہ کیں وہ غالباً "نامرو تھے۔ جو مرو تھے انہوں نے بہت شادیاں کیں۔ راجہ حسرت کی دو بیویاں تھیں۔ کھنیا کی ایک ہزار بیویاں تھیں۔ دیکھو حضرت داؤد علیہ السلام کی 99 بیویاں تھیں۔ حضرت سلیمان کی ایک ہزار بیویاں تعدد نکاح ہر دین کے پیشواؤں میں موجود ہے۔ **چوتھا اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ سے محبت زیادہ کیوں تھی؟ صرف اس لئے کہ وہ کنواری تھیں۔ باقی بیو گان اگر یہ ہے تو اس میں عیش پرستی پائی جاتی ہے (آریہ)۔ **جواب:** یہ غلط ہے اگر آپ کو کنواری بیوی پسند تھی تو آپ بہت سی کنواری لڑکیوں سے نکاح کر سکتے تھے۔ نیز آپ کو حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے ایسی محبت تھی کہ ان کی زندگی میں کسی دو سری بیوی سے نکاح نہ کیا حالانکہ وہ بیوہ تھیں۔ یہ محبت قدرتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ ایسی عالمہ فہمیہ ذکیہ 'قرآن و حدیث کی سمجھنے والی بی بی تھیں کہ از آدم علیہ السلام تاقیامت ایسی بی بی نہ ہوئی نہ ہو گی۔ آپ کے تفقہ عقل و علم سے وہ لوگ واقف ہیں جنہیں قرآن و حدیث کے مطالعہ کا شوق ہے۔ یہ خوبیاں ہیں جنہوں نے آپ کو محبوبہ رب العالمین بنادیا۔ آپ ہی کی عصمت کی گواہی قرآن کریم نے دی۔ آپ ہی کے پہلو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وفات پائی۔ آپ کے حجرے شریف میں حضور انور دفن ہوئے۔ خود صدیقہ والد صدیق اکبر رضی اللہ عنہما۔ **پانچواں اعتراض:** احادیث صحیحہ میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ بنت زمعہ کو جو آپ کی بیوی تھیں طلاق دینی چاہی۔ جس پر حضرت سودہؓ نے اپنی باری جناب عائشہ صدیقہ کو بخش دی۔ تب آپ نے انہیں اپنے نکاح میں رکھا۔ بولا یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ایک بیوی کو باری سے محروم کر دیا۔ انہیں معلقہ بنا کر اس آیت کے خلاف کیا۔ معاذ اللہ۔ (آریہ و عیسائی)۔ **جواب:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ازواج پاک کی باریاں مقرر کرنا واجب ہی نہ تھا۔ قرآن کریم نے آپ کو اختیار دیا تھا کہ جس بیوی صاحبہ کو چاہیں اپنے پاس رکھیں، جس کو چاہیں علیحدہ رکھیں۔ **تئودی الیک من تشاء** تو یہاں باری مارنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حضور کے سارے اعمال و افعال تاقیامت لوگوں کے لئے تعلیم ہیں۔ اور قرآن کریم کی تفسیر یہ عمل بھی امت کی تعلیم کے لئے تھا کہ اگر کبھی کوئی خاوند اپنی کسی بیوی سے کسی وجہ سے برداشتہ خاطر ہو جائے تو اسے طلاق دے سکتا ہے اور اگر بیوی طلاق لینا نہ چاہے تو کچھ شرائط پر صلح کر کے اس کے گھر میں رہ سکتی ہے اس واقعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ کو کالمعلقہ نہ بنادیا ان کا نفقہ اور ہر طرح خبر گیری اپنے ذمہ رکھی اور حضور کے پردہ فرمانے کے بعد تمام مسلمانوں نے ان کی خدمت و حرمت و عزت اپنی ماؤں کی طرح کی رضی اللہ عنہا۔ لہٰذا نہ اس آیت کریمہ کے خلاف یہ عمل ہوا اور نہ اس میں کچھ اعتراض ہے ان کے حالات کو اپنے پر قیاس کرنا سخت غلطی ہے۔ ہمارے کام نفسانی ہوتے ہیں ان کے تمام کام ایمانی و روحانی۔

تفسیر صوفیانہ : دنیا و آخرت دو سوکنیں ہیں جن کا تعلق ہر مسلمان سے ہے اور ان کا اجتماع بہت مشکل ہے۔ یہ بہت ہی مشکل ہے کہ کوئی دنیا و آخرت دونوں کو یکساں طور پر سنبھالے تو چاہیے یہ کہ نہ تو دنیا کی طرف اس قدر جھک جائے کہ آخرت چھوڑ بیٹھے اور نہ آخرت کی طرف اس قدر مائل ہو جائے کہ دنیا سے بے تعلق ہو جائے کہ یہ بھی کمزوری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

دونوں جہان ہمارے لئے ہی بنائے ہیں ان میں سے کسی کو معلقہ نہ چھوڑو اس لئے شریعت نے گیارہ مہینے کھانے کے لئے رکھے ایک ماہ رمضان روزے کے لئے اور چوبیس گھنٹے میں کچھ ساعتیں نماز کے لئے رکھیں اور باقی وقت دنیاوی کاروبار کے لئے' تاکہ ان دونوں سوکنوں کے حق ادا ہوتے رہیں اور دونوں سے تعلق قائم رہے۔ بلکہ اگر ہم اصلاح و تقویٰ اختیار کریں کہ دنیا کو دین بنا لیں تو ہماری ساری مشکلات حل ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے رحیم بھی۔ اگر کوئی شخص دنیا کو طلاق دے کے اس سے علیحدہ ہی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے لئے ہزارہا مخلوق پیدا کی ہے جو اسے سنبھالے رہے گی اور اس کے لئے ایسا اعلیٰ انتظام فرما دے گا کہ اسے دنیا کی حاجت نہ رہے گی۔ غرضیکہ نہ تو دنیا ہمارے بغیر فنا ہو جائے گی' نہ ہم دنیا کے بغیر ہلاک ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ بڑی وسعتیں دینے والا ہے اور بڑی حکمتوں والا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ

اور ہے اللہ کا وہ جو آسمانوں میں ہے اور وہ جو زمین میں ہے اور البتہ تحقیق وصیت فرمائی ہم نے ان

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک تاکید فرما دی ہم نے

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۚ وَاِنْ

لوگوں کو جو دیئے گئے کتاب تم سے پہلے اور تم کو یہ کہ ڈرو اللہ سے اور اگر انکار کرو تم

ان سے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور تم کو بھی کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور

تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَكَانَ

تو تحقیق اللہ کا ہی ہے جو آسمانوں میں ہے اور وہ جو زمین میں اور ہے

کفر کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ

اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَكَفٰى

اللہ بے پرواہ تعریف کیا ہوا اور ہے اللہ کا ہی وہ جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں

بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾

اور کافی ہے اللہ کام سپرد کیا ہوا۔

اور اللہ کافی ہے کارساز۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ طلاق ہو جانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ خاوند بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا۔ اب اس کی دلیل ارشاد ہو رہی ہے کہ ہم آسمان و زمین کے مالک ہیں۔ لہذا خاوند کو اچھی بیوی دے سکتے ہیں۔ اور اس بیوی کو اچھا خاوند بخش سکتے ہیں۔ گویا دعویٰ

پہلے تھا دلیل اب ارشاد ہو رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ خاوند بیوی بعد طلاق ایک دوسرے سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہم سے کوئی بے نیاز نہیں ہو سکتا کہ ہم تمام چیزوں کے دائمی مالک ہیں۔ لہٰذا ہمارے دروازے پر ہمیشہ حاضر رہو گویا ٹوٹ جانے والے رشتوں کا ذکر فرما کر اب نہ ٹوٹنے والے تعلق کا ذکر ہو رہا ہے۔ عبد و معبود کا۔ خیال رہے کہ دنیاوی جسمانی رشتوں میں کمزور رشتہ نکاح کا ہے جو اپنے اختیار سے جوڑا جاتا ہے اور اپنے ہی اختیار سے توڑ بھی دیا جاتا ہے اسے کہتے ہیں سببی رشتہ' اور مضبوط رشتے نسبی ہیں۔ ماں باپ' بہن بھائی کے۔ رشتے کہ وہ نہ ہمارے اختیار سے جوڑے جاتے ہیں۔ نہ ہمارے توڑے ٹوٹتے ہیں مگر یہ نسبی رشتے بھی موت سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ روحانی رشتہ وہ ہے جو مرنے سے بھی نہیں ٹوٹتا اسی لئے انسان مر کر نہ کسی کا بیٹا رہتا ہے نہ باپ۔ مگر حضور کا امتی شیخ کا مرید رہتا ہے۔ فرشتے قبر میں یہ نہیں پوچھتے کہ تو کس کا بیٹا ہے۔ ہاں یہ ضرور پوچھتے ہیں کہ کس کا بندہ' کس کا امتی' کس دین پر ہے' رشتہ نبوت' رشتہ الوہیت کا مظہر ہے۔ مر کر بندہ نہ تو رب کی بندگی سے نکلے نہ حضور کے امتی ہونے سے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وسعت سلطنت و حکمت کا ذکر فرمایا تھا اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ تمام آسمان و زمین ہماری ملک ہمارے قبضہ میں ہے۔ ایسی وسیع سلطنت والے احکم الحاکمین کی قدرت و سلطنت و علم بہت وسیع ہونا یقینی ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں ہم کو یتیموں سے سلوک' بیویوں سے اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ احکام تمہارے بھلے کے لئے تم کو دیئے جا رہے ہیں۔ ان احکام کی وجہ یہ نہیں کہ ہم براہ راست یتیموں' بیوگان کو نہیں پال سکتے۔ ہم تو زمین و آسمان کے خالق و مالک ہیں۔ سب کو پال چکے ہیں۔ پال رہے ہیں اور پالتے رہیں گے۔ فرشتے' روحیں وغیرہ نہ کسی کی بیوی ہیں نہ کسی کی اولاد' نہ کوئی ان کی پرورش کرتا ہے۔ انہیں براہ راست ہم ہی پال رہے ہیں۔ تم عالم اجسام میں آ کر دوسروں کے رشتہ دار بنے ہو۔ **پانچواں تعلق:** اللہ تعالیٰ نے پچھلی آیات میں ہم کو معاملات درست کرنے کا حکم دیا تھا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ احکام صرف تمہارے لئے ہی نہیں۔ بلکہ گزشتہ کتابوں میں دوسری قوموں کو بھی دیئے گئے تھے کہ درستی معاملات' تقویٰ کا رکن ہے اور تقویٰ کا حکم ہمیشہ سے رہا ہے۔

تفسیر: **وللہ ما فی السموت وما فی الارض** یہ آیت گزشتہ مضمون کی گویا علت ہے کہ وہاں فرمایا گیا تھا کہ زوجین کی تفریق و طلاق کی صورت میں اللہ تعالیٰ زوجین میں سے ہر ایک کو دوسرے سے مستغنی کر دے گا اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ تمام زمین و آسمان کی چیزیں اس کی مملوک و مقبوض ہیں۔ ایسے شہنشاہ مطلق کو غنی کرتے کیا دیر لگتی ہے۔ للہ کا لام یا ملکیت کا ہے یا قبضہ کا یعنی اللہ کی مملوک' مقبوض' مخلوق' مرزوق' مقدور' مقسور ہیں یا اللہ ہی کی عابد ہیں۔ پہلی دو چیزیں یعنی مملوک و مقبوض ہونا بندے کی طرف بھی مجازاً منسوب ہو سکتی ہیں مگر باقی چیزیں کسی بندے کی طرف کسی طرح منسوب نہیں ہو سکتیں۔ ہمارا جانور ہمارا مملوک و مقبوض تو ہے مگر ہمارا مخلوق یا مرزوق یا مقدور یا مقسور نہیں۔ نہ ہمارا عابد ہے لہٰذا للہ کے سات آٹھ معنی ہو سکتے ہیں ما سے مراد تمام مخلوق ہے۔ عقل والی ہو یا بے عقل چونکہ بے عقل مخلوق کے اقسام زیادہ ہیں اور عقل والی مخلوق کے اقسام تھوڑے نیز عاقل مخلوق بھی بذات خود غیر عاقل ہے۔ جب رب نے عقل دی تو اسے عقل ملی۔ دیکھ لو کہ انسان کا بچہ جانوروں سے بھی زیادہ بے سمجھ پیدا ہوتا ہے کہ جانور کے بچے پیدا ہوتے ہی اپنی ماں اور رغذا کو پہچان لیتے ہیں یہ

کچھ بھی نہیں جانتا پھر عاقل ہو کر آسمان و زمین کی پیمائش کر لیتا ہے پھر بوڑھا ہو کر بالکل ناسمجھ بن جاتا ہے۔ **لکیلا یعلم بعد علم شیئا** "۔ اس وجہ سے لفظ ما میں سب کو بیان فرمادیا گیا۔ السموات کے جمع فرمانے اور الارض کے واحد فرمانے کی وجوہ بارہا بیان ہو چکی ہیں۔ یہاں اس سے مراد سارے عالم اجسام کی چیزیں ہیں۔ یعنی خود آسمان و زمین اور ان کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی مملوک و مقبوض ہیں۔ کوئی کسی وقت اس کی ملکیت و قبضہ سے باہر نہیں ہو سکتی۔ **ولقد وصینا الذین اوتوا الکتب من قبلکم و ایاکم** چونکہ متکلم کی عظمت و ہیبت سے کلام کی عظمت ہوتی ہے۔ ایک بات معمولی آدمی کے تو بات بھی معمولی ہوتی ہے۔ وہی بات بڑا آدمی کہے تو بڑی ہو جاتی ہے اس لئے اولاً "رب تعالیٰ نے اپنی عام سلطنت کا ذکر پہلے فرمایا۔ اب تقویٰ و طہارت کا حکم دیا۔ یہ جملہ نہایت تاکیدوں پر مشتمل ہے۔ لام تاکید کا قد تاکید کا وصینا کا کلمہ تاکید کا۔ وصینا بنا ہے 'وصیت سے جب اس کا فاعل رب تعالیٰ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں تاکیدی حکم۔ **الذین** سے مراد تمام گزشتہ دین والے لوگ ہیں۔ یہود و نصاریٰ ہوں یا دوسرے انبیاء کرام کی امتیں اسی طرح کتاب سے مراد ہر آسمانی کتاب ہے۔ توریت و انجیل ہو یا اور کتب و صحیفے **من قبلکم** کا تعلق یا وصینا سے ہے یا اوتوا الکتاب سے و ایاکم میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے یعنی تم سے گزشتہ لوگوں کو جنہیں کتاب تم سے پہلے دی گئی اور تم کو تاکیدی حکم دیا یا ہم نے پہلی کتاب والوں کو تم سے پہلے تاکیدی حکم دیا تھا۔ اب تم کو بھی تاکیدی حکم دیا۔ **ان اتقوا اللہ** یہ وصینا کا دوسرا مفعول ہے ان مصدریہ ہے تقویٰ سے مراد ہے ڈرنا یعنی ہم نے ان کو اور تم کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا اللہ سے ڈر تمام نیک اعمال کی جڑ ہے اس میں سب کچھ آگیا **و ان تکفروا فان للہ ما فی السموت وما فی الارض**۔ یہ دوسری تاکید بات ہے کفر سے یا ایمان کے مقابل بد عقیدگیاں مراد ہیں۔ یا شکر کے مقابل ناشکری مراد اس میں خطاب سارے انسانوں سے ہے اور ممکن ہے کہ تمام جن و انس سے ہو۔ نیز معصوم اور محفوظ انسان اس خطاب سے علیحدہ ہیں کیونکہ ان سے کفر ممکن نہیں جیسے حضرات انبیاء و خاص اولیاء اللہ اس ان کی جزاء پوشیدہ ہے یعنی **لا تضروا اللہ شیئا** " اور **فان اللہ** کی ف تعلیلیہ ہے۔ یہ جملہ جزاء پوشیدہ کی علت ہے۔ **ما فی السموت والارض** کی تفسیر ابھی عرض ہو چکی یہاں اس ملکیت کا ذکر اپنے غنا کے اظہار کے لئے ہے۔ یعنی اے سارے جن و انس اگر تم سب کے سب کافر یا ناشکرے ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ وہ تو تمام عالم اجسام کا مالک و قابض ہے نہ کسی کے شکر سے اس کا نفع ہے نہ کسی کے کفر سے اس کا کچھ نقصان وہ غنی ہے۔ **و کان اللہ غنیا " حمیدا** " یہ نیا جملہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی دو خصوصی صفات کا ذکر ہے کان دوام و استمرار کے لئے ہے غنی غنا سے بنا بمعنی بے نیازی و بے پرواہی حمید بمعنی محمود ہے اور ہو سکتا ہے کہ بمعنی حامد ہو یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بے نیاز ہے اور ساری مخلوق کا سراہا ہوا تعریف کیا ہوا کہ محمود وہ ایک ہے حامد ساری خلقت یا وہ کریم اپنے خاص بندوں کی تعریف کرنے والا ہے کہ کسی بندے کی محبت رائیگاں نہیں فرماتا۔ مخلصین کی یہاں بھی تعریف فرماتا ہے قیامت میں بھی فرمائے گا اور ان کے گناہ بخشے گا۔ دنیا میں بڑے لوگ زیادہ محتاج ہوتے ہیں۔ ان کی بدگوئیاں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ یہ رب تعالیٰ ہی کی شان ہے کہ تمام جہان کا پورا مالک بھی ہے۔ پھر سب سے بے نیاز اور سب اس کی تعریف ہی کریں۔ **و للہ ما فی السموت وما فی الارض**۔ یہ جملہ یہاں یا تو اپنی غنا اور محمودیت یا حامدیت کے بیان کے لئے ارشاد ہوا یا اگلے مضمون **و کفی باللہ** الخ کے بیان کے لئے اس کی تفسیر ابھی عرض ہو چکی۔ خیال رہے کہ آسمان فیض دینے والا ہے اور زمین فیض لینے والی کہ ہمیشہ زمین بارش 'دھوپ چاندنی تاروں کا نور آسمان سے ہی لیتی ہے نیز موسموں کی

تبدیلیاں۔ عمروں کا ختم ہونا۔ دن رات آسمانی فیض سے آتے ہیں اس لئے آسمانی چیزوں کا ذکر پہلے ہوا۔ زمینی چیزوں کا ذکر بعد میں کہ دینے والا افضل ہوتا ہے۔ یعنی چونکہ اللہ تعالٰی تمام آسمانی ' زمینی چیزوں کا مالک و قابض ہے۔ لہذا وہ سب سے بے نیاز اور سب کا سراپا تعریف کیا ہوا ہے۔ یا چونکہ وہ مالک عالم اجسام ہے لہذا **و کفی باللہ وکیلا** " - کفی کفایت سے بنا معنی کافی ہونا اس کے ہوتے کسی کی ضرورت نہ رہنا باللہ کفی کا فاعل ہے۔ ب زائدہ ہے وکیلا " کفی باللہ کی تمیز۔ وکیل بنا ہے وکل سے معنی سپرد کرنا وکیل وہ جس کو اپنی چیز اپنا اختیار ' اپنا معاملہ سپرد کر دیا جائے یا جس پر بھروسہ کیا جائے اسی سے ہے توکل یعنی اللہ تعالٰی اپنی ساری مخلوق کے لئے کافی کارساز ہے۔ بھروسہ کے لائق ہے اس کے ہوتے کسی کی ضرورت نہیں لہذا اے انسانو یا اے مسلمانو اس پر توکل کرو۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانو! ہم قادر ہیں کہ زوجین کو بعد طلاق ایک دوسرے سے بے نیاز کر دیں کیونکہ تمام آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں اللہ تعالٰی ہی کی ملک اس کی مقبوض ہیں ہم نے تم سے پہلے امتوں کو بھی تاکیدی حکم دیا تھا اور تم کو دیتے ہیں کہ ہر حال میں اللہ سے ڈرو کہ یہ مومن کی بیش بہا دولت ہے۔ یہ حکم دینا اس لئے نہیں کہ ہم کو تمہارے تقویٰ کی ضرورت ہے بلکہ خود تمہارے ہی نفع کے لئے ہے ورنہ اگر تم سب کے سب کافر یا ناشکرے ہو جاؤ تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کیونکہ سب کچھ آسمانی زمینی چیزیں ہماری مملوک و مقبوض ہیں ہم سب سے بے نیاز بھی ہیں سب کے محمود بھی۔ اگر تمام جہان تقویٰ اختیار کرے تو ہمارا کچھ نفع نہیں اگر تمام نافرمان ہو جائے تو ہمارا کچھ نقصان نہیں۔ خیال رکھو کہ تمام آسمانوں اور زمین کی چیزیں ہماری ہی ہیں تو اپنے بندوں کے ہم ہی کارساز ہیں۔ ہم پر سب کو بھروسہ کرنا چاہئے۔ اس میں سب کا بھلا ہے۔ خیال رہے کہ کفر کے معنی ہیں چھپانا اس لئے ایک دوا کا نام ہے کافور کہ وہ اپنی تیز خوشبو سے تمام خوشبوؤں کو چھپا لیتی ہے۔ جس غلاف میں درخت کے پھل رہتے ہیں اسے کہتے ہیں کفرا۔ شریعت میں انکار یا ناشکری کو کفر کہتے ہیں کیونکہ ان دونوں حرکتوں سے انسان رب کی نعمتوں کو چھپاتا ہے۔ کفر یعنی بے ایمانی بہت قسم کی ہے۔ رب کا انکار اس کی صفات کا انکار نبی کا انکار وغیرہ یہ سب کفر ہیں۔ یونہی ناشکری بہت سی قسم کی ہے۔ رب کی نعمتوں کو اپنے کمال کی وجہ سے سمجھنا ناشکری ہے اس کی نعمتوں پر اس کی حمد نہ کرنا بھی ناشکری ہے۔ ان نعمتوں کا حق ادا نہ کرنا ناشکری ہے۔ رب کی نعمتوں کا چرچا نہ کرنا ناشکری ہے اللہ کے بندوں کا شکریہ ادا نہ کرنا جس کے ذریعہ سے نعمت ملی یہ بھی رب کی ناشکری حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو محسن اعظم ہیں۔ ان سے محبت نہ کرنا رب کی ناشکری ہے۔ غرضیکہ **ان تکفروا** میں بڑی گنجائش ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: تمام چیزوں کا حقیقی مالک و قابض اللہ تعالٰی ہی ہے کوئی شخص ایک ذرہ کا بھی مالک حقیقی نہیں۔ جیسا کہ للہ کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا۔ جو بندہ کسی چیز کا مالک ہے وہ رب کریم کی عطا سے اس کے کرم سے عارضی مالک ہے۔ دوسرا فائدہ: تقویٰ یعنی اللہ تعالٰی کا خوف رب کی بڑی نعمت ہے جسے یہ مل جائے وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ اس تقویٰ کا حکم ہر دین و ملت میں رہا ہے جیسا کہ **ولقد وصینا الخ** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالٰی بندوں کی عبادت و تقویٰ سے بے نیاز ہے۔ یہ غنا ہی مدار الوہیت ہے۔ بندہ جو محتاج ہو معبود وہ جو بے نیاز ہو جیسا کہ **کان اللہ غنیا** سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: تمام تعریفیں در حقیقت رب تعالٰی ہی کی تعریفیں ہیں اگر براہ راست

اس کی ذات وصفات کی تعریفیں کرو تب تو ظاہر ہے اور اگر اس کے کسی بندے یا کسی اور مخلوق کی تعریف کرو تو بالواسطہ وہ بھی رب ہی کی تعریف ہے کہ جو کچھ ہوا اچھا ہوا اس کے بنانے سے ہوا۔ جیسا کہ حمید اکی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کسی بندے کے اخلاص و نیک اعمال کی ناقدری نہیں فرماتا۔ اس کی بارگاہ میں بندوں کے معمولی اعمال کی بڑی قدر و منزلت ہے کہ ایسے بندوں کی دنیا میں بھی تعریف فرماتا ہے آخرت میں بھی جیسا کہ حمیداً کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ دیکھو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رب نے ایسی تعریف فرمائی کہ حضور کا نام ہی ہوا محمد یعنی اپنے رب کے تعریف کردہ تمام جہان ان کی تعریف کر رہا ہے یہ ہے حمد الٰہی کا ظہور۔

پہلا اعتراض: ان آیات کریمہ میں **للہ ما فی السموت وما فی الارض** کیوں ارشاد ہوا۔ ایک عبارت کی تکرار ادبی لحاظ سے بہتر نہیں۔ **جواب**: کسی عبارت یا کسی مضمون کی تکرار مذموم جب ہوتی ہے جبکہ وہ بے فائدہ ہو یہاں اس تکرار میں بہت فائدے ہیں۔ چنانچہ پہلی آیت میں یہ آیت اغناء یعنی زوجین کو ایک دوسرے سے غنی کر دینے کے لئے ارشاد ہوئی۔ دوسری آیت میں یہ عبارت خود رب تعالیٰ کی بے نیازی و غنا ثابت کرنے کے لئے ارشاد ہوئی کہ اگر تمام دنیا کافر ہو جائے تو اس کا نقصان نہیں کیونکہ تمام چیزوں کا مالک ہے۔ دوسری آیت میں بندوں کو توکل کی تعلیم کے لئے ارشاد ہوا کہ بندے صرف رب تعالیٰ پر توکل کریں کیونکہ وہ تمام چیزوں کا مالک ہے۔ لہٰذا ہر جگہ اس آیت کا علیحدہ مستقل فائدہ ہے۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ تمام چیزوں کا مالک قابض صرف رب تعالیٰ ہے مگر تم لوگ نبیوں ولیوں کو مالک مانتے ہو۔ یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے اور صریحی شرک ہے۔ **جواب**: یہاں حقیقی ملکیت ذاتی دائمی قبضہ کا حصر ہے واقعی 'حقیقی' دائمی' ذاتی ملک صرف اللہ کی ہے بندوں کی ملکیت عارضی عطائی حادث ہے۔ رب کے مالک کر دینے سے بندے بھی مالک ہیں۔ ہم لوگ اپنے مکان' دکان زمین کے مالک ہیں کہ اسے بیچ سکتے ہیں۔ اس کا کرایہ کھا سکتے ہیں۔ اپنے مال کی زکوٰۃ ہم پر واجب ہے اگر ہم بالکل مالک نہ ہوتے تو یہ احکام ہم پر کیوں جاری ہوتے۔ پھر ان تمام چیزوں کا رب بھی مالک ہے۔ وہ مالک حقیقی ہے۔ ہم اس کے مالک کر دینے سے مجازی مالک۔ ہم **سمیع بصیر** ہیں عارضی حادث سمع بصر سے رب تعالیٰ سمیع بصیر ہے واجب قدیمی ذاتی سمع بصر ہے **تیسرا اعتراض**: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی کارساز ہے۔ اسی پر بھروسہ چاہئے مگر تم لوگ نبیوں' ولیوں' پیروں' مشائخ کو بھی کارساز حاجت روا وغیرہ سمجھتے ہو یہ اس آیت کے خلاف ہے اور شرک صریح' و کفی باللہ وکیلا شیخ سعدی فرماتے ہیں۔۔

ندارم غیر از تو فریاد رس   توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ **جواب الزامی** تو یہ ہے کہ آپ حضرات بھی حاکم' حکیم' امیروں کو فریاد رس سمجھتے ہو۔ اسی لئے ظلم بیماری چندہ کی فریادیں لے کر ان کے ہاں جاتے ہو یہ بھی اس آیت کے خلاف اور شرک ہونا چاہئے۔ اطباء کے ہاں ایک شربت کا نام ہے۔ شربت فریاد رس جب جڑی بوٹیوں کا شربت فریاد رس ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے فریاد رس ہو سکتے ہیں۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ حقیقی فریاد رس مشکل کشا رب تعالیٰ ہی ہے۔ عارضی عطائی طور پر اس نے اپنے بندوں کو بھی فریاد رس بنایا ہے اور ہم کو مصیبت کے وقت ان کے دروازوں پر جانے کا حکم دیا ہے۔ فرماتا ہے **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوک** کل قیامت میں پہلا کام تلاش شفیع ہوگی یہ ہے بندوں کا فریاد رس

ہونا۔ شیخ سعدی گلستان میں فرماتے ہیں۔ ے

ہر کہ فریاد رسی روز مصیبت خواہد گو در ایام سلامت بجواں مردی کوش

جو کوئی رب تعالیٰ کی ان عطاؤں کا منکر ہے وہ رب تعالیٰ کو کسی چیز کا پورا مالک نہیں مانتا۔ پورا مالک وہ ہوتا ہے جو مالک کر بھی سکے اگر مالک نہیں کر سکتا تو وہ صرف قابض ہے مالک نہیں جیسے مکان کا کرایہ دار جب رب تعالیٰ ہر چیز کا پورا مالک ہے۔ تو وہ اپنے بندوں کو مالک کر بھی سکتا ہے مگر غلام کو مالک کر دینے سے مولیٰ کے ملک سے وہ چیز نکل نہیں جاتی مولیٰ حقیقی مالک رہتا ہے۔ غلام عارضی مالک یونہی یہاں ہے فرماتا ہے قل اللهم ملک الملک تئوتی الملک من تشاء یہاں الملک معرفہ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ جس ملک کا اللہ مالک اس کا مالک کر بھی سکتا ہے۔ رب تو اجسام ارواح عالم امر سب کا مالک ہے تو ان سب کا مالک کر بھی سکتا ہے۔ جو چاہے کہ مصیبت کے دن اس کا کوئی فریاد رس ہو تو اس سے کہہ دو کہ سلامتی کے زمانہ میں بہادری میں کوشش کرے۔ دنیا عالم اسباب میں اس کا نظام ہی اس طرح قائم ہے کہ بعض بندوں کے کام بعض کے ذریعہ سے بنیں اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ اول ملاحظہ کرو۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف بے عقل و بے جان چیزیں ہی اللہ تعالیٰ کی ہوں عقل والی چیزیں کسی اور کی ہوں کیونکہ یہاں ما فرمایا گیا ہے اور ما آتا ہے بے عقل چیزوں کے لئے۔ **جواب:** اس کے تین جواب ہیں۔ دو عالمانہ ایک جواب عاشقانہ۔ ایک یہ کہ ساری مخلوق الٰہی میں صرف تین چیزیں عقل والی ہیں۔ انسان' فرشتے جن باقی تمام مخلوق بے عقل ہے چونکہ بے عقل مخلوق بہت زیادہ تھی اس لئے ما ارشاد ہوا دوسرے یہ کہ لله ما فی السموت الخ کے معنی یہ ہیں کہ تمام بے عقل چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کی عابد اسی کی فرمانبردار ہیں اگر عقل والے انسان و جن شرک و کفر یا نافرمانی کریں تو ان بے جان و بے عقل سے بدتر ہیں۔ تیسرے یہ کہ انسان و جن بھی بذات خود بے عقل ہیں۔ رب نے عقل دی تو عارضی عقل آگئی دیکھو انسان پیدا ہوتو بے سمجھ پھر بڈھا ہو کر بے عقل نیز دوران زندگی میں بہت دفعہ بے عقل ہو جاتا ہے۔ لہذا وہ بھی بذات خود بے عقل ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ اگر تم سب کفر کرو تو تمام آسمان و زمین کی چیزیں اللہ کی ہیں۔ تو کیا اگر سب کفر نہ کریں تو یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی نہیں یہ شرط و جزاء کیسی۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ فان الله الخ ان تکفروا کی جزاء نہیں بلکہ اس کی جزاء پوشیدہ ہے۔ فان لله ما فی السموت اس پوشیدہ جزاء کی علت ہے۔ اور یہ ف تعلیلیہ ہے۔ آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر تم سب کفر کرو تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں کیونکہ تمام مخلوق اس کی ملک ہے۔ لہذا آیت صاف ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ غنی اور حمید ہے یہ نہ معلوم ہوا کہ کب سے ہے اگر ہمیشہ سے ہے تو دنیا کے بننے سے پہلے اس کی حمد کون کرتا تھا اور اگر دنیا بننے کے بعد حمید ہوا۔ جب لوگوں نے اس کی حمد کی تو اللہ تعالیٰ کی یہ صفتیں ازلی قدیم نہ رہیں۔ **جواب:** یہاں کان دوام و ہمیشگی کے لئے ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اور ساری صفات ازلی و قدیم ہیں۔ ہاں اس کے افعال حادث و نوپید ہیں۔ عالم بننے سے پہلے وہ رزاق' سمیع' بصیر' حمید و غنی تھا اور عالم فنا ہونے کے بعد بھی رہے گا۔ ہاں کسی کو روزی دینا وغیرہ مخلوق کے پیدائش کے بعد سے شروع ہوئے۔ ہم سوتے میں کسی کو دیکھتے سنتے نہیں مگر سمیع و بصیر ہوتے ہیں۔ اگر سورج سے کوئی نور نہ لے تب بھی منور ہے۔ غرضیکہ یہ فرق ہمارے فیض لینے میں ہے۔ رب تعالیٰ کی صفات میں فرق نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : آسمانی چیزیں یعنی جنت اور وہاں کی نعمتیں نیکوں کے ثواب و درجات بھی اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ اور زمینی چیزیں یعنی دنیا اور یہاں کی زمینیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ہیں جو بندوں کے لئے پیدا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ ان سے بے نیاز ہے یہ سماوات و ارض کی نعمتیں اے بندو تمہارے لئے پیدا فرمائیں اور تم کو اپنے لئے پیدا کیا۔ **خلق لکم ما فی الارض جمیعا** "۔ زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے ہیں اور **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون**۔ جن و انس کی پیدائش عبادت کے لئے اس لئے ارشاد ہوا **ان اتقوا اللہ** پھر یہ بھی خیال رہے کہ درحقیقت تقویٰ و پرہیزگاری بھی ہمارے لئے ہی ہے' اس کا فائدہ ہم ہی کو پہنچتا ہے وہ تو غنی ہے عالم کی ہر چیز سے ہمارے اعمال سے خود ہم سے۔ وہ حمید ہے۔ اپنا محمود ہے' اپنے نبیوں ولیوں کا محمود و معبود ہے۔ ساری مخلوق اس کی حامد و عابد ہے۔ بندے کی کامل حمد یہ ہے کہ بندہ اپنے عقائد' اپنے اعمال' اپنے اقوال' اپنے احوال' اپنے اخلاق' اپنی ہر ادا سے رب تعالیٰ کی حمد کرے۔ ایسی حمد کرنے والی صرف وہ ذات کریم ہے۔ جس کا نام پاک احمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ رب تعالیٰ اعلیٰ حمید و محمود اور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ حامد و احمد پھر دوسرا رخ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا حمید و حامد ہے مگر اس کی اعلیٰ حمد یہ ہے کہ بندے کی ہر ادا کی حمد کرے اس کے دل کی دماغ کی آنکھ ناک کان تمام اعضاء کی اس کی زندگی موت کی۔ اس کے شہر کی درو دیوار کی رب نے یہ اعلیٰ حمد اس ذات کریم کی فرمائی جن کا نام محمد مصطفیٰ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) چنانچہ قرآن کریم میں رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل' دماغ' سینہ' آنکھ' ناک' کان' ہاتھ' پاؤں' عمر شریف' سوتا جاگنا۔ غرض کہ ہر ادا کی تعریف فرمائی ہے۔

سوگند ہے چہرے کی شمس و ضحیٰ واللیل ہیں تیری زلف دوتا
سینہ کی صفت ہے الم نشرح تیرے دل کی فضا کا کیا کہنا!
والعصر ہے تیرے زماں کی قسم ولعمرک ہے تیری جاں کی قسم
والبلد ہے تیرے مکان کی قسم تیرے رہنے کی جا کا کیا کہنا

ہم نے اپنی کتاب "فہرست القرآن" میں وہ آیات جمع کی ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری باطنی اعضاء شریف' آپ کے حالات طیبہ طاہرہ' آپ کے مکان' شہر کی تعریفیں فرمائی ہیں یا قسم کھائی ہے۔ ان آیات کا وہاں مطالعہ کرو غرضیکہ صوفیاء کے نزدیک حمید کے دو معنی ہیں۔ حمد کرنے والا تو کس کی حمد کرنے والا اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی لہٰذا حضور محمد ہیں' رب تعالیٰ حامد' پھر حضور کے صدقے سے ان کے صحابہ کرام' ان کے خدام اولیاء' عظام علماء کرام کی بھی تعریفیں فرمائیں یہ بھی حضور ہی کی حمد ہے کہ یہ لوگ جو کچھ بنے حضور سے بنے یا حمید کے معنی ہیں حمد کیا ہوا تو کس کا حمد کیا ہوا۔ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا لہٰذا حضور احمد ہیں۔ رب تعالیٰ محمود پھر حضور کے سکھائے سمجھائے بتائے سے دوسرے بندے بھی حمد کر لیتے ہیں۔ یہ حمدیں بھی حضور ہی کی ہیں کہ ان کے سکھائے بتائے ہو رہی ہیں۔ اب پڑھو **وکان اللہ غنیا" حمیدا**"۔

حمد بے حد مرخدائے پاک را آنکہ ایماں داد مشت خاک را!
حمد بے حد مر محمد پاک را آنکہ ایماں داد مشت خاک را!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ تمام زمین و آسمان کی چیزیں اللہ تعالیٰ کی مملوک' مقبوض ہیں کہ وہ ان کا خالق مالک قابض ہے۔ پھر عطاء

پروردگار یہی چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محکوم ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے سلطان ہیں۔ اسی لئے رب تعالیٰ رب العالمین ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین۔

خالق کل نے آپ کو مالک کل بنا دیا دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

اس کی نفیس ولذیذ تحقیق ہماری کتاب "سلطنت مصطفیٰ" میں دیکھو۔

جبرائیل رکے تو براق تھکے رف رف بھی آگے جا نہ سکے
رب لون منی حبیبی کے تیرے قرب خدا کا کیا کہنا!

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ
اگر چاہے وہ تو لے جائے تم کو اے لوگو اور لائے دوسروں کو ہے اللہ
اے لوگو وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور اوروں کو لے آئے اور اللہ
عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ
اس پر قادر جو ہو ارادہ کرتا دنیا کے ثواب تو اللہ کے پاس
کو اس کی قدرت ہے جو دنیا کا انعام چاہے تو اللہ ہی کے پاس دنیا
ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾
ہے ثواب دنیا اور آخرت کا اور ہے اللہ سننے والا دیکھنے والا
و آخرت دونوں کا انعام ہے اور اللہ سنتا دیکھتا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں بندوں کو تقویٰ و پرہیزگاری کا حکم دیا گیا تھا اب تقویٰ اختیار نہ کرنے کے وبال کا ذکر ہے کہ اگر تم متقی نہ بنے تو زمین تم سے خالی کرالی جائے گی۔ دوسری متقی قوم یہاں آباد کر دی جائے گی۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ کی بے نیازی و غناء کا ذکر تھا۔ اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ ہم ایسے بے پرواہ ہیں کہ چاہیں تو تمہاری جگہ دوسری قومیں آباد کر کے اپنے دین کا کام لے لیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی محمودیت یعنی حمید ہونے کا ذکر تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہمارا محمود ہونا تمہارے حمد کرنے پر موقوف نہیں۔ اگر تم حمد نہ کرو گے تو دوسری قومیں پیدا کر دی جائیں گی جو ہماری حمد کیا کریں گی۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی چیزوں کا مالک ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے بندو تم ایسے مالک و خالق سے صرف دنیا نہ مانگو بلکہ اس سے کونین کی نعمتیں مانگا کرو وہاں سے سب کچھ ملتا ہے۔

شان نزول: مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کے تو قائل تھے مگر قیامت حساب کتاب جنت دوزخ سزا جزاء کے قائل نہ تھے۔ پھر بھی وہ لوگ نیک اعمال صدقہ خیرات مسافروں کی خدمت وغیرہ کرتے تھے۔ کیوں صرف دنیا کی دولت وغیرہ کے لئے کہ اللہ

تعالیٰ ان اعمال کی برکت سے ہم کو دولت 'عزت' شہرت وغیرہ دے۔ یہ اعمال دنیا کے لئے تھے ان کے متعلق یہ دوسری آیت۔ **من کان یرید الخ** نازل ہوئی۔ بعض منافقین مدینہ بھی حشر و نشر سزا و جزاء کے قائل نہ تھے پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد میں شرکت کرتے تھے صرف غنیمت حاصل کرنے کے لئے ان کے متعلق یہ آیت دوم **من کان یرید الخ** نازل ہوئی (تفسیر خازن) بہرحال اس آیت دوم کا تعلق مشرکین و کفار سے ہے۔

تفسیر : **ان یشاء یذھبکم ایھا الناس** یہ نیا جملہ ہے۔ جس میں رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اثبات ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں لے جانے سے مراد ہے' آسمانی عذاب بھیج کر' کفار کو ہلاک کر دینا جیسے صورتیں مسخ کر کے' یا زمین میں دھنسا کر' یا پتھر' یا آگ برسا کر ہلاک کر دینا۔ اور الناس سے مراد ہیں کفار و مشرکین اور آخرین سے مراد ہیں مومنین یعنی اے کافرو اگر رب چاہے تو تم کو گزشتہ معذب قوموں کی طرح عذاب سے ہلاک کر دے اور تمہاری بستیوں میں مسلمانوں کو آباد کر دے۔ مگر یہ تفسیر ضعیف ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ رب نے حضور سے وعدہ فرمالیا ہے کہ **ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم**۔ پھر یہ حضور کے آچکنے کے بعد اب آسمانی عذاب کیسا دوسرے یہ کہ گزشتہ امتوں میں۔ جن پر عذاب آیا ان کی بستیاں اجڑی رہیں۔ پھر وہاں آبادی نہ ہوئی جیسے قوم ثمود و عاد وغیرہ اسی لئے فرعون پر عذاب مصر میں نہ آیا۔ باہر نکال کر غرق کیا گیا تاکہ مصر آباد رہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہاں **ایھا الناس** سے مراد مشرکین و منافقین ہیں اور **یذھبکم** میں انہی سے خطاب ہے۔ (تفسیر خازن) یعنی اے لوگو مشرکو یا منافقو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم کو موت دے کر دنیا سے لے جائے یا تمہاری حکومت ختم کر کے تم کو بے بس کر دے۔ دوسروں کی رعایا بنا دے یا تم کو اپنا وطن چھوڑ دینے پر مجبور کر دے۔ ایسے حالات پیدا فرما دے کہ تم ترک وطن پر مجبور ہو جاؤ یا تم کو اپنی اپنی موت دے کر ہلاک کر دے اور تمہاری بستیاں تمہاری اولاد سے آباد کر دے۔ جیسے تم دوسروں کے مرے بعد ان پر قابض ہوئے۔ چونکہ فرشتوں کو موت نہیں اور جنات و دیگر جانوروں کو موت تو ہے مگر ان کی باقاعدہ بستیاں نہیں جن میں ان کی اولاد بطور میراث آباد ہوتی ہو۔ اس لئے صرف انسانوں سے خطاب فرمایا کہ بستیاں' محلے' مکانات انہیں کے ہوتے ہیں جو ان کے بعد بطور میراث دوسروں میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں الناس سے مراد تمام مومن و کفار انسان ہیں غرضیکہ اذہاب یعنی لے جانے میں چند احتمال ہیں۔ **و یات باخرین** یہ جملہ **یذھبکم** پر معطوف ہے اور **ان یشاء**' کی جزاء' یات کا مصدر ہے اتیان بمعنی آنا' ب کی وجہ سے اس کے معنی ہو گئے لانا لانے سے مراد ہے' دوسری قوم کا پیدا فرمادینا ان لوگوں کی جگہ۔ یا ان کا ملک دوسروں کے حوالہ کر دینا کہ وہ لوگ ان کے ملک کے بادشاہ بنیں۔ یہ ان کے محکوم رعایا یا دوسرے لوگوں کو ان کے گھروں' بستیوں' محلوں میں آباد کر دینا کہ یہ لوگ ترک وطن کر کے اور جگہ جانے پر مجبور ہو جائیں اور دوسرے لوگ ان کے گھروں کو آباد کریں۔ غرضیکہ جتنے احتمالات لے جانے میں تھے اتنے ہی احتمالات یہاں لانے میں ہیں۔ آخرین سے مراد دوسرے انسان ہیں نہ کہ انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوق۔ جن یا فرشتے وغیرہ۔ کیونکہ انہیں از روئے محاورہ آخرین نہیں کہا جاتا مطلقاً آخر اسے کہا جاتا ہے۔ جو نوعاً "ایک ہو وصفاً" کچھ اور جیسے **فعدۃ من ایام اخر**۔ دیکھو دوسرے دن ماہ رمضان کی طرح دن ہی ہیں مگر وصفاً" اور ہیں کہ وہ دن رمضان کے تھے۔ یہ دوسرے ماہ کے یا فرماتا ہے۔ **و منوۃ الثالثۃ الاخری** (روح المعانی) اس جگہ روح المعانی نے آخر پر بہت بحث کی ہے۔ بہرحال آخرین سے مراد دوسرے انسان ہیں۔ مومنین مخلصین۔ **و کان اللہ علی ذلک قدیرا** " کان دوام و استمرار کے لئے ہے۔ ذلک

سے اشارہ مذکورہ لے جانے سے لے آنے کی طرف ہے۔ قدیر قدرت کا صفت مشبہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس تبدیلی مخلوق پر قادر ہے جسے چاہے اپنا ملک دے، جس سے چاہے اپنا ملک خالی کرائے۔ تئوتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء اس کی قدرت کے دن رات نظارے ہو رہے ہیں۔ من کان یرید ثواب الدنیا۔ اگرچہ مشرکین و منافقین کے متعلق نازل ہوئی مگر اس سے ہم سب کو عبرت لینی چاہئے کہ نزول کے خصوص کا اعتبار نہیں ہوتا عبارت کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے یہاں من میں صرف انسان داخل ہیں۔ جنات اور فرشتے اس سے علیحدہ ہیں کہ فرشتے کسی دنیاوی و اخروی ثواب کے مستحق نہیں اور جنات کو اگرچہ دنیاوی ثواب تو ملے گا مگر اخروی ثواب سے محروم ہیں۔ لہذا من سے مراد یا تو وہی مشرکین و منافقین ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی یا عام انسان۔ ثواب دنیا سے مراد ہے اپنے نیک اعمال کا دنیاوی بدلہ جیسے جہاد غنیمت کے لئے ہو یا صدقات و خیرات نام نمود شہرت کے لئے ہوں یا نماز و حج عزت کے لئے ہو۔ فعند اللہ ثواب الدنیا والآخرة۔ یہ جملہ شرط مذکورہ کی جزاء نہیں اس کی جزاء تو پوشیدہ ہے۔ فقد خسر و خاب یہ جملہ اس جزاء کی علت ہے اور اس کی ف تعلیلیہ ہے۔ ثواب دنیا سے مراد وہ دنیاوی نعمتیں ہیں جو ابھی ذکر ہوئیں۔ غنیمت دولت عزت وغیرہ اور اخروی ثواب سے مراد جنت وہاں کی نعمتیں حق تعالیٰ کی رضا وغیرہ ہے جو بعد قیامت ملیں گی اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد تقویٰ طہارت ایمان پر خاتمہ وغیرہ ہوں جو دنیا پر مل جاتی ہیں مگر ان کا تعلق آخرت سے ہوتا ہے۔ یعنی ایسا کم ہمت آدمی بہت نقصان میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا کے انعامات بھی ہیں اور آخرت کے انعامات بھی پھر وہ دونوں انعام اس سے کیوں نہیں مانگتا صرف ایک پر ہی کفایت کیوں کر لیتا ہے۔ و کان اللہ سمیعا" بصیرا"۔ اس سے مقصود ہے ریاکاروں، بے ہمتوں دنیا سے رغبت رکھنے والوں پر عتاب کا اظہار یہاں بھی کان دوام و استمرار کے لئے ہے۔ یعنی ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ سمیع بھی ہے بصیر بھی وہ دل کے ارادوں خفیہ نیتوں پر خبردار ہے۔ لہذا اے بندو اپنی نیت خالص اور اوپر نیک کرو۔ یہاں تفسیر روح المعانی نے ایک تفسیر یہ بھی نقل کی کہ سمع و بصر سے مراد نیات و خطرات پر اطلاع و خبر رکھنا ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سمیع بھی ہے بصیر بھی۔ حالانکہ دیکھنے و سننے کی چیزیں ہمیشہ سے نہیں۔ رب تعالیٰ آئندہ ہونے والی آرزوؤں و چیزوں کو ہمیشہ سے سنتا دیکھتا ہے۔ اس کا سننا دیکھنا مسموع و مبصر کے موجود ہونے پر موقوف نہیں۔

خلاصہء تفسیر: اے لوگو! اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم کو یہاں سے لے جائے اور دوسری قوموں کو لے آئے اس طرح کہ تم کو موت دے کر تمہاری جگہ دوسری قوم کو آباد کر دے جیسے فرعونیوں کو ہلاک فرما کر ان کی جگہ بنی اسرائیل کو آباد فرما دیا اس طرح کہ تمہاری حکومت ختم فرما کر تمہارا ملک دوسروں کو دیدے اور تم کو ان کی رعایا بنا دے۔ فارس و روم وغیرہ میں کفار کی حکومت مٹا کر مسلمانوں کو ان کا بادشاہ بنا دیا ان کو کفار کو رعایا یا اس طرح کہ تم کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے اور تمہارے گھر دوسروں سے آباد کرا دیئے جائیں جیسا کہ بنی قریظہ و بنی نضیر سے مدینہ کے ساتھ ہوا۔ کہ بنی قریظہ قتل کئے گئے۔ اور بنی نضیر جلا وطن۔ اس طرح کہ تم کو موت دے کر تمہارے گھروں و سامان کا بطور میراث تمہاری اولاد وغیرہ کو مالک بنا دے۔ جیسا کہ تم کو اگلوں کا وارث بنایا لہذا کوئی شخص اس دنیا کو اپنا اصلی گھر نہ سمجھے اصلی گھر تو آگے آرہا ہے غرضیکہ وہ ہر طرح قادر ہے جو چاہے کرے۔ خیال رکھو کہ جو کوئی اپنے نیک اعمال کا عوض دنیا میں ہی چاہے کہ جہاد کرے غنیمت کے لئے۔ صدقہ و خیرات کرے،

شہرت وعزت وغیرہ کے لئے تو وہ سخت نقصان وخسارہ میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس دنیا کی نعمتیں بھی ہیں اور آخرت کی نعمتیں بھی تو وہ کم ہمت صرف دنیا کی نعمتیں ہی کیوں چاہتا ہے۔ دونوں کی نیت وارادہ کیوں نہیں کرتا۔ خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ سمیع بھی ہے بصیر بھی وہ تمہارے ہر ظاہر و باطن کو دیکھتا ہے تمہاری ہر اونچی نیچی آواز سنتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جب آیت کریمہ **ان تتولوا یستبدل قوما غیرکم** نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کی پشت پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ وہ دوسری قوم جو ان کی جگہ آسکتی ہے وہ یہ سلمان اور ان کی قوم ہے۔ حدیث۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے فکر آخرت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی طرف سے مطمئن فرمادے گا اس کے دل میں غنا ہوگی۔ دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آئے گی۔ اور جو دنیا کی ہی فکر میں رہے گا آخرت کو بھول جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کے اسباب زندگی پراگندہ فرما دے گا۔ اور فقیری اس کی آنکھوں کے سامنے کردے گا۔ دنیا ملے گی اتنی جتنی مقدر میں ہے (تفسیر روح المعانی بروایت احمد عن زید ابن ثابت) لہٰذا انسان کو چاہئے کہ دنیا کو اپنی زندگانی کا مقصود نہ بنائے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کوئی شخص دنیا کے ملک ودولت، عزت، صحت، شہرت کو اپنی ملکیت نہ سمجھے یہ آتی جاتی ہے۔ کبھی کسی کے پاس کبھی کسی کے پاس جیسا کہ **ان یشاء یذھبکم** الخ سے معلوم ہوا۔ جو چیز اپنی ہے وہ اپنے اعمال وایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نصیب کرے۔ **دوسرا فائدہ:** رب تعالیٰ کی نافرمانی زوال ملک ودولت کا سبب ہے اگر ملک کو زوال سے بچانا ہے تو اس کی اطاعت کرو یہ فائدہ بھی ان یشاء الخ سے ہی حاصل ہوا کہ یہاں خطاب نافرمانوں سے ہے اور قوم آخرین سے مراد صالحین ونیک لوگ ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ اور اس کے رسول ان کا دین ہمارے محتاج نہیں بلکہ ہم ان کے محتاج ہیں۔ دین کی خدمت اگر ہم نہ کریں تو کوئی اور قوم اس کے لئے پیدا کردی جائے گی۔ سرداران قریش نے خدمت دین سے انکار کیا تو مدینہ منورہ کے مساکین، غرباء سے خدمت دین لے لی گئی یہ فائدہ **و یات باخرین** سے حاصل ہوا۔ ہمیشہ اپنے کو اللہ رسول اور دین کا محتاج سمجھو۔ **چوتھا فائدہ:** مسلمان کو چاہئے کہ نہ تو دنیا کو اپنا اصلی مقصود بنائے کہ آخرت کو بھول جائے نہ دنیا بالکل چھوڑ دے۔ بلکہ ایک ہاتھ میں دنیا رکھے، ایک ہاتھ میں دین۔ یہ فائدہ ثواب الدنیا والاخرۃ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ سے صرف دنیا مانگنا، منافقوں، کافروں کا طریقہ ہے۔ مسلمان رب سے دین بھی مانگے، دنیا بھی۔ یہ فائدہ بھی ثواب الدنیا والاخرۃ سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ نے ہم کو دعا کی خود تعلیم دی کہ فرمایا یہ کہا کرو **ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔** **چھٹا فائدہ:** اگر عبادات سے ثواب آخرت کی نیت کی جائے اور دنیاوی فوائد کی بھی تو جائز ہے اس سے ثواب آخرت کم نہیں ہوتا۔ دیکھو نماز خسوف گرہن دفع کرنے کی، نماز استسقاء بارش حاصل کرنے کے لئے، نماز حاجت کوئی خاص حاجت پوری کرنے کو پڑھی جاتی ہیں۔ مگر ان کا ثواب بھی ان شاء اللہ پورا پورا ملے گا وہ کریم ثواب کاٹتا نہیں بڑھا دینے والا ہے۔ **ساتواں فائدہ:** عمل سے ارادۂ عمل بہتر ہے کہ عمل بغیر ارادہ ثواب کا ذریعہ نہیں مگر ارادہ خیر بہرحال ثواب کا باعث ہے اگرچہ عمل کا موقعہ نہ ملے۔ نیز عمل تو کبھی کبھی ہوتا ہے۔ حج عمر میں ایک بار روزے، زکوٰۃ سال میں ایک بار، نماز دن میں پانچ بار مگر ارادہ خیر ہر وقت ہوتا ہے اور ہر وقت ثواب کا پھل دیتا ہے۔ نیز ارادہ خیر سوتے جاگتے بلکہ مرے بعد بھی فائدہ دیتا ہے۔ نیز اچھے ارادہ کا اثر ارادہ والے پر پڑتا ہے خود عمل پر بھی بلکہ دوسری

چیزوں پر بھی اچھے ارادہ والے کی مسجد بھی قبول اس میں نمازیں بھی اعلیٰ مسجد کعبہ مسجد مدینہ میں ثواب کی زیادتی کا باعث یہ بھی ہے کہ ان کے بنانے والے خلیل و حبیب کے ارادے و اخلاص بہت اعلیٰ تھے۔ عمل کا مغز ارادہ ہے اسی لئے اس آیت میں ارادہ خیر کی تاکید فرمائی۔ آٹھواں فائدہ: رب تعالیٰ کے پاس سب کچھ ہے مانگنے والے میں ہمت چاہئے وہاں سے عطا سائل کی ہمت کی بقدر ہوتی ہے۔ یہ دونوں فائدے یعنی چھٹا اور ساتواں اسی **ثواب الدنیا والاخرۃ** سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: مسلمان کو چاہئے کہ دنیاوی کاموں میں بھی ثواب آخرت کی نیت کرے' کھانا' پینا روزگار کرنا' سونا جاگنا بلکہ جینا مرنا صرف جسمانی حاجت کے لئے نہ کرے بلکہ یہ سمجھ کر کرے کہ یہ سنت رسول اللہ ہیں (صلی اللہ علیہ و سلم) تو ان شاء اللہ ان سب پر ثواب ملے گا۔

روایت : ایک نابینا بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر بولا حضور دعا فرما دیں مجھے اللہ تعالیٰ آنکھیں دے۔ فرمایا اگر تو چاہے تو صبر کر تیرے لئے جنت کی دعا کر دوں۔ یعنی چاہے تو آنکھیں لے لے' چاہے جنت۔ وہ بولا حضور میں تو دونوں چیزیں لوں گا۔ آنکھیں بھی جنت بھی۔ فرمایا اچھا وضو کر دو رکعت نماز پڑھ لو اور یہ دعا کر۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ دعا پڑھ کر منہ پھیرا تو آنکھیں روشن ہو گئیں۔ وہ دعا ابن ماجہ وغیرہ میں نماز حاجت میں مذکور ہے۔ سبحان اللہ یہ ہے مانگنے والے کی ہمت۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر چاہے تو یہ لے اگر چاہے وہ لے۔ یہ تو وہ کہے جس کے پاس کچھ کمی ہو میں تو آنکھیں اور جنت دونوں ہی لوں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو مانگنے کی توفیق دے مانگنا بھی وہ سکھاتا ہے تو ہم مانگتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔۔

ماز حرص و آز خود را سوختیم ایں دعا را ہم زتو آموختیم!
حرمت آنکہ دعا آموختی اندریں ظلمت چراغ افروختی
دستگیرم در چنیں بے چارگی شاگردانم دریں غم خوارگی!

اللہ تعالیٰ ان نابینا صحابی کے صدقے مجھے بھی آنکھوں کی روشنی میں' زیادتی جسم میں شفاء' ایمان پر خاتمہ' نیک اعمال کی توفیق بخشے۔ ہم سب مسلمانوں کو اپنے محبوب کا صدقہ عطا فرمائے۔ دولہا کی بکھیریں لوٹنے والوں کا حصہ ہوتا ہے۔ حضور دولہا ہیں تمام دین و دنیا کی نعمتیں ان کے سر کا صدقہ ان کی نچھاور ان کی بکھیر ہے۔ ہم سب غلام ان کے در کے بھکاری ہیں انشاء اللہ دونوں جہان کی نعمتوں میں ہم سب کا حصہ ہے۔ ہماری لوٹ سے وہاں کمی نہیں آتی۔ دریا سے چڑیا پانی پی لے تو دریا میں کمی نہیں آتی۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ گناہ گاروں کو ان کی بستیوں' سلطنتوں' گھروں سے نکالا جائے گا اور ان کی جگہ نیک قوم کو آباد کیا جائے گا۔ مگر اب تو برعکس ہو رہا ہے ہر جگہ سے مسلمان نکل رہے ہیں۔ ان کی جگہ کفار بسائے جا رہے ہیں۔ پھر یہ آیت کریمہ درست کیسے ہوئی؟ **جواب**: اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان نیک نہ رہے جو گناہ ہم کرتے ہیں دوسری قومیں نہیں کرتیں' کوئی قوم اپنے دین و ملت قوم و ملک کی دشمن و غدار نہیں مسلمان ہی وہ قوم ہے جو اپنے دین کی دشمن اپنے نبی کی دشمن اپنے ملک و قوم کی غدار ہے۔ ایسی قوم سزا کی مستحق ہے۔ ان گناہوں کے باوجود ہمارا زندہ رہنا' روزی ملنا اس محبوب صلی اللہ علیہ و سلم کا صدقہ ہے یا اولیاء اللہ کی طفیل ورنہ ہم جیسی قوم دنیا سے ختم ہو جانا چاہئے کوڑا نکال دیا جاتا ہے۔ ہندو بت پرستی چوٹی دھوتی کا مذاق نہیں اڑاتے مسلمان ہیں جو نماز قرآن' ڈاڑھی کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ایسی بے غیرت قوم سو اہمارے

کوئی نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اگر ہم گنہگار ہیں تو کفار و مشرکین کون سے نیک کار صالحین ہیں وہ بھی تو کفر و بت پرستی کرتے ہیں۔ پھر انہیں کیوں عروج دیا جاتا ہے اور ہم پر انہیں کیوں مسلط کیا جاتا ہے۔ **جواب:** ہم کو سزا دینے کے لئے ان کا تسلط ہماری سزا کے لئے ہے نہ کہ انہیں ثواب دینے کے لئے۔

چو خواہد کہ ویراں کند عالمے　　　نہد ملک در پنجہء ظالمے

تیسرا اعتراض: مشہور تو یہ ہے کہ اعمال کی جزاء آخرت میں ملے گی دنیا ثواب و جزاء کی جگہ نہیں دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا بھی ثواب کی جگہ ہے۔ فرمایا گیا **ثواب الدنیا والاخرۃ** ۔لوگوں کا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہ عقیدہ بالکل درست ہے اصل جزاء اور حقیقی ثواب تو آخرت ہی میں ملے گا۔ دنیا میں نیک اعمال کی وجہ سے کچھ کرم فرمائی خسروانہ انعام شاہانہ عطیہ ہے۔ جس سے آخرت کا ثواب کم نہیں ہوتا۔ جیسے تنخواہ نوکروں کو مہینہ پر دی جاتی ہے مگر روٹی کپڑا بھتہ انعام عطیئے درمیان میں دیئے جاتے رہتے ہیں۔ اور ان سے تنخواہ کم نہیں ہوتی جب دینے والا کریم ہو تو دینے کے ہزار بہانہ ہوتے ہیں۔ الحمد للہ رب تعالیٰ کریم اس کے محبوب رؤف رحیم پھر عطاؤں کی کیا کمی ہے۔ ہم لینے والے بنیں۔۔

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم　　　صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم!

تفسیر صوفیانہ: دنیا دار الفرار ہے (بھاگ جانے کی جگہ) اور آخرت دار القرار (رہنے کی جگہ) دنیا منزل ہے۔ جو دوران سفر میں قدرے آرام کے لئے بنائی گئی ہے اور آخرت اصل مقصود ٹھکانہ دنیا دوسرے کا گھر ہے۔ آخرت اپنا گھر اگر دنیا میں خیریت سے ٹھہرنا ہے تو مالک کو راضی رکھو ورنہ جیسے دوسروں کو نکال کر ان کے گھروں میں تم کو آباد کر دیا گیا ایسے ہی تم کو نکال کر دوسروں کو وہاں آباد کیا جائے گا۔ خیال رکھو کہ اللہ کے مقبول بندے مر کر بھی دنیا سے نہیں جاتے کہ ان کا نیک نام نیک کام ابد الآباد تک رہتا ہے۔ مردود بن جیتے جی بھی مر جاتے ہیں کہ وہ اگرچہ دنیا میں ہوتے ہیں مگر ان کا نام نہیں ہوتا۔۔

قارون ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت　　　نوشیرواں نہ مرد کہ نام نکو گذاشت!

مجھ فقیر کے نزدیک یہاں نوشیرواں سے مراد حضرت صدیق و فاروق جیسے عادل و صالح حضرات ہیں۔ اس آیت میں اسی کا ذکر ہے کہ ہو سکتا ہے کہ تم نہ رہو تمہاری جگہ دوسرے رہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عطا کے لئے اخذ ضروری ہے۔ یعنی اپنے لئے لینا لازم' دینے والے کے لئے لینے والا ہونا ضروری۔ اس کے بغیر عطاء نہیں پائی جاتی۔ فعل متعدی بغیر فاعل و مفعول موجود نہیں ہو سکتا۔ پھر عطاء دینے والے کی ہمت کے ساتھ لینے والے کی ہمت پر بھی موقوف ہے۔ بجلی کا پاور یکساں آتا ہے۔ مگر بلب اپنی طاقت کے مطابق پاور لیتا اور روشنی دیتا ہے ہم کو یہاں ہدایت دی گئی ہے کہ مسلمانوں رب سے خوب مانگو دنیا و آخرت سب کچھ مانگو وہ بہت دینے والا ہے۔ تم سیپ بنو تا کہ دنیا کی نعمتیں تمہارے ہاتھ میں پہنچ کر موتی بنیں کہ دوسرے اس سے فائدے اٹھائیں تم شفاف آئینہ بنو تا کہ سورج کے نور سے جگمگا جاؤ اللہ تعالیٰ دینے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم برسنے والے بادل ہیں۔ مومنین لینے والی زمینیں ہر ایک بقدر طاقت حضور سے لیتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو جاؤ قائم رہنے والے انصاف پر گواہ اللہ کے لئے اگرچہ

اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کے لئے گواہی دیتے چاہے تمہارا اس

اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا

اپنی ذاتوں پر یا ماں باپ پر یا قرابت داروں پر ہو اگر ہو مالدار یا غریب پس اللہ

میں اپنا نقصان ہو یا ماں باپ کا یا رشتہ داروں کا جس پر گواہی دو وہ غنی ہو یا فقیر ہو

فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا

زیادہ والی ہے ان کا تو نہ پیچھے چلو خواہش کے کہ ہٹ جاؤ اور اگر مروڑ دو تم یا منہ پھیرو

ہر حال تو اللہ کو اس کا سب سے زیادہ اختیار ہے تو خواہش کے پیچھے نہ جاؤ

اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

تو اللہ ہے اس کا جو تم کرتے ہو خبر والا

کہ حق سے الگ پڑو اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ پھیرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں حکم دیا گیا تھا کہ اللہ سے دنیا کا ثواب بھی مانگو اور آخرت کا ثواب بھی۔ اب اس آیت میں ان دونوں ثوابوں کے لینے حاصل کرنے کا طریقہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اپنی گواہیاں، فیصلے بلکہ تمام کام اللہ کے لئے کرو۔ دنیا والوں کی رضا یا نفس کی خواہش کے لئے نہ کرو۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے۔ تمہارے کلام سنتا، تمہارے کام دیکھتا ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ چونکہ رب تعالیٰ تمہارے کام و کلام سے خبردار ہے لہٰذا تم ہر جگہ ہر وقت ہر حیثیت میں اللہ سے ڈر کر کلام و کام کرو۔ گواہی حکومت اور فیصلے اللہ سے ڈر کر کرو۔ تیسرا تعلق: اس سے کچھ پہلے ارشاد ہوا تھا کہ یتیموں، بیوگان بلکہ اپنی بیویوں میں عدل و انصاف قائم رکھو۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ عام لوگوں میں بھی انصاف قائم کرو کہ گواہی دو تو سچی فیصلہ کرو تو سچا غرضیکہ خاص عدل کے بعد عام عدل کا ذکر ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو تم کو ہٹا کر دوسری قوم کو لا آباد کرے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ تم اپنی گواہیوں فیصلوں میں حق سے کام لو ورنہ تم ہٹا دیئے جاؤ گے۔ دوسرے لوگ یہاں قائم کر دیئے جائیں گے گویا تبدیلی قوم کی اسباب سے روکا جا رہا ہے۔

شانِ نزول : ابن جریر نے امام سدی سے روایت کی کہ ایک بار حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ عالی میں ایک امیر اور غریب کا مقدمہ پیش ہوا۔ عام حضرات کو غریب پر رحم آیا اور وہ سمجھے کہ غریب سچا ہو گا، مظلوم ہو گا، امیر جھوٹا اور ظالم ہو گا۔ کیونکہ غریب آدمی کسی پر خصوصاً امیر آدمی پر ظلم کر سکتا ہی نہیں۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ فیصلے اور

گواہی میں امیر و غریب کا فرق نہیں ہونا چاہئے۔ حق پر گواہی و فیصلہ ہونا ضروری ہے (تفسیر روح المعانی و تفسیر خازن)۔

تفسیر : **یا یھا الذین امنوا** قرآن کریم میں عموماً" الناس سے خطاب کفار سے ہوتا ہے اور **الذین امنوا** میں خطاب مسلمانوں سے اور **یا یھا النبی یا یھا الرسول** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے **الذین امنوا** کے خطاب میں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ عمومی خطاب اپنے محبوب سے نہیں کرتا بلکہ ہم کو بھی اس سے منع کرتا ہے۔ فرماتا ہے۔ **لا تجعلو دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا**۔ پھر اس الذین امنوا میں بھی تو فرشتے جنات انسان سب داخل ہوتے ہیں۔ جیسے اے ایمان والو! اللہ رسول سے آگے نہ بڑھو یا اے ایمان والو اپنی آوازیں حضور کی آواز سے اونچی نہ کرو یا نبی کے گھر میں بے اجازت نہ جاؤ اور کہیں اس خطاب میں جن اور انسان ہی داخل ہوتے ہیں فرشتے نہیں۔ جیسے اے مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے اور کبھی اس خطاب میں صرف انسان داخل ہوتے ہیں۔ جنات و فرشتے علیحدہ یہاں تیسری قسم کا خطاب ہے جس میں صرف انسان داخل ہیں۔ فرشتے اور جنات کو اس سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ فرشتے و جنات نہ حاکم و سلطان ہوتے ہیں نہ ہمارے عدالتی گواہ اور چونکہ اس آیت کا حکم نفس پر گراں بھی ہے اور سخت مشکل بھی جیسا کہ ان لوگوں کو تجربہ ہے جنہیں گواہی دینے یا فیصلہ کرنے کا اتفاق پڑے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو شروع فرمانے سے پہلے مسلمانوں کو پیارے خطاب سے پکارا پھر انہیں حکم سنایا تاکہ اس خطاب کی لذت سے ان کو یہ سخت اور شاق حکم آسان ہو جائے۔ حق یہ ہے کہ اس میں حاکموں' گواہوں' عالموں' درویشوں' بادشاہوں سب سے خطاب ہے۔ کیونکہ اس حکم کا تعلق سب سے ہی ہے۔ اگرچہ عدل و انصاف کفار کو بھی کرنا چاہئے۔ مگر مسلمانوں کو زیادہ مضبوطی سے کرنا چاہئے تاکہ مسلمانوں کا عدل و انصاف دوسری قوموں کے لئے نمونہ بنے۔ اس لئے مسلمانوں سے خطاب فرمایا گیا۔ **کونوا قومین بالقسط شھداء للہ** کونوا بنا ہے کون سے اس کے معنی ہیں ہونا یا رہنا۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ بلکہ دوسرے معنی زیادہ مناسب ہیں۔ کیونکہ ایک آدھ بار انصاف کر دینا کمال نہیں بلکہ ہمیشہ انصاف کرنا' انصاف پر قائم رہنا کمال ہے۔ قوامین مبالغہ ہے قیام کا معنی ہے۔ قائم رہنا' قائم رکھنا' یہاں قائم رہنے کے معنی میں ہے بالقسط کی ب' بمعنی علی ہے اور ہو سکتا ہے کہ ب تعدیہ کی ہو اور قوامین کے معنی ہوں قائم کرنے والے قیام سے مراد ہے رعایت و نگہداشت کرنا یا ارادہ و عزم کرنا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ خیال رہے کہ قرآن مجید نے عبادات میں تو نماز کے لئے قائم رکھنے کا حکم دیا اور معاملات میں انصاف قائم کرنے کا باقی عبادات و معاملات کا حکم تو دیا مگر قائم کرنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ نماز و عدل ہر شخص پر ہمیشہ لازم ہیں۔ نماز روزانہ پانچ دفعہ' ہفتہ میں جمعہ ایک بار' سال میں عید دو بار' روزے' زکوۃ' حج' جہاد کا یہ حال نہیں۔ اسی طرح عدل و انصاف ہر شخص پر ہر وقت لازم ہے۔ اپنے نفس سے انصاف' بیوی' اولاد' ماں باپ' قرابتداروں محلہ والوں ملک والوں سے انصاف ہر وقت واجب ہے۔ انصاف بہت قسم کے ہیں۔ کوئی انصاف بادشاہ پر واجب ہے' کوئی حاکم پر' کوئی گھر والے پر' کوئی ہر شخص پر۔ نیز نماز کے قائم کر لینے سے باقی عبادات درست ہو جاتی ہیں۔ برائیوں سے روک ہو جاتی ہے' عدل و انصاف سے گھر' محلہ' ملک قائم رہتے ہیں۔ ان وجوہ سے نماز و عدل کے قائم فرمانے کا حکم دیا۔ قسط کے لغوی معنی ہیں حصہ اب عدل و انصاف کو قسط کہتے ہیں کہ اس میں ہر ایک کو اس کا حصہ دیا جاتا ہے مگر لطف یہ ہے کہ مقسط بمعنی منصف و عادل آتا ہے اور قاسط بمعنی ظالم ہے۔ انصاف

کے تین نام ہیں۔ انصاف بمعنی نصف (آدھا) کرنا عدل یعنی برابری کرنا۔ قسط یعنی حصہ پورا دینا قسط کا مقابل رحم تو محمود ہے اور ظلم مذموم مگر رحم محمود جب ہے جبکہ اپنے ذاتی معاملہ میں ہو۔ قومی ملکی معاملہ میں رحم درحقیقت قوم و ملک کو تباہ کرتا ہے۔ حضور نے تمام کفار مکہ کو معافی دیدی کیونکہ وہ ذاتی مجرم تھے۔ مگر چور کو معافی نہ دی کیونکہ وہ قومی و ملکی مجرم تھا۔ یعنی اللہ کے لئے گواہ ہو نفس یا قومیت یا دھڑے کے لئے گواہ نہ ہو۔ اللہ گواہ وہ ہوتا ہے جو گواہی محض رضاء الٰہی کے لئے دے۔ اپنے نفس یا کسی کی خوشنودی کے لئے نہ دے۔ ظاہر ہے کہ ایسا مخلص شخص ہمیشہ سچی گواہی دے گا۔ جھوٹی گواہی دے سکے گا نہیں یعنی اے مسلمانو ہمیشہ عدل و انصاف پر خوب قائم رہو یا عدل و انصاف قائم رکھو قائم کرو گواہی دو تو اللہ کے لئے دو نہ کہ کسی کی رو رعایت یا مروت کے لئے۔ گواہی تین قسم کی ہے۔ حقوق شرعیہ کی گواہی جیسے رمضان و عید وغیرہ یا نسب یا رضاعت وغیرہ کی گواہی۔ حقوق العباد کی گواہی جیسے قرض میراث وغیرہ کی گواہی۔ حدود اسلامیہ کی گواہی جیسے زنا' شراب وغیرہ کی گواہی۔ پہلی دو گواہیاں دینا فرض ہیں جبکہ اس کی گواہی نہ دینے سے وہ حق مارے جائیں۔ آخری یعنی حدود سزاؤں کی گواہی دینا فرض نہیں۔ چاہے تو اس کی عیب پوشی کرے' چاہے تو اسے سزا دلوا دے' یہاں پہلی دو گواہیاں مراد ہیں۔ اور امر وجوب کا ہے۔ **ولو علی انفسکم**۔ واؤ وصلیہ ہے ولو کے معنی ہیں اگرچہ اس کے بعد کانت پوشیدہ ہے علی جب شہادت کے بعد آتا ہے تو نقصان و ضرر کے لئے ہوتا ہے۔ یعنی خلاف گواہی۔ انفس سے مراد ہے گواہ کی جان اس کی ذات یعنی اگرچہ وہ گواہی تمہارے خلاف ہی ہو اپنے خلاف گواہی سے مراد ہے' مدعی کے حق کا اقرار کرلینا۔ کیونکہ گواہی کے معنی ہیں کسی کے حق کی خبر دینا خواہ اپنے پر حق ہو یا دوسرے پر یا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ گواہی تمہارے لئے مضر نقصان دہ ہی ہو کہ گواہی سے مدعی علیہ تمہارا دشمن ہو کر تمہیں نقصان پہنچانے کے درپے ہو جائے مگر تم اس کی پرواہ نہ کرو اللہ پر توکل کرکے گواہی دیدو۔ یا اس گواہی سے حاکم پولیس تمہارے خلاف ہو جائے مگر تم سچی گواہی دو۔ **اولوالدین والاقربین** یہ عبارت انفسکم پر معطوف ہے یعنی اگرچہ تمہاری گواہی تمہارے ماں باپ' قرابت داروں کے خلاف ہی ہو مگر تم اس کی پرواہ نہیں کرو۔ سچی گواہی دے گزرو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ واؤ بمعنی او ہے مگر اس کی ضرورت نہیں واؤ اپنے ہی معنی میں ہو تب بھی درست ہے کہ کبھی گواہی ماں باپ کے بھی خلاف ہوتی ہے اور عزیزوں کے بھی۔ **ان یکن غنیا" او فقیرا" فاللہ اولی بھما**۔ یہ نیا جملہ ہے یکن کا اسم مدعی علیہ ہے۔ جس کے خلاف گواہی دینا ہے ان کی جزاء پوشیدہ ہے۔ **لا تمتنعوا عن الشہادۃ اور فاللہ اولی بھما** اس جزاء کی علت ہے اس میں ف تعلیلیہ ہے۔ اولی بمعنی زیادہ حقدار ہے۔ بھما بمعنی عنھما ہے اور ہو سکتا ہے کہ اپنے ہی معنی میں ہو یعنی اگر مدعی علیہ جس کے خلاف تمہاری گواہی ہے غنی ہو تو اس کی رعایت نہ کرو' فقیر ہو تو اس پر رحم نہ کرو' بلکہ بہرحال سچی گواہی دو کیونکہ ان کے مقابل اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اسے راضی کیا جائے یا یہ مطلب یہ ہے کہ بمقابلہ تمہارے اللہ تعالیٰ غنی و فقیر پر زیادہ مہربان ہے۔ جب وہ تم کو ایسے موقعہ پر سچی گواہی دینے کا حکم دے رہا ہے تو کیا تم ان پر خدا تعالیٰ سے زیادہ مہربان ہو کہ ان کی رعایت میں جھوٹی گواہی دیتے ہو۔ **فلا تتبعوا الھوی ان تعدلوا** یہ اس مذکورہ حکم کا نتیجہ ہے۔ ھوی کے معنی ہیں نیچے گرانا **او تھوی بہ الریح** چونکہ نفسانی خواہش انسان کو نیچے گرا دیتی ہے اس لئے اسے ھوی کہتے ہیں یا ھوی کے معنی ہیں اڑائے پھرنا۔ رب فرماتا ہے اور **تھوی بہ الریح** نفس امارہ انسان کو ایسے اڑائے پھرتا ہے' جیسے جنگل میں خشک پتہ کو تیز

ہوائیں۔ ان تعدلوا مفعول لہ ہے لا تتبعوا کا یہ یا تو عدل بمعنی انصاف سے بنا ہے یا عدول بمعنی ہٹ جانے سے بنا۔ لہٰذا اس جملہ کے بہت سے معنی ہو سکتے ہیں۔ خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرو تاکہ تم انصاف کر سکو۔ خواہش کی پیروی نہ کرو تاکہ تم حق سے عدول نہ کرو۔ خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ حق سے ہٹ جاؤ گے یا خواہش کی پیروی نہ کرو عدل و انصاف کرنے کے لئے یا خواہش کی پیروی نہ کرو حق سے ہٹ جانے کی نیت سے۔ و ان تلوا او تعرضوا۔ یہ حق سے ہٹنے 'غلط فیصلہ کر دینے' جھوٹی گواہی دینے کی سزا کا ذکر ہے۔ تلوا بنا ہے لوی سے بمعنی جھوٹ بولنا یا مائل ہونا چونکہ یہاں خطاب حکام سے بھی ہے اور گواہوں سے بھی اس لئے ایسا کلمہ ارشاد ہوا جو دونوں کو شامل ہو۔ یہاں لوی سے مراد ہے پیچ داریات کرنا۔ ہیر پھیر کرنا یعنی گواہی دینا معمہ والی۔ فیصلہ غلط کرنا مگر اس کو حق ثابت کرنا تاویل سے یا جھوٹی گواہی دینا پھر اس جرم کو درست ثابت کرنے کی کوشش کرنا اور تعرضوا سے مراد حق گواہی نہ دینا چھپا لینا یا حق فیصلہ نہ کرنا اس سے علیحدہ ہو جانا اس شرط کی جزاء پوشیدہ ہے تعذبون یعنی اے گواہو یا اے حاکمو اگر تم ہیر پھیر کرکے جھوٹی گواہی دیدو یا اے حاکمو اگر تم کھینچ تان کرکے غلط فیصلہ کر لو اور اسے حق ثابت کرو تو تم کو سخت سزا دی جائے گی کیونکہ فان اللہ کان بما تعملون خبیرا " یہ پہلے جملہ کی علت ہے اس کی تفسیر بارہا بیان ہو چکی۔ یعنی کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سارے اعمال کی خبر ہے وہ گواہوں سے بھی خبردار ہے اور ایسے حاکموں پر بھی مطلع ہے۔ لہٰذا تم دنیا والوں سے ہیر پھیر کر سکتے ہو رب سے نہیں کر سکتے۔

خلاصہ ء تفسیر : تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں جن میں سے ہم صرف ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ اے مسلمانو! حاکمو' گواہو' عالمو' درویشو' بادشاہو ہمیشہ حق انصاف پر خوب قائم رہو۔ اللہ کی رضا کے لئے گواہیاں دو اگرچہ وہ گواہی تمہارے خلاف ہی ہو یا تمہارے ماں باپ یا قرابت داروں کے مخالف ہو مگر تم حق نہ چھوڑو اگر مدعی علیہ جس کے خلاف تم گواہی یا فیصلہ دینا چاہتے ہو' امیر ہو تو اس کی رعایت نہ کرو غریب ہو تو اس پر ترس کھا کر ناحق فیصلہ نہ کرو بلکہ حق کرو کیونکہ تم پر ان فقیر و امیر سے زیادہ اللہ کا حق ہے۔ جب اللہ کہتا ہے کہ سچی گواہی سچا فیصلہ دو تو اس کی اطاعت کرو لہٰذا! تم اپنی گواہیوں' فیصلوں میں نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو تاکہ تم انصاف کر سکو۔ نفسانی خواہش والا انصاف نہیں کرتا اور خیال رکھنا کہ اگر تم نفسانی خواہش کی پیروی یا کسی کی مروت و رعایت یا ترس کھا کر ایچ پیچ سے جھوٹی گواہی 'جھوٹا فیصلہ دو یا ان وجوہ سے گواہی چھپا لو یا فیصلہ نہ کرو تو تم کو سخت سزا دی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کی خبر رکھتا ہے وہ تم سے غافل نہیں۔ لہٰذا تم اس کے عذاب سے نہیں بچ سکتے اس کے عذاب سے بچنے کی صرف ایک صورت ہے کہ انصاف کرو۔ خیال رہے کہ گواہی چھپانے یا غلط گواہی دینے کی عموماً" تین وجہیں ہوتی ہیں۔ (1) مروت و رعایت۔ (2) ہیبت و رعب۔ (3) رحمت و ترس کھانا۔ اس آیت کریمہ میں ان تینوں چیزوں سے روکا گیا۔ مروت و رعایت سے بچانے کے لئے فرمایا ولو علی انفسکم او الوالدین الخ رعب و ہیبت کے متعلق ارشاد ہوا۔ غنیا' ترس کھانے کے متعلق فرمایا گیا او فقیرا یکی حال ہے غلط فیصلوں کا کہ حکام کے غلط و ناجائز فیصلوں کی وجہیں عموماً" یہی ہوتی ہیں۔ رشوت و لالچ غنیا" میں داخل ہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** گواہی میں گواہ کو اختیار نہیں کہ جیسی چاہے ویسی گواہی دے بلکہ اس پر سچی گواہی دینا واجب ہے۔ **دوسرا فائدہ:** حاکم پر فرض ہے کہ مقدمہ کے دوران فریقین میں برابری

کرے کسی کی طرف زیادہ مائل نہ ہو۔ حتی کہ کسی کے ہاں دعوت نہ کھائے 'کسی کا ہدیہ نہ لے 'کسی سے زیادہ ہنس کر بات نہ کرے۔ پہلا فائدہ شہداء للہ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ قوامین بالقسط سے۔ **تیسرا فائدہ:** ہر شخص پر بقدر طاقت عدل و انصاف واجب ہے حتی کہ اپنے گناہوں کا اقرار اپنی نیکیوں میں قصور کا اقرار بھی لازم ہے۔ یہ فائدہ **ولو علی انفسکم** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اگر اولاد اپنے ماں باپ کے خلاف سچی گواہی دے تو عاق یعنی نافرمان نہ ہو گی۔ یہ فائدہ **اوالوالدین** سے حاصل ہوا۔ حق بات خواہ کسی کے خلاف ہو کہی جاسکتی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** ماں باپ قرابت داروں کے حقوق ادا کرنا ضروری ہے اپنے ذاتی معاملات میں ان کی ہر طرح رعایت کرے مگر دینی ملکی قومی قانونی 'معاملات میں کسی کی رعایت نہیں وہاں قانون مقدم ہے۔ **چھٹا فائدہ:** غنی کا رعب فقیر پر رحم انصاف کے لئے آڑ ہیں اس آڑ کو پھاڑ دینا لازم ہے۔ انصاف سب سے مقدم ہے جیسا کہ **فاللہ اولی بھما** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** رحم سے عدل و انصاف افضل ہے۔ دیکھو یہاں رحم سے منع فرمایا گیا 'عدل کا حکم دیا گیا یہ فائدہ بھی **فاللہ اولی بھما** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** مجرم کے وکیل کا عدالت میں کج بحثی کر کے مجرم کو ناحق چھوڑانے کی کوشش کرنا یونہی عالم یا واعظ کا غلط مسئلہ بتانا پھر تاویل سے اسے درست ثابت کرنے کی کوشش کرنا۔ لیڈروں کا ناحق کو حق ثابت کرنے کی کوشش کرنا سخت ظلم ہے 'جرم ہے 'یہ فائدہ **فلا تتبعوا الھوی** سے ثابت ہوا۔

مسئلہ: گواہی چھپانا حرام ہے مگر چند موقعہ پر گواہی نہ دینا جائز ہے۔ جب اس کی گواہی نامنظور ہو جائے جب اس کی گواہی کے بغیر حقدار کو حق مل جاتا ہو۔ جب یقین سے معلوم ہو کہ قاضی میری گواہی نہ مانے گا۔ فقہا فرماتے ہیں حدود کی گواہی دینا نہ دینا دونوں درست ہے۔ بلکہ بعض موقعوں پر حدود کی گواہی نہ دینا افضل ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا۔ **لو سترتہ' لکان خیرا لک** (الاشباہ والنظائر۔ تفسیر روح البیان)۔ **نواں فائدہ:** جب گواہی دینے سے مدعی علیہ یا حاکم کی طرف سے جانی یا مالی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تب گواہی دینا بہت ثواب ہے۔ ایسا گواہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔ یہ فائدہ **ولو علی انفسکم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ مگر فی زمانہ ایسی گواہی دینا ہے بہت مشکل۔ خیال رہے کہ درستی عقائد ہر انسان پر لازم ہے۔ عبادات صرف مسلمانوں پر ملکی و سیاسی معاملات تمام مومن و کفار رعایا پر لازم ہر چور کے ہاتھ کٹیں گے۔ ہر قاتل پر قصاص ہو گا مومن ہو یا کافر قومی معاملات صرف مسلمانوں پر لازم ہیں۔ کفار کو آزادی ہے جیسے سور و شراب کی تجارات وغیرہ مسلمانوں کو حرام کفار آپس میں کر سکتے ہیں۔ **دسواں فائدہ:** جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے گائے بھینس پالنے کے لئے پیدا فرمائیں اور سانپ بچھو مچھر مکھی مار دینے کے لئے ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے ہدی پیدا فرمائی اتباع کے لئے اور ہوئی پیدا فرمائی مار دینے کے لئے کہ فرمایا **لا تتبعوا الھوی۔** ہدی کا مرکز حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے ارشاد ہوا **فاتبعونی** اور ہوئی کا مرکز ہے۔ نفس امارہ جو ہماری پیشانی میں رہتا ہے۔ ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کی نگرانی کرنا کوچہ بندی ہے۔ نفس امارہ کی نگرانی کرنا دریا پر بند باندھنا ہے۔

پہلا اعتراض: عدل و انصاف سچی گواہی ہر انسان پر ضروری ہے مسلمان ہو یا کافر تو پھر اس آیت کریمہ کو **یا ایھا الذین امنوا** سے کیوں شروع فرمایا کیا کفار کو ظلم کرنا جائز ہے۔ **جواب:** بمقابلہ دوسروں کے مسلمانوں پر عدل و انصاف زیادہ ضروری ہے کہ یہ اس محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں جن کی عدالت میں دودھ کا دودھ پانی کا پانی جہاں اپنے

پرائے سب ایک نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ نیز مسلمانوں کا عدل و انصاف دیکھ کر بلکہ سن کر کافر ایمان لے آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف آج تک مشہور ہیں۔ نیز انصاف و گواہی کے معانی بہت وسیع ہیں۔ جن میں عقائد' عبادات' معاملات سب داخل ہیں۔ نماز نہ پڑھنا بے انصافی ہے۔ نماز پڑھنا انصاف' حرام خوری بے انصافی ہے' حلال کھانا انصاف ہے۔ اللہ رسول کی اطاعت نہ کرنا بے انصافی ہے' ان کی اطاعت انصاف یونہی اللہ کی توحید حضور کی رسالت کی گواہی اپنے گناہوں کی رب کے سامنے گواہی دینا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اس لئے گناہوں کو قرآن کریم میں ظلم فرمایا گیا ان الشرک لظلم عظیم یا جیسے انی کنت من الظالمین یا جیسے ربنا ظلمنا انفسنا اور اتنا وسیع انصاف اور ایسی جامع گواہی صرف مسلمانوں پر ہی لازم ہے۔ لہذا مسلمانوں کو خصوصی طور پر اس کا حکم دینا بہت بہتر ہے۔ خیال رہے کہ درستی عقائد ہر انسان پر لازم ہے عبادات صرف مسلمانوں پر ملکی و سیاسی معاملات تمام مومن و کفار رعایا پر لازم ہر چور کے ہاتھ کٹیں گے' ہر قاتل پر قصاص ہو گا' مومن ہو کافر' قومی معاملات صرف مسلمانوں پر لازم ہیں کفار کو آزادی ہے۔ جیسے سور و شراب کی تجارات وغیرہ مسلمانوں کو حرام' کفار آپس میں کر سکتے ہیں۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اپنے نفس کے خلاف بھی سچی گواہی دو' سچی گواہی میں اپنے نفس کا بھی لحاظ نہ کرو۔ اپنے نفس کے خلاف تو گواہی ہو سکتی ہی نہیں۔ وہ تو اقرار ہو گا' گواہی ہمیشہ دوسرے کے متعلق ہوتی ہے۔ مدعی اور ہوتا ہے گواہ کوئی دوسرا۔ یہ آیت درست کیسے ہوئی۔ جواب: یہاں گواہی سے مراد اپنے خلاف اقرار کر لینا ہے اس اقرار کو گواہی اس لئے فرمایا کہ یہ اقرار بھی گواہی کی طرح ملزم ہے اس الزام کی مناسبت سے اقرار کو گواہی فرمایا۔ خیال رہے کہ اپنا حق دوسرے پر لازم کرنے کی کوشش کرنا دعویٰ ہے دوسرے کا حق اپنے پر لازم کر لینا اقرار ہے دوسرے کا کسی اور دوسرے پر لازم کرنا گواہی۔ دعویٰ' اقرار' گواہی تینوں الزام میں مشترک ہیں۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سچی گواہی میں ماں باپ کی بھی رعایت نہ کرنا چاہئے مگر شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ ماں باپ کے لئے بیٹے کی گواہی معتبر نہیں پھر یہ آیت کیسے درست ہوئی۔ جواب: اولاد کی گواہی ماں باپ کے حق میں ان کے موافق بھی قبول نہیں کہ اس میں رعایت کرنے کا احتمال قوی ہے بلکہ غلام کی گواہی مولیٰ کے حق میں جو کوئی کسی کے ہاں کھاتا پیتا پڑا رہتا ہو اس کی گواہی اس شخص کے حق میں قاضی کے ہاں قبول نہیں لیکن ان کے خلاف گواہی قبول ہے۔ یہاں خلاف گواہی مراد ہے اسی لئے یہاں علی ارشاد ہوا۔ شہادت کے بعد علی جب آئے تو اس سے مراد ہوتا ہے خلاف گواہی دینا لہذا یہ آیت بھی درست ہے اور وہ مسئلہ بھی درست ہے۔ چوتھا اعتراض: اگر علی خلاف گواہی کے لئے ہوتا ہے تو قرآن کریم فرماتا ہے و یکون الرسول علیکم شہیدا قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے گواہ ہوں گے تو کیا حضور کی گواہی ہمارے خلاف ہو گی وہ تو ہمارے حق میں ہو گی تو یہ قاعدہ غلط ہو گا کہ علی نقصان کے لئے ہے۔ جواب: اس اعتراض کا جواب دوسرے پارے میں اسی آیت کے ماتحت دیا گیا ہے کہ وہاں شہید بمعنی رقیب و محافظ ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ایمان و اعمال کے نگران و محافظ ہیں۔ اسی حفاظت کے ماتحت گواہی ہو گی۔ لہذا وہاں علی نے ضرر کے معنی نہ دیئے۔

تفسیر صوفیانہ: اے ایمان والو قسط یعنی اپنے حصہ پر قائم رہو اپنا درجہ اپنا مرتبہ اپنی حیثیت پہچانو اس سے آگے نہ بڑھو' اللہ کو اس کی شان کے لائق مانو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شان کے لائق پہچانو صحابہ کرام اولیاء اللہ علماء دین کو ان کے مرتبوں

کے مطابق بنو اور اپنے کو آپ اپنی حیثیت کے مطابق جانو گنہگار ہو تو نیک کار بننے کا دعویٰ نہ کرو۔ شہداء للہ کے معنی علماء کرتے ہیں کہ للہ کے لئے گواہ بنو صوفیاء اس کے دو معنی کرتے ہیں کہ اللہ کے گواہ رہو اس طرح کہ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے اس کی وحدانیت ذات صفات کی گواہی دیا کرو۔ دوسرے یہ کہ للہ کے قائم کردہ گواہ رہو کہ رب تعالیٰ نے تمہیں دنیا و آخرت میں گواہ بنایا ہے۔ جس شخص جس چیز کو تم اچھا کہہ دو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔ حضور غوث پاک کی ولایت میلاد پاک کا اچھا ہونا مسلمان کی گواہی سے ہی ہے تم فاسق و فاجر ناقابل گواہی نہ بن جاؤ بلکہ متقی پرہیزگار مقبول الشہادۃ رہو۔ غرضیکہ شہداء للہ کے تین معنی ہیں ایک عالمانہ دو صوفیانہ ہر شخص اپنی شان کے لائق اللہ کا گواہ بنے۔ عوام اللہ تعالیٰ کی توحید و وحدانیت کی گواہی دیں۔ خواص اللہ تعالیٰ کے شہید یعنی اس کے پاس فردانیت سے حاضر رہیں اور خاص الخاص اللہ کے گواہ اس طرح ہوں کہ حق کے پاس حاضر رہیں 'اپنے وجود 'اپنی ہستی سے غائب ہو جائیں 'کثرت کو وحدت سے فنا کر دیں۔ یہ آخری گواہی وہ شاندار گواہی ہے جو عام فرشتوں کو بھی میسر نہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ کی گواہی دینا کبھی اپنی زبان سے ہوتا ہے کبھی جان سے کبھی اپنے خون سے۔ یہاں فرمایا گیا کہ اللہ کے گواہ بنو اگرچہ اپنے نفس ماں باپ عزیز و اقارب غنی فقیر کی قربانی دینے سے ہو اگر یہ چیزیں اس گواہی سے آڑ بنیں تو ان کے پیچھے نہ جاؤ۔ بلکہ اس گواہی پر قائم رہو۔ خیال رہے کہ ساری مخلوق اللہ کی گواہ ہے۔ فرشتے جنات جمادات نباتات وغیرہ اسی طرح سارے انسان حتیٰ کہ بعض کافر بھی اللہ کے گواہ ہیں مگر مسلمانوں کی گواہی ان تمام سے افضل ہے۔ کیونکہ دوسری مخلوق نے وحدانیت کی گواہی یا علامات اور نشانیوں سے دی ہے یا سن کر مگر حضور محمد مصطفیٰ نے رب کو اور تمام عالم غیب کو دیکھ کر گواہی دی۔ مسلمان حضور کی امت ہیں۔ حضور کا ان سب کو دیکھنا گویا ہمارا ہی دیکھنا ہے۔ نماز میں امام کی قراءت مقتدیوں کی قراءت ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی گواہی دیکھی ہوئی ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو گواہی کا حکم خصوصیت سے دیا۔ کل قیامت میں بھی تمام نبیوں کے گواہ مسلمان ہی ہوں گے۔ نیز پچھلے نبیوں کی امتوں نے اپنے نبیوں سے سن کر گواہی توحید دی وہ گواہی ایمان تھی مگر ان کا دین منسوخ ہو جانے کے بعد وہ گواہی ایمان نہ رہی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے

اے ایمان والو ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اپنے

نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ

اتاری اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اتاری پہلے سے اور جو انکار کرے

رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتار دی اور جو نہ مانے اللہ اور

بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا

اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخری دن کا پس بے شک وہ گمراہ ہو گیا

اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کو تو وہ ضرور دور کی گمراہی میں پڑا

بَعِيدًا ﴿١٣٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ
گمراہی دور کی بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا پھر ایمان لائے پھر
بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر
ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ
کفر کر بیٹھے پھر بڑھ گئے کفر میں تو نہیں ہے اللہ کہ بخشے انہیں اور نہ ہدایت دے انہیں
کفر میں بڑھے اللہ ہرگز انہیں نہ بخشے گا اور نہ انہیں راہ
سَبِيلًا ﴿١٣٧﴾
راستہ کی
دکھائے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو لوگوں کے معاملہ میں انصاف کرنے کا حکم دیا گیا تھا اب اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انصاف کا حکم دیا جارہا ہے کہ وہ تمہارا رازق خالق ہے۔ انصاف یہ ہے کہ اس کا حق مانو، اس پر ایمان لاؤ گویا ادنیٰ قسم کے انصاف کا حکم دے کر اعلیٰ قسم کے انصاف کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ایمان کا اجمالی ذکر تھا **یا ایہا الذین امنوا** فرمایا گیا۔ اب اس آیت میں اس اجمال کی تفصیل ہے کہ ایمان مقبول وہ ہے جو ان چیزوں پر ایمان لایا جائے۔ گویا اجمال کے بعد تفصیل کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں کچھ معاملات کا تاکیدی حکم تھا انصاف سچی گواہی وغیرہ۔ اب اس آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ یہ نیک اعمال تم کو جب ہی نصیب ہوں گے جبکہ تم اس طرح ایمان قبول کرو گے گویا دشوار احکام کا حکم دے کر اس دشواری کو آسان کرنے والی صفت کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ ایمان میں عشق ہے اور عشق ہی ہر مشکل کو آسان کردیتا ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں سچی گواہی دینے کا سخت تاکیدی حکم دیا گیا۔ اب ایمان کا حکم ہے۔ ایمان بھی چند گواہیوں کا ہی نام ہے۔ توحید رسالت حشر و نشر وغیرہ کی گواہیاں ایمان ہیں۔ ایمان میں سچی گواہی وہ ہوتی ہے جو دل سے ہو اور جو صرف زبان سے ہو، دل میں کفر ہو وہ گواہی جھوٹی ہے۔ خیال رہے کہ دنیاوی گواہیوں سے عالم کا نظام ملک کا امان قائم ہے اور ان دینی گواہیوں سے ایمان قائم ہے۔ ان کی گواہیوں کے بعد ایمان کی گواہیوں کا ذکر فرمایا۔

شان نزول : ایک بار حضرت عبداللہ ابن سلام اور کعب کے دو بیٹے اسد و اسید اور ثعلبہ ابن قیس اور عبداللہ ابن سلام کے بھانجے سلام اور ان کے بھتیجے سلمہ اور یامین ابن یامین حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ ہم آپ کی کتاب قرآن مجید پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب توریت پر اور حضرت عزیر علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کے سواء اور کتابوں، رسولوں پر ایمان نہ لائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ اللہ کے

سارے رسولوں اس کی ساری کتب پر ایمان لاؤ تب تم مومن ہو گے۔ اس پر یہ آیت کریمہ **یا ایھا الذین امنوا امنوا الخ** نازل ہوئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کی تائید فرمائی گئی۔ (تفسیر خازن' کبیر' روح المعانی وغیرہ) چنانچہ یہ لوگ اس آیت کریمہ کو سن کر سب پر ایمان لے آئے۔ بنی اسرائیل نے بارہا ایمان اختیار کیا' بارہا کفر کیا۔ ان کے متعلق دوسری آیت **ان الذین امنو الخ** نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو اس حرکت سے روک دیا گیا۔ (تفسیر خازن)

تفسیر : **یا ایھا الذین امنوا امنوا**۔ پہلا امنو ماضی مطلق ہے۔ دوسرا امنوا امر یا تو امنو سے مراد عام مومنین ہیں جو پہلے ایمان لاچکے اور امنوا امر سے مراد ہے ایمان پر قائم رہنا۔ یا امنو سے مراد ہے اجمالی ایمان اور امنو سے مراد ہے تفصیلی ایمان یا امنو سے مراد ہے تقلیدی ایمان اور امنوا امر سے مراد ہے تحقیقی ایمان۔ یا امنو سے مراد ہیں مشرکین و کفار جو میثاق کے دن ایمان لاچکے تھے قالو بلیٰ کہہ کر اور امنوا امر سے مراد ہے یہاں دنیا میں ایمان لانا یا امنو سے مراد ہیں منافقین جو زبانی ایمان لاچکے تھے اور امنوا امر سے مراد ہے دل سے ایمان لانا یا امنو سے مراد ہیں اہل کتاب جو اپنی کتب اپنے نبیوں پر ایمان لانے کے مدعی تھے اور امنوا امر سے مراد ہے ایمان مقبول اختیار کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا جائے یا امنو سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی۔ حضرت عبداللہ ابن سلام وغیرہ اور امنوا امر سے مراد وہ ایمان ہے جس کی تلقین حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔ غرضیکہ اس جملہ کی آٹھ دس تفسیریں ہیں۔ (تفسیر کبیر' خازن' روح المعانی' روح البیان وغیرہ) مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے کیونکہ قرآن مجید میں **الذین امنو** مسلمانوں کو ہی کہا جاتا ہے۔ کفار منافقین وغیرہ کو ایسے پاکیزہ پیارے خطاب سے نہیں نوازا جاتا۔ یہ خطاب صرف مسلمانوں کے لئے ہے۔ تفسیر کبیر) ہاں منافقین کے اظہار ایمان کو ظاہری کلمہ گوئی کو قرآن کریم نے ایمان کہا ہے کہ لکن بانہم **امنو ثم کفرو فطبع علی قلوبھم' باللہ و رسولہ والکتب الذی نزل علی رسولہ**۔ یہ عبارت امنوا امر کے متعلق ہے۔ چونکہ توحید باللہ نجات کے لئے کافی نہیں۔ توحید تو شیطان بھی مانتا ہے مگر ہے کافر۔ ایمان باللہ نجات کا مدار ہے اس لئے امنو باللہ فرمایا گیا نہ کہ وحدوا اللہ اور چونکہ ایمانیات میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا مقدم ہے کہ وہ سب کا خالق و مالک ہے۔ اس سے ابتداء ہے اس لئے باللہ کا ذکر پہلے ہوا۔ رسولہ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ظہور میں پیچھے ہیں مگر وجود میں پہلے اور حضور پر ایمان لانا تمام پر ایمان لانا ہے اس لئے اللہ کے بعد حضور کا ذکر ہوا۔ چونکہ توحید نبوت کے واسطے سے مفید ہے اور بغیر واسطہ نبوت مہلک جیسے بجلی کا پاور بلب پنکھے وغیرہ کے واسطے سے مفید ہے بغیر واسطہ پاور ہاتھ میں آجائے تو فنا کر ڈالے یا سورج کو براہ راست دیکھو تو آنکھ پھوڑ دے کسی ڈبل اور رنگین شیشے کے ذریعہ دیکھو تو دیکھ لوگے اس لئے باللہ سے متصل ہی فرمایا گیا **و رسولہ** اگرچہ حضور نبی بھی ہیں' رسول بھی' رحمت عالم بھی ہیں' شفیع المذنبین بھی۔ مگر یہاں بھی اور کلمہ طیبہ میں بھی رسول کی صفت کا ذکر ہوا کیونکہ رسول وہ ہے جو رب سے لے بھی سکے' مخلوق کو دے بھی سکے۔ اس لئے دینے پر فیض کا دارومدار ہے اس لئے رسولہ فرمایا جو کہے کہ حضور دے نہیں سکتے وہ آپ کے رسول ہونے کا منکر ہے اور الکتاب سے مراد قرآن مجید ہے کہ اس کا ایک نام کتاب بھی ہے۔ اور اس کا نزول آہستہ آہستہ تئیس سال میں ہوا۔ اس لئے نزل باب تفعیل سے ارشاد ہوا چونکہ قرآن مجید اتارنا در حقیقت رب تعالیٰ ہی کا کام تھا۔ حضرت جبریل تو واسطہ تھے اس لئے نزل کا فاعل رب تعالیٰ کو قرار دیا گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر اور اس کے ان محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر اور جو کتاب ان پر اللہ تعالیٰ نے بہت آہستگی

سے اتاری اس پر ایمان لاؤ۔ نیز حضور پر ایمان لانا پہلے ہے قرآن پر ایمان لانا بعد میں کہ دنیا میں حضور پہلے آئے قرآن بعد میں۔
کافر کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کرتے ہیں نہ کہ قرآن پڑھا کر۔ حضور نے پہلی تبلیغ میں فرمایا **کیف انا فیکم** بتاؤ تم میں ہم کیسے ہیں۔
یہ نہ فرمایا کہ قرآن کیسا ہے۔ لہذا حضور پر ایمان کا ذکر پہلے ہوا۔ قرآن پر لانے کا ذکر بعد میں۔ خیال رہے کہ یہاں **والقران**
نہ فرمایا بلکہ اتنی لمبی عبارت ارشاد ہوئی تاکہ معلوم ہو کہ قرآن پر ایمان لانا اس لئے ضروری ہے کہ وہ کتاب محمد مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم پر اتری۔ حضور کا فرمان قرآن کی حقانیت کی دلیل ہے۔ اسی لئے حضور کی نبوت کے لئے معجزات اتارے۔ قرآن کی
حقانیت کے لئے زبان رسول ثبوت ہے۔ **والکتب الذی انزل من قبل**۔ یہ عبارت پہلی الکتاب پر معطوف ہے اور اس
میں الف لام جنسی ہے۔ لہذا اس سے مراد ساری آسمانی کتابیں ہیں۔ بلکہ سارے صحیفے بھی ہیں چونکہ ان تمام کا نزول ایک دم ہوا
تھا اس لئے انزل فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ قرآن کریم تشریف آوری میں ان کتب سے پیچھے ہے مگر اب ایمان میں ان کتب سے
پہلے کہ ہم قرآن مان کر دوسری کتابوں کو مانتے ہیں۔ اس لئے ایمان میں پہلے قرآن کریم کا ذکر ہوا بعد میں دوسری کتابوں کا مگر
ساتھ میں **من قبل** بھی فرمادیا گیا۔ **و من یکفر باللہ و ملئکتہ و کتبہ و رسلہ والیوم الاخر**۔ یہ اس تصویر کا دوسرا
رخ ہے۔ جس میں ایمان کے مقابل کفر کا ذکر ہے۔ یہ واؤ جمع کے لئے نہیں اور آیت کریمہ کا یہ مطلب نہیں کہ جو ان تمام چیزوں کا
انکار کرے وہ گمراہ ہے۔ بلکہ اللہ یا رسول یا فرشتہ یا کسی کتاب یا قیامت ان میں سے جس کا بھی انکار کرے گا وہ کافر ہو گا۔ ایمان
لانے میں سب پر ایمان لانا ضروری ہے مگر کفر میں ایک کا انکار بھی کفر ہے۔ نماز جب ہو گی۔ جب تمام شرائط و ارکان جمع ہوں۔
مگر نماز فاسد ہونے کے لئے ایک شرط یا رکن کا جاتا رہنا کافی ہوتا ہے۔ وجود میں بہت پابندیاں ہیں۔ نفی میں یہ پابندیاں نہیں۔
کفر بمعنی انکار ہے یعنی جو کوئی اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اس کے رسولوں اور قیامت ان میں سے جس کا بھی
انکار کر دے۔ **فقد ضل ضللا بعیدا**۔ یہ **من یکفر** کی خبر بمعنی جزاء ہے۔ گمراہی دو قسم کی ہے۔ ایک وہ جو کفر تک نہ پہنچے۔
جیسے تفضیلی رفض وغیرہ۔ دوسری وہ جو حد کفر تک پہنچ جائے۔ پہلی قسم کی گمراہی قریب کی گمراہی ہے اور دوسری قسم کی گمراہی
بعید کی یعنی جو ہدایت سے بہت دور ہو جائے یہاں دوسری قسم کی گمراہی مراد ہے اس لئے اسے ضلال بعید فرمایا گیا۔ یعنی ایسا آدمی
ایسی گمراہی میں پھنسا جو ایمان سے بہت دور ہے۔ کفر میں داخل ہے۔ **ان الذین امنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا**"
۔ اس آیت میں بہت گفتگو ہے کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے وہ یہودی مراد ہیں جو پہلے موسیٰ علیہ
السلام پر ایمان لائے۔ پھر بچھڑا پوج کر کافر ہو گئے۔ پھر توبہ کر کے مومن بن گئے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر کے کافر ہو
گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے کفر میں اور بڑھ گئے۔ یہ پانچ پلٹے پانچ دفعہ میں کھائے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے
وہ منافقین مراد ہیں جو اولاً "کلمہ ایمان ظاہر کر کے بظاہر مومن ہو گئے۔ پھر کفار سے بولے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ کہہ کر
کافر ہو گئے پھر مسلمانوں سے مل کر بولے کہ ہم تو ایمان لا چکے ہیں۔ پھر بظاہر مومن بن گئے۔ پھر کفار کے سے کام کر کے کافر ہو
گئے۔ پھر کفر میں مر گئے تو انہوں نے اپنے کفر میں اضافہ کر لیا۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ مرتدین ہیں جو بار بار ایمان لا کر
بار بار مرتد ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ اس کی بہت تفسیریں ہیں۔ **لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم سبیلا**" یہ عبارت
الذین امنو الخ کی خبر ہے۔ جیسے اس جملہ میں چند احتمال تھے ایسے ہی اس جملہ میں بھی چند احتمال ہیں۔ اگر وہاں ازدادو کفرا سے
مراد تھا کفر پر مرجانا تب اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جو کفر پر مر گیا اللہ اسے بخشے گا نہیں کہ کافر کی بخشش نہیں اور نہ انہیں جنت کی

راہ دکھائے اور اگر ازدادو کفرا" سے مراد تھا یہود کا حضور پر ایمان نہ لانا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ جب تک وہ لوگ کافر رہیں اس وقت تک اللہ تعالیٰ نہ انہیں بخشے گا نہ انہیں اپنے تک آنے کی راہ دکھائے۔ اور اگر مراد تھا بار بار مرتد ہونا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نہ ایمان پر مرنے کی توفیق دے گا' جس سے ان کی بخشش ہو جائے نہ ان کے دل میں ایمان راسخ ہو گا غرضیکہ اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں۔ اور کسی تفسیر پر کوئی اعتراض نہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس پہلی آیت کی قریبا" دس تفسیریں ہیں جن میں سے بعض قوی ہیں' بعض ضعیف۔ ہم ان میں سے ایک تفسیر جو بہت قوی ہے اس کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ابھی اپنے پر مطمئن نہ ہو ابھی منزل دور ہے۔ راہ مار بہت ہیں ایمان پر مرتے دم تک قائم رہو کہ اللہ پر اس کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس کتاب پر جو ان پر آہستگی سے اتری اور تمام ان کتابوں پر جو اگلے نبیوں پر اتریں ایمان قبول کئے رہو ان میں سے کسی چیز کا انکار اپنے دل میں نہ آنے دو۔ خیال رکھو کہ بڑا پرانا مسلمان بھی اگر اللہ تعالیٰ یا اس کے فرشتوں یا اس کی کسی کتاب یا اس کے کسی رسول کا یا قیامت کا انکار کر بیٹھے تو وہ ایسا پرلے درجے کا گمراہ ہو گا جسے ایمان سے کوئی تعلق نہ رہے گا۔ ایمان سے بہت دور جا پڑے گا جو لوگ ایمان لائیں پھر کافر ہو جائیں' پھر ایمان لائیں' پھر کافر ہو جائیں' پھر کفر میں بہت ترقی کر جائیں کہ کفر پر ہی مر جائیں۔ ایسوں کو نہ تو اللہ تعالیٰ بخشے گا نہ انہیں جوابات منکر نکیر کی نہ جنت کی راہ دکھائے گا۔

فوائد : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نجات کا مدار توحید نہیں ایمان ہے۔ اس لئے رب نے قرآن میں حضور نے حدیث میں کہیں توحید کا حکم نہیں دیا ایمان کا حکم دیا بلکہ قرآن و حدیث اقوال صحابہ میں توحید کا لفظ بھی نہیں آیا بلکہ توحید کا کوئی مشتق ماضی مضارع اسم فاعل اور اسم مفعول وغیرہ الفاظ نہیں آئے۔ ایمان کا مصدر بلکہ اس کے تمام مشتقات قرآن کریم و احادیث میں مذکور ہیں۔ ایمان' امن' یومن' مومنین' مومنات سب موجود ہیں۔ لہذا الفاظ توحید بولنا اپنا نام موحد رکھنا بدعت ہے۔ نری توحید لعنت' عذاب' جہنم کا راستہ ہے۔ ایمان رحمت ثواب اور جنت کا راستہ ہے۔ شیطان کو ایمان سے محرومی توحید کے نشہ نے ہی لعنتی بنا دیا۔ رب تعالیٰ نے ہمارا نام مسلم مومن رکھا موحد نہیں رکھا۔ **ھو سمٰکم المسلمین**۔ خیال رہے کہ توحید و ایمان میں چند طرح فرق ہے۔ رب کی ذات و صفات کو عقل کی ذریعہ پہچاننا توحید ہے اور پیغمبر کی معرفت سے پہچاننا ایمان ہے اور صرف رب کی ذات و صفات کو ماننا توحید ہے اور اللہ کو نبی سے الوہیت کو نبوت سے ملانا ایمان ہے ان کو جدا کرنا کفر اسی لئے یہاں امنوا باللہ فرمایا۔ وحدوا اللہ نہ فرمایا دیکھو ہماری کتاب "اسلام کی چار اصطلاحیں)۔

دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کو دو قسم کے صفات بخشے ہیں۔ بعض وہ جن کا مشاہدہ ہوتا ہے جو کفار بھی جانتے ہیں۔ جیسے حضور کا بشر ہونا' کھانا پینا' فرزند عبد اللہ ہونا' مکی مدنی ہونا وغیرہ اور بعض وہ جو غیب ہیں۔ جیسے حضور کا رسول ہونا' خاتم النبیین ہونا' شفیع المذنبین رحمتہ للعالمین ہونا وغیرہ پہلی قسم کے صفات کو ماننا ایمان بالرسول نہیں ورنہ ابو جہل بلکہ ابلیس بھی مومن ہو جاتا کہ وہ حضور کو بشر وغیرہ مانتا ہے۔ دوسری قسم کے صفات کا ماننا ایمان ہے۔ یہ فائدہ ورسولہ سے حاصل ہوا کہ رب نے یہاں رسولہ فرمایا بشر وغیرہ نہ کہا۔ کلمہ میں پڑھتے ہیں محمد رسول اللہ۔ **تیسرا فائدہ:** کوئی مسلمان اپنے ایمان و اعمال پر ناز نہ کرے۔ لہذا تعالیٰ سے ہمیشہ حسن خاتمہ کی دعا کرے کہ خاتمہ کا اعتبار ہے۔ اس پر نجات کا مدار ہے۔ یہ فائدہ امنوا امر کی پہلی تفسیر

سے حاصل ہوا کہ یہاں مسلمانوں کو ایمان پر قائم رہنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** ایمان با تفصیل اختیار کرنا چاہئے یعنی مسلمان یہ جانے پہچانے کہ کس کس چیز پر میرا ایمان ہے۔ توحید رسالت، قرآن مجید وغیرہ بالکل اجمال نہ چاہئے کہ ہم مسلمان ہیں یہ خبر نہ ہو کہ کس چیز کو مان کر مسلمان بنے۔ یہ فائدہ امنوا کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ تفصیل وار ایمان قبول کرو۔ **پانچواں فائدہ:** اہل کتاب بلکہ منافقین و مشرکین کو بھی لغتہ "مومن" کہہ سکتے ہیں کہ اہل کتاب اپنی کتاب پر ایمان رکھتے اور منافق ایمان ظاہر کرتے ہیں اور میثاق کے دن سب ہی ایمان لائے تھے جیسا کہ امنو ماضی کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ اس طرح لغتہ "مومن کو کافر کہا گیا ہے یعنی بتوں کا انکار کرنے والا رب فرماتا ہے۔ **فمن یکفر بالطاغوت** مگر شرعاً" یہ استعمال درست نہیں۔ شریعت میں مومن کو کافر اور کافر کو مومن کہنا ہرگز جائز نہیں جو شخص اپنے کو کافر کہے اور ہو مسلمان اور کافر سے مراد ہے کافر بالطاغوت تو اگرچہ درست لگتا ہے مگر گنہگار ہے بلکہ اس کے کفر کا اندیشہ ہے حضرت خسرو نے جو اپنے کو کافر کہا ہے۔ کافر عشقم مسلمانی مرا درکار نیست۔ وہاں عشق کا لفظ فرما کر بات ظاہر کر دی ہے۔ یعنی میں عشق چھپائے ہوئے ہوں مجھے اظہار کی ضرورت نہیں۔ **چھٹا فائدہ:** ایمانیات میں رسول پر ایمان کا وہی درجہ ہے جو ایمان باللہ کا درجہ ہے کہ جیسے اللہ پر ایمان ضروری ہے ایسے ہی حضور پر ایمان اسی درجہ کا لازم ہے جیسا کہ ورسولہ فرمانے سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** کتاب پر ایمان لانا رسول پر ایمان لانے کے بعد ہے پہلے رسول اللہ کو مانو پھر کتاب کو جیسا کہ والکتاب کو موخر کرنے سے معلوم۔ اسی لئے کلمہ میں توحید و رسالت کا ذکر ہے۔ کتاب کا ذکر نہیں نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی تبلیغ میں اپنا ذکر فرمایا۔ رب کا ذکر فرمایا۔ قرآن کا ذکر نہ فرمایا بعض لوگ صرف اللہ رسول پر ایمان لاتے ہی شہید ہو گئے۔ انہیں کتاب کا پتہ بھی نہ لگا اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو قرآن قرآن کی رٹ لگاتے ہیں۔ قرآن والے محبوب کے نام شریف سے گھبراتے ہیں۔ مسلمان ان لوگوں کی قرآن خوانی سے دھوکہ نہ کھائیں بلکہ پہلے پتہ لگائیں کہ ان کے دل میں قرآن والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی ہے یا نہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** مسلمانوں کو قرآن مجید پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اور دوسری کتب پر اجمالی ایمان کافی ہے۔ قرآن مجید پر تفصیلی ایمان ضروری ہے۔ نیز قرآن مجید پر عمل لازم ہے۔ ان کتب پر عمل لازم نہیں۔ یہ فائدہ **والکتب الذی** الخ کی تاخیر سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** ایمانیات میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔ تمام ایمانیات کو ماننا ایمان ہے جیسا کہ ضلالا" بعیدا سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** کفر پر مرجانے والے کی بخشش ناممکن ہے اور وہ سوالات قبر اور قیامت میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہر جگہ ناکام ہی رہے گا جیسا کہ ثم ازدادوا کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ۔** **گیارہواں فائدہ:** بار بار مرتد ہونے والے کا ایمان شرعاً" معتبر نہیں (ردالمختار) جیسا کہ ثم کفروا کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا بلکہ بعض صورتوں میں جنگ کی حالت میں ایمان لانا معتبر نہیں ہوتا جبکہ بظاہر معلوم ہو ؟# رہا ہو کہ یہ دھوکہ دینے کے لئے ایمان لا رہا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قل یوم الفتح لا ینفع الذین کفروا ایمانھم ولا ھم ینظرون۔** **بارھواں فائدہ:** مرے ہوئے کافر کو مرحوم و مغفور کہنا حرام ہے۔ اس کے لئے ختم پڑھنا دعاء مغفرت کرنا ایصال ثواب کرنا سب حرام ہے۔ یہ فائدہ **لیغفر لھم** الخ سے حاصل ہوا۔ ان کی بخشش ناممکن ہے۔ اور ناممکن کی دعا کرنا حرام ہے زبان سے مرحوم مغفور کہنا جھوٹ ہے۔ جھوٹ بولنا حرام ہے۔

پہلا اعتراض : یہاں مومنوں سے فرمایا گیا ایمان لاؤ۔ اس میں تحصیل حاصل ہے جو محال ہے پھر یہ حکم کیوں دیا گیا۔ یہ تو پہلے ہی سے مومن ہیں۔ جواب: اس کے بہت جواب تفسیر سے معلوم ہو چکے کہ اگر یہاں مسلمانوں سے خطاب ہو تو مطلب ہو گا ایمان پر قائم رہو۔ مسلمانوں کو اس دعا کی تعلیم دی گئی اهدنا الصراط المستقیم حالانکہ وہ سیدھے راستہ پر تو پہلے سے ہی ہیں مطلب وہی ہے کہ ہم کو سیدھے رلہ کی ہدایت پر قائم رکھ۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں قرآن کا نام کیوں نہ لیا گیا اتنی دراز عبارت والکتب الذی انزل علی رسولہ کیوں فرمائی۔ جواب: چند وجوہوں سے ایک یہ کہ قرآن مجید پر ایمان لانے' اس پر عمل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضور پر اترا اگر حضور پر نہ اترتا تو نہ اس پر ایمان لانا واجب ہوتا نہ عمل دیکھو قرآن مجید لوح محفوظ میں تھا۔ بل ہو قرآن مجید فی لوح محفوظ۔ بلکہ گذشتہ کتابوں میں بھی کچھ نہ کچھ تھا و انہ لفی زبر الاولین مگر اس پر عمل جب ہی واجب ہوا جب حضور پر نازل ہوا۔ اقیموا الصلوۃ پر عمل نبوت کے گیارہویں سال میں روزے' زکوۃ پر عمل بعد ہجرت ہوا۔ جبکہ ان آیات کا نزول ہو گیا گویا علت ایمان کی طرف اشارہ فرمانے کے لئے یہ دراز عبارت ارشاد ہوئی۔ اگر حضرت جبریل یا رب جلیل براہ راست بندوں سے کچھ فرمادیتے تو عمل واجب نہ ہوتا جب تک کہ حضور کی زبان سے ادا نہ ہوتا۔ دیکھو وہ حدیث جہاں حضرت جبریل نے حضور سے پوچھا کہ ایمان' اسلام' احسان کیا ہے؟ صحابہ سے خود نہ فرمایا۔ دوسرے یہ کہ قرآن کے الفاظ' معانی' احکام' اسرار وغیرہ اس طرح مانو جس طرح حضور پر اترے جو کہے صلوۃ کے معنی نماز نہیں بلکہ دعا ہیں یا صوم کے معنی روزہ نہیں بلکہ کچھ اور چیزیں ہیں تو وہ قرآن پر ایمان لایا ہی نہیں۔ کیونکہ یہ معنی حضور پر نہیں اترے۔ خیال رہے کہ الفاظ قرآن کا نزول کان شریف پر معانی قرآن کا نزول دماغ شریف پر اسرار کا نزول دل شریف پر ہوا۔ رب فرماتا ہے۔ نزلہ علی قلبک یہ نزول بغیر واسطہ فرشتہ ہوا الفاظ بواسطہ فرشتہ۔ اس لئے نزل علی رسولہ ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ بعض انبیاء پر نہ کتاب اتری نہ صحیفہ جیسے حضرت لوط و ہارون بعض پر دونوں اتریں جیسے موسیٰ علیہ السلام بعض پر صرف صحیفہ اترے نہ کہ کتاب جیسے حضرت ابراہیم۔ رب فرماتا ہے۔ صحف ابراهیم و موسی بعض پر صرف کتاب اتری صحیفہ نہیں۔ جیسے حضرت عیسیٰ اور ہمارے حضور اس لئے یہاں الکتاب الذی فرمایا۔ تیسرا اعتراض: جب مسلمانوں پر فرض ہے کہ قرآن مجید پر بھی ایمان لائیں اور دوسری کتب پر بھی' حضور پر ایمان لائیں۔ اور دوسرے رسولوں پر بھی' تو ہم لوگ حضور کے امتی کیوں کہلاتے ہیں۔ سب رسولوں کے امتی ہوئے۔ جواب: ان ایمانوں میں دو طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ ان رسولوں اور کتابوں پر اس لئے ایمان ہے کہ ہمارے رسول ہماری کتاب نے ان پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ لہذا انہیں ماننا درحقیقت اپنی کتاب' اپنے رسول ہی کو ماننا ہے۔ دوسرے یہ کہ ان رسولوں' کتابوں کو یہ ماننا ہے کہ وہ برحق ہیں مگر اب منسوخ ہو چکے۔ اب ان پر عمل جائز نہیں۔ قرآن اور حضور پر اس طرح ایمان لانا ہے کہ وہ برحق ہیں اور ان پر عمل واجب و لازم ہے اس لئے ہم حضور کے امتی ہیں۔ ان رسولوں کے امتی نہیں۔ چوتھا اعتراض: ایمان کے ذکر میں رسول کا ذکر کتاب سے پہلے ہے۔ اور بیان کفر میں کتب کا ذکر پہلے رسولوں کا بعد میں۔ اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ جواب: ایمان میں عروج ہے کفر میں نزول عروج میں رسول کتاب پر مقدم ہے اور نزول میں کتاب رسول سے پہلے عروج کے معنی ہیں خلق سے خالق کی طرف توجہ اور نزول کے معنی ہیں۔ خالق کے دروازے سے ہٹ کر خلق کی طرف آنا۔ یعنی خالق تک پہنچانے والے رسول ہیں۔ بذریعہ کتاب کے (تفسیر کبیر) ریل کو انجن کھینچتا ہے بذریعہ زنجیر کے۔ زنجیر ریل کو کھینچتی نہیں بلکہ انجن کا اثر اس تک پہنچاتی ہے

مگر ریل کے پہنچانے کے لئے زنجیر کا جڑنا ہی کافی ہے۔ زنجیر کا ٹوٹنا رک جانے کا ذریعہ ہے۔ انجن روکتا نہیں زنجیر کٹ جانا روکتا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** قرآن کریم میں ہر جگہ کتاب الٰہی کے لئے نزول فرمایا جاتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے ھبوط بھی نزول ہی کے معنی میں ہے تو کہیں ھبوط کیوں ارشاد نہیں ہوتا؟؟ **جواب:** نزول کے معنی ہیں اترنا ھبوط کے معنی ہیں گرنا اترنے میں سوچ سمجھ ہوتی ہے جہاں چاہیں وہاں اترتے ہیں مگر گرانے' پھینکنے میں یہ نہیں ہوتا کہیں جانا جاتا ہے' کہیں پہنچنا ہوتا ہے "منزل فرما کر یہ بتایا گیا کہ کتب کا نزول ہوا ہے جہاں رب نے چاہا وہاں کتب پہنچیں اس چاہنے میں ہزارہا حکمتیں ہیں۔ قرآن تمام کتب سے افضل تو افضل الرسل پر ہی آیا۔ **چھٹا اعتراض:** بیان ایمان میں تین چیزوں کا ذکر فرمایا۔ اللہ رسول کتاب مگر بیان کفر میں پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا یعنی فرشتوں اور قیامت کا بھی اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** اس لئے کہ اللہ رسول اور کتابوں پر صحیح طور سے ایمان لے آنے میں فرشتوں اور قیامت پر ایمان حاصل ہو جاتا ہے۔ کفر میں ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ انسان اللہ رسول کتاب پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتا رہے مگر قیامت و فرشتوں کا انکار کر جائے اور ان کی آیتوں میں تاویل کرے جیسا کہ آج کل علی گڑھی نیچریوں کا حال ہے اس لئے کفر میں ان کی تصریح فرما دی۔ (تفسیر کبیر)۔ **ساتواں اعتراض:** اگر یہاں امنوا مضی میں اہل کتاب سے خطاب ہے تو ان سے کیوں فرمایا گیا کہ قرآن سے پہلی الٰی کتابوں پر ایمان لاؤ وہ تو ان پر پہلے ہی سے ایمان لائے ہوئے ہیں۔ **جواب:** دو وجہ سے ایک یہ کہ ان سے فرمایا گیا اس قرآن پر بھی ایمان لاؤ اور ان کتب پر بھی۔ اس طرح کہ اس مجموعہ کو مانو۔ دوسرے اس لئے کہ قرآن کا انکار کر کے ان کتابوں پر ایمان میسر ہی نہیں ہوتا۔ قرآن کا منکر توریت و انجیل کی ان آیتوں کو نہیں مانتا جن میں قرآن کو ماننے کی تاکید کی ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا۔ **والکتاب الذی انزل من قبل** کتاب واحد فرمایا گیا حالانکہ وہ کتابیں تو بہت ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب **تفسیر** سے معلوم ہو گیا کہ یہاں الف لام جنسی ہے اور کتاب سے مراد جنس کتاب ہے۔ جنس ایک سے زیادہ سب پر صادق آتی ہے چونکہ وہ تمام کتابیں ہدایت دینے' قرآن پر ایمان لانے کی تاکید کرتے۔ حضور کی بشارت دینے میں متفق ہیں۔ اس لئے واحد فرمایا گیا گویا وہ تمام کتب ان چیزوں میں ایک ہی ہیں۔ **نواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو بار بار مسلمان و کافر ہوتا رہے اس کی مغفرت نہیں مگر دوسری آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مغفرت ہے اگر روزانہ ستر بار کفر و ایمان میں پلٹے کھائے مگر مرتے وقت ایمان نصیب ہو جائے تو مغفور ہے پھر اس آیت کا مطلب کیا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں ارشاد ہوا۔ **ثم ازدادوا کفرا** اور زیادتی کفر سے مراد ہے کفر پر مرجانا۔ واقعی ایسے شخص کی مغفرت ناممکن ہے۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے کھیل کھیلنے والے کو ایمان پر خاتمہ میسر نہیں ہوتا یا اس سے مراد کوئی خاص جماعت ہے جن کے متعلق علم الٰہی میں آچکا کہ کفر پر مریں گے۔ لہذا یہ قانون نہیں ایک خاص جماعت کا ذکر ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اے وہ لوگو جو ایمان کی آڑ لے چکے ہو ایمان میں آجاؤ' منافق اس شخص کی طرح ہے جو کسی کے مکان کی دیوار کے سایہ میں باہر رہتے ہوئے بیٹھ جائے کہ وہ دیوار کے سایہ میں دھوپ سے تو بچ جائے گا مگر لو' بارش' پالا وغیرہ سے نہ بچ سکے گا۔ مخلص مومن اس شخص کی طرح ہے جو مکان میں رہے کہ وہ دھوپ' بارش' پالا ہر چیز سے بچے گا اور مکان کی ہر چیز استعمال کرے گا۔ منافقین نے اسلام کی آڑ لے کر اپنے کو صرف اسلامی تلوار سے بچالیا۔ مومنین اسی ایمان کے ذریعہ تلوار

عذاب نار وغیرہ سب سے بچ گئے کہ یہ ایمان میں داخل ہو چکے تھے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ بعض لوگ وہ ہیں جو ایمان ان میں آ جاتے ہیں۔ بعض وہ کہ ایمان میں آجاتا ہے جو ایمان میں آجائے وہ مومن بن جاتا ہے۔ مگر جس میں ایمان آجائے وہ مومن گر ہو جاتا ہے۔ روئی آگ میں جاتی ہے تو جل جاتی ہے کوئلہ میں آگ آجاتی ہے تو وہ آگ بن جاتا ہے۔ ہم دھوپ میں بیٹھیں تو سورج کے نور میں آجاتے ہیں۔ شیشہ دھوپ میں جائے تو سورج کا نور اس میں آجاتا ہے تو وہ جگمگا جاتا ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ اے ایمان میں آنے والو ایمان لاؤ۔ پھر ایمان کے تین درجے ہیں۔ اول مرتبہ ہے ایمان بالبرہان۔ دوسرا درجہ ہے ایمان بالشاہدہ والعیان۔ تیسرا درجہ ہے ایمان بالفنا عن غیر الرحمن۔ پہلا درجہ عوام کے ایمان کا ہے دوسرا خواص کا تیسرا خاص الخواص کا ایمان عوام کو ایمان بالغیب کہا جاتا ہے۔ اس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں۔

حفظ غیب آید در استعلو خوش بندگی در غیب آید خوب و کش
بعد مرگ اندر عیاں مردود شد! طاعت و ایمان کنوں محمود شد

ابراہیم علیہ السلام کا مردہ زندہ کرکے دیکھنا حضور کا معراج میں جاکر سب کچھ دیکھ آنا اسی مراتب ایمان میں ترقی کے لئے تھا۔ یہاں حکم ہوا کہ اے برہانی ایمان والو عیانی ایمان لاؤ کہ اللہ رسول کتب سب کا مشاہدہ کرو اور رانو جب اللہ تعالیٰ اپنے صفات کی تجلی کسی بندہ پر ڈالتا ہے تو اس بندے کے تمام اجزاء اس کے آگے سر بسجود ہو جاتے ہیں۔ پہلے اس کا دل ایمان بالغیب رکھتا تھا اب اس کا ہر بال ایمان جنانی قبول کر لیتا ہے۔ **فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا و خر موسی صعقا۔** جب رب تعالیٰ نے بندے پر تجلی ڈالی تو نفس کے پہاڑ کے ٹکڑے اڑ گئے اور موسیٰ قلب عبد بیہوش ہو کر گر گیا۔ اس کا نام ایمان حقیقی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جب تک ایمان بیانی ہوتا ہے بندے کو قرار نہیں ہوتا اس حال میں وہ کبھی مومن مطمئن کبھی کافر غیر مطمئن رہتا ہے۔ اگر اس اضطرار اور پریشانی میں زیادتی ہو جائے تو اس کی یہ زیادتی ناقابل معافی جرم ہے پھر اسے ایمان عیانی کی راہ نہیں ملتی مثنوی میں مولانا روم نے حکایت بیان کی کہ حضرت بایزید بسطامی کے زمانے میں ایک آتش پرست تھا لوگوں نے اس سے کہا کہ مسلمان ہو جا نجات پا جائے گا۔ اس نے کہا۔

گفت ایں ایماں اگر ہست اے مرید آنکہ دارد شیخ عالم با یزید!
من ندارم طاقت آن تاب آن کاں فزوں آمدز کوشش ہائے جاں
گرچہ در ایمان و دین نا موقنم لیک در ایمان او بس مومنم!
مومن ایمان اویم در نہاں گرچہ مہرم ہست محکم برو ہاں!
باز ایماں خود گر ایمان شما است نے بدیں میلستم و نے مشتہا است

یعنی اگر تم مجھ کو بایزید والے ایمان کی دعوت دیتے ہو تو اس کی مجھ میں طاقت نہیں میں اگرچہ منہ سے کچھ نہیں کہتا مگر ان کے ایمان پر لاتا ہوں کہ واقعی وہ ایمان رب تعالیٰ تک پہنچاتا ہے اور اگر تم مجھے اپنے ایمان کی طرف دعوت دیتے ہو تو مجھے ایسے ایمان کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کبھی اس قال کو حال بنائے ایمان عیانی کی لذت چکھائے (از روح البیان) خیال رہے کہ قرآن کریم نے یہاں پانچ چیزوں کو کفر فرمایا اللہ کا انکار رسولوں کا انکار کتابوں کا انکار وغیرہ مگر کفریات ہزاروں ہیں یا اس لئے کہ رب کا منشا یہ ہے کہ میرے بندے کبھی میرے محبوب سے بے نیاز نہ ہو جائیں۔ چند کفر خود بیان فرمائے باقی کفر حضور نے بیان

فرمائے۔ جیسے چند حرام جانور قرآن نے بیان کئے باقی صدہا جانوروں کی حرمت حدیث شریف نے بتائی۔ یا ان تمام کفریات کا مرجع یہ پانچ کفری ہیں۔ نماز، روزہ کا انکار ختم نبوت کا انکار قرآن کا انکار ہے۔ حضور کی بے ادبی بھی ان آیات قرآنیہ کا انکار ہے جن میں حضور کے ادب کا حکم دیا گیا۔ حضرت صدیق اکبر نے زکوۃ کے انکار کرنے والوں اور مسیلمہ کذاب کو نبی ماننے والوں پر جہاد کیا ان حرکتوں کو کفر قرار دیا۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝١٣٨ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ

خوشخبری دیجئے منافقوں کو اس بات کی کہ واسطے ان کے عذاب ہے دردناک جو کہ بناتے رہیں

خوشخبری دو منافقوں کو کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے وہ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر

الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ

کافروں کو دوست سوا مسلمانوں کے کیا تلاش کرتے ہیں ان کے پاس

کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں تو عزت تو

الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝١٣٩ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا

آبرو کو بے شک عزت ساری اللہ کی ہے اور بے شک اتارا اوپر تمہارے کتاب میں

ساری اللہ کے لئے ہے اور بے شک اللہ تم پر کتاب میں اتار چکا

سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى

یہ حکم کہ جب تم سنو اللہ کی آیات کو کہ کفر کیا جا رہا ہے ان کا اور مذاق اڑایا جا رہا ہے ان کا تو

کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جاتا ہے اور ان کی ہنسی بنائی جاتی ہے تو

يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ

نہ بیٹھو ساتھ ان کے حتی کہ وہ لوگ مشغول ہو جائیں اس کے سوا دوسری بات میں تب تو تم بھی ان کی طرح ہو

ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ اور بات میں مشغول نہ ہوں ورنہ تم بھی

الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۝١٤٠

جاؤ گے بے شک اللہ جمع فرمانے والا ہے منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں سب کو

انہیں جیسے ہو بے شک اللہ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں اجمالاً فرمایا گیا تھا کہ بعض لوگ وہ ہیں جو کبھی ایمان لاتے ہیں، کبھی کافر ہو جاتے۔ انہوں نے ایمان و کفر کو ایک مشغلہ سمجھ رکھا ہے۔ وہ لوگ مغفرت کے لائق نہیں۔ اب اس آیت کریمہ میں ان بدنصیبوں کا تقرر فرمایا جا رہا ہے کہ وہ منافقین ہیں۔ گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں بار بار مومن کافر بننے والوں کا ذکر تھا اب ان کے اس مرض کی وجہ کا بیان ہے۔ کفار سے محبت اور کفر کی طرف میلان۔ گویا پچھلی آیت میں بیماری کا ذکر تھا۔ اس آیت میں اس بیماری کی وجہ کا تذکرہ ہے تاکہ مسلمان اس سے بچیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں مومنوں کے ایمان کافروں کے کفر کا ذکر تھا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ مومن کو عزت، مسلمانوں کے پاس مل سکتی ہے۔ کفار کے پاس نہیں مل سکتی، مسلمان دھوکہ نہ کھائیں بہت لوگ عزت کے لئے کافر بن جاتے ہیں۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں کفر کا انجام بیان ہوا تھا۔ مغفرت نہ ہونا۔ راہ نہ ملنا اب مسلمانوں کو کفار کی صحبت سے بچنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ جو کفر کی اصلی وجہ ہے۔ جان کی حفاظت کے لئے سانپ سے بچو۔ ایمان کی حفاظت کے لئے بے ایمانوں سے بچو۔

تفسیر : بشر المنفقین بان لھم عذابا الیما ۔ بشر بشارت سے بنا۔ بشارت وہ خبر ہے جس کا اثر بشرہ یعنی ظاہری کھال پر نمودار ہو جائے کہ چہرہ کھل جائے، سننے والا پھڑک اٹھے، یعنی بڑی خوشخبری یہاں خوفناک خبر کو بشارت فرمایا۔ اظہار غضب کے لئے جیسے حاکم بدمعاش ملزم کو سزا سناتے ہوئے کہے لے مبارک ہو تو خوش ہو جا کہ میں تجھے پھانسی کی سزا دیتا ہوں۔ بشر میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہر قرآن پڑھنے والے کو ہو باب تفعیل فرمانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ آپ انہیں ہمیشہ یہ خبر عذاب دیتے رہیں۔ یا انہیں خوب ڈرائیں۔ المنافقین سے مراد منافق اعتقادی، میں جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے۔ بان الخ بشر کا مفعول بہ ہے۔ ب زائدہ ہے لھم کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ یعنی یہ دردناک عذاب صرف منافقوں کے لئے ہے اتنا دردناک عذاب کافروں کو بھی نہیں۔ دردناک عذاب سے مراد ہے۔ دنیا برزخ اور آخرت ہر جگہ دردناک عذاب دنیا میں اس طرح کہ انہیں دل کا اطمینان و چین نصیب نہیں۔ ہر دم فکر ہے کہ کہیں ہمارا نفاق نہ کھل جائے۔ نیک اعمال قبول نہیں اسلامی تبرکات ان کے لئے مفید نہیں۔ دیکھو عبداللہ ابن ابی کو نہ تو حضور کے لعاب شریف نے فائدہ دیا، نہ چادر شریف نے یہ ہے ان پر دنیاوی عذاب مرتے وقت اور قبر میں فرشتوں کی مار یہ ہے انہیں برزخ کا عذاب پھر انہیں آخرت کا سخت عذاب اس طرح رسوائی ذلت کے ساتھ دائمی سخت عذاب یا دوزخ کے نیچے درجہ کا عذاب جہاں سارے دوزخیوں کا خون و پیپ ان کی غذا ہو جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہوا۔ ان المنفقین فی الدرک الاسفل من النار چونکہ منافق دنیا میں ہر کافر سے نفع حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے اس لئے انہیں ہر کافر کا فضلہ دوزخ میں کھلایا جائے گا۔ ان بدنصیبوں کو تمام کفار سے زیادہ سخت عذاب ہو گا یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے قرآن پڑھنے والے تو منافقوں کو خبر دیدے کہ ان کے لئے خصوصی طور پر بڑا دردناک عذاب ہے۔ جو بیان سے باہر ہے۔ الذین یتخذون الکافرین اولیاء من دون المومنین۔ یہ عبارت منافقین کے عیوب بیان فرما رہی ہے۔ یتخذون سے مراد ہے دلی و جسمانی دوست بنانا، کافرین سے مراد یا تو یہود و نصاریٰ ہیں کیونکہ مدینہ منورہ میں اس وقت یہی دو قومیں تھیں۔ جن سے

منافقین محبت کرتے تھے۔ مشرکین تو مکہ معظمہ میں رہتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ مشرکین بھی مراد ہوں کیونکہ مدینہ کے منافقوں کو ان سے بھی محبت تھی۔ اسلام کو مٹانے کے لئے ہر کافر اور مسلمانوں کا ہر دشمن ان بدنصیبوں کا دوست ہے۔ کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کے دلی دشمن ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام تمام کفار کا مخالف ہے سب مل کر اسے مٹاؤ اوا اس لئے وہ ہر کافر سے محبت کرتے ہیں۔ اولیاء جمع ہے ولی کی بمعنی مددگار دوست قریب یہاں سب معنی بن سکتے ہیں۔ مگر پہلے معنی یعنی دوست زیادہ ظاہر ہیں۔ دون کے معنی ہیں دور۔ مقابل علیحدہ سواء وغیرہ یہاں بمعنی مقابل ہے یعنی یہ منافق وہ بدنصیب ہیں جو مسلمان کے مقابلہ میں یا مسلمانوں کو چھوڑ کر ہر کافر کو جو مسلمانوں کا دشمن ہو دوست بناتے انہیں اپنا مشیر کار قرار دیتے ہیں۔ خیال رہے کہ کفار سے مدد لینا شرعاً جائز ہے مگر مسلمانوں کے مقابل کفار سے مدد لینا حرام یا کفر ہے۔ وہی یہاں مراد ہے اور صداقت محبت مودت ولایت خلت سب قریباً ہم معنی ہیں مگر صدیق محبوب ولی مودود خلیل ان سب کے معنی ہیں دوست۔ مگر ولایت و خلت دلی محبت کو کہتے ہیں۔ کفار سے صداقت اور دنیاوی محبت بھی جائز ہے۔ کافر ماں باپ سے یہ پدری مادری محبت ان کے حقوق کی ادا درست ہے مگر ولایت یعنی دلی و جگری دوست کفار کو بنانا حرام ہے۔ ولی اللہ رسول اور سارے مومنین ہو سکتے ہیں۔ **انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا** مگر خلیل صرف اللہ رسول ہیں۔ فرماتے ہیں **لو کنت متخذا خلیلا لتخذت ابا بکر خلیلا**۔ مومن کے دل میں اللہ رسول مومنین کی محبت ہی چاہئے۔ کفار کی محبت نہ رہے گھر میں غیر کا سامان نہ رہے اپنا اپنے بال بچوں کا سامان رہے۔ **ا یبتغون عندھم العزۃ** ۔ یہ سوال ان کے دلی خیال کو ظاہر فرمانے کے لئے ہے۔ جس میں اس دوست بنانے کی وجہ بیان فرمائی گئی۔ **یبتغون** کا فاعل وہی منافقین ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے۔ **عندھم** کا مرجع کفار و مشرکین عزت کے لغوی معنی ہیں سختی و شدت۔ چنانچہ سخت زمین کو عزاز کہتے ہیں کہا جاتا ہے استعز مرضہ اس کی بیماری سخت ہو گئی نایاب اور کمیاب چیز کو عزیز کہا جاتا ہے کہ اس کے حاصل کرنے میں سختی و دشواری ہوتی ہے۔ جس بکری کا تھن سخت ہو دودھ کی دھار سختی سے نکلتی ہو اسے شاۃ عزوز کہتے ہیں۔ عزیز بمعنی قوی جس کا مقابلہ سخت دشوار ہو۔ اصطلاح میں آبرو کو عزت کہتے ہیں کہ یہ سخت مشکل سے حاصل ہوتی ہے۔ یعنی کیا یہ منافقین ان کفار کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ منافقین کا خیال یہ تھا کہ اسلام چلے گا نہیں اور مسلمان بہت جلد ختم ہو جائیں گے۔ یہ باتیں چند روزہ ہیں۔ ہم ان کی محبت میں کفار سے کیوں بگاڑیں اس آیت میں ان کے اس خیال باطل کا ذکر ہے۔ **فان العزۃ للہ جمیعا** ۔ یہ منافقوں کے مذکورہ خیال کی تردید ہے۔ یہ جملہ یا تو پوشیدہ شرط کی جزاء ہے اور ف جزائیہ ہے یا ایک پوشیدہ عبارت کی علت ہے اور ف تعلیلیہ للہ کا لام یا تو ملکیت کا ہے یا صلہ کا یعنی اگر ان کا یہ خیال ہے تو غلط ہے۔ ساری عزتیں اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں جسے چاہے عزت دے یا حقیقی عزت تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ممکن تھا کہ منافقین کہہ دیتے کہ نہ تو ہم کو کفار سے محبت ہے نہ ہم ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں۔ کیونکہ محبت و میلان دلی چیزیں ہیں اس لئے اب اس محبت و میلان کی علامت پہچان ارشاد ہو رہی ہے یعنی کفار کی بے دینی کی مجلسوں میں جانا ان کی ہاں میں ہاں ملانا۔ خیال رہے کہ اطباء اپنی کتب میں بیماریوں ان کے اسباب ان کے انجام پھر ان کی علامات کا ذکر کرتے ہیں پھر علاج و پرہیز بتاتے ہیں۔ قرآن کریم بھی طب ایمانی کی جامع کتاب ہے۔ لہذا محبت کفار کی علامت بیان فرمانے کے لئے ارشاد ہوا۔ **و قد نزل علیکم فی الکتاب** مکہ معظمہ

میں مشرکین مکہ قرآن مجید۔ اسلام کا مذاق اڑایا کرتے تھے تو قبل ہجرت مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا۔ **و اذا رایت الذین یخوضون فی ایاتنا فاعرض عنہم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ** کہ جب تم کفار کو دیکھو کہ وہ ہماری آیات کا مذاق اڑانے میں مشغول ہیں تو ان سے منہ پھیر کر الگ ہو جاؤ۔ حتی کہ وہ دوسری باتوں میں مشغول ہو جائیں۔ پھر جب مسلمان مدینہ منورہ آئے تو یہود و عیسائیوں کے پوپ پادری بھی یہ حرکتیں کرتے تھے۔ اسلام کا مذاق اڑاتا منافقین ان کے پاس بیٹھتے' ان کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ انہیں قبل ہجرت کا وہ حکم یاد دلایا جا رہا ہے۔ **نزل علیکم** سے مراد وہی مکی آیت ہے۔ جن میں کفار کے پاس بیٹھنے سے روکا گیا تھا۔ خیال رہے کہ نزول قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ حضور کی معرفت سب مسلمانوں پر نزول ہوا۔ چونکہ منافقین اپنے کو مسلمان کہتے تھے اس لئے علیکم میں ان سے خطاب ہوا۔ یعنی اے مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے منافقوں سب مسلمانوں پر یہ حکم ہجرت سے پہلے نازل ہو چکا ہے کہ **ان اذا سمعتم ایت اللہ یکفر بھا و یستھزاء بھا**۔ یہ عبارت آخر تک نزل کا مفعول یہ ہے۔ **ان** اصل میں **انکم** تھا ان کر دیا اور اس کا اسم حذف کر دیا۔ **سمعتم** میں خطاب مسلمانوں سے ہے۔ جس میں یہ منافقین اپنے دعویٰ کے مطابق داخل ہیں۔ کیونکہ شریعت کے ظاہری احکام منافقین پر جاری تھے۔ آیات اللہ سے مراد یا قرآنی آیات ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات یا خود حضور انور کی ذات بابرکات کہ یہ تمام رب تعالیٰ کی ذات و صفات کی نشانیاں ہیں۔ اگر آیات قرآنیہ مراد ہوں تو یکفر۔ سے مراد ہے آیات قرآنیہ کا انکار کرنا انہیں جھٹلانا اور استہزاء سے مراد ہے قرآن پاک کا مذاق اڑانا دل لگی کرنا یا کفر سے کوئی خاص کفر مراد ہے۔ یعنی جب تم کفار کو سنو کہ وہ قرآنی آیات کا انکار کر رہے ہیں ان کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ استہزاء کے معنی اس کے اقسام پہلے پارہ میں عرض کئے جا چکے ہیں۔ اور اگر آیات اللہ سے مراد حضور کے معجزات یا حضور کی ذات ہے تو کفر و استہزاء کے معانی بالکل ظاہر ہیں۔ **فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ**۔ یہ جملہ اذا سمعتم کی جزاء ہے' بیٹھنے سے مراد صرف بیٹھنا نہیں بلکہ ان کے ساتھ رہنا' اس مجلس میں موجود ہونا مراد ہے۔ لہذا ایسی مجلس میں کھڑا ہونا بھی حرام ہے جبکہ ان کی موافقت کرے یا خاموش رہے اگر ان کی تردید کے لئے وہاں بیٹھے یا کھڑا ہو تو اس کا حکم دوسرا ہے۔ **حتی یخوضوا**۔ انتہا ہے فلا تقعدو کی یعنی کفار کے ساتھ بیٹھنا مطلقاً حرام نہیں۔ ابھی تم ان کے بغیر ملے جلے دنیاوی کاروبار نہیں کر سکتے بلکہ اس وقت تک بیٹھنا حرام ہے۔ جب تک کہ وہ دوسری باتوں میں مشغول نہ ہو جائیں۔ جب وہ اور باتوں میں لگ جائیں تو تم کو ان کے پاس بیٹھنے کی اجازت ہے۔ "**انکم اذا مثلھم**" یہ اس بیٹھنے کی سزا کا ذکر ہے کم میں خطاب منافقین سے ہے۔ جو کفار کی موافقت' ان کی ہاں میں ہاں ملانے کے لئے ایسی مجلسوں میں بیٹھتے تھے۔ **مثلھم** سے مراد کفر اور مذاق اڑانے کے گناہ میں ان کفار کی طرح ہونا ہے۔ کیونکہ گناہ کرنا' کرانا' گناہ سے راضی ہونا' اس کی حمایت کرنا سب گناہ ہے۔ ایسے ہی کفر کرنا' کرانا اس سے راضی ہونا' اس کی حمایت کرنا سب کفر ہے۔ **ان اللہ جامع المنفقین والکفرین فی جھنم جمیعا**" یہ ان منافقوں کے اخروی عذاب کا ذکر ہے۔ یعنی جیسے دنیا میں منافق و کفار مجلسوں میں ان حرکتوں میں متفق و جمع رہتے ہیں۔ ایسے ہی یہ دونوں جماعتیں دوزخ میں بھی جمع رہیں گی۔ خیال رہے کہ یہاں نفس دوزخ میں جمع رہنے کا ذکر ہے نہ کہ دوزخ کے کسی خاص طبقے میں جمع ہونے کا منافق سب سے بدتر طبقے میں ہوں گے۔ جہاں عذاب بہت ہی سخت ہوگا۔ کھلے کافر دوسرے دوسرے طبقوں میں مگر دوزخ میں یہ سب ہوں گے۔

پھر نوعیت عذاب دوزخ میں رہنے کی ہمیشگی ذلت و خواری میں منافق و کافر یکساں ہوں گے۔ اس لئے یہ دونوں جماعتیں جمع ہوں گی مسلمان گنہگار اگر دوزخ میں بھیجے گئے تو وہ نوعیت عذاب مقدار عذاب مدت عذاب میں کافروں سے جداگانہ ہوں گے کہ انہیں پاک و صاف کرنے کے لئے دوزخ میں رکھا جائے گا کچھ روز کے لئے رکھا جائے گا۔ ذلیل و خوار نہ کیا جائے گا۔ کفار کو سزا دینے کے لئے ہمیشہ ذلت و خواری کے ساتھ رکھا جائے گا۔ لہذا یہ گنہگار مومن اگرچہ دوزخ میں جائیں گے مگر وہاں کفار کے ساتھ جمع نہ ہوں گے۔ دوزخ میں ہونا اور ہے وہاں دوزخیوں کے ساتھ جمع ہونا کچھ اور یعنی اللہ تعالیٰ دوزخ میں منافقین و کفار دونوں کو جمع فرمانے والا ہے اس لئے آج دنیا میں یہ دونوں جمع ہو کر یہ حرکتیں کرتے ہیں یہاں کا اجتماع وہاں کے اجتماع کی خبر دے رہا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے قرآن پڑھنے والے منافقوں کو یہ خوشخبری تو سنا دو کہ ان کے لئے مرتے وقت قبر میں بہت ہی دردناک عذاب ہے۔ مرتے وقت جانکنی سخت کفر پر جان نکلنا' قبر میں حشر میں امتحان میں ناکامی' فرشتوں کی مار' قبر کی وہشت و وحشت اندھیری' تنگی' اور دوسرے عذاب قیامت کی گھبراہٹ' وہاں کی دھوپ' شدت رسوائی' پھر دوزخ کے نیچے طبقہ میں نہایت ذلت و خواری کے ساتھ پھینکا جانا' تمام کفار کا خون پیپ فضلہ وغیرہ کھانا پینا سب کچھ ہی ان کے لئے ہے۔ خیال رہے کہ عذاب اور چیز ہے اور عذاب کا رنج و الم محسوس ہونا کچھ اور۔ آپریشن میں تکلیف ہوتی ہے مگر ٹیکہ لگا دینے سے اس تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔ مصری عورتوں نے جمال یوسفی میں محو ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے' کھال گوشت' ہڈی' کٹنے کی تکلیف ہوئی مگر اس کا احساس نہ ہوا اس لئے انہوں نے ہائے وائے نہ کی۔ کفار و منافقین کو دوزخ میں عذاب بھی ہو گا اور عذاب کا دلی احساس بھی۔ بعض گنہگار مومنوں کو اگرچہ عذاب ہو گا مگر ان کے دلوں میں کفار کی طرح احساس نہ ہو گا اس لئے عذاب الیم کو کفار و منافقین سے خاص فرمایا گیا ہے۔ مومن گنہگار کے دل میں نور ایمانی ہے۔ جس سے وہاں احساس تکلیف نہ ہو گا یا کم ہو گا۔ کافر کے دل میں وہ نور نہیں جس سے اسے احساس بہت ہی ہو گا۔ بعض مومنوں کو دنیاوی تکالیف کا احساس نہیں ہوتا۔ یہ منافق ایسے بے ایمان ہیں کہ مسلمانوں کے مقابل ہر کافر کو اپنا دلی دوست' مشیر' رازدار' مددگار بناتے ہیں جو مسلمانوں کا دشمن ہو وہ ان بد نصیبوں کا گہرا دوست ہے۔ مومن کو اولاً" تو کافر سے محبت ہوتی ہی نہیں اگر ہو تو دلی محبت نہیں ہوتی۔ مومن کا دل اللہ رسول کی محبت کے لئے وقف ہے۔ منافقین تمام کفار کو دلی دوست جگری یار بنائے ہوئے ہیں۔ کیا یہ لوگ ان کفار کے پاس عزت و عظمت تلاش کرتے ہیں۔ کیا ان کا خیال ہے کہ کفار سے ملنے جلنے میں عزت ملتی ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ رہنے میں ذلت و خواری ہے۔ ان کا یہ خیال بہت غلط ہے۔ کیونکہ عزت و عظمت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جسے چاہے عزت دے جس سے چاہے عزت چھین لے۔ اے منافقو تم پر تو مکہ معظمہ میں ہی یہ حکم نازل ہو چکا تھا۔ قرآن کریم کی آیات اس بارے میں آچکی تھی۔ کہ جب تم کسی قوم کو دیکھو کہ وہ اللہ کی آیتوں یعنی قرآنی آیات ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات آپ کی ذات و صفات' آپ کے کمالات کا انکار کر رہی ہے ان کا مذاق اڑا رہی ہے تو ان کی حمایت کے لئے ان کے ہاں میں ہاں ملانے کے لئے ان کی بکواس سننے کے لئے ان کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھو۔ اس سے علیحدہ ہو جاؤ اور جب تک کہ وہ کافر دوسری باتوں میں مشغول نہ ہو جائیں تب تک ان کے پاس ہرگز نہ بیٹھو۔ اس کے بعد ضرورت کے لئے بیٹھ سکتے ہو۔ خیال رکھو کہ اگر تم نے ایسی حالت میں کفار کے ساتھ نشست و برخاست کی تو تم بھی گناہ کفر بے دینی میں انہی کی طرح ہو جاؤ گے کہ وہ تو

کفر بک کر مجرم ہوں گے تم کفر کی حمایت کر کے یا سن کر مجرم ہو گے۔ خیال رکھو کہ اس اجتماع کا انجام یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ منافقوں اور کھلے کافروں کو دوزخ میں جمع فرمادے گا کہ منافقوں کو کھلے کافروں کی طرح ذلت و خواری کا دائمی عذاب دے گا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ کل قیامت میں کفار سے دور رہو تو دنیا میں بھی ان سے علیحدہ رہو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دنیا میں منافق لوگ مسلمانوں کے ساتھ رکھے گئے کہ ان پر شرعی احکام جاری کئے گئے مگر آخرت میں یہ لوگ کفار کے ساتھ ہوں گے کہ دنیا ظاہر کی جگہ ہے۔ آخرت باطن کی جگہ ہو گی۔ جسمانیت کا ظہور یہاں ہے۔ روحانیت کے ظہور وہاں ہو گا۔ **دوسرا فائدہ:** منافقوں کو دوزخ میں بمقابلہ کھلے کافروں کے زیادہ سخت عذاب ہو گا۔ کیونکہ دنیا میں ان کا کفر بھی سخت تر تھا جیسا کہ **نهم عنا ما** " **البما** " میں لھم کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا تھا کہ یہ تقدیم حصر کے لئے ہے۔ **تیسرا فائدہ:** کفار کے ساتھ دلی الفت و محبت طریقہ منافقین ہے۔ مومن کو کفر سے، کافر سے نفرت چاہئے۔ خصوصاً " مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار سے الفت کہ مسلمانوں سے نفرت ہو، کفار سے محبت۔ نفاق صریح ہے۔ جیسا کہ **الذین یتخذون الکافرین** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** دینی و قومی غدار کہیں عزت نہیں پاتا۔ نہ مسلمانوں میں نہ کفار میں عزت دین پر قائم رہنے سے ہے۔ عزت اللہ تعالیٰ کی ہے اس کی عطاء سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے کرم سے مسلمانوں کی اگر عزت چاہئے تو اسلام و مسلمانوں سے وابستہ رہو۔ درخت سے شاخ یا پتہ الگ ہو کر سرسبز نہیں رہ سکتا۔ اگرچہ اسے کتنا ہی پانی دیا جائے۔

ملت سے رشتہ اپنا تو استوار رکھ پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ!

یہ فائدہ **یبتغون عندهم العزة** سے حاصل ہوا۔ مسلمان اس سبق کو بھول گئے ہم نے دیکھا کہ صلح کل عالم کی نہ سنیوں میں عزت ہو نہ دوسروں میں۔ سنی سمجھتے ہیں کہ یہ وہابی ہے۔ وہابی سمجھتے ہیں کہ یہ سنی ہے۔ استقامت ہزار کرامت سے افضل ہے۔ **پانچواں فائدہ:** کفر کرنا کفر کرانا کفر سے راضی ہونا سب کفر ہے اور کفر کے درجہ میں برابر بلکہ کفار کی مجلسوں میں جانا بلا ضرورت ہو تو حرام ہے۔ انہیں سچا سمجھ کر ہو تو کفر ہے۔ بد مذہبوں کے جلسوں ماتم کی مجلسوں، نوحہ، تبرا کی محفلوں میں شرکت ہونا سخت جرم اگرچہ خود یہ حرکتیں نہ کرے اور اگر ان چیزوں کو اچھا سمجھ کر وہاں جائے تو خارج از اسلام ہے۔ یہ فائدہ **انکم اذا مثلهم** سے حاصل ہوا۔ حتیٰ کہ بے دینوں کی کتابیں دیکھنا بھی جرم ہے کہ اس میں خود بے دین ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ ایمان بہت اہم اور نازک چیز ہے، سستی اور مضبوط چیز کی زیادہ حفاظت نہیں ہوتی۔ نازک و قیمتی چیز کی حفاظت زیادہ اینٹ پتھر میدان میں ڈالے جاتے ہیں۔ روپیہ پیسہ مقفل صندوق میں زبان و آنکھ کی قدرت نے بڑی حفاظت فرمائی کہ زبان تو دانتوں کے درمیان ہونٹوں کے اندر رکھی کیونکہ یہ بہت اہم ہے، آنکھوں کو حلقہ کے اندر رکھا پلکوں کے ڈھکنے لگائے اندر پانی بھرا کہ تنکا پڑ جائے تو پانی بہالے جائے۔ ایمان اہم بھی ہے کہ آخرت کی تمام نعمتیں ایمان سے ہیں۔ اور عمر بھر کا ایمان ایک لفظ میں ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے قدرت نے اس کی حفاظت کا بہت انتظام فرمایا۔ کفار کی صحبت سے بچانا اس قیمتی اور نازک نعمت یعنی ایمان کی حفاظت کے لئے ہے۔ **چھٹا فائدہ:** کفار کی تردید یا ان میں اسلام کی تبلیغ کے لئے ان کے جلسوں میں جانا عبادت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوق عکاظ وغیرہ کفار کے میلوں میں تشریف لے جا کر تبلیغ فرمائی ہے۔ یہ فائدہ بھی مثلهم سے ہی اشارۃ "

حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** دنیا میں جس کو جس سے الفت ہوگی۔ آخرت میں اس کے ساتھ اسے جگہ ملے گی۔ دیکھو منافقین کو کفار سے الفت تھی تو رب تعالیٰ نے فرمایا **ان اللہ جامع المنفقین والکافرین** الخ لہٰذا اگر کسی خوش نصیب بندے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت و الفت ہو تو ان شاء اللہ اس کا حشر حضور کے ساتھ ہوگا۔ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم **المرء مع من احب** انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم گنہگاروں کو اپنا خوف، اپنے محبوب کا عشق عطا فرماوے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ جب کفار سے محبت عذاب کا باعث ہے بلکہ کفر ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ثواب کا باعث ہوگی اور ایمان کی جان۔ محبت اللہ و رسول تمام عبادات سے اعلیٰ عبادت ہے۔ خیال رکھو کہ کفار سے محبت دلی محبت اللہ کی محبت کے لئے قینچی ہے اور حضور کی محبت اللہ کی محبت کے لئے سوئی دھاگہ، قینچی کا کام ہے کاٹنا، سوئی کا کام ہے جوڑنا۔ کفار کی محبت اللہ سے الگ کرنے والی ہے۔ حضور کی محبت بندوں کو اللہ سے جوڑنے والی۔ دیکھو یہاں محبت کفار کو طریقہ منافقین قرار دیا۔ پھر محبت صالحین حضور کی محبت کا ذریعہ ہے۔ اور حضور کی محبت محبت الٰہیہ کا وسیلہ۔ بڑے ڈول کو موٹے رسے سے باندھتے ہیں۔ باریک تار اور پتلی رسیوں کے ذریعہ نبوت سے وابستہ ہو ولایت کے ذریعہ۔
آٹھواں فائدہ: کفار کی مجلسوں میں شرکت اتنی بری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت میں ہجرت سے پہلے بھی آیات اتاریں اور بعد ہجرت بھی گویا اس کی ممانعت مکی بھی ہے، مدنی بھی۔ جیسا کہ **قد نزل علیکم** الخ سے معلوم ہوا۔ جیسے سورۂ فاتحہ شریف مکی بھی ہے مدنی بھی۔ ایسے ہی یہ ممانعت مکی بھی ہے مدنی بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم منسوخ نہیں تاقیامت باقی ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف منافقوں کو ہی دردناک عذاب ہوگا تو کیا کھلے کافروں کو دردناک عذاب نہ ہوگا۔ دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کو بھی دردناک عذاب ہے۔ آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** منافقت کا دردناک عذاب صرف منافقوں کو ہے جیسے دوزخ کے نیچے طبقے میں ہونا یا تمام دوزخیوں کا خون پیپ فضلہ پینا۔ کفار کو دردناک عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہنا۔ ذلت و خواری وغیرہ غرضیکہ کفار کے لئے اور قسم کا دردناک عذاب ہے۔ منافقوں کو دوسری قسم کا دردناک عذاب ہوگا۔ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستی جرم ہے تو کیا کفار و مسلمانوں دونوں سے دوستی رکھنا درست ہے۔ **جواب:** وہ کام زیادہ جرم بلکہ کفر ہے اور یہ دوسرا کام یعنی دونوں قوموں سے الفت رکھنا جرم ہے مگر پہلی سے ہلکا یہاں سخت جرم کا ذکر ہے بلکہ حق یہ ہے کہ مومن و کافر دونوں قوموں سے الفت ہو سکتی ہی نہیں۔ ایمان نور ہے کفر تاریکی، ایک دل میں دونوں چیزیں کیسے جمع ہو سکتی ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ بڑے بڑے کافر حتیٰ کہ حضور کا قرین بھی حضور کی صحبت میں رہ کر مومن بن گئے۔ حضرت ثمامہ نے صرف دو دن تک حضور کو دیکھا مومن ہو گیا مگر منافق حضور کے پاس رہ کر مومن نہ بنے کافر ہی رہے۔ صحبت پاک نے ان میں اثر کیوں نہ کیا۔ **جواب:** اس لئے کہ ان کے دلوں کی تختی پر محبت کفار کے نقش جمے ہوئے تھے۔ صحبت یار کے نقش کیونکر جمتے۔ صحبت کے فیضان میں قصور نہیں ان دلوں میں قصور ہے۔ **چوتھا اعتراض:** حضور کی صحبت نے وہ نقش کیوں دھو نہ دیئے جب قرین شیطان اور دوسرے کفار کے دل سے وہ دوستیاں دھل گئیں۔ ان کی تختی دل کیوں صاف نہ ہوئی۔ **جواب:** اس لئے کہ ان کے نقوش پکی روشنائی کے تھے بلکہ کھدے ہوئے تھے۔ انہیں کون مٹائے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین کو اتنا سخت عذاب صرف اس لئے ہے کہ وہ کفار کو اولیاء یعنی مددگار یا دوست بناتے ہیں۔ تو چاہئے کہ سارے مسلمانوں کو سخت عذاب ہو کہ مسلمانوں بھی بہت دفعہ کفار سے مدد لیتے ہیں اور بارہا مسلمان کفار کو دوست بناتے ہیں۔ کافر بیٹے سے مسلمان ماں باپ محبت کرتے ہیں۔ جواب: اس اعتراض کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کو مددگار بنانا عذاب کا باعث ہے اور کفار کو اولیاء یعنی ولی گہرا دوست بنانا کہ ان کی محبت دل میں سرایت کر جائے یہ حرام ہے۔ ان سے عارضی محبتیں جنہیں صداقت یا محبت کہا جاتا ہے وہ جائز ہے وہ محبت بھی ان کے کفر کی بناء پر نہ ہو اور کسی بناء پر ہو۔ خیال رہے کہ محبت کفار محبت کردگار کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی اللہ والوں کی محبت محبت الٰہی کا تکملہ ہے۔ کسی کے دشمنوں سے محبت اس کی محبت کے منافی ہے مگر اس کے دوستوں سے محبت اس کی محبت کا تکملہ ہے۔ چھٹا اعتراض: اس آیت کریمہ میں تو فرمایا گیا کہ عزت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے مگر دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ عزت اللہ تعالیٰ کی اس کے رسول کی اور مومنوں کی ہے دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: کوئی تعارض نہیں یہاں عزت کی ملکیت کا ذکر ہے کہ عزت کا مالک وہی رب ہے اور وہاں عزت والا ہونے کا ذکر ہے کہ عزت والے اللہ تعالیٰ، رسول، مومن سب ہیں یا یہ کہو کہ یہاں عزت ذاتی کا ذکر ہے وہاں ذاتی عطائی دونوں کا۔ ذاتی کامل دائمی عزت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اس کی عطاء سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضور کے کرم سے مسلمانوں کو عزت حاصل ہے۔ ساتواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کو عزت میسر نہیں مگر آج دیکھا جا رہا ہے کہ کفار کی بڑی عزت ہے۔ آج امریکہ، برطانیہ، روس بلکہ ہندو بڑی عزت والے ہیں۔ جواب: یہاں دینی عزت کا حصر ہے اور کفار کو دنیاوی عزت حاصل ہے نیز یہاں دائمی عزت کا ذکر ہے کفار کو عارضی عزت حاصل ہے۔ مسلمان بعد وفات بھی دلوں پر راج کرتے ہیں۔ خواجہ اجمیری، داتا گنج بخش، حضور غوث پاک، امام حسین کے آستانوں پر ہندو عیسائی سر رگڑتے ہیں ان کے نام پر وجد کرتے ہیں یہ ہے اس عزت کا ظہور۔ آٹھواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے پاس صرف اس وقت نہ بیٹھو جب وہ کفر یا آیات کا مذاق اڑا رہے ہوں۔ پھر ان کے پاس بیٹھو ملو، جلو یہ بھی تو بے غیرتی ہے۔ جواب: کبھی دنیاوی کاروبار کے لئے ان کے پاس جانا ان کے پاس بیٹھنا پڑ جاتا ہے۔ اگر ان کے پاس بیٹھنا بالکل حرام کر دیا جاتا تو مسلمانوں کے کاروبار بند ہو جاتے۔ اس لئے اس کی اجازت دی گئی۔ نواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کو کفر و بے دینی آیات کا مذاق اڑانے سے روکو مت، صرف اتنا کرو کہ ان کے پاس سے بھاگ جاؤ یہ کون سی بہادری ہے بھاگنا بزدلی ہے بھگانا بہادری ہے۔ جواب: یہ آیات اس وقت کی ہیں جب مسلمانوں میں کفار کو ان حرکات سے روکنے کی طاقت نہ تھی۔ ان کے منہ میں پتھر نہ رکھ سکتے تھے۔ جب رب تعالیٰ نے یہ طاقت دیدی تو مسلمانوں پر لازم ہو گیا کہ بزور و قوت کفار کو ان حرکتوں سے روکیں اس کے لئے دوسری آیات و احادیث ہیں۔ بعض لوگوں نے جو ان آیات کو منسوخ کہا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیات شدت کی آیات سے منسوخ ہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں اس کا مقصد ہی کچھ اور ہے۔ جو نا قابل نسخ ہے یعنی کفار کے پاس ان کے کفر کی حمایت میں بیٹھنا حرام ہے وہ اب بھی حرام ہے اور قیامت تک حرام رہے گی۔ دسواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار و منافقین سب کے سب دوزخ میں یکجا ہوں گے۔ مگر دوسری آیت میں فرمایا گیا کہ منافقین دوزخ کے نیچے طبقے میں ہوں گے یعنی کھلے کافروں اور منافقوں کے درجے الگ الگ ہوں گے۔ آیات میں تعارض ہے۔ جواب: کوئی تعارض نہیں یہ دونوں قومیں دوزخ میں جمع ہوں گی اگرچہ درجوں میں الگ الگ

ہوں۔ بعض قیدی اے کلاس میں ہوتے ہیں۔ بعض بی میں بعض سی میں۔ مگر جیل میں سب ہوتے ہیں۔ ایسے ہی یہ بھی ہوں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منافق و کفار اگرچہ علیحدہ علیحدہ طبقوں میں ہوں گے مگر کبھی کبھی اکٹھے بھی ہوا کریں گے۔ جیسے ہر درجہ کے قیدی کبھی مل جل کر سزا دیئے جاتے ہیں۔ بہرحال آیات میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : دنیا کی الفتیں، محبتیں، لگاؤ، کھچاؤ وہاں کے روحانی تعارف و پہچان کا نتیجہ ہیں۔ یہاں منافقوں کا کفار سے محبت کرنا اس لئے ہے کہ ان کی روحیں کفار کی ارواح کی ہم جنس ہیں روح مومن، روح منافق الگ الگ جنس کی فردیں ہیں۔

حکایت : مکہ معظمہ میں ایک بی بی بہت خوش طبع ہر ایک کو ہنسانے والی تھیں وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ پاک آئیں اتفاقاً" یہاں مدینہ طیبہ میں ایک اور بی بی اسی صفت کی تھی۔ نہایت خوش طبع ہر بی بی کو خوش رکھنے، ہنسانے والی یہ بی بی صاحبہ مہاجرہ اس بی بی انصاریہ کے ہاں ٹھہری اسی کے ساتھ رہنے بسنے لگی۔ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا وہ انحو کہ مہاجرہ کہاں اتری۔ ام المومنین بولیں مدینہ والی انحو کہ انصاریہ کے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا روح اپنی ہم جنس کے پاس پہنچی۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز!!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ عزت تین قسم کی ہے عزت کسبی، عزت وہبی، عزت عطائی۔ عزت کسبی وہ جو اپنے عمل و کسب سے حاصل کی جائے۔ وہبی عزت وہ جو ماں باپ وغیرہ کی نسبت سے کسی کو حاصل ہو۔ عطائی عزت وہ جو بغیر کسی ظاہری ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے حاصل ہو۔ پہلی دو عزتیں ناقص بھی ہیں فانی بھی۔ تیسری یعنی عطائی عزت کامل بھی ہے باقی بھی چراغ کی روشنی تیل بتی وغیرہ اسباب سے ہے وہ ایک پھونک یا تیز ہوا سے ختم ہو جاتی ہے۔ اور چاند و سورج کی روشنی عطاء الٰہی سے ہے وہ کسی کی پھونک یا ہوا سے نہیں ختم ہوتی، منافقین کفار کے پاس کسبی عزت لینے جاتے تھے۔ مسلمانوں نے حضور کے وسیلہ سے عطائی عزت حاصل کی۔ درخت کے پتے وغیرہ جڑ کے وسیلہ سے کھاد دھوپ و ہوا کا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ ہرے رہتے ہیں، درخت سے الگ ہو کر پانی کھاد دھوپ ہوا سب کچھ پائیں مگر سوکھ جاتے ہیں۔ حضور سے الگ ہو کر قرآن وغیرہ کے ذریعہ ہم ایمان یا عزت نہیں پا سکتے۔ دنیا آخرت کا آئینہ ہے۔ جو وہاں ہونے والا ہے اس کی جھلک یہاں نظر آ رہی ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں منافقوں و کفار کا گٹھ جوڑ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ وہاں دوزخ میں کفار و منافقین کو جمع فرمانے والا ہے یہاں کا اجتماع وہاں کے اجتماع کو ظاہر کر رہا ہے۔ لہٰذا دل والوں کو چاہئے کہ نفس والوں سے الگ رہیں ورنہ وہ بھی نفس والوں کی طرح نفس والے بن جائیں گے بلکہ ان کے دل نفس ہو جائیں گے۔

نخست موعظہ پیر مجلس ایں جو نست کہ از مصاحب ناجنس احتراز کنید

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ ہم تمہاری قوم کے ساتھ ہزار بد اور چالیس ہزار نیکوں کو ہلاک کریں گے۔ آپ نے عرض کیا الٰہی نیک کاروں پر ہلاکت کیوں آئے گی۔ فرمایا اس لئے کہ یہ ان بدوں کے ہم پیالہ ہم نوالہ ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرب و بعد دلی معتبر ہے نہ کہ جسمی ابوجہل حضور سے قریب ہوتے ہوئے بھی دور رہا۔ اور حضرت اویس قرنی دور رہتے ہوئے حضور میں رہے۔ خیال رہے کہ سچی اور نہ مٹنے والی عزت اللہ تعالیٰ کی ہے اس نے اپنے حبیب کو عزت بخشی پھر

حضور کے ہاتھوں ان کے غلاموں مسلمانوں کو ملی۔ کفار کی عزت دھوکہ ہے۔ ذلت بد شکل عزت نمودار ہے جس کے لئے قرار نہیں۔ گھڑے کا پانی ختم ہو جاتا ہے نلکہ کا پانی کبھی ختم نہیں ہوتا کہ نلکا کا کنکشن پانی کے مرکز سے ہے۔ مسلمان کی عزت کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے وہ کبھی ختم نہیں ہوتی مومن کی قبر کی مٹی بھی عزت والی ہے۔ کفر و الحاد کی مجلس گرد و غبار ہیں۔ شیشہ دل کو ان سے دور رکھو ورنہ میلا ہو جائے گا۔ (از روح البیان مع زیادۃ)۔

الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوٓا أَلَمْ
وہ جو انتظار کرتے ہیں تمہارے متعلق پس اگر ہو تمہاری فتح اللہ کی طرف سے تو کہتے ہیں
وہ جو تمہاری حالت تکا کرتے ہیں تو اگر اللہ کی طرف سے تم کو فتح ملے کہیں کیا ہم

نَكُنْ مَّعَكُمْ وَإِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوٓا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ
کیا نہ تھے ہم ساتھ تمہارے اور اگر ہو واسطے کافروں کے حصہ تو بولیں کیا نہ قدرت رکھتے تھے ہم تم
تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کا حصہ ہو تو ان سے کہیں کیا ہمیں تم پر قابو نہ تھا اور

عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ
پر تمہارے اور روکا ہم نے تم کو مسلمانوں سے پس اللہ فیصلہ فرمائے گا درمیان تمہارے دن
ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچایا تو اللہ تم سب میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا

الْقِيٰمَةِ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللَّهُ لِلْكٰفِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴿١٤١﴾
قیامت کے اور ہرگز نہ کرے گا اللہ واسطے کافروں کے مسلمانوں پر کوئی راستہ
اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دے گا۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں منافقوں کی کفار دوستی کا ذکر تھا۔ اب ان منافقوں کی مسلمان دشمنی کا تذکرہ ہے۔ کہ وہ کافروں کے دوست ہیں۔ تمہارے دشمن۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں منافقین کی عزت کی طلب کا ذکر فرمایا گیا کہ یہ لوگ کفار سے دوستی رکھتے ہیں، جان طلبی کے لئے اب ان کی حرص مال کا ذکر ہے کہ یہ لوگ مال کے بھی حریص ہیں جدھر مال ادھر ہی ان کا خیال۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ کفار کی حمایت کرنے والا انہیں کی مثل ہو گا اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ کفار کی طرح منافق بھی ایک حال پر قائم نہیں رہتے۔ یہ کفار کی دوستی و محبت کا نتیجہ ہے۔ قرار و ثبات اللہ تعالیٰ مومن کو ہی دیتا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ

منافقوں کو کفار سے محبت ہے نہ کہ تم مسلمانوں سے جس کا ایک ثبوت تو یہ دیا گیا کہ وہ کفار کی ناجائز مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں اور دوسرا ثبوت اب دیا جا رہا ہے کہ وہ تمہاری شکست کفار کی فتح پر بھی خوشیاں مناتے ان سے مال مانگتے ہیں یعنی ان کی محبت کفار کا ذکر پہلے تھا اس محبت کی ظاہری علامات یا محبت کی وجہ اب بیان ہو رہی ہے۔

تفسیر : **الذین یتربصون بکم** یہاں **الذین** میں چند احتمال ہیں۔ یا تو یہ گزشتہ **الذین یبخلون** کا بدل ہے یا جامع المنافقین میں جو منافقین تھا اس کی صفت ہے۔ پہلی صورت میں یہ منصوب ہے۔ دوسری صورت میں مجرور یا پوشیدہ فعل ازم کا مفعول ہے۔ لہٰذا اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ **یتربصون** تربص سے بنا جس کا مادہ ربص ہے۔ تربص کسی چیز کے حاصل ہونے یا زائل ہونے کے انتظار کو کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **فتربصوا انی معکم من المتربصین**۔ فرماتا ہے۔ **والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلٰثۃ قروء** یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں تمہاری شکست کا انتظار کرتے ہیں تاکہ وہ خوش ہوں یا تمہاری فتح و کامرانی کے منتظر ہیں کہ وہ غنیمت میں حصہ لیں **بکم** یا تو۔ **تربصون** کا مفعول ہے ب زائدہ یا دراصل وقوع امر بکم تھا۔ وقوع مفعول اور بکم اس پوشیدہ وقوع کا متعلق ہے (روح المعانی)۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان منافقوں کو کافروں کے ساتھ دوزخ میں جمع فرما دے گا جو تمہارے متعلق حوادثات کا انتظار کرتے رہتے ہیں کہ مسلمان کب کسی مصیبت کا شکار ہوں اور ہم خوشیاں منائیں۔ **فان کان لکم فتح من اللہ قالوا الم نکن معکم**۔ یہ جملہ **یتربصون** کا بیان ہے۔ فتح کے معنی ہیں کھل جانا۔ جنگ میں کامیابی کو فتح اس لئے کہتے ہیں کہ اس کامیابی سے دشمن کا ملک فاتحین کے لئے کھل جاتا ہے۔ جہاد میں کامیابی کو فتح اس لئے کہتے ہیں کہ اس کامیابی سے دنیاوی ترقی کے دروازے دین کی تبلیغ کے دروازے اللہ کی رحمت کے دروازے جنت کے دروازے غازیوں کے لئے کھل جاتے ہیں۔ یہاں فتح کی تنوین تعظیم کے لئے ہے کیونکہ جہاد میں فتح رب تعالیٰ کی عظیم الشان رحمت ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا **من اللہ** یہ جو فتح محض تمہاری کوشش ہتھیار وغیرہ سے نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ **قالوا الم نکن معکم** یہ عبارت **فان** کی جزاء ہے۔ **قالوا** کا فاعل وہی منافقین ہیں **نم نکن** کہہ کر بتا رہے ہیں کہ ہم پہلے سے ہی تمہارے ساتھ ہیں۔ معیت و ہمراہی سے مراد ہے کلمہ پڑھنے نماز پڑھنے یا مسجدوں میں آنے میں تمہارے ساتھ ہیں۔ یا جہاد میں تمہارے ساتھ چلے آئے تھے ہم بھی تمہاری طرح مجاہد غازی ہیں۔ لہٰذا ہم بھی غنیمت میں تمہارے برابر کے حصہ دار ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ جہاد میں چلے جانے والے منافقین تو معیت سے مراد لیتے ہوں عمل کی ہمراہی یعنی ہم جہاد کرنے میں تمہارے ساتھ تھے اور مدینہ میں رہ جانے والے منافقین معیت سے مراد لیتے ہوں تعاون یا دین کی ہمراہی کہ اگرچہ تم جہاد میں تھے مگر ہم مدینہ میں رہ کر تمہارے گھر بار کی دیکھ بھال کرتے تھے لہٰذا تعاون میں مذہب و ملت میں ہم تمہارے ساتھ تھے۔ لہٰذا ہم بھی مال غنیمت کے حقدار ہوئے۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے ان کا یہ قول تردید کے لئے نقل فرمایا نہ کہ تائید کے لئے مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ وہ جہاد میں جا کر عمل جہاد میں تمہارے ساتھ نہیں۔ مدینہ میں رہ کر تعاون و ایمان میں تمہارے ساتھ نہیں کیونکہ ان کے دل ان کی خیر خواہی تمہارے ساتھ نہیں بارگاہ الٰہی میں دل و جان و ایمان کی ہمراہی کا اعتبار ہے نہ کہ صرف جسم کی ہمراہی کا۔ **و ان کان للکٰفرین نصیب** یہ ان کی تصویر کا دوسرا رخ ہے۔ کافرین سے مراد عام کفار خصوصاً یہود و نصاریٰ ہیں جن سے عام طور پر مسلمانوں کی جنگیں رہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد مشرکین مکہ ہوں کہ منافقین ہر کافر کے فضلہ خوار تھے۔ نصیب فرما کر یہ بتایا کہ کامیابی تو مسلمانوں ہی کو ہوتی ہے کفار کو بھی عارضی غلبہ میں سے کچھ حصہ مل جاتا ہے وہ

بھی مسلمانوں کی کسی غلطی کی وجہ سے جس سے مسلمانوں کو تھوڑی سی تکلیف پہنچ جاتی ہے اگر مسلمان صدق نیت سے جہاد فی سبیل اللہ کریں تو ان شاء اللہ فتح ان کی ہی ہے۔ **قالوا الم نستحوذ علیکم** یہ عبارت **و ان کان للکافرین نصیب** کی جزاء ہے اس قالوا میں روئے سخن ان منافقین کا کفار کی طرف ہے۔ یہاں بھی ہمزہ استفہام کے لئے ہے۔ نستحوذ کا مادہ حوذ ہے۔ اس کے معنی ہیں غلبہ' قابو۔ رب فرماتا ہے۔ **استحوذ علیہم الشیطان** ان پر شیطان غالب آ گیا ان پر شیطان نے قابو پالیا' کبھی سختی سے اونٹ چلانے کو بھی حوذ کہتے ہیں۔ جبکہ اونٹ چلنا نہ چاہے اسے پیچھے سے مار مار کر چلایا جائے۔ کہا جاتا ہے **حاذ الابل** یہ سختی اونٹ کو ہانکا چلایا یہاں نستحوذ کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ یعنی کیا ہم کو تم پر قابو و غلبہ نہ تھا' ضرور تھا کہ ہم مسلمانوں کی مدد کرتے' تم کو شکست دے دیتے مگر ہم نے ایسا نہ کیا تو تمہاری فتح ہوئی یا تم تو مسلمانوں کے مقابل آنے کی ہمت نہ کرتے تھے ہم تم کو تھپکیاں تسلیاں دے دے کر تمہیں رغبت دے دے کر مسلمانوں کے مقابل لائے اور تم کو فتح ہوئی یہ فتح ہمارے کارناموں میں سے ایک کارنامہ ہے تم کو جنگ میں لانے والے ہم ہیں۔ ہماری ہمت سے تم یہاں آئے یعنی تب کفار سے کہتے ہیں کہ کیا ہم کو تم پر قابو و غلبہ نہ تھا کہ ہم مسلمانوں کی مدد کر کے تم کو شکست دیدیتے یا تم پر ہمارا زور نہ تھا کہ ہم زور دے کر تم کو مسلمانوں پر چڑھا کر لائے تو تم کو فتح ہوئی **و نمنعکم من المؤمنین** یہ عبارت نستحوذ پر معطوف ہے لم کے تحت میں ہے استفہام انکاری سے اس کا تعلق بھی ہے۔ مومنین سے مراد مجاہد مسلمان ہیں۔ نمنع بنا ہے منع سے یہ عطا کا مقابل ہے۔ یعنی نہ دینا' روکنا رب فرماتا ہے۔ **مناع للخیر** اور فرماتا ہے۔ **و یمنعون الماعون** کبھی بچانے اور حفاظت کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے یہاں اسی معنی میں ہے۔ اسی لئے اس کے بعد من آیا۔ اس جملہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ کیا اس جنگ میں ہم نے تم کو مسلمانوں سے نہ بچایا کہ تم تک ان کی خبریں جاسوسی کر کے بھیجتے رہے۔ ضعفاء مومنین کے دل میں تمہارا رعب ڈالتے رہے۔ مسلمانوں سے ہمت توڑنے والی گفتگو کرتے رہے۔ تب تم کو یہ فتح نصیب ہوئی۔ دوسرے یہ کہ پہلے تم تو مسلمان ہو چلے تھے ہم نے تم کو اسلام سے متنفر کیا اور مومنوں کے زمرہ میں داخل ہو جانے سے بچایا۔ ایمان لانے سے روک لیا۔ آج تمہاری یہ فتح ہماری اس کوشش کا نتیجہ ہے۔ (تفسیر کبیر و روح المعانی)۔ لہٰذا اس مال و منال میں ہم کو بھی حصہ دو جو تمہیں اس جنگ میں مسلمانوں سے ملا۔ **فا اللہ یحکم بینکم یوم القیمۃ** یہ کلام منافقین پر غضب کے اظہار کے لئے اور مسلمانوں پر کرم فرمائی' بندہ نوازی کے لئے ہے۔ حکم سے مراد عملی فیصلہ ہے کیونکہ قولی فیصلہ تو دنیا میں بھی ہو چکا' بینکم میں خطاب منافقین اور مخلصین مومنین سب سے ہی ہے۔ یعنی اے مسلمانو تمہارے اور منافقین کے درمیان عملی فیصلہ قیامت کے دن ہو گا کہ منافقین کفار کے ساتھ ہوں گے۔ تم سے الگ۔ دنیا میں ان کے ظاہری کلمہ گوئی نماز وغیرہ کی وجہ سے وہ تمہارے ساتھ رہتے بستے ہیں۔ دنیا کھیتی ہے جو قیامت میں کٹے گی اور اس دن دانہ بھوسہ علیحدہ کر دیا جائے گا۔ **و لن یجعل اللہ للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا** " ۔ یہ جملہ **فاللہ یحکم** الخ پر معطوف ہے۔ **لن یجعل اللہ** میں یا تو قیامت کی خبر ہے یا دنیا کی کافرین سے مراد تمام کفار ہیں۔ خواہ منافق ہوں یا کھلم کھلا مجاہرین میں خواہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین یا دوسرے لوگ سبیل کے معنی ہیں راستہ یہاں مراد غلبہ کا راستہ ہے لہٰذا اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں کفار کو مومنین پر غلبہ نہ دے گا۔ دنیا میں جنگ ڈول کی طرح ہے کبھی تم کو فتح' کبھی کفار کو ظاہری غلبہ مگر قیامت میں مومن غالب ہوں گے کہ ہماری

رحمت میں ہوں گے۔ کفار مغلوب کہ ہمارے عذاب میں ہوں گے۔ یہی حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تفسیر ہے۔ دوسری یہ کہ اگرچہ دنیا میں کبھی ظاہری فتح کفار کو بھی ہو جاتی ہے۔ مگر حقیقی دینی غلبہ اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر نہ دے گا کہ اسلام مغلوب ہو جائے کفر غالب آجائے کہ اسلام کی حقانیت کے دلائل غائب ہو جائیں یا اسلام دنیا سے مٹ جائے کفری کفر ہو جائے یا کفار مسلمانوں کو مذہبی حیثیت سے فنا کر دیں۔ یہ غلبہ کفار کو مسلمانوں پر کبھی نہ ہو گا۔ الحمد للہ کہ رب تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمایا۔ آج تیرہ سو برس سے زیادہ گزر جانے کے باوجود اسلام زندہ ہے۔ مسلمان موجود ہیں۔ اور اس گئے گزرے زمانہ میں بھی مسلمانوں کی تیس سلطنتیں دنیا میں موجود ہیں۔ لہٰذا آیت بے غبار ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : ان منافقوں کی بدذاتی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ یہ لوگ تمہارے متعلق انتظار کرتے رہتے ہیں۔ خود کچھ نہیں کرتے تمہارے حالات کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ اگر رب تعالیٰ کی طرف سے تم کو فتح و ظفر و کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ تمہارے دوست بن کر آتے کہتے ہیں کہ کیا ہم کلمہ میں نماز میں مسجد کی حاضری میں تمہارے ساتھ نہ تھے یا کیا ہم تمہارے ساتھ میدان جہاد میں نہ گئے۔ یقیناً گئے تو لاؤ غنیمت وغیرہ میں ہمارا بھی حصہ ہم کو دو اور اگر کبھی اتفاق سے کفار کو ظاہری غلبہ سے کچھ حصہ مل جائے تو کہتے ہیں اے کافرو ہمارے احسان یاد کرو کیا یہ بات درست نہیں ہے کہ ہم کو اس وقت موقعہ تھا کہ سچے دل سے مسلمانوں کی مدد کر کے تم کو شکست فاش دے دیتے مگر ہم نے ایسا نہ کیا ہم ان مسلمانوں سے الگ تھلگ رہے کہ جہاد کے میدان میں آکر بھی تم سے لڑے نہیں اور کیا یہ بات درست نہیں کہ ہم نے تم کو مسلمانوں کی مار سے بچایا یا ان کی خفیہ جنگی خبریں تم کو برابر پہنچاتے رہے۔ تمہارا رعب مسلمانوں کے دلوں میں ڈالنے کی کوشش کرتے رہے ہم نے ان کے ساتھ رہ کر کام تمہارا کیا تم کو ہر طرح بچایا لہٰذا تمہاری یہ فتح ہماری مدد سے ہے لہٰذا جنگ میں حاصل شدہ مال سے ہمارا حصہ ہم کو دو ان میں اور تم میں فیصلہ اور فاصلہ قیامت ہی میں ہو گا کہ تم جنت میں بھیجے جاؤ گے اور یہ منافق دوزخ میں۔ رہا دنیا کا معاملہ تو یہاں یہ منافقین تمہارے ساتھ ملے ہی رہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں کافروں کو مسلمان پر خلط ملط ہونے کی راہ اس کا موقعہ نہ دے گا یا منافقین کفار کتنا ہی زور لگالیں اللہ تعالیٰ کفار کو مسلمانوں پر غلبہ ء تام دنیا میں کبھی نہ دے گا کہ کفار اسلام کو مٹا دیں۔ مسلمانوں کو فنا کر دیں۔ دلائل و برہان سے اسلام کی حقانیت ختم کر دیں یہ کبھی نہ ہو گا۔ اسلام تاقیامت رہے گا۔ مسلمان بھی رہیں گے۔ دینی غلبہ مسلمانوں ہی کا رہے گا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جب کسی سے دلی الفت و محبت نہ ہو تو زبانی جسمانی ہمراہی بیکار ہے۔ سچی ہمراہی دل و جان کی ہے دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے منافقین کا یہ قول **الم نکن معکم** ان کے عیب میں ذکر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہم گنہگاروں کو اپنے اچھوں کے ساتھ دل کی ہمراہی نصیب فرمادے۔ **دوسرا فائدہ:** مومن و کافر دونوں سے تعلق رکھنا کہ جسم سے مومن کے ساتھ رہے دل سے کافر کے ساتھ یہ منافقوں کا طریقہ ہے۔ اور نقصان کا باعث ایسے لوگ دو گھر کے مہمان ہوتے ہیں اور اکثر دو گھر کا مہمان بھوکا رہتا ہے۔ جیسا کہ **الم نستحوذ علیکم** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** مسلمان کا کفار کی خفیہ پولیس بننا اور کفار کو مسلمانوں کے خفیہ جنگی راز بتانا منافقوں کا طریقہ ہے۔ جس میں آج بہت مسلمان گرفتار ہیں۔ جیسا کہ **و نمنعکم من المؤمنین** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** ان شاء اللہ تمام

دنیا کے منافقین، و کفار متفق ہو کر بھی اسلام اور مسلمانوں کو مٹا نہیں سکتے۔ جیسا کہ **و لن یجعل اللہ** الخ کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ تجربہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر مسلمانوں کو نقصان خود مسلمانوں سے پہنچتا ہے۔ مسلمانوں کی غداری کی شامت اعمال انہیں برباد کرواتی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** مسلمان کے خلاف کافر کی گواہی قاضی کے ہاں قابل قبول نہیں جیسا کہ **لن یجعل اللہ** الخ سے معلوم ہوا کہ اس میں بھی کافر کو مسلمان پر غلبہ دیتا ہے۔ **چھٹا فائدہ:** مسلمان عورت کا کسی کافر سے نکاح درست نہیں۔ یہ فائدہ بھی **لن یجعل اللہ** الخ سے حاصل ہوا کیونکہ خاوند کو بیوی پر غلبہ ہوتا ہے۔ **ساتواں فائدہ:** کافر مسلمان غلام کو نہیں خرید سکتا کیونکہ مولیٰ کو غلام پر غلبہ ہوتا ہے اور کافر کا غلبہ مسلمان پر شرعاً درست نہیں۔ (شوافع) کافر شخص، مسلمان غلام کو خرید تو سکتا ہے مگر اس سے خدمت نہیں لے سکتا۔ بجز اس کے کہ اسے یا تو آزاد کر دے یا اسے فروخت کر دے صرف خریدنے میں غلبہ نہیں بلکہ خدمت لینے کے استحقاق میں غلبہ ہے۔ (حنفی از روح المعانی)۔ **آٹھواں فائدہ:** مسلمان زوج کے مرتد ہو جانے سے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ مومنہ عورت فوراً اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے۔ یہ فائدہ بھی **و لن یجعل اللہ** الخ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ اگر اب بھی مومنہ عورت اس کے نکاح میں رہے تو اس مرتد کو اس مومنہ پر غلبہ حاصل ہو گا یہ درست نہیں۔ **نواں فائدہ:** کافر رشتہ دار مسلمان میت کا وارث نہیں ہو سکتا کیونکہ وارث اپنے مورث کے مال پر غلبہ پاتا ہے اور کافر کا غلبہ مومن پر درست نہیں یہ فائدہ بھی **لن یجعل اللہ** الخ سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** قیامت میں بلکہ مرتے ہی کسی کافر کو جنت کی کسی نعمت سے فائدہ نہ ہو گا۔ جنت اور وہاں کی نعمتیں صرف مسلمانوں کے لئے ہیں۔ یہ فائدہ **و لن یجعل اللہ** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ سبیل سے مراد قیامت کے دن کا غلبہ وغیرہ ہو۔ **گیارھواں فائدہ:** جہاد میں بری نیت سے شرکت کرنا، وہاں مسلمانوں کی شکست کفار کی فتح کی کوشش کرنا کفر اور طریقہ منافقین ہے۔

پہلا اعتراض: جب منافقین ایسے بدباطن غدار اور بے ایمان تھے تو ان کو جہادوں مسجدوں نمازوں میں آنے کی اجازت ہی کیوں دی جاتی تھی۔ جس سے انہیں ایسے بہانے تراشنے کا موقعہ ملتا تھا۔ **جواب:** اس میں بہت سی حکمتیں تھیں۔ اگر اس زمانہ میں ظاہری کلمہ گوئی کا اعتبار نہ ہوتا تو لوگ ایمان لانا چھوڑ دیتے۔ کہتے کہ ایمان لا کر بھی ہمارے جان و مال محفوظ نہ ہوں گے، مسلمان ہمارے ایمان کا اعتبار نہ کریں گے۔ نیز اس صورت میں جنگ و جدال کا دروازہ کھل جاتا کہ جسے بھی دوسرے سے دشمنی ہوتی وہ اسے منافق کہہ کر قتل کر ڈالتا اور بھی اس میں بہت سی حکمتیں تھیں۔ زمانہ فاروقی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرما دیا تھا کہ نفاق کوئی نہیں اب یا کفر ہے یا اسلام یعنی اگر کسی کلمہ گو کے منہ سے یا عمل سے کفر ظاہر ہو تو وہ قتل کیا جائے گا۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب الکبائر و النفاق کا آخر۔ زمانہ کی تبدیلی سے بعض احکام شرعیہ بدل جاتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں مسلمانوں کی کامیابی کو فتح فرمایا گیا اور کفار کی جنگی کامیابی کو نصیب فرمایا گیا۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اس فرق کے بیان میں یہ بتایا گیا کہ مسلمانوں کی جنگی کامیابی اللہ کی رحمت ہے۔ جس کے مسلمان عند تعالیٰ مستحق ہیں مگر کفار کی کامیابی رب تعالیٰ کی رحمت نہیں بلکہ مسلمانوں پر اظہار عتاب ہے کہ تم نے غلطی کی تم کو یہ سزا دی گئی۔ اس کامیابی کے کفار حقدار نہیں کسی عارضی وجہ سے انہیں اس سے حصہ مل گیا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **الم نستحوذ علیکم**۔ مگر صرفی قاعدے سے واؤ الف بن کر گر جانا چاہئے تھا۔ اس کا ماضی استحاذ مضارع یستحیذ آتا اور لم

نستخذ ہو تا جیسا کہ یقال یستعاذ وغیرہ میں ہوا ہے۔ جواب: واؤ کو الف سے بدلنے کی پانچ شرطیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس تبدیلی سے لفظ دوسرے لفظ سے مشتبہ نہ ہو التباس سے بے خوفی ہو یہاں یہ بے خوفی نہ تھی یہاں اگر یہ تبدیلی کروی جاتی تو معلوم نہ ہو تا کہ یہ حوذ معتل ولوی سے بنا ہے یا حیذ معتل یائی سے بنا اس لئے واؤ سلامت رہا۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین و مخلصین میں۔ فیصلہ قیامت کے دن ہو گا گویا ان کا فیصلہ دنیا میں نہ ہو چکا۔ قرآنی آیات نے فیصلہ تو یہاں ہی فرمادیا۔ جواب: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ یہاں دنیا میں صرف قولی فیصلہ ہوا عملی فیصلہ جس سے ان دونوں فریق میں فاصلہ بھی ہو جائے نہ ہوا منافقین مخلصین کے ساتھ مخلوط رہے۔ قیامت میں فیصلہ بھی ہو جائے گا فاصلہ بھی یہاں فاصلہ والا فیصلہ مراد ہے۔ لہٰذا آیت کریمہ صاف ہے۔ پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کبھی مسلمانوں پر کفار کا غلبہ نہ ہو گا مگر آج تو اکثر کفار ہی کا غلبہ ہو رہا ہے مسلمان دبے ہوئے ہیں۔ پھر یہ آیت درست کیسے ہوئی؟ جواب: اس کے جوابات ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکے کہ یا تو یہاں اخروی غلبہ مراد ہے کہ قیامت میں یہ نہ ہو گا کہ کفار کو بخش دیا جائے جس سے وہ غالب آجائیں اور مسلمانوں کو دوزخ میں ٹھونس دیا جائے جس سے وہ مغلوب ہو جائیں تب تو آیت بالکل ظاہر ہے اور آیت کی روش سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں اخروی غلبہ ہی مراد ہے کیونکہ ابھی اس آیت سے متصل قیامت کا ذکر ہو چکا ہے یا دنیاوی غلبہ مراد ہے تو دینی غلبہ یا استحصالی غلبہ مراد ہو گا یعنی اگرچہ مسلمان کبھی مغلوب ہو جائیں اپنی کمزوری کی وجہ سے مگر دین اسلام ہمیشہ غالب رہے گا۔ اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے **لیظہرہ علی الدین کلہ** یا استحصالی غلبہ مراد ہے کہ کفار مسلمانوں کو جڑ سے نہ اکھیڑ سکیں گے کہ یہ قوم بالکل ہی ختم ہو جائے۔ اسلامی غلبہ کی مستقل تفصیل ہماری کتاب مواعظ نعیمیہ میں **ان الدین عند اللہ الاسلام** اور **الیوم اکملت لکم دینکم** کی تقریر میں ملاحظہ فرماؤ۔ چھٹا اعتراض: احادیث سے ثابت ہے کہ قریب قیامت مسلمان بالکل مٹ جائیں گے اسلام دنیا سے ختم ہو جائے گا۔ صرف کفار ہی رہیں گے جن پر قیامت ہو گی یہ واقعہ اس آیت کے خلاف ہو گا۔ جواب: اس موقعہ پر مسلمانوں کا ختم ہو جانا کفار کے ہاتھوں نہ ہو گا بلکہ ایک طیب ہوا چلے گی جس سے ہر مومن کی جان قبض کر لی جائے گی اگر اس وقت مومن رہتے تو اللہ کا ذکر کرتے "قیامت نہ آ سکتی" قیامت کی آفت جب آئے گی جب دنیا میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہو گا۔ غرضیکہ غلبہ کفار اور ہے اور یہ واقعہ کچھ اور۔

تفسیر صوفیانہ: صرف زبانی کلمہ جو دل میں داخل نہ ہو اس دانہ کی طرح ہے جو پتھر کے غبار یا چھتوں یا دیوار پر بارش کی وجہ سے اگ جائے جو فی الحال تو ہرا بھرا معلوم ہو تا ہے مگر اسے قرار نہیں ہوتا بہت جلد مرجھا جاتا ہے نہ پھل دیتا ہے نہ پھول۔ روحانی جنانی کلمہ خوانی کہ کلمہ طیبہ دل میں اتر جائے اس دانہ کی طرح ہے جو نرم اعلیٰ زمین میں بویا گیا ہو اس کے لئے بقا بھی ہے پھل پھول بھی اسی سے ملتے ہیں۔ منافقین کا کلمہ نمازیں جہادوں میں جانا صرف جسم و زبان سے تھا۔ دل ان کے اغیار کے ساتھ بلکہ کفار کے ساتھ تھے وہاں یار کا جلوہ کیسے آتا اس لئے ان سے وہ حرکتیں صادر ہوتی تھیں جو یہاں مذکور ہیں۔ ان کے کلمہ نے نجات کے پھول رحمت کے پھل نہ دیئے بلکہ مرتے ہی ان کا یہ درخت مرجھا گیا۔ مومن کا کلمہ دل کی گہرائیوں میں اترا ہوا تھا اس لئے وہ دنیا و آخرت میں ہرا بھرا رہا اور اس میں نجات مغفرت رحمت کے پھل پھول لگے اس کا فیصلہ اور دونوں درختوں میں فاصلہ قیامت میں کیا جائے گا۔ یہاں دونوں ہرے بھرے معلوم ہوتے ہیں اندھیرے حمام میں تندرست و بیمار یکساں معلوم

ہوتے ہیں۔ جب شمع نور آئے تو وہ تندرستوں بیماروں کو چھانٹ کر دیتی ہے باطل کا شور زیادہ ہوتا ہے مگر زور کم حق کا شور نہیں مگر اس میں زور بہت ہے۔ مومن کو چاہئے کہ دنیاوی ٹیپ ٹاپ اور یہاں کی زینت کے پیچھے نہ دوڑے بلکہ فتوحات الٰہیہ اور مشاہدہ حق کی کوشش کرے۔ دیکھو منافقوں کا رخ دنیا کی طرف تھا تو انہیں میدان جہاد میں بھی حجاب ہی رہا۔ طالبوں کے لئے دروازہ کھلا ہے۔ وہاں کوئی دربان بھی نہیں اگر حجاب و محرومی ہے تو وہ بندہ کی طرف سے ہے۔

تو محرم نیستی محروم ازانی   رہ نا محرماں اندر حرم نیست

یعنی تو محروم اس لئے ہے کہ محرم راز نہیں ہے بغیر احرام باندھے حرم شریف کا داخلہ ممنوع ہے۔ تو احرام میں دنیا کا لباس اتار کر قرب الٰہی والا احرام جو کفن کی شکل کا ہے پہنا جاتا ہے۔ تب کہیں حرم شریف میں حاضری کی اجازت ہوتی ہے۔ حرم قرب الٰہی میں داخلہ چاہتے ہو تو دل سے لباس شہوات اتارو لباس تقویٰ پہنو تب وہاں کے قابل ہوگے نامحرم منافق وہاں کا احرام باندھے بغیر جہاد میں گئے۔ محروم ہی رہے (از تفسیر روح المعانی)

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى
بیشک منافقین دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور وہ انہیں اس کی سزا دے گا اور جب اٹھتے ہیں نماز
بیشک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہ ہی انہیں غافل کرکے مار یگا اور
الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا
کی طرف تو اٹھتے ہیں سستی سے دکھلاوا کرتے ہیں لوگوں کو اور نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر
جب نماز کو کھڑے ہوں تو ہارے جی سے لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں
قَلِيْلًا ۙ (۱۴۲) مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى
بہت کم لٹکے ہوئے ہیں درمیان اس کے نہ اس طرف نہ اس طرف اور وہ جس کو
کرتے مگر تھوڑا بیچ میں ڈگمگا رہے ہیں نہ ادھر کے نہ ادھر کے اور جسے اللہ گمراہ کرے
هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا (۱۴۳)
گمراہ کر دے اللہ پس ہرگز نہ پاؤ گے تم واسطے اس کے راستہ
تو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ان منافقوں کی اس چال کا ذکر تھا جو وہ جہاد کے موقعہ پر چلتے تھے یعنی دو طرفہ نفع کمانے کی کوشش کرنا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان کی ہر عبادت بلکہ ہر ادا میں کوئی نہ کوئی سیاسی چال ہوتی ہے۔ نماز پڑھیں تو چال کے لئے کلمہ پڑھیں تو فریب کے لئے' ہر کام میں دھوکہ دینا چاہتے

ہیں۔ گویا ان کی خاص چال کے بعد عام فریب کاریوں کا ذکر ہے تاکہ مسلمان ان کے ظاہر سے دھوکہ نہ کھائیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں منافقین کی جہاد میں سستی غنیمت حاصل کرنے میں چستی کا ذکر تھا۔ جہاد کبھی کبھی ہوتا ہے اب ان کی نماز میں سستی ذکر اللہ میں بے رغبتی کا ذکر ہے۔ نماز و ذکر اللہ ہر دن اور ہر حال میں ہوتا ہے۔ یعنی ان کی وقتی علامات نفاق بیان فرمانے کے بعد دائمی علامات نفاق کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں منافقین کی دورنگی چال کا ذکر تھا کہ جہاد میں مسلمانوں سے بھی کمانا چاہتے ہیں اور کفار سے بھی۔ اب ان کی اس روش کے نتیجہ کا ذکر ہے کہ وہ نہ کفار ہی میں رہے نہ مسلمانوں ہی میں۔ دونوں طرف سے پھٹکارے گئے۔ غرضیکہ بیماری کا ذکر پہلے تھا۔ اور بیماری کے انجام یعنی ہلاکت کا ذکر اب ہو رہا ہے تاکہ مسلمان ان کا یہ حال دیکھ کر عبرت پکڑیں۔

تفسیر : ان المنفقين يخدعون الله کسی کلام کے اول میں اِنّ تین وجہ سے لایا جاتا ہے۔ مضمون کی اہمیت ظاہر فرمانے کے لئے۔ اس مضمون کا کوئی منکر موجود ہو اس کی تردید کے لئے۔ اس مضمون کا کوئی منکر ہو سکتا ہو اس کی فہمائش کے لئے۔ یہاں تینوں وجہیں ہو سکتی ہیں۔ منافق و مخلص دوست و دشمن کی پہچان پر قوموں کی بقا موقوف ہے۔ جو شخص یا جو قوم اپنے کھلے چھپے دشمنوں کو نہ پہچانے وہ ہلاک ہو جائے گی۔ نیز بعض ضعفاء مومنین منافقوں کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر اس مضمون کا انکار کر سکتے تھے۔ اس لئے اسے **ان** سے شروع فرمایا گیا۔ منافقین سے عقیدے کے منافق مراد ہیں جو دل میں کافر ظاہر میں مسلمان ہوں۔ ان کے یہ اعمال بعض نفاق اعتقادی ہیں بعض نفاق عملی جیسے نماز میں سستی ریا کے لئے اعمال کرنا نفاق عملی ہے۔ جس سے مسلمانوں کو بچنا لازم ہے۔ پھر منافقین عام ہیں۔ خواہ اس زمانہ کے منافق ہوں یا آئندہ تاقیامت کے منافق۔ **يخادعون** کی تحقیق پہلے پارے کے شروع میں ہو چکی یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ بنا ہے خدع سے بمعنی چھپانا یا غائب ہونا کہا جاتا ہے۔ خدعت الغب گوہ چھپ گئی اور کہا جاتا ہے **خدع الريق فی الفم** تھوک منہ میں خشک ہو گیا' غائب ہو گیا' جذب ہو گیا۔ اس کے معنی رک جانا بھی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ **خدع المطر** بارش رک گئی اور کہتے ہیں **السنين الخوادع** قحط کے سال کہ پیداوار رک گئی اصطلاح میں جب اس کا فاعل بندہ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں چھپ کر سازش کرنا' فریب' دھوکہ دینا اور جب اس کا فاعل رب تعالیٰ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں مجرم کے خلاف سزا کی خفیہ تدبیر کرنا جس کا اسے پتہ نہ چلے اس کا فاعل رب تعالیٰ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں مجرم کے خلاف سزا کی خفیہ تدبیر کرنا جس کا اسے پتہ نہ چلے ہر وقت ہی نامعلوم ہو۔ **يخادعون** مضارع ارشاد ہوا۔ دوام و استمرار بتانے کے لئے امام زجاج فرماتے ہیں کہ یہاں رب تعالیٰ نے ذکر اپنا کیا مگر مراد لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو (تفسیر کبیر' روح المعانی) یعنی منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ دھوکہ دیتے رہتے ہیں کہ حضور کے خلاف خفیہ سازشیں کرتے رہتے ہیں' نیک اعمال کرتے ہیں تو دھوکہ دہی کے لئے۔ خیال رہے: کہ یہاں ان کے دھوکہ دینے کا ذکر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دھوکہ کھانے کا ذکر نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں سے کبھی دھوکہ نہ کھایا۔ دھوکہ وہ کھائے جو اصل حقیقت سے بے خبر ہو۔ حضور انور کا ہاتھ تو تمام کی ایمان کی تعریف پر ہے پھر حضور کیا دھوکہ کھائیں۔ چونکہ منافقین حضور کے اس علم کے منکر تھے اس لئے حضور کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے تھے۔ حضور کے علم کا انکار منافقین ہی کیا کرتے تھے۔ **وهو خادعهم**۔ یہ عبارت گذشتہ جملہ پر معطوف ہے **هو** کا مرجع

رب تعالیٰ ہے۔ یہاں خادع کے معنی ہیں ان کو سزا دینے کی خفیہ تدبیر خادعھم سے مراد یا تو دنیا میں خفیہ سزا دینا ہے کہ ان پر ظاہری کلمہ گوئی کی وجہ سے مسلمانوں کے احکام جاری فرما دیئے۔ انہیں مسجدوں میں آنے کی اجازت دے دی۔ اور یہ جمالہ نہ کیا گیا۔ ان کی منافقت کے باوجود ان کو دنیاوی نعمتیں عطا فرمائیں جس سے وہ سمجھے کہ ہم خدا کے پیارے ہیں۔ حضور کی مجلس پاک میں باریابی وغیرہ جس سے وہ دھوکہ کھا گئے کہ آئندہ آخرت میں بھی مسلمانوں کی طرح بخشے جائیں گے مگر مرتے ہی پتہ لگا کہ ہم دھوکہ کھا گئے یا یہ سزا آخرت میں ہوگی کہ انہیں قیامت میں مسلمانوں کی طرح اولاً ”نور دے دیا جائے گا۔ جب پلصراط کے اندھیرے پر پہنچیں گے تو مسلمانوں کا نور تو باقی رہے گا ان منافقوں کا نور بجھ جائے گا اور یہ وہاں سے نور سے رہ کر حیران و پریشان ہو جائیں گے۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ **و اذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالی**۔ یہ ان کے اجمالی فریب کی کچھ تفصیل ہے۔ یا ان منافقوں کی خاص علامت اذا دوام کے لئے ہے بمعنی جب بھی قیام سے مراد نماز کے لئے اٹھنا ہے نہ کہ نماز میں قیام جو نماز کا فرض ہے اس لئے اس کے بعد الی آیا۔ **کسالی** کسلان کی جمع ہے۔ جیسے سکران کی جمع سکاریٰ اس کا مادہ کسل ہے۔ بمعنی کاہلی، سستی یا بوجھل ہونا۔ یعنی وہاں سستی کرنا جہاں سستی نہ چاہئے۔ یعنی یہ منافقین جب بھی نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو سستی سے اٹھتے ہیں اس سستی کی بہت صورتیں ہیں بلاوجہ مسجد میں حاضر نہ ہونا۔ بلاوجہ جماعت ترک کرنا، اکیلے نماز پڑھنا، جماعت میں پیچھے پہنچنا جبکہ ایک آدھ رکعت طے بغیر، ٹوپی ننگے سر یا بغیر کرتا، ننگے بدن نماز پڑھنا۔ ارکان نماز درست طریقہ سے ادا نہ کرنا یہ ایک کلمہ ان سب صورتوں کو شامل ہے۔ اور یہ تمام منافقین کی علامت ہے۔ **یراء ون الناس** یہ عبارت گذشتہ مضمون کی وجہ ہے یعنی اس سستی کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے لئے نماز نہیں پڑھتے تاکہ شوق و ذوق سے پڑھیں بلکہ لوگوں کو دکھلاوے کے لئے پڑھتے ہیں تاکہ انہیں لوگ کافر نہ سمجھ لیں۔ **یراء ون**، **ریاء** سے بنا ہے بمعنی دکھلاوا الناس سے مراد مخلص مسلمان ہیں۔ اس الناس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں کہ حضور کو دکھلانے کے لئے انہیں راضی کرنے کے لئے عمل کرنا تکمیل ہے ریا نہیں۔ خیال رہے کہ ریاء کی دو صورتیں ہیں اصل عمل میں کہ لوگ دیکھیں تو عمل کرے ورنہ بالکل نہ کرے اور ریا وصف عمل میں کہ لوگوں کے سامنے اچھی طرح عمل کرے اکیلے میں معمولی طرح پہلی ریا میں اصل عمل کا ثواب نہیں۔ دوسری ریا میں اصل عمل کا ثواب ہے۔ کمال عمل کا ثواب نہیں یہاں پہلی قسم کی ریا مراد ہے۔ **ولا یذکرون اللہ الا قلیلا** ” - یہ جملہ یراءون پر معطوف ہے۔ اس میں منافقوں کے چوتھے عیب کا ذکر ہے۔ ذکر اللہ سے مراد یا تو نماز ہے یا نماز میں تلاوت قرآن و دعائیں وغیرہ پڑھنا، یا نماز کے سواء اور موقعوں پر اللہ کا ذکر کرنا یعنی وہ نماز نہیں پڑھتے مگر تھوڑی کہ جب مسلمانوں میں پھنسے نماز پڑھ لی جب ان سے علیحدہ ہوئے نہ پڑھی۔ یا عشاء و فجر نہ پڑھی۔ باقی تین پڑھ لیں یا جاڑوں میں نہ پڑھی، گرمیوں میں پڑھ لی۔ چونکہ نماز میں اول سے آخر تک لسانی، جنانی، ارکانی ذکر الٰہی ہے اس لئے نماز کو ذکر اللہ فرمایا گیا نماز کے سواء کسی عبادت میں اس طرح کا ذکر نہیں۔ یا نماز بہت جلد پڑھتے ہیں۔ اطمینان اطمینان سے نہیں پڑھتے ہر رکن میں اللہ کا ذکر بہت تھوڑا کرتے ہیں کہ نماز ان پر بوجھ ہے جسے جلد اتارنا چاہتے ہیں یا نماز کے علاوہ کسی وقت ان کے منہ پر اللہ کا نام نہیں آتا۔ ہمیشہ دنیاوی باتیں کرتے ہیں مگر ہاں بہت تھوڑا کہ کبھی رب کا نام نکل جاتا ہے۔ مومن کا حال ان کے خلاف ہے۔ وہ خلوت و جلوت میں نماز پڑھتا ہے۔ خوب اطمینان سے پڑھتا ہے، نماز کے علاوہ ہر وقت اس کے منہ پر اللہ کا نام اس کا ذکر رہتا ہے۔ **مذبذبین بین ذلک** یہ عبارت لایذکرون اللہ کے فاعل سے حال ہے۔ مذبذب بنا ہے ذب سے بمعنی دفع کرنا، روکنا،

دور کرنا۔ مذبذب وہ جسے ہر طرف سے دفع کیا جائے۔ مکھی کو ذباب اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ہر طرف سے دفع کی جاتی ہے۔ ذبذبہ ہوا میں لٹکی ہوئی چیز کی آواز کو کہتے ہیں۔ جو اس کے ہلنے سے پیدا ہو کہ وہ چیز بھی دو طرفہ دفع کی جاتی ہے۔ بہرحال اضطراب' پریشانی حرکت پر ذبذبہ بولا جاتا ہے اس کی دونوں ذالیں اصلی ہی ہیں جیسے صلصل' دمدم' ایسے ہی ذبذب' ذالک سے اشارہ ایمان و کفر کی حالت کی طرف ہے جو پچھلے مضمون سے معلوم ہوئی یعنی یہ منافقین ایمان و کفر کے درمیان لٹکے رہ گئے ہیں۔ بیچ میں ڈگمگار ہے ہیں' نہ ایمان پر انہیں قرار ہے نہ کفر پر بلکہ ہر طرف سے فرار ہے اور ہر ایک کی ان پر پھٹکار **لا الی هئولا ولا الی هئولا** یہ عبارت مذبذبین سے حال ہے۔ الی سے پہلے منسوبین پوشیدہ ہے۔ پہلے **هئولاء** سے مسلمانوں کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرے **هولاء** سے کفار کی طرف اشارہ یعنی ان منافقوں کی حالت یہ ہے نہ تو یہ مسلمانوں میں شمار ہیں کہ ان کے دل میں کفر ہے نہ کھلے کافروں میں شمار کہ ان کے منہ پر کلمہ طیبہ ہے اب یہ عجیب مخمصہ میں پھنسے ہیں کدھر جائیں اس جملہ کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ان منافقین کے دل میں تذبذب ہے کہ دین اسلام حق ہے یا کفر حق نہ وہ اپنے کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں' نہ پورا کافر ہی کیونکہ انہوں نے دنیاوی فتح اور مال دولت کو حقانیت کا مدار سمجھا ہے اگر مسلمانوں کو فتح کفار کی شکست ہو گئی تو اسلام کو حق سمجھنے لگے اگر اس کے برعکس ہو گیا تو کفر کو حق جاننے لگے۔ نیز وہ دو طرفہ نشست و برخاست رکھتے' فریقین کے دلائل سنتے ہیں' مسلمانوں کے بھی کفار کے بھی اس لئے متحیر ہیں کہ کسے حق کہیں اور کسے باطل' کبھی اسلام کو حق کہنے لگتے ہیں' کبھی کفر کو۔ جس چیز کی بنیاد دلائل پر ہوتی ہے اس کا انجام یہی ہوتا ہے ایمان کی بنیاد عشق پر چاہئے۔ **و من یضلل اللہ فلن تجد لہ سبیلا** " یہ ان تمام چیزوں کی اصل علت ہے۔ من سے مراد ہر شخص ہے کسے باشد۔ اضلال سے مراد ہے گمراہی پیدا فرمانا خود اس کی اپنی حرکتوں اور ہدایت کی ناقابلیت کی وجہ سے تجد میں خطاب یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے سبیل سے مراد ہے' حق و صواب تک پہنچانے والا راستہ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے مسلمان تم ان منافقوں کی گمراہی پر غمگین نہ ہو۔ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے کہ اس کی حرکتوں کی وجہ سے رب تعالیٰ اس کے دل میں گمراہی جمادے تو اس کے لئے راہ ہدایت آپ نہیں پا سکتے' نہ ہی وہ آپ کی تبلیغ سے ہدایت پا سکتے ہیں۔

خلاصہء تفسیر : ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے چند عیوب بیان فرمائے۔ اللہ رسول کو دھوکہ دینا' نماز میں سستی کرنا' اعمال میں ریاکاری کرنا' اللہ کا ذکر کم کرنا' تذبذب میں رہنا' ترتیب یہ رکھی کہ دھوکے وہی کا ذکر پہلے ہے اس کی سزا کے باقی چار عیوب کا ذکر بعد میں چنانچہ ارشاد ہوا کہ منافقین اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں اسی دھوکے دہی کی ان کو سزا دینے والا ہے یا آخرت میں سزا دینے کی خفیہ تدبیر فرما رہا ہے۔ جس کا انہیں پتہ نہیں یا اے محبوب منافقین اللہ کے رسول کو دھوکہ فریب دیتے رہتے ہیں کہ فریب کی نیت سے کلمہ نماز وغیرہ ارکان اسلام ادا کرتے ہیں۔ جہادوں میں بھی پہنچ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی ان کو دھوکہ دینے کی سزا ضرور دے گا ان کا حال یہ ہے کہ جب بادل ناخواستہ نماز کے لئے اٹھتے ہیں' سستی اور بے دلی سے اٹھتے ہیں مسجد میں آتے نہیں آئیں تو جماعت کے بعد' کبھی نماز پڑھ لیں' کبھی نہیں نماز پڑھیں تو اس طریقہ سے کہ ان کی بے دلی ظاہر ہوتی ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محض مسلمانوں کے دکھلاوے کو نماز پڑھتے ہیں تاکہ وہ انہیں منافق کافر نہ سمجھنے لگیں۔ اللہ کی رضا کے لئے نہیں پڑھتے' نماز بہت کم پڑھتے ہیں۔ سب کے سامنے پڑھ لیتے ہیں اکیلے میں

نہیں یا نماز میں اللہ کا ذکر بہت کم کرتے، تھوڑی سی دیر میں بہت رکعتیں پڑھ کر چل دیتے ہیں یا نماز کے علاوہ ان کے منہ پر اللہ کا ذکر بہت کم آتا ہے۔ ہمیشہ دنیاوی کلام یا غیبت و جھوٹ میں مبتلا رہتے ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ کے ذکر سے جبکہ اخلاص سے ہو اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور اللہ کی محبت سے اس کی اطاعت کا جذبہ ہوتا ہے یہ اطاعت ہی ایمان کی جان ہے۔ ذکر اللہ خواہ زبانی ہو یا عملی سب کا یہی حال ہے۔ دل سیاہی چوس کاغذ کی طرح ہے کہ جس کی یاد رکھی جائے اس کا محب و مطیع بن جاتا ہے۔ منافقین اولاً تو خدا کا ذکر کرتے ہی نہیں اور کرتے ہیں تو بہت تھوڑا پھر ان میں محبت و اطاعت کہاں سے ہو۔ ان کا پانچواں عیب یہ ہے کہ کفر و اسلام کے بیچ ان کی کشتی ڈگمگا رہی ہے نہ تو ان کا شمار مسلمانوں میں ہی ہے کہ ان کے دل میں کفر ہے۔ اور نہ ان کا شمار کفار ہی میں ہے کہ ان کی زبان پر کلمہ ہے' نہ مسلمان انہیں مسلمان سمجھیں' نہ کفار انہیں کافر جانیں' دو طرفہ پھٹکارے جاتے ہیں' اے محبوب جسے اللہ تعالیٰ ہی گمراہ کردے' تو آپ اسے راہ ہدایت کیسے دکھا سکتے ہیں۔ آپ ان کی گمراہی پر غمگین نہ ہوں۔ یہ رب تعالیٰ کے پھٹکارے ہوئے ہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دینا حقیقت رب تعالیٰ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرنا ہے جیسا کہ **یخادعون اللہ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہاں رب تعالیٰ نے اپنا نام لیا مگر مراد حضور کو لیا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم رب تعالیٰ کی تعظیم ہے۔ حضور کی گستاخی رب تعالیٰ کی گستاخی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** انسان جیسا جرم کرے گا ویسے ہی سزا پائے گا۔ دھوکہ دے گا' دھوکہ کھائے گا' کسی سے دشمنی کرے گا اس کی دشمنی کی جائے گی۔ جیسا کہ وھو خادعھم سے معلوم ہوا اسی طرح جیسی نیکی کرے گا۔ ویسی جزا دی جائے گی غرضیکہ جو بوئے گا وہ کاٹے گا۔ مولانا فرماتے ہیں۔۔

نان دہی از بہر حق نانت دہند جان دہی از بہر حق جانت دہند!

تیسرا فائدہ: نماز میں سستی کرنا منافق کی علامت ہے۔ مسلمان کو نہایت ذوق و شوق سے نماز ادا کرنی چاہئے۔ اکیلے نماز پڑھ لینا گھر ہی پڑھ لینا مسجد میں نہ آنا۔ مسجد میں پیچھے پہنچنے کی عادت ڈال لینا۔ سستی کے طور پر یا فیشن کے لئے ننگے سر۔ یا بغیر کرتہ نماز پڑھنا' اسی طرح آستینیں چڑھا کر گریبان کھلا چھوڑ کر نماز پڑھنا غرضیکہ جن کاموں سے بے پرواہی یا سستی ظاہر ہے وہ کرنا سب ممنوع ہے کہ یہ تمام سستی میں داخل ہیں اسی طرح تنگ وقت کرکے نماز پڑھنا' ارکان نماز' درست ادا نہ کرنا سب ممنوع ہے کہ یہ تمام چیزیں **قاموا کسالیٰ** میں داخل ہیں۔ منافقوں کی ہر علامت سے بچنا چاہئے۔ **چوتھا فائدہ:** ریاکاری کے لئے نماز پڑھنا طریقہ منافقین ہے نماز وغیرہ تمام عبادات محض رضاء الٰہی کے لئے کرنا چاہئے جیسا کہ **یراءون الناس** سے معلوم ہوا ریاکار آدمی کبھی نماز صحیح طور سے نہیں پڑھ سکتا۔ **پانچواں فائدہ:** نماز کے علاوہ بھی انسان کو اللہ کا ذکر زیادہ کرنا چاہئے اس لئے اسلام نے سوتے جاگتے کھاتے پیتے حتی کہ استنجا کو جاتے وقت بھی اللہ کے ذکر کی تاکید دی۔ بسم اللہ کرکے کھاؤ' پیو' فارغ ہو کر الحمد للہ کہو۔ آیت الکرسی پڑھ کر سوؤ آنکھ کھلتے ہی تیسرا چوتھا کلمہ پڑھو۔ وعدہ کرتے وقت ان شاء اللہ کہو اچھی بات سن کر الحمد للہ کہو تکلیف دہ یا غم کی بات سن کر لاحول شریف یا انا للہ پڑھو یہ تمام چیزیں کیوں ہیں۔ تاکہ مومن کی زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے۔ یہ فائدہ **ولا یذکرون اللہ** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** منافقین مذہباً" کافر ہوتے ہیں۔ قوماً" مسلمان یعنی مردم

شماری میں مسلمانوں میں گنے جاتے ہیں۔ مگر عقائد میں پکے کافر لہٰذا وہ نہ لوہر کے ہیں نہ اوہر کے بلکہ اوہر یعنی بیچ کے ہیں جیسا کہ **لا الی ھئولاء** الخ سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** دین میں حیرت بے اطمینانی طریقہ منافقین ہے اسے یقین نہیں ہوتا کہ کون سا دین سچا ہے۔ مسلمان کو اپنے اسلام کی حقانیت پر پورا پورا یقین ہوتا ہے۔ یہ فائدہ مذبذبین الخ سے حاصل ہوا۔ مومن کو چاہئے راحت و رنج، خوشی و غم ہر حال میں راضی رہے اسلام کو حق جانے رب تعالیٰ سے توفیق خیر مانگے۔ کتا بھی کسی حال میں اپنے مالک کا دروازہ نہیں چھوڑتا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے دیتے ہیں اور خدا تعالیٰ دھوکہ کھا جاتا ہے۔ دھوکہ وہ کھائے جو بے خبر ہو معلوم ہوا مسلمانوں کا خدا بے خبر ہے (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** اس کا بہت تفصیلی جواب پہلے پارے کی تفسیر یخادعون اللہ کی ماتحت دیا جا چکا ہے۔ یہاں بھی اس آیت کی تفسیر میں کبیر وغیرہ کے حوالہ سے گزر گیا۔ **دوسرا اعتراض:** اگر نماز میں سستی کرنا منافقوں کی علامت ہے تو آج نوے فی صدی مسلمان منافق ہیں۔ کیونکہ وہ نماز میں سستی کرتے ہیں، بلکہ پڑھتے ہی نہیں تو اب دنیا میں مسلمان کتنے رہ گئے۔ **جواب:** نماز میں سستی کرنا منافق کی علامت ہے جس سے بچنا چاہئے مگر محض یہ کام نفاق نہیں نہ اس سے کسی کو منافق کہا جاتا ہے۔ شی کی علامت اور ہے حقیقت کچھ اور ہر کوا کالا ہے مگر ہر کالا کوا نہیں، بہت سے آدمی بھینسیں گائیں کالے رنگ کے ہوتے ہیں۔ مگر کوے نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ نماز میں سستی نفاق عملی یعنی منافقوں کا سا کام ہے۔ مسلمان کو اس سے بچنا چاہئے، فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ نماز منافق کی ہے کہ سورج کے ڈوبنے کا انتظار کرتا رہے جب ڈوبنے لگے اور شیطان کے دو سینگوں کے درمیان آجائے تو اٹھ کر کوے کی طرح چار ٹھونگیں زمین پر مارے یعنی جلد جلد سجدے کرے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ منافقین اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں مگر اکثر منافقین بلکہ کفار ہر وقت رام رام یا اور طرح خدا کا نام لیتے رہتے ہیں۔ یہ آیت واقعہ کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہاں کمی مسلمانوں کے مقابلہ میں ہے کہ بمقابلہ مومن منافق ذکر اللہ کم کرتا ہے۔ جیسا کہ ابھی فوائد میں عرض کیا گیا۔ نیز اس کا ایک اور بہترین جواب تفسیر صوفیانہ میں آئے گا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافق نہ مومن ہیں نہ کافر بلکہ ان دونوں کے علاوہ کچھ اور ہیں۔ پتہ لگا کہ کفر و ایمان کے درمیان کوئی درجہ اور بھی ہے۔ حالانکہ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ کفر و ایمان کے درمیان کوئی درجہ نہیں۔ انسان یا مومن ہو گا یا کافر اہلسنت کا عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** منافقین پکے کافر خارج از اسلام ہیں۔ یہاں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ان کا شمار نہ کافر قوم میں ہے نہ مسلم قوم میں۔ انہیں مسلمان کہتے ہیں یہ کافر ہیں، کفار کہتے ہیں یہ مسلمان دونوں طرف سے پھٹکارے ہوئے ہیں۔ واقعہ اور چیز ہے، شمار کچھ اور چیز۔ ورنہ خود قرآن کریم نے بارہا منافقوں کو کافر فرمایا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جسے خدا گمراہ کر دے وہ ہدایت نہیں پاتا پھر اس گمراہ کا کیا قصور ہے اسے عذاب کیوں ہو گا؟ اسے تو اللہ تعالیٰ نے ہی گمراہ کر دیا ہے۔ **جواب:** اس کے جوابات بارہا دیئے جا چکے ہیں کہ رب تعالیٰ نے انہیں گمراہ کیا ان کی اپنی حرکتوں کی وجہ سے۔ کاسب گمراہی وہ منافقین ہیں، خالق گمراہی رب تعالیٰ وہ لوگ کسب کے مجرم ہیں۔ قاتل مقتول کے لئے کسب موت کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اس پر موت وارد کر دیتا ہے۔ مقتول کو موت دینے والا بھی رب تعالیٰ ہی ہے مگر پھر بھی قاتل مجرم ہے کہ اسباب موت اس نے مہیا کئے

نیز اس کے جواب کے لئے ہمارے تیسرے پارے کی تفسیر دیکھو۔ **ولو شاء اللہ ما اقتتلوا** کے ماتحت وہاں مسئلہ تقدیر تفصیل سے بیان کیا ہے اس جگہ یہ بحث بھی آگئی ہے۔ بہر حال آیت واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ : منافقین تو دنیا میں آکر اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں' مگر خود میثاق کے دن دھوکہ کھا چکے ہیں کہ جب روحوں پر نور کا چھینٹا مار آگیا' مومنوں پر پڑا کفار پر نہ پڑا منافقوں پر بھی نہ پڑا مگر وہ نور ان کو نظر آیا اور سمجھے کہ ہم پر بھی پڑ گیا ہے۔ کفار نے وہ نور نہ دیکھا دھوکہ کھایا غرضیکہ **وھو خادعھم** کا ظہور پہلے ہی میثاق کے دن ہو چکا ہے۔ اس دھوکے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو کلمہ' نماز' جہاد کا ڈھانچہ تو مل گیا مگر ان کے نور نہ ملے لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز میں کھڑے ہو گئے اس کے ذریعہ رب کو راضی نہ کر سکے۔ نیز یہ لوگ اللہ کا ذکر بہت تھوڑا کرتے ہیں کہ صرف زبان سے ذکر اللہ کرتے ہیں۔ قلب سے نہیں کرتے' زبان دنیا کی چیز ہے اور دنیا قلیل ہے۔ **قل متاع الدنیا قلیل** ' اور دل آخرت کی چیز ہے۔ آخرت کثیر ہے' زبان کا بہت ذکر بھی تھوڑا ہے۔ دل کا تھوڑا ذکر بھی بہت ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **فاذکروا اللہ ذکرا** " کثیرا- اللہ کا ذکر بہت کیا کرو۔ بہت ذکر کیا ہے۔ دل کا ذکر نیز منافقوں کا ذکر اللہ مردود ہے۔ مسلمانوں کا ذکر اللہ مقبول اور ذکر مردود بہت بھی ہو تو تھوڑا ہے۔ اور ذکر مقبول تھوڑا بھی ہو تو بہت ہے۔ ذکر اللہ مقبول وہ ہے جو ذکر رسول اللہ کے ساتھ ہو اور ذکر اللہ مردود وہ جو رسول اللہ کے ذکر سے الگ ہو مومن اللہ کا ذکر رسول کے ذکر کے ساتھ کرتا ہے۔ لہذا مقبول ہے منافق رسول کے ذکر سے کتراتا ہے۔ لہذا اس کا ذکر اللہ مردود ہے۔۔

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے

چونکہ منافقین نے میثاق کے دن نور کا چھینٹا دیکھا تھا پایا نہ تھا اس لئے ان کے دل دماغ ذکر الٰہی سے محروم ہیں۔ صرف زبان پر ذکر ہے جو غیر مقبول ہے یہ منافقین نہ تو ان خوش نصیبوں میں سے ہوئے جن پر نور کا چھینٹا پڑا نہ ان میں سے ہی ہوئے جو بالکل اس چھینٹے سے محروم رہے۔ اس کا مشاہدہ بھی نہ کر سکے۔ لہذا یہ لوگ نہ ان میں سے ہوئے نہ ان میں سے مذبذب ہی رہے۔ جسے خدا تعالیٰ گمراہ کر دے کہ اس چھینٹے سے محروم کر دے تو یہاں دنیا میں اس کے لئے اس نور کے پانے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **و من لم یجعل اللہ لہ نورا** " **فما لہ من نور**- رب تعالیٰ ہم کو اس ذکر کی توفیق دے جو کثیر ہے۔ یعنی ذکر قلبی و مقبول صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومن کے تین حفاظتی قلعہ ہیں۔ مسجد' ذکر اللہ تلاوت قرآن مجید جو ان میں سے ایک قلعہ میں بھی آگیا۔ وہ ان شاء اللہ شیطان سے بچ گیا۔ مبارک ہے وہ جو ان تینوں قلعوں میں رہے وہ ان شاء اللہ نفس' برے یاروں کے شر سے محفوظ رہے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ آئے گا جبکہ اسلام کا نام ہی رہ جائے گا۔ قرآن کریم کی صرف رسم رہے گی۔ مسجدیں رونق والی ہوں گی مگر ذکر اللہ سے ویران۔ اس مسجد خشت و گل کی بھی آبادی ذکر اللہ سے ہے اور مسجد روح و دل کی آبادی بھی ذکر اللہ سے ہے۔ (روح البیان)۔۔

آباد وہی دل ہے کہ جس میں تمہاری یاد ہے جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے!

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے نہ بناؤ کافروں کو دوست مسلمانوں کے کیا ارادہ کرتے ہو کہ

اے ایمان والو کافروں کو دوست نہ بناؤ مسلمانوں کے سوا کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے

الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾

بنالو اللہ کے لئے اوپر اپنے دلیل ظاہر

اوپر اللہ کے لئے حجت کر لو بے شک

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ

یقیناً منافق لوگ نیچے درجہ میں ہیں آگ کے اور ہرگز ان کا کوئی

منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقے میں ہیں اور ہرگز نہ پاؤ گے واسطے

لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ

مددگار نہ پائے گا مگر وہ جنہوں نے توبہ کی اور سنورے اور اللہ کی رسی مضبوط تھامی

ان کے مددگار سوا ان کے جو توبہ کریں اپنی اصلاح کریں اور پکڑ لیں اور اپنا دین

وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَسَوْفَ يُؤْتِ

اور اپنا دین خالص کر لیا واسطے اللہ کے پس یہ لوگ ساتھ ہیں مومنوں کے اور قریب ہے کہ

خالص اللہ کے لئے کر لیا تو یہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں اور عنقریب اللہ

اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾

اللہ مومنوں کو دے گا ثواب بڑا

مسلمانوں کو بڑا ثواب دے گا۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں منافقوں کی خرابی حال بیان فرمائی گئی تھی کہ وہ نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے۔ اب مسلمانوں سے فرمایا جارہا ہے کہ تم ان کی طرح نہ ہونا ورنہ تمہارا بھی یہی حال ہو جائے گا گویا پچھلی آیات میں خاص بیماروں کا ذکر تھا اب ہم کو ان بیماروں سے دور رہنے کا حکم ہے تاکہ یہ بیماری اڑ کر ہم کو نہ لگ جائے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں منافقین کی زبوں حالی کا ذکر تھا اب اس کی وجہ بیان فرمائی جارہی ہے یعنی کفار سے محبت 'کفر سے الفت تاکہ ہم اس سے دور رہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں منافقوں کی دنیاوی خرابی کا ذکر تھا وہ ہر طرف سے درکارے پھٹکارے ہوئے ہیں۔ اب ان کے اخروی عذاب کا ذکر ہے 'دوزخ' کے نچلے طبقے میں ہونا گویا دنیاوی

عذاب کے بعد ان کے اخروی عذاب کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں منافقین پر اظہار غضب تھا کہ وہ لوگ اپنے نفاق کی وجہ سے دنیاوی 'اخروی مصیبتوں' عذابوں میں گرفتار ہیں۔ اب اظہار کرم ہو رہا ہے کہ اگر یہ اب بھی نفاق سے توبہ کرکے سیدھے سادے مسلمان بن جائیں تو ہم بخش دیں گے۔ گویا بیماری نفاق کے بعد اس کے علاج یعنی توبہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

شان نزول: مدینہ منورہ میں آفتاب اسلام چمکنے سے پہلے انصار کی دوستیاں 'رضاعی رشتے محبتیں حتی کہ حلف یہود مدینہ' بنی قریظہ کے ساتھ تھے جن کی وجہ سے ان کے آپس میں بہت گہرے تعلقات تھے۔ جب انصار ایمان لائے اور کفار کی دوستی سے منع فرمایا گیا تو ان میں سے بعض حضرات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے کہ یا رسول اللہ اب ہم کس جماعت سے دوستی رکھیں 'ہمارے پرانے دوست تو کفار ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہاجرین مومنین سے دوستی رکھو تب حضور کی تائید میں یہ پہلی آیت **یا یہا الذین امنوا** الخ نازل ہوئی (تفسیر کبیر و خازن) غرضیکہ یہ آیت کریمہ انصار کے فہمائش کے لئے اتری۔

تفسیر: **یایہا الذین امنوا لا تتخذوا الکفرین اولیاء۔** چونکہ انصار کا یہود سے صدیوں کی دوستیاں یکدم توڑ دینا آسان نہ تھا بظاہر سخت مشکل تھا اس لئے رب تعالیٰ نے پہلے انہیں پیارے خطاب سے پکارا پھر حکم سنایا تاکہ خطاب کی لذت سے یہ مشکل کلام آسان ہو جائے ظاہر یہ ہے کہ **الذین امنو** سے مراد سارے ہی مسلمان ہیں اور کافرین سے مراد سارے کفار ہیں۔ کھلے کافر ہوں یا منافق لوگ اولیاء ولی کی جمع ہے بمعنی قریبی دوست **ولی** بمعنی قرب یعنی اے مسلمانو کسی کافر کو اپنا قریبی دوست نہ بناؤ کہ ایمان نور ہے کفر تاریکی ان میں قرب نہیں ہو سکتا۔ بعض نے فرمایا کہ **الذین امنو** سے مراد منافقین ہیں جو بظاہر مسلمان تھے اور کافرین سے مراد ہیں کھلے کافر بعض نے فرمایا **الذین امنو** سے مراد مسلمان ہیں اور کافرین سے مراد ہیں کھلے کافر مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے آخری دو تفسیریں خلاف ظاہر ہیں۔ (تفسیر روح المعانی) **من دون المومنین** - اس عبارت کی تفسیر ابھی کچھ پہلے ہو چکی کہ دون کے معنی سواء بھی ہیں اور مقابل بھی یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ مگر سواء کے معنی زیادہ مناسب یعنی صرف مسلمانوں کو دوست بناؤ 'مسلمانوں کے سواء کسی قسم کے کافر کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ **اتریدون ان تجعلوا للہ علیکم سلطانا** "مبینا"۔ ہمزہ استفہام کے لئے ہے اور استفہام اظہار غضب کے لئے تریدون میں خطاب انہی مسلمانوں سے ہے جنہیں پہلے پکارا گیا تھا۔ علی ضرر و نقصان کے لئے ہے یعنی اپنے خلاف اپنے مقابل سیدنا عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں اکثر سلطان بمعنی حجت و دلیل آتا ہے۔ یہ مذکر بھی آتا ہے مونث بھی۔ سلطان بنا ہے سلط سے بمعنی غلبہ بادشاہ کو سلطان اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ رعایا پر غالب ہوتا ہے اسی سے ہے مسلط کر دینا دلیل و حجت کو سلطان اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ مدعی اپنے مخالف مدعی علیہ پر غلبہ حاصل کرتا ہے یہاں سلطان سے مراد ہے اپنے نفاق و کفر پر دلیل و حجت یعنی کیا تم کفار سے دوستی کرکے یہ چاہتے ہو کہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے خلاف اپنے کفر و نفاق کی دلیل قائم کر دو۔ جس سے تم سخت سزا کے مستحق ہو جاؤ کیونکہ تمہاری کفار دوستی تمہارے منافق ہونے کی کھلی دلیل ہو گی جس کا تم سے جواب نہ بنے گا۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہاں اللہ سے مراد ہے اہل دین اللہ تب مطلب یہ ہو گا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کے رسول اور

مسلمانوں کے سامنے اپنے خلاف' اپنے کفر پر دلیل قائم کرو کہ وہ حضرات تم کو منافق و کافر سمجھنے کا فیصلہ کرلیں اور تم اپنی صفائی میں بیان نہ دے سکو۔ **ان المنفقین فی الدرک الاسفل من النار**۔ یہ منافقوں کی اخروی سزا کا ذکر ہے تاکہ مسلمان یہ سن کر نفاق سے بچیں' درک اور درجے دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اوپر سے نیچے کی طرف ترتیب کے لحاظ سے درک کہا جاتا ہے اور نیچے سے اوپر کی طرف ترتیب کے لحاظ سے درجہ کہتے ہیں۔ جنت کے درجات ہیں اور دوزخ کے درکات کہ جنت میں اونچا درجہ زیادہ اعلیٰ و افضل ہے اور دوزخ کا نیچا طبقہ زیادہ سخت و تکلیف وہ کثیف چیز نیچے گرتی ہے۔ لطیف چیز اوپر چڑھتی ہے۔ دیکھئے مٹی لوہا وغیرہ نیچے گرتے ہیں اور آگ و ہوا اوپر چڑھتی ہیں۔ نیکیاں اور نیک لوگ جنت کے درجوں کے مستحق ہیں۔ جیسی نیکی ویسا درجہ اونچا اور گناہ و گنہگار کثیف ہیں۔ وہ دوزخ کے درکات کے مستحق ہیں۔ جس درجہ کا دوزخی اس درجہ کے دوزخ کا نیچا طبقہ۔ اس لئے جنت اوپر ہے دوزخ نیچے درک کے لغوی معنی ہیں گہرائی سمندر کی گہرائی کو درک کہتے ہیں۔ اسی سے ہے اوراک یعنی بات کی تہہ اس کی گہرائی کو پالینا استدراک گہرے اعتراض کو دفع کردینا۔ خیال رہے کہ دوزخ کے سات طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ جہنم' دوسرا لظیٰ' تیسرا حطمہ' چوتھا سعیر' پانچواں سقر' چھٹا جحیم' ساتواں ہاویہ۔ مگر ساری دوزخ کو جہنم کہہ دیتے ہیں۔ یعنی پہلے طبقہ کے نام سے کل کو یاد کرتے ہیں۔ (تفسیر روح المعانی و خازن و کبیر وغیرہ)۔ چونکہ منافق دراصل کافر بھی تھے' دھوکہ باز بھی' اسلام کا مذاق اڑانے والے بھی' ہر کافر کے فضلہ خوار بھی اسی لئے انہیں دوزخ کے نچلے طبقہ میں رکھا گیا جہاں تمام دوزخیوں کا خون' پیپ فضلہ گرے اور یہ اسے کھائیں۔ نیز وہاں آگ کی تیزی بھی زیادہ۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ہاویہ میں آگ کے صندوق ہیں جن میں یہ منافق بند کئے جائیں گے۔ ان کے دروازوں سے تمام دوزخیوں کے پیپ و خون وہاں پہنچیں گے جو ان کی خوراک بنیں گے (روح المعانی) **و لن تجد لهم نصیرا**" یہ خطاب یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے' نصیر سے مراد ہے مددگار دنیا میں یا آخرت میں۔ دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ یعنی تم دنیا میں منافقوں کا مددگار کوئی نہ پاؤ گے جو انہیں ہدایت دیدے یا آخرت میں ان کا مددگار کوئی نہ پاؤ گے جو انہیں شفاعت کرکے اس طبقے سے یا دوزخ سے نکال دے۔ یا ان کا عذاب ہلکا کردے مصیبت کے وقت کسی کا سہارا نہ ہونا اور بے یارو مددگار رہ جانا مصیبت کو سخت تر کردیتا ہے۔ خیال رہے کہ حضور کی شفاعت و مددگار چار قسم کی ہوں گی۔ رفع درجات کی جو انبیاء' اولیاء بے گناہ مسلمانوں کے لئے ہے عذاب سے رہائی یا میعاد عذاب میں کمی کی شفاعت' یہ ہم گنہگاروں کے لئے ہے۔ عذاب ہلکا کرانے کی شفاعت یہ بعض کفار کے لئے ہوگی۔ جیسے ابو طالب بلکہ ابولہب کے لئے ہوئی۔ منافقوں کے لئے ان میں سے کوئی شفاعت نہیں کہ یہ دشمن رسول ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ مدد دو قسم کی ہے۔ طاقت و قوت سے مدد۔ دوسری سفارش و شفاعت سے مدد۔ قوت و مقابلہ کی مدد کوئی نہیں کرسکتا۔ خدا پر کسی کا زور نہیں۔ سفارش و شفاعت کی مدد میں دون اللہ نہیں ہے۔ **انما ولیکم اللہ و رسولہ** منافقوں کی مدد کسی قسم کی نہ ہوگی۔ **الا الذین تابوا و اصلحوا** چونکہ منافقین کے جرم بہت بھی تھے اور سخت بھی اس لئے ان کی تبدیلی حالت کے واسطے رب تعالیٰ نے چار شرطیں لگائیں۔ ایک شرط توبہ یعنی گذشتہ منافقت اور چالاکیوں پر نادم ہو جانا اور آئندہ کے لئے اصلاح عمل یعنی گزشتہ گناہوں سے باز آجانا اور آئندہ کے لئے اعمال اچھے کرنا تابوا اور اصلحوا دریائے ناپید اکنار ہیں۔ جن میں تقویٰ و پرہیزگاری کے سارے ارکان کا اجمالی ذکر ہو گیا۔ **و اعتصموا باللہ و اخلصوا دینهم**۔ تیسری شرط یہ کہ اس توبہ اور درستی اعمال سے مقصود ہو رضاء الٰہی کی طلب نہ کہ

دنیاوی غرض اسی طلب رضا کو بیان فرمایا۔ **و اعتصموا باللہ** اللہ تعالٰی یعنی اس کے رسول یا اس کی کتاب یا اس کے دین کو مضبوطی سے پکڑنا کہ ہر کام رضاء رب کے لئے کرنا اس پر ہی بھروسہ کرنا۔ خیال رہے عربی میں اخذ بھی کہتے ہیں پکڑنے کو اعتصام بھی کہتے ہیں پکڑنے کو مگر اخذ مطلقاً پکڑنا اعتصام مضبوطی سے پکڑنا کہ چھوٹ نہ سکے اللہ کو پکڑنے سے مراد ہے اس کے رسول کا دامن پکڑنا۔ اس دامن کے پکڑ لینے سے دین و قرآن و ایمان سبھی کو پکڑ لیا جاتا ہے۔ چوتھی شرط بیان ہوئی دین کو خالص اللہ کے لئے اختیار کرنا چونکہ ہر مجرم سے اس جرم کی توبہ کرانی ضروری ہے۔ جس میں وہ گرفتار ہو حتی کہ اگر عیسائی کو عیسائیت سے توبہ کرانی ہو تو حضرت عیسٰی علیہ السلام و مریم کی بندگی کا اس سے اقرار کرایا جائے اگر مرزائی کو مسلمان کرنا ہو تو حضور کے خاتم النبیین ہونے کا اس سے اقرار کرایا جائے اگر شیعہ سے توبہ کرانی ہو تو خلفاء راشدین کی حقانیت کا اس سے اقرار کرایا جائے۔ اسے صرف کلمہ پڑھوانا کافی نہیں کہ وہ کلمہ تو پہلے ہی پڑھتا ہے چونکہ منافقین نماز روزہ تو پہلے ہی سے پڑھتے تھے۔ ان میں اخلاص نہ تھا ریا تھی اس لئے انہیں اخلاص کا حکم دیا گیا۔ ریاکار کو نیک اعمال سے نہ روکو بلکہ اس کی خرابی کو نکال دو۔ رب نے انہیں نماز روزے سے نہ روکا۔ اخلاص کا حکم دے کر اصلاح فرمادی۔ یعنی نہ تو یہ ہو کہ توبہ و نیک اعمال خالص دنیا کے لئے ہوں نہ یہ ہو کہ اللہ کے لئے بھی ہوں اور دنیا سازی کے لئے بھی۔ بلکہ خالص اللہ کی رضا کے لئے ہوں۔ لہذا اعتصام اور اخلاص میں تکرار نہیں۔ اعتصام کچھ اور رہا ہے اخلاص کچھ اور یا اعتصام سے مراد ہے دنیاوی دولت کی نیت نہ ہونا۔ اخلاص سے مراد ہے دنیاوی شہرت و عزت کا لالچ نہ ہونا اور بھی فرق کئے گئے ہیں۔ خیال رہے کہ الا گذشتہ ثبوت کو نفی اور گذشتہ نفی کو ثبوت کر دیتا ہے۔ یہاں پہلے منافقین کے عیوب و سزا میں پانچ ثبوت تھے اور دو نفی لہذا اس الا نے پانچ نفی اور دو ثبوت کر دیئے یعنی توبہ کر لینے والے منافقوں سے پانچ مذکورہ عیوب نفی ہو گئے اور دو صفات ثابت ہو گئیں۔ **الذین** سے تاقیامت منافقین مراد ہیں خواہ ایک دن کے منافق ہوں یا ایک ماہ کے یا سال بھر کے یا عمر بھر کے توبہ سے ان کی کایا پلٹ جائے گی جیسے پانچ منٹ کی بارش سال بھر کی خشکی دفع کر دیتی ہے۔ ایک منٹ کی سورج کی شعاعیں رات بھر کی شبنم کو دفع کر دیتی ہیں۔ یونہی ایک ساعت کی توبہ عمر بھر کے کفر نفاق گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ فرعونی جادوگر عمر بھر کے مشرک و مجرم تھے ایک آن کی توبہ سے ان کی کایا پلٹ گئی اس لئے الذین اور تابو کو بغیر قید ذکر فرمایا۔ جب وہ لوگ یہ چار کام کر لیں گے تب **فاولئک مع المومنین**۔ **اولئک** سے اشارہ انہی لوگوں کی طرف ہے جو وہ مذکورہ چار کام کر لیں معیت سے مراد ہے دنیاوی ہمراہی یا اخروی ہمراہی جسمانی ہمراہی یا روحانی و جناتی ہمراہی بہتر یہ ہے کہ یہ ساری ہمراہیاں مراد ہیں۔ المومنین سے مراد مخلص مسلمان ہیں یا حضرات صحابہ کرام یعنی اگر یہ منافقین یہ چار کام کر لیں۔ تو یہ لوگ صرف مومن ہی نہیں بلکہ ان مومنوں کے ساتھ شمار بھی ہو جائیں گے۔ جنہوں نے آج تک کبھی نفاق نہ کیا اور ان کا نفاق بالکل معاف فرما دیا جائے گا' پرانے مخلص اور یہ نئے مخلص دنیا کے درجات آخرت کے انعامات میں برابر ہوں گے۔ اس تفسیر سے آیت کریمہ پر کوئی اعتراض نہ رہا۔ **و سوف یؤت اللہ المومنین اجراً عظیما** "۔ یہ ان کے انعام کا ذکر ہے پہلے ان توبہ کرنے والوں کے انجام کا ذکر تھا۔ یعنی ان توبہ کر لینے والے منافقوں کا انجام تو یہ ہو گا کہ وہ پرانے مخلصین کے ساتھ ہو جائیں گے اور انعام یہ ملے گا کہ اللہ تعالٰی سارے مومنوں کو عنقریب بڑا ثواب دے گا۔ سوف فرمانے سے معلوم ہوا کہ ثواب دور نہیں ہے نزدیک ہے۔ جس کا کچھ حصہ دنیا میں' کچھ حصہ مرتے وقت' کچھ حصہ قبر و برزخ میں' کچھ حصہ قیامت میں اور باقی پورا حصہ بعد قیامت جنت میں عطا ہو گا اور ثواب بھی اتنا عظیم الشان ہو گا جو مخلوق کے وہم و گمان سے

وراء ہے کیونکہ وہ اجر عظیم ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانو خیال رکھو کہ کبھی کفار کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ مسلمانوں کے سواء تمہاری دوستی کے لائق کوئی نہیں۔ کیا تم کفار سے دوستی و محبت کر کے یہ چاہتے ہو کہ کل قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں تمہارے خلاف کھلی حجت و دلیل قائم ہو جائے اس دلیل کی بناء پر تم کفار کی طرح سخت عذاب کے مستحق ہو جاؤ۔ خیال رکھو کہ کفار سے دلی دوستی کرنا منافقت ہے اور ایسا شخص منافق ہے۔ منافقین کی سزا یہ ہے کہ وہ دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ ہاویہ میں رہیں گے جہاں دوسرے طبقوں سے عذاب سخت تر ہو گا اور تمام طبقوں کے کفار کے پیپ و خون و فضلات ان کی غذا ہو گی۔ کیونکہ یہ منافقین دنیا میں بھی ہر قوم کے فضلہ خوار رہے وہاں بھی اس کا اثر ظاہر ہو گا۔ نیز منافقین کا کوئی مددگار و غمخوار نہ ہو گا جو ان کا عذاب دفع یا ہلکا کر سکے۔ کیونکہ انہوں نے دنیا میں نفسانی دوست بت بنائے وہاں نفس بھی فنا کر دیا جائے گا اور نفسانی دوست بھی ختم ہو جائیں گے۔ وہاں دوستیاں اور مدد ایمانی رشتہ سے ہوں گی سواء ان لوگوں کے جو گذشتہ منافقت پر نادم و شرمندہ ہو کر توبہ کر لیں اور آئندہ کے لئے اپنے اعمال و احوال درست کر لیں۔ پھر یہ توبہ و درستی دنیا کے لئے نہ ہو بلکہ اللہ کے لئے ہو اللہ کی رسی یعنی اس کے رسول کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیں اور یہ دامن کا پکڑنا بھی خلوص سے ہو۔ دنیاوی غرض کو اس میں کوئی دخل نہ ہو اگر وہ لوگ یہ چار کام کر لیں تو وہ نہ یہ کہ صرف مومن ہو جائیں گے بلکہ پرانے مومنین و مخلصین کے زمرہ میں داخل ہو جائیں گے۔ دنیا و آخرت میں ان کے ساتھ رہیں گے۔ پرانے اور نئے ہونے کا فرق نہ کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ سارے مومنوں کو خواہ نئے ہوں یا پرانے بڑا ہی ثواب دے گا۔ دنیا میں بھی' مرتے وقت بھی' قبر میں بھی' قیامت میں بھی' جنت میں بھی' یہ اجر و ثواب اتنا بڑا ہو گا۔ جو تمہارے گمان و وہم میں بھی نہ آسکے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کافروں سے دوستی کرنا' منافقوں کا کام ہے۔ مسلمانوں کو اس سے بچنا لازم ہے۔ کافر مسلمان کا رشتہ دار تو ہو سکتا ہے مگر دوست نہیں ہو سکتا۔ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح درست ہے باوجود اس کے ان سے دوستی حرام ہے۔ دوستی اور چیز ہے' رشتہ کچھ اور یہ فائدہ لا تتخذوا الکافرین اولیاء سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ کافروں سے دینی محبت یعنی ان کے دین کو اچھا سمجھنا کفر ہے کہ کفر سے راضی ہونا کفر ہے اور کفار سے قومی دوستی یعنی کفار سے محبت کرنا سخت حرام اور شخصی محبت کہ کسی کافر آدمی سے کسی دنیاوی وجہ سے محبت کرنا خطرناک ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں پہلی دو دوستیاں مراد ہیں۔ جیسا کہ الکافرین کو جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ کفار کے بڑے دنوں ہولی دیوالی' بڑے دن وغیرہ کا احترام کرنا ان میں خوشی کرنا کفر ہے کہ کفار سے دلی دوستی کی علامت ہے۔ **دوسرا فائدہ:** قیامت میں بعض مسلمان کفار کے ساتھ دوستی کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے کہ وہاں ہر شخص اپنے دوست کے ساتھ ہو گا یہ فائدہ **اتریدون ان تجعلوا** الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** منافق کھلے کافر سے بدتر ہے۔ اس کا عذاب کھلے کافر کے عذاب سے سخت تر ہے۔ یہ فائدہ **فی الدرک الاسفل** الخ سے حاصل ہوا اس کی وجہ ظاہر ہے کہ منافق کافر بھی ہے' دھوکہ باز بھی' اس کا نقصان بمقابلہ کھلے کافر کے سخت ہے ہمیشہ مسلمانوں کو منافقین کے ہاتھوں جو دکھ پہنچے وہ کھلے کافروں کے ہاتھوں نہ پہنچے۔ منافقین غدار قوم غدار ملک غدار دین ہیں۔

جعفر از بنگال صادق از دکن ننگ قوم و ننگ دین ننگ وطن
کے شب ہندوستان آید بروز مرد جعفر روح او زندہ ہنوز!

چوتھا فائدہ: دوزخ کے تمام طبقوں میں نچلا طبقہ ہاویہ زیادہ خطرناک ہے وہاں عذاب بہت سخت ہے۔ جیسے کہ جنت کے تمام طبقوں میں اونچا طبقہ جنت الفردوس یا اعلیٰ علیین بہترین ہے۔ پانچواں فائدہ: کل قیامت میں منافقوں کا مددگار کوئی نہیں اسے مخلص مومنوں کے بہت سے مددگار اللہ تعالیٰ نے بنادیئے ہیں۔ جو ان کی شفاعت کرکے معافی یا عذاب میں تخفیف کرائیں گے جیساکہ لھم نصیرا میں لھم کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا جو شخص کہے کہ میرا مددگار کوئی نہیں وہ اپنے منافق ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا۔ خیال رہے کہ مومنین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرات اولیاء عام مومنین کی طرف سے دنیا میں بھی مددیں پہنچتی رہتی ہیں۔ مرتے وقت بھی قبر میں بھی اور قیامت میں بھی اس لئے اسے ثواب قیامت کے بعد دیا جائے گا کیونکہ برزخ میں مومنوں کو زندوں کی طرف سے قیامت تک دعائیں صدقات خیرات پہنچتے رہیں گے۔ جب دنیا سے مسلمان ختم ہو جائیں گے اور یہ ثواب پہنچنا بند ہو جائے گا تب قیامت آئے گی۔ جیسے روٹی کپڑا مکان ہم کو بہت سی امدادوں کے بعد ملتا ہے۔ کپڑے میں کپاس والے کسان' پھر بنولے نکالنے والی مشین' پھر سوت کاتنے والے' پھر بننے والے کی' پھر سینے والے درزی کی امدادیں شامل ہوئیں۔ تب ہم نے پہنا پھر بھی دھوبی کے محتاج رہے۔ یونہی کلمہ قرآن نمازیں وغیرہ عرشی نعمتیں بہت ہاتھ لگنے بہت حضرات کی مدد کے بعد ہم کو مے۔ چھٹا فائدہ: گنہگار مسلمانوں کی بھی شفاعت ہوگی کیونکہ یہاں شفاعت نہ ہونا مددگار نہ ہونا منافقوں کے لئے خاص کیا گیا (تفسیر کبیر)۔
ساتواں فائدہ: بدترین کافر کی بھی توبہ قبول ہے جیساکہ الا الذین تابوا الخ سے معلوم ہوا۔ دیکھو منافقین بدترین کفار ہیں۔ مگر توبہ کی دعوت ان کی بھی دی گئی۔ آٹھواں فائدہ: سخت جرم کی توبہ بھی بہت مضبوط ہونی چاہئے۔ دیکھو ان منافقوں کو چار چیزوں کی تاکید فرمائی۔ توبہ' اصلاح' اعتصام باللہ' اخلاص دین۔ کیونکہ ان کا جرم بھی سخت تھا۔ نواں فائدہ: اچھوں کا ساتھ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ رب تعالیٰ نے یہاں ان چار چیزوں کا انعام یہ مقرر فرمایا کہ فاولئک مع المومنین۔ اللہ تعالیٰ اچھوں کا ساتھ عطا فرمادے۔ دین و دنیا میں ان کے ساتھ رکھے لکڑی کے سہارے لوہا تر جاتا ہے۔ دسواں فائدہ: نو مسلم نور پرانا مسلم ان شاء اللہ بارگاہ الٰہی میں ایک درجہ رکھتا ہے۔ یہ فائدہ بھی مع المومنین سے حاصل ہوا۔ گیارہواں فائدہ: رب تعالیٰ مومنوں کو ایسا عظیم الشان اجر دے گا جو ان کے خیال و گمان و وہم سے وراء ہوگا جیساکہ اجرا" عظیما سے معلوم ہوا۔ کریم بھکاریوں کا استحقاق نہیں دیکھتے۔ اپنی شان کرم پر نظر فرما کر بندہ نوازی کرتے ہیں یہ فائدہ اجرا" عظیما سے حاصل ہوا۔ بارہواں فائدہ: سب سے سخت عذاب تین قسم کے لوگوں کو ہے۔ فرعونی لوگ' مائدہ والے لوگ' جنہوں نے غیبی دسترخوان عیسیٰ علیہ السلام سے مانگا کہ دسترخوان آنے پر بھی ایمان نہ لائے۔ ہمارے اسلام کے منافقین۔ دیکھو رب تعالیٰ نے فرعونیوں کے متعلق فرمایا۔ ادخلوا ال فرعون اشد العذاب اور مائدہ والوں کے متعلق فرمایا۔ فانی اعذبہ' عذابا" لا اعذبہ' احدا من العلمین۔ اور اسلامی منافقین کے متعلق فرمایا۔ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ اگر تمام امتیں اپنے منافقین لائیں اور ہم اپنے ایک منافق حجاج ابن یوسف کو لائیں تو ہمارا یہ منافق ان سب منافقوں سے بڑھ جائے گا۔ (تفسیر روح المعانی)۔ تیرہواں فائدہ: قیامت میں اللہ تعالیٰ بغیر دلائل و

حجتہ کسی کو عذاب نہ دے گا۔ یہ فائدہ سلطانا" مبینا" سے حاصل ہوا۔ اور جیسے دوستی کفار کفر کی کھلی دلیل ہے ایسے ہی مسلمانوں سے دوستی 'اولیاء اللہ 'انبیاء کرام سے عقیدت ان شاء اللہ ایمان کی کھلی دلیل ہو گی۔ بلکہ دل کا میلان و رجحان اگر کفار کی طرف ہے تو سمجھ لو کہ انجام خراب ہونے والا ہے اور اگر کسی کے دل کا میلان مومنوں 'مقبولوں کی طرف ہے تو سمجھ لو کہ ان شاء اللہ خاتمہ بالخیر میسر ہو گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ روحیں مختلف لشکر ہیں۔ ہر قسم کی روح کو اپنی جنس والی روحوں سے الفت ہو گی۔ مولانا فرماتے ہیں۔۔

ناریاں مرناریاں را طالب اند نوریاں مرنوریاں را جاذب اند!

پہلا اعتراض: کفار سے دوستی کو اتنا سنگین جرم کیوں قرار دیا گیا کہ قتل 'غارت 'شراب نوشی وغیرہ جرموں سے اس کی سزا اخروی سخت رکھی 'اس کی کیا وجہ ہے 'بظاہر یہ معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ جواب: اس لئے کہ ان سے محبت تمام گناہوں بلکہ کفر کی جڑ ہے قوم سے غداری ہے ملک و ملت سے دشمنی ہے۔ جاسوسی 'مسلمانوں کو نقصان رسانی اسی محبت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ کافر کی محبت 'سانپ کی محبت سے خطرناک ہے۔ کہ سانپ جان لے گا اور کافر ایمان۔ نیز کھلے کافروں سے مسلمانوں کو نقصان کم پہنچتا ہے مگر ان چھپے کافروں یعنی منافقوں سے نقصان زیادہ پہنچتا ہے کھلے زہر سے انسان کو نقصان کم پہنچتا ہے مگر مٹھائی میں چھپے ہوئے زہر سے لوگ زیادہ مرتے ہیں۔ اس لئے منافق کھلے کافروں سے بدتر ہیں۔ چنانچہ ان کا عذاب کھلے کافروں سے زیادہ ہے۔ حق تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا ہم خود اپنے پر ظلم کر لیتے ہیں۔ دوسرا اعتراض: جب کفار سے محبت اتنی بری چیز ہے تو اہل کتاب عورتوں سے نکاح کیوں درست ہے۔ بیوی سے محبت تو لازمی چیز ہے۔ جواب: اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح اس لئے درست کیا گیا تاکہ وہ ہماری صحبت سے اسلام قبول کر لیں اگر ہم کو اپنے ایمان کا خطرہ ہو یا اپنی قوم سے غداری کا اندیشہ ہو تو ہرگز ان سے نکاح درست نہیں۔ نیز بیویوں سے محبت شہوانی ہوتی ہے۔ جیسے ماں باپ سے محبت جسمانی 'محبت بمعنی میلان قلبی کہ ان کی وجہ سے اسلام و مسلمانوں کی محبت کم یا مفقود ہو جائے یہ حرام ہے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر اور تمام رشتہ داروں سے بیزاری کا اعلان فرمایا۔ دیکھو ان سے رشتہ بھی ہے نفرت بھی۔ تیسرا اعتراض: منافقین کا عذاب تمام کفار سے سخت تر کیوں رکھا گیا۔ کھلے کافر تو دل و زبان دونوں کے کافر ہیں۔ منافق کم از کم زبان کے تو مسلمان ہیں۔ ان کا عذاب ہلکا ہونا چاہئے۔ جواب: منافقین زبان کے مومن نہ تھے بلکہ زبان کے دھوکہ باز تھے یہ کلمہ خوانی مکاری و عیاری ہے۔ نہ کہ زبانی ایمان منافقین کافر بھی تھے 'دھوکہ باز بھی اسلام و مسلمانوں کے بدترین دشمن بھی۔ لہذا ان کا عذاب سخت ہونا چاہئے۔ چوتھا اعتراض: اسلام میں منافق کون ہے۔ حدیث شریف میں تو جھوٹے 'وعدہ خلاف 'گالیاں بکنے والے امانت میں خیانت کرنے والے کو منافق فرمایا گیا ہے کیا ان سب لوگوں کا یہی عذاب ہے۔ جواب: منافق وہ ہے جو کفر چھپائے ایمان ظاہر کرے اس قسم کے گنہگاروں کو منافق عملی فرمایا گیا ہے۔ یعنی منافقوں کے سے کام کرنے والے لہذا حدیث پاک بالکل صحیح ہے۔ پانچواں اعتراض: دوزخ کے نچلے طبقے میں عذاب سخت کیسے ہو گا۔ آگ ایک ہے پھر اس کے اثرات مختلف کیوں؟ جواب: جیسے سورج ایک ہے مگر اس کی گرمی زمین کے مختلف طبقوں میں مختلف ہے۔ خط استواء پر سخت گرمی ہوتی ہے۔ پہاڑوں پر ٹھنڈک ایسے ہی وہاں ایک آگ کی تاثیریں مختلف طبقوں میں مختلف ہوں گی۔ نیز دھوپ میں صفراوی مزاج والے کو

گرمی زیادہ لگتی ہے۔ بلغمی و دموی مزاج والے کو کم اسی طرح وہاں منافقوں کو گرمی زیادہ محسوس ہوگی۔ دوسرے کفار کو کم گنہگار مسلمانوں کو جو وہاں جائیں گے بہت کم حتیٰ کہ جو نیک مسلمان گنہگار دوزخی مسلمانوں کو نکالنے کے لئے دوزخ میں جائیں گے۔ انہیں وہاں کی آگ کی گرمی کچھ بھی محسوس نہ ہوگی بہرحال یہ اختلاف احوال و اختلاف طبقات بالکل حق ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر و منافق کی بھی توبہ قبول ہے۔ مگر حدیث پاک میں ہے کہ ثعلبہ نے زکوٰۃ پر ناگواری ظاہر کی پھر خود زکوٰۃ لے کر حاضر ہوتا رہا ہر بار نامنظور ہوئی حتیٰ کہ عہد عثمانی میں اسی طرح فوت ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کی توبہ قبول نہ ہوئی۔ آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ اسی طرح ایک غلول کرنے والے کی بھی توبہ حضور نے قبول نہ فرمائی۔ **جواب:** ثعلبہ نے توبہ نہ کی تھی بلکہ مسلمانوں کے خوف سے نفاق سے زکوٰۃ لایا تھا۔ لہٰذا منظور نہ ہوئی۔ خیال رہے کہ توبہ سے عذاب اخروی ختم ہو جاتا ہے مگر شرعی قانونی سزا معاف نہیں ہوتی۔ چور و زانی توبہ کرلیں مگر چوری اور زنا کی سزا ضرور پائیں گے۔ غلول والے کا معاملہ یہ دوسرا تھا۔ لہٰذا آیت و حدیث میں تعارض نہیں۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو منافق توبہ، اصلاح اعمال، اخلاص وغیرہ کرے تو وہ مومنوں کے ساتھ ہو جائے گا تو کیا خود مومن نہ ہوگا یہاں یہ کیوں نہ فرمایا کہ وہ مومن ہو جائے گا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ ایسا توبہ کرنے والا شخص صرف مومن نہ ہوگا بلکہ پرانے مومنوں کے ساتھ ہو کر ان جیسا انعام پائے گا۔ اگر یہاں صرف یہ فرمادیا جاتا کہ وہ مومن ہو جائے گا تو شبہ ہوتا کہ مومن تو ہو جائے گا مگر بہت گھٹیا درجہ کا اور پرانے مومن بہت اونچے درجہ کے مومن ہوں گے۔ اسی شبہ کو دور فرمانے کے لئے اس طرح ارشاد ہوا نیز یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ ہمارے ہاں وہ کامیاب ہے جو مومنوں کے ساتھ رہے۔ اکیلا مومن جو دوسروں کے ساتھ نہ ہو کامیاب نہیں۔ بکری وہی شکار ہونے سے بچتی ہے جو ریوڑ کے ساتھ رہے۔ **آٹھواں فائدہ:** اعتصام باللہ اور اخلاص دین میں کیا فرق ہے۔ دونوں ایک ہی معلوم ہوتے ہیں۔ **جواب:** اس کا فرق تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اعتصام باللہ سے مراد ہے طلب رضاء الٰہی اور اخلاص سے مراد ہے اس طلب کا خالص ہونا کہ سواء اس کے اور کوئی مقصود نہ ہو۔ طلب اور اخلاص طلب میں بڑا فرق ہے۔ اخلاص طلب درحقیقت طلب کا کمال ہے۔

تفسیر صوفیانہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت الٰہی کا بادل ہیں اور قرآن مجید، احادیث صحیحہ اس بادل کی ظاہری بارش اور اسرار قرآن و رموز دین، فیوض و برکات اس بادل کی باطنی بارش ہے، کافر کا دل زمین شور ہے جہاں اس بارش سے کچھ نہ پیدا ہوا وہ پہلے کفر پر جما رہا اور مومن کا دل وہ اعلیٰ زمین ہے جہاں ہر قسم کا تخم ودیعت تھا جس سے باغ و بہار پھول و پھل پیدا ہوئے مگر منافق کا دل وہ زمین ہے جس میں اس بارش سے درخت خاردار اگے، کانٹے، پھیلے زہریلی گھاس وغیرہ پیدا ہوئیں یہ زمین بمقابل کافر کی زمین کے زیادہ نقصان دہ ہے اس لئے اس کی سزا بھی سخت ہے۔ اب اگر اس زمین پر کسی مقبول کی نگاہ کرم ہو جائے جس سے اس کی اصلاح ہو جائے اور توبہ کی وجہ سے اس زمین کا انقلاب ہو جائے جس سے اس میں اعتصام باللہ کے پھول اخلاص کے پھل لگ جائیں تو یہ زمین دوسری اعلیٰ زمینوں میں شمار ہو جائے گی۔ **فاولئک مع المومنین**۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ کھلے کافر نے اپنے کفر کی زنگ سے اپنی روح کی صفائی کو بگاڑ لیا مگر اس کے دل پر صرف ایک زنگ ہے کفر کی مگر منافق کے دل پر دو زنگ ہیں۔ کفر کی زنگ اور نفاق کی زنگ لہٰذا منافق بمقابلہ کھلے کافر کے زیادہ سخت ہے پھر کافر کے خانہ دل سے زبان کی

طرف کھڑکی نکلی ہوئی ہے۔ جس کھڑکی کے ذریعہ اس کے کفر کے بخارات زبان کی راہ نکلتے رہتے ہیں کہ وہ کفر بکتا رہتا ہے۔ جس سے کفر کی بھڑک کچھ ہلکی ہوتی رہتی ہے۔ مگر منافق کے دل کی یہ کھڑکیاں ' روزن بند ہیں۔ اس کے بخارات کفر گھٹ گھٹ کر دل میں ہی رہتے ہی ہیں جس سے ان کی بھڑک اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ دوزخ کے نچلے حصہ ہاویہ میں ہونگے کیونکہ یہ دنیا میں بھی کفر کے نچلے حصہ نفاق میں تھے ایسے ذلیل کفر والوں کا مددگار قیامت میں کوئی نہ ہوگا۔ چونکہ منافقین کے زنگ ذلیل اور بخارات نہ نکلنے کی وجہ سے بھڑک زیادہ۔ لہذا ان کی صفائی کے لئے چار صیقلوں کی ضرورت ہوئی توبہ 'اصلاح' اعتصام' اخلاص یہ چار صیقل جب استعمال کئے جائیں تو ان کے دلوں میں صفائی پیدا ہوگی پھر وہ مومنوں کی صفوں میں آنے کے قابل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ صرف مومنوں کو ہی اجر عظیم دے گا جب یہ مومن ہو گئے تو یہ بھی اس بڑے ثواب کے مستحق ہوں گے۔

خلاف طریقت بود کا لولیاء   تمنا کنند غیر از خدا از خدا (روح)

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ
کیا کرے گا اللہ تمہارے عذاب سے اگر تم شکر کرو اور ایمان قبول کرو اور ہے
اور اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم حق مانو اور ایمان لاؤ اور اللہ ہے
شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾
اللہ قدردان علم والا ۔
صلہ دینے والا جاننے والا ۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں منافقین کے سخت عذاب کا ذکر تھا۔ اب وجہ عذاب کا ذکر ہے کہ عذاب کی وجہ یہ نہیں کہ ہم کو ان منافقین سے کوئی عداوت وذاتی رنجش ہے بلکہ اس کی وجہ خود ان کی اپنی بدعملیاں ہیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقین و مفسدین کو توبہ کی دعوت دی گئی تھی کہ اب بھی توبہ و اخلاص اختیار کرلو ہم تم کو بخش دیں گے اور پرانے مومنوں کی صفوں میں داخل فرمالیں گے اب اس قبول توبہ کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ ہم شاکر بھی ہیں علیم بھی اور شاکر و علیم کا کام ہے بخش دینا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ ہم مومنوں کو بڑا ثواب دیں گے اب اپنا ایک کلیہ قانون بیان ہو رہا ہے۔ جس سے ثواب کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے وہ قانون یہ ہے کہ رب تعالیٰ بے قصور کسی کو سزا نہیں دیتا ہاں کبھی بغیر نیک اعمال عطائیں فرمادیتا ہے جیسے مسلمانوں کے چھوٹے بچے اور وہ نو مسلم جو ایمان لاتے ہی فوت ہو جائیں لہذا اگر منافقین ایمان لے آئیں اور کوئی نیکی نہ کر سکیں کہ فوت ہو جائیں تو ان کو پرانے مسلمانوں کا سا اجر دے گا۔ غرضیکہ ایک کرم خاص کا ذکر پچھلی آیت میں تھا قانون کلی کا ذکر اس آیت میں ہے۔

تفسیر : ما یفعل اللہ بعذابکم ۔ یہ جملہ نیا ہے جو پہلے گذشتہ جملہ کی شرح فرما رہا ہے ما یا تو استفہامیہ ہے اور ۔ عذابکم میں ب سببیہ ہے۔ اس کا تعلق یا تو ۔یفعل سے ہے یا کسی پوشیدہ لفظ سے۔ اس صورت میں لفظ ما مفعول مقدم ہو گا۔ یفعل کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا تمہیں عذاب دینے میں اس کا کوئی فائدہ نہیں اور عذاب نہ دینے میں اس کا کوئی نقصان نہیں نہ تم سے اسے عداوت ہے کہ تم کو ظلماً عذاب دے کر اپنا غصہ ٹھنڈا کرے ۔نہ وہ ظالم ہے جو بلاوجہ تم کو عذاب دے (تفسیر روح المعانی و کبیر وغیرہ) یا یہ ما نافیہ ہے اس صورت میں بعذابکم کی ب زائدہ ہے۔ اور یہ ۔ عذابکم ۔یفعل کا مفعول یہ ہے اب معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو عذاب نہ کرے گا لہٰذا اس جملہ کی دو تفسیریں ہوئیں مگر دونوں کا منشا ایک ہی ہوا (تفسیر صاوی و کبیر و روح المعانی) مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے دوسری تفسیر زیادہ آسان ہے کم میں خطاب یا تو منافقین سے ہے یا حضرات صحابہ کرام سے یا تاقیامت سارے مسلمانوں سے یا سارے انسانوں سے یا تمام جن و انس سے ان پانچ احتمالات میں سے پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کہ پچھلی آیت میں منافقین ہی کا ذکر ہے لہٰذا یہاں بھی خطاب ان سے ہی چاہئے۔ ان شکرتم و امنتم ۔یہ عبارت یا تو پہلی عبارت کی شرط موخر ہے اور وہ اس کی جزاء مقدم تھی یا یہ علیحدہ جملہ ہے اور اس کی جزاء لا یعذبکم پوشیدہ ہے۔ شکر ضد ہے کفر یا کفران کی کفران کے معنی ہیں چھپانا تو شکر کے معنی ہوئے ظاہر کرنا اصطلاح میں۔ شکر کے معنی ہیں۔ نعمتیں دینے والے کی نعمتوں کا اقرار کرنا دل سے۔ اظہار کرنا زبان سے اطاعت کرنا ارکان یعنی اعضاء سے ۔لہٰذا شکر کے تین درجے ہوئے۔ شکر جنانی لسانی ارکانی آ منتم ایمان سے بنا کفر کا مقابل یعنی درستی عقائد یہاں بھی خطاب میں وہی پانچ احتمال ہیں جو ۔عذابکم کے خطاب میں تھے لیکن اگر منافقین و کفار سے خطاب ہو تو شکر کے معنی ہوں گے۔ شکر کرنا اور ایمان سے مراد ہو گی ایمان لانا اور اگر مسلمانوں سے خطاب ہو تو شکر سے مراد ہو گا شکر کئے جانا اور ایمان سے مراد ہو گا ایمان پر قائم رہنا۔ کیونکہ مومن ایمان تو پہلے ہی لا چکا ہے۔ اور وہ بندہ شاکر بھی ہے۔ کیونکہ بغیر شکر ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ اگرچہ ایمان شکر سے پہلے ہے کیونکہ شکر ایک عمل ہے اور ایمان عقیدہ اور ظاہر ہے کہ عقیدہ اعمال پر مقدم ہوتا ہے اور بغیر درستی عقائد کوئی عمل نہ صحیح ہو نہ مقبول مگر شکر مبہم ایمان سے پہلے ہوتا ہے بلکہ وہ شکر مبہم ہی ایمان لانے کا ذریعہ ہوتا ہے یہاں وہی شکر مراد ہے۔ اس لئے شکر کو ایمان سے پہلے بیان کیا گیا۔ خیال رہے کہ شکر کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ نعمتوں (روزی خلقت وغیرہ) میں غور کر کے منعم کی معرفت کا شوق کرنا۔ اس شکر کا نام یقظہ بھی ہے۔ شکر قلبی بھی اور شکر مبہم بھی۔ دوسرا درجہ منعم کو پہچان لینا کہ وہ صمد ہے ارحم الرحمین ہے۔ عذاب اور ثواب دینے والا ہے۔ تیسرا درجہ اس معرفت کے بعد اپنے منعم کی تعظیم کرنا اس کی اطاعت فرمانبرداری اور زبان سے تعریف کرنا ہے۔ شکر کا پہلا درجہ ایمان پر مقدم ہے اور دوسرا درجہ ایمان کے ساتھ ہے اور تیسرا درجہ ایمان کے بعد۔ یہاں پہلا درجہ یعنی شکر مبہم یا یقظہ مراد ہے۔ لہٰذا اس کا ایمان سے پہلے بیان فرمانا نہایت ہی درست ہے۔ (تفسیر روح المعانی)۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اس عبارت میں قلب ہے۔ اصل میں امنتم و شکرتم تھا۔ واؤ ترتیب کے لئے نہیں ہے۔ تفسیر خازن نے بھی اس تیسری وجہ کو اختیار فرمایا۔ مگر فقیر کی نگاہ میں تفسیر روح المعانی کی تحقیق نہایت قوی ہے۔ کہ قرآن کریم کی ترکیب ذکری بھی صدہا حکمتوں سے ہوتی ہے۔ علامہ نیشاپوری نے فرمایا کہ چونکہ یہاں خطاب منافقین سے ہے جو ظاہراً مومن تھے مگر دلی کافر یعنی شاکر نہ تھے۔ اس لئے یہاں شکر کا ذکر پہلے ہوا۔ منشا یہ ہوا کہ تم وہ

ایمان اختیار کرو جو شکر یعنی عقیدت قلبی پر مبنی ہو۔ **و کان اللہ شاکرا علیما** ۔یہ نیا جملہ ہے جو پچھلے مضمون ما یفعل اللہ کو ثابت کر رہا ہے۔ کان دوام و استمرار کے لئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات دائمی ہیں۔ شاکرا کان کی خبر اول ہے اور علیما خبر دوم۔ شاکر و شکور اللہ تعالیٰ کے اسمائے عالیہ میں سے ہیں۔ یہاں شاکر وہ ہے جو بندوں کی تھوڑی اطاعت پر بے شمار جزاء عطا فرماوے اور بندوں کے گنتے چنے محدود زمانے کے اعمال پر غیر محدود دائمی نعمتیں بخش دے یا شاکر وہ ذات کریم جو اپنے بندوں کے معمولی عمل کی بھی قدر فرمائے۔ اور انہیں اپنی شان کے لائق جزا دے۔ چونکہ یہ شکر یعنی اعمال کی قدر دانی نعمتوں کی فراوانی' بخششوں کی جاودانی بغیر علم ناممکن ہے کہ جو منعم اپنے بندوں کے اعمال سے ہی بے خبر ہو وہ انہیں جزا کیسے دے گا۔ اس لئے یہاں شاکرا کے ساتھ علیما کا ذکر ہوا یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے صلہ دینے والا' قدر فرمانے والا' علیم و خبیر ہے۔ لہذا کیسے ہو سکتا ہے کہ تم لوگ شکر کرو اور وہ تمہیں سزا دے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے منافقو' یا اے مخلص صحابیو' یا اے مسلمانو' یا اے انسانو' یا اے سارے جن و انس اگر تم بندہ شاکر اور مومن رہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا نہ اسے تم سے عداوت نہ تمہارے عذاب دینے سے اس کے ملک میں کچھ زیادتی ہوتی ہے نہ تمہیں ثواب دینے سے اس کے ملک میں کچھ کمی ہوتی ہے۔ نہ وہ ظالم ہے جو بلاوجہ کسی کو سزا دے جب ان میں سے کوئی وجہ نہیں تو بغیر جرم کسی بندے کو عذاب دینا ناممکن ہے۔ جس کو جو سزا ملے گی وہ اس کی اپنی بد عملی ناشکری' نافرمانی کا نتیجہ ہو گا۔ یہ سزا عدل و حکمت پر مبنی ہو گی۔ لہذا نہ تم نافرمانی کرو نہ سزا پاؤ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے اپنے بندوں کا قدر دان' ان کے معمولی اعمال پر اعلیٰ نعمتیں دینے والا ہے۔ وہ ہر ایک کے عمل' عقیدے' مقدار عمل' کیفیت عمل کو جانتا ہے۔ لہذا اخلاص و نیک اعمال اختیار کرو۔ تاکہ اس کی بارگاہ سے اعلیٰ نعمتیں پاؤ۔ اسے راضی کرو وہ تم پر فضل فرمائے گا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے کام حکمت سے تو ہوتے ہیں۔ مگر کسی غرض سے نہیں ہوتے وہ رب کریم غرض و غایت سے پاک ہے جیسا کہ **ما یفعل اللہ** الخ سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** شکر گزار مومن کو سزا نہ دی جائے گی اور رب تعالیٰ کسی کی نیکیاں بلاوجہ ضائع نہ کرے گا۔ فرماتا ہے۔ **ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین**۔ یہاں یہ فائدہ **ان شکرتم و امنتم** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** دنیا کے بادشاہ تین وجہ سے لوگوں پر سختی کرتے ہیں۔ اپنے نقصان کے خوف' اندیشہ سے۔ نفسانی غصہ کی آگ بجھانے کے لئے' مجرم کے جرم کی وجہ سے' تیسری وجہ کی تو معافی ہو جاتی ہے مگر پہلی دو وجہوں کی معافی نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو صرف تیسری وجہ سے سزا دے گا وہ رب کریم پہلی دو وجہوں سے پاک ہے۔ **چوتھا فائدہ:** گنہگار مومن کو دائمی عذاب نہ ہو گا اس کی خلاصی ضروری ہے کیونکہ وہ مومن تو کامل ہے شاکر ناقص ہے کچھ نہ کچھ تھوڑا بہت شکریہ ضرور کرتا ہے اور ایمان و شکر کا ثواب یقینی ملتا ہے۔ اس لئے اسے بھی آخر کار ثواب کی جگہ جنت میں بھیجا جائے گا۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے تھوڑے اعمال پر بھی راضی ہو جاتا ہے۔ اس پر ثواب عظیم فرماتا ہے اگر اسے راضی کرنا ہے تو اعمال نیک کرو۔ جیسا کہ شاکرا کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ اس لئے رب تعالیٰ کا نام شکور ہے اب بھی اگر ہم اسے راضی نہ کریں تو ہماری اپنی بد نصیبی ہے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں   راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں!

چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ہر حال ہر کیفیت پر ہمیشہ سے خبردار ہے۔ جیسا کہ کان استمراری سے معلوم ہوا اس زمانہ کے بعض بے دینوں کا خیال ہے کہ رب تعالیٰ بندوں کے اعمال پر جب خبردار ہوتا ہے۔ جب بندہ عمل کر چکتا ہے یہ فاسد عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے اور صریح کفر ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کا ترجمہ اور مقصد یہ ہے کہ اگر تم شکر و ایمان اختیار کرو تو ہم تم کو عذاب دے کر کیا کریں گے۔ یعنی کچھ نہ کریں گے جس سے معلوم ہوا کہ اگر بندے شکر و ایمان اختیار نہ کریں تو رب تعالیٰ عذاب دے کر کچھ کرے گا۔ اس عذاب میں اس کا کچھ نفع ہے یہ شرط اس کی شان کے خلاف ہے۔ جواب: غیر مومن غیر شاکر کو عذاب دے کر رب تعالیٰ عدل و انصاف کرے گا اس عدل و انصاف میں اس کا نفع نہیں خلق کا نفع ہے عالم کا نظام عدل و انصاف سے قائم ہے۔ مومن شاکر کو عذاب دینے میں عدل تو ہے نہیں اگر ہے تو حاکم کی کوئی ذاتی لالچ و غرض ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ پاک ہے اس لئے یہ شرط و جزاء بالکل درست ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ شاکر مومن کو عذاب بالکل نہ ہو کہ فرمایا گیا **ان شکرتم و امنتم** حالانکہ بہت سے شاکروں، مومنوں کو عذاب ہوگا جو گنہگار ہوں گے یہ آیت اس قانون کے خلاف ہے۔ جواب: شاکر سے مراد کامل شکر گزار ہے وہ وہی ہے جو گناہوں سے بچے گنہگار مومن کامل شاکر نہیں یا یہ کہو کہ گنہگار مسلمان ہے تو شاکر مگر اس کو عارضی طور پر دوزخ میں ڈالنا عذاب نہیں عتاب ہے اور وہ عتاب بھی اسے پاک و صاف کر کے جنت کے قابل بنانے کے لئے ہے جیسے گندے سونے کو آگ میں تپا کر ہتھوڑے مارنا اسے محبوب کے گلے کے لائق بنانے کے لئے ہے عذاب کے لئے نہیں۔ تیسرا اعتراض: یہاں شکر کو ایمان پر مقدم رکھا گیا ہے حالانکہ ایمان شکر پر مقدم ہے کہ ایمان عقیدہ کا نام ہے اور شکر عمل کا تو یہ ترتیب کیسے درست ہوئی۔ جواب: اس کے چند جوابات تفسیر میں گزر گئے۔ جن میں سے اعلیٰ جواب یہ ہے کہ یہاں شکر اعتقادی مراد ہے جو ایمان سے پہلے ہوتا ہے جس کی وجہ سے ایمان نصیب ہوتا ہے یعنی شکر مبہم لہذا یہ ترتیب نہایت ہی درست و صحیح ہے اور بھی اس کے جوابات دیئے گئے ہیں جو ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کر دیئے۔

تفسیر صوفیانہ: شکر و ایمان نیران سے نجات کا ذریعہ ہے۔ جو ان نعمتوں سے الگ رہا وہ دوزخ اور فراق یار کی نار کا مستحق ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم پر نعمتوں کا پہلا کنارہ پہنچے تو خوب شکر کرو تاکہ اس کا آخری کنارہ بھی تم تک پہنچے اور تم پر نعمت مکمل ہو جائے اگر شکر میں کمی کرو گے تو آخری کنارہ تم تک نہ پہنچے گا کسی نے کیا خوب فرمایا۔

چوں بیابی تو نفع در چند   خرد باشد جو نقطہ موہوم
شکر آں یافتہ خرد مگذار   کہ زنا یافتہ شوی محروم!

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی لاکھوں نعمتیں وہ ہیں جو ہم کو ہمارے دنیا میں آنے سے پہلے مل چکی ہیں اس نے ہم کو نیستی سے ہست کیا تمام مخلوق سے پہلے ہماری روحیں پیدا فرمائیں۔ ہمارے ظلمت کدہ جسم میں روح کے نورانی بلب لگائے۔ ان ارواح پر نورانی چھینٹا ڈالا جو بعض پر پڑا بعض اس سے محروم رہے۔ جن پر پڑا ان سے خطاب فرمایا۔ **ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و امنتم** یعنی یہ وہ نعمتیں ہیں جو تم کو بغیر استحقاق دی گئیں۔ اگر تم نے ان نعمتوں کا شکر کیا کہ نعمتوں کو بھی پہچانا اور منعم کا احسان بھی مانا تو تم میرے فراق کے عذاب سے بچ جاؤ گے۔ نعمتوں کے شکر سے منعم کا شکر زیادہ اہم ہے

اس لئے ایک جگہ ارشاد ہوا واشکرولی میری ہستی کا شکر کرو اگر منعم نہ ہوتا تو نعمتیں کون دیتا۔ جس نے رب کے وجود کا شکر کیا اسے رب تعالیٰ کے جود سے حصہ وافر ملا۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے کفر شاکروں کے شکر سے خبردار ہے۔ جبکہ یہ کافرو شاکر نہ بنے تھے اس وقت سے وہ ان کی ذات واحوال کو جانتا ہے اس نے شاکروں کے شکر کی جزاء کافروں کے کفر کی سزا ان دونوں گروہوں کی پیدائش سے پہلے تجویز کرر کھی ہے۔ (از روح البیان)۔

الحمد للہ کہ تفسیر نعیمی کا یہ پانچواں پارہ 15 ماہ رمضان 1382ھ مطابق 10 فروری 1963ء بروز یکشنبہ کو شروع ہوا اور آج بتاریخ 16 ماہ ربیع الاول 1383ھ مطابق 7 اگست 1963ء بروز چہار شنبہ بوقت 9 بجے صبح بخیر وخوبی ختم ہوا۔ چھ ماہ ایک دن میں مکمل ہوا۔ رب تعالیٰ اسے قبول فرمائے مسلمانوں کے لئے نافع مجھ سیاہ کار کے لئے توشہ ء آخرت بنائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علے حبیبہ سیدنا محمد والہ

و اصحبہ اجمعین برحمتہ وھو ارحم الراحمین۞

الحمد للہ کہ اسی سال ماہ رمضان کے روزے اور اعتکاف مسجد نبوی شریف میں نصیب ہوئے یہ گنہگار یا یہا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کی تفسیر کا درس یہاں گجرات دے کر گیا تھا پھر اس آیت کریمہ کا درس اعتکاف کے زمانہ میں دس دن مسجد نبوی شریف اندرونی باب سیدنا عمر دیا پھر پانچ ماہ کے بعد اس مبارک سفر سے واپس گجرات آکر آٹھ دن اسی آیت پر درس دیا ان درسوں کا خلاصہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اس سفر میں فقیر کو بیت المقدس، دمشق، بغداد، کربلا، کوفہ کی زیارات بھی نصیب ہوئیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے آمین ثم آمین۔

احمد یار خاں

احمد یار خان بدایونی مدرس مدرسہ غوثیہ نعیمیہ
چوک پاکستان گجرات۔ پاکستان۔